فہرست مضامین

فہرست نقشہ جات

طبعِ جدید

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للّٰہ الذی بتوفیقہ تتم الصالحات والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ الذی بجاھہ تقبل الطاعات وتمحیٰ السیئات وعلی الہ معادن السعادات واصحابہ منابع البرکات ومن احبہ واتبعہ باحسان الی یوم الدین۔

۱۳۸۴ھ ہجری ۱۹۶۵ء میں ضیاء القرآن کی پہلی جلد کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا۔ ۱۹۷۰ء میں دُوسری جلد طبع ہُوئی۔ اِن دونوں جلدوں کی کتابت اور طباعت اِتنی غیر معیاری تھی کہ ان کا مطالعہ قارئین کے ذوقِ لطیف پر ایک ناخوشگوار بوجھ تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ بازار میں دستیاب بھی نہیں ہوتی تھی جس سے شائقین کو گوناگوں دُشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ یہ ساری باتیں میرے لیے بڑی تکلیف کا باعث تھیں لیکن اس سے رُستگاری کی کوئی صُورت نظر نہ آرہی تھی۔

آخر کار اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہا کہ متوکلاً علی اللہ تعالیٰ اس کی طباعت واشاعت کی ذمہ داری خود سنبھالی جائے۔ چُنانچہ مخلص احباب کے مشورہ اور تعاون سے شبِ معراج ۱۳۹۴ھ میں ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا۔ اُسی کی زیرِ نگرانی ضیاء القرآن طبع ہو کر اب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

- تمام تفسیر کی کتابت از سرِ نو کرائی گئی ہے اور ملک کے بہترین خوشنویسوں کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔
- ضیاء القرآن کو تین جلدوں میں شائع کرنے کے بجائے پانچ جلدوں میں شائع کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ کیونکہ مواد زیادہ تھا اِسے تین جلدوں میں سمونا مشکل تھا۔
- تفسیر کو حاشیہ پر لکھنے کا اسلوب ترک کر کے موجُودہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔
- مطبُوعہ جلدوں میں بھی متعدد مقامات پر اضافے کیے گئے ہیں جن سے آیات کا مطلب سمجھنے میں آسانی ہوگی۔
- مُناسب مقامات پر مضامینِ قرآن کی توضیح کے لیے نقشوں کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے۔
- ہر جلد کی فہرستِ مطالب از سرِ نو اس طرح مرتب کی گئی ہے کہ قارئین کے لیے اِس سے اِستفادہ آسان ہو جائے۔
- پانچویں جلد کے آخر میں مفتاح القرآن نامی ایک رسالہ کا اضافہ کر دیا گیا ہے جس سے قارئین کو مطلوبہ آیت کی تلاش میں مدد ملے گی۔
- پہلی طباعت بلاکس پر تھی۔ اب فوٹو آفسٹ کا طریقہ اپنایا گیا ہے۔
- قرآنِ کریم کے نُور کو ہر مُسلم گھر میں پہنچانے کی غرض سے ضیاء القرآن دو قسموں میں آپ کے سامنے ہے۔ اعلیٰ قسم اور

ارزاں قیمت۔ تاکہ ہر شخص اپنے ذوق اور مقدرت کے مطابق اسے حاصل کر سکے۔
دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ کے فاضل نوجوان عزیزم مولٰنا محمد سعید اسعد نے دس گیارہ سال بڑی محنت اور دلی لگن سے شب و روز میرے ساتھ کام کیا۔ اپنے آرام و آسائش کی کبھی پرواہ نہ کی۔ ان کی ذہانت، خوش ذوقی اور خلوص کا مجھے اعتراف ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس مخلصانہ رفاقت اور مسلسل محنت کو شرفِ قبول بخشے اور انھیں اپنے دینِ حنیف کی خدماتِ جلیلہ سر انجام دینے کی توفیقات ارزانی فرمائے۔ آمین ثم آمین۔
ان کے علاوہ دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ کے فاضل عزیزم مولٰنا عبد الرسول ارشد ایم۔ اے (گولڈ میڈلسٹ) کا میں ممنون ہوں جنھوں نے میری گزارش پر سرکاری ملازمت سے استعفا دے کر ضیاء القرآن پبلی کیشنز کا کام سنبھالا۔ انہی کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج ضیاء القرآن کو اس دیدہ زیب صورت میں آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔
حضرت مولٰنا محمد معراج الاسلام صاحب شیخ الحدیث دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ اور جناب عابد نظامی مدیر معاون ماہنامہ "ضیائے حرم" میرے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔ ان کے مفید مشوروں سے میں نے استفادہ کیا۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے اراکین کے بھرپور تعاون کے بغیر اس عظیم منصوبہ کو عملی جامہ پہنانا مشکل تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے جذبۂ خدمتِ اسلام کو ہمیشہ سلامت رکھے اور انھیں مزید توفیقات سے بہرہ ور فرمائے۔

رب اوزعنی ان اشکر نعمتك التی انعمت علیّ وعلیٰ والدی وان اعمل صالحاً ترضاہ واصلح لی فی ذریتی اِنّی تبت الیك وانی من المسلمین۔

یارب صل وسلّم دائما ابدا
علی حبیبك خیر الخلق کلھم

دو شنبہ
۲۱۔ محرّم الحرام ۱۳۹۸ھ
۲۔ جنوری ۱۹۷۸ء

خاکِ راہِ صاحبدلاں
محمد کرم شاہ
سجادہ نشین بھیرہ ضلع سرگودھا

ضِيَاءُ القُرآن

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد للہ ربّ العٰلمین الرّحمٰن الرحیم مالک یوم الدین وازکی الصلوات واطیب التسلیمات واسنی التحیات علی حبیبہ المعظم و نبیہ المکرّم سیّد ولد آدم مولانا محمد المبعوث رحمۃ للعالمین قائد الغر المحجلین وعلیٰ آلہ الطیبین واصحابہ المکرّمین اللّٰھم ایّاک نعبد و ایّاک نستعین اھد نا الصراط المستقیم صراط الّذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم و لا الضّالین اٰمین بحق طٰہٰ و یٰس۔

رحمٰن ورحیم پروردگار نے اپنے بندوں کی رہنمائی اور اُن کی حقیقی فلاح و کامرانی کے لیے جو صحیفہ خاتم الانبیاء محمّد رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے قلبِ مُنیر پر نازل فرمایا اسے ہم **قرآن مجید** کے نام سے جانتے ہیں۔ کہنے کو تو یہ ایک کتاب ہے اور کتابیں اَن گنت ہیں۔ بڑی ضخیم، بڑی اَدق، بڑی دل آویز لیکن اِس کتاب کی شان ہی نرالی ہے۔ یہ صحیفہ بیک وقت کتاب بھی ہے اور علم و معرفت کا آفتاب جہاں تاب بھی جس میں زندگی کی حرارت اور ہدایت کا نُور دونوں یکجا ہیں۔ اس کا حسُن و جمال قلب و نگاہ کو یکساں متاثر کرتا ہے۔ اس کی تجلّیات سے دُنیا و عقبیٰ دونوں جگمگا رہے ہیں۔ اس کا فیض ہر پیاسے کو اُس کی پیاس کے مطابق سیراب کرتا ہے۔ اِس کا پیغام اگر عقل و خرد کو لذّتِ جستجو بخشتا ہے تو قلب و رُوح کو بھی شوقِ فراواں سے مالا مال کرتا ہے۔ اس کی تعلیم نے اِنسان کو خود شناس بھی بنایا اور خُدا شناس بھی۔

یہ کتاب مقدّس ہر لحاظ سے سراپا اعجاز ہے۔ اِس کا ہر پہلُو اِتنا دِلرُبا ہے کہ اپنے پڑھنے والے کو مسحُور کر دیتا ہے۔ اِسی لیے جب سے اس کا نزُول ہوا اس نے اپنی فِطری جاذبیّت سے نوعِ انسان کے ہر طبقہ سے سنجیدہ اور ذہین افراد کو اپنی طرف متوجہ کیا اور اس میں قطعاً مبالغہ نہیں کہ قرآنِ حکیم کے متعلق جتنا کچھ لکھا گیا ہے اُتنا کسی کتاب یا کسی موضوع پر نہیں لکھا گیا۔ لکھنے والوں میں اپنے بھی تھے اور بیگانے بھی محقّق بھی تھے اور متعصّب بھی۔ ادیب بھی تھے اور فلسفی بھی۔ عربی بھی تھے اور عجمی بھی۔ شمعِ علم کے پروانے بھی تھے اور میخانۂ عرفان کے متوالے بھی۔ سب ہی نے تو اِس کی خدمت کی بلکہ سب ہی سے اس نے اپنی خدمت لی اور ہر ایک نے اس

چاکری کو اپنے لیے باعثِ عزّت وسعادت سمجھا۔

اس بحرِ بےپیدا کنار میں غوّاصی کرنے والوں نے غوّاصی کا حق ادا کیا۔ ہر ایک نے اپنی ہمّت کے مطابق انمول موتیوں سے اپنی جھولیاں بھریں لیکن اس کے معارف کے خزینے بھرے کے بھرے ہی رہے۔ اس کے اسرار و رموز کے گنجینوں میں کمی نہ ہوئی جنھوں نے اس گلستانِ معنی میں گُل چینی کرتے کرتے عمریں گزار دیں۔ انھوں نے بھی یہ تو نہیں کہا کہ ہم نے سب پھول چُن لیے ہیں بلکہ سب نے بے تامّل یہ اعتراف کیا۔

داماںِ نگاہ تنگ و گلِ حُسنِ تو بسیار
گُل چینِ تو از تنگیٔ داماں گلہ دارد

اور اُن کا یہ اعترافِ عجز، ازراہِ تواضع و انکسار نہ تھا بلکہ حقیقت کا اظہار تھا اور وہ مجبور تھے کہ اِس روشن حقیقت کا اظہار کریں۔

جس میدان میں ابن جریرؒ اور ابن کثیرؒ جیسے محدّث اور مؤرّخ، زمخشری اور ابن حیان اُندلسی جیسے ادیب اور نکتہ سنج، رازیؒ اور بیضاویؒ جیسے متکلّم اور فلسفی، اُبوبکر جصاص اور اُبوعبداللہ القرطبی جیسے فقیہ اور مقنّن (علیہم الرحمۃ) قرآن کی عظمت وجلال کے سامنے دم بخود اور سر بگریباں کھڑے ہوں میرے جیسے ہیچمدان، ہیچمیرز کا ادھر رُخ کرنا یقیناً محلِّ تعجّب و حیرت ہے۔

خُدا شاہد ہے کبھی بھُولے سے بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ مجھے یہ کام کرنا ہے یا میں یہ کام کرنے کی اہلیت رکھتا ہُوں یا اپنے فہم و ادراک کے ناخن سے کسی پیچیدہ گرہ کو کھول سکتا ہُوں۔ یا میرے قلم میں اتنا زور ہے کہ میری نگارشات قرآن فہمی کے راستہ سے ساری رُکاوٹیں دُور کر سکتی ہیں۔ ان تمام کوتاہیوں کا پُورا احساس ہوتے ہوئے یہ کچھ ہوگیا۔ اس کی توجیہ میرے پاس اِس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ میں یہ کہوں کہ اللہ ربّ العزّت نے چاہا اور یہ ہوگیا۔ اسی مسبّب الاسباب نے اسباب فراہم کیے اسی کی توفیق نے دستگیری فرمائی اسی کی عنایاتِ پیہم کے سہارے قدم اُٹھتے رہے اسی کی تائیدِ مسلسل سے میں یہاں تک پہنچا اور اسی کی بارگاہِ بیکس پناہ میں دامنِ طلب پھیلائے بصد عجز و نیاز فریاد کُناں ہُوں کہ اے ذرّوں کو رشکِ آفتاب بنانے والے! اے قطروں کو سمندر کی وُسعتیں بخشنے والے! اے گداؤں کو ہفت اقلیم کی سُلطانی کا تاج پہنانے والے! اے دلوں کے ظلمت کدوں میں اپنی معرفت کا چراغ روشن کرنے والے! اِس ذرّۂ ناچیز کو، اِس قطرۂ حقیر کو، اِس بےنوا فقیر کو، اِس سیاہ رُو اور سیاہ دِل کو اپنے محبُوبِ مکرّم رسُولِ معظّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے طفیل اپنی عنایاتِ خسُروانہ سے، اپنے الطافِ شاہانہ سے، اپنی نوازشاتِ کریمانہ سے ہمیشہ ہمیشہ سرفراز فرمائے رکھنا۔

رب اوزعنی ان اشکر نعمتك التی انعمت علیّ وعلی والدیّ وان اعمل صالحا ترضاه واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیك وانی من المسلمین۔ (۴۶ : ۱۵)

فاران کی وادیوں سے قرآن کا چشمۂ فیض کیا پھُوٹا کہ اس سے علُوم وفنون کے دریا بہہ نکلے جنھوں نے جزیرۂ عرب کے پیاسے ریگزاروں کو سیراب کیا اور اُنھیں حکمت و دانش کی جلوہ گاہ بنا دیا۔ اِس ایک کتابِ مجید نے جہاں پہلے علوم کو حیاتِ نَو بخشی وہاں اس نے بے شمار جدید علوم کی تشکیل کا سامان فراہم کر دیا۔ علومِ تفسیر، لغت و فقہ اللغۃ، فقہ و اصُولِ فقہ، معانی و بلاغۃ و بدیع، صرف و نحو، قرأت و تجوید، وعظ و خطابت، قصص و اخبار، امثال و حکایات ان کے علاوہ اور کئی علُوم ہیں جنھوں نے قرآنِ کریم کے سایۂ عاطفت میں جنم لیا اور اسی کے آغوشِ تربیت میں پروان چڑھے اِس طرح قرآنِ حکیم کے فیض سے دُنیا کی سب سے زیادہ جاہل قوم عِلم و حکمت کے عظیم خزانوں کی مالک بلکہ خالق بن گئی۔

ہر عہد میں ملتِ اسلامیہ کے ذہین و فطین افراد نے جو روشن دماغ بھی تھے اور روشن ضمیر بھی، اپنی ذاتی استطاعت، ذاتی صلاحیت و استعداد اور اپنے مخصوص ماحول کی ضروریات اور تقاضوں کے پیشِ نظر قرآن مجید کے ان خادم علوم میں سے کسی ایک کو اپنے لیے منتخب کیا اور خدمت گزاری کا حق ادا کر دیا۔ اور اپنے اپنے موضوع پر ایسی زندۂ جاوید تالیفات و تصنیفات کا گراں بہا ذخیرہ چھوڑا جن کی روشنی سے دُنیا بھر کے کتب خانے اور دانش گاہیں آج بھی چمک رہی ہیں لیکن اس ناچیز کے نزدیک قرآن کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ وُہ کتابِ ہدایت ہے اس کے نازل فرمانے والے نے بارہا اس کا تعارف اس قسم کے کلمات سے کرایا ہے :-

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ (٣ : ١٣٨)

آج ہمیں قرآن مجید کے اسی پہلو پر زیادہ سے زیادہ توجہ دینی چاہیے لیکن شومئی تقدیر ملاحظہ ہو آج قرآن کا یہی پہلو متروک اور مہجور ہے۔

قرآن حکیم کا مقصدِ اوّلین انسان کی اصلاح ہے۔ تربیتِ پیہم سے اس کے نفسِ امّارہ کو نفسِ مطمئنّہ بنانا ہے۔ ہوا و ہوس کے غبار سے آئینۂ دل کو صاف کر کے اسے انوارِ ربّانی کی جلوہ گاہ بنانا ہے۔ انانیّت و غرور، تمرّد و سرکشی کی بیخ کنی کر کے انسان کو اپنے مالکِ حقیقی کی اطاعت و انقیاد کا خُوگر کرنا ہے۔ یہی کام سب سے اہم بھی ہے اور سب سے مشکل اور کٹھن بھی۔ قرآن مجید نے اسی اہم ترین اور مشکل ترین کام کو سرانجام دیا اور اس حسن و خُوبی سے کہ دُنیا کا نقشہ بدل گیا۔

یہ صرف باتیں ہی باتیں نہیں ہیں بلکہ ایک حقیقت ہے زندۂ جاوید حقیقت اور ناقابلِ انکار حقیقت کہ قرآن کی ہدایت سے بگڑا ہوا انسان سدھرا اور سدھر کر ساری کائنات کے لیے آیۂ رحمت بن گیا۔ غور فرمائیے حکمتِ الٰہی نے نزولِ قرآن کے لیے جس سرزمین کو منتخب کیا وُہ عرب کا خطّہ تھا۔ وہاں بسنے والے لوگ شکل و صُورت میں تو انسان تھے لیکن انسانیت سے اُن کا دُور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ کفر و شرک، فسق و فجور، ظلم و ستم، وحشت و بربریّت، جہالت اور اُجڈپن اس پر فقر و افلاس مستزاد، غرضیکہ کونسا عیب تھا یا کونسی گمراہی تھی جو اُن میں بدرجۂ اتم موجود نہ تھی۔ اور دُنیا نے دیکھا کہ قرآن حکیم کی تاثیر اور صاحبِ قرآن کی برکت سے وُہ کیا سے کیا بن گئے۔ اگر قرآن عرب کے اُجڈ بدوؤں کو آدم و بنی آدم کے لیے باعثِ عزّ و شرف بنا سکتا ہے۔ اگر ان جاہلوں کو جو ابجد خواں بھی نہ تھے بزمِ علم و دانش کا صدر نشین بنا سکتا ہے اگر حرمِ کعبہ میں ٣٦٠ بُتوں کی پُوجا کرنے والی قوم کے دل میں معرفتِ الٰہی کی شمع فروزاں کر سکتا ہے تو ہمارے صنم کدۂ تصوّرات کے لات و ہُبل کو کیوں ریزہ ریزہ نہیں کر سکتا۔ ہمارے ظلمت خانۂ حیات کو اس کی کرنیں کیوں منوّر نہیں کر سکتیں۔ بخدا ہو سکتا ہے۔ سب کچھ ہو سکتا ہے بشرطیکہ ہم قرآن کی ہدایت کو قبول کرنے کے لیے تیّار ہوں اور ہمارا کاروانِ حیات اس شاہراہِ ہدایت پر گامزن ہو جائے جو قرآن نے ہمارے لیے تجویز کی ہے۔

اَے درماندۂ راہ قوم! قرآن تمھیں عظمت و عزّت کی بلندیوں کی طرف آج بھی لے جا سکتا ہے بشرطیکہ تم اس کی قیادت قبول کر لو۔

اَے اپنی قسمتِ برگشتہ پر آہ و فغاں کرنے والے نوجوانو! دُنیا کی امامت تمھاری متاعِ گم گشتہ ہے۔ تمھیں یہ واپس مل سکتی ہے اگر تم میں اس کی واپسی کی تڑپ ہو ـــــــــ قرآن تمھیں واپس دلا سکتا ہے اگر تم اس کا حکم ماننے کے لیے تیّار ہو۔

زندگی کی یہ ساری چہل پہل تقسیمِ کار کے باعث ہے۔ ایک ہی ملّت کے مختلف افراد مختلف کام سرانجام دیتے ہیں کسی کے ہاتھ میں حکمرانی کی باگ ڈور ہے۔ کوئی مجالسِ مشاورت کا رُکن رکین ہے۔ کوئی تجارت و صنعت کو چار چاند لگا رہا ہے۔ کوئی شکمِ زمین سے رزق کے

سر مُہر خزانے نکال کر اُن کے ڈھیر لگا رہا ہے۔ کوئی وعظ و نصیحت کے منبر پر جلوہ نما ہے۔ کوئی تعلیم و تدریس کی مسند کو رونق بخشے ہے اور کوئی سجّادۂ فقر و درویشی پر تشریف فرما ہے۔ قوم کو مجموعی طور پر اصلاح یافتہ اُسی وقت کہا جا سکتا ہے جب کہ اُس کے تمام عناصر حق کا دامن مضبُوطی سے پکڑے ہوئے ہوں اور اپنے اپنے دائرۂ عمل میں قرآن مجید کی ہدایت پر کاربند ہوں اور اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی میں پُوری دیانت داری سے مصرُوفِ کار ہُوں۔ ان عناصر کا باہمی تعلق اِتنا گہرا ہوتا ہے کہ اگر ایک عنصر بھی جادۂ حق سے برگشتہ ہو جائے تو دُوسرے عناصر اس سے متاثر ہُوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اِس لیے قرآن حکیم نے ہر ایک کو اپنی خصُوصی توجّہ کا مستحق سمجھا ہے اور ہر گروہ میں راہ پانے والی خرابیوں کی نشاندہی کی ہے اور انھیں اس کے عبرتناک انجام سے آگاہ کیا ہے۔

ہم اکثر بگڑی ہوئی قوموں کے حالات اور ان کے حسرت ناک انجام کے متعلق قرآن میں پڑھتے ہیں اور ایک لمحہ توقّف کیے بغیر آگے نکل جاتے ہیں ہم یہ زحمت بہت کم گوارا کرتے ہیں کہ اپنے اعمال کا موازنہ ان برباد شدہ قوموں کے اعمال سے کریں اور یہ سوچیں کہ کہیں ہم بھی انھیں نافرمانیوں کا شکار تو نہیں اور اگر خُدانخواستہ ہیں تو اپنے انجام کی ہولناکیوں سے غافل کیوں ہیں؟ کیا مکافاتِ عمل کا قانون قدرت کا اٹل قانُون نہیں؟ کیا ہم نے یہ نہیں پڑھا کہ ولن تجد لسنة الله تبديلا۔

میں نے ہر ایسے موقع پر کوشش کی ہے کہ مطالعہ کرنے والے کے وجدان کو جھنجھوڑوں اور اُسے اپنا محاسبہ کرنے کی رغبت دلاؤں تاکہ وُہ اپنی جنسِ عمل کو اسلام اور قرآن کے مقرر کیے ہُوئے ترازو میں تولے اور اسی کی کسوٹی پر پرکھے تاکہ اسے اپنے متعلق کوئی غلط فہمی یا اِشتباہ نہ رہے۔ اور اگر اس کا قدم جادۂ حق سے پھسل گیا ہے تو وُہ سنبھلنے کی بروقت کوشش کرے۔

قرآن کریم نے اپنے ماننے والوں کو ایک واضح اور مکمّل ضابطۂ حیات (شریعت) بھی عطا کیا ہے اور یہ ضابطہ اتنا ہی وسیع ہے جتنی زندگی اپنے بُوقلموں تنوّع کے ساتھ وسیع ہے بلکہ بلا مبالغہ اس سے بھی وسیع تر۔ انسان کیا ہے؟ اس کا تعلق اپنے خالق کے ساتھ اور اس کی مخلوق کے ساتھ کیسا ہونا چاہیئے؟ اگر وُہ حاکم ہے تو اس کی ذمّہ داریاں کیا ہیں۔ اگر وُہ رعایا ہے تو اس کے فرائض کی نوعیّت کیا ہے؟ اگر وُہ دولت مند ہے تو اس کا طرزِ عمل کیسا ہو اور اگر وُہ فقیر و محتاج ہو تو کس طرح باوقار زندگی بسر کر سکتا ہے؟ قرآن نے جو شریعت کاملہ ہمیں دی ہے اس میں ان سوالات کا مکمّل جواب موجُود ہے۔ اسی لیے عبادات، سیاسیات، معاشیات، نظامِ اخلاق وغیرہ تمام اُمُور کو شریعت نے اپنے دامن میں سمیٹا ہوا ہے۔

قرآن حکیم میں جہاں بھی یہ مباحث آتے ہیں میں نے کوشش کی ہے کہ اُن کو اس واضح اسلوب میں پیش کیا جائے جسے عصرِ حاضر کا انسان سمجھ بھی سکے اور قبول بھی کر سکے۔

یہ ایک بڑی دلخراش اور رُوح فرسا حقیقت ہے کہ مرُورِ زمانہ سے اس اُمّت میں بھی افتراق و انتشار کا دروازہ کھُل گیا جسے واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا کا حکم دیا گیا تھا۔ یہ اُمّت بھی بعض خود غرض اور بدخواہ لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے متنازع گروہوں میں بٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور جذبات میں آئے دن کشیدگی اور تلخی بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ اس پراگندہ شیرازہ کو یکجا کرنے کا یہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ اُنھیں قرآن حکیم کی طرف بُلایا جائے اور اس کی تعلیمات کو نہایت شائستہ اور دلنشین پیرایہ میں پیش کیا جائے۔ پھر ان کی عقلِ سلیم کو اس میں غور و فکر کی دعوت دی جائے۔ ہمارا اتنا ہی فرض ہے۔ اور ہمیں یہ فرض بڑی دل سوزی سے ادا کرنا چاہیئے۔ اس کے

بعد معاملہ خدائے برتر کے سپرد کر دیں۔ وہ حیّ وقیّوم چاہے تو اُنھیں اِن شبہات اور غلط فہمیوں کی دلدل سے نکال کر راہِ ہدایت پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ وما ذٰلك على الله بعزيز۔

اِس باہمی اور داخلی اِنتشار کا سب سے المناک پہلو اہل السنّة والجماعت کا آپس میں اختلاف ہے۔ جس نے اُنھیں دو گروہوں میں بانٹ دیا ہے۔ دین کے اصولی مسائل میں دونوں متفق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید ذاتی اور صفاتی، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت اور ختمِ نبوّت، قرآن کریم، قیامت اور دیگر ضروریاتِ دین میں کلّی موافقت ہے۔ لیکن بسا اوقات طرزِ تحریر میں بے احتیاطی اور اندازِ تقریر میں بے اعتدالی کے باعث غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور باہمی سوءِ ظن ان غلط فہمیوں کو ایک بھیانک شکل دے دیتا ہے۔ اگر تقریر و تحریر میں احتیاط و اعتدال کا مسلک اختیار کیا جائے اور اِس بدظنی کا قلع قمع کر دیا جائے تو اکثر و بیشتر مسائل میں اختلاف ختم ہو جائے۔ اور اگر چند اُمور میں اختلاف باقی رہ بھی جائے تو اس کی نوعیّت ایسی نہیں ہوگی کہ دونوں فریق عصرِ حاضر کے سارے تقاضوں سے چشم پوشی کر کے آستینیں چڑھائے، لٹھ لیے ایک دُوسرے کی تکفیر میں عمریں برباد کرتے رہیں۔

ملّتِ اسلامیہ کا جسم پہلے ہی اغیار کے چرکوں سے چھلنی ہو چکا ہے۔ ہمارا کام تو ان خونچکاں زخموں پر مرہم رکھنا ہے۔ ان رِستے ہُوئے ناسُوروں کو مُندمل کرنا ہے۔ اس کی ضائع شدہ توانائیوں کو واپس لانا ہے۔ یہ کہاں کی دانش مندی اور عقیدت مندی ہے کہ ان زخموں پر نمک پاشی کرتے رہیں۔ اِن ناسُوروں کو اور اذیّت ناک اور تکلیف دِہ بناتے رہیں۔

میں نے پُورے خلوص سے کوشش کی ہے کہ ایسے مقامات پر افراط و تفریط سے بچتے ہُوئے اپنے مسلک کی صحیح ترجمانی کر دُوں جو قرآن کریم کی آیاتِ بیّنات، احادیثِ صحیحہ یا اُمّت کے علماء حق کے ارشادات سے ماخوذ ہے تاکہ نادان دوستوں کی غلط آمیزیوں یا اہلِ غرض کی بہتان تراشیوں کے باعث حقیقت پر جو پردے پڑ گئے ہیں وہ اُٹھ جائیں اور حقیقت آشکارا ہو جائے۔ بفضلہٖ تعالیٰ اِس طرح بہت سے الزامات کا خود بخود ازالہ ہو جائے گا۔ اور اُن لوگوں کے دِلوں سے یہ غلط فہمی دُور ہو جائے گی جو غلط پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ واقعی ملّت کا ایک حصّہ شرک سے آلودہ ہے یا ان کے اعمال اور مشرکین کے اعمال میں مماثلت پائی جاتی ہے العیاذ باللہ۔ خُداوندکریم ہمارے حالِ زار پر رحم فرماوے اور دِلوں کو حسد اور نفرت کے جذبات سے پاک کر کے ان میں محبّت و اُلفت پیدا فرماوے۔ وهو على كل شيء قدير۔

فرقانِ حمید عربی زبان میں نازل ہوا۔ عربی کا اپنا ادب ہے۔ فصاحت و بلاغت کا اپنا معیار ہے۔ اس کے اپنے مجازات، استعارات اور امثال ہیں۔ مفردات کے اشتقاق اور جملوں کی ترتیب کے الگ قواعد ہیں۔ اس کا دامن الفاظ کی کثرت سے معمور ہے اور قواعدِ اشتقاق نے تو اس میں اتنی وسعت پیدا کر دی ہے کہ دُنیا کی کوئی ترقی یافتہ زبان بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

اِس کتابِ مقدّس کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم عربی زبان سے ربط پیدا کریں۔ اس کے قواعد و ضوابط سے اچھی طرح واقفیّت بہم پہنچائیں۔ اِس کے ادب اور اسلوبِ انشاء کی خصُوصیات کو سمجھیں تاکہ کلمات کے آبگینوں میں حقیقت کی جو شرابِ طہور چھلک رہی ہے اس سے لُطف اندوز ہو سکیں۔

جہاں کہیں کوئی نحوی یا صرفی اُلجھن معلوم ہُوتی یا لغوی پیچیدگی نظر آئی میں نے کوشش کی ہے کہ ائمہ فن کے مستند اقوال

سے اس کا حل پیش کروں تاکہ دل میں کوئی خلش باقی نہ رہے۔

ہر سُورۃ سے پہلے میں نے اس کا تعارف لکھا ہے جس میں سُورۃ کا زمانہ نزُول، اس کا ماحول، اس کے اہم اغراض و مطالب، اس کے مضامین کا خلاصہ۔ اور اگر اس میں کسی سیاسی یا تاریخی واقعہ کا ذکر ہے تو اس کا پس منظر بیان کیا ہے۔ تاکہ قارئین جب پہلے اس تعارف کو پڑھ لیں گے تو سُورۃ کا مطالعہ کرتے وقت وُہ اِن امُورِ خصُوصی پر زیادہ توجّہ مبذُول کر سکیں گے۔

قرآن کریم کے اُردُو تراجم جو میری نظر سے گزرے ہیں وُہ عموماً دو طرح کے ہیں۔ ایک قسم تحت اللفظ تراجم کی ہے لیکن ان میں وُہ زورِ بیان مفقود ہے جو قرآن کریم کا طرّۂ امتیاز بلکہ اس کی رُوح رواں ہے۔ دُوسری قسم بامحاورہ تراجم کی ہے۔ ان میں دِقت یہ ہے کہ لفظ کہیں ہوتا ہے اور اس کا ترجمہ دو سطر پہلے یا دو سطر بعد درج ہوتا ہے اور مطالعہ کرنے والا یہ معلُوم نہیں کر سکتا کہ میں جو نیچے لکھا ہُوا ترجمہ پڑھ رہا ہُوں اس کا تعلق کس کلمہ یا جُملہ سے ہے۔

میں نے سعی کی ہے کہ ان دونوں طرزوں کو اس طرح یکجا کر دُوں کہ کلام کا تسلسل اور روانی بھی برقرار رہے زورِ بیان میں بھی (حتی الامکان) فرق نہ آنے پائے اور ہر کلمہ کا ترجمہ اس کے نیچے بھی مرقوم ہو۔ میں اس میں کہاں تک کامیاب ہُوا ہُوں اس کا فیصلہ تو قارئین کرام ہی کریں گے۔ بہرحال اگر مجھے اس میں کامیابی ہُوئی ہے (پُوری نہ سہی ادھوری سہی) تو یہ میرے مولائے کریم کا اپنے اس ناچیز بندے پر ایک مزید احسانِ عظیم ہے جس کی شکر گزاری سے یہ ہیچمدان کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

اَب مجھے قرآنِ حکیم کی جمع و تدوین اور اس کی موجُودہ ترتیب کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے تاکہ ان امُور کے متعلّق اگر کسی کو کوئی غلط فہمی ہو تو اس کا ازالہ ہو جائے۔

جمعِ قُرآنِ مجید

حضُور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنے فاضل اور فنِ تحریر میں ماہر صحابہؓ کی ایک جماعت کو قرآن کریم کی کتابت کے لیے متعیّن فرمایا ہُوا تھا جنھیں "کاتبانِ وحی" کہا جاتا تھا جب بھی کوئی آیت یا مجموعۂ آیات یا سُورہ نازل ہوتی تو ارشادِ نبویؐ کے مُطابق کاتبانِ وحی اسے ضبطِ تحریر میں لے آتے حضُورؐ ہر آیت کے متعلق یہ تصریح فرماتے کہ یہ آیت فلاں سُورۃ میں فلاں مقام پر لکھی جائے اس طرح جُوں جُوں قرآن نازل ہوتا رہا رسُولِ مکرّم کی نگرانی میں حضُور کی ہدایات کے مُطابق تحریر کیا جاتا رہا لیکن یہ تحریریں کتابی شکل میں مدون نہیں تھیں بلکہ کاغذوں، ہڈی کے ٹکڑوں، کھجُور کے چھلکوں، پتھر کی سلوں وغیرہ اشیاء پر لکھی جاتی رہیں۔

حفاظتِ قرآن کا سب سے اہم ذریعہ حفظِ قرآن مجید تھا۔ حضُورؐ اپنے صحابہؓ کو اسے یاد کرنے کا شوق دلاتے۔ قیامت کے روز حفاظِ قرآن کو مقاماتِ رفیعہ اور مدارجِ سنیّہ پر فائز ہونے کی بشارتیں دیتے۔ نمازیں بھی اس کی تلاوت کو فرض کر دیا گیا۔ اس لیے ہر مُسلمان کے لیے قرآن کا کچھ نہ کچھ حصّہ حفظ کرنا ضروری ہو گیا۔ اور کئی صحابہؓ ایسے تھے جنھیں تمام کا تمام قرآنِ حکیم یاد تھا۔

رحمتِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملنے کے بعد جب ارتداد کا فتنہ اُٹھا اور حضرت صدیق اکبرؓ نے اس کو کچلنے کے لیے صحابہؓ کے لشکر روانہ کیے تو مسیلمہ کذاب سے یمامہ کے مقام پر مسلمانوں کی جو خُونریز جنگ ہُوئی اس میں اگرچہ مسیلمہ اور اس کی جھوٹی

نبوّت کا تو خاتمہ ہو گیا لیکن ختمِ رسالت کے فداکاروں کا بھی بے اندازہ جانی نقصان ہوا جس میں سات سو کے قریب صرف حفّاظِ قرآن نے جامِ شہادت نوش کیا۔ (القرطبی)

اِس سانحہ نے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو بہت پریشان کر دیا۔ بارگاہِ خلافت میں حاضر ہو کر اُنھوں نے عرض کی کہ اَے صدّیق! باطل سے جنگوں کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے وُہ ختم ہوتا نظر نہیں آتا۔ اگر حفّاظِ قرآن کے قتل کی یہی رفتار رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ہم اللہ تعالیٰ کی اِس کتاب سے محرُوم نہ ہو جائیں اِس لیے مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اسے کتابی شکل میں یکجا جمع کر دیا جائے۔ حضرت صدّیق رضی اللہ عنہ نے کہا اَے عمر رضی اللہ عنہ! میں وُہ کام کرنے کے لیے تیار نہیں جسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے نہیں کیا لیکن حضرت فارُوق رضی اللہ عنہ کے پیہم اصرار کے باعث آپ کو بھی اِس کام کی اہمیّت کا احساس ہو گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور اُنھیں قرآن کریم کو یکجا جمع کرنے کی ہدایت فرمائی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضرت اَبُوبکر مجھے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے اُٹھا کر دُوسری جگہ لے جانے کا حکم دیتے تو مجھ پر اتنا شاق نہ گزرتا جتنی اِس حکم کی تعمیل شاق گزری۔

پہلے آپ رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا کام کرنے سے اِنکار کیا جو عہدِ رسالت میں نہیں کیا گیا تھا لیکن خلیفۂ اوّل کی فہمائش سے انھیں بھی انشراحِ صدر حاصل ہو گیا۔ اور اِس کام کی اہمیّت کا اُنھیں بھی احساس ہو گیا۔ بڑی جانفشانی، محنت، تجسّس اور جستجو سے قرآن حکیم کا پہلا نسخہ مدوّن کیا گیا۔ چنانچہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں یہ نسخہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت فارُوقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ اور ان کے بعد اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس محفوظ رکھ دیا گیا۔ اور ضرورت کے وقت اس کی طرف رجُوع کیا جاتا۔

یہ امر مخفی نہیں کہ قرآن کے اوّلین مخاطب اہلِ عرب تھے جن کی مادری زبان عربی تھی۔ اگرچہ سب قبائل کی مشترک زبان عربی ہی تھی لیکن ان کے لہجوں میں، تلفّظِ الفاظ میں اور بعض اعراب میں بیّن تفاوت تھا۔ یہ صُورتِ حالات ہر زبان میں ہوتی ہے۔ جس علاقہ میں اُردو بولی جاتی ہے وہاں کے ہر ضلع بلکہ ہر تحصیل کے لوگوں کے لب و لہجہ میں کافی فرق پایا جاتا ہے۔ ابتدا میں مختلف قبائل کی سہولت کے پیشِ نظر اُنھیں اُن کے مخصُوص انداز کے مُطابق قرأتِ قرآن کی اجازت دے دی گئی تھی۔ کیونکہ سب اہلِ زبان تھے اِس لیے ایسے تفاوت سے کوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہوتی تھی لیکن جب فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوا اور دُوسرے ممالک بھی قلمروِ اسلامی کا حصّہ بن گئے اور وہاں کے باشندوں نے اِسلام قبول کیا اور قرآن مجید پڑھنا شروع کیا تو ہر ایک نے قرآن کے فقط اسی لہجہ اور تلفّظ کو صحیح یقین کیا جو اُسے اُس کے اُستاد نے سکھایا تھا۔ اِس طرح مختلف اساتذہ کے شاگرد اِن اختلافات کے باعث ایک دُوسرے کی تغلیط کرنے لگ گئے اور فتنہ و فساد کی آگ آہستہ آہستہ سلگنے لگی۔ اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش آیا جس نے آپ رضی اللہ عنہ کو حیران و سراسیمہ کر دیا۔ حضرت حذیفہ جنگِ ارمینیہ میں شریک تھے۔ عراق اور شام کے نومسلم بھی اِس جنگ میں شرکت کے لیے آئے ہُوئے تھے۔ ہر ایک نے اپنے معلّم کی سکھائی ہُوئی قرأت کے مطابق قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ جس سے باہمی نزاع پیدا ہو گیا۔ ہر ایک نے دُوسرے کی تغلیط کی اور اسے محرّفِ قرآن کہا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ ماجرا اپنی آنکھوں سے دیکھا تو انھیں سخت فکر دامن گیر ہوئی چنانچہ آپ مدینہ منوّرہ واپس آتے اور اپنے گھر جانے سے پہلے امیرالمؤمنین کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور عرض کی۔ ادرك هذه الامة قبل ان تهلك: اِس اُمّت کی چارہ سازی کیجیے اس سے پیشتر کہ یہ ہلاک ہو جائے اور پھر سارا ماجرا کہہ سُنایا اور کہا انی اخشی علیهم ان یختلفوا فی کتابهم کما اختلف

الیھود والنصاریٰ یعنی مجھے ان کے بارے میں سخت اندیشہ ہے کہ کہیں یہ بھی یہود و نصاریٰ کی طرح اپنی کتاب میں اختلاف نہ کرنے لگیں۔
قرآنِ کریم کا نزول لغت قریش کے مطابق ہوا تھا محض آسانی اور سہولت کے پیشِ نظر دوسرے قبائل کو اپنے اپنے لب ولہجہ سے اس کی تلاوت کی اجازت دی گئی تھی لیکن اب یہ رخصت ایک عظیم فتنہ کا باعث بن رہی تھی۔ ان حالات میں اس کو برقرار رکھنا سراسر نقصان دہ اور مضر تھا چنانچہ صحابہ کرام کے مشورہ سے حضرت عثمانؓ نے زیدؓ بن ثابت کو حکم دیا کہ قرآن کریم کا ایک نسخہ صرف لغتِ قریش کے مطابق لکھیں۔ چنانچہ وہ تیار کر چکے تو اس کی متعدد نقلیں تیار کر کے مختلف دیار و امصار میں بھیجی گئیں اور لوگوں کو اس کی پابندی کا سختی سے حکم دیا گیا اور دوسرے تمام نسخوں کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔ اس طرح حضرت عثمانؓ کی سعی و کوشش سے ایک مہلک ترین فتنہ کا سدِباب ہو گیا۔
اُمّتِ اسلامیہ حضرت عثمانؓ کے اس احسان کا شکریہ ادا نہیں کر سکتی اسی وجہ سے ہی آپ کو جامع آیات القرآن کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔
اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لب ولہجہ کے تفاوت اور قراٰتوں کے اختلاف کی نوعیت بیان کر دی جائے تاکہ اس کے متعلق کوئی وسوسہ دل میں نہ رہ جائے۔ چند مثالیں ذکر کر دینے سے ان امور کی حقیقت واضح ہو جائے گی اور پتہ چل جائے گا کہ یہ اختلاف معمولی قسم کا تھا۔ مثلاً قریش حتّٰی (جب تک) کہتے اور بنی ہذیل اور بنی ثقیف اس کا تلفظ عَتّٰی کیا کرتے۔ بنی اسد مضارع میں حروف "اتین" کو مکسور پڑھا کرتے جیسے تِعْلَمُوْن۔ اور قریش کی لغت میں حروف "اتین" مفتوح ہیں تَعْلَمُوْن۔ مصر میں اب بھی عام لوگ اپنی گفتگو میں حروفِ "اتین" کو کسرہ دیا کرتے ہیں۔ قریش کی لغت میں ماء غیر آسن ہے۔ لیکن بنی تمیم اسے ماء غیر یاسن پڑھتے۔
ان امثلہ سے معلوم ہو گیا کہ یہ اختلاف کس نوعیت کا تھا۔ لیکن قرآن کا تقدس اور اس کی عظمت اتنے سے اختلاف کی بھی متحمل نہیں اس لیے اس کو بھی ممنوع قرار دے دیا گیا۔ چنانچہ وہی قرآن جو عرشِ عظیم کے رب نے اپنے محبوب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا تھا اور جس کو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے خالص قریشی لغت کے مطابق جس میں اس کا نزول ہوا تھا ایک صحیفہ میں مدون فرمایا وہی قرآن جوں کا توں بغیر کسی تحریف کے، بغیر کسی معمولی تغیر کے، بغیر کسی ادنیٰ ردّ و بدل کے اب تک محفوظ ہمارے پاس موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔ اور اس کا اعتراف دوست دشمن سب کو ہے۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا صفحہ ۴۸۰ جلد ۱۳ میں بھی یہ تصریح موجود ہے۔

"THIS RECENSION OF UTHMAN THUS BECAME THE ONLY STANDARD TEXT FOR THE WHOLE MUSLIM WORLD UP TO THE PRESENT DAY"

ترتیبِ قرآن

یہ تو واضح ہے کہ قرآنِ کریم کی سورتوں اور سورتوں کی آیات کی موجودہ ترتیب وہ نہیں جس ترتیب سے ان کا نزول ہوا تھا۔ پھر اس موجودہ ترتیب کا ماخذ کیا ہے؟ اور کس نے یہ ترتیب دی ہے؟ اکثر عیسائی مستشرقین نے اس پر بڑی لے دے کی ہے اور یہ ثابت کرنے کے لیے بڑے جتن کیے ہیں کہ موجودہ ترتیب زمانۂ نبوت میں نہیں دی گئی بلکہ اس کے بعد صحابہؓ نے اس کو یوں مرتب

کیا ہے۔ آئیے حقائق کی روشنی میں ان کے اس مفروضہ کا جائزہ لیں۔

ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق قرآن کی سورتوں اور سورتوں کی آیتوں کو مرتّب فرمایا۔ اور یہ موجودہ ترتیب وہی ترتیب ہے۔ اس کے لیے متعدّد دلائل ہیں۔ جن میں سے چند ایک اپنے دعویٰ کے اثبات کے لیے ہدیۂ ناظرین ہیں:۔

ا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اِنّ علینا جمعه وقرآنه ۞ فاذا قرأناه فاتبع قرانه (۷۵: ۱۷، ۱۸) یعنی "قرآن کو جمع کرنا اور اسے پڑھنا ہمارے ذمّہ ہے۔ اور جب ہم پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں"۔ اب آپ سوچیں کہ کیا ترتیب کے بغیر جمع قرآن کا تصوّر کیا جاسکتا ہے۔ کیا کسی مخصوص ترتیب کے بغیر اس کی تلاوت ممکن ہے؟ جب جمع کرنے اور پڑھنے کے لیے اس کا مرتّب ہونا ضروری ہے تو معلوم ہوا کہ جس ذات پاک کے ذمّہ اس کا جمع کرنا اور پڑھنا ہے اسی نے اس کو مرتّب فرمایا ہے۔

ب۔ تاریخی لحاظ سے آپ سوچیے عہدِ رسالت میں صحابہ کرام کو قرآن کریم یاد تھا۔ بعض کو کچھ سورتیں اور بعض کو سارا قرآن صحابہ کرامؓ نمازوں میں اور اس کے باہر اس کی تلاوت کیا کرتے۔ حضور رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم خود بھی نماز تہجّد میں، دوسری نمازوں میں، عام خطبات میں کثرت سے قرآن کریم کی قرأت فرماتے اور حضورؐ کی قرأت وترتیب اور صحابہؓ کی قرأت وترتیب میں قطعاً اختلاف نہیں ہوا کرتا تھا۔ یہ وہ امور ہیں جن سے کوئی بھی انکار کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اب آپ خود فیصلہ کیجئے کہ اگر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اسے حکمِ الٰہی سے مرتّب نہیں فرمادیا تھا تو صحابہؓ کیسے اس کو حفظ کرسکتے تھے۔ کیسے اس کی تلاوت ان کے لیے ممکن تھی۔ اور اگر حضورؐ کی مقررہ ترتیب نہیں تھی تو ہر ایک کی قرأت دوسرے سے مختلف ہونی چاہیئے تھی حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ تو ثابت ہوا کہ قرآن کریم عہدِ رسالت میں مکمل طور پر مرتّب فرمادیا گیا تھا اور تمام صحابہؓ اسی کی پیروی اور پابندی کیا کرتے تھے۔ اس لیے عیسائی متعصّبین کا یہ شور وغوغا قطعاً کوئی وزن نہیں رکھتا۔ وللہ الحجۃ البالغۃ۔

قرآن مجید کی تلاوت کے آداب

قرآنِ حکیم کتابِ ہدایت ہے۔ اس کی تلاوت کا مقصد دل بہلانا اور وقت گزارنا نہیں بلکہ اس کا مقصدِ اوّلین تعمیرِ انسانیت اور تشکیلِ سیرت ہے۔ اور یہ مقصد تب ہی حاصل ہوسکتا ہے جب پڑھنے والے کو اس کتاب عزیز سے دلی لگاؤ اور طبعی ربط پیدا ہوجائے۔ اس لگاؤ اور ربط کو پیدا کرنے کے لیے حکماء اسلام نے چند آداب اور شرائط بتائے ہیں جن کی پابندی کرنے سے قرآن کریم سے فیضیاب ہونے کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ میں انھیں قارئین کرام کے فائدہ کے لیے العارف الکامل حجۃ الاسلام الامام محمد بن محمد بن احمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرۂ آفاق کتاب احیاء علوم الدین سے استفادہ کرتے ہوئے مختصر اقلمبند کرتا ہوں۔

۱۔ **قاری** کے لیے ضروری ہے کہ باوضو ہو۔ قبلہ رُو کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر بڑے ادب وسکون کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرے۔

۲۔ **مقدارِ قرأت**: بعض لوگ دن رات میں ایک مرتبہ، بعض دو مرتبہ اور بعض تین مرتبہ بھی قرآن ختم کرتے ہیں۔ اور بعض ایک ماہ میں ایک مرتبہ اور بعض ہفتہ میں ایک بار کیونکہ قرأتِ قرآن کا مدّعا اس کو صحیح طور پر سمجھنا اور اس سے ہدایت حاصل کرنا ہے اور

ایک دن میں اسے ختم کرنے سے یہ مدعا پورا نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کو مکروہ کہا گیا ہے الختم فی یوم ولیلۃ قد کرھہ جماعۃ (احیاء) حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشادِ گرامی بھی ہے من قرأ القرآن فی اقل من ثلاث لم یفقھہ یعنی جس نے تین دن سے کم وقت میں قرآن ختم کیا اس نے اسے سمجھا ہی نہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ارشادِ نبوی یہی تھا کہ وُہ ہفتہ میں قرآن ختم کیا کریں۔ چنانچہ حضرات عثمان، زید بن ثابت، ابن مسعود اور ابی ابن کعب رضی اللہ عنہم کا یہی معمول تھا۔

۳۔ **ترتیل** ٹھہر ٹھہر کر آہستہ آہستہ پڑھنا کیونکہ اسی صورت میں ہی انسان آیات پر غور و فکر کر سکتا ہے۔

۴۔ **رحمت عالم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے۔ اتلوا القرآن وابکوا فان لم تبکوا فتباکوا: قرآن کریم پڑھو اور رووؔ اور اگر رونا نہ آئے تو بہ تکلف رونے کی کوشش کرو۔ گریہ وزاری سے ہی رحمت الٰہی کو اپنی طرف متوجہ کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ **جو آیت** پڑھے اس کا حق ادا کرے یعنی آیت تسبیح و تکبیر پڑھے تو خود بھی سبحان اللہ اور اللہ اکبر کہے۔ اگر دُعا و استغفار کی آیت تلاوت کرے تو اپنے لیے بھی دُعا مانگے اور مغفرت طلب کرے اگر کسی آیت میں انعامات الٰہیہ کا ذکر ہے تو ان کے لیے دستِ سوال دراز کرے۔ اگر کہیں عذاب و مصیبت کا تذکرہ آئے تو اپنے لیے پناہ مانگے۔ اگر آیتِ سجدہ پڑھے یا سُنے تو سجدہ کرے۔ غرضیکہ جس مضمون کی آیت پڑھے اسی قسم کے تاثر کا اظہار کرے۔

۶۔ **تلاوت** شروع کرتے وقت یہ پڑھے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ رَبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنَ۔ اور جب تلاوت ختم کرنے لگے تو یہ کہے صَدَقَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَبَلَّغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ انْفَعْنَا بِهٖ وَبَارِكْ لَنَا فِيْهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ط وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْحَيَّ الْقَيُّوْمَ۔

۷۔ پڑھتے وقت آواز اتنا بلند کرے کہ کم از کم خود سُن سکے۔ اس سے زیادہ بلند آواز سے قرأت اگر کسی دُوسرے شخص کے لیے تکلیف دہ نہ ہو تو محبوب ہے ورنہ مکروہ۔

۸۔ **حضور کریم** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے۔ زینوا القرآن باصواتکم یعنی خوش آوازی سے قرآن کو مزین و آراستہ کرو۔ دُوسری حدیث شریف میں ہے۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم لیس منا من لم یتغن بالقرآن۔ یعنی حضورؐ نے فرمایا جو قرآن کو خوش الحانی سے نہیں پڑھتا وُہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اس لیے تکلّف و تصنّع کے بغیر جتنا ممکن ہو خوش الحانی سے پڑھے تاکہ خود بھی اور سُننے والے بھی اس کی قرأت سے لطف اندوز ہوں۔

اِن کے علاوہ چند باطنی آداب و شرائط ہیں جن کا التزام باعث ہزار برکت و سعادت ہے۔

۱۔ پڑھنے والے کا دِل و دماغ اِس کتاب مقدّس کی عظمت اور اس کے نازل فرمانے والے کی عظمت سے لبریز ہو۔ اُسے یہ احساس ہو کہ یہ کتاب کوئی معمولی کتاب نہیں ہے۔ اس کو کسی انسان نے تصنیف نہیں کیا بلکہ یہ خالق جنّ و بشر، مالک بحر و برّ، ربّ السموات والارض احکم الحاکمین کا کلامِ معجز نظام ہے جو اس نے ازراہِ غایت بندہ پروری اپنے بندوں کی ہدایت پذیری

کے لیے اپنے محبوب و برگزیدہ بندے خاتم الانبیاء والمرسلین رحمۃ للعالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے قلب منیر پر نازل فرمایا ہے۔

ب۔ دل کو تمام وسوسوں اور اندیشوں سے پاک کر کے بڑی یکسوئی اور حضورِ قلب سے اس کی تلاوت میں مشغول ہو۔

ج۔ فکر و تدبّر کی جملہ صلاحیتوں کو اس کے اسرار و رموز تک رسائی حاصل کرنے کے لیے بروئے کار لائے تاکہ رحمتِ الٰہی اس کے شوق و طلب کی بے قراریوں پر رحم فرماتے ہوئے اس کے لیے فیوضِ قرآنی کے دروازے کھول دے۔

د۔ نفس اور نفس کی پیداکردہ خواہشیں اور مصلحتیں، غلطی اور جہالت سے جگہ پکڑے ہوئے نظریات اور اعتقادات، ماحول کی مجبوریاں اور گناہوں کی نحوستیں بسا اوقات قرآن فہمی کی راہ میں پہاڑ بن کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ قرآن کے حیات بخش چشمہ تک پہنچنے والے کے لیے ضروری ہے کہ ایک ایک رکاوٹ کو پیوند خاک کرے اور مردانہ وار آگے بڑھتا چلا جائے۔ قرآن کے سحاب کرم سے عرفان کے جو قطرے اس کی کشتِ ایمان پر ٹپکنے لگیں۔ ان کی راہ میں کسی چیز کو حائل نہ ہونے دے۔

ہ۔ قرآن فہمی کے لیے صرف اپنے فہم و ذکاء اور علم و دانش پر بھروسہ نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید پر اعتماد کرے اور قدم قدم پر اس کی رہنمائی اور دستگیری کے لیے بصد عجز و نیاز التجا کرتا ہے وما یتذکر الا من ینیب (المومن) یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہی (اس صحیفہ رشد و ہدایت سے) نصیحت قبول کرتا ہے تبصرۃ وذکری لکل عبد منیب (ق) اپنے رب کی طرف مائل ہونے والے ہر بندے کے لیے یہ کتاب بصیرت افروز اور نصیحت ہے۔

رموزِ اوقاف قرآن حکیم

قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے جانتے ہیں کہ آیات کے آخر میں یا وسط میں مختلف علامات و اشارات بنے ہوتے ہیں کہیں چھوٹا سا گول دائرہ بنا ہوتا ہے تو کہیں م یا ص یا ز وغیرہ حروف لکھے ہوتے ہیں۔ یہ علامات و اشارات حقیقت میں رموزِ اوقاف (PUNCTUATION) ہیں۔ آیت کے مطلب کو صحیح سمجھنے کا انحصار کافی حد تک ان رموز کی حقیقت کو سمجھنے پر ہے۔ ان کی اس اہمیت کے پیشِ نظر ان کا تفصیلی بیان درج ذیل ہے:۔

○ یہ چھوٹا سا گول دائرہ وقف تام کی علامت ہے یعنی آیت ختم ہو گئی ہے۔ آپ کو یہاں ٹھیرنا چاہیئے۔ یہ حقیقت میں گول ۃ تھی لیکن اب گول دائرہ کی شکل میں لکھی جاتی ہے۔

م۔ یہ وقف لازم کی علامت ہے یعنی یہاں ٹھیرنا ضروری ہے۔ ورنہ کلام کے مفہوم کے خلط ملط ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

ط۔ یہ وقف مطلق کی علامت ہے۔ یہاں آپ کو ٹھیرنا چاہیئے لیکن سلسلہ کلام ابھی جاری ہے۔ کہنے والے کا مطلب ابھی پورا نہیں ہوا۔

ج۔ وقف جائز کی نشانی ہے۔ یہاں ٹھیریں تو بہتر نہ ٹھیریں تو حرج نہیں۔

ز۔ وقف مجوز کی علامت ہے۔ یہاں ٹھیریں تو درست ہے لیکن نہ ٹھیرنا بہتر ہے۔

ص ۔ وقفِ مرخّص کی نشانی ہے ۔ یہاں ملا کر پڑھنا چاہیئے لیکن اگر کوئی تھک کر ٹھیر جائے تو رُخصت ہے ۔
صلے ۔ یہ الوصل اولیٰ کا مخفف ہے یعنی ملا کر پڑھنا بہتر ہے ۔
ق ۔ قیل علیہ الوقف کا اختصار ہے ۔ یہاں نہیں ٹھیرنا چاہیئے ۔
صل ۔ قد یوصل کا مخفّف ہے ۔ یہاں ٹھیرنا اور نہ ٹھیرنا دونوں جائز ہیں لیکن ٹھیرنا بہتر ہے ۔
قف ۔ اِس کا معنی ہے ٹھیر جاؤ ۔ اور یہ علامت وہاں لکھّی جاتی ہے جہاں یہ احتمال ہوتا ہے کہ پڑھنے والا اِسے مِلا کر پڑھے گا ۔
س یا سکتہ ۔ یہاں ٹھیرنا چاہیئے لیکن سانس نہ ٹوٹنے پائے ۔
وقفہ ۔ لمبے سکتے کی علامت ہے لیکن سانس یہاں بھی نہ ٹوٹنا چاہیئے ۔
لا ۔ لا کے معنی نہیں کے ہیں ۔ یہ علامت کبھی آیت کے اختتام پر لکھّی جاتی ہے اور کہیں آیت کے اندر ۔ آیت کے اندر ہو تو ہرگز نہیں ٹھیرنا چاہیئے ۔ آیت کے اختتام پر (۝) ہو تو بعض کے نزدیک ٹھیرنا چاہیئے اور بعض کے نزدیک نہیں دونوں صُورتوں میں آیت کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا ۔
ك ۔ كذلك کا مخفّف ہے یعنی جو علامت پہلے ہے وُہی یہاں سمجھی جائے ۔

آخر میں مَیں اپنے اُن احباب کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہُوں جنھوں نے اِس اہم اور عظیم کام کی تکمیل میں میری اعانت کی اور مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے مُستفید فرمایا ۔ اِس سلسلہ میں عزیز مولوی محمد رفیق صاحب متعلّم دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ نے میری بڑی خدمت کی ہے ۔ اپنے آرام و آسائش کو قربان کر کے مجھے آرام پہنچایا ہے ۔ سفر و حضر میں میرے رفیق رہے ہیں ۔ مولا کریم اِس مخلصانہ خدمت پر انھیں اجرِ جزیل عطا فرماوے ۔ آمین !

متوکّلاً علی اللّٰہ العلی العظیم یہ نحیف و ناتواں راہرو جس منزل کی طرف یکم رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ بروز دوشنبہ (۲۹ فروری ۱۹۶۰ء) جادہ پیما ہُوا تھا ۔ آج بفضلہٖ تعالیٰ اس کٹھن اور طویل راہگزر کا ایک حصّہ طے ہوا چاہتا ہے ۔ رات کا ایک بج چکا ہے ۔ ابھی ابھی ۱۹۶۴ء ختم ہُوا ہے ۔ اور ابھی ابھی مطلعِ حیات پر ۱۹۶۵ء کا ظہُور ہُوا ہے ۔ وقت کی برق رفتاری اِنسان اور اس کی زندگی کی بے ثباتی کو عیاں کر رہی ہے لیکن وُہ لمحے جو اس کی یاد اور اس کے ذِکر میں گزرتے ہیں ۔ اور وُہ راتیں جو اس کی مقدّس کتاب کی خدمت میں کٹتی ہیں اور جو ساعتیں اس کے محبوب مکرّم حبیبِ معظّم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ثنا گستری کی نذر ہوتی ہیں وُہ فنا نہیں ہوتیں وُہ باقی ہیں ۔ وُہ ابدی اور سرمدی ہیں ۔ وُہی حاصلِ حیات ہیں ۔ وُہی مقصدِ زیست ہیں ؎

اوقات ہماں بُود کہ با یار بسر شد ۔۔۔۔۔ باقی ہمہ بے حاصلی و بے خبری بُود

اے میرے کریم ! اس بندۂ حقیر کے دِل میں کبھی یہ خیال بھی نہیں آیا تھا کہ تُو اسے اپنی اِس کتابِ مُنیر کی خدمت کی سعادت بخشے گا ۔ یہ ناکارۂ خلائق اِس قابل کب تھا ؟ اِس بے علم اور نادان میں یہ اہلیّت کہاں تھی ؟ اے میرے بندہ نواز ! اِسے محض تیرا کرم نہ کہوں تو اور کیا کہوں ۔

اے میرے رحیم ! آج میرا قلبِ حزیں جذباتِ مسرّت سے سرشار ہے ۔ یہ اِس لیے کہ تیری شانِ رحمت نے اسے اپنے

الطافِ بے پایاں سے نوازا ہے کسی استحقاق کے بغیر یہ نوازشاتِ خسروانہ! انھیں محض تیرا کرم نہ کہوں تو اور کیا کہوں ہ میرے رحمٰن! مجھ بے نوا اور بے کس کے پاس نہ تو دامن تھا اور نہ حوصلہ طلب۔ تیری ہی شانِ رحمانیت نے مجھے دامن بھی بخشا اور حوصلہ طلب بھی۔ اس بے نوا اور اس بے کس پر یہ عنایت! اسے محض تیرا کرم نہ کہوں تو اور کیا کہوں؟ اے میرے رحمٰن! میرے رحیم! میرے کریم! اس ناکارۂ خلائق کی ایک اور التجا ہے پہلے کی طرح بغیر کسی استحقاق کے، بغیر کسی وجہ کے، محض اپنے کرم سے اسے بھی شرفِ پذیرائی بخش۔ وہ یہ کہ "بھلا نہ دیا جاؤں"۔

تیری محبت سے میری شمعِ حیات روشن رہے۔ تیری بندگی کا نشان میری جبین پر ہمیشہ تابندہ رہے۔

تیرے پیارے حبیب کے عشق سے میرا حریمِ دل منور رہے تیرے رسولِ مکرّم کی غلامی کا طوق زیبِ گلو رہے۔

ے ہوائے خلعتِ شاہی ندارم　　　　بگردن حلقۂ طوقِ غلامی

آخر میں تیری عنایاتِ بے پایاں پر، تیری نوازشاتِ بیکراں پر، تیرے لطفِ عمیم پر تیرے ہی بتائے ہوئے کلماتِ طیبات سے تیری بارگاہِ بےکس پناہ میں ہدیۂ تشکر و امتنان پیش کرتا ہوں اسے قبول فرمالے۔ ربّ اوزعنی ان اشکر نعمتك التی انعمت علیّ وعلی والدیّ وان اعمل صالحا ترضاہ واصلح لی فی ذریتی انّی تبت الیك و انی من المسلمین فاطر السمٰوات والارض انت ولیّ فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصّالحین رب ارحمهما کما ربیانی صغیرا۔ ربّنا تقبّل منّا انك انت السمیع العلیم۔ بحرمۃ حبیبك المصطفٰی ونبیك المجتبٰی ورسولك المرتضٰی سیّدی ومولائی وشفیعی وحبیبی محمّد والہٖ بدور الدجٰی وصحبہ نجوم الھدٰی۔ اللّٰھم صلّ وسلّم وبارك علیہ وعلٰی الہٖ وصحبہ ومن تبعہ باحسان الی یوم الدین یارب العالمین۔

خاکِ راہِ صاحبدلاں

ابو الحسنات **محمّد کرم شاہ**

مِن علماء الازہر الشریف

خادم آستانۂ عالیہ امیر السالکین حضرت قبلہ پیر امیر شاہ صاحب رح

ہاشمی، اسدی، چشتی، نظامی، سیالوی نور اللہ مرقدہٗ

بھیرہ۔ ضلع سرگودھا (مغربی پاکستان)

شبِ جمعہ ۲۷۔ شعبان المعظّم ۱۳۸۴ھ

یکم جنوری ۱۹۶۵ء

سرٹیفکیٹ

میں نے اِس قرآنِ مجید کو حرفاً حرفاً نہایت غور اَور امعانِ نظر سے پڑھا ہے اَور میں تصدیق کرتا ہُوں کہ اِس کے متن میں کوئی کمی بیشی اَور کتابت کی کوئی غلطی نہیں ہے۔

ابُوالفیض محمّد عبدالکریم
خطیب جامع مسجد خانقاہ ڈوگراں
ضلع شیخوپورہ

تحقیقاتِ لغویہ

	حاشیہ نمبر	سورت نمبر
غ		
غیب	۵	۲
لاتغلوا	۲۵۴	۴
اغرینا	۴۵	۵
غمرات	۱۱۹	۶
ف		
مفلحون	۱۰	۲
فریقاً	۲۳۹	۲
الفتنة	۱۳۸	۵
〃 〃	۲۳۴	۲
الفرقان	۴	۳
فاحشه	۱۴۸	۳
فخور	۶۹	۴
فتره	۵۵	۵
فرطنا	۴۶	۶
فالق	۱۲۲	۶
فرشا	۱۸۰	۶
فواحش	۱۹۴	۶
فرادیٰ	۱۲۱	۶
ق		
یقیمون	۶	۲
قرضاً	۳۱۹	۲
قیوم	۳۳۸	۲
قلائد	۵	۵
قوّامون	۲۰۳	۴

	حاشیہ نمبر	سورت نمبر
قسیس	۱۵۴	۵
قدروا	۱۱۳	۶
مستقر	۱۲۷	۶
قنوان	۱۲۸	۶
ک		
کرسیّه	۳۴۲	۲
کاظمین	۱۴۵	۳
کلمة	۱۴۵	۶
〃 〃	۲۵۵	۴
کلالة	۲۵۹	۴
اکنّة	۳۹	۶
ل		
تلبسون	۵۹	۲
یلوٗن	۸۳	۳
م		
مالک	۸	۱
مثل	۲۴	۲
ملائکه	۴۵	۲
من وسلویٰ	۴۴	۲
مسیح	۴۷	۳
مکروا	۵۸	۳
معز	۱۸۱	۶
نُملی	۲۰۵	۳
مریض	۱۷۸	۴

	حاشیہ نمبر	سورت نمبر
ن ــــــــــ		
انداد	۳۱	۲
نحله	۱۰	۴
نشوز	۶۵	۴
نکیر	۹۱	۴
نجویٰ	۱۷۲	۴
نقیبا	۳۷	۵
استنکف	۲۵۸	۴
منہاج	۱۰۳	۵
ینئون	۴۰	۶
نُصُب	۸	۵
تنقمون	۱۲۱	۵
انبٰؤُا	۹	۶
متّقون	۴	۲
و ــــــــــ		
یوقنون	۹	۲
وسطاً	۱۶۲	۲
اولیاء	۲۸	۳
ولی	۳۴۵	۲
اوحینا	۲۴۶	۴
اوفوا	۱	۵

	حاشیہ نمبر	سورت نمبر
موقوذة	۸	۵
وسیلة	۷۶	۵
یاویلتٰی	۶۶	۵
وصیة	۱۸۰	۵
وقرا	۳۹	۶
مستودع	۱۲۷	۶
نُولّی	۱۶۴	۶
توفیتنی	۲۰۹	۵
یتوفّٰکم	۸۱	۶
ھ ــــــــــ		
اھدنا	۱۱	۱
یستھزئ	۲۰	۲
ھدی	۵	۵
مااُھل	۸	۵
ھلُمَّ	۱۹۱	۶
مھیمن	۱۰۲	۵
استھوت	۱۴۲	۶
ی ــــــــــ		
یوم الدین	۹	۱
ینعه	۱۲۹	۶

التحقیقاتُ النحویہ

	حاشیہ نمبر	سورت نمبر		حاشیہ نمبر	سورت نمبر
ومانزل علی الملکین ببابل هاروت وماروت	۱۱۷	۲	اولمّا اصابتکم مصیبة	۱۸۶	۳
الموفون بعهدهم اذا عاهدوا والصابرین فی البأساء	۲۰۲	۲	فلا وربك لا یؤمنون	۱۴۳	۴
یرونهم مثلیهم رأی العین	۱۴	۳	حسن اولئك رفیقا	۱۰۹	۴
قائما بالقسط	۲۰	۳	والمقیمین الصلوٰة والمؤتون الزکاة	۲۴۵	۴
تبغونها عوجا	۱۰۵	۳	عموا وصمّوا کثیر منهم	۱۴۱	۵
الا بحبل من الله	۱۲۴	۳	وهو الله فی السموات والارض	۷	۶
ھانتم اولاء	۱۲۹	۳	ارأیتکم	۵۸	۶
کأیّن من نبیّ	۱۵۸	۳	عدوا شیاطین الانس والجن	۱۴۲	۶
فبما رحمة من الله	۱۸۰	۳	اکابر مجرمیها	۱۵۵	۶
			ثمانیة ازواج	۱۸۱	۶
			قل هلم شهداءکم	۱۹۱	۶

فہرست مطالب

اللہ جلّ مجدہٗ

ا۔ توحید

ب۔ دلائلِ توحید

	سورت نمبر	آیت نمبر
دلائلِ توحید	۳	۲ مع حاشیہ
وفدِ نجران کو دعوتِ مباہلہ	۳	۶۱
تکوینی دلائل مظاہرِ فطرت میں دعوتِ غور و فکر	۳	۱۹۰، ۱۹۱ حاشیہ
مظاہرِ فطرت میں غور و فکر افضل عبادت ہے	۳	۱۹۱ حاشیہ
مُسلمان مفکّرین کا طرّۂ اِمتیاز	۳	۱۹۱
شب و روز میں قرار پذیر ہر چیز اس کی ہے	۶	۱۳ مع حاشیہ
رات کی نیند	۶	۶۰
تکوینی دلائل زمین و آسمان کو حق سے پیدا کرنے کی تشریح	۶	۷۲ مع حاشیہ
تکوینی دلائل (دانہ گٹھلی، صبح، شام، ستارے وغیرہ)	۶	۹۵ تا ۹۹
تکوینی دلائل باغات، حیوانات	۶	۱۴۱، ۱۴۲ حاشیہ

ج ۔ صفاتِ اِلٰہی

(۱) علمِ الٰہی

	سورت نمبر	آیت نمبر
ہر چیز کو جاننے والا	۲	۲۹
آسمان و زمین کی سب چھپی چیزوں کو جانتا ہے	۲	۳۳
ظاہر و پوشیدہ کو جانتا ہے	۲	۳۳، ۷۷
اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو دیکھ رہا ہے	۲	۱۱۰
وُہ سمیع و علیم ہے	۲	۱۲۷، ۲۴۴
وُہ شاکر علیم ہے	۲	۱۵۸
وُہ ہر چیز جاننے والا ہے	۲	۲۳۱
وُہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے	۲	۲۳۳، ۲۳۷
وُہ ہر چیز سے خبردار ہے	۲	۲۳۵
واسع علیم ہے	۲	۲۴۷، ۲۶۱، ۲۶۸
ھو بکل شیئ علیم	۲	۲۸۲، ۲۸۳
" " "	۴	۳۲
وُہ تمہارے ظاہر و باطن کو جانتا ہے	۲	۲۸۴
اللہ پر کوئی چیز مخفی نہیں	۳	۵
تمہارے دلوں کے چھپے حالات کو جانتا ہے	۳	۲۹
سمیع علیم	۳	۳۴
" "	۴	۱۴۸
السمیع العلیم	۳	۳۵
وُہ تمہارا نگران ہے	۴	۱
علیم حکیم ہے	۴	۱۱، ۱۷، ۲۶،
" "	"	۱۰۴، ۱۱۱
علیم حلیم	۴	۱۲
کفی باللہ علیما	۴	۷۰
علیم خبیر	۴	۹۴
علیم بذات الصدور	۵	۷
خبیر بما تعملون	۵	۸
علام الغیوب	۵	۱۱۶
وُہ تمہارے ظاہر و باطن کو جانتا ہے	۶	۳
اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں	۶	۵۹
غیب و شہادت کا جاننے والا	۶	۷۳
سمیع علیم	۶	۱۱۵
وُہ بہتر جانتا ہے جو رسالت کا اہل ہے	۶	۱۲۴

(۲) ہر چیز کا خالق و مالک

	سورت نمبر	آیت نمبر
مالکِ یوم الدّین ہے	۱	۳

(۳) ہر چیز پر قادر ہے

	سورت نمبر	آیت نمبر
ہر چیز پر قادر ہے	۳	۱۶۵
اللہ کفّار کا شر تم سے روک لے گا	۴	۸۴
ہر چیز پر قادر ہے	۴	۱۳۳
وُہ ہر چیز پر قادر ہے	۶	۱۲ تا ۱۸
وُہ ہر چیز پر غالب ہے	۶	۶۰ تا ۶۵
قُدرتِ الٰہی کے نمُونے	۶	۹۵، ۹۶ تا ۹۹
وُہ غنی ہے وُہ چاہے تو تمھیں تباہ کر دے اَور تمھاری جگہ کسی اَور کو کھڑا کر دے۔	۶	۱۴۴
جس کو چاہے ہدایت دے دے اَور جس کو چاہے گمراہ کر دے	۶	۱۳۳
مُردوں کو زندہ کرنے کے بارے میں حضرت خلیلؑ کا سوال اَور اس کا جواب	۲	۲۶۰
جس کو چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے جسے حکمت ملی اُسے خیر کثیر ملی۔	۲	۲۶۹
جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب دے	۲	۲۸۴
ہر چیز پر قادر ہے	۲	۲۸۴
وُہ شکمِ مادر میں جیسے چاہتا ہے تصویر بناتا ہے	۳	۶
جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے	۵	۱
ہر چیز پر قادر ہے	۵	۱۷

رحمتِ الٰہی

	سورت نمبر	آیت نمبر
وُہ رحمٰن و رحیم ہے	۱	۱
" " " "	۱	۲
" " " "	۲	۱۶۳
وُہ التوّاب الرّحیم ہے	۲	۵۴

	سورت نمبر	آیت نمبر
جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کرتا ہے۔ وُہ فضلِ عظیم کا مالک ہے	۲	۱۰۵
وُہ التوّاب الرّحیم ہے	۲	۱۲۸
رؤف رحیم ہے	۲	۱۴۳
غفور رحیم ہے	۲	۱۷۳
" " "	۲	۲۱۸
" " "	۳	۳۱
" " "	۴	۱۲۹، ۱۵۲
وُہ لوگوں کے ساتھ رؤف رحیم ہے	۲	۱۴۳
اُس سے مغفرت طلب کرو بیشک وُہ غفور رحیم ہے	۲	۱۹۹
رؤف بالعباد	۲	۲۰۷
غفور حلیم ہے	۲	۲۳۵
اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے	۲	۲۴۳
وُہ سارے جہان والوں پر فضل و احسان کرنے والا ہے		
ذو فضلٍ علی العالمین	۲	۲۵۱
وُہ تمھارے گناہ بخش دے گا وُہ غفور رحیم ہے۔	۳	۳۰، ۳۱
وُہ غفور رحیم ہے	۳	۸۹
اللہ کی مغفرت اَور رحمت ہمارے مال سے بہتر ہے	۳	۱۵۷
وُہ فضلِ عظیم کا مالک ہے	۳	۱۷۴
جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے وُہ غفور رحیم ہے	۳	۱۲۹

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
غفور رحیم ہے	۴	۲۵،۲۳
ولواتھم اذظلموا الخ	۴	۶۴
غفور رحیم ہے	۴	۹۶
" " "	۴	۱۰۰
" " "	۴	۱۰۶
" " "	۴	۱۱۰
" " "	۴	۱۱۹
"	۴	۱۵۲
وُہ عفوًّا قدیراً ہے	۴	۱۴۹
اُس نے اپنے اُوپر رحمت لازم کی ہے	۶	۱۲
تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے	۶	۱۴۷
وُہ ایک نیکی کے بدلے دس نیکیاں دیتا ہے	۶	۱۶۰

تنزیہہ باری

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
کسی کو اُس کا "نِد" نہ بناؤ	۲	۲۲
مچھر کی مثال دینے سے وُہ حیا نہیں کرتا	۲	۲۶
اللہ اپنے بندوں کے اعمال سے غافل نہیں	۲	۱۴۴
اللہ تعالیٰ ظالم نہیں	۳	۱۸۲،۱۰۸
کسی کا عمل ضائع نہیں کرتا	۳	۱۹۵
اللہ تعالیٰ نے کفّار کو مسلمانوں پر غلبہ نہیں دیا	۴	۱۴۱ مع حاشیہ
اگر تم شکر کرو تو اللہ تعالیٰ عذاب نہیں دے گا	۴	۱۴۰
آنکھیں اُس کا احاطہ نہیں کرسکتیں (دیدارِ الٰہی)	۶	۱۰۲

اللہ تعالیٰ کن سے محبت کرتا ہے اور ہدایت دیتا ہے

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے	۲	۲۷۲،۱۴۲
توّاب رحیم ہے	۲	۱۵۹
وُہ محسنین سے محبت کرتا ہے	۲	۱۹۵
" " " " "	۳	۱۳۴،۱۴۸
" " " " "	۵	۹۴
وُہ توّابین سے محبت کرتا ہے	۲	۲۲۲
وُہ پاکیزہ لوگوں سے محبت کرتا ہے	۲	۲۲۲
اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے	۲	۲۴۹
" " " " "	۳	۱۴۶
وُہ توکّل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے	۳	۱۵۹
وُہ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے	۳	۷۶
جو اللہ تعالیٰ کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے اسے ہدایت دی جاتی ہے	۳	۱۰۱
وُہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے	۵	۴۲

اللہ تعالیٰ کن سے محبت نہیں کرتا اور ہدایت نہیں دیتا

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
وُہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا	۲	۲۶
فاسق کون ہیں	۲	۲۷
وُہ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا	۵،۲	۸۷،۱۹۰
اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا	۲	۲۰۵
اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا	۳	۸۶
" " " " "	۲	۲۵۸
وُہ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا	۲	۲۶۴
وُہ ناشکرے بدکار سے محبت نہیں کرتا	۲	۲۷۶
وُہ کافروں سے محبت نہیں کرتا	۳	۳۲
وُہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا	۳	۱۴۰،۵۷

سیّدنا و مولانا محمّد رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم

ا۔ نبوّت و رسالت

ب۔ رحمت و خُلقِ عظیم

شانِ مصطفویؐ

حضورؐ کی تعظیم وتکریم

اظہارِ عبودیّت

اِسلام

انبیاء علیہم السلام

موسیٰ علیہ السلام

داؤد و سلیمان علیہما السلام

زکریا علیہ السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام

مختلف انبیاء

اِنسان اَور اُس کی عظمت کا قرآنی تصوّر

	سورت نمبر	آیت نمبر
زمین کی ہر چیز تمہارے لیے پیدا فرمائی	۲	۲۹
اِنسان زمین میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے	۲،۶	۳۰،۱۶۵
فرشتوں کو حکم کہ آدم کو سجدہ کرو	۲	۳۴
اِنسان کو منصبِ خلافت پر فائز کرنے کی وجہ	۲	۳۰ حاشیہ
آدمؑ کے علوم کے سامنے فرشتوں نے بھی اعترافِ عجز کیا	۲	۳۲
نجات کا انحصار نسب اَور قومیت پر نہیں بلکہ ایمان اَور عملِ صالح پر ہے	۲	۶۲، ۸۱
نیک اِنسان کی صفات	۲	۱۷۷
سارے اِنسان ایک اُمت تھے باہمی حسد کے باعث گروہوں میں بٹ گئے	۲	۲۱۳
آزمائش و تکلیف کے بعد اللہ تعالیٰ کی مدد	۲	۲۱۴
اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے عورتوں بچّوں اَور مال و اسباب کی محبّت کو آراستہ کر دیا ہے	۳	۱۴
اِنسان کی حقیقی منزل رضاءِ الٰہی ہے	۳	۱۵
علماء کو توحید کا گواہ بنا کر اُن کی عزّت افزائی	۳	۱۸
ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے	۲	۱۳۹، ۱۴۰
" " " "	۶	۱۶۴
سارے اِنسان ایک باپ کی اولاد ہیں	۴	۱
اِنسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔	۴	۲۸

اَوَامر

	سورت نمبر	آیت نمبر
اپنے رب کی عبادت کرو	۲	۲۱
تم میرا وعدہ پورا کرو میں تمہارا وعدہ پورا کروں گا	۲	۴۰
صرف مجھ سے ڈرو	۲	۴۰
صبر اور نماز سے استعانت کا حکم	۲	۴۵، ۱۵۳
عفو و درگزر کا حکم	۲	۱۰۹
نیکیوں میں سبقت لے جاؤ	۲، ۳	۱۴۸، ۱۳۳
" " " "	۵	۴۸
لوگوں سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو	۲	۱۵۰
تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا	۲	۱۵۲
پاکیزہ رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو	۲	۱۷۲
بھلائی کرو	۲	۱۹۵
اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد رکھو	۲	۲۳۱
اللہ تعالیٰ سے ڈرو	۲	۲۳۱، ۲۳۳
اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بن جاؤ	۲	۲۳۸
نماز کی پابندی کرو	۲	۲۳۸
مصائب میں صبر اور تقویٰ	۳	۱۲۰، ۱۲۵ مع حواشی
" " " "		
تقویٰ اختیار کرنے کا حکم	۳، ۴	۱۰۲، ۱۳۱
" " " "	۵	۷، ۳۵
اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور اختلاف نہ کرو	۳	۱۰۳

	سورت نمبر	آیت نمبر
دعوت و ارشاد کے لیے تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیئے	۳	۱۰۴
اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور وسیع جنت کی طرف جلدی کرو	۳	۱۳۳
صبر اور تقویٰ بڑے حوصلے کا کام ہے	۳	۱۸۶
اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ	۲	۲۰۸
اموالِ یتامیٰ میں گڑبڑ نہ کرو	۴	۲
عبادتِ الٰہی کا حکم	۴	۳۶ مع حاشیہ
حقوق اللہ اور حقوق العباد کا مفصل ذکر	۴	۳۶ حاشیہ
عدل کرو	۴	۵۸، ۱۳۵
اچھی سفارش اور بری سفارش	۴	۸۵ مع حاشیہ
سلام دینے کا حکم اور طریقہ	۴	۸۶
سرگوشی صرف مفید باتوں میں ہونی چاہیئے	۴	۱۱۴
اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور مجاہدہ کرو	۵	۳۵
پیر و مرشد وسیلہ ہے	۵	۳۵ حاشیہ
سیاحت کا حکم اور اس کا مقصد	۶	۱۱ حاشیہ
بری صحبت سے اجتناب کا حکم	۶	۶۸
دین کو لہو و لعب سمجھنے والوں سے قطع تعلق کا حکم	۶	۷۰
ظاہری باطنی گناہ ترک کرنے کا حکم	۶	۱۲۰

بنی اسرائیل

ان پر انعاماتِ خُداوندی

ان کا دفترِ عمل

اُن کے عُلماء اور اُن کا طریقۂ کار

اسلام کے خلاف اُن کی سازشیں اور اسلام کو قبول نہ کرنے کی وجوہات

جبر و قدر

جہاد

دُعائیں

سیاست

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
خلیفہ کسے کہتے ہیں	۲	۳۰ حاشیہ
زوال پذیر قومیں جھوٹی آس لگائے رکھتی ہیں	۲	۷۸ حاشیہ
زوال پذیر قومیں سحر و منتر پر بھروسہ کرتی ہیں	۲	۱۰۲ حاشیہ
سربراہِ مملکت میں کیا صفات ہونی چاہئیں	۲	۱۲۴ کا حاشیہ
〃 〃 〃 〃	۲	۲۴۷ کا حاشیہ
فاسق و فاجر اس منصب کا اہل نہیں	۲	۱۲۴
بے دین لوگ جب برسرِ اقتدار آتے ہیں تو فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں	۲	۲۰۵
کیا اسلام ملوکیت کا حامی ہے	۲	۲۴۶
طاقت کا توازن ضروری ہے	۲	۲۵۱
غیر مسلم اقوام کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کی نوعیت	۳	۲۸
جب کوئی مسلمان کفار کے نرغے میں آجائے تو کیا کرے	۳	۲۸
حدود و قصاص کی تنفیذ حکومت کی ذمہ داری ہے نہ افراد کی	۲	۱۷۸
دُنیا میں باعزت زندگی بسر کرنے کا طریقہ اتفاق و اتحاد ہے اور مسلمانوں کے اتحاد کی اساس حبل اللہ ہیں	۳	۱۰۳ حاشیہ
مشورہ کا حکم اسلام کا جمہوری نظام ہے	۳	۱۵۹ حاشیہ
حکومت دینے اور سلب کرنے کا خُدائی اصول	۳	۲۶
مسلمانوں اور غیر مسلموں کے تعلقات کی نوعیت	۳	۱۱۸ حاشیہ
اُولوالامر کی اطاعت	۴	۸
ہنگامی حالات میں تمام امور کو حاکمِ وقت کی طرف لوٹا دینا چاہیئے	۴	۸۳
افراتفری کی اور افواہیں پھیلانے کی اجازت نہیں	۴	۸۳
حکومت و اقتدار امانت ہے۔ اس کی ادائیگی میں خیانت، کنبہ پروری اور ظلم کی ممانعت	۴	۵۸ حاشیہ
ہر حالت میں ہر شخص کے ساتھ عدل۔	۴	۵۸
اچھی سفارش اور بُری سفارش	۴	۸۵ حاشیہ
کافروں کو دوست نہ بناؤ	۴	۱۴۴
〃 〃 〃 〃	۵	۵۱
طاغوت کو حَکَم مت بناؤ	۴	۶۰
ذمیوں کے تنازعات کا فیصلہ کون کرے	۵	۴۲ حاشیہ

شرک کا بُطلان

	سورت نمبر	آیت نمبر
وُہی ہر تعریف کا مستحق ہے	۱	۱
〃 〃 〃 〃 〃	۶	۱، ۴۵
اسی کی عبادت اسی سے اِستعانت	۱	۴ مع حاشیہ
اس کا "ند" نہ بناؤ	۲	۲۲
اس کے سوا کوئی خدا نہیں	۲	۱۶۴
بعض لوگ "ند" بناتے ہیں	۲	۱۶۵
اس کا کوئی بیٹا نہیں	۲	۱۱۶
〃 〃 〃	۶	۱۰۰، ۱۰۱
شرک کی مغفرت نہیں	۴	۱۱۶، ۴۸
شرک کی حقیقت	〃	حواشی آیات بالا
شرک افترا عظیم ہے	۴	۴۸
شرک گمراہی ہے	۴	۱۱۶
اسی کی عبادت	۶	۱۰۴
آسمان و زمین کی ہر چیز کا مالک اللہ تعالےٰ ہے	۶	۱۲
دن رات میں ٹھہرنے والی ہر چیز اسی کی ہے	۶	۱۳ احواشی
مُشرک بننے کی ممانعت	۶	۱۴
اگر وُہ تکلیف دے تو اس کے بغیر کوئی دُور نہیں کر سکتا	۶	۱۷

	سورت نمبر	آیت نمبر
شرک سے براءت	۶	۱۹ احاشیہ
بحر و بر کے اندھیروں میں نجات دینے والا اس کے سوا کون ہے	۶	۶۳، ۶۴ حاشیہ
شرک کے بُطلان کا ابراہیمی انداز	۶	۷۴ تا ۷۸
〃 〃 〃 〃 〃		۸۰، ۸۱
اس کا کوئی بیٹا نہیں	۶	۱۰۰، ۱۰۱
مریمؑ کی اُلوہیّت کا بُطلان	۵	۷ حاشیہ
مسیحؑ کا اعلان، جو شرک کرے گا اس پر جنّت حرام ہے	۵	۷۲ حاشیہ
تثلیث کے قائل کافر ہیں	۵	۷۳ حاشیہ
مسیح اللہ تعالیٰ کا رسُول ہے	۵	۷۵
کیا تم ان کی پُوجا کرتے ہو جو نفع و ضرر کا اختیار نہیں رکھتے	۵	۷۶
قیامت کے دن مشرکین کا اپنے شرک سے اِنکار	۶	۲۲ تا ۲۴
〃	〃	۹۴
اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں	۶	۵۶
مُشرکین کا فریبِ نفس، اگر اللہ تعالےٰ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے	۶	۱۴۸

شریعت

جرائم وعقوبات

معاملات

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
نکاح، طلاق، خلع، ایلاء، عِدّت، حیض وغیرہ زیرِ عنوان "عورت" ملاحظہ ہوں۔		
میراث اور وصیّت کی تفصیلات "معاشیات" کے تحت ملاحظہ ہوں۔		
رضاعت		
رضاعت کس کی ذمّہ داری ہے مدّتِ رضاعت مرضعہ کے اخراجات بچّہ کی وجہ سے ماں کو تنگ نہ کیا جائے نہ باپ کو	۲	۲۳۳ مع حواشی
کسی دایہ کو مرضعہ مقرر کرنے کا حکم	۲	۲۳۴
گواہی		
گواہی کا نصاب اور اس کے دیگر احکام	۲	۲۸۲،۲۸۳
گواہی چھپانا منع ہے	۲	۲۸۳
یتیموں کو ان کے اموال واپس کرتے وقت گواہ بنالیا کرو	۴	۶
گواہی عدل کے ساتھ دیا کرو خواہ اپنے اور اپنوں کے خلاف ہی ہو	۴	۱۳۵

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اگر حالتِ سفر میں کسی کی موت آجائے تو وہ کسے گواہ بنائے اور ان گواہوں کی سچّائی کیسے معلوم ہو	۵	۱۰۶ تا ۱۰۸
غیر مُسلِم کی گواہی	۵	۱۰۶ احاشیہ
قسمیں		
اپنی قسموں کو نیکی سے رُکاوٹ نہ بناؤ	۲	۲۲۴
لغو قسم کا اعتبار نہیں	۲	۲۲۵
	۵	۸۹
لیکن صحیح قسم کا اعتبار ہوگا	۵	۸۹
اچھے کام سے باز رہنے کے لیے اللہ کے نام کو آڑ نہ بناؤ	۲	۲۲۴
نذر	۲	۲۷۰
یمینِ لغو کا حکم	۵	۸۹
قسم توڑنے کا کفارہ	۵	۸۹
اپنی قسموں کی حفاظت کرو	۵	۸۹
رہن		
اس کا حکم (معاشیات کے عنوان کے تحت)	۲	۲۸۳
حلال وحرام		
پاکیزہ رزق کھاؤ	۲	۱۷۲
حرام چیزوں کا بیان	۲	۱۷۳

صحابہ کرام اور اُمّتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء

	سورت نمبر	آیت نمبر
یہ متقین کے لیے بیان، ہدایت اور موعظت ہے	۳	۱۳۸
قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کی دلیل	۴	۸۲
وحی کی حقیقت	۴	۱۶۳ حاشیہ
قرآن نور ہے	۴	۱۷۵
اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ یہ کتاب اس نے نازل فرمائی ہے	۴	۱۶۶
یہ کتاب مبارک ہے	۶	۹۲، ۱۵۵
یہ بیّنہ ہے یہ ہدایت و رحمت ہے	۶	۱۵۷
اس کے نزول کی وجہ	۶	۱۵۶، ۱۵۷
قرآن سابقہ کتب کی تصدیق کرنے والا اور ان کا نگہبان ہے	۵	۴۸
قرآن کا اندازِ موعظت	۶	۶، ۱۱
قرآن کا اسلوبِ دعوت	۶	۴۲ تا ۴۵ مع حواشی
دلائلِ توحید جو قرآن نے پیش کیے	۲	۱۶۴
" " " " " " "	۶	۴۶، ۴۷ مع حواشی
قرآن نے کائنات میں غور و فکر کی دعوت دی	۶	۹۹
تمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا آپ کے رب کی بات سچائی اور انصاف کے ساتھ مکمل ہوئی	۶	۱۱۵ حاشیہ
سارے جہانوں کے لیے نصیحت (ذکریٰ للعالمین)	۶	۹۰
وحی کی حقیقت کیا ہے	۴	۱۶۳ حاشیہ

تورات

	سورت نمبر	آیت نمبر
اس میں ہدایت و نور ہے	۵	۴۴
ان کتب کے نزول کی غرض وغایت	۵	۴۸ مع حاشیہ
اس میں ہر چیز کی تفصیل اور ہدایت و رحمت ہے	۶	۱۵۴

اِنجیل

	سورت نمبر	آیت نمبر
اس میں بھی ہدایت و نور ہے	۶	۴۶
ان کتب کے نزول کی غرض وغایت	۵	۴۸ مع حاشیہ

قیامت

	سورت نمبر	آیت نمبر
قیامت سے ڈرو جب کوئی فدیہ اور سفارش قبول نہ ہوگی	۲	۴۸
قیامت کے دن اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کے درمیان فیصلہ کرے گا	۲	۱۱۳
وقوعِ قیامت کی دلیل	۲	۲۵۹
قیامت سے ڈرو جب تم اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹائے جاؤ گے اور ہر شخص کو اس کے نیک و بد اعمال کی جزا و سزا ملے گی۔	۲	۲۸۱
قیامت کے دن بعض کے چہرے سفید اور بعض کے سیاہ ہوں گے۔	۳	۱۰۶، ۱۰۷
قیامت کے دن سب کو اجر پورے دیئے جائیں گے	۳	۱۸۵

کُفّار و مُشرکین

گُناہ

متقین و مومنین

متّقین کی صفات:-

معاشیات

معجزات

منافقین

نواہی

سُورۂ فاتحہ

یہ وُہ مختصر لیکن حقائق اور معانی سے لبریز، دل نشین و دل آویز جلیل القدر سُورت ہے جس سے اِس مقدّس آسمانی کتاب کا آغاز ہوتا ہے جس نے تاریخ اِنسانی کا رُخ موڑ دیا۔ جس نے فکر و نظر میں انقلاب پیدا کر دیا۔ جس نے قلب و رُوح کو نئی زندگی بخش دی۔ اِس پاک سُورت کی گوناں گوں برکات کو کیوں کر قلمبند کیا جا سکتا ہے۔ وُہ متعدّد نام جن سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اِس سُورت کو یاد فرمایا حقیقت شناس نگاہوں کو ان فیوض و برکات سے آشنا کر دیں گے جو اِس میں بڑی خُوبصُورتی سے سمو دیئے گئے ہیں۔ اِن ناموں سے چند یہ ہیں :-

الفَاتحہ : رحمت و حکمت کے خزانے کھولنے والی۔
فاتحۃ الکتاب : قرآن حکیم کے سربستہ رازوں کی کلید۔
اُمّ القُرآن : حقائق قرآنی کا ماخذ و منبع۔
السّبع المثانی : بار بار دُہرائی جانے والی سات آیتیں۔
الشّفآء : جسمانی اور رُوحانی بیماریوں کا تریاق۔

یہ سُورۃ پاک مکّہ مکرّمہ میں نازل ہُوئی۔ اِس کا ایک رکُوع ہے۔ سات آیتیں ہیں۔ اِس کے الفاظ کی تعداد پچّیس ہے اور حرُوف کی تعداد ۱۲۳ ہے۔

○

سُورۃ فاتحہ مکیۃ	بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝	وَسَبۡعُ اٰیٰتٍ ھِیَ
سُورۃ فاتحہ مکی	اللہ کے نام سے [۱] شروع کرتا ہُوں [۲] جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے [۳]	ایک رکوع سات آیتیں

[۱] اسلامی آدابِ معاشرت میں بسم اللہ الخ کو اہم مقام حاصل ہے ہمیں ہمارے ہادی و مُرشد علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے یہ سبق دیا ہے کہ ہر کام بسم اللہ الخ سے شروع کرو بلکہ یہاں تک فرمایا اغلق بابك واذكراسم الله واطفیٔ مصباحك واذکراسم الله وخمر اناءك واذکراسم الله واوك سقاءك واذکراسم الله (تفسیر القرطبی) دروازہ بند کرو تو اللہ کا نام لیا کرو۔ دیا بُجھاؤ تو اللہ کا نام لیا کرو۔ اپنے برتن ڈھانپو تو اللہ کا نام لیا کرو۔ اپنی مشک کا مُنہ باندھو تو اللہ کا نام لیا کرو۔" مقصد یہ ہے کہ ہر کام چھوٹا ہو یا بڑا کرتے وقت اِنسان اپنے کارسازِ حقیقی کا نام لینے کا خوگر ہو جائے تاکہ اس کی برکت سے مشکلیں آسان ہوں۔ اس کی تائید و نصرت پر اس کا توکّل پُختہ ہو جائے۔ نیز جب اسے ہر کام شروع کرتے وقت اللہ کا نام لینے کی عادت ہو جائے گی تو وُہ ہر ایسا کام کرنے سے رُک جائے گا جس میں اُس کے رب تعالیٰ کی ناراضگی ہو۔ امام قرطبی نے صحیح سند سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ عثمانؓ بن ابی العاص نے شکایت کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جب سے مشرّف باسلام ہوا ہوں جسم میں درد رہتا ہے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں درد ہو وہاں ہاتھ رکھ کر تین بار بسم اللہ الخ پڑھو اور سات بار یہ جملہ کہو اَعُوۡذُ بِعِزَّۃِ اللّٰہِ وَقُدۡرَتِہٖ مِنۡ شَرِّ مَا اَجِدُ وَ اُحَاذِرُ۔

[۲] اللہ معبودِ حقیقی کا علمِ ذاتی ہے۔ ذاتِ باری کے علاوہ کسی کے لیے اِستعمال نہیں ہوتا۔

[۳] یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔ ان کا ماخذ رحمت ہے۔ اور رحمتِ الٰہی سے مُراد اس کا وُہ اِنعام و اکرام ہے جس سے وُہ اپنی مخلوق کو سرفراز فرماتا رہتا ہے۔ وجُود، زندگی، علم، حکمت، قوّت، عزّت اور عملِ صالح کی توفیق سب اس کی رحمت کے مظاہر ہیں یہ اس کی بے پایاں رحمت ہی تو ہے جس نے کسی اِستحقاق کے بغیر اِنسان کی جسمانی اور رُوحانی بالیدگی کے سب سامان فراہم فرما دیئے۔ یہ اس کی بے حد و بے حساب رحمت ہی تو ہے کہ ہماری لگاتار ناشکریوں اور نافرمانیوں کے باوجُود وُہ اپنے لطف و کرم کا دروازہ بند نہیں کرتا۔ کبھی آپ نے غور فرمایا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی جس صِفت کا سب سے پہلے ذِکر کرتا ہے وُہ صِفت قہّاریّت و جبّاریّت نہیں بلکہ صفتِ رحمانیّت و رحیمیّت ہے۔ یہ اِس لیے کہ بندہ کا جو تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اُس کا دار و مدار خوف و ہراس اور رُعب و دبدبہ پر نہ ہو۔ بلکہ رحمت و محبّت پر ہو۔ کیونکہ یہی وُہ اکسیر ہے جس سے اِنسان کی خفتہ صلاحیّتیں بیدار ہوتی ہیں اور پنہاں توانائیاں آشکار۔ اور یہی معراجِ اِنسانیّت ہے کہ اِنسان اپنے آپ کو عیاں دیکھ لے۔ بعض حق ناشناس کہتے ہیں کہ اِسلام کا خدا خُونی ہے اور اپنے ماننے والوں کو خونخواری سکھاتا ہے۔ کاش وُہ اِسلام کی مقدّس کتاب کے پہلے صفحہ کی پہلی آیت ہی پڑھ لیتے تو انھیں پتہ چل جاتا کہ اِسلام کا خُدا خونخوار نہیں، الرحمٰن ہے اِس کی رحمت کا وسیع دامن کائنات کے ذرّہ ذرّہ کو اپنے آغوشِ لطف و کرم میں لیے ہے اِسلام کا خُدا سفّاک نہیں بلکہ الرحیم ہے اس کی رحمت کا بادل ہر وقت برستا ہی رہتا ہے۔

جیسے پہلے عرض کیا یہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں۔ ان کا معنی صرف رحمت کرنے والا نہیں بلکہ بہت اور ہر وقت رحمت کرنے والا ہے لیکن الرحمٰن میں الرحیم سے بھی زیادہ مبالغہ ہے یعنی بہت ہی رحم فرمانے والا۔ اِتنی رحمت فرمانے والا جس سے زیادہ کا تصوّر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ① الرَّحْمٰنِ

سب تعریفیں ۴ے اللہ کے لیے جو مرتبۂ کمال تک پہنچانے والا ہے ۵ سارے جہانوں کا ۶ بہت ہی مہربان

ہی نہیں کیا جاسکتا۔ معناہ المنعم الحقیقی البالغ فی الرحمة غایتہا وذلك لا یصدق علی غیرہ (بیضاوی) اسی لیے الرحمٰن کا اطلاق بجز ذاتِ الٰہی کے کسی پر نہیں ہوتا۔ مسئلہ بسم اللہ الخ کلام الٰہی ہے۔ دو سُورتوں کو الگ کرنے کے لیے اس کا نزول ہوا۔ یہ نہ سُورۃ فاتحہ کی آیت ہے نہ کسی اَور سُورت کی۔ ہاں سُورۃ النمل کی ایک آیت کا جزو ہے۔ اس لیے احناف و مالکیہ کے نزدیک سُورۃ فاتحہ کی طرح نماز میں اسے بلند آواز سے پڑھنا منع ہے۔

۴ے ہر خُوبی وکمال جس کا ظہور اختیار اَور ارادہ سے ہو اس کی ستائش وثنا کو عربی میں حمد کہتے ہیں۔ تو اس لفظ حمد نے اس حقیقت کو بے حجاب کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کا صفاتِ کمال سے متّصف ہونا اضطراری اَور غیر اختیاری نہیں بلکہ اس کی اپنی مرضی اَور ارادہ کی جلوہ نمائی ہے۔ کمال کہیں بھی ہو جمال کسی رُوپ میں ہو اسی کی کرشمہ سازی ہے۔ اسی کی بااختیار تدبیر کا اعجاز ہے تو ستائش و تعریف کسی کی بھی کی جائے حقیقت میں اسی ذاتِ بے ہمتا کی ہے جس کی قدرت و اختیار سے اس عالمِ رنگ و بُو کی ساری رنگینیاں اَور رعنائیاں رُونپذیر ہیں۔ اسی لیے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

سُورۃ فاتحہ کا آغاز الحمد سے کیا۔ اس سے اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ سالک جب راہ طلب میں قدم رکھے تو پہلے اپنے رب کی حمد کرے جس نے اس راہ پر گامزن ہونے کی اسے توفیق بخشی جس نے منزلِ مقصود کی لگن اس کے دل میں پیدا کی کیونکہ ؎

میری طلب بھی انھیں کے کرم کا صدقہ ہے قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اُٹھائے جاتے ہیں

نیز اس سُورۃ میں دُعا بھی ہے اَور دُعا کے آداب سے یہ بھی ہے کہ مولائے کریم جس کے سامنے وُہ دامنِ طلب پھیلا رہا ہے اس کی بخششِ بے انداز اَور اس کی عنایتِ جہاں پرور کا اعتراف کرے۔

۵ے رب مصدر ہے اس کا معنی ہے تربیت۔ اَور تربیت عربی میں کہتے ہیں تبلیغ الشئ الی کمالہ بحسب استعدادہ الازلی شیئا فشیئا (رُوح المعانی) کسی چیز کو اس کی ازلی استعداد و فطری صلاحیّت کے مطابق آہستہ آہستہ مرتبۂ کمال تک پہنچانا۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں سے منعم علیہ کے اعتبار سے اعلیٰ ترین نعمت تربیت ہے۔ اس لیے حمد کے فوراً بعد اس کا ذکر فرما کر حامد کو یاد دلایا کہ جس کی تو حمد کر رہا ہے وُہی ہر حمد کے لائق ہے کیونکہ اسی نے تجھے ضعف وناتوانی، جہالت و بے بسی کی حالت سے نکال کر اس منزل تک پہنچایا۔

۶ے عالمین عالم کی جمع ہے۔ اَور یہ ماخوذ ہے عَلَم بمعنی علامت و نشانی سے۔ کیونکہ ہر چیز اپنے پیدا کرنے والے کا پتہ دیتی ہے نیز اس میں اس لطیف نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ اسلام کا خُدا کسی خاص قوم، نسل اَور وطن کا خدا نہیں تاکہ اس کی نوازشات کسی خاص قوم و نسل کے ساتھ ہی مخصوص ہوں۔ بلکہ اس کی ربوبیّت کا رشتہ کائنات کی ہر شے کے ساتھ یکساں ہے۔ اَور اسی لیے اس کے لُطف و احسان کے سب مُساوی طور پر حق دار ہیں بشرطیکہ وُہ اس کے احکام کی بجا آوری سے اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کر دیں۔

الرَّحِيْمِ ۝٢ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝٣ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ

ہمیشہ رحم فرمانے والا مالک ہے ٧ روزِ جزا کا ٨ تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں ٩ اور

٧ مالک کہتے ہیں المتصرف فی الاعیان المملوکۃ کیف شاء (بیضاوی) وُہ ہستی جو اپنے ملک میں جو چاہے کرسکے اِس لفظ سے اِن عقائدِ باطلہ کی تردید ہوگئی جن میں ہندوستان کے مشرک اور کئی دُوسری قومیں مبتلا تھیں یعنی خدا ہر مجرم کو سزا دینے پر مجبور ہے اسے معاف کرنے کا ہرگز اختیار نہیں۔ قرآن نے فرمایا وُہ مالک و مختار ہے اور ہر چیز جنّ و انس سب اس کی ملکیّت ہیں۔ جیسے چاہے ان سے سلوک فرمائے۔ اگر مُجرم کو سزا دینا چاہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور اگر بخشنا چاہے تو اسے کوئی ٹوک نہیں سکتا۔

٨ دین کا معنی ہے حساب اور جزا۔ لبید کہتا ہے حصادك یوما مازرعت وانما۔ یدان الفتی یوما کما ھو دائن ثواب و عذاب کی تعبیر لفظ "دین" سے کی تاکہ پتہ چلے کہ یہ ثواب و عذاب بلاوجہ نہیں بلکہ ان کے اپنے اعمال کا طبعی ثمر ہے جس سے مفر نہیں مقصد یہ ہے کہ انسان گناہوں کی لذّت میں کھو کر ان بُرے نتائج سے بے خبر نہ ہو جائے جو رُونما ہو کر رہیں گے اپنی عُمرِ ناپائیدار اور اس کی فنا پذیر راحتوں اور عزّتوں پر مغرُور ہو کر اس دن کو نہ بھول بیٹھے جب کہ انصاف کے ترازو میں اس کا ہر چھوٹا بڑا نیک و بدعمل تولا جائے گا۔ اِس میں شک نہیں کہ وُہ رب ہے اِس میں کلام نہیں کہ اس کی رحمت بے پایاں ہے لیکن اس کی یہ صفتِ کمال بھی ہر وقت پیشِ نظر رہے کہ وُہ عادل ہے۔ حق تو یہ ہے کہ عدل کے بغیر اس کی صفاتِ ربُوبیّت و رحمت کا کامل ظہور ہو ہی نہیں سکتا۔ کان کھول کر سُن لو وُہ دن آنے والا ہے جب سطوت و جبروت کے سب موہُوم پیکر مِٹ جائیں گے۔ اکڑی ہُوئی سب گردنیں جُھک جائیں گی۔ ظاہر و باطن میں اسی کی فرمانروائی ہو گی جو حقیقی فرماں روا ہے۔

کتنی افسوسناک حقیقت ہے کہ وُہ اُمّت جس کے دین کے بُنیادی عقائد میں روزِ جزا پر ایمان لانا ہے میدانِ عمل میں اس کی غالب اکثریّت میں اِس ایمان کا کوئی اثر محسُوس نہیں کیا جاتا۔ وُہ روزِ حساب اور مکافاتِ عمل کے قانون سے یوں غافل ہیں گویا کسی نے انھیں یہ بات بتائی ہی نہیں۔

٩ عبادت کیا ہے؟ آپ کو لُغت و تفسیر کی ساری کتابوں میں اس کا یہ معنی ملے گا اقصی غایۃ الخضوع والتذلل یعنی حد درجہ کی عاجزی اور انکسار۔ مفسّرین اس کی مثال سجدہ سے دیتے ہیں۔ حالانکہ صرف سجدہ ہی عبادت نہیں بلکہ حالتِ نماز میں تمام حرکات و سکنات عبادت ہیں۔ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا، رکُوع اور رکُوع کے بعد ہاتھ چھوڑ کر کھڑے ہونا، سجدہ اور اس کے بعد حالت التحیات میں دوزانُو بیٹھنا، سلام کیلئے دائیں بائیں منہ پھیرنا۔ یہ سب عبادت ہیں۔ اگر عبادت صرف تذلّل و انکسار کے آخری مرتبہ کا نام ہے اور یہ آخری مرتبہ سجدہ ہی ہے تو کیا یہ باقی چیزیں عبادت نہیں۔ اس کا تو تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگر یہ ساری چیزیں مطلقاً عبادت ہیں تو اگر کوئی شاگرد اپنے اُستاد کے سامنے اور بیٹا اپنے باپ کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھتا ہے یا ان کی آمد پر کھڑا ہو جاتا ہے تو کیا یہ کہنا درست ہو گا کہ اُس نے اپنے اُستاد یا باپ کی عبادت کی اور اُن کو اپنا معبُود بنا لیا۔ حاشا و کلّا۔ پھر وُہ کونسی چیز ہے جو ان حرکات و سکنات کو اگر نماز میں ہوں تو عبادت بنا دیتی ہے اور یُوں کھڑے ہونے کو (ہاتھ باندھے یا کھولے ہُوئے) اور اس طرح بیٹھنے کو اور دائیں بائیں منہ پھیرنے کو تذلّل و انکسار کے آخری مرتبہ پر پہنچا دیتی ہے۔ اور اگر یہی امور نماز سے خارج ہوں تو نہ ان میں غایۃ خضوع ہے اور نہ یہ عبادت متصوّر ہوتے ہیں

إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴿٤﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿٥﴾

تجھی سے مدد چاہتے ہیں نا۔ چلا ہم کو ۱۱۔ سیدھے راستہ پر

تو اس کا ممیز ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ جس ذات کے لیے اور جس کے سامنے آپ یہ افعال کر رہے ہیں اس کے متعلق آپ کا عقیدہ کیا ہے۔ اگر آپ اُس کو اللہ اور معبود یقین کرتے ہیں تو یہ سب اعمال عبادت ہیں اور سب میں غایتہ تذلل و خضوع پایا جاتا ہے لیکن اگر آپ اس کو عبد اور بندہ سمجھتے ہیں نہ خدا، نہ خدا کا بیٹا، نہ اس کی بیوی، نہ اس کا اوتار تو یہ اعمال عبادت نہیں کہلائیں گے۔ ہاں آپ ان کو احترام، اجلال اور تعظیم کہہ سکتے ہیں البتہ شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا اجمل الصلاۃ واطیب السّلام میں غیر خدا کے لیے سجدہ تعظیمی بھی ممنوع ہے۔ یہ سمجھ لینے کے بعد اب یہ بات خود بخود واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے بغیر کوئی دُوسری چیز ایسی نہیں جس کی عبادت شرعاً یا عقلاً درست ہو۔ سب سے بالاتر اور قوی تر وُہ، سب کا خالق اور سب کو اپنی تربیت سے مرتبۂ کمال تک پہنچانے والا وُہ لطف و کرم کا پیہم مینہ برسانے والا وُہ، بندہ ہزار خطائیں کرے لاکھوں جُرم کرے اپنی رحمت سے معاف فرمانے والا وُہ، اور قیامت کے دن ہر نیک و بد کی قسمت کا فیصلہ فرمانے والا وُہ، تو اُسے چھوڑ کر انسان کسی غیر کی عبادت کرے تو آخر کیوں؟ بلکہ اس کے بغیر اور ہے ہی کون جو معبود اور اللہ ہو اور اس کی پرستش کی جائے؟ اسی لیے قرآن نے ہمیں صرف یہی تعلیم نہیں دی کہ نعبدك کہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں کیونکہ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تیرے ساتھ اوروں کی بھی۔ بلکہ یہ سبق سکھایا کہ ایّاك نعبد صرف تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور کسی کی نہیں کرتے۔ مفسّرین کرام نے ایّاك کو مقدّم کرنے میں حصر و تخصیص کے علاوہ دیگر لطائف کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں یہاں تین چیزیں ہیں۔ عابد، عبادت اور معبود۔ عارف کو چاہیئے کہ اس مقام پر اپنے آپ کو بھی بھول جائے۔ عبادت کو بھی مقصود نہ بنائے بلکہ اس کی نگاہ ہو تو صرف اپنے معبودِ حقیقی پر تاکہ اس کے انوارِ جمال و جلال کے مشاہدہ میں استغراق کی نعمت سے سرفراز کیا جائے۔ اس لیے فرمایا ایّاك نعبد۔ عابد واحد ہے لیکن صیغہ جمع کا استعمال کر رہا ہے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ اپنی ناقص عبادت کو مقرّبین بارگاہِ صمدیّت کی اخلاص و نیاز میں ڈوبی ہوئی عبادت کے ساتھ پیش کرے تاکہ ان کی برکت سے اس کی عبادت کو بھی شرفِ پذیرائی نصیب ہو۔

نا۔ یعنی جیسے ہم عبادت صرف تیری ہی کرتے ہیں اُسی طرح مدد بھی صرف تجھی سے طلب کرتے ہیں تو ہی کارسازِ حقیقی ہے تو ہی مالکِ حقیقی ہے ہر کام میں، ہر حاجت میں تیرے سامنے ہی دستِ سوال دراز کرتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس عالمِ اسباب میں اسباب سے قطع نظر کر لی جائے بیمار ہوتے تو علاج سے کنارہ کش، تلاشِ رزق کے وقت وسائلِ معاش سے دست بردار، حصُولِ علم کے لیے صحبتِ اُستاد سے بیزار۔ اس طریقہ کا اسلام اور توحید کو کوئی سروکار نہیں کیونکہ وُہ جو شافی، رزّاق اور حکیم ہے اسی نے ان نتائج کو ان اسباب سے وابستہ کر دیا ہے اسی نے ان اسباب میں تاثیر رکھی ہے۔ اب ان اسباب کی طرف رجُوع استعانت بالغیر نہیں ہو گی۔ اسی طرح ان جُملہ اسباب میں سب سے قوی تر اور اثر آفریں سبب دُعا ہے حضُور علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا الدعاء یرد القضاء کہ دُعا تو تقدیر کو بھی بدل دیتی ہے اور اس میں بھی کلام نہیں کہ محبُوبانِ خدا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وُہ ان کی عاجزانہ اور نیازمندانہ التجاؤں کو ضرور شرفِ قبُول بخشے گا۔ چنانچہ حدیثِ قدسی جسے امام بُخاریؒ اور دیگر محدّثین نے روایت کیا ہے میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبُول بندوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔ لَئِنْ سَأَلَنِیْ لَأُعْطِیَنَّهٗ

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۵ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ

راستہ اُن کا جن پر تو نے انعام فرمایا[۱۲] نہ اُن کا جن پر غضب

وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِيْذَنَّهٗ۔ اگر میرا مقبول بندہ مجھ سے مانگے گا تو میں ضرور اس کا سوال پورا کروں گا۔ اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے گا تو میں ضرور اسے پناہ دوں گا۔ تو اب اگر کوئی شخص ان محبوبانِ الٰہی کی جناب میں خصوصاً حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثّناء کے حضور میں کسی نعمت کے حصول یا کسی مشکل کی کشود کے لیے التماسِ دُعا کرتا ہے تو یہ بھی استعانت بالغیر اور شرک نہیں بلکہ عین اسلام اور عین توحید ہے۔ ہاں اگر کسی ولی، شہید یا نبی کے متعلق کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ یہ مستقل بالذات ہے اور خدا نہ چاہے تب بھی یہ کر سکتا ہے تو یہ شرک ہے اور ایسا کرنے والا مشرک ہے۔ اس حقیقت کو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے نہایت بسط کے ساتھ اپنی تفسیر میں رقم فرمایا ہے۔ اور اس کا ماحصل مولانا محمود الحسن صاحب نے اپنے حاشیۂ قرآن میں ان جامع الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

"اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطۂ رحمتِ الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانتِ ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت در حقیقت حق تعالیٰ سے ہی استعانت ہے۔"

اور اس طرح کی استعانت تو پاکانِ اُمت کا ہمیشہ سے معمول رہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ جنابِ رسالت مآبؐ میں عرض کرتے ہیں ؎ وانت مجیری من ھجوم ملمۃ اذا انشبت فی القلب شر المخالب

ترجمہ:۔ یا رسول اللہ! حضور مجھے پناہ دینے والے ہیں جب مصیبتیں ٹوٹ پڑیں اور دل میں اپنے بے رحم پنجے گاڑ دیں۔

بانیٔ دارالعلوم دیوبند عرض کرتے ہیں ؎ مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسمِ بیکس کا کوئی حامی کار

[۱۲] لغت میں ہدایت کا معنی ہے لطف و عنایت سے کسی کو منزلِ مقصود تک پہنچا دینا۔ الھدایۃ دلالۃ بلطف اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے بیان کے بعد، اس کے مسلسل انعامات کے اعتراف کے بعد، اپنی عبودیّت اور ناتوانی کا اعلان کرنے کے بعد انسان اب اپنے رحمٰن و رحیم رب کے حضور میں دُعا کے لیے ہاتھ پھیلا کر گویا عرض کرتا ہے۔ میں کمزور ہوں نفس کی فریب کاریاں اور شیطان کی وسوسہ اندازیاں بہت شدید ہیں۔ خود تو میری دستگیری فرما اپنے لطف و کرم سے مجھے سیدھے راستہ پر ثابت قدمی سے چلتے رہنے کی توفیق بخش اور اپنی رضا کی منزل تک پہنچا۔ قرب و وصالِ الٰہی کے اس مقام پر پہنچ کر مومن تنہا اپنی ذات کے لیے ہدایت طلب نہیں کرتا بلکہ ساری اُمتِ محمدیہ کے لیے ہدایت کا طلب گار ہے۔ کہتا ہے اھدنا ہم سب کو ہدایت دے۔ کیونکہ اگر ہدایتِ اسلام چند افراد تک محدود رہے گی تو اس کی عالمگیر برکات و فیوض کا اظہار کیونکر ہو گا۔ شرق و غرب میں انسان جن گمراہیوں میں ٹھوکریں کھا رہا ہے اُن سے کیونکر چھٹکارا پا سکے گا اور کنتم خیر امۃ اخرجت للنّاس کی تعبیر کیسے ہو گی۔ ہدایت کے بے شمار مدارج ہیں۔ ایک سے ایک بلند ایک سے ایک اعلیٰ مومن جب یہ دُعا مانگتا ہے تو اس کا

عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۞ ع

ہوا — اور نہ گمراہوں کا ۱۳ے

مقصد یہ ہوتا ہے کہ اُسے اُس کے موجودہ مقامِ قُرب و ہدایت سے ارفع اور اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا جاوے۔ یا شیطان کی وسوسہ اندازی اور نفس کی کمزوری کے باعث قدم کے پھسل جانے کا جو ہر لحظہ خطرہ ہے اُس سے اُسے محفوظ رکھا جائے۔ اور اُسے اس راہ پر ثبات نصیب ہو۔ اور وُہ دمِ واپسیں تک شیطان کے ہر دامِ فریب کو تار تار کرتا ہوا راہِ ہدایت پر بڑھتا چلا جائے۔ وهذا الدعاء من المؤمنين ومن النبي صلى الله عليه وسلم مع كونهم على الهداية لطلب التثبت او طلب مزيد الهداية فان الالطاف والهدايات من الله تعالىٰ لاتتناهى۔ (مظہری)

۱۲ے اِن الفاظ سے راہِ حق کی ایسی نشاندہی فرما دی تاکہ تعصّب اور ضِد سے بلند ہو کر جو اس کا متلاشی ہو وُہ اسے پہچان سکے۔ فرمایا جن لوگوں پر مَیں نے اِنعام و اِکرام فرمایا ہے جس راستہ پر وُہ چل رہے ہیں وُہی سیدھا راستہ ہے۔ اور اُن لوگوں کے متعلق بھی تصریح فرما دی من النّبيين والصدّيقين والشّهداء والصالحين کہ میرا اِنعام نبیوں، صدّیقوں، شہیدوں اور نیک بندوں پر ہے۔ اب خود سوچ لو کہ کس راہ پر اِن نفوسِ قُدسیہ کے نقوشِ پا ہیں حضرت صدّیق و فارُوق و عثمان و حیدر، صحابہ کرام، اہلِ بیت عظام کس جماعت کے پیشوا ہیں۔ اور اولیاء کرام کا سِلسلہ اُس وقت سے لے کر آج تک کس جماعت سے ظاہر ہو رہا ہے۔

۱۳ے جمہور علماء کے نزدیک مغضوب سے مُراد یہودی ہیں اور ضالین سے مُراد عیسائی اور ارشادِ نبوی سے بھی اِسی کی تائید ہوتی ہے۔

مسئلہ: جب اِنسان سُورہ فاتحہ پڑھے تو سُنّت یہ ہے کہ آمین کہے۔ اس کا معنی ہے استجب یعنی آخر میں پھر التماس کرے کہ اَے مولائے کریم! جو دُعا میں نے کی ہے اِسے قبول فرما۔

تعارف سورۃ البقرۃ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے تو یہ سورۃ نازل ہوئی۔ یہاں اسلامی دعوت کے جو مخاطب تھے وہ مکہ کے باشندوں سے مذہبی، ذہنی اور عمرانی اعتبار سے مختلف تھے۔ خود دعوتِ اسلامی جس مرحلہ میں داخل ہو رہی تھی اس کی ضروریات اور تقاضے بھی بالکل نئے تھے۔ اس لیے ہمیں اس سورت میں جو چالیس رکوع اور دو سو چھیاسی آیتوں پر مشتمل ہے، جس کے الفاظ چھ ہزار اکتیس اور حروف کی تعداد بیس ہزار ہے۔ مکی سورتوں کے اعتبار سے بیّن اور صاف فرق معلوم ہوتا ہے۔

اہلِ مکہ مشرک و بت پرست تھے۔ وحی، نبوت، قیامت وغیرہ کا کوئی تصور ان کے ذہن میں نہ تھا قتل و غارت اور لوٹ مار میں وہ فخر اور لذت محسوس کرتے تھے۔ اس لیے مکہ میں جو سورتیں نازل ہوئیں ان میں انھیں عقائدِ باطلہ اور اعمالِ فاسدہ کی اصلاح پیشِ نظر تھی۔ یثرب کے اصلی باشندے گو انصار تھے لیکن قوت و اقتدار یہود کے ہاتھ میں تھا۔ اور انصار مذہبی اور ذہنی طور پر یہود سے بہت متاثر تھے۔ یہود کیونکہ اہلِ کتاب تھے اس لیے وحی، رسالت، قیامت، جنت، دوزخ وغیرہ پر ان کا ایمان تھا لیکن بدقسمتی سے وہ اپنی قومی برتری کے نشہ میں اس حد تک مست تھے کہ وہ یہ تصور ہی نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے علاوہ نبوت کسی اور کو بھی عطا کی جا سکتی ہے۔ عملی اعتبار سے ان کی پستی کی یہ حالت تھی کہ وہ معمولی سے دنیاوی فائدہ کے لیے تورات کی واضح آیتوں کا انکار بلکہ ان میں تحریف کرنے میں ذرا جھجک محسوس نہ کرتے۔ تجارت کی منڈیوں پر ان کا قبضہ تھا۔ یثرب کی زرخیز زمینیں اور شاداب باغات ان کی ملکیت میں آ چکے تھے۔ علم و دانش میں انصار کو ان سے کوئی نسبت ہی نہ تھی۔ آئینی طور پر نہ سہی لیکن عملی طور پر حکومت یہود کی تھی۔

یہ حالات تھے جب رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں قدم رنجہ فرمایا اور یہود و انصار کو اسلام کی دعوت دی۔ یہود تو تلملا گئے۔ انھیں اپنی عظمت وجلال کے محلات مسمار ہوتے دکھائی دینے لگے۔ کہاں ان کی خود بینی اور خود پرستی اور کہاں ایک نئے دین کے قبول اور ایک نئے رسول کی اطاعت کی دعوت۔ یہود کیسے اس دین کو قبول کر لیتے۔ ان کے سامنے تو رکاوٹوں کے کئی پہاڑ تھے۔ ایک سے ایک بلند اور ایک سے ایک کٹھن۔ اب قرآن کا کام یہ تھا کہ ان رکاوٹوں کو دور کرے اور ان فلک بوس چوٹیوں کو پیوندِ خاک۔ اسی لیے مدینہ طیبہ میں جو پہلی سورت نازل ہوئی اس کے کئی رکوع یہود کی

اِصلاح کے لیے وقف ہیں۔

دُوسری نئی صُورتِ حال جس سے مدینہ میں اسلام کو واسطہ پڑا وُہ یہ تھی کہ انصار کی اکثریت کے اسلام قبول کر لینے کے بعد اور مکّہ سے مسلمانوں کی ہجرت کے بعد اسلام متفرق اور منتشر افراد کا مذہب نہیں رہا تھا بلکہ ایک جماعت اور ایک قوم کا دین بن گیا تھا اور قوم بھی ایسی جس میں ترقی اور برتری کی بے پناہ صلاحیتیں بیدار ہو رہی تھیں۔ اَب ضرورت اس بات کی تھی کہ ایسے مضبُوط خطوط پر ان کی تنظیم کر دی جائے کہ کثرت وحدت میں کھو جائے۔ اور کوئی گوشہ ایسا نہ رہے جس میں بدنظمی اپنے قدم جما سکے۔ اسے اَب ضرورت تھی ایسے قانون کی جو اُن کے دیوانی اور فوجداری مقدمات کا فیصلہ کرے۔ ایسے اقتصادی نظام کی جو عدل و انصاف پر مبنی ہوتے ہُوئے معاشی خوشحالی کا ضامن ہو۔ سیرت و اخلاق کے ایسے قالب کی جس میں ملّت کا ہر فرد اپنے کردار کو ڈھالے تاکہ اس کی خوبیاں اور نیکیاں اجتماعی رنگ اختیار کر لیں۔ اُسے ضرُورت تھی ایک ایسے آئین کی جس پر ان کی عالمگیر سیاست کی بُنیاد رکھی جائے۔ اِن اہم ضروریات کے پیشِ نظر اس سُورت میں قانون، اخلاق، آئین اور سیاست کے بیشتر قواعد وضوابط بیان فرما دیئے گئے ہیں۔

ایک اَور چیز بھی غور طلب ہے مکّی زندگی میں تو مُسلمان کُفّار کے ظُلم و ستم سہتے اور چُپ ہو جاتے۔ مدینہ طیّبہ میں جب مُسلمان اکٹھے ہو گئے تو کفّار نے اپنی اجتماعی طاقت سے اسلام کو مٹانے کا عزم کر لیا۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے بندوں کو کفر سے ٹکر لینے کی اجازت دے دی اور انھیں یہ بتایا کہ اپنی بےکسی اور بےبسی اور مخالف کی قوّت وسطوت سے مت گھبراؤ۔ فتحیاب تو وُہی ہوتا ہے جس کے شاملِ حال میری تائید اور نصرت ہوتی ہے۔ اور وُہ تمھارے ساتھ ہے یقیناً تمھیں غالب و منصُور ہو۔

ملّتِ اسلامیہ کے لیے قبلہ کا تعیّن بھی فرما دیا تاکہ اُن کی توجّہات کا ظاہری مرکز بھی ایک ہی ہو جائے اور اُن کی عبادتیں انتشار کا شکار ہو کر اپنا اجتماعی حُسن نہ کھو دیں۔

اگر ان اُمُور کو ملحُوظِ خاطر رکھتے ہُوئے آپ سُورۃ بقرہ کا مطالعہ کریں گے تو شاید زیادہ مفید ثابت ہو۔

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَانِ وَّثَمَانُوْنَ وَسِتٌّ اٰيَةً وَّاَرْبَعُوْنَ رُكُوْعًا

سورۃ بقرہ مدنی ۲۸۶ آیتیں ۴۰ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓ ۚ ۝۱ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى

الف لام میم [۱] یہ ذی شان کتاب [۲] ذرا شک نہیں اس میں [۳] یہ ہدایت ہے

[۱] الف ۔لام ۔میم ۔مفسّرین کرام نے اِن حرُوف کی تشریح کرتے ہُوئے متعدّد اقوال تحریر فرمائے ہیں ۔میرے نزدیک احسن قول یہ ہے کہ الٓمّٓ اور دیگر حروفِ مقطّعات سِرٌّ بَیْنَ اللہِ وَرَسُوْلِہٖ ۔یہ وُہ راز ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول ؐ کے درمیان ہیں ۔صاحب رُوح المعانی کی یہ عبارت ملاحظہ ہو ۔ فلا یعرفه بعد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه واٰله وسلّم الا الاولیاء الورثة فهم یعرفونه من تلك الحضرة وقد تنطق لهم الحروف كما كانت تنطق لمن سبح فی كفه الحصی ؛ یعنی اِن حرُوف کا صحیح مفہُوم نبی کریم ؐ جانتے ہیں اور اولیاء کاملین ۔ان کو یہ علم بارگاہِ رسالت سے عطا ہوتا ہے بعض اَوقات یہ حرُوف خود اپنے اسرار کو اولیاء کرام سے بیان کر دیتے ہیں جیسے یہ حروف اس ذات پاک سے گویا ہوتے تھے جس کی ہتھیلی میں کنکریوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی تھی ۔

[۲] اِس سے مُراد قرآنِ کریم ہے ۔ ذلك اگرچہ عام طور پر اُس مشارٌ الیہ کے لیے اِستعمال ہوتا ہے جو دُور ہو لیکن ایسے مشارٌ الیہ کے لیے بھی یہ اِستعمال ہوتا ہے جو حسّاً تو نزدیک ہو لیکن اپنی شان اور رُتبہ کے اِعتبار سے بہت بلند اور دسترس سے دُور ہو ۔ اِس لیے ترجمہ میں قُربِ حسی اور بُعدِ رتبی دونوں کا لحاظ رکھتے ہُوئے ترجمہ کیا گیا ہے " یہ ذی شان کتاب "۔

[۳] یہ نہیں فرمایا کہ لا یراب فیه کہ اِس میں شک نہیں کیا جاتا ۔کیونکہ اس پر شک وشبہ کی گرد اُڑانے والوں کی نہ تب کمی تھی نہ اَب ہے ۔بلکہ فرمایا لاریب فیه یعنی اِس کے واضح دلائل ، اس کی روشن تعلیمات ، اس کے بیان کردہ تاریخی واقعات اور اس کی پیشین گوئیاں حق وصداقت کے وُہ بلند مینار ہیں جہاں شک وشُبہ کا غبار نہیں پہنچ سکتا ۔اگر کوئی شُبہ کرتا ہے تو یہ اس کی اپنی کج فہمی اور کور ذوقی ہے ۔ اگر یرقان کے بیمار کو ہر چیز زرد دِکھائی دے تو یہ اُس کی آنکھوں کا قصُور ہے ۔ہر چیز تو زرد نہیں ۔

لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ

پرہیزگاروں کے لیے ؂۴ وُہ جو ایمان لائے ہیں غیب پر ؂۵ اور

؂۴ اگرچہ قرآنِ کریم ھدی للناس یعنی سارے انسانوں کے لیے پیغامِ ہدایت ہے۔ لیکن اس کی ہدایت سے فائدہ کیونکہ پرہیزگار ہی اٹھاتے ہیں اس لیے یہاں اِس لحاظ سے تخصیص کر دی۔ اور ایسا استعمال ہر زبان میں عام ہے تقویٰ کا لُغت میں تو یہ معنی ہے جعل النفس فی وقایۃ مما یخاف یعنی نفس کو ہر ایسی چیز سے محفوظ کرنا جس سے ضرر کا اندیشہ ہو۔ عرفِ شرع میں تقویٰ کہتے ہیں ہر گناہ سے اپنے آپ کو بچانا۔ اس کے درجے مختلف ہیں۔ ہر شخص نے اپنے درجہ کے مُطابق اس کی تعبیر فرمائی ہے۔ میرے نزدیک سب سے مؤثّر اور آسان تعبیر یہ ہے۔ التقویٰ ان لا یراك اللّٰہ حیث نھاك ولا یفقدك حیث امرك یعنی تیرا رب تجھے وہاں نہ دیکھے جہاں جانے سے اس نے تجھے روکا ہے اور اس مقام سے تجھے غیر حاضر نہ پائے جہاں حاضر ہونے کا اس نے تجھے حکم دیا ہے۔

؂۵ یہاں سے المفلحون تک ان متقین کی علامات بیان کی گئی ہیں جو قرآن کی ہدایت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ ان کی پہلی علامت یہ ہے کہ وُہ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ ایمان کا معنی ہے محکم یقین۔ اور غیب ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو ظاہری حواس کی رسائی سے بلند اور عقل کی سمجھ سے بالاتر ہو۔ مثلاً وحی، فرشتے، قیامت، جنّت، دوزخ اور خود ذاتِ الٰہی۔ یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو نہ آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہیں اور نہ عقل سے سمجھی جا سکتی ہیں۔ ان کے جاننے کا فقط ایک ذریعہ ہے۔ اور وُہ نبی کی ذاتِ گرامی ہے۔ اس کی زبانِ حق ترجمان سے جو کچھ نکلے اس پر انسان محکم یقین رکھے۔ اِس لیے ایمان بالغیب کو تقویٰ کی اوّلین شرط قرار دیا گیا ہے۔ اِن چیزوں کے علاوہ شریعتِ اسلامیہ کے وُہ احکام جن کی حکمتوں کے سمجھنے سے انسانی عقل (ابتداءً ہی) قاصر رہتی ہے یا وُہ ارشادات جو اس کے ذاتی مفاد یا اس کے گروہی اور محدُود وطنی منافع کے خلاف ہوتے ہیں تو ایسے حکموں کو تسلیم کرنا بھی ایمان بالغیب میں داخل ہے یعنی نبی کی بتائی ہُوئی ہر چیز کو سچّا جاننے اور نبی کے ارشادات کے مفید اور نفع مند ہونے پر اسے اس درجہ یقین ہو کہ ان تمام رکاوٹوں کے باوجُود وُہ ان کو عملی جامہ پہنانے پر آمادہ ہو۔ اعتماد اور اطاعت کا یہ مقام جب تک کسی کو میسّر نہیں ہوتا وُہ قرآن کی ہدایت سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ بلکہ بے یقینی اور تذبذب کی یہ کیفیت اس کے تمام اعمال کو بے نتیجہ کر دیتی ہے ؎

سُن اے تہذیبِ حاضر کے گرفتار
غلامی سے بتر ہے بے یقینی

تو معلوم ہُوا کہ متّقی کی پہلی علامت یہ ہے کہ وُہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی بتائی ہُوئی تمام چیزوں پر محکم یقین رکھتا ہے۔

يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ۳

صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز ٦ اور اس سے جو ہم نے اُنھیں روزی دی خرچ کرتے ہیں ۷

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا

اور وُہ جو ایمان لاتے ہیں ۸ اُس پر (اے حبیب) جو اُتارا گیا ہے آپ پر اور جو

٦ یہ متّقین کی دُوسری علامت ہے۔ قرآن میں یہ حکم کہیں نہیں کہ نماز پڑھا کرو بلکہ جب بھی فرمایا تو یہی کہ نماز قائم کرو۔ اور اقامۃ الشیئ توفیۃ حقہ (راغب) نماز قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کو تمام حقوقِ ظاہری اور باطنی کے ساتھ ادا کرو۔ نماز کے ظاہری حقوق تو یہ ہیں کہ سُنّتِ نبوی ؐ کے مُطابق تمام ارکان بجالائے جائیں۔ اور باطنی حقوق یہ ہیں کہ تو خضوع وخشوع میں ڈُوبا ہوا ہو اور احسان کی کیفیّت طاری ہو یعنی تو محسُوس کر رہا ہو کہ کانک تراہ گویا تو اپنے معبُود کو دیکھ رہا ہے۔ ورنہ کم از کم اِتنا تو ضرور ہو کہ فانہ یراك کہ تیرا رب تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس ذوق وشوق سے ادا کی ہُوئی نماز ہی وُہ نماز ہے جسے دِین کا ستُون اور مومن کی معراج فرمایا گیا ہے۔ ورنہ ع

میرا قیام بھی حجاب میرا سجُود بھی حجاب

۷ الرزق فی اللغۃ النصیب والعطاء ویطلق علی الحسی والمعنوی (المنار) لُغت میں رِزق کہتے ہیں حصّہ اور بخشش کو خواہ حِسّی ہو یا معنوی۔ مال، اولاد، علم ومعرفت اِس لحاظ سے سب رزق ہیں۔ اور یہاں بھی رِزق کا یہی لغوی معنی مُراد ہے۔ اِس آیت سے پتہ چلا کہ جو کچھ کسی کے پاس ہے مال وجاہ ہو، علم وعرفان ہو کسی کا اپنا نہیں بلکہ سب اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اس میں ہے کہ وُہ اِس میں بُخل نہ کرے۔ بلکہ جو اِن نعمتوں سے محرُوم ہیں ان میں تقسیم کرتا رہے۔ دولت مند اپنی دولت سے، عالم اپنے عِلم سے اور عارف اپنے رُوحانی فیوُضات سے مستحقین کو مالا مال کرے۔ یہ فیضِ عام متّقین کی تیسری علامت ہے۔

۸ اِس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ وُہ لوگ جو اِنسانی رُشد وہدایت کے لیے آسمانی وحی کے قائل ہی نہیں بلکہ اپنی عقل کو ہی اپنی رہنمائی کے لیے کافی سمجھتے ہیں یا وحی کے قائل تو ہیں لیکن بعض کو مانتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔ وُہ قرآنی ہدایت سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ یہ چوتھی علامت ہے۔ نیز اِس آیت میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ختمِ نبوّت کی بیّن دلیل ہے۔ کیونکہ وحی جس پر اِیمان لانا ضروری ہے وُہ یا تو حضور کریم ؐ پر نازل ہُوئی یا حضور ؐ سے پہلے۔ اگر نبوّت کا سِلسلہ جاری ہوتا تو حضور کریم ؐ کے بعد بھی وحی نازل ہوتی اور اس پر اِیمان لانا ضروری ہوتا۔ اس صُورت میں آیت یُوں ہوتی وما انزل

أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝٤

اُتارا گیا آپ سے پہلے اور آخرت پر بھی وُہ یقین رکھتے ہیں ۹

أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۖ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٥ اِنَّ الَّذِيْنَ

وُہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب (کی توفیق) سے اور وُہی دونوں جہان میں کامیاب ہیں ۱۰ بے شک جنھوں نے

كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝٦ خَتَمَ

کفر اختیار کرلیا ہے یکساں ہے ان کے لیے چاہے آپ اُنھیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں ۱۱ وُہ ایمان نہیں لائیں گے مُہر لگا دی

من قبلك وما نزل من بعدك۔

۹ اِس آخرت کی زندگی کو صرف تسلیم کرلینا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ اِیقان ضروری ہے۔ اِیقان کہتے ہیں اتقان العلم بانتفاء الشك والشبهة عنه یعنی علم کی وُہ پختگی جس میں شک و شبہ کا گزر نہ ہو۔ اور جب کسی چیز یا حقیقت کا علم اتنا پختہ ہو جاتا ہے تو وُہ عقل، دل اور ارادہ کو مسخّر کرلیتا ہے۔ اِنسان اس کے خلاف نہ کچھ سوچ سکتا ہے اور نہ کچھ کرسکتا ہے جب روزِ جزاء کے ساتھ کسی کا علم و یقین اِس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے تو عمل کی شاہراہ پر ہر قدم اُٹھانے سے پہلے وُہ ان نتائج کا اندازہ لگا لیا کرتا ہے جو اِس پر مرتّب ہونے والے ہیں ہمیں اپنے قول و عمل میں جو افسوسناک تضاد دکھائی دے رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں قیامت پر وُہ اِیقان نہیں جو اپنی قوّت سے ہمارے عمل کو ہمارے قول سے ہم آہنگ کردے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں روزِ جزاء پر یقین بخشے تاکہ قول و عمل کی یہ کشمکش ختم ہو جس نے ہمیں ذِلّت کی پستیوں میں دھکیل دیا ہے اور ہمارا تماشہ دیکھنے والوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال رکھا ہے۔

۱۰ اِن اوصاف سے جو متّصف ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وُہی فلاح پانے والے ہیں۔ فلاح کسی ادھوری اور جُزوی کامیابی کو نہیں کہتے بلکہ فلاح اس مکمّل کامیابی کو کہا جاتا ہے جس کے دامن میں دُنیا و آخرت کی ساری سعادتیں اور برکتیں سمٹ آئی ہوں۔ ليس فى كلام العرب كله اجمع من لفظة الفلاح لخيرى الدنيا والأخرة كما قاله ائمة اللغة (تاج العروس) ائمہ لغت نے تصریح کی ہے کہ عربی زبان میں فلاح کے لفظ سے زیادہ اور کوئی جامع لفظ نہیں جو دنیا و آخرت دونوں کی خیرات و برکات پر دلالت کرتا ہو۔ اب آپ اولئك هو المفلحون کے مُژدہ پر پھر غور کریں۔

۱۱ دعوتِ حق قبول کرنے والے خُوش نصیبوں کے ذکر کے بعد اب اُن بد نصیبوں کا حال بیان ہوتا ہے جنھوں نے حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اِس موقع پر بعض لوگ بلاوجہ جبر و قدر کی بحث چھیڑ دیا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ان بے چاروں کا کیا قصور۔

اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ

اللہ تعالیٰ نے ان کے دِلوں پر اور ان کے کانوں پر ۱۲؎ اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے

جب اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ وُہ ایمان نہیں لائیں گے تو وُہ ایمان کیونکر لا سکتے ہیں۔ اور جب خُود خُدا نے اُن کو ایمان لانے سے باز رکھا تو اُنھیں سزا کیوں دی جائے اور ملامت کیوں کی جائے۔ کاش اتنی بڑی جرأت سے پہلے وُہ جبر کی حقیقت پر ہی غور کر لیتے۔ جبر کیا ہے؟ انسان کی بے بسی کی وُہ حالت جس میں وُہ کسی ایک بات کے کرنے پر مجبُور ہو اور اُسے چھوڑ کر کوئی دُوسری چیز اختیار کرنے پر قادر نہ ہو۔ اگر حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم تشریف نہ لاتے۔ واضح دلائل اور روشن معجزات سے حق کو نکھار کر نہ رکھ دیتے اور قرآن کی دِل ہلا دینے والی آیتیں سُنا سُنا کر ہدایت اور گمراہی کی راہوں کو الگ الگ نہ فرما دیتے اور کوئی انسان وِرثہ میں ملے ہُوئے کفر و شرک میں سرگرداں رہتا تو جبر کی کوئی بات بھی تھی۔ لیکن اب جب کہ کتابِ الٰہی کی روشنی نے حق اور باطل کو بالکل مُمتاز کر دیا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ اپنے معجزات اور اپنے دلائل سے غلط فہمی کا شائبہ تک باقی نہ چھوڑا۔ اس کے بعد بھی جو باطل کو چھوڑ کر ہدایت کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہُوا اور گمراہ ہی رہا تو وُہ باطل سے چمٹے رہنے پر مجبُور نہ تھا بلکہ سب کچھ سمجھ لینے کے بعد جان بُوجھ کر اس نے حق کو قبول نہیں کیا اور باطل سے مُنہ نہیں موڑا۔ ایسے لوگوں کو مزید سمجھانا واقعی بے سُود ہے۔ کیونکہ سمجھایا تو اُسے جائے جو سمجھتا نہ ہو۔ اور جو سمجھ چُکا ہو اور پھر کفر پر بضد ہو وُہ لاعلاج مریض ہے۔ وُہ شفایاب نہیں ہو سکتا۔ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے اس مخصوص گروہ کی نفسیاتی حالت کا تجزیہ کیا ہے جو محض تعصّب اور ہٹ دھرمی کے باعث دانستہ کُفر کی راہ پر دوڑے چلے جا رہے تھے یہاں جبر و قہر کا احتمال ہی نہیں تاکہ اس بحث میں اُلجھا جائے۔

۱۲؎ یہاں بھی بعض لوگوں کو یہ کہتے سُنا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دِلوں اور کانوں پر مُہر لگا دی اور آنکھوں پر پردے ڈال دیئے تو غریب کیونکر ایمان لاتے۔ اُن کی خدمت میں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ انسان کے اعمال پر کوئی نتیجہ اور اثر مرتب ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر انسان جسمانی صحت کے اصولوں کو لگاتار توڑتا رہے تو اس کا بلانوش معدہ جو ہر چیز ہضم کر لیا کرتا تھا کیا غذا ہضم کرنے سے معذُور نہیں ہو جاتا؟ کیا اس کا جگر خُون پیدا کرنا چھوڑ نہیں دیتا؟ اگر ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے تو رُوحانی صحت کے بھی چند اصُول ہیں جن کی پابندی سے رُوحانی قوتیں نشو و نما پاتی ہیں۔ اور جن کی پیہم خلاف ورزیوں سے وُہ قوتیں ناکارہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ دِل سے حق و باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیّت سلب ہو جاتی ہے۔ آنکھیں دیکھتی تو ہیں لیکن عبرت حاصل نہیں کرتیں۔ کان سُنتے تو ہیں لیکن نصیحت قبول نہیں کرتے۔ بس اسی کیفیّت کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذِکر فرمایا ہے۔ ان کفّار کی پیہم نافرمانیوں سے، حق سمجھ لینے کے باوجُود اس سے مسلسل انکار کرنے کی وجہ سے ان کے دِل و دماغ اور دِیدہ و گوش کی ساری قوتیں ناکارہ ہو کر رہ گئی ہیں۔ تو ان کی یہ محرُومیاں نتیجہ ہیں ان مسلسل نافرمانیوں کا۔ اور طبعی اثر ہے اُن کی ہٹ دھرمی اور تعصّب کا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ پہلے ہی انھیں ہوش فہم

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ

بڑا عذاب ہے اور کچھ لوگ ہیں جو کہتے ہیں ١٣؎ ہم ایمان لائے اللہ پر اور روزِ

الْآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ ﴿٨﴾ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا

قیامت پر حالانکہ وہ مومن نہیں ١٤؎ فریب دیا چاہتے ہیں اللہ کو اور ایمان والوں کو ١٥؎ اور

يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٩﴾ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ

(حقیقت میں) نہیں فریب دے رہے مگر اپنے آپ کو (اور اس حقیقت کو) نہیں سمجھتے ان کے دلوں میں بیماری ہے

سے محروم کر دیا گیا تھا تاکہ وُہ حق کو سمجھ ہی نہ سکیں۔ اس حقیقت کو قرآن کریم نے متعدّد موقعوں پر اس قدر واضح فرمایا ہے۔ کہ غلط فہمی کی گنجائش تک باقی نہیں چھوڑی۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے بل طبع اللّٰہ علیھا بکفرھو۔ یعنی ان کے کُفر و انکار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر مُہر لگا دی۔ یعنی پہلے سے ان کے دل مُہر شدہ نہ تھے بلکہ ان کے کفر و انکار اور اس پر ان کے شدید اصرار کی پاداش میں انھیں اس نعمت سے محرُوم کر دیا گیا۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے بل ران علی قلوبھو ما کانوا یکسبون یعنی جو کرتوت وُہ کیا کرتے تھے ان کا مَیل اُن کے دِلوں پر جم گیا ہے اور ان کے دِلوں کا روشن آئینہ اس قدر مکدّر ہو گیا ہے کہ آفتابِ ہدایت کی روشن کرنیں اس میں چمک پیدا نہیں کر سکتیں اللہ تعالیٰ ہمیں حُسنِ عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

١٣؎ یہاں سے منافقوں کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ منافق اُس کو کہتے ہیں جو زبان سے اسلام کا اقرار کرے لیکن دِل سے منکر ہو۔ اِسلام کی روز افزوں ترقی دیکھ کر دُنیاوی فوائد حاصل کرنے کیلیے کئی موقع شناس اپنے آپ کو مسلمان بتانے لگے تھے۔ نیز وُہ بد باطن حاسد جو کھلے طور پر اِسلام کا مقابلہ کرنے سے عاجز تھے وُہ مُسلمانوں میں شامل ہو کر سازشوں اور فتنہ انگیزیوں کا جال بچھا کر مُسلمانوں کو پریشان کرنا چاہتے۔ ہجرت سے پہلے مُنافقین کا نشان نہیں ملتا۔ کیونکہ اس وقت مُسلمان ہونا ہر قسم کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بننا تھا۔ اس لیے کسے کیا پڑی تھی کہ ایسے دین کے لیے مُصیبتوں کو دعوت دے جس پر اُس کا ایمان ہی نہیں۔ وہاں تو صرف وُہ لوگ ہی اِسلام قبُول کرتے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُولِ پاک کے لیے جان، مال، اولاد غرضیکہ سب کچھ قربان کرنا اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔

١٤؎ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مُسلمان وُہی ہے جو زبان کے اقرار کے ساتھ دِل سے تصدیق بھی کرے۔ اور جو دِل سے تصدیق نہ کرے وُہ مومن نہیں ہو سکتا۔ خواہ ایمان و اِسلام کے دعوےٰ میں وُہ کتنا ہی چرب زبان ہو۔

١٥؎ وُہ یہ فریب اللہ تعالیٰ سے نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ کے رسُول ﷺ سے کرتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُنھیں بتا دیا کہ جو اللہ کے رسُول ﷺ کے ساتھ فریب کرتے ہیں وُہ خود اللہ تعالیٰ کے ساتھ فریب کرتے ہیں۔ اور اس دھوکہ بازی کا وبال اُن پر ہی

فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ۬ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ⑩

پھر بڑھا دی ۱۶؎ اللہ نے ان کی بیماری اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے بوجہ اس کے کہ وُہ جھوٹ بولا کرتے تھے

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪

اور جب کہا جاتے اُنھیں کہ مت فساد پھیلاؤ زمین میں ۱۷؎ تو کہتے ہیں ہم ہی تو سنوارنے والے ہیں

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ

ہوشیار! وُہی فسادی ہیں لیکن سمجھتے نہیں اور جب کہا جاتے اُنھیں

اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ

ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے (اور) لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بیوقوف خبردار! بے شک

پڑے گا۔ وُہ اِسلام اور اللہ تعالیٰ کے رسُولؐ کا کچھ بگاڑ نہیں سکیں گے۔ کیونکہ یہ وُہ نُور ہے جس کو ہمیشہ تاباں ودرخشاں رکھنے کا ذِمہ دار خُود اللہ تعالیٰ ہے۔

۱۶؎ حضُور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے خلاف منافقین کے دِل میں عداوت کے جو جذبات پرورش پا رہے تھے اور حسد اور غصّہ کی جو چنگاریاں چٹخ رہی تھیں ان کو قرآن نے مرض سے تعبیر فرمایا ہے۔ جب وُہ حضُور کریمؐ اور اسلام کی روزافزوں عزّت اور ترقّی کو دیکھتے تو حسد وعناد کے شعلے بھڑک اُٹھتے۔ اللہ تعالیٰ اُنھیں تنبیہ فرماتا ہے کہ اگر اُنھوں نے اِس مرض کو یُونہی بڑھنے دیا اور اِس کا علاج نہ کیا تو جس طرح جسمانی بیماریاں جسمانی موت کا باعث بنتی ہیں اِسی طرح ان کا یہ مرض ان کے قلب ورُوح کا گلا گھونٹ کر رکھ دے گا۔

۱۷؎ اِس آیت میں ان کے دِلوں کے بیمار ہونے کی دلیل پیش کی جا رہی ہے۔ وُہ دِن رات فِتنہ وفساد پھیلانے میں اور حق کی شمع بُجھانے میں مصرُوف ہیں اور اگر ان کی فِتنہ پردازیوں کی طرف توجّہ دِلا کر انھیں باز رہنے کو کہا جاتا ہے تو اُلٹا گھُورتے ہیں اور کہتے ہیں آپ ہمیں فسادی کہتے ہیں۔ ہم ہی تو امن واِصلاح کے لیے ہر وقت کوشش کر رہے ہیں اَب جو شخص فساد پھیلانے اور حق کا چراغ گُل کرنے کو اِصلاح کہنے پر مُصر ہو اس کے قلب ونظر کو اگر بیمار نہ کہا جاتے تو کیا کہا جاتے۔ اَب آپ اپنے گِرد وپیش پر نگاہ ڈالیے۔ جتنے نئے فِرقے، نئے مذہب جنم لے رہے ہیں اُن کے بانی بھی دین کی اِصلاح اور قوم کی فلاح کا دعویٰ ہی کرتے ہیں لیکن ان کی فِتنہ پردازیاں آئے دِن جو گُل کھِلا رہی ہیں ان کے باعث تو قوم کا ذِہنی اِتحاد بھی پاش پاش ہوتا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اِن نادان دوستوں یا دانا دُشمنوں کے مکروفریب سے اُمّت کو بچائے اور ہمیں توفیق بخشے

هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ

وُہی احمق ہیں مگر وُہ جانتے نہیں ۱۸ اور جب ملتے ہیں ایمان والوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں

وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٤﴾

اور جب اکیلے ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں ہم تمھارے ساتھ ہیں ہم تو صرف (ان کا) مذاق اُڑا رہے تھے ۱۹

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١٥﴾ اُولٰٓئِكَ

اللہ سزا دے رہا ہے اُنھیں اِس مذاق کی ۲۰ اور ڈھیل دیتا ہے اُنھیں تاکہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں (یہ) وُہ

کہ ہم ان کو پہچان سکیں۔ آمین۔

۱۸ وُہ لوگ جن کے نزدیک نفع و نقصان اور سُود و زیاں جانچنے کی کسوٹی صرف دُنیا کا عیش و آرام اور عزّت و جاہ ہے اُن کے نزدیک وُہ ہستیاں عقل و دانش سے محرُوم ہیں جو اپنے دین و ایمان کے لیے سردھڑکی بازی لگا دیتی ہیں لیکن حقیقت ہیں ان سے زیادہ دانا اور کون ہے جنھوں نے فانی دے کر باقی کو لے لیا جنھوں نے جان دے کر اپنے مالک کی رضا حاصل کر لی۔ "ورضوان من اللہ اکبر" اور ان سے بڑھ کر احمق کون ہے جنھوں نے چند روزہ زندگی کی راحتوں کے عوض اپنے آپ کو ابدی راحتوں بلکہ اپنے رب کریم کی خوشنودی سے محروم کر دیا۔ اِس لیے قرآن نے فرمایا الا انھم ھم السفھاء۔

۱۹ مُنافقین کا رویّہ یہ تھا کہ مُسلمانوں سے مِلتے تو اُنھیں کہتے کہ ہم ایمان لا چکے ہیں۔ اور کفّار کے سرغنوں کے پاس تنہائی میں جا کر اُنھیں یقین دِلاتے کہ ہم اپنے مذہب پر قائم ہیں اور مُسلمانوں کے ساتھ ہماری بات چیت اور اُٹھنا بیٹھنا اِس وجہ سے ہرگز نہیں کہ ہم اُن کا دین قبُول کر چکے ہیں بلکہ ہم تو اس طرح اُن کو بے وقوف بناتے ہیں اور اُن کا مسخر اُڑاتے ہیں۔

۲۰ علامہ قرطبیؒ نے لفظ اِستہزاء کی لغوی تحقیق کرتے ہُوئے لکھا ہے کہ اصل الاستھزاء الانتقام۔ اِستہزاء کا معنی انتقام لینا ہے۔ سند کے طور پر یہ شعر بھی لکھا ہے ؎

قد استھزأ و امنھم بالفی مدجج سراتھم وسط الضحاضح جثّم

اِس تحقیق کے مُطابق اللہ یستھزئ بھم کا معنی ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اُن سے اُن کی شرارتوں کا انتقام لیتا ہے۔ اِس معنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف اِستہزاء کی نسبت میں کوئی قباحت نہیں۔ نیز اہل عرب میں یہ عام محاورہ ہے کہ جب کوئی کام کسی فعل کی سزا دینے کے لیے کیا جائے تو اس کی تعبیر بھی اسی لفظ سے کر دیتے ہیں جس لفظ سے اس فعل کی تعبیر کی گئی ہو جس پر سزا یا عتاب کیا جا رہا ہے۔ مثلاً جزاء سیئة سیئةٌ مثلھا۔ یعنی بُرے فعل کی جزاء بھی اسی طرح بُری ہوا کرتی ہے۔ حالانکہ سزا جو عدل و انصاف کا عین تقاضا ہوتا ہے بُری نہیں ہوتی۔ یا نسوا اللہ فانسٰھم۔ اُنھوں نے خدا کو بھلا دیا اور خدا نے اُن کو بھلا دیا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۪ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا

لوگ ہیں جنھوں نے خرید لی ۲۱ے گمراہی ہدایت کے بدلے مگر نفع بخش نہ ہوئی اُن کی (یہ) تجارت ۲۲ے اور وُہ

مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ

صحیح راہ نہ جانتے تھے ۲۳ے ان کی مثال اس شخص ۲۴ے کی سی ہے جس نے آگ روشن کی ۲۵ے پھر جب جگمگا اُٹھا

مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾

اُس کا آس پاس تو لے گیا اللہ اُن کا نُور اور چھوڑ دیا اُنھیں گھُپ اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے۔

حالانکہ خُدا کی ذات بُھول سے پاک ہے لیکن ان کے بُھلانے پر جو سزا دی گئی اُس کو بُھلانے سے تعبیر کیا گیا۔ اسی طرح استہزاء پر مُنافقین کو جو سزا دی گئی اُس کو بھی استہزاء سے بیان کر دیا۔ کیونکہ یہ استعمال محاورہٴ عرب کے عین مُطابق تھا۔ اِس لیے کفار جو قرآن پر اعتراض کرنے کے لیے کسی ادنیٰ سے بہانے کے متلاشی رہتے تھے اس استعمال پر کوئی اعتراض نہ کر سکے۔

۲۱ے اشتراء کا معنی ہے خریدنا، قیمت ادا کرکے کوئی چیز لینا۔ یہاں اشتراء کا یہ معنی تب درست ہو سکتا تھا جب کہ مُنافقوں کے پاس دولتِ ایمان ہوتی اور اُسے دے کر وُہ کفر خریدتے۔ وہاں تو پہلے بھی کفر ہی کفر تھا۔ اِس لیے علّامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے۔ کہ یہاں اشتروا بمعنی استحبوا ہے یعنی اُنھوں نے کفر کو پسند کر لیا اور حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ فرماتے ہیں لغتِ عرب میں شراء کا لفظ ایک چیز کو دُوسری چیز سے بدل لینے کے معنی میں عام مستعمل ہے۔ والمعنی استحبوا الکفر علی الایمان ......وانما اخرجه بلفظ الشراء توسعا...... والعرب تستعمل ذلك فی کل من استبدل شیئًا بشیئٍ (القرطبی)

۲۲ے اُنھوں نے مُنافقت کا نقاب تو اِس لیے ڈالا تھا کہ وُہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو کر دُنیاوی فوائد حاصل کریں گے۔ مالِ غنیمت سے اُنھیں حصّہ ملے گا اور اُن کی چودھراہٹ قائم رہے گی لیکن ان کی کوئی اُمیّد بر نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا پردہ چاک کر دیا حضُور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے سرِ محفل ایک ایک کا نام لے کر اسے مسجد سے نکال دیا۔

۲۳ے نفع کمانا تو کجا ان احمقوں نے تو اپنا سرمایہ (فطرتِ سلیمہ) ہی تباہ کر دیا۔ وھم ضیعوا راس المال وھی الفطرة وما حصلوا الفضل بادراك الحق ونَیْل الکمال (مظہری)

۲۴ے مَثَلٌ، مِثْلٌ اور مَثِیْلٌ تینوں کا معنی نظیر ہے لیکن اس کا عام استعمال ضرب المثل (اُردو) کے معنی میں ہوتا ہے۔ اور بطور استعارہ ایسی حالت کے بیان کو بھی مَثَل کہتے ہیں جس میں نُدرت اور اوپرا پن ہو۔ یہاں یہ لفظ اسی مفہوم میں مذکور ہوا ہے۔ یعنی اِن مُنافقوں کی عجیب وغریب حالت ایسی ہے جیسے اُن لوگوں کی جن کا ذکر اس آیت میں ہے۔

۲۵ے مُنافقوں کے دو گروہ تھے ایک وُہ جو دِل سے کفر پر جمے ہُوئے تھے اور صرف زبان سے اپنے آپ کو مُسلمان کہتے دُوسرا

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾ اَوْ كَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ

یہ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں ۲۶ سو وہ نہیں پھریں گے یا پھر جیسے زور کا مینہ برس رہا ہو بادل سے ۲۷

فِیْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ۚ یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ

جس میں اندھیرے ہوں اور گرج اور چمک ہو ٹھونستے ہیں اپنی اُنگلیاں اپنے کانوں میں

مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَ اللّٰهُ مُحِیْطٌۢ بِالْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹﴾

کڑک کے باعث موت کے ڈر سے اور اللہ گھیرے ہوئے ہے کافروں کو

یَكَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَاۤ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا

قریب ہے کہ بجلی اُچک لے جائے ان کی بینائی جب چمکتی ہے ان کے لیے تو چلنے لگتے ہیں

وُہ جو ایمان تو قبول کرتے لیکن مصائب و مشکلات سے گھبرا کر پھر اسلام سے دست بردار ہو جاتے۔ پہلے گروہ کی مثال اس آیت میں بیان کی گئی ہے اور دُوسرے گروہ کی او کصیب الخ میں۔

۲۶ اِس مثال میں جن لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے ان کی وضاحت حضرت صدر الافاضل مُراد آبادی قدس سرّہٗ نے خُوب کی ہے۔ فرماتے ہیں "جنھوں نے اظہارِ ایمان کیا اور دِل میں کفر رکھ کر اقرار کی روشنی کو ضائع کر دیا۔ اور وُہ بھی جو مومن ہونے کے بعد مُرتد ہو گئے اور وُہ بھی جنھیں فطرتِ سلیمہ عطا ہُوئی اور دلائل کی روشنی نے حق واضح کر دیا مگر اُنھوں نے فائدہ نہ اُٹھایا اور گمراہی اختیار کی۔ اور جب حق سُننے، ماننے، کہنے اور راہِ حق دیکھنے سے محرُوم ہُوئے تو کان، زبان، آنکھ سب بے کار ہیں" (خزائنُ العرفان)

۲۷ اِس آیت میں کئی چیزوں کا ذِکر آیا ہے۔ بارش، اندھیرے، بادل کی کڑک اور بجلی کی روشنی اور ایسے سمے میں سفر کرنے والا شخص۔ یہ سب مشبّہ بہا ہیں۔ جب تک ان کے مشبّہات (یعنی یہ کن چیزوں کی تشبیہیں ہیں) کا تعیّن نہ کر لیا جائے اس مثال کا حُسن نکھر کر سامنے نہیں آتا۔ بارش سے مُراد اسلام، اندھیروں اور بادل کی کڑک سے مُراد وُہ مصائب اور مشکلات ہیں جنھوں نے چاروں طرف سے اسلام کو گھیر لیا تھا۔ اور بجلی کی روشنی سے مُراد وُہ فتوحات وغیرہ ہیں جو ان ناسازگار حالات میں اسلام کو حاصل ہوتی رہیں۔ جس طرح بارش مُردہ زمینوں کو نئی زندگی بخش دیتی ہے اُسی طرح اسلام مُردہ دِلوں کو نئی زندگی مرحمت فرماتا ہے۔ جیسے بارش برستے وقت گھنگھور گھٹائیں چھا جاتی ہیں اور تاریکی پھیل جاتی ہے۔ بادل کی خوفناک کڑک سے دِل دہلنے لگتے ہیں۔ اسی طرح اسلام کا مینہ برستے وقت کھلی عداوتوں اور پوشیدہ سازشوں کا ایک

فِيهِ ۚ وَإِذَآ أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَآءَ ٱللَّهُ لَذَهَبَ

اس (کی روشنی) میں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے ان پر تو کھڑے رہ جاتے ہیں اور اگر چاہے اللہ تو لے جائے

بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَٰرِهِمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾

ان کے سننے کی قوت اور ان کی بینائی بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۲۸ے

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱعْبُدُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُمْ وَٱلَّذِينَ مِن

اے لوگو! ۲۹ے عبادت کرو اپنے رب کی جس نے پیدا فرمایا تمھیں ۳۰ے اور جو تم سے

ہنگامہ برپا ہوگیا۔ فضا یکسر مکدّر ہوگئی۔ مصیبتوں کے بادل گرجنے لگے۔ جو سچے دل سے ایمان لا چکے تھے نہ اندھیروں سے انھیں وحشت تھی نہ بادل کی کڑک سے وُہ ہراساں تھے مصائب کے ہجوم میں بھی وُہ چٹان کی طرح ڈٹے رہے لیکن وُہ لوگ جو مذبذب تھے ان کی حالت عجیب ڈانواں ڈول تھی وُہ اسلام کے حیات بخش چھینٹوں سے سیراب بھی ہونا چاہتے تھے۔ لیکن مصائب کی تاریک گھٹائیں دیکھ کر مشکلات کی کڑک سُن کر ان کے دل ڈوب ڈوب جایا کرتے تھے اور اسلام کا دامن چھوڑنے میں ہی اُنھیں اپنی سلامتی نظر آتی تھی۔ پھر اگر اسلام کو کوئی کامیابی نصیب ہوتی تو وُہ اسلام کی طرف لپکنے کی تیاری کرتے ایسے میں اگر مصائب کا کوئی تند و تیز جھونکا آجاتا تو وُہ بد دل ہو کر رہ جاتے۔

۲۸ے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہندی، مصری اور یونانی دیوتاؤں کی طرح اس کے اختیارات محدُود نہیں ہیں۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس کا تابع فرمان ہے۔ بلندیاں اور پستیاں سب اس کے حکم کے سامنے سرافگندہ ہیں۔

۲۹ے ان آیات میں اسلام کے بنیادی مقاصد یعنی توحید، صداقتِ قرآن اور حقانیتِ نبوّت وغیرہ پر ایمان لانے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اسلام کیونکہ کسی خاص قوم، ملک اور وقت کا دین نہیں بلکہ تمام بنی نوعِ انسان کا تا قیامِ قیامت دین ہے اس لیے عام خطاب سے دعوت دی جارہی ہے یا ایھا النّاس اے تمام انسانو!

۳۰ے توحیدِ ربُوبیّت سے توحیدِ اُلوہیّت پر استدلال قائم کیا جا رہا ہے۔ نعمتِ ایجاد اور بقاء کا ذکر فرما کر ثابت کیا کہ وُہ وحدہٗ لاشریک ہے یعنی تم اپنے رب کی عبادت کرو۔ کیونکہ وہی ہے جس نے تمھیں پیدا فرمایا۔ اگر وُہ کرم نہ فرماتا تو تم فنا کی دُنیا سے وجُود کی دُنیا میں کیسے آسکتے۔ پھر اس نے مزید کرم یہ فرمایا کہ تمھیں پیدا کر کے تمھارے آرام و آسائش اور حیات و بقا کے سارے سامان خود فراہم کر دیئے۔ اگر وُہ تمھیں صرف پیدا کر کے چھوڑ دیتا اور اپنے لُطف و عنایت سے تمھارے رزق اور آسائش کا انتظام نہ فرماتا تو تم پیدا ہوتے ہی ہلاک ہو جاتے۔ اب جب کہ تمھارا وجُود بھی اسی کے کرم کا صدقہ ہے اور تمھاری زندگی اور بقا بھی اسی کی نظرِ رحمت کی محتاج ہے اور کسی دُوسرے کا اس میں کوئی حصّہ نہیں جب ایجاد

قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِیۡ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ فِرَاشًا

پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ وُہ جس نے بنایا تمھارے لیے زمین کو بچھونا

وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِهٖ مِنَ

اور آسمان کو عمارت اور اُتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اِس سے کچھ

الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّكُمۡ ۚ فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا وَّ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۲﴾

پھل تمھارے کھانے کے لیے پس نہ ٹھیراؤ اللہ کے لیے مدِمقابل ۳۱ اور تم جانتے ہو

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ

اور اگر تمھیں شک ہو اس میں جو ہم نے نازل کیا اپنے (برگزیدہ) بندے پر تو لے آؤ ایک سُورۃ اِس

ربُوبیّت میں وُہ وحدہٗ لاشریک ہے تو اُلوہیّت میں کون اس کا شریک ہوسکتا ہے۔جب لاخالق الا اللہ اور لا رب الا اللہ کو تسلیم کرنے میں انکار کی گنجائش نہیں تو لامحالہ لا الٰہ الا اللہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا اور جب اس پر ایمان محکم ہوگیا تو لا معبُود الا اللہ پر بھی یقین راسخ ہوجائے گا۔ تو ثابت ہوا کہ عبادت کے لائق صرف وُہی ذات پاک ہے جو ہر لحاظ سے وحدہٗ لاشریک ہے۔ توحید کے نازک اور پیچیدہ مسئلہ پر قرآن کا استدلال آپ نے ملاحظہ فرمالیا۔کتنا فطری، کتنا سادہ ہے اس کے باوجود کتنا مؤثر اور یقین پرور ہے۔ایک اَن پڑھ عامی، ایک عالم، ایک محقق اور اسرارِ کائنات کے سمندر کا ماہر غوّاص سب یکساں طور پر اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس سے مستفید ہوسکتے ہیں۔اس کے مقابلہ میں فلسفہ وحکمت کے صحائف میں توحید کے دلائل پڑھیئے فنی مُوشگافیوں، پیچیدہ اِصطلاحات، مقدّمات کی ترتیب کا پریشان کن چکّر آپ کو مرعُوب تو کر دے گا لیکن یقین کی دولت سے آپ کا دامن خالی ہی رہے گا۔یہی قرآن کا اعجاز ہے جس نے چودہ صدیوں سے دانشورانِ عالم کو حیرت و اِستعجاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔

۳۱ ۔ اِس کا مُفرد ندٌّ ہے جس کا معنی ہے المثل المناوی یعنی وُہ شخص جو کسی جیسا بھی ہو اور مخالف بھی ہو۔مُشرکین کے بُتوں کو انداد کیوں کہا گیا؟ اِس کی وجہ علّامہ بیضاوی تحریر فرماتے ہیں۔ لانھم لما ترکوا عبادتہ الی عبادتھا وسموھا الھۃ : کیونکہ اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ دی تھی اور صرف ان بُتوں کی عبادت ہی کرتے تھے اور ان کو اِلٰہ (خُدا) بھی کہتے تھے۔

مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٣﴾

جیسی [٣٢] اور بُلا لو اپنے حمایتیوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچّے ہو۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا

پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن

النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٤﴾ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

انسان اور پتھر ہیں جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے اور خوشخبری [٣٣] دیجئے اُنھیں جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ

اور کیے نیک عمل (کہ) یقیناً ان کے لیے باغات ہیں بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا

جب کھلایا جائے گا انھیں ان باغوں سے کوئی پھل (تو صورت دیکھ کر) کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے

[٣٢] یہ دلیل ہے قرآن کریم کے کلامِ الٰہی ہونے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی رسالت کی۔ یہ چیلنج صرف عرب کے شعراء اور بلغاء کے لیے نہیں بلکہ عرب وعجم کے سب منکرین کو دیا جارہا ہے۔ اسلام کے دشمنوں کے لیے یہ کتنا آسان طریقہ تھا کہ تین آیت کی ایک سورت بنا کر قرآن کے اس چیلنج کا جواب دے دیتے۔ اور اس طرح قرآن، نبوّت اور اسلام کی صداقت اور عظمت کو یک دم ختم کر کے بیک کرشمہ سہ کار کا منظر دکھا دیتے۔ لیکن چودہ صدیاں گزر چکی ہیں۔ اور شرق وغرب کے بدخواہ اپنی بے چین خواہشوں، لگاتار کوششوں اور جاں گسل کاوشوں کے باوجود اس چیلنج کا جواب آج تک نہیں دے سکے۔ اور نہ قیامت تک دے سکیں گے جیسے قرآن نے پیشین گوئی کر دی ہے تو اب کسی انصاف پسند ذی ہوش کے لیے یہ ماننے میں انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور جس عبد مقرّب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم پر یہ قرآن نازل ہوا ہے وُہ اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ رسول ہے۔ اس ایک آیت میں قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے رسول ہونے کی ایسی دلیل پیش فرما دی جس کے سامنے بڑے بڑے سرکش مخالفوں کی گردنیں جھک گئیں۔

[٣٣] حق واضح ہو جانے کے بعد حق کا انکار کرنے والوں کے لیے جو عذاب تیار کیا گیا ہے اس کے ذکر کے بعد ان لوگوں کو جو ایمان اور نیک اعمال سے متّصف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی سرمدی نعمتوں کے مژدہ سے خورسند کیا جا رہا ہے۔

مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ

کھلایا گیا تھا ۳۴ اور دیا گیا انھیں پھل (صورت میں) ملتا جلتا اور ان کے لیے جنت میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی ۳۵

وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْىٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا

اور وُہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ۳۶ بے شک اللہ حیا نہیں فرماتا ۳۷ اس سے کہ ذکر کرے کوئی

مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ

مثال مچھر کی ہو یا اس سے بھی حقیر چیز کی تو جو ایمان لائے وُہ خوب جانتے ہیں کہ یہ

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ

مثال حق ہے ان کے رب کی طرف سے (اُتری ہے) اور جنھوں نے کفر کیا سو وُہ کہتے ہیں کیا قصد کیا اللہ نے

بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ

اس مثال کے ذکر سے گمراہ کرتا ہے اللہ اس سے بہتیروں کو اور ہدایت دیتا ہے اس سے بہتیروں کو اور نہیں گمراہ کرتا

حضرت معاذؓ فرماتے ہیں عمل صالح وُہ ہے جس میں چار چیزیں ہوں علم، نیّت، صبر اور اخلاص (مظہری) نیز اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جنّت کی ابدی نعمتوں کا حقیقی مستحق وُہ ہے جو ایمان اور عمل صالح دونوں سے متّصف ہو۔

۳۴ یعنی جنّت کے میووں کی شکل تو ایسی ہوگی جس سے وُہ پہلے سے آشنا ہیں لیکن اُن کا ذائقہ اور خوشبُو بالکل نرالی ہوگی۔

۳۵ یعنی بالکل پاک وصاف۔ نہ جسمانی آلائشوں کا وہاں گزر ہوگا اور نہ اخلاقی عیوب سے اُن کی سیرت کا دامن داغدار ہوگا۔

۳۶ اُن انعامات کی بڑی خصوصیّت یہ ہوگی کہ وُہ عارضی نہیں ہوں گے۔ بلکہ اہلِ جنّت ہمیشہ ہمیشہ اُن سے لُطف اندوز ہوتے رہیں گے۔

۳۷ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں لایستحی ای لایخشی وقیل لایترك وقیل لایمتنع مقصد یہ ہوا کہ کسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے اگر مکھّی، مکڑی، مچھّر یا اس سے بھی حقیر ترین چیز سے مثال دینا ضروری ہو تو اللہ تعالیٰ کسی کے اعتراض کے ڈر سے ایسی مثال کو ترک نہیں فرماتا۔ سلیمُ الطبع لوگ تو مثال کے مفید ہونے کی وجہ سے تسلیم کرتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے لیکن جن کی فطرت مسخ ہوچکی ہے وُہ اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ عجیب خُدا کا کلام ہے جس میں مکڑی اور مچھّروں کا ذکر ہے۔

بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ

اس سے مگر نافرمانوں کو ۳۸ وہ جو توڑتے رہتے ہیں عہدِ خداوندی کو اسے پختہ

مِيْثَاقِهٖ ۪ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ

باندھنے کے بعد اور کاٹتے رہتے ہیں اسے حکم فرمایا اللہ نے جس کے جوڑنے کا اور فساد مچاتے رہتے

فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٢٧﴾ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ

ہیں زمین میں وہی لوگ نقصان اُٹھانے والے ہیں کیونکر تم انکار کرتے ہو اللہ کا ۳۹

كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٨﴾

حالانکہ تم مُردہ تھے اُس نے تمھیں زندہ کیا پھر تمھیں مارے گا پھر تمھیں زندہ کرے گا پھر اُسی کی طرف تم پلٹائے جاؤ گے ۴۰

۳۸ ۔ الضلال اصله الهلاك (قرطبی) ضلال کا اصلی معنی ہلاک ہونا ہے اور فسق عُرفِ شرع میں کہتے ہیں ۔ الخروج من طاعة اللہ عزوجل (القرطبی) اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری سے نکل جانا ۔ ان کی نافرمانی کی نوعیت اگلی آیت میں تفصیلاً بیان فرمادی ۔ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرکے توڑ دینا ، وہ رشتے اور تعلقات انفرادی اور اجتماعی جن کو محفوظ رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم فرمایا ہے اُن کو قطع کرتے رہنا ۔ اپنے جاہ ومنصب کے لیے ظلم وستم اور فتنہ وفساد برپا کرتے رہنا ۔ یہ ان کے کرتوت تھے ۔ اور جن کے یہ کرتوت ہوں اُن کو ہلاکت وتباہی سے کیونکر بچایا جاسکتا ہے ۔ عارفِ رُومیؒ فرماتے ہیں ؎ نقضِ میثاق وشکستِ توبہا موجبِ لعنت شود در انتہا

۳۹ ۔ ازراہِ حیرت وتعجب کفّار سے پُوچھا جارہا ہے کہ اتنی آفاقی اور انفسی ظاہری اور باطنی دلیلوں کے باوجود وہ کفر کی جرأت کیسے کر رہے ہیں ۔

۴۰ ۔ یہاں دو چیزیں قابلِ غور ہیں ۔ پہلی یہ کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا بیان مقصود ہے تو پھر موت کا ذکر کیوں کیا ۔ اس کا جواب تو یہ ہے کہ کیونکہ یہ موت انسان کو فانی زندگی سے نکال کر ابدی اور دائمی زندگی کی طرف لے جاتی ہے ۔ تو یہ موت ہزار نعمتوں سے بڑی نعمت ہے ۔ دُوسری قابلِ غور چیز یہ ہے کہ یہاں دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر ہے اگر قبر کی زندگی مانی جائے تو تین زندگیاں اور تین موتیں لازم آئیں گی اور یہ آیت کے خلاف ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ثم یحییکم سے قبر کی زندگی مُراد ہے ۔ کیونکہ اس کے بعد ارشاد ہے ثم الیه ترجعون ۔ پھر تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۔ یہاں ثم کا لفظ استعمال ہوا ہے ۔ جو تعقیب اور تاخیر کے لیے آتا ہے ۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى

وُہی تو ہے جس نے پیدا کیا تمھارے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب ۴۱ پھر توجہ فرمائی اُوپر

السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ

کی طرف تو ٹھیک ٹھیک بنا دیا اُنھیں سات آسمان ۴۲ اور وُہ سب کچھ خوب جانتا ہے اور یاد کرو ۴۳

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا اس زندہ ہونے کے بعد ہو گا لیکن اس کے بعد فوراً نہیں بلکہ دیر کے بعد۔ اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب کہ قبر کی زندگی کو تسلیم کیا جائے۔ اگر کہا جائے کہ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ سے مُراد حشر کی زندگی ہے تو پھر ثُمَّ کے استعمال کا محل معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب قبروں سے اہلِ قبور اُٹھائے جائیں گے تو فوراً بارگاہِ الٰہی میں پہنچیں گے۔ کسی کو ٹال مٹول یا تاخیر کی اجازت نہیں ہو گی۔

یہ سب بحث اس وقت ہے جب کہ یہاں زندگی اور موت کے عدد کا حصر مقصود ہو حالانکہ علامہ قرطبیؒ اور دیگر محققین نے تصریح کی ہے کہ حصر مقصود نہیں کیونکہ احادیثِ صحیحہ میں چار پانچ دفعہ تک موت و حیات کا تکرار ثابت ہے بہرحال اس آیت سے کسی طرح حیاتِ قبر کا انکار ثابت نہیں ہوتا۔ تمام اہلِ سنّت کا یہی مذہب ہے کہ قبر کی زندگی حق ہے اور متعدّد احادیثِ صحیحہ جو حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں حیاتِ قبر کو ثابت کرتی ہیں۔

۴۱ آئندہ رکوع میں انسان کی پیدائش اور اس کو خلیفۃ اللہ کا منصب عطا کیے جانے کا ذکر آ رہا ہے۔ اس لیے اس سے پہلے اس کے شرف اور اس کی عظمت کا بیان فرمایا کہ زمین اور اس کے شکم میں پنہاں بے پایاں اور بیش قیمت خزینے لہلہاتے ہوئے کھیت اور رسیلے اور رنگیلے پھلوں سے لدے ہوئے سرسبز باغات، اُونچے پہاڑ اور گہرے دریا، رنگ برنگ پرندے اور گوناں گوں چوپائے یہ سب کچھ اسی کی خدمت گزاری کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اسے چاہیئے کہ ہر چیز کو اپنے تصرّف میں لائے۔ اس سے فائدہ اُٹھائے اور اپنی خدمت لے۔ لیکن جادۂ حق سے بھٹکے ہوئے انسان کی پستی کا کیا کہنا کہ اس نے مخدوم ہوتے ہوئے اپنے چاکروں کو اپنا مطلوب بنایا بلکہ بعض نے تو اُنھیں خدائی کے تخت پر بٹھایا اور ان کو اپنا مخدوم اور مطاع بنا کر ان کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کسی بے انصافی کا تصوّر کیا جا سکتا ہے آیت کے اس حصّہ نے انسان کو اپنے بلند مقام سے آگاہ کیا اور اس خود فراموش کو جھنجھوڑا تا کہ وُہ اپنے چہرہ سے ذلّت و رُسوائی کی گرد صاف کرے۔

۴۲ استوی کا صلہ جب الی ہو تو اس کا معنی قصد کرنا، متوجّہ ہونا ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ زمین کی تخلیق کے بعد ارادۂ خداوندی آسمان کی آفرینش کی طرف متوجّہ ہوا اور اس نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے اسے ایسے درست فرمایا کہ اس میں کوئی کمی اور کجی باقی نہ رہنے دی۔ ان آیات سے علمِ تخلیقِ کائنات (COSMOGENY) کی تفصیلات

قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا

جب فرمایا تمہارے رب نے ۴۴ فرشتوں ۴۵ سے میں مقرر کرنے والا ہوں زمین میں ایک نائب ۴۶ کہنے لگے

اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ

کیا تو مقرر کرتا ہے زمین میں جو فساد برپا کرے گا اس میں اور خونریزیاں کرے گا حالانکہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں

اور جزئیات کا بیان مقصود نہیں۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ انسان کائناتِ سماوی و ارضی میں غور کرے اور اس کو نیست سے ہست کرنے والے کی قدرت کا اعتراف کرے اور ربِ قدیر نے اس کی بقاء اور آسائش کے لیے جتنے مکمّل انتظامات کیے ہیں ان سے جائز فائدہ اُٹھائے اور اس کی ان عنایاتِ بے پایاں کا شکریہ ادا کرے۔

۴۳ اس رکوع میں ایک اور عظیمُ الشان احسان کا ذکر ہے۔ یہ ہے حضرتِ انسان کی پیدائش کا تذکرہ۔ خالقِ کائنات نے جس اہتمام سے اس پیکرِ خاکی کی تخلیق کا ذکر فرمایا ہے اس اہتمام سے کسی دُوسری مخلوق کا ذکر نہیں فرمایا۔

۴۴ اس مقام پر رب مضاف ہے ك ضمیر کی طرف جس کا مرجع ذاتِ پاک مصطفٰی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم ہے اس اضافت میں جو لُطف ہے اس کا صحیح ادراک صرف اہلِ محبّت وعرفان کا خاصہ ہے۔ علامہ الوسی فرماتے ہیں کان ...... رمزا الی ان المقبل علیه بالخطاب له الحظ الاعظم فهو صلی الله تعالٰی علیه وآله وسلم علی الحقیقة الخلیفة الاعظم ولولاه ماخلق آدم ولا ولا (روح المعانی) یعنی حضور کریم کی ذاتِ مقدّس ہی حقیقت میں خلیفہ اعظم ہے۔ اور اگر یہ ذاتِ گرامی نہ ہوتی تو آدم ہی پیدا نہ ہوتے بلکہ کچھ بھی نہ ہوتا۔

۴۵ اس کا واحد مَلَكٌ ہے۔ اس کا مآخذ اشتقاق اَلُوْكَةٌ ہے جس کا معنی ہے "پیغام رسانی" کیونکہ فرشتے اللّٰہ تعالیٰ کا پیغام اُس کے مقبول بندوں تک پہنچانے کے لیے مامُور ہیں اس لیے انھیں اس نام سے موسُوم کیا گیا۔ ملائکہ کی حقیقت کیا ہے؟ اس میں اتنے مختلف اقوال ہیں کہ اُن کا احاطہ یہاں آسان نہیں۔ علماء اسلام کے نزدیک ان کی حقیقت یہ ہے انها اجسام لطیفة قادرة علی التشکل باشکال مختلفة۔ یہ وُہ لطیف اور نُورانی جسم ہیں جو مختلف شکلیں بدل سکتے ہیں۔ لایراهم ماهم علیه الا ارباب النفوس القدسیة۔ اور اُن کو ان کی اصل شکل میں صرف اولیاء کاملین ہی دیکھ سکتے ہیں۔ اور ہونا بھی یُونہی چاہیے۔ کیونکہ مختلف اشیاء کا شعُور و ادراک ایک ہی قوّت سے نہیں ہوتا۔ بلکہ مختلف قوّتیں مختلف چیزوں کا شعور و ادراک کرتی ہیں۔ رنگت کا ادراک آنکھ سے اور حرارت کا چھُونے سے ہوتا ہے۔ نابینا اگر سُرخ و سفید کو نہ سمجھ سکے تو وُہ معذور ضرُور ہے لیکن اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وُہ سُرخ و سفید کا انکار ہی کر دے۔ اسی طرح ملائکہ جن کا تعلق عالمِ رُوح سے ہے اگر ظاہری حواس اُنھیں نہ پاسکیں تو وُہ معذُور ہیں۔ اور وُہ آنکھ جو عالمِ رُوح کے اسرار و لطائف کو دیکھ سکتی ہے۔ وُہ تو اس وقت روشن ہوتی ہے۔ جب ریاضت اور مجاہدات

بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ

تیری حمد کے ساتھ اور پاکی بیان کرتے ہیں تیرے لیے فرمایا بے شک میں وُہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور اللہ نے

سے تزکیۂ نفس ہو اور دِل کا آئینہ چمکنے لگے۔ جو لوگ ساری عمر لذّات و خواہشات کے درپے رہتے ہیں جنھوں نے تزکیۂ نفس کی اہمیّت کا کبھی احساس نہیں کیا۔ وُہ اگر اس نورانی اور لطیف مخلوق کو نہ دیکھ سکیں تو معذور ہیں لیکن انھیں کسی طرح یہ زیبا نہیں کہ وُہ اِن نفوسِ قدسیہ کے مشاہدات کا انکار کریں جن کی چشم دِل بیدار بھی ہے اور بینا بھی۔ اس لیے جن لوگوں نے فرشتوں کے وجُود کا انکار کیا ہے۔ اور مختلف دُور از کار اور رکیک تاویلیں کی ہیں ان کا انکار بھی علمی نہیں اور ان کی یہ تاویلیں بھی کسی ستائش کی مستحق نہیں۔

۴۶۔ یہاں فرشتوں سے نہ مشورہ لیا جارہا ہے اور نہ اذن طلب کیا جارہا ہے بلکہ ربُّ العزّت اپنے ارادۂ عالیہ سے انھیں آگاہ فرمارہا ہے۔ یہاں دو چیزیں غور طلب ہیں۔ (۱) خلیفہ کسے کہتے ہیں؟ (۲) انسان کو منصبِ خلافت کیوں تفویض کیا گیا؟ خلیفہ وُہ ہے جو کسی کے مُلک میں اس کے نائب کی حیثیّت سے اس کے احکام کے مُطابق عمل کرائے۔ اِس منصب کے لیے انسان کے انتخاب کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انسان کے علاوہ جتنی مخلوق ہے اُس کی استعداد، علم اور اس کا دائرۂ عمل محدود ہے۔ اور جس کی محدودیّت کا یہ عالم ہو وُہ اس ذاتِ پاک کا خلیفہ نہیں بن سکتا جس کا علم، ارادہ، احکام اور تصرّف غیر محدُود ہے لیکن انسان جو ابتداء میں ضعیف بھی ہے اور جہول بھی اس میں وُہ پایاں ناپذیر استعداد رکھ دی گئی ہے۔ اور عقل و فہم کی وُہ قوتیں ودیعت فرمادی گئی ہیں جن کے تصرّفات کی حد نہیں۔ اِس لیے جُملہ مخلوقات سے صرف یہی ایک مخلوق ہے جو منصبِ خلافت کی اہلیّت رکھتی ہے۔ علماء ربّانیّین نے اِس مشتِ خاک میں پنہاں توانائیوں سے جیسے پردہ اُٹھایا ہے اس کی گردِ راہ کو بھی نفسیاتِ انسانی کے ماہرین نہیں پہنچ سکے۔ عارفِ کامل اسمٰعیل حقّی کے الفاظ مُلاحظہ فرمائیے۔

ان فی الانسان صورۃ من عالم الشھادۃ المحسوسۃ وروحا من عالم الغیب الملکوتی غیر المحسوس وسرا مستعد القبول فیض الانوار الالھیۃ فبالتربیۃ یترقی من عالم الشھادۃ الی عالم الغیب و بسر المتابعۃ یترقی من عالم الملکوت الی عالم الجبروت والعظموت ویشاھد بنور اللّٰہ المستفاد من سر المتابعۃ انوار الجمال والجلال۔ الخ یعنی انسان مختلف عناصر سے مرکّب ہے۔ اس کی صورت کا تعلق عالمِ محسُوس سے ہے اور اس کی رُوح کا تعلق عالمِ غیب ملکوتی سے ہے صُورت و رُوح کے علاوہ اس میں ایک پوشیدہ قوت ہے جو انوارِ ربانی کے فیض کو قبُول کرنے کی استعداد رکھتی ہے۔ اچھی تربیت سے وُہ عالمِ محسُوس سے ترقی کرکے عالمِ غیب تک رسائی حاصل کرتا ہے اور رسالتمآبؐ کی سچّی پیروی سے اس پر عالمِ جبرُوت و عظمُوت کی راہیں کھلتی ہیں۔ وُہ الٰہی نُور جو اس اطاعت و پیروی کی برکت سے اسے حاصل ہوتا ہے اس سے وُہ جمال و جلال کے انوار و تجلّیات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ فسبحان اللّٰہ احسن الخالقین۔ انسان کو جو صرف خاک کا پتلا سمجھتے ہیں کاش اس کی حقیقت پر غور

اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ

سکھا دیئے آدم کو تمام اشیاء کے نام ۴۷ پھر پیش کیا انھیں فرشتوں کے سامنے اور فرمایا بتاؤ تو مجھے

بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ

نام ان چیزوں کے اگر تم (اپنے اس خیال میں) سچے ہو عرض کرنے لگے ہر عیب سے پاک تو ہی ہے کچھ علم نہیں ہمیں

اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ

مگر جتنا تو نے ہمیں سکھا دیا بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے فرمایا اے آدم! بتا دو انھیں ان

بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ

چیزوں کے نام پھر جب آدم نے بتا دیئے فرشتوں کو ان کے نام تو اللہ نے فرمایا کیا نہیں کہا تھا میں نے تم سے کہ میں

اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ

خوب جانتا ہوں سب چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں اور زمین کی اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم

تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ

چھپاتے تھے اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو ۴۸ تو سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے

کریں تاکہ ان میں اپنے بلند مقام پر پہنچنے کی تڑپ پیدا ہو۔ یہ وہ ذرّہ ہے جس کے سامنے آسمان کی رفعتیں سرنگوں ہیں اور یہ وہ قطرہ ہے جس میں سمندروں کی گہرائیاں ہیں۔

۴۷ حضرت ابن عبّاس، عکرمہ، قتادہ اور ابن جبیر رضی اللہ عنہم نے اس آیت کی تفسیر یوں بیان فرمائی ہے علمه اسماء جمیع الاشیاء کلها جلیلها وحقیرها (القرطبی) یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام کو چھوٹی بڑی تمام اشیاء کے سب نام سکھا دیئے اور خلافت کے منصب کا تقاضا بھی یہی تھا کہ انھیں ان تمام چیزوں کا علم عطا فرمایا جاتا۔ جب آدم علیہ السّلام کے علم کی یہ کیفیّت ہے تو سیّد بنی آدم خلیفۃ اللہ فی العالم محمّد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے علوم و معارف کا کیا کہنا۔

۴۸ جب فرشتوں نے آدم علیہ السّلام کی وسعتِ علم اور اپنے عجز کا اعتراف کر لیا تو پروردگارِ عالم نے انھیں حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ سجدہ کا لغوی معنی ہے تذلّل اور خضوع اور شریعت میں اس کا معنی ہے وضع الجبھة علی الارض پیشانی کا زمین پر

اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ

اس نے انکار کیا اور تکبّر کیا اور (داخل) ہوگیا وہ کفّار (کے ٹولہ) میں اور ہم نے فرمایا اے آدم! رہو تم

وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ

اور تمھاری بیوی اِس جنّت میں اور دونوں کھاؤ اس سے جتنا چاہو جہاں سے چاہو اور مت نزدیک جانا اِس

رکھنا۔ بعض عُلما۔ کے نزدیک یہاں سجدہ کا لغوی معنی مُراد ہے۔ کہ فرشتوں کو اَدب واحترام کرنے کا حکم دیا گیا۔ لیکن جمہور عُلماً کے نزدیک شرعی معنی مُراد ہے یعنی فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ آدم علیہ السّلام کے سامنے پیشانی رکھ دیں۔ اب اس سجدہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ پیشانی جھکانے والا یہ اعتقاد کرے کہ جس کے سامنے میں پیشانی جھکا رہا ہُوں وُہ خدا ہے تو یہ عبادت ہے اور یہ خاص ہے اُسی وحدہٗ لاشریک کے ساتھ جو خالق و مالک ہے ساری کائنات کا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کبھی بھی کسی نبی کی شریعت میں جائز نہیں۔ بلکہ انبیاء کی بعثت کا مقصدِ اوّلین تھا ہی یہی کہ وُہ اِنسانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیں اور دُوسروں کی عبادت سے منع کریں۔ تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ جس چیز سے روکنے کے لیے انبیاء تشریف لائے اس فعل کا ارتکاب خود کریں یا کسی کو اجازت دیں۔ دُوسری صُورت یہ ہے کہ جس کے سامنے سجدہ کیا جا رہا ہے اس کی عزّت واحترام کے لیے ہو عبادت کے لیے نہ ہو تو اس کو سجدہ تحیّہ کہتے ہیں۔ یہ پہلے انبیاء کرام کی شریعتوں میں جائز تھا لیکن حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس سے بھی منع فرما دیا۔ اب تعظیمی سجدہ بھی ہماری شریعت میں حرام ہے۔ یہ عزّت و سرفرازی جو آدم علیہ السّلام کو نصیب ہوئی اس کا سبب علمِ تکوینی یعنی اشیاء اور ان کی خاصیّات اور ان کے اثرات کا علم ہے وُہ اُمّت جس کی آسمانی کتاب میں آدم کی برتری اور افضلیّت کا راز یہ بتایا گیا ہو کہ وُہ کائنات کے اسرارِ سربستہ سے آگاہ کیا گیا تھا وُہ اُمّت اگر علم سے محرُوم ہو۔ سائنس اور حکمت سے نا آشنا ہو تو یہ اُس کی اپنی بدبختی ہے۔ اس کے دین نے تو اس کے سمندِ شوق کو مہمیز لگانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی دُنیا میں جتنے مذہبی صحائف موجُود ہیں کسی میں اِتنی وضاحت اور اِتنے اہتمام سے مقامِ آدم کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔ اب ہم اپنی شورہ بختی کے علاوہ کس کو ملامت کریں کہ ہماری غالب اکثریت تو ابجد خواں بھی نہیں۔ اور جو علم سے آشنا ہیں وُہ علم کو تن پروری کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ وُہ دن کب طلوع ہو گا جب مومن اپنے مقام کو پہچانے گا۔ پھر کب اِس آسُودۂ خوابِ راحت کو رُومی کا سوز اور رازی کا پیچ وتاب نصیب ہو گا۔ ہمارے مطالعہ کی میز پر تو تہ در تہ گرد جمی ہوئی ہے اور ہمارے عشرت کدوں میں نور ونکہت کا سیلاب اُمڈا چلا آ رہا ہے۔ ہماری رصد گاہیں اب ان تھک تیز نگاہوں سے محرُوم ہیں جو ستاروں کی معمُولی سی جنبش کا تعاقب کیا کرتی تھیں۔ ہماری تجربہ گاہیں اب ایسے علماء کو ترس گئی ہیں جو دُنیا کی لذّات سے کنارہ کش ہو کر نشترِ تحقیق سے کائنات کی ہر چیز کا دل چیرا کرتے اور ان میں پوشیدہ اثرات اور قوتوں کا کھوج لگایا کرتے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر قابلِ حیرت بلکہ لائق نفرت وُہ آواز ہے جو بعض حلقوں سے توحید کے نام پر اُٹھائی

الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِينَ ۝۳۵ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا

درخت کے ورنہ ہو جاؤ گے اپنا حق تلف کرنے والوں سے پھر پھسلا دیا اُنھیں شیطان نے ۴۹ اس درخت کے باعث اور نکلوا دیا

مِمَّا كَانَا فِيهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي

ان دونوں کو وہاں سے جہاں وہ تھے اور ہم نے فرمایا اُتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے اور (اب) تمھارا

جا رہی ہے کہ نبی کو تشریعی علم دیا جاتا ہے تکوینی علم سے اُسے کیا سروکار۔ اور اس طرح اس ذاتِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلّم کے علم کی بیکراں وسعتوں کو تنگ سے تنگ کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا سارا زور صرف کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرماوے ہمارے حالِ زار پر اور بخشے ہماری کوتاہ اندیشیوں کو۔ انہ هو التواب الرحیم۔

۴۹ے اس مقام پر بے ساختہ یہ خیال پریشان کرنے لگتا ہے کہ کیا انبیاء سے بھی گناہ سرزد ہوتا ہے؟ اس لیے اجمال کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس سلسلہ کے متعلق کچھ عرض کرنا نہایت ضروری ہے۔ علّامہ قرطبیؒ نے بڑی عمدگی سے اس مشکل کو حل کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ انهم معصومون من الصغائر كلها كعصمتهم من الكبائر اجمعها۔ یعنی مالکی حنفی اور شافعی مسلک کے جمہور فقہاء کا یہ مذہب ہے کہ انبیاء جس طرح کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اسی طرح صغیرہ گناہوں سے بھی پاک ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں ان کی مطلق اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر ان سے گناہ کا ارتکاب ہو سکے تو ان کے گناہوں کی اطاعت بھی لازم آئے گی۔ جس سے ہدایت کا سارا انظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ قرآن حکیم میں جابجا انبیاء کی طرف ایسی چیزیں منسوب ہیں جو گناہ ہیں اور پھر ان امور پر انبیاء کی شدید ندامت اور استغفار بھی منقول ہے۔ ایسے میں مطلق عصمت کا قول کیونکر ممکن ہے۔ اس شبہ کے ازالہ کے لیے ایک چیز کو ہمیشہ ذہن نشین رکھنا چاہیئے۔ وہ یہ کہ کوئی فعل گناہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ کسی حکم کی نافرمانی کا عزم اور قصد پایا جائے۔ اور اگر عزم اور قصد مفقود ہے بلکہ بے ارادہ بھول چوک سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے جو بظاہر کسی حکم کے خلاف ہے تو اُسے گناہ نہیں کہتے۔ اور ایسے امور کا صدور عصمتِ انبیاء کے منافی نہیں۔ اب آپ اسی ایک واقعہ پر غور کریں۔ قرآن حکیم کی تعبیر میں اس مسئلہ کی نزاکت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہاں فرمایا ہے۔ فازلهما۔ اب آپ "زلة" کی لغوی تحقیق پر غور کیجئے۔ الزلة فی الاصل استرسال الرجل من غير قصد: بلا ارادہ پاؤں کا پھسل جانا۔ دوسرے مقام پر قرآن نے بالکل اس حقیقت کو واضح الفاظ میں بیان فرما دیا فنسی ولم نجد له عزما۔ یعنی آدم سے یہ حرکت بھول سے ہوئی اس کا عزم و ارادہ ہرگز نہ تھا۔ جب تک عزم و ارادہ مفقود ہو اس فعل کو گناہ نہیں کہا جا سکتا لیکن ؎

بود آدم دیدۂ نورِ قدیم موئے در دیدہ بود کوہِ عظیم (رومیؒ)

یعنی آدم علیہ السّلام تو نورِ قدیم کی آنکھ تھے۔ اور آنکھ میں اگر ایک بال بھی گر جائے تو آنکھ کی نزاکت اس کو برداشت نہیں

الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ

زمین میں ٹھکانا ہے اور فائدہ اُٹھانا ہے وقتِ مقرر تک ۵۰ پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے چند کلمے ۵۱

فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا

تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کی ۵۲ بے شک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہم نے حکم دیا اُتر جاؤ اس جنت سے سب کے سب ۵۳

کرسکتی بلکہ وُہ ہلکا سا بال یہاں پہاڑ سے بھی بوجھل محسوس ہونے لگتا ہے۔

۵۰ ؎ اس آیت میں یہ لطیف اشارہ بھی ہے کہ اس دُنیا میں تمھارا قیام ہمیشہ نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ تمھاری عارضی قیام گاہ ہے۔ ان فرصت کے لمحوں میں تمھیں اپنی ابدی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے کوشاں رہنا چاہیے۔

۵۱ ؎ آدم علیہ السّلام بھُولے سے یہ خطا کر تو بیٹھے لیکن پھر فرطِ ندامت سے روئے اور اتنا روئے کہ آنسوؤں کے دریا بہا دیئے۔ ان کے دردانگیز نالوں سے پتھروں کے دِل پھٹ جاتے تھے۔ دِن رات آہ وفغاں سے کام تھا۔ ہر وقت بارگاہِ الٰہی میں اس کی رحمت کے لیے ملتجی رہتے۔ سالہا سال اسی طرح بیت گئے لیکن مغفرت کی خوشخبری نہ ملی۔ آخر ایک روز ایسے کلمات زبان سے نکلے کہ رحمتِ خداوندی کو ترس آگیا اور چشمِ عنایت مائل بکرم ہوگئی۔ وُہ کون سے کلمات تھے۔ اس کے متعلق میں حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ کی تفسیر فتح العزیز کی عبارت نقل کرتا ہُوں تاکہ ہر خوش نصیب کی طمانیتِ قلب کا باعث ہو" اور طبرانی نے معجم صغیر میں اور حاکم اور ابُونعیم اور بیہقی نے حضرت امیر المومنین عمرؓ بن خطاب سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ جب حضرت آدمؑ سے یہ گناہ سرزد ہُوا اور ان پر عتابِ الٰہی نازل ہُوا تو بہ قبول ہونے میں حیران تھے کہ اتنے میں ان کو یاد آیا کہ مجھ کو جس وقت خدائے تعالیٰ نے پیدا کیا تھا اور رُوح خاص میرے اندر پھُونکی تھی اُس وقت میں نے اپنے سر کو عرش کی طرف اُٹھایا تھا اس جگہ لکھا دیکھا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ قدر کسی شخص کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر اس شخص کے نہیں کہ نام اس کا اپنے نام کے برابر لکھا ہے۔ تدبیر یہ ہے کہ بحق اسی شخص کے سوال مغفرت کا کروں پس دُعا میں کہا۔ اسئلك بحق محمد ان تغفرلی (اے مولا! میں تجھ سے محمد مصطفٰے کے صدقہ سے التجا کرتا ہُوں کہ تو مجھے بخش دے) حق تعالیٰ نے ان کی بخشش کی اور وحی بھیجی کہ محمدؐ کو کہاں سے جانا تُو نے۔ اُنھوں نے تمام ماجرا عرض کیا حکم پہنچا کہ اے آدمؑ! محمدؐ سب پیغمبروں سے پچھلا پیغمبر ہے اولاد تیری میں سے اور اگر وُہ نہ ہوتا تجھ کو نہ پیدا کرتا"۔ (ص ۱۱۶ ج ۱۔ تفسیر عزیزی ترجمہ اُردو مطبوعہ علیمی پریس دہلی ۱۹۳۲ء)

۵۲ ؎ توبہ کا لغوی معنی رجُوع کرنا ہے اور جب کہا جائے تاب العبد (کہ بندے نے توبہ کی) تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ رجع الی طاعۃ ربہ۔ سرکشی چھوڑ کر وُہ اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار بن گیا اور اگر تاب کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو پھر معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے نادم اور شرمسار بندے کی طرف نظرِ رحمت فرمائی اور اس کا قصور معاف فرما دیا۔

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

پھر اگر آئے تمھارے پاس میری طرف سے (پیغام) ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی انھیں نہ تو کوئی خوف ہوگا

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اور نہ وُہ غمگین ہوں گے اور جنھوں نے کُفر کیا اور جھُٹلایا ہماری آیتوں کو (تو) وُہ دوزخی

النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ

ہوں گے وُہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اے اولادِ یعقوب ۵۴ یاد کرو میرا وُہ احسان جو

۵۳؎ نیچے اُترنے کا حکم دوبار ہوا۔ پہلے لغزش کے صادر ہونے کے بعد، پھر قبولِ توبہ کے بعد۔ پہلے حکم سے ناراضگی کا اظہار مقصود تھا۔ اور دُوسری بار منصبِ خلافت سنبھالنے کے لیے۔ دونوں حکموں کی غرض وغایت الگ الگ ہے اس لیے یہاں تکرار نہیں۔

۵۴؎ تیسرے رکوع میں تمام اولادِ آدم کو دعوتِ اسلام دی گئی اور توحید ورسالت کے دلائل پیش کیے گئے۔ چوتھے رکوع میں انسان کی پیدائش، اسے زیورِ علم سے آراستہ کرنے اور منصبِ خلافت پر فائز کرنے کا ذکر فرمایا گیا۔ اور اب یہاں سے مسلسل کئی رکوعوں تک بنی اسرائیل کی اصلاح وہدایت کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہود کو خصوصی خطاب کرنے میں یہ مصلحت تھی کہ تمام اقوامِ عالم خصوصاً جزیرۂ عرب کے باشندوں میں یہود کو ایک اہم مقام حاصل تھا۔ چار ہزار سال تک سلسلۂ نبوّت ان میں جاری رہا۔ ہزاروں نبی ان میں پیدا ہوئے۔ جن کے باعث علم وحکمت میں کوئی قوم ان کی برابری کا دعوےٰ نہیں کرسکتی تھی۔ ان کے گردونواح میں بسنے والے قبائل ان کی علمی برتری سے بہت مرعوب تھے۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اسلام قبول کرنے کے لیے یہ شرط لگا رکھی تھی کہ اگر یہود نے (جو اہلِ علم وکتاب ہیں) اسلام قبول کیا تو وُہ بھی قبول کرلیں گے اس لیے قرآنِ حکیم نے یہود کو خاص طور پر اسلام کی طرف بُلایا تاکہ اُن کے اسلام لانے سے دُوسرے لوگوں کے لیے اسلام قبول کرنے کی راہ ہموار ہوجائے۔ اور اگر وُہ اسلام کو قبول نہ کریں تو اُن کی ہٹ دھرمی کا پردہ چاک ہوجائے اور دُنیا کو پتہ چل جائے کہ یہ صرف دُنیاوی اقتدار اور دولت وثروت کے باعث اسلام کی مخالفت کررہے ہیں۔ اس تفصیل کی ایک حکمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ملّتِ اسلامیہ کو درسِ عبرت دیا جائے کہ بنی اسرائیل کی داستانِ عرُوج وزوال تمھارے سامنے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی اطاعت کرتے رہوگے تو عزّت وحکومت تمھاری خانہ زاد لونڈی ہوگی۔ اور اگر سرکشی اختیار کی تو تمھاری بدعملیاں کسی بخت نصر کا لباس پہن کر نمودار ہوں گی اور تمھیں صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیں گی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِىۡٓ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ وَاِيَّاىَ

کیا میں نے تم پر ۵۵؎ اور پورا کرو تم میرے (ساتھ کیے ہوئے) وعدہ کو میں پورا کروں گا تمہارے (ساتھ کیے ہوئے) وعدہ کو ۵۶؎

فَارۡهَبُوۡنِ ۝۴۰ وَاٰمِنُوۡا بِمَآ اَنۡزَلۡتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ وَلَا تَكُوۡنُوۡٓا اَوَّلَ

اور صرف مجھی سے ڈرا کرو ۵۷؎ اور ایمان لاؤ اس (کتاب) پر جو نازل کی ہے میں نے یہ سچا ثابت کرنے والی ہے اس کو جو تمہارے پاس ہے ۵۸؎

كَافِرٍۢ بِهٖ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوۡنِ ۝۴۱ وَلَا تَلۡبِسُوا

اور نہ بن جاؤ تم سب سے پہلے انکار کرنے والے اس کے اور نہ خرید و تم میری آیتوں کے عوض تھوڑی سی قیمت ۵۹؎ اور صرف مجھی سے ڈرا کرو اور مت ملایا کرو

الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَتَكۡتُمُوا الۡحَقَّ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝۴۲ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ

حق کو باطل کے ساتھ ۶۰؎ اور مت چھپاؤ حق کو حالانکہ تم (اسے) جانتے ہو اور صحیح ادا کرو نماز

۵۵؎ حضرت سیدنا ابراہیم (۲۱۶۰ تا ۱۹۸۵ ق۔م) کے فرزند حضرت اسحاق جو حضرت سارہ عراقیہ کے بطن سے تھے۔ ان کے فرزند حضرت یعقوب علیہم السّلام کا لقب اسرائیل ہے۔ اس کا معنی ہے عبداللہ۔ اللہ کا بندہ۔

۵۶؎ اس عہد کی تفصیل اسی پارہ کے دسویں رکوع میں (اور دوسرے مقامات پر) مذکور ہے۔ تورات کے الفاظ بھی اس کی تائید کرتے ہیں "تو نے آج کے دن اقرار کیا ہے کہ خداوند تیرا خدا ہے اور تو اس کی راہوں پر چلے گا اور اس کے آئین اور فرمان اور احکام کو مانے گا اور اس کی بات سنے گا۔ (استثناء ۲۶ : ۱۷)

۵۷؎ علماء بنی اسرائیل کے اسلام قبول کرنے کے راستہ میں ایک بڑی رکاوٹ یہ بھی تھی کہ وہ اس بات سے خوف زدہ تھے کہ اگر انھوں نے اپنے پرانے دین کو چھوڑ دیا اور اس نئے دین کو اختیار کر لیا تو ان کے عقیدت مندوں کا یہ ہجوم منتشر ہو جائے گا اور مالی منفعت جو اب انھیں اپنے ماننے والوں سے حاصل ہو رہی ہے بند ہو جائے گی اللہ تعالیٰ انھیں متنبہ فرماتا ہے کہ ایسی باتوں سے ہراساں مت ہو۔ ڈرنا ہے تو اپنے اللہ سے ڈرو جس کے قبضۂ قدرت میں رزق کے خزانے ہیں اور جسے چاہتا ہے جتنا چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

۵۸؎ قرآن حکیم تو تمہاری کتاب کی تائید اور تصدیق کرتا ہے۔ تمہارے دین کی حقانیت کا علم بردار ہے۔ تمہارے انبیاء کی شان بلند کرتا ہے تو پھر تم اس سے کیوں بدکتے ہو۔

۵۹؎ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو تھوڑے داموں فروخت نہ کرو اور اگر منہ مانگے دام ملیں تو بیچ دو۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ کسی قیمت پر حق کو مت بیچو کیونکہ ساری دنیا کے خزانے بھی اس کے مقابلہ میں حقیر ترین معاوضہ ہیں۔

وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ

اور دیا کرو زکوٰۃ اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ کیا تم حکم کرتے ہو (دوسرے) لوگوں کو نیکی کا اور

تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَ اسْتَعِيْنُوْا

بُھلا دیتے ہو اپنے آپ کو حالانکہ تم پڑھتے ہو کتاب ۶۱ کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے اور مدد لو

بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ ۙ الَّذِيْنَ

صبر اور نماز سے ۶۲ اور بے شک نماز ضرور بھاری ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر (بھاری نہیں) جو

۶۰ تورات کے صفحات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات وصفات اور علامات کے ذکر سے مزین تھے علماء بنی اسرائیل ان کو چھپانے کی کوشش میں لگے رہتے۔ تاکہ لوگ ان پر مطلع ہو کر حضور پر ایمان نہ لے آئیں۔ اور اگر کسی کی نظر سے ایسی کوئی آیت گزر جاتی تو وہ اس کی ایسی تاویلیں گھڑ کر اسے بتاتے کہ وہ بے چارہ طرح طرح کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس مذموم حرکت سے منع فرماتے ہیں۔ لبس کے دو معنے ہیں ڈھانپ لینا اور غلط ملط کر دینا اس سے ہر طرح کی تحریف لفظی ہو یا معنوی سے باز آنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یہ حکم صرف بنی اسرائیل کے علماء کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ملتِ اسلامیہ سے نسبت رکھنے والے علماء کو بھی شامل ہے۔

۶۱ علماء یہود لوگوں کو تو یہ حکم دیتے کہ تورات اللہ کی کتاب ہے اور اس کے ہر فرمان کی تعمیل کرو لیکن اپنا یہ حال تھا کہ ذرا سے ذاتی فائدے کے لیے تورات کے صریح احکام کو پس پشت ڈال دیتے۔ تورات کی بیان کردہ علامات حضور میں دیکھ لینے کے بعد بھی ایمان نہ لاتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی دو رخی پالیسی سے منع فرماتے ہیں۔ یہ زجر و توبیخ ہر اس شخص کے لیے ہے جو دوسروں کو نیکی کا حکم دے اور خود اس کے خلاف عمل پیرا ہو۔ خواہ وہ یہودی کہلائے یا مسلمان۔ قرآن حکیم نے جا بجا قول و عمل کے اختلاف سے روکا ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا۔ معراج کی رات میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ میں نے جبریلؑ سے ان کے متعلق دریافت کیا تو جبریل نے بتایا۔ ھؤلاء الخطباء من اھل الدنیا (و فی روایۃ من امتک) یامرون الناس بالبر و ینسون انفسھم و ھم یتلون الکتاب افلا یعقلون۔ (ترجمہ)۔ یہ دنیا کے خطیب ہیں۔ (ایک روایت میں ہے آپؐ کی امت کے خطیب ہیں) جو لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیا کرتے اور اپنے نفسوں کو بھلائے رکھتے حالانکہ وہ کتاب کی تلاوت بھی کرتے۔ تنسون انفسکم کی تعبیر کتنی اثر آفرین ہے یعنی تم ایسا کر کے اپنی بہتری نہیں کر رہے بلکہ تم تو وہ زیاں کار اور سود فراموش ہو جن کی نظروں سے اپنی بہتری اوجھل ہو چکی ہے۔

يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

یقین کرتے ہیں کہ وُہ مُلاقات کرنے والے ہیں اپنے ربّ سے اور وُہ اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ۶۳ اے اولادِ یعقوب!

اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾

یاد کرو میرا وُہ احسان جو میں نے تم پر کیا اور (یہ کہ) میں نے فضیلت دی تھی تمھیں سارے جہان والوں پر ۶۴

وَ اتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا

اور ڈرو اُس دِن سے جب نہ بدلہ دے سکے گا کوئی شخص کسی کا کچھ بھی اور نہ قبول کی جائے گی اس کے لیے

۶۲ ے کیونکہ بنی اسرائیل صدیوں سے ان اخلاقی بیماریوں میں مبتلا تھے اور ایک حد تک ان کے عادی ہو گئے تھے۔ یک لخت ان کا ان عادتوں سے دست بردار ہو جانا بہت مشکل تھا۔ اس لیے اب اُنھیں ان پستیوں سے نکل آنے کا راستہ بتایا جا رہا ہے یعنی تم صبر اور نماز سے ان خامیوں کا علاج کر سکتے ہو۔

"صبر کے لغوی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں۔ اور اس سے مُراد ارادے کی وُہ مضبوطی، عزم کی وُہ پختگی اور خواہشات نفس کا وُہ انضباط ہے جس سے ایک شخص نفسانی ترغیبات اور بیرُونی مشکلات کے مقابلہ میں اپنے قلب وضمیر کے پسند کیے ہُوئے راستہ پر لگاتار بڑھتا چلا جاتا ہے"۔ (تفہیم القرآن) اگر انسان اپنے اندر یہ قوّت پیدا کر لے اور اس کے ساتھ ساتھ وُہ نماز کے ذریعہ اپنا رشتۂ عبدیّت اپنے ربِّ حقیقی سے محکم کر لے تو پھر کوئی مشکل اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔ حضُور کریمؐ کی یہ عادت مُبارک تھی کہ جب کوئی مشکل کام آپڑتا تو فوراً نماز پڑھنے لگتے۔ نیز رحمتِ عالمؐ نے فرمایا کہ اگر کسی کو حاجت ہو اللہ تعالیٰ سے یا کسی انسان سے تو اُسے چاہیئے کہ بڑی احتیاط سے وضو کرے۔ پھر دو رکعت نماز پڑھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرے اس کے بعد درُود شریف کثرت سے پڑھے اور اس کے بعد ان الفاظ سے دُعا مانگے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ۔ (رواہ الترمذی)

۶۳ ے عُلماءِ لُغت کے نزدیک ظن اُن الفاظ سے ہے جو مختلف اور متضاد معنوں پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ ظن کا معنی شک بھی ہے اور یقین بھی۔ اور اس آیت میں ظن بمعنی یقین مستعمل ہوا ہے۔

۶۴ ے دُنیا کی ساری قومیں، خاندان اور ان کے افراد اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہونے میں اور آدمؑ کی اولاد ہونے میں سب برابر ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک برتری اور بزرگی کا دارومدار وُہ عُمدہ صفات اور خوبیاں ہیں جن سے کوئی قوم یا فرد متّصف ہوتا ہے۔

شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَاِذْ

سفارش ۶۵ اور نہ لیا جائے گا اس سے کوئی معاوضہ اور نہ وُہ مدد کیے جائیں گے اور یاد کرو جب

نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ

نجات بخشی ہم نے تمھیں فرعونیوں سے جو پہنچاتے تھے تمھیں سخت عذاب (یعنی) ذبح کرتے تھے ۶۶

صرف کسی خاندان کا فرد ہونا یا کسی نسل سے ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ہدایت، عِلم و حکمت اور حکومت یہ تین ایسی چیزیں تھیں جو مجموعی طور پر اُس وقت بنی اسرائیل کے علاوہ کسی قوم میں نہیں پائی جاتی تھیں اِس لیے ان کی بزرگی اور فضیلت مسلّم تھی لیکن جب ضِد اور تعصّب کی وجہ سے اُنھوں نے پیغامِ ہدایت کو ٹھکرا دیا اور اپنی خواہشات کی تسکین کے لیے عِلم و حکمت کے آسمانی صحیفوں میں تحریف اور بگاڑ شروع کر دیا اور انبیاء کرام کی توہین اور بے ادبی کو اپنا پیشہ بنا لیا اور بعض کو قتل بھی کر دیا تو ان کرتوتوں کے باعث ان پر ذلّت و مسکنت کی لعنت مسلّط کر دی گئی۔ گویا اُنھوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی فضیلت کا گلا گھونٹ دیا اور اپنی بزرگی کا جنازہ نکال دیا۔ اب چُونکہ ان فضائل و اوصاف کی وارث اُمّتِ مسلمہ تھی اس لیے فضیلت و کرامت کا تاج اس کے سر پر رکھ دیا گیا اور اسے کنتم خیر امۃ کا مُژدہ سُنا دیا گیا۔ اِس لیے اُمّتِ مسلمہ پر بنی اسرائیل کی فضیلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۶۵ے دُنیا میں "مُجرم" کی رہائی کے جتنے طریقے ہیں سب کی نفی کر دی کہ قیامت کے دِن ان طریقوں میں سے کوئی طریقہ کام نہیں آئے گا۔ معتزلہ نے اِس آیت سے گنہگار مومن کے لیے شفاعت کا بھی اِنکار کیا ہے جو غلط ہے۔ علّامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں۔ اجمع المفسرون علی ان المراد بھذہ الآیۃ النفس الکافرۃ لا کل نفس۔ تمام مفسّرین کا اجماع ہے کہ نفس سے مُراد کافر ہے نہ ہر نفس۔ علّامہ بیضاویؒ معتزلہ کا ردّ کرتے ہُوئے لکھتے ہیں کہ یہ آیت کفّار کے لیے مخصُوص ہے کیونکہ گنہگار مومن کے لیے شفاعت پر کئی آیات اور احادیث (جو حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں) دلالت کرتی ہیں۔ نیز آیت کا نزُول یہُود کے اس غلط عقیدہ کے بطلان کے لیے ہوا وُہ سمجھتے تھے ان کے اعمال اور عقاید کیسے ہی ہوں ان کی نجات یقینی ہے۔

۶۶ے بچّوں کے قتل کی وجہ کیا تھی؟ قرآن نے اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ البتّہ عام مفسّرین کا خیال یہ ہے کہ نجومیوں نے فرعون کو بتا دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو تیری حکومت کا تختہ اُلٹ دے گا۔ احتیاطی تدابیر کے طور پر اُس نے حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل کے ہاں جو لڑکا پیدا ہو قتل کر دیا جائے اور لڑکیاں زندہ رہنے دی جائیں تاکہ بڑی ہو کر ان کی لونڈیاں بنیں۔ اس وقت کی توہم پرست مصری ذہنیّت سے یہ کچھ بعید بھی نہ تھا۔ لیکن شیخ محمد عبدہ نے ایک اور وجہ بیان کی ہے۔ وُہ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی نسل اس تیزی اور کثرت سے بڑھنے لگی تھی کہ فرعون کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ اگر

اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

تمہارے بیٹوں کو اور زندہ رہنے دیتے تھے تمہاری عورتوں (بیٹیوں) کو اور اس میں بڑی بھاری آزمائش تھی تمہارے رب کی

عَظِيْمٌ ﴿٤٩﴾ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ

طرف سے ٦٧ے اور جب پھاڑ دیا ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھر ہم نے بچا لیا تم کو اور ڈبو دیا فرعونیوں کو

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿٥٠﴾ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ

اور تم (کنارے پر کھڑے) دیکھ رہے تھے ٦٨ے اور یاد کرو جب ہم نے وعدہ فرمایا موسیٰؑ سے چالیس رات کا پھر

اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ

بنا لیا تم نے بچھڑے کو (معبود) ان کے بعد اور تم سخت ظالم تھے پھر بھی درگزر فرمایا ہم نے تم سے

ان کی پیدائش کی رفتار یہی رہی تو بنی اسرائیل کی اقلیت اکثریت میں تبدیل ہو جائے گی اور اپنی غالب اکثریت کی بناء پر یہ کوئی انقلاب برپا کردیں گے۔ اس خدشہ کے پیش نظر اس نے بنی اسرائیل کی نسل کشی کا یہ ظالمانہ حکم دیا۔

٦٧ے مصیبت اور نعمت دونوں میں آزمائش ہے۔ پہلی میں صبر و ثبات کی، دوسری میں شکر و سپاس کی۔ ذلکم کا مشارٌ الیہ یہ دونوں چیزیں ہیں قتل اولاد کی مصیبت اور اس سے نجات کی نعمت۔

٦٨ے سالہا سال تک مظالم برداشت کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر راتوں رات مصر سے روانہ ہوئے۔ صبح ہوئی تو فرعون اپنے لشکرِ جرار سمیت موسیٰؑ کے تعاقب میں نکلا۔ بنی اسرائیل کا قافلہ جب سمندر (بحر قلزم) کے کنارہ پر پہنچ رہا تھا تو پیچھے سے فرعون کے لشکر کی گرد و غبار اڑتی نظر آئی تو گھبرا گئے۔ سمجھے کہ اب نجات کے سارے راستے یکسر بند ہو گئے۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنے عصا سے سمندر پر ضرب لگائی۔ سمندر کا پانی سمٹ گیا۔ درمیان میں سے راستہ نمودار ہو گیا۔ جس پر چل کر بنی اسرائیل بخیر و عافیت دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ فرعون نے بھی اپنے گھوڑے ڈال دیئے۔ جب سب سمندری راستے میں اتر چکے تو پہاڑوں کی طرح تھمی ہوئی موجوں میں جنبش ہوئی۔ اور چشم زدن میں فرعون اور اس کا لشکر غرق ہو کر رہ گیا۔ یہ سب منظر بنی اسرائیل نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

سمندر نے کیونکر راستہ چھوڑ دیا؟ کیا چیز تھی جس نے سمندر کے پانی سے روانی چھین لی اور اس کی محو رقص و خرام لہروں کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دیں؟ اور جب کلیم کنارے پر پہنچ گئے تو پھر سمندر اپنی اصلی حالت پر لوٹ آیا؟ جب ہماری عقل ان سوالات کا جواب نہیں دے سکتی تو ہم یا تو سرے سے ایسے واقعات کا انکار کر دیتے ہیں اور اگر انکار نہیں کر سکتے

مِّنۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ

اس (ظلمِ عظیم) کے بعد شاید کہ تم شکر گزار بن جاؤ ۶۹ اور جب عطا فرمائی ہم نے موسیٰؑ کو کتاب

وَالۡفُرۡقَانَ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ

اور حق و باطل میں تمیز کی قوّت ۷۰ تاکہ تم سیدھی راہ پر چلنے لگو اور یاد کرو جب کہا موسیٰ (علیہ السّلام نے) اپنی قوم سے

اِنَّكُمۡ ظَلَمۡتُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ بِاتِّخَاذِكُمُ الۡعِجۡلَ فَتُوۡبُوۡٓا اِلٰى بَارِئِكُمۡ

اے میری قوم! بے شک تم نے ظلم ڈھایا اپنے آپ پر بچھڑے کو (خدا) بنا کر پس چاہیئے کہ توبہ کرو اپنے خالق کے حضور

فَاقۡتُلُوۡٓا اَنۡفُسَكُمۡ ؕ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ عِنۡدَ بَارِئِكُمۡ ؕ فَتَابَ عَلَيۡكُمۡ ؕ

سو قتل کرو اپنوں کو (جنھوں نے شرک کیا) یہ بہتر ہے تمھارے لیے تمھارے خالق کے نزدیک ۷۱ پھر حق تعالیٰ نے تمھاری توبہ

تو ایسی بھونڈی تاویلیں کرتے ہیں جن سے واقعہ کا سارا حُسن بھی خاک میں مل جاتا ہے اور دل بھی مطمئن نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ انسان کی یہ کمزوری ہے کہ وُہ اپنے علم کی انتہا، کو علم و حکمت کی آخری سرحد یقین کر بیٹھتا ہے اور اپنی تجربہ گاہ میں علت و معلول، سبب اور مسبّب کی جو زنجیر وُہ تیار کرتا ہے اس کے علاوہ وُہ سبب و علّت کے کسی دُوسرے سلسلہ کو تسلیم کرنے کے لیے ہرگز آمادہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ انسان کا علم بھی محدُود ہے اور اس کے تجربے بھی نامکمّل ہیں۔ نیوٹن نے بہت کھلے الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ وُہ کہتا ہے "میری مثال اس بچّے کی سی ہے جو سمندر کے کنارے کھیل رہا ہو مجھے اپنے ساتھیوں کی نسبت کوئی زیادہ خوبصُورت سنگریزہ یا گھونگا مل جاتا ہے لیکن ابھی حقیقت بحرِ زخّار کی طرح میرے سامنے ہے جس کا کوئی علم ہمیں نہیں ہوا۔" (HEROES OF CIVILIZATION) جب علمِ انسانی کی نارسائیوں کا یہ عالم ہے تو ایسے واقعات جن کی ہم کوئی توجیہ نہیں کر سکتے لیکن اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُولوں نے اُن کو بیان فرمایا ہے تو ہمارے لیے سلامتی اور حقیقت شناسی کا راستہ یہ ہے کہ ہم ان کو بلا چُون و چرا تسلیم کر لیں۔

۶۹ جب بنی اسرائیل غلامی کی لعنت سے نجات حاصل کر کے آزادی کی نعمت سے سرفراز کیے گئے تو حکمتِ الٰہی کا تقاضا یہ ہوا کہ اُنھیں ایک کتاب عطا کی جائے جس پر عمل پیرا ہو کر وُہ بے راہروی سے بچتے رہیں۔ اس لیے مُوسیٰؑ کو طُور پر چالیس روز تک چلّہ کشی کا حُکم دیا گیا۔ مُوسیٰؑ کا غیر حاضر ہونا تھا کہ سامری کا داؤ چل گیا اور اس کے بہکانے سے بنی اسرائیل اپنے وحدہٗ لاشریک پروردگار کو چھوڑ کر ایک بچھڑے کی پُوجا کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ اتنے احسانات کے بعد تم شرکِ جلی کے مرتکب ہُوتے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ تم پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا جاتا اور تمھیں نیست و نابُود

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ

قبول کرلی بے شک وُہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے اور یاد کرو جب تم نے کہا اے مُوسیٰ! ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے

حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

تجھ پر جب تک ہم نہ دیکھ لیں اللہ کو ظاہر [۲] پس (اس گستاخی پر) آلیا تم کو بجلی کی کڑک نے اور تم دیکھ رہے تھے

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَ ظَلَّلْنَا

پھر ہم نے جلا اُٹھایا تمھیں تمھارے مرجانے کے بعد کہ کہیں تم شکر گزار بنو اور ہم نے سایہ کر دیا

عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ

تم پر بادل کا [۳] اور اُتارا تم پر منّ و سلویٰ [۴] کھاؤ پاکیزہ

کر دیا جاتا لیکن ہم نے پھر بھی اپنا درِ رحمت کھلا رکھا اور تمھاری توبہ کو شرفِ قبول بخشا۔

نٹے کتاب سے مُراد تورات اور فرقان سے مُراد وُہ معجزات ہیں جن کے ذریعہ حق کا بول بالا ہوا اور باطل سرنگوں اور شرمسار ہوا۔

اے مُوسیٰ علیہ السّلام کے طُور سے واپس آنے پر بچھڑے کے پُجاریوں کو اپنی حماقت کا اِحساس ہوا تو لگے توبہ کرنے اللہ تعالےٰ نے توبہ کی قبُولیّت کی شرط یہ فرمائی کہ جنھوں نے شرک نہیں کیا وُہ بچھڑے کے پُجاریوں کو قتل کریں۔ اور ہر شخص اپنے رِشتہ داروں اور دوستوں کو تہِ تیغ کرے۔ کئی لوگوں نے حکمِ قتل کی کئی ایک تاویلیں کی ہیں اور لکھا ہے کہ اِس قتل سے مُراد ریاضات اور مجاہدات ہیں جو نفس کُشی کا باعث بنتے ہیں۔ شاید اس اِحساس نے کہ یہ سزا بہت سنگین ہے انھیں اِس آیت کی تاویل کرنے پر مجبُور کیا۔ حالانکہ اگر جُرم کی نوعیّت پر غور کرتے تو یہ خدشہ پیدا ہی نہ ہوتا۔ یہ جُرم صرف مذہبی قسم کا نہ تھا بلکہ اس کی نوعیّت سیاسی بغاوت کی تھی۔ کیونکہ مِصر سے ہجرت کے بعد فلسطین میں ان کی نوخیز حکومت جس بنیاد پر اُستوار کی جارہی تھی وُہ عقیدۂ توحید تھا اور توحید کا اِنکار حقیقت میں اس ریاست کا اِنکار تھا جو کھُلی بغاوت اور صریح غدر تھا۔ جس طرح آج کوئی حکومت خواہ وُہ اپنے نظریات اور طریقۂ کار میں بڑی آزاد منش ہو یہ گوارا نہیں کرسکتی کہ اس کی رعایا کا کوئی فرد اس کی بنیاد کو اُکھیڑ پھینکے اور جو فرد ایسا کرے اُس کو باغی قرار دیا جاتا ہے اور اُسے تختۂ دار پر کھینچ دیا جاتا ہے۔ اِسی طرح اِس جُرم کی نوعیّت تھی۔ اور وُہ مُجرم اِسی سزا کے مستحق تھے جو اُنھیں دی گئی۔

۲ے اُن کی ہٹ دھرمی اور اُن سے عفوو درگزر کا ایک واقعہ ذِکر فرمایا۔

۳ے بنی اِسرائیل کا اصلی وطن شام تھا۔ یُوسف علیہ السّلام کے عہد میں یہ مِصر چلے گئے تھے تو عمالقہ نے شام پر قبضہ کرلیا۔

طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

پاکیزہ چیزوں سے جو ہم نے تمھیں دے رکھی ہیں اور اُنھوں نے ہم پر کوئی زیادتی نہیں کی بلکہ وہ اپنی ہی جانوں پر زیادتی کرتے

يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ

رہتے تھے ۷۵ اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا داخل ہو جاؤ اس بستی میں ۷۶ پھر کھاؤ اس میں جہاں سے

جب دوبارہ اپنے وطن لوٹے تو اُنھیں حکم مِلا کہ عمالقہ سے جہاد کر کے اپنا وطن آزاد کرائیں اور اس میں آزادی اور عزّت کی زندگی بسر کریں۔ لیکن اُنھوں نے جہاد کرنے سے صاف اِنکار کر دیا۔ جس کی پاداش میں چالیس ۴۰ سال تک تیہ کے ریگستان کی خاک چھانتے پھرے۔ اِس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی نوازشات ان پر سایہ افگن رہیں۔ اس آیت میں ان انعامات کا ذکر ہے۔ دُھوپ سے بچانے کے لیے بادلوں کا سائبان تان دیا۔ پانی کے چشمے بہا دیئے اور منّ وسلویٰ ان کی خوراک کے لیے مہیّا کر دیا۔ اس طرح ان کی زیست اور راحت کے جُملہ سامان اس چٹیل میدان اور بے آب وگیاہ ریگستان میں فراہم کر دیئے اور اُنھیں پھر موقع دیا کہ وُہ دِل سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں جُھک جائیں۔

۷۴ ؎ علامہ قرطبی رحؒ لکھتے ہیں کہ اکثر مفسّرین کے نزدیک منّ سے مُراد ترنجبین ہے اور ترنجبین ایک قسم کی قدرتی شکر ہے جو اُونٹ کٹارے (یا اس قسم کی دُوسری بُوٹیوں) کے کانٹوں پر شبنم کی طرح گر کر جم جاتی ہے اور سلویٰ بٹیر کو کہتے ہیں جو وادیٔ سینا کا خاص پرندہ ہے کیونکہ یہ رزقِ لذیذان کو محنت ومشقّت کے بغیر میسّر آجاتا تھا اس لیے اسے منّ (احسان) فرمایا گیا۔ اور بٹیر کے شکار میں ان کے مغموم اور افسردہ دِلوں کی شگفتگی اور تازگی کا سامان بھی تھا اس لیے اسے سلویٰ کے نام سے تعبیر کیا گیا۔

۷۵ ؎ ایک اہم حقیقت کا بیان ہے یعنی احکامِ الٰہی کی نافرمانی کرنے والے اللہ تعالیٰ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے بلکہ اپنی دُنیا و آخرت ہی برباد کرتے ہیں۔

۷۶ ؎ اس میں اختلاف ہے کہ وُہ بستی کون سی تھی اور کس زمانے میں بنی اسرائیل نے اسے فتح کیا۔ بائیبل کی تصریح یہ ہے۔ ”اس شہر کو بنی اسرائیل نے حضرت مُوسیٰؑ کی زندگی کے اخیر زمانہ میں فتح کیا اور وہاں بڑی بدکاریاں کیں۔ جن کے نتیجہ میں خُدا نے ان پر وبا بھیجی اور ۲۴ ہزار آدمی ہلاک کر دیئے“۔ (گنتی باب ۲۵ آیت ۱-۸) ایک چیز قرآن کا مطالعہ کرتے وقت ہمیشہ پیشِ نظر رہنی چاہیئے وُہ یہ کہ قرآن جن واقعات کا ذِکر کرتا ہے اس سے مقصود صرف عبرت و موعظت ہوتی ہے اس سے اس واقعہ کی تاریخی حیثیت کا بیان مطلُوب نہیں ہوتا۔ اِس لیے قرآن ان واقعات کے صرف ان پہلوؤں کو بیان کرتا ہے جن میں درسِ عبرت ہو۔ عمُوماً غیر ضروری تفصیلات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جو لوگ قرآن حکیم کی اِس خصوصیّت کو ملحوظ نہیں رکھتے وُہ قصصِ قرآنی میں تاریخی کتب کی طرح تفصیلات کا تسلسل اور زمان و مکاں کا تعیّن نہیں پاتے تو وُہ طرح طرح کے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ

چاہو اور جتنا چاہو اور داخل ہونا دروازہ سے سر جھکاتے ہوئے ٧٧ اور کہتے جانا بخش دے (ہمیں) ہم بخش

خَطٰيٰكُمْ ۭ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٥٨﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا

دیں گے تمھاری خطائیں اور ہم زیادہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو پس بدل ڈالا ان ظالموں نے اور بات سے

غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَھُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ

جو کہا گیا تھا انھیں تو ہم نے اُتارا ان ستم پیشہ لوگوں پر عذاب آسمان

السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٥٩﴾ ع وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ

سے بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے ٧٨ اور یاد کرو جب پانی کی دُعا مانگی موسیٰؑ نے اپنی قوم کے لیے

فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۭ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ

تو ہم نے فرمایا مارو اپنا عصا فلاں چٹان پر تو فوراً بہہ نکلے اس چٹان سے بارہ

عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَھُمْ ۭ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ

چشمے ٧٩ پہچان لیا ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ کھاؤ اور پیو اللہ کے دیے ہوئے رزق سے

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٦٠﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ

اور نہ پھرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے اور یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰؑ!

٧٧ انھیں ہدایت فرمائی جا رہی ہے کہ جب فاتحانہ طور پر شہر میں داخل ہونے لگیں تو دوسرے فاتحین کی طرح سرکش و مغرور ہو کر داخل نہ ہوں بلکہ دل میں عجز و تواضع اور زبان پر (حطۃ) طلبِ مغفرت کی دُعائیں ہوں۔ یہاں سجدہ کا لغوی معنی یعنی تذلّل اور انکسار مراد ہے۔

٧٨ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب کسی قوم پر بلاوجہ نہیں آتا بلکہ اُن کی اپنی بداعمالیوں کا طبعی نتیجہ ہوتا ہے۔

٧٩ جب تیہ کے ریگستان میں بنی اسرائیل پیاس سے تڑپنے لگے تو موسیٰ علیہ السّلام نے بارگاہِ الٰہی میں پانی کے لیے

نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ

ہم صبر نہیں کر سکتے ایک ہی طرح کے کھانے پر سو آپ دُعا کیجیے ہمارے لیے اپنے پروردگار سے کہ نکالے ہمارے لیے

الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ط

وُہ جن کو زمین اُگاتی ہے (مثلاً) ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ط اِهْبِطُوْا

موسیٰ نے کہا کیا تم لینا چاہتے ہو وُہ چیز جو ادنیٰ ہے اُس کے بدلہ میں جو عمدہ ہے (اچھا) جا رہو

مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ط وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ

کسی شہر میں تمھیں مِل جائے گا جو تم نے مانگا اور مسلّط کر دی گئی اُن پر ذِلّت اور غربت ۸۰

وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ

اور مستحق ہو گئے غضب الٰہی کے یہ (سب کچھ) اِس وجہ سے تھا کہ وُہ اِنکار کرتے رہتے تھے اللہ کی آیتوں کا

عرض کی حکم ہوا فلاں پتھر پر اپنا عصا مارو۔ حضرت موسیٰ نے یُونہی کیا اور اس سے بارہ چشمے پھُوٹ نکلے اور پانی کی قلّت دُور ہو گئی وُہ چٹان اَب تک جزیرہ نمائے سینا میں موجُود ہے۔ پادری دین اسٹینلے (DEAN STANLEY) نے اُنیسویں صدی کے وسط میں بائیبل کے مقاماتِ مقدسہ کی جغرافیائی تحقیق کے لیے خود فلسطین کی سیاحت کی اور اپنے مشاہدات و تحقیقات کو (SINAI PALESTINE) کے نام سے شائع کیا۔ اس میں اس چٹان کا ذکر کرکے لکھتے ہیں "یہ چٹان دس اور پندرہ فٹ کے درمیان بلند ہے آگے کی طرف ذرا خمیدہ ہے اور راس سفسفہ کے قریب لیجا کی وسیع وادی میں واقع ہے"۔ سب سے پہلے قرآن ہی نے حتمی طور پر بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے لیے بارہ چشموں کی تعداد بیان کی ہے یہ اشارہ اُنھیں شگافوں کی طرف ہے ص ۳۷-۳۸ (تفسیر ماجدی)

۸۰ یہاں یہ شُبہ دِل میں کھٹکتا ہے کہ قرآنِ کریم کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر فقر و تنگدستی مسلّط کر دی۔ حالانکہ اُن کا شمار دُنیا کی امیر ترین اقوام میں ہوتا ہے۔ اِس شبہ کو دُور کرنے کے لیے جیوش انسائیکلو پیڈیا کے مندرجہ ذیل فقرات مُلاحظہ فرمائیے۔ "گو یہُود کا تموّل ضرب المثل کی حد تک شہرت پا چکا ہے لیکن اہلِ تحقیق کا اتفاق ہے کہ یہُود یورپ کے جس جس مُلک میں آباد ہیں۔ وہاں کی آبادی میں اُنھیں کے مفلسوں کا تناسب بڑھا ہوا ہے (جلد ۱۰ ص ۱۵۱)

اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا

اور قتل کرتے تھے انبیاء کو ناحق ۸۱؎ یہ (سب کچھ) اس وجہ سے تھا کہ وُہ نافرمان تھے اور

يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَ

حد سے بڑھ جایا کرتے تھے یقین کرو ۸۲؎ اسلام کے پیروکار ہوں یا یہودی ، عیسائی ہوں یا

الصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ

صابی ۸۳؎ جو کوئی بھی ایمان لائے اللہ پر اور دن قیامت پر اور نیک عمل کرے تو ان کے لیے

عوام یہود دُوسری قوموں سے کہیں زیادہ غریب ہیں۔ یہ اَور بات ہے کہ ان کے چند افراد بہت زائد دولت مند ہیں۔
(جلد ا صـ ۶۱ تفسیر ماجدی)

۸۱؎ یہاں پھر اس امر کی وضاحت کر دی کہ بنی اسرائیل پر ذلت و افلاس کا جو عذاب مسلّط کیا گیا تھا وُہ بلا وجہ نہ تھا بلکہ ان کی اپنی نافرمانیوں اور کرتوتوں کی سزا تھی۔

اس قسم کے جرائم سے بنی اسرائیل کی تاریخ بھری پڑی ہے مثلاً "تب خُدا کی رُوح ...... زکریاہ پر نازل ہوئی سو وُہ لوگوں سے بلند جگہ پر کھڑا ہو کر کہنے لگا ...... چونکہ تم نے خداوند کو چھوڑا ہے اُس نے بھی تم کو چھوڑ دیا۔ تب اُنھوں نے اس کے خلاف سازش کی اَور بادشاہ کے حکم سے خداوند کے گھر کے صحن میں اُسے سنگسار کر دیا" (۲، تواریخ ۲۴، ۲۰، ۲۱)

اسی طرح مرقس کے باب ۶ کی آیات ۱۷ تا ۲۹ میں حضرت یوحنا (یحیٰی علیہ السّلام) کے متعلق مذکور ہے کہ جب آپ نے ہیرودیس بادشاہ کو اس پر ٹوکا کہ اس نے اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کو اپنے پاس کیوں رکھا ہوا ہے تو بادشاہ نے پہلے انھیں قید کر دیا۔ بعد میں اپنی داشتہ کی فرمائش پر آپ کا سر کاٹا اَور ایک تھال میں رکھ کر اس کی خدمت میں پیش کیا۔

۸۲؎ اس آیت میں اس امر کی وضاحت فرمائی جا رہی ہے کہ نجات کا دارومدار نسب اَور قومیت پر نہیں بلکہ ایمان اَور عمل پر ہے۔ یہود اِس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ ان کا عقیدہ کتنا بگڑا ہوا کیوں نہ ہو اور اُن کے اعمال کتنے خراب کیوں نہ ہوں جنّت ان کی ہے اَور ان کے علاوہ جتنی قومیں ہیں وُہ کتنی پاکباز کیوں نہ ہوں سب دوزخ کا ایندھن ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس غلط فہمی کو نہایت صاف الفاظ سے دُور کر دیا۔ اَور لطف یہ ہے کہ مخاطب مُسلمانوں، یہودیوں، نصرانیوں اَور صابیوں سب کو بنایا اَور مسلمانوں کا ذکر پہلے کر کے اُنھیں تنبیہ فرما دی کہ مبادا تم بھی کہیں اپنی قومیّت پر نازاں ہو کر ایمان و عمل سے غفلت برتنے لگو۔ نجات و فلاح ایمان و عمل کے بغیر حاصل نہیں ہو سکے گی۔

۸۳؎ جو شخص ایک دین چھوڑ کر دُوسرا دین اختیار کرے اُسے صابی کہتے ہیں اَور اصطلاح میں ایک مذہبی فرقہ کا نام ہے

أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

ان کا اجر ہے ان کے رب کے ہاں اور نہیں کوئی اندیشہ ان کے لیے اور نہ وُہ غمگین ہوں گے

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم

اور یاد کرو جب ہم نے لیا تم سے پختہ وعدہ اور بلند کیا تم پر طُور کو (اور حکم دیا) پکڑ لو جو ہم نے تم کو دیا

بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُم مِّن

مضبُوطی سے اور یاد رکھنا وُہ (احکام) جو اس میں درج ہیں شاید کہ تم پرہیزگار بن جاؤ پھر مُنہ موڑ لیا تم نے پختہ وعدہ

بَعْدِ ذَٰلِكَ ۖ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنتُم مِّنَ

کرنے کے بعد تو اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور ہو جاتے نقصان

الْخَاسِرِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ

اُٹھانے والوں میں اور تم خوب جانتے ہو ۸۴؎ اُنھیں جنھوں نے نافرمانی کی تھی تم میں سے سبت ۸۵؎ کے قانون کی

جو شام و عراق کی سرحد پر آباد تھا۔ یہ لوگ توحید اور رسالت کے قائل تھے۔ حضرت عمر اور ابن عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اُنھیں اہلِ کتاب سے شمار کرتے تھے اور اُن کے ذبیحہ کو حلال فرماتے تھے

۸۴؎ یہاں سے ایک ایسے واقعہ کی یاد دہانی کرائی جا رہی ہے جو بنی اسرائیل کی تاریخ کا مشہور و معروف واقعہ ہے لفظ علمتم پر قد اور قد پر لام، تاکید بالائے تاکید پر دلالت کرتا ہے یعنی بلا شک و شبہ یقیناً تم اس واقعہ کو جانتے ہو

۸۵؎ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے سنیچر کا دن عبادت کے لیے مخصوص فرما دیا تھا۔ اس روز ان کے لیے کھیتی باڑی، کاروبار، شکار وغیرہ تک ممنوع تھا اور یہ حکم اتنا سخت تھا کہ اس کی نافرمانی کرنے والوں کے لیے قتل کی سزا مقرر تھی۔ بنی اسرائیل نے رفتہ رفتہ اس حکم کو بے اثر بنانے کے لیے حیلہ و فریب سے کام لینا شروع کر دیا تھا۔ دریا کے کنارے گڑھے کھود رکھے تھے۔ اور چھوٹی چھوٹی نالیوں کے ذریعہ اُنھیں دریا سے ملا رکھا تھا سنیچر کو (جب کہ مچھلیاں شکاری کی آمد سے نڈر ہو کر سطح آب پر کثرت سے نمودار ہوتیں) ان نالیوں کے دہانے کھول دیتے اور مچھلیاں کثیر تعداد میں پانی کے ساتھ ان گڑھوں میں چلی جاتیں پھر ان کے دہانے بند کر دیتے اور اتوار کے روز آ کر مچھلیاں پکڑ لیتے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ برداشت نہیں کرتی کہ اس کے احکامِ شریعت کو حیلوں اور بہانوں سے معطّل و بے اثر کر دیا جائے۔ اِس لیے ان پر وُہ عذاب مسلّط

فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ۝٦٥ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ

تو ہم نے حکم دیا اُنھیں کہ بن جاؤ بندر پھٹکارے ہوئے ۸۶ پس ہم نے بنا دیا اس سزا کو عبرت ان کے لیے

يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝٦٦ وَإِذْ قَالَ مُوسٰى

جو اس زمانہ میں موجود تھے اور جو بعد میں آنے والے تھے اور (اسے) نصیحت بنا دیا پرہیز گاروں کے لیے اور یاد کرو جب کہا موسیٰ نے (علیہ السلام نے)

لِقَوْمِهٖٓ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۚ قَالُوٓا أَتَتَّخِذُنَا

اپنی قوم سے کہ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے تمھیں کہ تم ذبح کرو ایک گائے ۸۷ وہ بولے کیا آپ ہمارا مذاق

کیا جس نے اُن کو رُسوائی و خواری کے ساتھ نیست و نابود کر دیا۔ اگر موسوی شریعت میں اس قسم کے حیلے برداشت نہیں کیے جاتے تھے تو آپ خود فیصلہ کریں کہ خاتم النبیین کی شریعت جس کے بعد اور کوئی آسمانی قانون انسانی اصلاح کے لیے آنے والا نہیں ہے کیا اللہ تعالیٰ کی حکمت اور غیرت کسی قسم کی تحریف اور حیلہ سازی کو گوارا کر سکتی ہے؟ نہیں بخدا ہرگز نہیں! وہ لوگ جن کو حکومت اور قانون سازی کی ذمہ داری سونپی گئی ہے وہ ان آیات کو بار بار پڑھیں۔ اس واقعہ کا ذکر پروردگار نے صرف ہماری عبرت پذیری کے لیے کیا ہے۔ داستان سرائی قرآن کا مقصود نہیں۔

۸۶ مجاہد کا قول یہ ہے کہ یہ مسخ معنوی تھا یعنی ان کی صورتیں تو انسانوں کی ہی رہیں لیکن ان کا ذہن اور فکر مسخ ہو گیا اور بندروں کی سی قبیح اور مذموم عادتیں اُن میں پیدا ہو گئیں۔ انسانی شکل ہو اور کرتوت بندروں کی طرح ذلیل! پناہ بخدا! کتنا ہولناک ہے یہ عذاب! لیکن جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ اُن کی شکلیں بھی بندروں کی سی ہو گئی تھیں۔ اور وہ چند روز کے بعد ہلاک کر دیئے گئے تھے۔ اور یہ کوئی امر محال نہیں۔ جو بدبخت اس کے تشریعی قانون کو مسلسل توڑتے رہے ہوں اگر اللہ تعالیٰ اپنے تکوینی قانون میں ان کو سزا دینے کے لیے تھوڑی سی تبدیلی کر دے تو اس میں کیا استحالہ ہے؟ نیز جو تخلیق آدم کے بارے میں ڈارون کے نظریۂ ارتقاء پر ایمان لا چکے ہیں ان کے لیے تو سرے سے اس میں اچنبے کی کوئی بات ہی نہیں۔ یہ بھی تو سلسلۂ ارتقاء کی ایک کڑی ہے۔ ارتقاء مستقیم نہ سہی ارتقاء معکوس سہی۔ بہر حال ہے تو ارتقاء ہی۔

۸۷ بنی اسرائیل میں ایک بوڑھا دولت مند تھا۔ اس کا ایک لڑکا تھا۔ اس بوڑھے کے بھتیجوں نے اس کے لڑکے کو قتل کر دیا تاکہ اس کی وراثت بھی اُنھیں ملے اور اُس کی لاش کو اُٹھا کر دُور شہر کے دروازہ پر پھینک آئے۔ صبح ہوئی تو خود ہی مدعی بن بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور قدرت کا ایک روشن نشان دکھانے کے لیے اُنھیں ایک گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس ذبح شدہ گائے کا ایک ٹکڑا مقتول پر مارو۔ دیکھو وہ میری قدرت سے کیسے زندہ ہوتا ہے اور کس طرح حقیقتِ حال سے پردہ اُٹھتا ہے۔ خاص گائے کے ذبح کرنے میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ بنی اسرائیل مدتوں

هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا ادْعُ

اُڑاتے ہیں ۸۸؎ آپ نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں خدا سے کہ میں شامل ہو جاؤں جاہلوں (کے گروہ) میں ۸۹؎ بولے دُعا کیجیے

لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا

ہمارے لیے اپنے رب سے کہ وہ بتائے ہمیں کہ کیسی ہے وہ گائے ۹۰؎ موسیٰؑ نے کہا اللہ فرماتا ہے کہ وہ گائے ہے جو نہ

فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٨﴾

بُوڑھی ہو اور نہ بالکل بچی (بلکہ) درمیانی عُمر کی ہو تو بجا لاؤ جو تمھیں حکم دیا جا رہا ہے

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا

کہنے لگے دُعا کرو ہمارے لیے اپنے رب سے کہ بتائے ہمیں کیسا رنگ ہو اس کا موسیٰؑ نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ایسی

بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا

گائے جس کی رنگت خوب گہری زرد ہو جو فرحت بخشے دیکھنے والوں کو کہنے لگے پُوچھو ہمارے لیے

رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ

اپنے رب سے کہ کھول کر بیان کرے ہمارے لیے کہ گائے کیسی ہو بے شک گائے مشتبہ ہو گئی ہے ہم پر اور ہم اگر

مصر میں رہے جہاں گائے کی پرستش ہوتی تھی۔ ان کے ڈھلمل یقین مزاج سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ بھی گائے کو مقدس سمجھنے لگ گئے ہوں۔ اِس لیے گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیا تاکہ یہ خیال بھی اُن کے دِلوں سے مٹا دیا جائے۔

مسئلہ: وراثت کا لالچ قتل کا ایک بہت بڑا سبب ہے۔ اِسلام نے یہ حکم دے کر کہ قاتل مقتول کے ورثہ سے محروم ہو جاتا ہے قتل کے ایک بڑے محرّک کو ختم کر دیا۔

۸۸؎ وُہ آئے تھے قاتل کا پتہ لگانے اور حکم مِلا گائے ذبح کرنے کا کیونکہ دونوں چیزوں میں کوئی مناسبت نہ تھی اِس لیے یہ سوال کر دیا۔

۸۹؎ حکمِ خداوندی بتاتے وقت مذاق کرنا جاہلوں کا شیوہ ہے اور نبی کا مقام تو بہت بلند ہے۔ اس سے ایسے وقت میں مذاق کا تصوّر کیونکر ہو سکتا ہے۔

۹۰؎ کیونکہ اُن کا مفاد تو اس میں تھا کہ قاتل کا سراغ نہ مِلے اِس لیے طرح طرح کی حُجّت بازیاں کرنے اور بال کی کھال اُتارنے لگے

شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ

اللہ نے چاہا تو ضرور اس کو تلاش کرلیں گے ۔ مُوسیٰ بولے اللہ فرماتا ہے وُہ گائے جس سے خدمت نہ لی گئی ہو

تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا

کہ ہل چلائے زمین میں اور نہ پانی دے کھیتی کو بے عیب بے داغ (عاجز ہو کر) کہنے لگے

الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧١﴾ وَاِذْ

اب آپ لائے صحیح پتہ پھر اُنھوں نے ذبح کیا اُسے اور وُہ ذبح کرتے معلوم نہیں ہوتے تھے [91] اور یاد کرو

قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ

جب قتل کرڈالا تھا تم نے ایک شخص کو پھر تم ایک دوسرے پر قتل کا الزام لگانے لگے اور اللہ ظاہر کرنے والا تھا جو تم

تَكْتُمُوْنَ ﴿٧٢﴾ ۚ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْىِ اللّٰهُ

چھپا رہے تھے تو ہم نے فرمایا کہ مارو اس مقتول کو گائے کے کسی ٹکڑے سے (دیکھا) یُوں زندہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ

الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٧٣﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ

مُردوں کو اور دِکھاتا ہے تمھیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں شاید تم سمجھ جاؤ پھر سخت ہو گئے تمھارے دِل

[91] مفسّرین نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نیکوکار آدمی تھا۔ اُس کا ایک معصُوم بچّہ تھا اور اس کے پاس ایک بچھیا تھی۔ جب مرنے لگا تو اس نے دُعا کی اَے بارِ اِلٰہا! اِس ننھے بچّے کے لیے میں یہ بچھیا تیرے پاس امانت رکھتا ہُوں اور اِس بچّے کو تیرے سپرد کرتا ہُوں۔ پھر اس بچھیا کو جنگل میں چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نیک بندے کی عرض کو قبول فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں وُہ پلتی رہی۔ اور جب یہ بچّہ جوان ہوگیا تو اُس جنگل میں گیا جہاں وُہ گائے چرا کرتی تھی۔ اپنے مالک کی آواز سُنتے ہی وُہ گائے اس کے پاس آگئی۔ جب بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہُوئے مخصُوص حُلیہ والی گائے کی تلاش شروع کی تو اُن تمام صفات سے متّصف صرف وُہی گائے ملی جو اس نیک بندے کے لڑکے کے پاس تھی۔ بنی اسرائیل نے اُسے مُنہ مانگی قیمت ادا کی اور گائے خرید لی۔ اِس قصّہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے حوالے ہو اُسے کوئی چیز گزند نہیں پہنچا سکتی اور جس چیز کا تعلّق بندگانِ خدا سے ہوتا ہے، اُس کی

مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةًؕ وَاِنَّ مِنَ

یہ منظر دیکھنے کے بعد بھی وُہ تو پتھر کی طرح (سخت) ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ۹۲ (کیونکہ) کئی

الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ

پتھر ایسے بھی ہیں جن سے بہہ نکلتی ہیں نہریں اور کئی ایسے بھی ہیں کہ جو پھٹتے ہیں تو ان سے

مِنْهُ الْمَآءُؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِؕ وَمَا

پانی نکلنے لگتا ہے اور کئی ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں خوفِ الٰہی سے اور اللہ

اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝٧٤ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ

بے خبر نہیں ہے ان (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو (اے مسلمانو!) کیا تم یہ اُمید رکھتے ہو کہ (یہ یہودی) ایمان لائیں گے

وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ

تمہارے کہنے سے حالانکہ ایک گروہ ان میں ایسا تھا جو سُنتا تھا کلامِ الٰہی کو پھر بدل دیتے تھے اسے

مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝٧٥ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

خوب سمجھ لینے کے بعد جان بُوجھ کر ۹۳ اور جب ملتے ہیں ایمان والوں سے

قدر و قیمت کا اندازہ اُن کی ہم مثل چیزوں سے نہیں لگایا جا سکتا۔

۹۲ انسان جب سنورتا ہے تو فرشتوں کا قبلہ بن جاتا ہے اور جب بگڑتا ہے تو بے سمجھی اور سنگ دلی میں پتھروں کو بھی مات کر دیتا ہے۔ کیونکہ پتھر تو خدا کے خوف سے لرزتے بھی ہیں اور اپنے حال کے مُطابق اُس کی حمد و ثنا بھی کرتے رہتے ہیں اور یہ مُورکھ اپنے رب سے غافل نافرمانی کے میدان میں ہوا و ہوس کے گھوڑے سرپٹ دوڑاتا چلا جاتا ہے۔

۹۳ مُسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ ان کا انکار کسی دلیل پر مبنی نہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ محمّد مُصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم اللہ تعالیٰ کے سچے رسُول ہیں۔ ان کی صفات کے ذکر اور کمالات کے بیان سے اُن کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ وُہ جان بوجھ کر انکار کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں سے ایمان لانے کی اُمید رکھنا بے کار ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حق پوشی اور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے اوصاف کو چھپانا اور آپ کے کمالات کا انکار کرنا

قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ

تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے ہیں ۹۴ اور جب تنہا ملتے ہیں ایک دوسرے سے تو کہتے ہیں (ایسے) کیا بیان کرتے ہو ان سے

بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا

جو کھولا ہے اللہ نے تم پر یوں تو وہ دلیل قائم کریں گے تم پر ان باتوں سے تمہارے رب کے سامنے کیا تم

تَعْقِلُوْنَ ۞ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا

اتنا بھی نہیں سمجھتے کیا وہ (یہ) نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ

يُعْلِنُوْنَ ۞ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ

ظاہر کرتے ہیں اور ان میں کچھ ان پڑھ ہیں جو نہیں جانتے کتاب کو بجز جھوٹی امیدوں کے

وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۞ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ

اور وہ تو محض وہم و گمان ہی کرتے رہتے ہیں ۹۵ پس ہلاکت ہو ان کے لیے جو لکھتے ہیں کتاب

یہود کا شیوہ تھا۔ اسلام کا دعویٰ کرنے والوں کو زیب نہیں دیتا کہ اپنے محبوب اور کریم رسول کے کمالات بیان کرنے سے اُن کی زبان میں لکنت ہو اور فضائل سننے سے دل میں گھٹن ہو۔ رفعت شانِ مصطفےٰ حبیب خدا علیہ وعلیٰ آلہ اطیب التحیۃ واحسن الثناء کسی کے گھٹانے سے نہ گھٹے گی۔

۹۴ یہاں سے یہودی منافقوں کے احوال کا بیان ہے۔ یعنی جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو بطور خوشامد یہ ظاہر کر بیٹھتے ہیں کہ ہم تو سچے دل سے اس رسول پر ایمان لائے ہیں کیونکہ نبی برحق کی جو نشانیاں ہماری کتاب میں مذکور ہیں وہ سب حضور میں پائی جاتی ہیں۔ ان کی ایسی باتوں پر دوسرے یہودی ان کو ملامت کرتے کہ تم مسلمانوں کو ایسی باتیں بتا کر اپنا راز افشا کر رہے ہو۔ تمہارے انھیں اقوال سے وہ تمہارے مذہب کی تردید کریں گے۔ اور تورات کی وہ آیات جن کا تم ان سے ذکر کرتے ہو انھیں آیات سے وہ تم پر حجت قائم کر دیں گے۔ لیحاجوکم بہ عند ربکم کی تفسیر جس کو علامہ زمخشری اور علامہ بیضاوی نے پسند کیا ہے وہ یہ ہے کہ عند ربکم کا معنی ہے ما فی کتاب ربکم یعنی تمہارے رب کی کتاب کی آیتوں سے تم پر دلیل قائم کریں گے اور عند اللہ کا معنی عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ فی کتاب اللہ جیسے کہا جاتا ہے کہ عند اللہ اس کا یہ حکم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اس مسئلہ کا یہ حکم ہے۔

بِاَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ يَقُوۡلُوۡنَ هٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ لِيَشۡتَرُوۡا بِهٖ

خود اپنے ہاتھوں سے ٩٦ پھر کہتے ہیں یہ نوشتہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ حاصل کرلیں اس کے عوض

ثَمَنًا قَلِيۡلًا ‌ؕ فَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا كَتَبَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَوَيۡلٌ لَّهُمۡ

تھوڑے سے دام سو ہلاکت ہو ان کے لیے بوجہ اس کے جو لکھا اُن کے ہاتھوں نے اور ہلاکت ہو ان کے لیے

مِّمَّا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۷۹﴾ وَقَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدَةً ‌ؕ

بوجہ اس مال کے جو وہ (یوں) کماتے ہیں اور انھوں نے کہا ہرگز نہ چھوئے گی ہمیں (دوزخ کی) آگ بجز گنتی کے چند دن ٩٧

٩٥ پہلے ان کے عالموں کا ذکر ہوا۔ اب اُن کے اَن پڑھ عوام کا حال بیان کیا جاتا ہے۔ امانی کا مفرد ہے امنیۃ جس کا اصل منی ہے۔ اس کا معنی ہے فرض کرنا یا وُہ انعام جس کا انسان اپنے آپ کو حق دار اور اہل ثابت نہ کرتے ہوئے خواہش رکھتا ہو۔ اس خواہش کو عربی میں امنیۃ کہتے ہیں یعنی بنی اسرائیل کے عوام کا کُل سرمایہ نجات کے متعلق ان کے من گھڑت خیالات اور جھوٹی آرزوئیں ہیں۔ قومیں اپنے زوال و انحطاط کے دور میں انھیں بے بنیاد خیالات سے اپنی نجات کی آس لگائے رہتی ہیں اور عملِ صالح سے آنکھیں بند کرلیتی ہیں۔ کاش ہم بھی اپنی حالت پر غور کریں اور احکامِ شرعی سے کھلی بغاوت کے باوجود اپنی نجات کے جو سنہرے سپنے ہم دیکھ رہے ہیں ان سے چونکیں۔ اگر ہم اپنے اسلاف کی طرح احکامِ الٰہی کی اطاعت کرتے تو ان کی مادی اور رُوحانی برکات سے خود بھی مالامال ہوتے اور دُوسری گم کردہ راہ قوموں کے لیے بھی مشعلِ راہ ثابت ہوتے۔ ہم وارثانِ اسلام اور مدعیانِ شریعت کی محرومیوں اور حالِ زار کو دیکھ کر دُوسری قومیں اسلام کو دُور ہی سے سات سلام کر دیتی ہیں۔

٩٦ یہودی علماء کی مزید کارستانیاں ملاحظہ ہوں۔ بتایا جارہا ہے کہ وُہ کتاب جس کے وُہ امین بنائے گئے تھے۔ جس کی حفاظت اور اُس پر عمل کرنے کا انھیں حکم دیا گیا تھا اُنھوں نے صرف اسی پر بس نہیں کی کہ خود عمل ترک کر دیا ہو بلکہ اُنھوں نے آیاتِ الٰہی کو سرے سے ہی بدل ڈالا اور اپنی طرف سے طرح طرح کے اضافے کر دیئے۔ اور اس طرح ان ظالموں نے آئندہ نسلوں میں سے بھی کسی سلیم الطبع کے لیے یہ گنجائش نہ چھوڑی کہ وُہ آیاتِ الٰہی میں غور و فکر کر کے حقیقت تک رسائی حاصل کر سکے۔ یہود و نصاریٰ اب تک تو تحریف کے قائل نہ تھے لیکن اب ان کے محققین نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ اُن کی کتب تحریف و تغیّر سے محفوظ نہیں ہیں۔

٩٧ بنی اسرائیل کہا کرتے تھے کہ ہم خدا کے لاڈلے اور محبوب ہیں۔ دوزخ کی آگ ہمیں جلا نہیں سکتی جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے۔ "آتش دوزخ گنہگارانِ قومِ یہود کو چھُوئے گی بھی نہیں۔ اس لیے کہ وُہ جہنم پر پہنچتے ہی اپنے گناہوں کا اقرار

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ

آپ فرمایئے کیا لے رکھا ہے تم نے اللہ سے کوئی وعدہ تب تو خلاف ورزی نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ

اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۰ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً

کی یا (یونہی) بہتان باندھتے ہو اللہ پر جو تم جانتے ہی نہیں ہاں (ہمارا قانون یہ ہے) جس نے جان کر بُرائی کی

وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ

اور گھیر لیا اُس کو اُس کی خطاء نے تو وُہی دوزخی ہیں وُہ

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۸۱ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ

اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے وُہی

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۸۲ ع وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ

جنتی ہیں ۹۸ وُہ اس جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور یاد کرو جب لیا تھا ہم نے پختہ وعدہ

کرلیں گے اور خُدا کے پاس واپس آجائیں گے۔ (جلد ۵ صـ ۵۸۳) (ماجدی) بعض یہود کا عقیدہ یہ تھا کہ اُنھیں صرف چالیس روز عذاب ہوگا۔ یہ وُہ مدت ہے جس میں بنو اسرائیل نے بچھڑے کی پُوجا کی تھی۔ خُدا کے متعلق ان کا تصوّر بڑا نرالا تھا۔ ایک طرف تو اُس کے جبر و قہر کا یہ عالم کہ جو گناہ ان کے آباؤ اجداد سے سرزد ہوا اُس کی سزا صرف اُن مجرموں تک محدُود نہیں رکھتا بلکہ ان کی نسل سے قیامت تک جو اولاد ہوگی وُہ اس ناکردہ گناہ کی سزا بھگتے گی۔ اور دُوسری طرف اُس کے عفو و درگزر کی یہ کیفیت کہ کسی سنگین سے سنگین گناہ کے بارے میں اس کے اصلی مجرم سے بھی بازپُرس نہیں۔ افراط و تفریط کا یہ ہوش رُبا چکّر ہوش و خرد کے لیے ناقابلِ حل معمّہ ہے۔

۹۸ قرآن حکیم یہاں نجات و بخشش کا اصل الاصول بیان فرما رہا ہے۔ نجات کا دار و مدار کسی قوم و نسب سے وابستگی پر نہیں بلکہ ایمان اور عملِ صالح پر ہے۔ اِسلام سے پہلے انسانیت کی تقسیم رنگ اور نسل اور وطن کی بُنیادوں پر ہوتی تھی۔ ہر سفید رنگ والا خواہ اس کا نامۂ عمل کتنا سیاہ ہو ہر کالی رنگت والے سے برتر ہے خواہ اس کی سیرت مہر و ماہ سے تابندہ تر ہو۔ ہر برہمن وُہ کتنا جاہل اور کندۂ ناتراش ہی کیوں نہ ہو افضل ہے ہر فاضل اور کامل سے جسے کسی برہمن ماں نے جنم نہیں دیا۔ جرمنی کی حدُود میں پیدا ہونے والا خواہ وُہ کتنا خونخوار اور زیاں کار کیوں نہ ہو اپنی نجابت میں لاجواب ہے۔ یہ

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

بنی اسرائیل سے (اس بات کا) کہ نہ عبادت کرنا بجز اللہ کے ۹۹ اور ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا

وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا

نیز رشتہ داروں یتیموں اور مسکینوں سے بھی (مہربانی کرنا) اور کہنا لوگوں سے اچھی باتیں

وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ

اور صحیح ادا کرنا نماز اور دیتے رہنا زکوٰۃ پھر منہ موڑ لیا تم نے مگر چند آدمی تم سے (ثابت قدم رہے)

وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۸۳ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَاۗءَكُمْ

اور تم روگردانی کرنے والے ہو اور یاد کرو جب لیا ہم نے تم سے پختہ وعدہ کہ تم اپنوں کا خون نہیں بہاؤ گے

وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ

اور نہیں نکالو گے اپنوں کو اپنے وطن سے پھر تم نے (اس وعدہ پر ثابت رہنے کا) اقرار بھی کیا اور

تَشْهَدُوْنَ ۝۸۴ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ

تم خود اس کے گواہ ہو پھر تم وُہی ہونا (جنھوں نے یہ وعدے کیے) کہ اب قتل کر رہے ہو اپنوں کو اور نکال باہر کرتے ہو

شرف اسلام کو حاصل ہے جس نے ان فاسد بنیادوں کو اکھیڑ پھینکا اور انسانیت کی تقسیم مومن اور کافر، صالح اور فاسق، نیک اور بد کی اساس پر کی۔ اور اس طرح بلا وجہ اترانے والوں سے فخر و مباہات کے سب جھوٹے اسباب چھین لیے اور نیکی اور تقویٰ کے میدان میں سبقت لے جانے والوں کے راستہ میں حائل ہونے والی سب چٹانوں کو ریزہ ریزہ کر دیا فللّٰہ ورسولہ الحجۃ البالغۃ۔

۹۹۔ انبیاء بنی اسرائیل نے اپنی قوم سے جن عقائد پر ایمان لانے، معاملات اور عبادات کے جن احکام پر کار بند ہونے اور اخلاق کے جن اصولوں کو اپنانے کا پختہ وعدہ لیا تھا اللہ تعالیٰ نے انھیں اسی کی یاد دہانی کرائی اور ساتھ ہی ہر بار اُن کی وعدہ شکنی کا بیان فرما دیا شاید وُہ ایسی غلطیوں سے آئندہ پرہیز کریں اور احکامِ الٰہی کی تعمیل کرنے لگیں۔

فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ

اپنے گروہ کو ان کے وطن سے (نیز) مدد دیتے ہو ان کے خلاف (دشمنوں کو) گناہ اور ظلم سے

وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ

اور اگر آئیں تمھارے پاس قیدی بن کر (تو بڑے پاکباز بن کر) اُن کا فدیہ ادا کرتے ہو حالانکہ حرام کیا گیا تھا تم پر ان کا گھروں سے نکالنا

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ

تو کیا تم ایمان لاتے ہو کتاب کے کچھ حصہ پر اور انکار کرتے ہو کچھ حصہ کا ناتے (تم خود ہی کہو) کیا سزا ہے

مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ

ایسے نابکار کی تم میں سے سوائے اس کے کہ رُسوا ہے دُنیا کی زندگی میں اور قیامت

الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾

کے دن تو انھیں پھینک دیا جائے گا سخت ترین عذاب میں اور اللہ بے خبر نہیں ان (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۫ فَلَا يُخَفَّفُ

یہ ہیں وُہ لوگ جنھوں نے مول لے لی ہے دُنیا کی زندگی آخرت کے عوض تو نہ ہلکا کیا جائے گا

---

۱۵۲ یثرب کے رہنے والوں میں مُشرک بھی تھے اور یہودی بھی۔ یثرب کی مُشرک آبادی دو قبیلوں اوس اور خزرج میں بٹی ہوئی تھی جو آپس میں لڑتے رہتے اور یہودی آبادی بھی دو قبیلوں بنو قریظہ اور بنی نضیر پر مشتمل تھی جب اوس و خزرج برسرِ پیکار ہوتے تو بنی قریظہ اوس کے حلیف بن جاتے اور بنی نضیر خزرج کے اور اِس طرح یہ یہودی آپس میں ایک دُوسرے کا گلا کاٹتے۔ اور جب جنگ ختم ہو جاتی اور مغلوب فریق کے اسیرانِ جنگ کو فدیہ ادا کر کے آزاد کرانے کا مرحلہ درپیش ہوتا تو اُس وقت یہ یہود تورات کی صفحہ گردانی کرتے اور اس کی آیات سے فدیہ دینے اور فدیہ لینے کے جواز پر استدلال کرتے۔ قرآنِ حکیم اُنھیں کہتا ہے کہ تورات تو تمھیں قتل و غارت کرنے سے اور کسی کو جلاوطن کرنے سے بھی روکتی ہے۔ وُہ حُکم تو تمھیں یاد نہ رہا اور جب روپیہ کے لین دین کا سوال پیدا ہوا تو تمھیں تورات پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ بھلا یہ بھی کوئی ایمان ہے کہ کتاب کے بعض حصّے جو اپنی طبیعت کے موافق ہوئے ان پر تو عمل کر لیا اور کتاب کا

عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ

اُن سے عذاب اور نہ ہی اُن کی مدد کی جائے گی اور بے شک ہم نے عطا فرمائی موسیٰؑ کو کتاب

وَقَفَّيۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيۡنَا عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ الۡبَيِّنٰتِ

اور ہم نے پے در پے اُن کے پیچھے پیغمبر بھیجے اور دیں ہم نے عیسیٰؑ بن مریمؑ کو روشن نشانیاں ۱۰۱

وَاَيَّدۡنٰهُ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌۢ بِمَا لَا تَهۡوٰٓى

اور ہم نے تقویت دی اُنھیں جبریلؑ سے ۱۰۲ تو کیا جب کبھی لے آیا تمھارے پاس کوئی پیغمبر ایسا حکم جسے تمھارے نفس

اَنۡفُسُكُمُ اسۡتَكۡبَرۡتُمۡۚ فَفَرِيۡقًا كَذَّبۡتُمۡ وَفَرِيۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ ﴿۸۷﴾ وَ

پسند نہ کرتے تو تم اکڑ گئے بعض کو تم نے جھٹلایا اور بعض کو قتل کرنے لگے اور

قَالُوۡا قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌؕ بَلۡ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفۡرِهِمۡ فَقَلِيۡلًا مَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۸۸﴾

یہودی بولے ہمارے دلوں پر تو غلاف چڑھے ہیں ۱۰۳ نہیں بلکہ پھٹکار دیا ہے انھیں اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے وہ بہت ہی کم ایمان رکھتے

وَلَمَّا جَآءَهُمۡ كِتٰبٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمۡۙ وَ

ہیں اور جب آئی ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب (قرآن) جو تصدیق کرتی تھی اس (کتاب) کی جو اُن کے پاس تھی اور

وُہ حصّہ جس پر عمل کرنا نفس پر گراں معلوم ہوا یا جس پر عمل کرنے سے مادی نقصان کا اندیشہ ہوا اُسے چھوڑ دیا۔ ہم قرآن پر ایمان رکھنے والوں کے لیے بھی اِس میں درسِ عبرت ہے۔

۱۰۱۔ روشن معجزات جیسے مادرزاد اندھے کو بینا کر دینا، کوڑھے کو شفا بخشنا، مُردوں کو زندہ کرنا اور غیب کی خبریں دینا وغیرہ

۱۰۲۔ اِس سے مُراد جبریلِ امین علیہ السّلام ہیں۔ بعض مفسّرین نے اِس سے اللہ تعالیٰ کا وُہ اِسمِ اعظم مُراد لیا ہے جس کی برکت سے حضرت عیسٰی علیہ السّلام مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔

۱۰۳۔ یہودی بڑے فخر سے کہتے ہمارے دِلوں پر غلاف چڑھے ہُوئے ہیں اِس لیے ہمارے عقائد محفوظ ہیں۔ کسی کا سحرِ بیان، کسی کی قوتِ استدلال، کسی کے معجزات ہمیں اپنے عقائد سے متزلزل نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یُوں نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمھاری مسلسل نافرمانیوں کے باعث تمھیں رحمتِ اِلٰہی سے محرُوم کر دیا گیا ہے

كَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ فَلَمَّا جَاءَهُمْ

وُہ اس سے پہلے فتح مانگتے تھے کافروں پر (اس نبی کے وسیلہ سے) ۱۰۴ تو جب تشریف فرما ہوا ان

مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۚ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٨٩﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ

کے پاس وُہ نبی جسے وُہ جانتے تھے تو انکار کر دیا اُس کے ماننے سے سو پھٹکار ہو اللہ کی (دانستہ) کفر کرنے والوں پر۔ بہت بُری چیز ہے

أَنْفُسَهُمْ أَنْ يَكْفُرُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ بَغْيًا أَنْ يُنَزِّلَ اللَّهُ مِنْ

جس کے بدلے سودا چکایا انھوں نے اپنی جانوں کا وُہ یہ کہ کفر کرتے ہیں اس (کتاب) کے ساتھ جو اللہ نے نازل کی حسد ۱۰۵ کے مارے کہ

فَضْلِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ فَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَى غَضَبٍ ۚ

نازل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنا فضل (وحی) جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں سے سو وُہ حق دار ہو گئے مسلسل ناراضگی کے

وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿٩٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنْزَلَ

اور کافروں کے لیے ذلیل و رُسوا کرنے والا عذاب ہے اور جب اُن سے کہا جاتا ہے ایمان لے آؤ اس پر جسے اللہ نے اتارا ہے

اب تم اس قابل ہی نہیں رہے کہ نورِ ایمان سے تمھارے دلوں کے ظلمت کدے روشن ہوں۔

۱۰۴ے یہُود کی ہٹ دھرمی اور دانستہ کفر کی ایک اور مثال بیان فرمائی جا رہی ہے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پیشتر یہُود کا شعار تھا کہ جب کبھی کفّار و مشرکین سے اُن کی جنگ ہوتی اور ان کی فتح کے ظاہری امکانات ختم ہو چکتے تو اُس وقت تورات کو سامنے رکھتے اور وُہ مقام کھول کر جہاں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی صفات و کمالات کا ذکر ہوتا وہاں ہاتھ رکھتے اور ان الفاظ سے دُعا کرتے۔ اَللّٰھم انا نسئلک بحق نبیك الذی وعدتنا ان تبعثه فی آخر الزمان ان تنصرنا الیوم علی عدونا فینصرون۔ (رُوح المعانی۔ القرطبی وغیرہ)

اے اللہ ہم تجھے تیرے اُس نبی کا واسطہ دے کر عرض کرتے ہیں جس کی بعثت کا تُو نے ہم سے وعدہ کیا ہے آج ہمیں اپنے دُشمنوں پر فتح دے تو حضور پُر نور ؐ کے صدقے اللہ تعالیٰ انھیں فتح دیتا۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ آج تک تم جس کا نام لے کر جیتتے رہے اور جس کی برکت سے فتحیاب ہوتے رہے جب میرا وُہ رسُول ؐ اور محبُوب ؐ اور تمھارا نجات دہندہ تشریف فرما ہوا تو اُس پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ تُف ہے ایسے تعصّب پر! حیف ہے ایسی حُبّ جاہ و مال پر!

۱۰۵ے یعنی اُن کی سرکشی اور انکار کسی دلیل پر مبنی نہیں تھا۔ صرف یہ حسد انھیں جلا رہا تھا کہ یہ نبی حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام

اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ

تو کہتے ہیں ہم تو (صرف) اس پر ایمان لائے ہیں جو نازل کی گئی ہم پر اور کفر کرتے ہیں اس کے علاوہ (دوسری کتابوں) کے ساتھ

الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ

حالانکہ وہ بھی حق ہے تصدیق کرتا ہے اس کتاب کی جو اُن کے پاس ہے آپ فرمائیے پھر تم کیوں قتل کرتے رہے اللہ کے پیغمبروں کو

قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ

اس سے پہلے اگر تم (اپنی کتاب پر ہی) ایمان رکھتے تھے ۱۰۶؎ اور بے شک آئے تمھارے پاس موسیٰؑ روشن دلیلیں لے کر پھر

اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا

تم نے بنا لیا بچھڑے کو (اپنا معبود) اس کے بعد اور تم (تو عادی) جفا کار ہو ۱۰۷؎ اور یاد کرو جب ہم نے لیا

مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ۭ

تم سے پختہ وعدہ اور بلند کیا تمھارے سروں پر کوہ طور (اور تمھیں حکم دیا) کہ پکڑ لو جو ہم نے تمھیں دیا مضبوطی سے اور (خوب غور سے) سنو

قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۤ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۭ

انھوں نے (زبان سے) کہا ہم نے سن لیا اور (دل میں کہا) نہیں مانا سیراب ہو چکے تھے ان کے دل بچھڑے (کے عشق) سے بوجہ ان کے انکار کی

کی اولاد سے کیوں بھیجا گیا۔ بنی اسرائیل میں سے کیوں نہیں چنا گیا لیکن یہ تو اللہ تعالیٰ کی اپنی مرضی ہے جس پر چاہے اپنا فضل وکرم فرما دے۔

۱۰۶؎ جب انھیں قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اس وحی پر ہی ایمان لائیں گے جو ہمارے انبیاء پر اتری۔ اس کے علاوہ کسی دوسری وحی پر ایمان لانے کی ہمیں ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کا تو اپنے انبیاء پر نازل شدہ وحی پر بھی ایمان نہیں ورنہ وہ اپنے انبیاء کو قتل کرنے کی جرأت کر سکتے؟ ان کا ایسا کرنا ان کے عدم ایمان کی واضح دلیل ہے۔

۱۰۷؎ ان کی نافرمانیوں کی طویل فہرست سے چند واقعات کی طرف اجمالاً اشارہ کر کے ان کے اس دعویٰ کے بطلان کو واضح کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے انبیاء پر صدق دل سے ایمان لا چکے تھے۔

قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ قُلْ اِنْ

نحوست تھی فرمایئے بہت بُرا ہے جس کا حکم کرتا ہے تمھیں (یہ) تمھارا (عجیب و غریب) ایمان اگر تم ایمان دار ہو ۱۰۸ آپ فرمایئے اگر

كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ

تمھارے ہی لیے ہی دارِ آخرت (کی راحتیں) اللہ کے ہاں مخصوص ہیں تمام لوگوں کو چھوڑ کر

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ

تو بھلا آرزو تو کرو موت کی اگر تم سچ کہتے ہو ۱۰۹ اور وہ ہرگز کبھی بھی اس کی تمنا نہ کریں گے اپنی کرتوتوں

اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ

کے خوف سے اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو اور آپ یقیناً پائیں گے انھیں سب لوگوں سے زیادہ ہوس

عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ

رکھنے والے زندگی کی حتیٰ کہ مشرکوں سے بھی (زیادہ جینے پر حریص ہیں) چاہتا ہے ہر ایک ان میں سے کہ زندہ رہنے دیا جائے ہزار

سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ

سال اور نہیں بچا سکتا اس کو عذاب سے (اتنی مدت) جیتے رہنا اور اللہ ہر وقت دیکھ رہا

۱۰۸ اگر ایسے قبیح جرائم اور ہر حکمِ الٰہی سے کھلی بغاوت کے باوجود تمھیں ایمان کا دعویٰ ہے تو عجیب ہے تمھارا یہ ایمان جو تمھیں برائی پر اکساتا ہے اور نیکیوں سے باز رکھتا ہے۔ یہ ہے قرآن کریم کا دل ہلا دینے والا اندازِ بیان! دعوتِ حق کا حق ادا کر دیا لیکن جن کے دل مُردہ ہو چکے تھے وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔

۱۰۹ جس چیز نے انھیں انکارِ حق پر محکم کر دیا تھا وہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کی نجات یقینی ہے اور جنت کو صرف انھیں کی خاطر دلہن کی طرح سجایا جا رہا ہے۔ قرآن حکیم ان کے اس حجاب کو بھی تار تار کرتا ہے۔ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو تو ذرا اپنے مرنے کی دعا تو کرو تاکہ اس دارالمحن سے نکل کر جنت کی ابدی نعمتوں سے شادکام ہو۔ اللہ تعالیٰ پیشین گوئی فرماتے ہیں کہ وہ ہرگز ہرگز ایسا نہیں کریں گے اور واقعی وہ ایسا نہ کر سکے۔ ان کے لیے کتنا آسان تھا کہ مرنے کی آرزو کر کے قرآن کے اس اعلان کو جھٹلا دیتے لیکن وہ دل کی گہرائیوں میں خوب جانتے تھے کہ یہ کھیل نہیں۔ اگر انھوں نے تمنا کی تو ان کی زندگی کا چراغ اسی لمحہ

بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى

ہے جو کچھ وُہ کرتے ہیں آپ فرمائیے جو دُشمن ہو جبریلؑ کا (اسے معلوم ہونا چاہیئے) کہ اس نے اُتارا قرآن

قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى

آپ کے دِل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ۱۷۰ (یہ) تصدیق کرنے والا ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے اُتریں ۱۷۱ اور سراپا ہدایت اور خوشخبری

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٧﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ

ہے ایمان والوں کے لیے جو کوئی دُشمن ہو اللہ اور اُس کے فرشتوں اور اُس کے رسُولوں اور جبریلؑ

وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ

و میکائیلؑ کا تو اللہ بھی دشمن ہے (ان) کافروں کا اور یقیناً ہم نے اُتارے ہیں آپ پر روشن

بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿٩٩﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا

نشان اور کوئی بھی اِنکار نہیں کرسکتا ان کا بجز نافرمانوں کے کیا (یُوں نہیں) کہ جب کبھی اُنھوں نے وعدہ کیا

نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٠﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ

تو پھر توڑ پھینکا اُسے انھیں میں سے ایک گروہ نے بلکہ ان کی اکثریت تو (سرے سے) ایمان ہی نہیں لاتی اور جب آیا ان کے پاس

بجُھا دیا جاتے گا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے مروی ہے کہ اگر یہود اُس وقت مرنے کی تمنّا کرتے تو ایک بھی زندہ نہ بچتا۔

۱۷۰ یہود کے ایک عالم عبداللہ بن صوریا نے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے دریافت کیا کہ کونسا فرشتہ وحی لے کر آپ کے پاس آتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا جبریلؑ امین۔ ابن صوریا کہنے لگا کہ وُہ تو ہمارا پُرانا دُشمن ہے ہمیشہ غضب و عذاب ہی لے کر ہم پر اُترتا رہا ہم اس کی لائی ہُوئی وحی پر ایمان لانے سے معذور ہیں۔ اِس آیت میں اس کا ردّ فرمایا جا رہا ہے کہ جبریلؑ اپنی طرف سے تو کچھ نہیں کرتا۔ وُہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل پر مقرر ہے۔ اگر جبریلؑ سے تمھیں دُشمنی ہے تو اللہ تعالیٰ بھی تمھارا دُشمن ہے۔

۱۷۱ اِن الفاظ سے تنبیہ فرما دی کہ یہ عجیب لوگ ہیں جو وحی لے کر اب جبریلؑ اُتر رہا ہے اس سے تو تورات اور جملہ انبیاءٔ بنی اسرائیل کی تصدیق ہو رہی ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ دوڑ کر اس پر ایمان لاتے لیکن یہ اُلٹی کھوپڑی والے اپنے دوست اور

رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ

رسول اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والا اُس کتاب کی جو اُن کے پاس ہے تو پھینک دیا ایک

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ

جماعت نے اہل کتاب سے ۱۱۲ اللہ کی کتاب کو اپنی پشتوں کے پیچھے جیسے وہ

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ

کچھ جانتے ہی نہیں اور پیروی کرنے لگے اس کی جو پڑھا کرتے تھے شیطان ۱۱۳ سلیمانؑ کے عہدِ حکومت میں ۱۱۴

دُشمن کو بھی نہیں پہچانتے۔

۱۱۲ جب سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم تشریف فرما ہوئے اور حضورؐ کے اوصاف و کمالات جو تورات اور زبور میں موجود تھے اُنھوں نے اپنی آنکھوں سے ذاتِ پاک مصطفےٰ علیہ التحیّۃ والثّناء میں مشاہدہ کر لیے تو بجائے اس کے کہ ایمان لاتے ان ظالموں نے اپنی مقدّس کتابوں کی ان تصریحات کو ہی پسِ پُشت ڈال دیا۔ اور ان کو بھی ماننے سے انکار کر دیا جس قوم کی ہٹ دھرمی کا یہ حال ہو اس سے بھلا ہدایت کی کوئی توقع کی جاسکتی ہے!

۱۱۳ اس طویل آیت میں یہود کی تاریخ کا ایک تاریک صفحہ پیش کیا جا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قومیں اپنے عروج کے زمانہ میں ہمّت، محنت اور جانفشانی سے اپنے لیے بلند مقام پیدا کرتی ہیں۔ اور انحطاط کے دَور میں بھی اپنے اسلاف کے حاصل کردہ بلند مقامات سے چمٹے رہنے کی آرزو تو ان کے دلوں میں چٹکیاں لیتی رہتی ہے لیکن ان کی پست ہمتیں اور شکستہ حوصلے کسی ایثار و قربانی کے لیے اُنھیں آمادہ نہیں کر سکتے۔ اس وقت وُہ جادُو اور منتر کا سہارا لینے لگتی ہیں تاکہ اپنے بزرگوں کی عظمت کا تاج بھی ان کے زیبِ سر رہے اور اُنھیں کرنا بھی کچھ نہ پڑے۔ یہود کا بھی دَورِ انحطاط شروع ہوا تو سچّی عزت اور عظمت کی بلندیوں تک لے جانے والا سیدھا راستہ جس کی نشان دہی تورات نے کی اس پر چلنا تو ان کے لیے دُشوار ہو گیا اور اپنے جھُوٹے وقار کو برقرار رکھنے کے لیے اُنھوں نے جادُو وغیرہ کا سہارا لینا شروع کر دیا۔ اس آیت میں ان کی اسی بے راہروی کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ تتلوا اگر تلاوۃ سے مشتق ہے تو اس کا معنی پڑھنا ہے۔ اگر تلو سے ماخوذ ہے تو اس کا معنی پیروی کرنا ہے۔ اس کا ایک معنی بُہتان باندھنا بھی ہے۔ اس صُورت میں آیت کا معنی یہ ہو گا کہ یہود پیروی کرنے لگے اس چیز (سحر) کی جس کا شیطان حضرت سُلیمانؑ پر بہتان باندھا کرتے تھے۔

۱۱۴ علیٰ بمعنی فی ہے یعنی حضرت سلیمان علیہ السّلام کے عہدِ حکومت میں۔ اور علیٰ اور فی ایک دُوسرے کے معنی میں بکثرت استعمال ہوتے رہتے ہیں۔

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ

حالانکہ سلیمانؑ نے کوئی کفر نہیں کیا ۱۱۵ بلکہ شیطانوں نے ہی کفر کیا سکھایا کرتے تھے ۱۱۶ لوگوں کو

۱۱۵ بہتر ہے کہ آیت کی مزید تشریح سے پہلے سحر کی حقیقت بیان کر دی جائے۔ صاحب تاج العروس لکھتے ہیں:۔
واصل السحر صرف الشیٔ عن حقیقته الی غیره فکان الساحر لما اری الباطل فی صورة الحق وخیل الشیٔ علی غیر حقیقته فقد سحر الشیٔ عن وجهه ای صرفه (تاج)
سحر کا اصلی معنی ہے کسی چیز کی حقیقت کو بدل دینا گویا جب ساحر جھوٹ کو سچ کر کے دکھاتا ہے یا چیز اپنی حقیقت کے خلاف نظر آنے لگتی ہے تو گویا اس نے اس شئ کی حقیقت کو بدل دیا۔ یہ تو ہے سحر کی لغوی تحقیق۔ اب اس کے اصطلاحی معنی پر غور فرمائیے۔ ایسے الفاظ اور اعمال کے جاننے اور کرنے کو سحر کہا جاتا ہے جن سے انسان کو شیاطین کا تقرب حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اس کے فرمانبردار بن جاتے ہیں۔ اور ان اعمال و الفاظ کے اثر سے کانوں اور آنکھوں پر ایک ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جس سے آواز ہوتی کچھ ہے اور سنائی کچھ دیتی ہے۔ اور چیزیں اپنی حقیقت کے خلاف دکھائی دینے لگتی ہیں بعض کا خیال یہ ہے کہ چیزیں اپنی حقیقت کے خلاف صرف دکھائی ہی نہیں دیتیں بلکہ ان کی حقیقت بھی بدل جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔
حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک ساحر کی سزا یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔
"والمشهور عنه ان الساحر يقتل مطلقا...... ولا يقبل قوله اتوب عنه (روح المعانی)
۱۱۶ یہود و نصاریٰ ایک طرف تو حضرت سلیمانؑ کی رسالت کو تسلیم کرتے اور بحر و بر پر اُن کی فرمانروائی کا ذکر بڑے فخر سے کرتے اور دوسری طرف یہ بھی کہتے کہ آخری عمر میں سلیمانؑ نے توحید کو چھوڑ دیا اور اپنی مشرک بیویوں کے باطل خداؤں کی پرستش کرنے لگا۔ چنانچہ بائیبل میں اس کی تصریح موجود ہے۔" اور سلیمانؑ بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے...... محبت کرنے لگا...... سلیمانؑ ان ہی کے عشق کا دم بھرنے لگا...... اور اس کی بیویوں نے اس کے دل کو پھیر دیا کیونکہ جب سلیمانؑ بڈھا ہو گیا تو اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر لیا اور اس کا دل خداوند اپنے خدا کے ساتھ کامل نہ رہا...... اور سلیمانؑ نے خداوند کے آگے بدی کی...... اور خداوند سلیمانؑ سے ناراض ہوا کیونکہ اس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے پھر گیا تھا (باب ۱۱ آیات ۱ تا ۹ سلاطین) نعوذ باللہ من ذلک۔ سلیمانؑ پر انھوں نے شرک صریح کا یہ الزام لگایا اور دنیا آپ کو یونہی سمجھتی رہی۔ یہاں تک کہ اللہ کا حبیبؐ اور سارے انبیاء و رسل کی عزت و ناموس کا نگہبان محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لایا اور اپنے رب کا یہ فرمان دنیا کو سنایا وما کفر سلیمان۔ یعنی سلیمانؑ تو جلیل القدر پیغمبر تھا اسے کفر و شرک سے کیا واسطہ! یہ پند دلگوش یہود و نصاریٰ نے از راہ تعصب اس وقت بھی اس حقیقت کو تسلیم نہ کیا لیکن ۱۳ ½ صدیاں گزرنے کے بعد انھیں آخر کار

السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ

جادو نیز وُہ بھی جو اُتارا گیا دو فرشتوں پر (شہر) بابل میں (جن کے نام) ہارُوت اور مارُوت تھے ۱۷۱

وَمَا یُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰی یَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ

اور (کچھ) نہ سکھاتے تھے وُہ دونوں کسی کو جب تک یہ نہ کہہ لیتے کہ ہم تو نِری آزمائش ہیں (ان پر عمل کرکے) کُفر مت کرنا

وُہی تسلیم کرنا پڑا جو خُدائے برحق نے اپنے نبی برحق کی زبانِ حقیقت ترجمان سے کہلوایا تھا۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲ صٓ ۹۵۲ پر محققین کے قلم کو یہ لکھنا پڑا "سُلیمانؑ خدائے واحد کے مخلص پرستار تھے"۔ اِس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مسیحی دُنیا کے فضلا نے انسائیکلوپیڈیا ببلیکا میں انجیل کی اِن آیات کے متعلق صراحۃً لکھ دیا کہ یہ غلط ہیں اور بعد میں لوگوں نے ملائی ہیں۔ اور حضرت سُلیمانؑ تہمتِ شرک سے مبرا تھے۔ کالم (۴۶۸۹) اللہ تعالیٰ نے قرآن اور حاملِ قرآن کی اِس صفت کا بار بار اعلان فرمایا ہے کہ وُہ پہلے انبیاء ورُسل اور آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے کے لیے آیا ہے اور ان تہمتوں اور بہتانوں سے ان کی براءت کرنے کے لیے آیا ہے جو صرف غیروں نے ہی نہیں بلکہ ان کے اپنے ماننے والوں نے ان پر چسپاں کر رکھی تھیں۔ سبحان من لا الٰہ الا ھو۔

۱۷۱ اس آیت میں دو احتمال ہیں۔ پہلا یہ کہ ما نافیۃ ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے۔ اس صُورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہود کا یہ کہنا کہ جادُو بھی آسمان سے فرشتوں پر نازل ہوا اور فرشتوں نے ہی ہمیں یہ سکھایا اس لیے یہ بھی صحائف آسمانی کی طرح آسمانی چیز ہے اور مقدس ہے۔ یہود کا یہ کہنا سراسر باطل ہے وما انزل علی الملکین فرشتوں پر ہرگز کوئی جادو نازل نہیں کیا گیا۔ ہارُوت اور مارُوت بدل البعض ہوگا شیاطین سے یعنی شیاطین جن کے دو سرکردوں کے نام ہارُوت اور مارُوت ہیں وُہ جادُو سکھایا کرتے تھے۔ علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے۔ ھذا اولٰی ما حملت علیہ الآیۃ من التاویل و اصح ما قیل فیھا ولا یلتفت الی سواہ۔ یعنی آیت کی یہی تاویل کرنا چاہیئے۔ یہی سب سے زیادہ صحیح قول ہے۔ اور اس کے علاوہ کسی قول کی طرف التفات نہ کرنا چاہیئے۔ واقعی اِس تاویل سے کئی شُبہات کا ازالہ ہوجاتا ہے۔

لیکن جمہور عُلماء کا قول یہ ہے کہ ما انزل میں ما موصُولہ ہے اور اس کا عطف اتبعوا کے تحت ہے یعنی یہودی فلسطین میں مروّج جادُو پر بھی عمل پیرا تھے اور جب بخت نصر بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے بعد بنی اسرائیل کو جنگی قیدی بنا کر بابل میں لے گیا تو بجائے اس کے کہ اس کُفر و الحاد کی دُنیا میں وُہ توحید کی تبلیغ کرتے اُلٹا وہاں کے لوگوں سے بھی اُنھوں نے جادُو سیکھا اور اس پر بھی عمل پیرا ہوئے۔ اب یہاں یہ خدشہ پیدا ہوتا ہے کہ ہارُوت و مارُوت جو معصوم فرشتے تھے اُنھیں کیونکر جادُو کی تعلیم دینے کے لیے بابل میں اُتارا گیا۔ تو اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس وقت ساری دُنیا میں خصوصاً بابل کی مملکت میں جادُو کا بہت رواج تھا۔ جادُو کے زور سے لوگ طرح طرح کے کرشمے دِکھاتے جس سے

فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ ؕ وَ مَا هُمْ

(اس کے باوجود) لوگ سیکھتے رہے ان دونوں سے وُہ منتر ۱۱۸؎ جس سے جُدائی ڈالتے تھے خاوند اور اس کی بیوی میں اور وُہ

بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ يَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ

ضرر نہیں پہنچا سکتے اپنے جادو منتر سے کسی کو بغیر اللہ کے ارادہ کے ۱۱۹؎ اور وُہ سیکھتے ہیں وُہ چیز جو ضرر رساں ہے اُن کے لیے

سادہ لوح دنگ رہ جاتے۔ ان کے نزدیک جادو اور معجزہ میں کوئی فرق نہیں رہ گیا تھا۔ بلکہ وُہ جادو کو علم کی ایک مُفید ترین شاخ تصوّر کرنے لگے تھے اور جادُوگروں کو مقدّس ماننے لگے تھے۔ اس لیے اللہ تعالےٰ نے دو فرشتے نازل کیے جو لوگوں کو جادُو کی اصلیّت سے آگاہ کریں تاکہ وُہ آسانی سے جادُو کی فریب کاری اور معجزہ کی حقیقت میں تمیز کر سکیں اور اگر اُنھوں نے جادُو سیکھ کر اس پر عمل کرنا شروع کر دیا تو یہ ان کی اپنی غلطی تھی۔ فرشتے تو اُنھیں صاف طور پر بتا دیتے کہ ہمیں تو فقط تمھارے آزمانے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اگر تم نے جادُو پر عمل شروع کر دیا تو خوب سُن لو کہ ایمان رُخصت ہو جائے گا اور کافر ہو جاؤ گے۔

بعض مفسّرین کرام نے لکھا ہے کہ یعلمان کا مقصد یہ نہیں کہ وُہ باقاعدہ سحر کے اصُول وقواعد کا درس دیا کرتے اور اس کی جُزئیات اُنھیں ازبر کرایا کرتے بلکہ یہاں یُعَلِّمَان بمعنی یُعْلِمَان ہے جس کا مصدر اعلام ہے (قرطبی) اس کا مفہوم ہے جتانا۔ آگاہ کرنا۔ یعنی وُہ جادُو کے مفاسد اور مضرّات سے اُنھیں آگاہ کرتے تاکہ وُہ اس سے پرہیز کر سکیں۔

۱۱۸؎ سحر وجادُو کا جو منتر ان میں بہت مقبولیّت حاصل کر چکا تھا وُہ تھا جس سے میاں بیوی میں ناچاقی پیدا ہو تاکہ یہ اس پر ڈورے ڈال کر اپنے عشق کے جال میں پھانس لیں۔ اس طرح وُہ حرام کاری کا بازار گرم رکھتے۔ قرآن کا اعجاز ملاحظہ ہو کہ ان کے کردار کے چہرہ پر جس بدنما داغ کی نشاندہی چودہ صدیاں پہلے قرآن نے کی اس کو آج وُہ خود اپنی تحقیق کے آئینہ میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ جیوش انسائیکلو پیڈیا کی یہ عبارت پڑھیے۔ سحر کی سب سے زیادہ عام متداول صورت اس نقش کی تھی جو عشق ومحبّت کے لیے دیا جاتا تھا۔ خاص کر وُہ نقش جو ناجائز آشنائیوں کے لیے لکھا جاتا تھا۔

(جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد ۸ ص ۲۵۵) (تفسیر ماجدی)

۱۱۹؎ آیت کے اس حصّہ میں بتایا جا رہا ہے کہ سحر اور اس پر مرتّب ہونے والے آثار کا باہمی تعلق ایسا ہی ہے جیسے سبب و مسبّب کا۔ اور سبب جب ہی اپنا اثر دکھاتا ہے جب اذنِ الٰہی ہو۔ اور اگر اذن نہ ہو تو سبب معطل ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ سحر ایسی چیز نہیں جو اللہ تعالیٰ کی مشیّت پر بھی غالب ہو۔ اور اگر وُہ نہ چاہے تب بھی جادُو کا اثر ہو کر رہے۔ ہر قسم کا اختیار رکھنے والی تو وُہ ذات ہے جس کے اذن واجازت پر ہر چیز کے وجُود وعدم کا دارومدار ہے۔ سحر پر بھی اگر آثار مرتب ہوتے ہیں تو خود بخود نہیں بلکہ اذنِ الٰہی ملنے کے بعد۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب سحر حرام ہے تو پھر اس پر آثار

وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ

اور نہیں نفع پہنچا سکتی اُنھیں اور وُہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس نے اس کا سودا کیا اس کے لیے آخرت میں (رحمتِ الٰہی سے)

خَلَاقٍ ڐ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٢﴾

کوئی حصّہ نہیں اور بہت بُری ہے وہ چیز بیچا ہے انھوں نے جس کے عوض اپنی جانوں (کی فلاح) کو، کاش! وُہ کچھ جانتے

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا

اور اگر وُہ ایمان لاتے اور پرہیزگار بنتے تو (اس کا) ثواب اللہ کے ہاں بہت اچھا ہوتا کاش! وُہ کچھ

يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٣﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا

جانتے اے ایمان والو! (میرے حبیبؐ سے کلام کرتے وقت) مت کہا کرو "راعنا" ١٢٠ بلکہ کہو "انظرنا"

مرتّب ہونے کا اللہ تعالیٰ اذن ہی کیوں دیتا ہے؟ اس کے لیے ایک چیز ہمیشہ مدِّ نظر رہنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیّت اور اس کے حکم و رضا میں بڑا فرق ہے۔ وُہ کسی بُری چیز کا حکم نہیں دیتا اور نہ اس کے کرنے سے خوش ہوتا ہے ہاں تکوینی مصلحتوں کے باعث ان اشیاء سے اُس کی مشیّت متعلق ہوتی رہتی ہے۔ اس نے یہ حکم نہیں دیا کہ کسی سوئے ہُوئے بے گناہ کا سر قلم کردو لیکن اس کے اذن کے بغیر نہ سر کٹتا ہے نہ موت آتی ہے۔ اسی طرح مقرّبینِ بارگاہِ الٰہی کو اذیّت دینا اور اُنھیں قتل کرنا اُسی کی مشیّت سے وقوع پذیر ہوتا ہے لیکن اس نے نہ اس کا حکم دیا ہے نہ وُہ ایسے جرائم سے خوش ہوتا ہے اس اذن و مشیّت میں وُہ مصلحتیں اور اسرار ہوتے ہیں جن کو بیان کرنے سے زبانِ قلم عاجز ہوتی ہے۔ اس سرِّ نہاں کے رُخ سے ذرا سا پردہ حضرتِ خضرؑ نے سرکایا تھا تو حضرتِ کلیمؑ تاب نہ لا سکے۔ ما و شما کس شمار میں ہیں۔

باقی رہی وُہ روایت کہ زُہرہ نامی بدکارہ نے اِن دونوں فرشتوں ہارُوت و مارُوت کو اپنے دامِ عشق میں گرفتار کر لیا اور اس کے کہنے پر دونوں نے شراب پی اور بدکاری کی اور اب وُہ بابل کے کسی کنوئیں میں اوندھے لٹکے ہُوئے ہیں یہ روایت عُلما محقّقین کے نزدیک مردُود اور غیر مقبول ہے (رازی) اور صاحبِ رُوح البیان بصد حسرت لکھتے ہیں کہ کاش! ایسی بیہودہ روایات سے اہلِ اسلام کی تصنیفات پاک ہوتیں۔

ن١٢٠ے راعنا ذو معنی لفظ ہے۔ اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ ہماری رعایت فرمائیے اور صحابہ کرامؓ بارگاہِ رسالتؐ میں جب حاضر ہوتے اور حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے کسی ارشادِ گرامی کو اچھی طرح سمجھ نہ سکتے تو عرض کرتے راعنا اے حبیب اللہ! ہم پُوری طرح سمجھ نہیں سکے ہماری رعایت فرماتے ہُوئے دوبارہ سمجھا دیجئے لیکن یہود کی عبرانی زبان میں

وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

اور (ان کی بات پہلے ہی) غور سے سُنا کرو [۱۲۱] اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے نہیں پسند کرتے وہ لوگ جو کافر ہیں

اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ

اہل کتاب سے اور نہ مشرک کہ اُتاری جائے تم پر کچھ بھلائی تمہارے

رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ

رب کی طرف سے [۱۲۲] اور اللہ خاص فرمالیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑا فضل

الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ

(فرمانے) والا ہے جو آیت ہم منسوخ کردیتے ہیں یا فراموش کرادیتے ہیں تو لاتے ہیں (دُوسری) بہتر اس سے یا

یہی لفظ ایسے معنی میں مستعمل ہوتا جس میں گستاخی اور بے ادبی پائی جاتی۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کی عزّت و تعظیم کا یہاں تک پاس ہے کہ ایسے لفظ کا استعمال بھی ممنوع فرمادیا جس میں گستاخی کا شائبہ تک بھی ہو۔ چنانچہ علماء کرام نے تصریح کی ہے فیھا دلیل علی تجنب الالفاظ المحتملة التی فیھا التعریض للتنقیص والغض (قرطبی) یعنی اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہر ایسے لفظ کا استعمال بارگاہِ رسالت میں ممنوع ہے جس میں تنقیص اور بے ادبی کا احتمال تک ہو۔ امام مالکؒ نے تو ایسے شخص کو حدِّ قذف لگانے کا حکم دیا ہے۔

[۱۲۱] راعنا کی جگہ انظرنا (یعنی ہماری طرف نگاہِ لطف فرمائیے) کہا کرو۔ کیونکہ یہ لفظ ہر طرح کے احتمالاتِ فاسدہ سے پاک ہے۔ واسمعوا کا حکم دے کر یہ تنبیہ فرمادی کہ جب میرا رسول ؐ تمہیں کچھ سُنا رہا ہو تو ہمہ تن گوش ہو کر سُنو۔ تاکہ انظرنا کہنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ کیونکہ یہ بھی تو شانِ نبوّت کے مناسب نہیں کہ ایک ایک بات تم بار بار پُوچھتے رہو۔ یہ کمالِ ادب اور انتہائے تعظیم ہے جس کی تعلیم عرش و فرش کے مالک نے غلامانِ مصطفےٰ علیہ السّلام کو دی۔ اب جو لوگ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو صرف بڑے بھائی کی سی حیثیّت دیتے ہیں یا اپنے جیسا بشر ثابت کرنے میں اپنی ساری قابلیتیں صرف کر دیتے ہیں وُہ اپنے انجام پر خُود ہی غور کر لیں ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گُم کردہ مے آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

[۱۲۲] یہُود کو یہ رنج تھا کہ نبوّت جو اُن کی وراثت تھی بنی اسمٰعیل کو کیوں ملی اور مشرکین کو یہ صدمہ تھا کہ نبی کا انتخاب مکّہ و طائف کے رئیسوں میں سے کیوں نہیں کیا گیا۔ عبدُ المطّلب کے یتیم پوتے کا انتخاب اُن کی ظاہر بین نگاہوں میں ہرگز

مِثۡلِهَا ؕ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ

(کم از کم) اس جیسی ۱۲۳؎ کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے کیا تم نہیں جانتے کہ

اللّٰهَ لَهٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ

اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور تمہارا اللہ کے سوا

مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیۡرٍ ﴿۱۰۷﴾ اَمۡ تُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَسۡـَٔلُوۡا رَسُوۡلَکُمۡ

کوئی یار و مددگار نہیں کیا تم (یہ) چاہتے ہو کہ پوچھو اپنے رسول ﷺ سے

کَمَا سُئِلَ مُوۡسٰی مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَمَنۡ یَّتَبَدَّلِ الۡکُفۡرَ بِالۡاِیۡمَانِ

(ایسے سوال) جیسے پوچھے گئے موسیٰ ؑ سے اس سے پہلے ۱۲۴؎ اور جو بدل لیتا ہے کفر کو ایمان سے

موزوں نہ تھا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرا اپنا فضل و کرم ہے جس کو چاہوں سرفراز کروں تمہارے مشورہ کی یہاں ضرورت ہے، نہ گنجائش۔

۱۲۳؎ یہود سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان کو متزلزل کرنے کے لیے طرح طرح کے شبہات پیش کرتے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ قرآن آج ایک حکم دیتا ہے کل اسے بدل دیا جاتا ہے اور ایک دوسرے حکم پر عمل کرنے کے لیے کہا جاتا ہے۔ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں۔ اس لیے قرآن خدا کی کتاب ہی نہیں۔ اس شبہ کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ نسخ اصول فقہ کی خاص اصطلاح ہے جس کا معنی ہے "بیان محض لانتہاء الحکم الاول" یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حکم پہلے نازل فرمایا تھا وہ ہمیشہ کے لیے نہیں تھا بلکہ ایک خاص وقت کے لیے تھا۔ جب اس کا وقت ختم ہو گیا تو دوسرا حکم نافذ کر کے پہلے حکم کی مقررہ میعاد کے ختم ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں بلکہ یہ عین حکمت ہے کیونکہ عرب جیسی آوارہ منش قوم کو قانون و آئین کا پابند کرنے کے لیے جن تدریجی اقدامات کی ضرورت تھی وہ پوشیدہ نہیں اس لیے اگر چند ابتدائی احکام جو محض وقتی مصلحت کے لیے نافذ کیے گئے تھے بعد میں منسوخ کر دیئے گئے اور ان کی جگہ دوسرے احکام جو اب اُن کی تربیت یافتہ ذہنیت کے مطابق ہیں نافذ کر دیئے گئے تو یہ بالکل درست ہے۔ آیت کا یہ ٹکڑا "نات بخیر منہا" اسی بات کی طرف واضح اشارہ ہے۔ آخر میں سب معترضین کا منہ بند کرنے کے لیے یہ بھی فرمایا کہ میں قادرِ مطلق ہوں جو چاہوں کروں تمہیں اعتراض کا کیا حق ہے؟ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی تالیف سُنّت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام میں نسخ کی بحث)

۱۲۴؎ یہود مسلمانوں کو طرح طرح کے سوالات کرنے پر اُکساتے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسا کرنے سے سختی سے منع فرمایا۔

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿١٠٨﴾ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ

وہ (قسمت کا مارا) تو بھٹک گیا سیدھے راستہ سے دِل سے چاہتے ہیں بہت سے اہل کتاب کہ کسی طرح پھر بنادیں تمھیں

مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ

ایمان لانے کے بعد کافر ۱۲۵؎ (ان کی یہ آرزو) بوجہ اس حسد کے ہے جو اُن کے دِلوں میں ہے

بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ

(یہ سب کچھ) اس کے بعد جبکہ خوب واضح ہو چکا ہے اُن پر حق پس (اے غلامانِ مصطفیٰ) مُعاف کرتے رہو اور درگزر کرتے رہو

بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٠٩﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ

یہاں تک کہ بھیج دے اللہ (اُن کے بارے میں) اپنا حکم ۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور صحیح ادا کرو نماز اور

اٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ

دیا کرو زکوٰۃ اور جو کچھ آگے بھیجو گے اپنے لیے نیکیوں سے ضرور پاؤ گے اس کا ثمر اللہ کے

اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١١٠﴾ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ

ہاں ۱۲۶؎ یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو خوب دیکھ رہا ہے اور انھوں نے کہا نہیں داخل ہو گا جنت میں (کوئی بھی)

کہ میرے حبیب سے یہودیوں کی طرح قیل وقال نہ کیا کرو۔ ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ جن امور کے کرنے کا حکم دیا جائے ان کو کرو۔ جن سے منع کیا جائے ان سے باز رہو۔ اور جن امور کے متعلق اللہ اور اس کے رسول نے سکوت اختیار فرمایا ہے انھیں مت چھیڑو۔ اسی میں تمھاری سلامتی ہے۔

۱۲۵؎ یہود ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث خود بھی دولتِ ایمان سے محروم رہے اب حسد کے مارے چاہتے ہیں کہ کوئی اور بھی دولتِ ایمان سے مالا مال نہ ہو ہر وقت مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے سازشیں کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فرماتا ہے کہ تم ان کی فتنہ انگیزیوں اور شرارتوں سے درگزر کرتے رہو۔ بات بات پر اُن سے اُلجھنے کی ضرورت نہیں جب مناسب ہو گا ان کا قلع قمع کرنے کا تمھیں حکم دے دیا جائے گا۔

۱۲۶؎ چھوٹی یا بڑی جو نیکی کرو گے وہ بُھلا نہیں دی جائے گی بلکہ اس کا پُورا پُورا ثواب تمھیں عطا کیا جائے گا۔

إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ

بغیر ان کے جو یہودی ہیں یا عیسائی یہ ان کی من گھڑت باتیں ہیں آپ (انھیں) فرمائیے لاؤ اپنی کوئی دلیل

إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١١١﴾ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ

اگر تم سچے ہو ہاں جس نے بھی جھکا دیا اپنے آپ کو اللہ کے لیے اور وہ

مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

مخلص بھی ہو تو اس کے لیے اس کا اجر ہے اپنے رب کے پاس ۱۲۷؎ نہ کوئی خوف ہے انھیں اور نہ ہی وہ

يَحْزَنُونَ ﴿١١٢﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَ

غمگین ہوں گے اور کہتے ہیں یہودی کہ نہیں ہیں عیسائی سیدھی راہ پر اور

قَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ

کہتے ہیں عیسائی نہیں ہیں یہودی سیدھی راہ پر ۱۲۸؎ حالانکہ وہ سب پڑھتے ہیں

الْكِتَابَ ۗ كَذَٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللَّهُ

(آسمانی) کتاب اسی طرح کہی ان لوگوں نے جو کچھ نہیں جانتے ان کی سی بات ۱۲۹؎ تو (اب)

يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١١٣﴾ وَ

اللہ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن جن باتوں میں وہ جھگڑتے رہتے تھے اور

۱۲۷؎ یہ سب دعوے باطل ہیں۔ نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے ایمان اور عمل صالح۔ جس نے اپنی ذات، اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے جھکا دیا وہی بارگاہِ الٰہی میں سرخرو ہوگا۔ رومی و زنگی، عربی و عجمی کی کوئی قید نہیں۔

۱۲۸؎ نجران کے عیسائی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو ان کی آمد کی خبر سن کر علماء یہود بھی وہاں پہنچ گئے۔ فریقین میں گفتگو شروع ہو گئی۔ اثناء کلام میں یہود نے کہہ دیا کہ نصاریٰ کا مذہب بالکل باطل ہے اور نصاریٰ نے بھی جواباً کہہ دیا کہ یہود کا حق و صداقت سے کوئی واسطہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ دونوں کی غلطی کا اظہار فرماتے ہیں کہ جب تورات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد اور ان کی

مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ

کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو روک دے اللہ کی مسجدوں سے ۱۳۰؎ کہ ذکر کیا جائے ان میں اس کے نام (پاک) کا

وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ

اور کوشاں ہو ان کی ویرانی میں اُنھیں مناسب نہیں تھا کہ داخل ہوتے مسجدوں میں

اِلَّا خَآئِفِيْنَ ۬ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ

مگر ڈرتے ڈرتے ان کے لیے دُنیا میں (بھی بڑی) ذلّت ہے ۱۳۱؎ اور ان کے لیے آخرت میں (بھی) بڑا

عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۗ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ

عذاب ہے اور مشرق بھی اللہ کا ہے اور مغرب بھی ۱۳۲؎ سو جدھر بھی تم رُخ کرو وہیں ذاتِ

رسالت کا ذکر موجود ہے تو تورات پر ایمان کا دعوےٰ کرنے والے یہود کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وُہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی رسالت کا انکار کریں اور انجیل میں جب حضرت موسٰی علیہ السّلام کی نبوّت کی اَن گنت شہادتیں موجود ہیں تو اب نصاریٰ کس منہ سے موسےٰ علیہ السّلام کی نبوّت کا انکار کرتے ہیں۔ غرضیکہ راستی کا دامن دونوں کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے۔ دونوں اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں۔

۱۲۹؎ بتوں کے پجاری آگ اور ستاروں کے پرستار بھی اسی غلط فہمی کا شکار ہیں وُہ بھی اپنے سوا سب کو گم کردہ راہ یقین کرتے ہیں۔

۱۳۰؎ یعنی صرف زبانی دعووں کو رہنے دو۔ اپنے عمل کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھو حقیقت نمایاں ہو جائے گی۔ رُوم کے عیسائیوں نے اپنے بادشاہ طیطس (TITUS) کے ساتھ یہودیوں سے انتقام لینے کے لیے فلسطین پر لشکر کشی کی اور بیت المقدس کو ویران و برباد کر دیا۔ اور اس کی پُرشکوہ عمارت کو کھنڈروں میں تبدیل کر دیا۔ بھلا جس کا عمل یہ ہو کیا اُسے حق پہنچتا ہے کہ وُہ اپنے آپ کو حق کا علَم بردار کہے۔ کفّارِ مکّہ نے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم اور مسلمانوں کو مسجدِ حرام میں عبادت کرنے سے مدّتوں روکے رکھا۔ کیا ان مشرکین کو زیب دیتا ہے کہ ہدایت پر ہونے کا دعویٰ کریں۔ مقصد یہ ہوا کہ وُہ دعویٰ جس کے ثبوت کے لیے عملِ صالح کی گواہی نہ ہو وُہ توجّہ کے قابل نہیں۔ یہ حکم عام ہے۔ جو ایسا کرے وُہ سب سے زیادہ ظالم ہے۔ کسی زمانہ یا کسی قوم کے ساتھ اس کی تخصیص کی ضرورت نہیں۔

۱۳۱؎ دُنیا میں ان کی ذلّت و رُسوائی تو چند سالوں میں ظاہر ہو گئی۔ کفّارِ مکّہ کا اقتدار ختم ہو گیا۔ یہود جلاوطن کر دیئے گئے اور عیسائی مملکتوں پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور آخرت کا عذاب بھی عنقریب وُہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

۱۳۲؎ منتشر افراد تب قوم بنتے ہیں جب ان میں یک جہتی ہو۔ اور یک جہتی تب پیدا ہوتی ہے جب ان کا کوئی مخصوص مرکز ہو۔

اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ

خداوندی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ فراخ رحمت والا خوب جاننے والا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ بنا لیا ہے اللہ نے (اپنا) ایک بیٹا پاک ہے وہ (اس تہمت سے) ۱۳۳

بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ

بلکہ اُسی کی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور زمین میں سب اُسی کے فرمانبردار ہیں موجد ہے ۱۳۴

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ

آسمانوں اور زمین کا اور جب ارادہ فرماتا ہے کسی کام کا تو صرف اتنا حکم دیتا ہے اُسے کہ ہو جا تو وہ

فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ

ہو جاتا ہے اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کچھ نہیں جانتے کہ کیوں نہیں کلام کرتا ہمارے ساتھ (خود) اللہ یا کیوں نہیں آتی

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہر اُمّت کے لیے ایک خاص قبلہ مقرر فرما دیا۔ رفتہ رفتہ قوموں میں یہ خیال جڑ پکڑتا گیا کہ یہ سمت کسی اپنی ذاتی خصوصیت اور خوبی کے باعث قبلہ بنائی گئی۔ اس آیت میں اُن کی اس غلط فہمی کا ازالہ مقصود ہے کہ جہتیں اور سمتیں سب اللہ کی ہیں مشرق ہو یا مغرب جنوب ہو یا شمال سب اس کی پیدا کی ہوئی اور اُسی کے زیر نگیں ہیں۔ اگر کوئی جہت قبلہ بنائی جاتی ہے تو کسی ذاتی خصوصیت کی بنا پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے قبلہ بنائی جاتی ہے۔ پورب پچھم سے تمھیں کیا سروکار تم اس کے حکم کے بندے ہو۔ نیز اگر مشرک قومیں سورج کی پرستش کرتی تھیں اور مشرق اُس کے طلوع کی سمت ہے اس لیے خصوصی طور پر اس کے تقدّس کی قائل تھیں اور بعض فرقے مغرب کو مقدّس مانتے تھے اللہ تعالیٰ نے جہت پرستی کے اس صنم کو بھی پاش پاش کر دیا اور فرمایا یہ جہت از خود کچھ بھی نہیں۔ ان کی حقیقت بس اتنی کچھ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں پیدا فرمایا اور اسی کا حکم ان میں جاری ساری ہے۔

۱۳۳؎ یہود حضرت عزیر کو عیسائی حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے اور مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں یقین کرتے (نعوذ باللہ) اس آیت میں ان عقائدِ فاسدہ کی تردید ہے۔ زمین کی وسعتوں اور آسمان کی پہنائیوں میں جو چیز ہے نوری ہو یا ناری، خاکی ہو یا افلاکی، بے جان ہو یا جاندار، حقیر ہو یا عزیز، سب پر اس کی مملوک ہونے کی مہر لگی ہے۔ اور ہر چیز بلا استثناء اس کے حکم کے سامنے سر افگندہ ہے۔

۱۳۴؎ نیست سے ہست کرنے، عدمِ محض سے موجود کرنے کو عربی میں ابداع کہتے ہیں یعنی نہ پہلے اس کا کوئی مادہ ہو نہ نمونہ اور نہ بنانے کے آلات موجود ہوں۔ اس ایک لفظ سے ردّ ہو گیا ان لوگوں کا (مثلاً آریہ سماجی وغیرہ) جو کہتے ہیں کہ روح بھی ہمیشہ سے موجود ہے اور مادہ بھی۔ اللہ تعالیٰ نے زیادہ سے زیادہ صرف یہ کیا کہ ایک ماہر کاریگر کی طرح مادے کے مختلف اجزاء کو

اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ

ہمارے پاس کوئی نشانی۔ اسی طرح کہی تھی ان لوگوں نے جو ان سے پہلے (گزرے) تھے ان کی سی (بے سروپا) بات ۱۳۵؎ ملتے جلتے ہیں

قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ

ان سب کے دل۔ بے شک ہم نے صاف صاف بیان کر دی ہیں (اپنی) نشانیاں اس قوم کے لیے جو یقین رکھتے ہیں ۱۳۶؎ بے شک ہم نے بھیجا ہے ۱۳۷؎

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنْ

آپ کو (اے حبیب) حق کے ساتھ (رحمت کی) خوشخبری دینے والا (عذاب سے) ڈرانے والا اور آپ سے باز پرس نہیں ہوگی ان دوزخیوں کے متعلق اور ہرگز خوش

تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ

نہیں ہوں گے آپ سے یہودی اور نہ عیسائی ۱۳۸؎ یہاں تک کہ آپ پیروی کرنے لگیں ان کے دین کی آپ (انھیں)

اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ

کہہ دیجیے کہ اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے اور اگر (بفرضِ محال) آپ پیروی کریں ان کی خواہشوں کی اس علم کے بعد بھی

ایک خاص تناسب سے باہم ملا دیا اور رنگا رنگ چیزیں نمودار ہو گئیں۔ قرآن اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف صانع ہی نہیں بلکہ بدیع ہے۔ اس نے آسمان اور زمین کو محض اپنے ارادہ سے بغیر کسی سابق مادہ کے پیدا فرمایا۔

۱۳۵؎ یہاں سے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی دلجوئی مقصود ہے کہ اگر یہ کافر روشن معجزات اور واضح دلائل کے باوجود آپ پر ایمان نہیں لاتے تو یہ کوئی نئی بات نہیں جس سے آپ دلگیر ہوں بلکہ یہ تو ہمیشہ سے ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں۔

۱۳۶؎ اس آیت کے پہلے حصّہ میں ان نادانوں کے دو مطالبوں کا ذکر ہے۔ ایک یہ کہ خدا خود اُن سے کلام کرے یا انھیں کوئی ایسی نشانی دکھائے جس کے بعد شک کی گنجائش نہ رہے۔ پہلی بات تو توجّہ کے لائق ہی نہ تھی اس لیے اس کا تو جواب تک نہ دیا۔ دوسری بات کے متعلق فرمایا کہ تم تو صرف ایک نشانی کا مطالبہ کر رہے ہو اور ہم نے تمھیں بے شمار فیصلہ کن نشانات دکھائے ہیں اور پھر بھی تم باطل پر اڑے ہوئے ہو۔ ان کھلی نشانیوں کے بعد تمھیں اور کس نشان کا انتظار ہے جسے دیکھنے کے بعد تم ایمان لاؤ گے۔

۱۳۷؎ ساتھ ہی فرمایا کہ اسلام کی حقّانیّت کی سب سے بڑی دلیل خود آپ کی ذات ہے جو آپ کی ہمہ صفت موصوف اور باکمال ہستی کو دیکھ کر ہدایت قبول نہیں کرتے اُنھیں کوئی اور معجزہ یا دلیل کیونکر راہِ ہدایت دکھا سکتی ہے۔

الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ﴿۱۲۰﴾

جو آپ کے پاس آچکا ہے (تو پھر) نہیں ہوگا آپ کے لیے اللہ (کی گرفت) سے بچانے والا کوئی یار اور نہ کوئی مددگار ۱۳۹

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓىِٕكَ یُؤْمِنُوْنَ

جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں وہی ایمان لاتے ہیں اس کے

بِهٖ ؕ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ

ساتھ اور جو کوئی انکار کرتا ہے اس کا تو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں اے بنی اسرائیل!

اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى

یاد کرو میری وہ نعمت جو میں نے تم پر فرمائی اور (خصوصاً یہ کہ) میں نے تم کو فضیلت دی (اس زمانہ کے)

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَ اتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّ لَا یُقْبَلُ

سب لوگوں پر ۱۴۰ اور ڈرو اس ۱۴۱ دن سے کہ نہ پکڑا جائے گا کوئی آدمی کسی کے عوض اور نہ قبول کیا جائے گا

مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَ اِذِ ابْتَلٰٓى

اس سے مالی تاوان اور نہ نفع دے گی اسے کوئی سفارش اور نہ ہی ان کی امداد کی جائے گی اور یاد کرو جب ۱۴۲ آزمایا

۱۳۸ یہ جو معجزات اور آیات دکھانے کی طرح طرح کی فرمائشیں کر رہے ہیں اس سے اُن کا مقصد قبول ایمان نہیں۔ یہ تو صرف حجت بازیاں ہیں۔ وہ تو صرف اس کو پسند کرتے ہیں کہ آپ اپنا دین چھوڑ کر ان کے باطل کو قبول کرلیں جو ناممکن ہے۔

۱۳۹ یہ خطاب اُمتِ محمدیہ کو ہے کہ جب تم نے جان لیا کہ سید انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے پاس حق و ہدایت لائے تو تم ہرگز کفار کی خواہشات کا اتباع نہ کرنا۔ اگر ایسا کیا تو تمہیں کوئی عذابِ الٰہی سے بچانے والا نہیں۔ (خزائن العرفان)

۱۴۰ بنی اسرائیل کی فضیلت کی وجہ پر مفصل بحث گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۸۶ حاشیہ ۶۴

۱۴۱ اس کا ذکر بھی پہلے گزر چکا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۸۷ حاشیہ ۶۵

۱۴۲ یہ آزمائش اس لیے نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیمؑ کی حقیقت کا علم نہ تھا۔ وہ تو علیم و خبیر ہے۔ بلکہ اپنے مقبول بندے کے جذبۂ صدق و اخلاص سے لوگوں کو آگاہ کرنا مطلوب تھا۔ شاید اس میں حکمت یہ ہو کہ بے خبر لوگ کہیں یہ نہ

وقف منزل ۱۴ ع ۱۴

اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ

ابراہیم کو ۱۴۳ اُس کے رب نے چند باتوں سے تو اُنھیں پورے طور پر بجا لایا ۱۴۴ اللہ نے فرمایا بے شک میں بنانے والا ہوں تجھیں تمام انسانوں

قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاِذْ

کا پیشوا ۱۴۵ عرض کی میری اولاد سے بھی ؟ ۱۴۶ فرمایا نہیں پہنچتا میرا وعدہ ظالموں تک اور یاد کرو

کہنے لگیں کہ ان پر جو فضل و کرم ہو رہا ہے یونہی ہو رہا ہے اس کی کوئی خاص وجہ نہیں ۔ بلکہ اُنھیں علم ہو جائے کہ وُہ اس لطف عمیم کے ہر طرح مستحق ہیں ۔ نیز اس لیے بھی کہ ہر بوالہوس ان مقاماتِ رفیعہ کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہ دیکھے بلکہ اُسے معلوم ہو کہ آزمائش و ابتلاء کا آتشیں سمندر موجزن ہے اور ان بلندیوں کی طرف جانے والا راستہ اس میں سے ہو کر گزرتا ہے ۔

۱۴۳ ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ وعلی نبینا افضل الصلوٰۃ والسّلام کے اسمِ گرامی سے عرب کا بچّہ بچّہ واقف تھا اس لیے قرآنِ حکیم نے پہلی دفعہ ہی کسی تمہید و تعارف کے بغیر ان کا ذکر فرمایا ۔ تورات میں آپ کا نام ابرام اور ابراہم دونوں طرح آیا ہے ۔ جدید ترین اثری تحقیقات کے مطابق آپ کا سالِ پیدائش ۲۱۶۰ ق ۔م ہے ۔ تورات میں عمر شریف ۱۷۵ سال درج ہے ۔ آپ کا آبائی وطن بابل ہے جسے آج کل عراق کہتے ہیں ۔ جس شہر میں آپ کی ولادت ہوئی اُس کا نام تورات میں "اُور" (UR) ہے ۔ مدّتوں یہ شہر نقشہ سے غائب رہا ۔ اب از سرِ نو نمودار ہو گیا ہے ۔ کھدائی کے کام کی داغ بیل ۱۸۹۴ء میں ہی پڑ گئی تھی ۔ ۱۹۲۲ء میں برطانیہ اور امریکہ کے ماہرینِ اثریات کی ایک مشترکہ تحقیقاتی مہم عراق کو روانہ ہوئی اور کھدائی کا کام پورے سات سال تک جاری رہا ۔ رفتہ رفتہ پورا شہر نمودار ہو گیا ۔ موجودہ محرّف بائیبل میں تاریخی غلطیوں کی کثرت سے اُکتا کر بعض محققین نے اُنیسویں صدی کے آخر میں یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ ابراہیم نامی کوئی تاریخی شخصیت گزری ہی نہیں ۔ بلکہ یہ محض ایک نوعی نام تھا ۔ یا ہر قبیلہ کے شیخ کا لقب تھا لیکن اب پھر تحقیق کا رُخ بدلا اور بیسویں صدی کے آغاز میں ہی پھر (یورپ) کو آپ کی تاریخی شخصیت کا پوری طرح قائل ہونا پڑا ۔

(ماخوذ از تفسیر ماجدی)

۱۴۴ وُہ امتحانات جن سے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو آزمایا گیا تھا کیا تھے ؟ ذبحِ اسمٰعیل ، آتشِ نمرود اور عرب کے بے آب و گیاہ ریگستان میں اپنی زوجہ اور اپنے ننھے بچے کو حکمِ الٰہی کے مطابق چھوڑ آنا اور ان کے علاوہ تمام احکامِ شریعت پر کاربند ہونا ہے ۔ جس میں ناخنوں کے تراشنے ، دانتوں کو مسواک سے صاف کرنے سے لے کر حج و زکوٰۃ کے جملہ مناسک داخل ہیں ۔

۱۴۵ امام کہتے ہیں جس کی پیروی کی جائے یعنی تمام انبیاء ۔ اور اُن کی اُمتیں آپ کی پیروی اور اتباع کریں گی ۔ یہاں تک کہ سیّدِ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والثناء کو بھی حکم ملا ۔ اتبع ملۃ ابراھیم حنیفا ۔

جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ

جب ہم نے بنایا اس گھر (خانہ کعبہ) کو مرکز ۱۴۷ لوگوں کے لیے اور امن کی جگہ اور (انہیں حکم دیا کہ) بنالو ابراہیم کے کھڑے

اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا

ہونے کی جگہ کو جائے نماز ۱۴۸ اور ہم نے تاکید کردی ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہ خوب صاف ستھرا رکھنا میرا گھر ۱۴۹

بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَاِذْ قَالَ

طواف کرنے والوں، اعتکاف بیٹھنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے اور یاد کرو جب عرض

۱۴۶ اپنی اولاد کے لیے حضرت ابراہیم کا دعا کرنا ایک طبعی چیز تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا یہ وعدہ ظالموں کے لیے نہیں۔ ہاں جو نیک اور اطاعت گزار ہوں گے ان میں سے بعض کو شرف نبوت سے سرفراز کیا جائے گا لیکن ظالم اور بدکار اس نعمت کے حقدار نہیں۔ اس آیت سے علماء نے انبیاء کرام کی عصمت پر استدلال کیا ہے نیز صدر مملکت میں جن صفات کا پایا جانا ضروری ہے۔ ان کے متعلق علماء اسلام نے تصریح کی ہے "ان الامام یکون اهل العدل والاحسان والفضل مع القوة علی القیام بذلك وهو الذی امر النبی صلی الله علیه وسلم الا ینازعوا الامر اهله واما اهل الفسوق والجور فلیسوا له باهل (قرطبی) یعنی امام وہ ہوتا ہے جس کا دامن کبیرہ گناہوں سے داغدار نہ ہو۔ احسان و فضل کی صفات سے متصف ہو۔ اس کے ساتھ اس میں حکومت کی ذمہ داریوں کو بجالانے کی قوت بھی ہو۔ ان خوبیوں والے خلیفہ (یا صدر مملکت) کے متعلق ہی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ان سے مت جھگڑو۔ لیکن جو فاسق و فاجر ہوں وہ خلافت و صدارت کے اہل نہیں۔

۱۴۷ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہزارہا انقلابوں کے باوجود جس طرح پورا ہو رہا ہے دوست دشمن سب اس کا مشاہدہ کرتے چلے آتے ہیں اور تاقیامت مشاہدہ کرتے چلے جائیں گے۔

۱۴۸ وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی تعمیر کرتے رہے اس کو مقام ابراہیم کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوبوں کی ہر ادا اور ان سے تعلق رکھنے والی ہر چیز بڑی پیاری ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ بے جان حقیر پتھر جسے حضرت خلیل کے پاؤں سے چھو جانے کا شرف حاصل ہوا وہ قدرت کی نگاہ میں اتنا عزیز اور ذیشان ہے کہ امت مصطفوی کو حکم دیا جارہا ہے کہ اسے اپنی جائے نماز بنائیں۔

۱۴۹ اب کعبہ کی آبادی اور رونق افزائی کا اہتمام فرمایا جارہا ہے۔ حکم ہے اے ابراہیم اے اسمٰعیل! ہر آلائش سے ہر آلودگی سے اسے پاک صاف رکھو۔ اس کا فرش غبار سے، اس کی دیواریں بدنما دھبوں سے اور اس کی چھتیں مکڑی کے جالوں سے نہ اٹی رہیں بلکہ اجلا فرش، شفاف آئینہ وار دیواریں اور پاک و صاف چھتیں ہوں۔ تاکہ عبادت کرنے والوں کو دلجمعی نصیب ہو اور وہ اطمینان سے اپنے رب کی یاد کرتے رہیں۔ جب ظاہری پاکیزگی کا اتنا اہتمام ہو رہا ہے تو کفر و شرک کی غلاظت و عفونت سے اسے

إِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ

کی ابراہیم نے اے میرے ربّ! بنادے اس شہر کو ۱۵۰ امن والا اور روزی دے اس کے باشندوں کو طرح طرح کے پھلوں سے

مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ

(یعنی) جو ان میں سے ایمان لاتے اللہ پر اور روز قیامت پر اللہ نے فرمایا (ان میں سے) جس نے کفر بھی کیا اسے بھی

قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَ

فائدہ اُٹھانے دوں گا چند روز پھر مجبور کروں گا اسے دوزخ کے عذاب کی طرف اور یہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے اور

اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ

یاد کرو جب اُٹھا رہے تھے ابراہیم (علیہ السلام) بنیادیں ۱۵۱ خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل (علیہ السلام) بھی۔ اے ہمارے پروردگار قبول فرما

مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ

ہم سے (یہ عمل) بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے اے ہمارے ربّ! بنادے ہم کو فرماں بردار اپنا

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ

اور ہماری اولاد سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کرنا جو تیری فرمانبردار ہو اور بتادے ہمیں ہماری عبادت کے طریقے اور توجّہ

پاک رکھنا کتنا اہم ہوگا۔ اسی دلیل سے ہر مسجد کو پاک وصاف رکھنے کا حکم ثابت ہوتا ہے۔

۱۵۰ے حضرت خلیلؑ نے عرض کی۔ اے ربّ کریم! اس شہر کو امن کا گہوارہ بنادے اور اس کے ایماندار شہریوں کو تازہ پھل کھانے کے لیے عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں التجائیں قبول فرمائیں۔ امامت کے سلسلہ میں چونکہ یہ ہدایت کی گئی تھی کہ یہ صرف فرمانبرداروں کا حصّہ ہے اس سے سبق لیتے ہوئے حضرت خلیلؑ نے رزق طیّب کا سوال کیا تو صرف اہل ایمان کے لیے لیکن پروردگار عالم نے فرمایا کہ رزق تو مومن اور کافر سب کو دوں گا لیکن کفّار چند روزہ زندگی گزارنے کے بعد اپنے کفر وسرکشی کی سزا بھگتنے کے لیے دوزخ میں پھینک دیئے جائیں گے۔

۱۵۱ے خود کعبہ کی دیواریں چن رہے ہیں۔ بلند اقبال فرزند پتھر اور گارا اُٹھا اُٹھا کر لا رہا ہے نسیم رحمت کے جھونکوں سے دلوں کے غنچے شگفتہ ہو رہے ہیں۔ کیف وسرور کی ایک ناقابل بیان کیفیت طاری ہے۔ اُس وقت اللہ کے یہ دونوں مقبول بندے

عَلَيۡنَا ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ

فرما ہم پر (اپنی رحمت سے) بے شک تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے اے ہمارے رب! ۱۵۲ بھیج ان میں ایک برگزیدہ

رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ

رسول انھیں میں سے تاکہ پڑھ کر سُنائے ۱۵۳ انھیں تیری آیتیں اور سکھائے انھیں یہ کتاب اور دانائی کی باتیں

اپنے ربّ کریم سے مانگ رہے ہیں اور وُہ دِیئے چلا جا رہا ہے۔ دامنِ طلب پھیلا ہوا ہے اور دستِ کرم مصروفِ جُود و عطا ہے۔ اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے اتنا ہی مانگا کہ لذّتِ نیاز اور ملے۔ لُطفِ عبادت میں اور اضافہ ہو۔ مسلمین لک اور امۃ مسلمۃ لک کہہ کر گویا سب کچھ ہی تو مانگ لیا۔

۱۵۲ اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے دُعا مانگنے کے بعد اللہ تعالےٰ سے ایک ایسے جلیل القدر رسُول کی بعثت کے لیے التجا کی جا رہی ہے جس کا دامنِ رحمت اتنا کشادہ اور خوانِ کرم اتنا وسیع ہو کہ ہر خاص و عام اُس سے فائدہ اُٹھا سکے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ اِس دُعا کا مصداق کون ہے۔ قرآن کے الفاظ پر غور کرنے سے حقیقت کھُل جاتی ہے۔ وابعث فیھم اور رسولا منھم پر غور فرمائیے۔ ھم کی ضمیر کا مرجع یا امۃ مسلمۃ ہے یا ذریتنا ہے۔ ان کے علاوہ کوئی اور لفظ نہیں جو کسی تاویل سے بھی ھُم کا مرجع بنایا جا سکتا ہو۔ ان دونوں لفظوں میں سے کسی ایک کو آپ مرجع بنائیے تو پہلی صُورت میں معنی یہ ہو گا کہ اُمّتِ مُسلمہ میں سے جو ہماری (ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کیونکہ یہی دونوں دُعا کرنے والے ہیں تیسرا اور کوئی نہیں) اولاد میں سے ہو۔ رسُول مبعُوث فرما۔ دُوسری صُورت میں یہ معنی ہو گا کہ ہماری اولاد میں سے ایک رسُول مبعُوث فرما۔ دونوں صُورتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اِس دُعا کا وُہی مصداق ہے جو ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السّلام دونوں کی نسل سے ہو۔ اور جو حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے تو ہیں لیکن اسمٰعیلؑ کی نسل سے نہیں (مثلاً اولادِ اسحاق علیہ السّلام) وُہ اِس دُعا کا مصداق نہیں بن سکتے اور لُطفِ ایزدی مُلاحظہ ہو کہ ان دو حضرات کی نسل سے حضور کریم محمّد رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے علاوہ کوئی رسُول مبعُوث نہیں ہوا۔ بلکہ کسی کو جھُوٹا دعویٰ نبوت کرنے کی توفیق بھی نہیں ہُوئی۔ تاکہ یہ حقیقت ہر شک و شبہ سے بالاتر رہے کہ وُہ ذاتِ مُصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والثّنا تھی جس کے لیے خلیلؑ و ذبیحؑ دُعائیں کرتے رہے۔ رسُولاً مفرد اور نکرہ منون استعمال ہوا جس سے اِس امر کی طرف اِشارہ ہے کہ وُہ ہو گا بھی ایک اور ہو گا بے مثال صاحبِ شانِ عظیم۔ الحمد للہ الذی جعلنا من اُمتہ۔ حضُور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے خود بھی فرمایا کہ انا دعوۃ ابی ابراھیم۔ میں اپنے باپ ابراہیم کی دُعا ہُوں۔

۱۵۳ اس رسُولؐ کے تین فرائض گنوائے جا رہے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وُہ اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سُنائے۔ دُوسرا یہ کہ کتاب و حکمت سکھائے۔ تیسرا یہ کہ اپنے تصرّفِ رُوحانی سے دِلوں کے آئینوں کو جلا دے اور روشن کرے تاکہ حقائق و معارف

وَيُزَكِّيهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٢٩﴾ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ

اور پاک صاف کر دے انھیں ۔ بے شک تو ہی بہت زبردست (اور) حکمت والا ہے اور کون رُوگردانی کر سکتا ہے دینِ ابراہیمؑ سے ۱۵۴

اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ

بجز اُس کے جس نے احمق بنا دیا ہو اپنے آپ کو اور بے شک ہم نے چن لیا ابراہیمؑ کو دُنیا میں

وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٣٠﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ

اور بلاشبہ وُہ قیامت کے دن نیکو کاروں میں ہوں گے اور یاد کرو جب فرمایا اُس کو اُس کے رب نے ۱۵۵ اے ابراہیم!

قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٣١﴾ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ

گردن جھکا دو عرض کی میں نے اپنی گردن جھکا دی سارے جہانوں کے پروردگار کے سامنے ۱۵۶ اور وصیّت کی اِسی دین کی ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو

ان میں جلوہ نما ہوسکیں۔

حکمت سے کیا مُراد ہے؟ اس کے سمجھنے سے ایک بہت بڑے فتنے کا اصولی ردّ ہو جائے گا۔ حکمت کہتے ہیں وضع الاشیاء علی مواضعہا۔ ہر چیز کو اپنے محل اور موقع پر رکھنا۔ یہاں الحکمۃ کا لفظ جو مذکور ہے اس سے مراد احکامِ قرآنی کی ایسی تفصیل اور ان کا ایسا بیان ہے جسے جاننے کے بعد انسان ان احکام کی ایسی تعمیل کر سکے جیسے قرآن نازل کرنے والے خُدا کا منشا ہے۔ اور نبی کے فرائض میں صرف یہی نہیں کہ قرآن سکھا دے بلکہ اس کا صحیح بیان اور تفصیل بھی سکھاتے تاکہ قرآن پر اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق عمل ہوسکے۔ اور اسی حکمت یعنی بیانِ قرآن کو سُنّتِ نبوی کہا جاتا ہے۔ دُوسری متعدّد آیات میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ حکمتِ قرآن یعنی اس کا بیان نبی کا ذاتی اجتہاد نہیں ہوتا بلکہ وُہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی جاتی ہے مثلاً ارشاد ہے وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر (اے نبیؐ) کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جیسے قرآن کی اطاعت فرض ہے اُسی طرح صاحبِ قرآن کی سُنّت پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ اس سے ان لوگوں کی غلط فہمی کا ازالہ بھی ہو گیا جو سُنّت کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ذاتی رائے خیال کرتے ہیں اور اس پر عمل کرنا ضروری یقین نہیں کرتے (حکمت اور سُنّت پر مفصّل بحث احقر کی تالیف سنتِ خیر الانام میں مُلاحظہ فرمائیں)

۱۵۴ ملّت سے مُراد دین اور شریعت ہے۔ کیونکہ ملّتِ ابراہیمیؑ دینِ فطرت ہے اس لیے ہر سلیم الطبع اسے قبول کرنے کے لیے آمادہ ہوتا ہے۔ ہاں جن کی طبیعتیں مسخ ہو چکی ہوں اور سمجھ بگڑ چکی ہو وُہ اسے قبول نہیں کرتے۔

۱۵۵ اسلام کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے گردن رکھ دینا یعنی اپنی راحت اور تکلیف، اپنے نفع اور نقصان، اپنی

وَيَعْقُوبُ ۖ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ

اور یعقوب ۱۵۷؎ نے اے میرے بچو! بے شک اللہ نے پسند فرمایا ہے تمھارے لیے یہی دین سو تم ہرگز نہ مرنا

اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ

مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو بھلا کیا تم (اس وقت) موجود تھے جب آ پہنچی یعقوبؑ کو

الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ ۖ قَالُوْا نَعْبُدُ

موت جب کہ پوچھا اس نے اپنے بیٹوں سے کہ تم کس کی عبادت کرو گے میرے (انتقال کر جانے کے) بعد انھوں نے عرض کی ہم

اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا

عبادت کریں گے آپ کے خدا کی اور آپ کے بزرگوں ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ کے خدا کی جو خدائے وحدہٗ لاشریک

وَّاحِدًا ۚ ۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا

ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے یہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی انھیں فائدہ دے گا جو

رائے یا خواہش کو بالکل نظر انداز کر دے اور بغیر کسی حیل وحجت کے اپنے ربّ کریم کے احکام کی تعمیل پر کمربستہ ہو جائے۔ یہ ہے اسلام کا حقیقی مفہوم۔

۱۵۶؎ یہی وعدہ حضرت سیّدنا ابراہیمؑ نے اپنے ربّ سے کیا۔ اور دنیا شاہد ہے کہ اس مردِ پاکباز نے کیسے اس عہد کو نبھایا۔ ان کی زندگی میں مشکل سے مشکل امتحان آئے لیکن اس ذاتِ قدسی صفات نے جس عزم وثبات اور تسلیم ورضا کا ثبوت دیا۔ اس نے فرشتوں کو بھی تصویرِ حیرت بنا دیا۔ جب منجنیق میں رکھ کر نمرود کی بھڑکائی ہوئی آگ میں آپ کو پھینکا جانے لگا تو جبرائیلؑ امین نے حاضر ہو کر عرض کی۔ ھل لك حاجة؟ کوئی کارِ خدمت؟ کوئی ضرورت؟ فرمایا اما الیك فلا تجھ سے کوئی حاجت نہیں۔ جبرئیلؑ نے پھر گزارش کی فاسأل ربك اپنے رب سے تو سوال کرو کہ آپ کو اس آگ کے شعلوں سے بچالے۔ جواب دیا حسبی من سوالی علمه بحالی یعنی جب وہ جانتا ہے تو مجھے عرض کرنے کی کیا ضرورت۔

۱۵۷؎ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السّلام نے اپنی اولاد کو دینِ اسلام پر ثابت قدم رہنے کی وصیّت فرماتے ہوئے جو الفاظ استعمال کیے ہیں ان سے زیادہ مختصر اور زوردار الفاظ مل نہیں سکتے۔ لا تموتن الا وانتم مسلمون یعنی مرنا تو اسلام پر مرنا۔ کیونکہ موت نے ضرور آنا ہے لیکن اس کے آنے کا وقت ہمیں معلوم نہیں۔ اس لیے ایسی اٹل اور اچانک آجانے والی چیز کے لیے انسان کو ہر لمحہ مستعد رہنا ضروری ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اسلام کا دامن ہر وقت مضبوطی

كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٤﴾ وَ

(نیک عمل) اُنھوں نے کمایا اور تمھیں نفع دیں گے جو (نیک اعمال) تم نے کمائے اور نہ پُوچھے جاؤ گے تم اس سے جو وُہ کیا کرتے تھے اور (یہودی)

قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ

کہتے ہیں یہودی بن جاؤ (عیسائی کہتے ہیں) عیسائی بن جاؤ (تب) ہدایت پالو گے آپ فرمائیے میرا دین تو دینِ ابراہیمؑ ہے جو باطل سے منہ

حَنِيْفًا ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٣٥﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ

موڑنے والا حق پسند تھا اور وُہ نہیں تھا شرک کرنے والوں سے ۱۵۸؎ کہہ دو ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اُس پر جو

اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

نازل کیا گیا ہماری طرف اور جو اُتارا گیا ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ

وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ

اور اُن کی اولاد کی طرف اور جو عطا کیا گیا موسٰیؑ اور عیسٰیؑ کو اور جو عنایت کیا گیا دُوسرے نبیوں کو ان کے

سے پکڑے رہو۔ اور ایک آن کے لیے بھی یہ گرفت ڈھیلی نہ پڑے۔ مبادا وُہی آن تمھارے یہاں سے کُوچ کرنے کی ہو اگر غفلت کی حالت میں موت کا پیغام آگیا تو اپنے کریم رب کے حضور میں کیا مُنہ لے کر حاضر ہو گے۔ زندگی کی یہ بازی جیتنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہر وقت انسان چوکنّا رہے۔ اپنا دامن گناہوں سے آلودہ نہ ہونے دے۔ نافرمانی اور سرکشی تو کُجا غفلت کی گرد سے بھی اپنے دل کے آئینہ کو مکدّر نہ کرے۔

۱۵۸؎ یہودیوں اور نصرانیوں کو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہونے پر بڑا ناز تھا۔ ہر محفل اور مجلس میں اس نسبت پر فخر کیا کرتے تھے۔ اور اپنی صداقت کی یہی دلیل پیش کرتے کہ ہم دینِ ابراہیمیؑ کے پیروکار ہیں لیکن بجائے اس کے کہ ان کے بتائے ہوئے راستہ پر گامزن ہوتے اُنھوں نے اُلٹا حضرت خلیلؑ کو یہودی اور عیسائی ثابت کرنا شروع کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے فریب کا پردہ چاک کرتے ہوئے ان کی غلط بیانی کی تردید کرتے ہیں کہ تمھاری اس شرک آلود یہودیت اور نصرانیت سے اس موحّدِ اعظمؑ کا کیا واسطہ۔ ان کا دامنِ عصمت تو ان تمام بدنما دھبّوں سے پاک اور منزّہ تھا۔

رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

رب کی طرف سے ہم فرق نہیں کرتے ان میں کسی پر ایمان لانے میں اور ہم تو اللہ کے فرماں بردار ہیں ۱۵۹

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا

تو اگر یہ بھی ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو جب تو وہ ہدایت پا گئے اور اگر وہ منہ پھیریں تو (معلوم ہو گیا کہ)

هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ ط

وہی مخالفت پر کمر بستہ ہیں تو کافی ہو جائے گا آپ کو اُن کے مقابلے میں اللہ اور وہ سب کچھ سُننے والا سب کچھ جاننے والا ہے

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

(ہم پر) اللہ کا رنگ (چڑھا ہے) اور کس کا رنگ خوبصورت ہے اللہ کے رنگ سے ۱۶۰ ہم تو اسی کے عبادت گزار ہیں

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَ

آپ فرمائیے کیا تم جھگڑتے ہو ہمارے ساتھ اللہ کے بارے میں حالانکہ وُہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک۔ اور ہمیں ہمارے اعمال اور

لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ لا اَمْ تَقُوْلُوْنَ

تمھیں تمھارے اعمال فائدہ پہنچائیں گے ہم تو اُسی کی اخلاص سے عبادت کرتے ہیں کیا تم کہتے ہو

۱۵۹ے یہود و نصاریٰ کی تنگ نظری اور تعصّب کے ذکر کے بعد اب مُسلمانوں کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ تم اس تنگ نظری کا شکار نہ ہونا بلکہ تمھارا شیوہ یہ ہونا چاہیئے کہ اُن تمام کتابوں پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں۔ تمام ان انبیاء کی تصدیق کرو جنھیں اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا۔ اگرچہ ان کتابوں کے ماننے کا دعوےٰ کرنے والے تمھارے قرآن کو نہ مانیں اور اُن انبیاء کی اُمّت کہلانے والے تمھارے نبی مکرّم پر ایمان نہ لائیں بلکہ طرح طرح کی شر انگیزیوں سے اذیّت پہنچائیں تب بھی تمھارا رویّہ ایسا ہی ہونا چاہیئے کیونکہ تم خدا کے بندے اور اس کے حکم کے سامنے سر افگندہ ہو۔

۱۶۰ے یہود کی رسم تھی کہ جب کوئی ان کے دین میں داخل ہوتا تو اسے رنگدار پانی سے غسل دیتے۔ پھر عیسائیوں نے بھی اسے اختیار کر لیا۔ اور جب کوئی بچہّ پیدا ہوتا تو زرد رنگ کے پانی سے اُسے غسل دیتے (جسے اصطباغ یا بپتسمہ کہا جاتا ہے) اور پھر یہ سمجھتے کہ اب اس پر یہودیّت اور عیسائیّت کا رنگ چڑھ گیا ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ رنگ

إِنَّ إِبْرٰهِمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ

کہ ابراہیم و اسمٰعیل و اسحاق و یعقوب اور ان کے بیٹے

كَانُوا هُودًا أَوْ نَصٰرٰى ۗ قُلْ ءَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ

یہودی تھے یا عیسائی فرمائیے کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ اور کون

أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

زیادہ ظالم ہے اُس سے جو چھپاتا ہے گواہی جو اللہ کی طرف سے اُس کے پاس ہے اور اللہ بے خبر نہیں ہے جو

عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٠﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ

تم کر رہے ہو وہ ایک اُمّت تھی جو گزر چکی اُسے ملے گا جو اُس نے کمایا

وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤١﴾ ع

اور تمہیں ملے گا جو تم نے کمایا اور تم سے نہ پوچھا جائے گا اُس سے جو وہ کیا کرتے تھے

چڑھانا ہے تو اللہ کا رنگ چڑھاؤ جو نہ پانی سے دُھلے نہ دُھوپ سے اُڑے اور نہ وقت گزرنے پر پھیکا پڑے۔ بھلا یہ ناپائیدار رنگ بھی کوئی رنگ ہے جس پر تم اِترا رہے ہو۔ اور اللہ کا رنگ یہی توحیدِ خالص کا رنگ ہے جس کو چڑھانے والا سیّدِ انس وجاں محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم ہے۔

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ

اب کہیں گے بے وقوف لوگ ۱۶۱ کہ کس چیز نے پھیر دیا ان (مسلمانوں) کو اپنے قبلہ سے جس

كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ

پر وہ اب تک تھے آپ فرمائیے اللہ ہی کا ہے مشرق بھی اور مغرب بھی ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۱۴۲ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا

سیدھے راستہ کی طرف اور اسی ۱۶۲ طرح ہم نے بنا دیا تمھیں (اے مسلمانو!) بہترین اُمّت تاکہ تم

۱۶۱ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم جب مکّہ مکرّمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ تشریف فرما ہُوئے تو بیت المقدّس کی طرف جو اہلِ کتاب کا قبلہ تھا رُخ کر کے نماز ادا فرماتے رہے۔ سولہ سترہ ماہ اِسی پر عمل رہا۔ لیکن حضورؐ کی دلی آرزو یہی تھی کہ کعبہ جسے حضرت خلیل علیہ السّلام نے تعمیر کیا اُمّتِ مُسلمہ کا قبلہ بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی آرزو کو پورا کرنے سے پہلے معترضین کے اعتراضات کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ جب وُہ اعتراضات کی بوچھاڑ کریں تو مسلمان کسی تذبذب کا شکار نہ ہو جائیں بلکہ تمام قیل وقال سے بے نیاز ہو کر نہایت اطمینان سے اپنے مالک کے فرمان کی تعمیل کریں۔ پہلے بتا دیا کہ قبلہ کی تبدیلی پر اعتراض صرف سطحی قسم کے لوگ ہی کریں گے جو اپنی کم عقلی کی وجہ سے یہ خیال کیے بیٹھے ہیں کہ بیت المقدس کی سمت میں کوئی ذاتی خصوصیّت ہے جس کی وجہ سے اسے قبلہ بنایا گیا تھا اور وُہ خصوصیّت کسی اور سمت میں نہیں اِس لیے بیت المقدس کے بغیر کوئی اور قبلہ بن ہی نہیں سکتا حالانکہ سمت ہونے میں تمام سمتیں یکساں ہیں۔ آج تک اگر یہ سمت قبلہ بنی رہی تو اِس کی صرف یہی ایک وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے اِسے قبلہ مقرر فرما دیا۔ کسی کو اعتراض کا کیا حق۔ جو لوگ اِتنی آسان سی بات بھی نہیں سمجھ سکتے وُہ نادان اور بے سمجھ نہیں تو اور کیا ہیں۔

۱۶۲ یعنی جیسے ہم نے قبلہ کے معاملہ میں تمھیں راہِ راست اختیار کرنے کی توفیق بخشی اِسی طرح ہر معاملہ میں تمھیں اُمّتِ وسط بنایا۔ وسط کا لفظ قابلِ غور ہے۔ اِس کا معنی ہے درمیان۔ ہر چیز کا درمیانی حصّہ ہی اس کا عمدہ ترین حصّہ ہوا کرتا ہے۔ انسان کی زندگی کا درمیانی عرصہ "عہدِ شباب" اس کی زندگی کا بہترین وقت ہے۔ دن کے درمیانی حصّہ دوپہر میں روشنی اپنے نقطۂ عروج پر ہوتی ہے۔ اِسی طرح اخلاق میں میانہ روی قابلِ تعریف ہوتی ہے۔ افراط وتفریط دونوں پہلو مذموم۔ بخل اور فضول خرچی کی درمیانی حالت کو سخاوت، بزدلی اور طیش کے درمیانی حال کو شجاعت کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اُمّتِ محمّدیہ کو اس عظیم المرتبت خطاب سے سرفراز فرمایا۔ ان کے عقائد، ان کی شریعت، ان کے نظامِ اخلاق، سیاست

شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا

گواہ بنو لوگوں پر ۱۶۳ اور (ہمارا) رسولؐ تم پر گواہ ہو اور نہیں

جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ

مقرر کیا ۱۶۴ ہم نے (بیت المقدس کو) قبلہ جس پر آپ (اب تک) رہے مگر اس لیے کہ ہم دیکھ لیں کہ کون پیروی کرتا ہے (ہمارے) رسولؐ کی

اور اقتصاد میں افراط و تفریط کا گزر نہیں۔ یہاں اعتدال ہے توازن ہے موزونیت ہے۔ جب مسلمانوں کو اپنے اس عظیم منصب کا پاس تھا اس وقت اُن کا ہر قول اور ہر فعل آئینہ تھا اس ارشادِ ربّانی کا لیکن آج تو ہم یُوں بگڑ چکے کہ قرآن میں جس اُمّت کے محاسن بیان کیے گئے ہیں ہم پہچان ہی نہیں سکتے کہ وُہ ہم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حالِ زار پر رحم فرماوے۔ آمین۔

۱۶۳ اُمّتِ محمّدیہ گواہ ہے دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دُنیا میں اس کی گواہی اِسلام کی صداقت پر ہے۔ کیونکہ اسلامی تعلیمات کی وُہ زندہ تصویر ہے۔ دُنیا میں اس کا ہر قول ہر فعل اس کی اِنفرادی اور اجتماعی خوشحالی، اس کی سیرت کی پختگی اور اس کے اخلاق کی بلندی ہر چیز اسلام کی صداقت پر گواہی دے رہی ہے۔ اور قیامت کے روز جب اگلے پیغمبروں کی اُمّتیں اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کریں گی کہ ہمیں کسی نے تیرا پیغامِ ہدایت نہیں پہنچایا تو اُس وقت اُمّتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم گواہی دے گی کہ یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔ تیرے پیغمبروں نے تو تیرا پیغام حرف بحرف پہنچا دیا تھا۔ اور جب اُن پر اعتراض ہوگا کہ تم اُس وقت موجُود ہی نہ تھے تم گواہ کیسے بن گئے تو یہ جواب دیں گے کہ اے اللہ! تیرے حبیب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں بتایا کہ تیرے رسُولوں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنی اُمّت کی صداقت و عدالت کی گواہی دیں گے۔ کیونکہ حضورؐ اپنے اُمتیوں کے حالات سے پُورے واقف ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اپنی تفسیر فتح العزیز میں تحریر فرماتے ہیں :-

باشد رسُولِ شما بر شما گواہ زیرا نکہ او مطلع است بنُورِ نبوّت بر رُتبۂ ہر متدین بدینِ خود کہ در کدام درجہ در دینِ من رسیدہ وحقیقتِ ایمانِ او چیست وحجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس اومے شناسد گناہانِ شما را و درجاتِ ایمانِ شما را و اعمالِ نیک وبدِ شما را و اخلاص ونفاق شما را۔

ترجمہ:- تمھارا رسُولؐ تم پر گواہی دے گا۔ کیونکہ وُہ جانتے ہیں اپنی نبوّت کے نُور سے اپنے دین کے ہر ماننے والے کے رُتبہ کو کہ میرے دین میں اس کا کیا درجہ ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے۔ اور وُہ کونسا پردہ ہے جس سے اس کی ترقی رُکی ہُوئی ہے۔ پس وُہ تمھارے گناہوں کو بھی پہچانتے ہیں۔ تمھارے ایمان کے درجوں کو، تمھارے نیک اور بد سارے اعمال کو اور تمھارے اخلاص اور نفاق کو بھی خُوب پہچانتے ہیں۔

۱۶۴ سولہ سترہ ماہ کے لیے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کرنے اور پھر کعبہ کو حسبِ سابق قبلہ بنا دینے کی ایک حکمت بیان

مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۭ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى

(اور) کون مُڑتا ہے اُلٹے پاؤں بے شک یہ (حکم) بہت بھاری ہے مگر اُن پر

الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

(بھاری نہیں) جنھیں اللہ نے ہدایت فرمائی اور نہیں اللہ کی یہ شان کہ ضائع کر دے تمہارا ایمان ۱۶۵ بے شک اللہ تعالیٰ

بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۴۳ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاۗءِ ۚ

لوگوں پر بہت ہی مہربان (اور) رحم فرمانے والا ہے ہم دیکھ رہے ہیں ۱۶۶ بار بار آپ کا مُنہ کرنا آسمان کی طرف

فرمائی جارہی ہے کہ وہ جو نبی کی بے چون وچرا اطاعت کرتے ہیں اُن لوگوں سے ممتاز اور علیحدہ ہو جائیں جو بات بات پر اعتراض کرنے اور اپنی عقل کی سند حاصل کرنے کے خوگر ہیں۔ لنعلم کا عام معنی تو یہ ہے "تاکہ ہم جان لیں" اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ پہلے ان کو نہیں جانتا۔ اس لیے علامہ قرطبی نے سیّد الفصحاء وامام البلغاء حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لِنَعْلَمَ کا معنی لِنَرٰی نقل کیا ہے یعنی جو چیز ہمارے علم ازلی میں قدیم سے ہے اُسے وقوع پذیر ہوتے ہوئے دیکھ لیا جائے۔ والعرب تضع العلم مکان الرؤیة والرؤیة مکان العلم یعنی اہل عرب لفظ علم رؤیت (یعنی دیکھنے) کے معنی میں اور رؤیت علم کے معنی میں عام استعمال کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے اب کوئی اشکال نہ رہا۔

مطیع اور معترض کی پہچان کے سوا تحویل قبلہ میں یہ حکمت بھی ہوسکتی ہے کہ اس سے اس امر کا اعلان مقصود ہے کہ اب سیادت اور نبوت بنی اسرائیل سے منتقل ہو کر اولادِ اسمٰعیل میں آگئی اسی لیے کعبہ کو قبلہ بنا دیا گیا۔

۱۶۵ بعض صحابہ کو یہ خیال گزرا کہ جو مسلمان بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھتے رہے اور تحویل قبلہ سے پہلے انتقال کر گئے اُن کی نمازیں تو ضائع ہوگئیں۔ اُن کی تسکین کے لیے فرمایا کہ اُن کی نمازیں ضائع نہیں ہوئیں۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی بیت المقدس کی طرف مُنہ کر کے نمازیں ادا کرتے رہے اس لیے ضائع ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۱۶۶ کعبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جدّ امجد حضرت خلیل کا قبلہ تھا۔ نیز اہل عرب کو اسلام کی طرف مائل کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ تھا۔ یہ اور ان کے علاوہ کئی دیگر وجوہات بھی تھیں جنھیں نگاہِ نبوت دیکھ رہی تھی، جن کے باعث حضور کی دلی تمنا تھی کہ کعبہ کو قبلہ بنایا جائے۔ اور چشم اُمید درِ رحمت کی طرف بار بار اُٹھتی رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کی یہ ادا اتنی پیاری اور اس کی خوشنودی خاطر اتنی مطلوب تھی کہ اسی آیت میں اعلان فرما دیا کہ اے محبوب! جو قبلہ تمھیں پسند وہی ہمیں پسند اور تیری خوشی کے لیے ہم کعبہ کو قبلہ مقرر فرماتے ہیں۔ قد نری تقلب وجھک (بصیغہ مضارع) فرمایا قد اینا (ماضی) نہیں فرمایا۔ جیسے ظاہر حال کا تقاضا ہے اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تیرے رُخ انور کا بار بار آسمان

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ

توہم ضرور پھیر دیں گے آپ کو اُس قبلہ کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں (لو) اب پھیر لو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف ۱۶۷

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

(اے مسلمانو!) جہاں کہیں تم ہو پھیر لیا کرو اپنے مُنہ اس کی طرف اور بے شک وُہ جنھیں کتاب

الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

دی گئی ۱۶۸ ضرور جانتے ہیں کہ یہ حکم برحق ہے ان کے رب کی طرف سے اور نہیں اللہ تعالیٰ بے خبر ان کاموں سے جو وُہ کرتے ہیں

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا

اور اگر آپ لے آئیں اہل کتاب کے پاس ہر ایک دلیل (پھر بھی) نہیں پیروی کریں گے آپ کے قبلہ کی اور نہ

اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ

آپ پیروی کرنے والے ہیں اُن کے قبلہ کی اور نہ وُہ ایک دُوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں اور اگر (بالفرض محال)

کی طرف اُٹھنا ایسی چیز نہیں جسے قصّہ ماضی بنا کر بیان کیا جائے۔ بلکہ چشمِ قدرت اس منظرِ رُوح پرور کا اب بھی یُونہی مشاہدہ فرما رہی ہے۔ فرمایا ہم دیکھ رہے ہیں تیرا بار بار آسمان کی طرف اپنے رُخِ جہاں افروز کا اُٹھانا۔ کیا شانِ محبُوبیّت ہے۔ سُبحان اللہ!

۱۶۷ جب یہ آیت نازل ہُوئی تو حضُور اپنے صحابہ کرام کے ساتھ مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز باجماعت پڑھ رہے تھے۔ دو رکعتیں ادا فرما چکے تھے کہ یہ آیت نازل ہُوئی۔ اُسی وقت حضُور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے بیت المقدس سے مُنہ موڑ کر کعبہ کی طرف کر لیا۔ صحابہ کرام نے بھی اپنے رُخ کعبہ کی طرف پھیر لیے۔ مدینہ کی دُوسری مسجدوں میں بھی جہاں جہاں جماعت ہو رہی تھی جب یہ حکم پہنچا تو اُسی لمحہ تمام صحابہ کرام نے اپنے رُخ پھیر لیے اور دُنیا کو تسلیم و رضا کا ایک بے مثال نمونہ دِکھایا۔ صحابہ کرام کی محیّر العقول ترقی کا راز اپنے نبی اور اپنے قائد کی اسی بے چُون و چرا اطاعت میں مضمر تھا۔

۱۶۸ اللہ تعالیٰ اپنے رسُول کو تسلّی دیتے ہیں کہ آپ یہُود کے اعتراضات سے پریشان نہ ہوں۔ ان کی کتاب میں تحویلِ قبلہ کا ذِکر موجُود ہے۔ انھیں خُوب معلوم ہے کہ یہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اب محض تعصّب اور ہٹ دھرمی کر رہے ہیں۔ اِس لیے ان کے سامنے جتنے دلائل پیش کیے جائیں اُنھیں ہدایت نہ ہو گی۔

اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ

آپ پیروی کریں ۱۶۹ ان کی خواہشوں کی اس کے بعد کہ آچکا آپ کے پاس علم تو یقیناً آپ اس وقت

الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ

ظالموں ہیں (شمار) ہوں گے جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وُہ پہچانتے ہیں انھیں جیسے وُہ پہچانتے ہیں

اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

اپنے بیٹوں کو ۱۷۰ اور بے شک ایک گروہ ان میں سے چھپاتا ہے حق کو جان بوجھ کر

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۴۷﴾ وَ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ

یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے تو ہرگز نہ بن جانا شک کرنے والوں سے اور ہر قوم کے لیے ۱۷۱ ایک سمت (مقرر) ہے

وقف لازم — وقف منزل — ع ۱۷

۱۶۹ے اس آیت میں بظاہر خطاب حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو ہے لیکن مُراد اُمّت ہے۔ کیونکہ اُمّت سے تو اپنے نفس کی خواہشات کی تابعداری ممکن ہے لیکن نبی کی ذات جو صغائر سے بھی معصوم ہوتی ہے اس سے تو ناممکن ہے کہ ایسا جرم سرزد ہو مضمون کی اہمیّت کے باعث حضورؐ کی طرف نسبت کی گئی۔ فهو محمول علی ارادة امته لعصمة النّبی صلی اللّٰه علیه وسلّم وخوطب علیه السّلام تعظیما للامر (قرطبی)

۱۷۰ے یعنی اہلِ کتاب اپنے بیٹوں کی طرح حضور نبیؐ کریم کو خوب پہچانتے ہیں۔ اُن کی آسمانی کتابوں میں حضورؐ کا حُلیہ، اوصاف اور معجزات یوں صاف صاف لکھے ہیں کہ شک کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

۱۷۱ے تحویلِ کعبہ کے بعد یہود اور منافقین نے اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کر دی اور سادہ لوح مسلمانوں کو طرح طرح کے مکر و فریب سے اسلام سے برگشتہ کرنا اپنا مشغلہ بنا لیا۔ قرآن نے ان کے سب شور و شغب کا ایک ہی مسکت جواب دیا۔ کہ اس میں اعتراض کی کیا بات ہے مسلمانوں سے پہلے جتنی اُمتیں گزری ہیں سب کے لیے ایک ایک سمت عبادت کرنے کے لیے مقرر کر دی گئی۔ اگر پیغمبر اسلام نے اپنے رب کے حکم کے مطابق کعبہ کو اپنی اُمّت کا قبلہ مقرر فرما دیا تو اس میں کیا انوکھی بات ہے کہ تم یوں سیخ پا ہو گئے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کعبہ جسے ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السّلام کے مقدّس ہاتھوں نے تعمیر کیا ملّتِ ابراہیمیؑ کے علمبردار اور نسلِ اسمٰعیلؑ کے نبیؐ کا قبلہ بنایا جاتے۔

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ط اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ

وُہ اُسی کی طرف منہ کرتی ہے پس آگے بڑھ جاؤ ۱۷۲؎ دُوسروں سے نیکیوں میں تم کہیں ہو لے آئے گا اللہ تعالیٰ

جَمِيْعًا ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ

تم سب کو یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور جہاں سے بھی آپ (باہر) نکلیں

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ط

تو موڑ لیا کریں (نماز کے وقت) اپنا رُخ مسجد حرام کی طرف اور بے شک یہی حق ہے آپ کے رب کی طرف سے

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ

اور نہیں اللہ تعالیٰ بے خبر جو کچھ تم کرتے ہو اور جہاں سے آپ (باہر) نکلیں تو موڑ لیا کریں

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ

اپنا رُخ (نماز کے وقت) مسجد حرام کی طرف اور (اے مسلمانو!) جہاں کہیں تم ہو تو پھیر لیا کرو اپنے مُنہ

شَطْرَهٗ لا لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ق اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ق

اس کی طرف تاکہ نہ رہے لوگوں کو تم پر اعتراض (کی گنجائش) ۱۷۳؎ بجز اُن لوگوں کے جو ناانصافی کریں ان سے

۱۷۲؎ یہ معمولی سی بات جسے تم یُوں اُچھال رہے ہو موضُوعِ سخن بنانے کے لائق نہیں۔ بات تو یہ ہے کہ وُہ خیرات یعنی ازلی ابدی نیکیاں جن پر سب ادیان متفق ہیں ان کو عملی جامہ پہنانے میں ایک دُوسرے سے سبقت لے جانے کا جذبہ پیدا کرو۔ لیکن یہ کام تو مشکل ہے۔ اِس میں نفس کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اپنی خواہشات کا خُون کرنا پڑتا ہے اور وُہ تمھارے بس کا روگ نہیں۔ اِس لیے تم ان حقیقی اُمُور سے رُوگردانی کیے ہُوئے ہو۔ اور فروعی اور غیر اہم چیزوں کو یُوں اہمیّت دے رہے ہو گویا دین کا اصل الاصول بس یہی ایک چیز ہے۔

۱۷۳؎ بتا دیا کہ سفر ہو یا حضر، دُور ہو یا نزدیک حالتِ نماز میں تمھارا رُخ کعبہ کی طرف ہی ہونا چاہیئے ورنہ اہلِ کتاب اور مُشرکین تم پر اعتراض کریں گے اور وُہ اِعتراض بجا ہوگا۔ کیونکہ اہلِ کتاب نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے کہ نبی آخر الزمان ؑ کا قبلہ کعبہ ہوگا اور تم کعبہ رُخ ہو کر نماز نہیں پڑھو گے تو وُہ یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ یہ وُہ نبی نہیں جس کی بشارت

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۰﴾

سو نہ ڈرو تم اُن سے (بلکہ صرف) مجھ سے ڈرا کرو تاکہ میں پُورا کردوں اپنا انعام تم پر ۱۷۴؎ تاکہ تم راہ راست پر ثابت قدم رہو

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ

جیسا کہ بھیجا ۱۷۵؎ ہم نے تمہارے پاس رسُول تم میں سے پڑھ کر سُناتا ہے تمہیں ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تمہیں

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۱۵۱﴾

اور سکھاتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت اور تعلیم دیتا ہے تمہیں ۱۷۶؎ ایسی باتوں کی جنہیں تم جانتے ہی نہیں تھے

ہماری کتابوں میں دی گئی ہے۔ اور مُشرک کہیں گے کہ دعویٰ تو کرتے ہیں مِلّتِ ابراہیمی ہونے کا اور ان کے قبلہ کو قبلہ بھی نہیں سمجھتے۔ اور بعض ناحق شناس جواب بھی غوغا آرائی کر رہے ہیں وُہ اِلتفات کے لائق ہی نہیں۔

۱۷۴؎ کعبہ کا قبلہ متعیّن کیا جانا خود بہت بڑی نعمت ہے۔ کیونکہ اس طرح مِلّتِ اسلامیہ کو ایک مخصُوص اور محسُوس مرکز عطا فرما دیا گیا جو اُن کی توجّہات اور عبادات کا مرجع ہو۔ تاکہ رنگ و زبان، قومیّت اور وطن کے سب اختلافات کے باوجود اسے دیکھنے والے یقین کرلیں کہ یہ ایک قوم ہے، اس کا مرکزِ توجّہات ایک ہے، اس کا مقصدِ حیات ایک ہے نیز تحویلِ قبلہ میں اِس بات کی طرف بھی صاف اِشارہ ہے کہ اَب دُنیا کی قیادت بنی اسرائیل سے منتقل ہو کر اسمٰعیل علیہ السّلام کی اولاد میں آگئی ہے۔ یہ سرفرازی اور یہ شرف بذاتِ خُود ایک نعمتِ عظمےٰ ہے۔

۱۷۵؎ تعمیرِ کعبہ کے وقت جو دُعا حضرات ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السّلام نے کی کہ ان میں ان صفات والا رسُول مبعُوث فرمایا جائے اَب بتایا جا رہا ہے کہ وُہ دُعا مقبُول ہُوئی۔ اور وُہ رسُولِ کریم ان تمام صفات سے متّصف ہو کر تشریف فرما ہو گیا۔

۱۷۶؎ اِمامِ وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیرِ مظہری میں تحریر فرماتے ہیں:۔ تکرار الفعل یدل علی ان ھذا التعلیم من جنس آخر ولعل المراد بہ العلم اللدنی الماخوذ من بطون القرآن و من مشکاۃ صدر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذی لا سبیل الی درکہ الا الانعکاس۔ ترجمہ: یعلم کا فعل دوبارہ ذِکر کیا جو اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ تعلیم پہلی تعلیم کتاب و حکمت سے الگ نوعیّت کی ہے اور شاید اس سے مُراد علمِ لدُنّی ہے جو قرآن کے باطن اور نبی مکرّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے منوّر و روشن سینہ سے حاصل ہوتا ہے اور اِس کے حصُول کا ذریعہ یہ مروّجہ تعلیم و تعلّم نہیں بلکہ انعکاس ہے یعنی آفتابِ قرآن کی کرنیں اور ماہتابِ نبوّت کی شعاعیں دِل کے آئینہ پر منعکس ہوتی ہیں (اس عارفِ ربّانی نے اس مسئلہ کو بڑی شرح و بسط سے بیان کیا ہے چاہیئے کہ ملاحظہ کیا جائے) اور اولیائے کاملین جو انوارِ نبوّت کے صحیح وارث ہوتے ہیں وُہ بھی اپنے مُریدانِ باصفا پر اسی قسم کے علوم و معارف کا القا اور فیضان فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم مسکینوں

فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِیْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ۠ (۱۵۲) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ

سو تم مجھے یاد کیا کرو ۱۷۷؎ میں تمھیں یاد کیا کروں گا اور شکر ادا کیا کرو میرا اور میری ناشکری نہ کیا کرو ۱۷۸؎ اے ایمان والو!

اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (۱۵۳)

مدد طلب کیا کرو صبر ۱۷۹؎ اور نماز (کے ذریعہ) سے بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۱۸۰؎

پر بھی اپنے محبوب مکرّم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے طفیل یہ انعام فرمادے آمین ثم آمین!

۱۷۷؎ یہاں بھی عارف باللہ قاضی ثناء اللہ کے الفاظ ہی قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ ولما کان طریق تحصیل تلك المعارف منحصرا فی الالقاء والانعکاس وکان کثرة الذکر والمراقبة یفید للقلب والنفس صلاحیة الانعکاس من مشکاة صدر النبی صلی الله علیه وسلّم بلا واسطة او بوسائط عقب الله سبحانه بقوله فاذکرونی

ترجمہ: جب ان معارف کے حاصل ہونے کا طریقہ صرف القاء اور انعکاس ہے اور ذکر الٰہی اور مراقبہ سے ہی دل میں یہ استعداد پیدا ہوتی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے پُرنور سینہ سے بلا واسطہ یا بالواسطہ فیضان والقار قبول کرسکے اس لیے حکم دیا کہ میرا ذکر کیا کرو۔ کثرتِ ذکر سے ہی تم اس مقام پر فائز کیے جاؤ گے۔ جہاں انوار وتجلّیات کی بے محابا بارش ہوتی ہے اور دُوری کے حجاب یکسر اُلٹ دیئے جاتے ہیں۔

تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی بندہ کی کوئی عزّت افزائی ہوسکتی ہے کہ اس کا مالک وخالق اس کو اپنی یاد سے سرفراز فرمادے۔ ایک حدیث قدسی بھی ملاحظہ ہو تاکہ اپنے رب کریم کی بندہ نوازی کا آپ کو اندازہ ہوسکے۔

انا عند ظن عبدی بی وانا معه اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی وان ذکرنی فی ملإ ذکرته فی ملأ خیر منهم وان تقرب الی شبرا تقربت الیه ذراعا وان تقرب الی ذراعا تقربت الیه باعا وان اتانی یمشی اتیته هرولة (متفق علیه)

ترجمہ: میرا بندہ جیسے مجھ سے گمان رکھتا ہے ویسا ہی میں اس کے ساتھ برتاؤ کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے دل میں یاد کرے میں بھی اسے ایسے ہی یاد کرتا ہوں اور اگر مجمع عام میں یاد کرے تو میں اس سے بہتر مجمع میں اسے یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت میرے نزدیک ہو تو میں ایک ہاتھ اس کے نزدیک ہوجاتا ہوں۔ اگر وہ ایک ہاتھ میرے نزدیک ہو تو میں ایک قدم اُس کے قریب ہوجاتا ہوں۔ اگر وہ چل کر میری طرف آئے تو میں دوڑ کر اس کی طرف جاتا ہوں۔ (بخاری مسلم)

۱۷۸؎ جو انعام میں نے تم پر فرمائے۔ مثلاً رسول بھیجے، ہدایت کی توفیق بخشی، شوق ومحبت کا جذبہ عطا فرمایا اس پر شکر ادا کرو۔ نعمتوں کا انکار، رسول کی نافرمانی اور غفلت میں وقت ضائع کرکے ناشکری نہ کرو۔

۱۷۹؎ دنیا کی امامت کا جو شرف تمھیں بخشا گیا ہے اُس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا طریقہ بتایا جارہا ہے کہ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو۔ مشکلات سے گھبراؤ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت پر بھروسہ کرکے قدم بڑھاتے چلو

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ

اور نہ کہا کرو اُنھیں جو قتل کیے جاتے ہیں ۱۸۱؎ اللہ کی راہ میں کہ وُہ مُردہ ہیں بلکہ وُہ زندہ ہیں

اور نماز سے اپنی بندگی کے تعلق کو پختہ بناتے رہو یقیناً کامیابی تمھارے قدم چُومے گی (اس کی وضاحت پہلے بھی گزر چکی ہے)

۱۸۰؎ یہاں معیّت سے خصوصی معیّت مُراد ہے یعنی تائید اور نصرت کی معیّت۔ اور صاحب تفسیر مظہری لکھتے ہیں۔ قلت بل معیۃ غیر متکیفۃ یتضح علی العارفین۔ یعنی اس سنگت سے وُہ خاص سنگت مُراد ہے جس کی کیفیت بیان نہیں ہوسکتی۔ صرف عارف ہی اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

۱۸۱؎ جب میدانِ بدر میں کئی مُسلمان شہید ہُوئے تو لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ فلاں مرگیا وُہ اپنی زندگی کی لذّتوں سے محرُوم ہوگیا۔ غیرتِ الٰہی اس کو برداشت نہ کرسکی کہ جن لوگوں نے اس کے دین کی سربلندی کے لیے اپنی جانیں قُربان کیں اُنھیں مُردہ کہا جائے۔ اس لیے یہ آیت نازل فرما کر اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کو مُردہ کہنے سے سختی سے روک دیا۔ بلکہ بتایا کہ وُہ زندہ ہیں۔ شہداء کی زندگی کس قسم کی ہے؟ اس پر گفتگو کرتے ہُوئے صاحب رُوح المعانی تصریح کرتے ہیں:۔ فذهب كثير من السلف الى انها حقيقية بالروح والجسد وذهب البعض الى انها روحانية والمشهور ترجيح الاول۔

ترجمہ:۔ یعنی سلف صالحین کی اکثریّت کا یہی مذہب ہے کہ شہداء کی زندگی رُوحانی اور جسمانی دونوں طرح کی زندگی ہے۔ اور بعض کا خیال ہے کہ صرف رُوحانی زندگی ہوتی ہے۔ لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے۔ اور صاحب تفسیر مظہری بیان فرماتے ہیں یعنی ان الله تعالیٰ يعطى لارواحهم قوة الاجساد فيذهبون من الارض والسماء والجنة حيث يشاؤن وينصرون اولياءهم ويدمرون اعداءهم ان شاء الله تعالیٰ۔

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ ان کے رُوحوں کو جسموں کی قوّت دیتا ہے۔ وُہ زمین، آسمان اور جنّت میں جہاں چاہیں جاتے ہیں اور وُہ (شہداء) اپنے دوستوں کی امداد کرتے ہیں اور اپنے دُشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ اِنشاء اللہ تعالیٰ۔

جب شہداء کی زندگی کا یہ حال ہے تو انبیاء اور صدیقین اُمّت جو شہیدوں سے مرتبہ وشان میں بالاتفاق اعلیٰ اور برتر ہیں اُن کی زندگی میں کیوں کر شبہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی زندگی کی وجہ سے ان کے جسمِ خاکی بھی صحیح وسلامت رہتے ہیں چنانچہ امام مالکؒ نے روایت فرمایا ہے کہ جنگِ اُحد کے چھیالیس سال بعد حضرت عمرو بن جموح اور حضرت عبداللہ بن جبیر کی قبر (دونوں ایک ہی قبر میں مدفون تھے) سیلاب کی وجہ سے جب کھُل گئی تو ان کے اجساد طاہرہ یُوں تروتازہ اور شگفتہ وشاداب پائے گئے جیسے اُنھیں کل ہی دفن کیا گیا ہو۔ (موطا) اس بیسویں صدی کا واقعہ ہے کہ جب دریائے دجلہ حضرت عبداللہؓ بن جابر اور دیگر شہداء کی قبروں کے بالکل نزدیک پہنچ گیا تو حکومت عراق نے ان شہداء کرام کی نعشوں کو حضرت سلمانؓ فارسی کے مزار پُرانوار کے جوار میں منتقل کرنا چاہا تو ان حضرات کی قبریں کھودی گئیں تیرہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی ان کے پاک جسم صحیح وسلامت پائے گئے۔ ہزارہا

وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ

لیکن تم (اسے) سمجھ نہیں سکتے ۱۸۲ اور ہم ضرور آزمائیں گے تمھیں کسی ایک چیز کے ساتھ یعنی خوف ۱۸۳

وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَ

اور بھوک اور کمی کرنے سے (تمھارے) مالوں اور جانوں اور پھلوں میں اور

بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا

خوشخبری سنایئے ان صبر کرنے والوں کو جو کہ جب پہنچتی ہے انھیں کوئی مصیبت تو کہتے ہیں بے شک ہم

لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ

صرف اللہ ہی کے ہیں اور یقیناً ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں یہی وہ (خوش نصیب) ہیں جن پر ان کے رب کی طرح طرح کی نوازشیں

مخلوق نے اسلام کا یہ معجزہ اور قرآن کی اس آیت کی صداقت کا اپنی ان آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ ومن اصدق من اللہ قیلا۔

۱۸۲ یعنی اس زندگی کی ماہیت و حقیقت تم اپنے عقل و حواس سے نہیں سمجھ سکتے۔ اگر تمھاری عقل نہ سمجھ سکے تو تم انکار کی جرأت نہ کرنا۔

۱۸۳ جب تک انسان اس دنیا میں ہے رنج و غم اور مصیبت و الم سے اسے کم و بیش دوچار ہونا ہی پڑتا ہے۔ قرآن نے اپنے ماننے والوں کو اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونے دیا کہ اسلام کے دامن میں پناہ لینے سے وہ اب ہر طرح کی مصیبتوں اور تکلیفوں سے بچ گئے۔ البتہ قرآن نے مسلمانوں کو صبر کی ایک ڈھال دے دی جس سے وہ مصائب و حوادثات کے بے رحم حملوں سے اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں۔ انھیں ایک ایسا عقیدہ دے دیا جو ان کے سکون و قرار کو نازک ترین لمحوں میں بھی سلامت رکھ سکتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ جس کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ گیا اس میں مقابلہ کی ہمت ختم ہو جاتی ہے اور مصیبتیں اسے خس و خاشاک کی طرح بہالے جاتی ہیں لیکن اگر اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے مصائب کے سامنے ڈٹا رہے تو یہ کالے بادل خود بخود چھٹ جاتے ہیں۔ نیز جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ میں بھی اور میرا سب کچھ میرا اپنا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہے وہ کسی کے مرنے یا کھیتی باڑی اور کاروبار میں نقصان واقع ہونے سے اتنا دلگیر ہی کیوں ہوگا کہ اس کا حوصلہ ہی ٹوٹ جائے بلکہ وہ نئی جد و جہد کے لیے اپنے آپ کو تازہ دم پائے گا۔ اسی لیے قرآن نے رنجدہ واقعات کی طویل فہرست ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ وہ گُر بھی بتا دیا جس پر عمل کر کے وہ ان نازک مرحلوں میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

وَرَحْمَةٌ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ

اور رحمت ہے ۱۸۴ اور یہی لوگ سیدھی راہ پر ثابت قدم ہیں بے شک صفا اور مروہ ۱۸۵

مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ

اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں پس جو حج کرے اس گھر کا یا عمرہ کرے تو کچھ حرج نہیں

عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ

اسے کہ چکّر لگائے ان دونوں کے درمیان اور جو کوئی خوشی سے نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ بڑا

شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ

قدر دان خوب جاننے والا ہے بے شک جو لوگ ۱۸۶ چھپاتے ہیں ان چیزوں کو جو ہم نے نازل کیں روشن دلیلوں

وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ

اور ہدایت سے اس کے بعد بھی کہ ہم نے کھول کر بیان کر دیا انھیں لوگوں کے واسطے (اپنی) کتاب میں یہی وہ لوگ ہیں

۱۸۴ اللہ تعالیٰ ان باہمّت اور عالی حوصلہ لوگوں کو یہ خوشخبری دیتا ہے کہ ان پر ان کے پروردگار کی طرح طرح کی برکتیں اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور سیدھی راہ پر ثابت قدمی سے چلنے کی توفیق مرحمت کی جاتی ہے۔

۱۸۵ شعائر جمع ہے شعیرۃ کی اس کا معنی علامت ہے۔ احناف کے نزدیک صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا حج و عمرہ میں واجب ہے اور اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں صفا پر اساف اور مروہ پر نائلہ کے بُت نصب تھے۔ اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو اس جگہ سعی کرنا ناگوار گزرا جہاں پہلے بُت رکھے ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمھیں تو حضرت ہاجرہ کی پیروی میں دوڑنا ہے۔ تمھیں مناسب نہیں کہ تم بتوں کی وجہ سے اسمٰعیل علیہ السّلام کی والدہ مکرمہ کی سُنّت کو ترک کر دو۔ مسلمانوں کے دل میں جو نفرت تھی اس کو اس حکیمانہ انداز سے دُور فرما دیا یعنی کوئی حرج نہیں بےشک صفا و مروہ میں دوڑ لگا لیا کرو۔ اور اس کا واجب ہونا حدیث پاک سے ثابت ہوا۔

۱۸۶ اس آیت میں بنی اسرائیل کے ان عُلماء سُوء کا ذکر ہے جو اپنے دُنیاوی فائدہ کے لیے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے کمالات کو چھپاتے اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کو اپنی منشاء اور خواہش کے مطابق توڑ موڑ دیا کرتے۔ اب بھی کوئی عالم اگر حضُور کے کمالات کے اظہار میں بخل کرے اور احکامِ شریعت میں تحریف کرے تو اس کا یہی حکم ہے۔

يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا

کہ دُور کرتا ہے انھیں اللہ تعالیٰ (اپنی رحمت سے) اور لعنت کرتے ہیں انھیں لعنت کرنے والے البتہ جو لوگ توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں

وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ

اور ظاہر کردیں (جو اب تک چھپاتے رہے) تو ایسے لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہوں بیشک

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور مرے اس حال پر کہ وُہ کافر تھے یہی وُہ لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اللہ کی

وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ

اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی ہمیشہ رہیں گے اس میں نہ ہلکا کیا جائے گا

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

ان سے عذاب اور نہ انھیں مُہلت دی جائے گی اور تمھارا خدا ایک خدا ہے ۱۸۷

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ ع اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

نہیں کوئی خدا بجز اس کے بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے بے شک ۱۸۸ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں

۱۸۷ یہ آیت قرآنِ حکیم کی عظیم ترین آیتوں میں سے ہے۔ اس کے پہلے ٹکڑے میں توحید کا ثبوت، دُوسرے میں شرک کی نفی اور تیسرے میں دونوں کی دلیل ہے۔ یعنی جب اسی کی وسیع رحمت پر تمھارے وجُود، تمھاری بقا اور نشو ونما اور تمھارے آرام و راحت کا دار و مدار ہے تو اس کے علاوہ اور کون ہے جو اِلٰہ یا معبُود بننے کا حقدار ہو۔

۱۸۸ اس آیت میں توحید کے دلائل شرح و بسط سے بیان کیے گئے ہیں۔ اس اہم ترین اور مشکل ترین مسئلہ کے اثبات کے لیے قرآن کا طرزِ استدلال فلسفیوں کے طرزِ استدلال سے بالکل الگ ہے۔ قرآن فکر و نظر کے گھڑے ہُوئے دلائل پیش نہیں کرتا جو پیچیدہ اِصطلاحات سے بوجھل ہوں۔ جن کو سمجھنے کے لیے خاص ذہنی اور علمی اِستعداد کی ضرورت ہو اور سمجھ آبھی جائیں تو ان میں وُہ زور نہیں ہوتا کہ وُہ اِنسان کو شک اور گمان کی دلدل سے باہر کھینچ لیں اور یقین کی منزل تک پہنچادیں۔ اس کے برعکس قرآنِ کریم دلائل کو نیہ پیش کرتا ہے جو کائنات کے کھُلے صفحات پر جلی قلم سے لکھے ہُوئے ہیں جو روشن اور واضح اِتنے ہیں کہ ہر شخص

وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ

اور رات اور دن کی گردش میں اور جہازوں میں جو چلتے ہیں سمندر میں وُہ چیزیں

بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ

اُٹھائے جو نفع پہنچاتی ہیں لوگوں کو اور جو اُتارا اللہ تعالیٰ نے بادلوں سے پانی

فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪

پھر زندہ کیا اس کے ساتھ زمین کو اس کے مُردہ ہونے کے بعد اور پھیلا دیئے اس میں ہر قسم کے جانور

وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

اور ہواؤں کے بدلتے رہنے میں اور بادل میں جو حکم کا پابند ہو کر آسمان اور زمین کے درمیان (لٹکتا رہتا) ہے

انھیں اپنی قابلیت کے مطابق سمجھ سکتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ گہرے اور پیچیدہ اِتنے کہ ماہر غوطہ زن بھی ان کی تہ تک پہنچنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ عقلِ گرہ کشا جتنی گرہیں کھولتی جاتی ہے اس سے زیادہ عقدہ ہائے لاینحل اس کو چیلنج کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے نمودار ہوتے رہتے ہیں۔ ان دلائل میں جو شخص سنجیدگی سے غور کرے گا وُہ یقین و تصدیق کی دولت سے مالا مال ہوگا۔ یہی ہے قرآن کے طرزِ استدلال کا طرّۂ امتیاز اور وجہِ اعجاز! اب آپ اس آیت کا بغور مطالعہ فرمائیں۔ آسمان کی نیلی وسیع چھت اس میں لٹکے ہوئے اَن گنت ستارے، چاند اور سُورج، پھر ان کا مقرّرہ وقت پر طلوع و غروب جن میں ایک سیکنڈ کے برابر بھی کبھی فرق نہیں ہوتا، اُن کی گردش کے متعیّن راستے جن سے سرِ مُو کبھی انحراف نہیں ہوا۔ زمین کا یہ کشادہ صحن، اس میں رواں دواں ندّیاں اور دریا، رات دن کی پیہم گردش، ان کا گھٹنا بڑھنا، بیکراں سمندروں کے سینوں پر مسافروں سے لدی اور سامان سے بھری ہوئی کشتیوں اور جہازوں کا خراماں خراماں آنا جانا، گھنگھور گھٹائیں اور ان کا مُوسلا دھار برسنا، پھر مُردہ زمین کا دیکھتے دیکھتے سرسبز و شاداب ہو جانا، کرّہ ہوا میں بادلوں کا منڈلاتے پھرنا، کبھی برسنا اور کبھی ترساتے ترساتے آنِ واحد میں ناپید ہو جانا ایسی چیزیں نہیں جنہیں عالم تو جانتے ہوں اور بے علم نہ جانتے ہوں، جنہیں دانشمند سمجھ سکتے ہوں اور کم عقل کی سمجھ سے بالاتر ہوں بلکہ کائنات کی کتاب کا ہر ورق ہر کہ ومہ کے لیے یکساں طور پر روشنی کا مینار ہے۔ اور اس کے باوجود لطف یہ ہے کہ اتنا واضح ہونے کے باوجود اتنا سطحی بھی نہیں کہ اہلِ فکر و دانش کے لیے اس میں دلچسپی کا کوئی سامان نہ ہو بلکہ انھیں دعوت ہے کہ اپنے نشترِ تحقیق سے ذرّے ذرّے کا دل چیریں اور دیکھیں کہ ان میں اسرار و رموز اور قوّت و طاقت کے وُہ سمندر موجزن ہیں جن کا انھیں تصوّر تک نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر لمحہ مشاہدہ میں آنے والی چیزوں کا ذکر فرمانے کے بعد قرآن نے بارہا افلا تتفکرون افلا تتدبرون

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ

ان سب میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں اور کچھ لوگ وُہ ہیں ۱۸۹ جو بناتے ہیں اوروں کو

اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا

اللہ کا مدِّمقابل محبت کرتے ہیں ان سے جیسے اللہ سے محبت کرنا چاہیئے اور جو ایمان لائے ہیں وُہ سب سے زیادہ محبت کرتے

لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ

ہیں اللہ سے ۱۹۰ اور کاش! (اب) جان لیتے جنھوں نے ظلم کیا (جو وُہ اس وقت جانیں گے) جب (آنکھوں سے) دیکھ لیں گے عذاب

لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ

کہ ساری قوتوں کا مالک اللہ ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے (خیال کرو) جب بیزار ہو جائیں گے وُہ

کے جُملے کہے کیا تم غور نہیں کرتے؟ کیا تم تدبر نہیں کرتے؟ اور ان چُبھتے ہُوئے فقروں سے دانش وخرد کو للکارا ہے کاش یہ الفاظ اِس اُمّت کے نوجوانوں کی خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کر دیں جن کی آسمانی کتاب نے اُنھیں واضح طور پر بتا دیا تھا۔ ھوالذی خلق لکم مافی الارض جمیعا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کی ہر چیز صرف تمھارے لیے پیدا کی ہے۔

اِن روزمرّہ دکھائی دینے والی چیزوں میں اگر آپ غور کریں گے تو آپ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ تنوّع میں یکسانیت، اختلاف میں توافق، کثرت میں وحدت اور یہ بے مثال نظم وضبط بغیر کسی علیم حکیم اور قدرت والے خالق کے ظہور پذیر نہیں ہو سکتا لیکن یہ روشن دلیلیں صرف ان کو فائدہ دیتی ہیں جن کی عقل کی آنکھ بینا ہے اور جو اس سے کام لینا پسند کرتے ہیں۔

۱۸۹ اس کے بعد ان نادانوں کا ذکر ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے اور ان واضح دلائل پر غور نہیں کرتے اور اپنے رب کو چھوڑ کر اپنے بُتوں یا جھوٹے سرداروں کی محبّت کا دم بھرتے ہیں۔

۱۹۰ یہ الفاظ غور طلب ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ وُہ صرف اللہ تعالیٰ سے محبّت کرتے ہیں اور کسی سے محبّت نہیں کرتے بلکہ فرمایا وُہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ محبّت کرتے ہیں یعنی عزیز واقارب، فرزند وزن، مال وجاہ سے ان کو محبّت ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے جو اُن کو محبّت ہے وُہ سب محبّتوں سے بڑھ کر ہے اور اس کا پتہ اُس وقت چلتا ہے جب یہ محبّتیں کچھ کہتی ہوں اور اللہ تعالیٰ کی محبّت کچھ کہتی ہو۔ تو اُس وقت اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے حُکم کے سامنے گردن خم کر دی تو وُہ سچّا ورنہ جھوٹا۔ صوفیاء کرام نے "انداد" کی تفسیر یہ فرمائی ہے۔ کل ما کان مشغلا عن اللہ مانعا من امتثال امرہ۔ ہر وُہ چیز جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دے اور اس کے احکام کی تعمیل سے

اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ

جن کی تابعداری کی گئی ان سے جو تابعداری کرتے رہے اور دیکھ لیں گے عذاب کو اور ٹوٹ جائیں گے ان کے

الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ

تعلقات اور کہیں گے تابعداری کرنے والے کاش! ہمیں لوٹ کر جانا ہوتا (دنیا میں) تو ہم بھی بیزار ہو جاتے

مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ

ان سے جیسے وہ (آج) بیزار ہو گئے ہیں ہم سے یونہی دکھائے گا انھیں اللہ تعالیٰ ان کے (بُرے) اعمال کہ باعث پشیمانی

عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا

ہوں گے ان کے لیے اور وہ (کسی صورت میں) نہ نکل پائیں گے آگ (کے عذاب) سے اے انسانو! کھاؤ

مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ

اس سے جو زمین میں ہے حلال (اور) پاکیزہ (چیزیں) ۱۹۱؎ اور شیطان کے قدموں پر قدم نہ رکھو

رول دے وہ "انداد" سے ہے۔ خواہ وہ بُت ہوں، گمراہ رئیس ہوں، مال و دولت ہو، فرزند و زن ہوں یا علم و فن ہر چیز جو اللہ تعالیٰ سے دُور کرنے والی ہو وہ "ند" ہے اور پاش پاش کر دینے کے لائق۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم سے ہمیں جو عشق و عقیدت ہے اور اولیاء کرام سے ہمیں جو محبّت ہے وہ صرف اِس لیے ہی تو ہے کہ وہ محبوبانِ خدا ہیں اور محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوا کرتا ہے۔ جو اپنے دِل میں اللہ تعالیٰ کے محبوب رسُول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے لیے محبّت محسوس نہیں کرتا وہ یہ سمجھ لے کہ اُسے اللہ تعالیٰ سے بھی محبت نہیں۔

۱۹۱؎ آج کی ترقی یافتہ دُنیا میں کھانے اور استعمال کی چیزوں میں صفائی کا اہتمام کیا جانے لگا ہے لیکن حلال و حرام کی تمیز اَب بھی نہیں۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو دونوں باتوں کے اہتمام کا حکم دیا۔ یعنی ظاہری طور پر بھی غلیظ اور گندی نہ ہوں تاکہ جسمانی صحت پر بُرا اثر نہ پڑے اور باطنی طور پر بھی نجس اور پلید نہ ہوں تاکہ ضمیرِ انسانی دم نہ توڑ دے۔ ظاہری صفائی کو قرآن نے طیّب کے لفظ سے اور حقیقی پاکیزگی کو حلال کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور حلال اُس چیز کو کہتے ہیں کہ نہ تو ذاتی طور پر حرام ہو۔ جیسے حرام جانور، مُردار، شراب وغیرہ اور نہ ایسے طریقوں سے حاصل کی گئی ہو جن کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے مثلاً چوری، جوا خواہ وہ کلبوں میں ہو۔ رشوت، سُود وغیرہ وغیرہ

إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۶۸﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِالسُّوٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَ

بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تو حکم دیتا ہے تمہیں فقط برائی اور بے حیائی کا اور

أَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۶۹﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا

یہ کہ بہتان باندھو اللہ پر جو تم جانتے ہی نہیں[192]۔ اور جب کہا جاتا ہے[193] ان سے پیروی

مَآ أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ ءَابَآءَنَآ ۗ أَوَلَوْ

کرو اس کی جو نازل فرمایا ہے اللہ نے تو کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم تو اسکی پیروی کرینگے جس پر ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو۔ اگرچہ

كَانَ ءَابَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْـًٔا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿۱۷۰﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ

ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھ سکتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں۔ اور مثال ان کی[194]

اسلامی نظامِ معاشیات کا یہ ایک بنیادی اصول ہے۔ کسبِ معاش کے لیے کھلی چھٹی نہیں بلکہ تمام وہ راستے بند کر دیئے ہیں جن میں کسی کی کمزوری، مجبوری اور ناداری سے ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہو۔ آپ خود سوچیں جب سود، جوا، رشوت اور بلیک مارکیٹنگ وغیرہ کے چور دروازے بند ہو جائیں تو کیا دولت سکڑ کر صرف چند افراد کے ہاتھ میں جمع ہو جائے گی! دولت کی ناجائز تقسیم بلکہ لوٹ کھسوٹ جن معاشی، اخلاقی اور سیاسی خرابیوں کو جنم دیتی ہے وہ اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں۔ کاش ہم اس الٰہی نظام کو خود سمجھتے۔ سنجیدگی سے اس پر عمل کر کے دکھاتے تاکہ دوسری قوموں کو سمجھا سکتے۔

[192] شیطان تمہیں بدکاری اور بدمعاشی کی دعوت دیتا ہے۔ وہ تمہارے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈال کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اکساتا ہے۔ اگر تم اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کرنے کا قصد کرو تو وہ تمہیں معاشی بدحالی اور بین الاقوامی بدنامی کے موہوم خطرات سے ڈراتا ہے۔ ایسے بدخواہ کے چکموں میں آکر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو۔

[193] جو لوگ اللہ تعالیٰ کی واضح آیات چھوڑ کر اپنے گمراہ باپ دادا کی تقلید کرتے ہیں ان پر حسرت و افسوس کا اظہار ہے۔ اور اگر آباؤ اجداد سراپا رشد و ہدایت ہوں تو ان کا اتباع عین مقصود ہے اور انبیاء کی یہی سنت ہے۔ یوسف صدیق علیہ السلام نے مصر کے قید خانہ میں یہی فرمایا تھا۔ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي میں اپنے آباؤ اجداد کے دین کا پیرو ہوں۔

[194]۔ کفار کی مثال ان جانوروں کی سی ہے جنہیں ہانکا جائے تو وہ ہانکنے والے کی آواز تو سنتے ہیں لیکن سمجھتے کچھ نہیں۔

كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ؕ

جنہوں نے کفر (اختیار) کیا۔ ایسی ہے جیسے کوئی چلّا رہا ہو ایسے (جانوروں) کے پیچھے جو نہیں سنتے سوائے خالی پکار اور آواز کے۔

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۷۱﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا

یہ لوگ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ اے ایمان والو! کھاؤ

مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿۱۷۲﴾

پاک چیزیں جو ہم نے تم کو دی ہیں اور شکر ادا کیا کرو اللہ تعالیٰ کا اگر تم صرف اُسی کی عبادت کرتے ہو۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ

اُس نے حرام کیا ہے ۱۹۵ تم پر صرف مُردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور بُلند کیا گیا ہو

بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ؕ

جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام ۱۹۶ لیکن جو مجبور ۱۹۷ ہو جائے درآنحالیکہ وہ نہ سرکش ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر (بقدر ضرورت کھا لینے میں) کوئی گناہ نہیں

۱۹۵ اس میں چار چیزوں کا ذکر ہے جو حرام ہیں (۱) مُردار۔ وہ جانور جسے شرعی طریقہ پر ذبح نہ کیا گیا ہو۔ اس کی کسی چیز کا استعمال درست نہیں۔ اور ابُوبکر الجصاص نے تصریح کی ہے کہ شکاری کُتّوں اور شکاری پرندوں کو کھلانا بھی منع ہے۔ ہاں چمڑا دباغت (رنگنے) کے بعد پاک ہو جاتا ہے۔ (۲) خونِ جاری (۳) خنزیر (۴) مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔

۱۹۶ مَیں نے اسکا ترجمہ کیا ہے" اور وہ جانور جس پر بلند کیا گیا ہو ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام" مَیں نے اس ترجمہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فارسی ترجمہ کا اتباع کیا ہے۔ قرآنِ کریم میں یہ آیت چار بار آئی ہے اور ہر جگہ حضرت شاہ صاحبؒ نے یہی ترجمہ کیا ہے اور مَا اُهِلَّ کے لفظی ترجمہ میں" وقتِ ذبح" کی قید کو ہمیشہ ملحوظ رکھا ہے۔ مثلاً آپ نے اس آیت کا ترجمہ" وآنچہ آواز بلند کردہ شود در ذبح وے بغیرِ خدا" کے الفاظ سے کیا ہے (فتح الرّحمٰن) اور تمام مفسّرین کرام نے اس آیت کا یہی معنی بیان فرمایا ہے۔ مَیں امام ابُوبکر جصاص کی عبارت نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہُوں" وَلَا خِلَافَ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَنَّ الْمُرَادَ بِهِ الذَّبِيْحَةُ اِذَا اُهِلَّ بِهَا لِغَيْرِ اللّٰهِ عِنْدَ الذَّبْحِ" یعنی سب مُسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ اس سے مُراد وہ ذبیحہ ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے (مزید تحقیق کے لیے ملاحظہ ہوں تفاسیر قرطبی، مظہری، بیضاوی، رُوح المعانی ابنِ کثیر وکبیر وغیرہا) بعض لوگ ان چیزوں کو بھی حرام کہہ دیتے ہیں جن پر کسی ولی یا نبی کا نام لے دیا جائے خواہ ذبح کے وقت اللہ کے نام سے ہی ذبح کیا جائے کیونکہ اس طرح مشرکین کے مشرکانہ عمل سے تشبیہ

إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۷۳﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللّٰهُ مِنَ

بے شک اللہ تعالیٰ بہت گناہ بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنیوالا ہے۔ بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں ۱۹۸ اللہ کی نازل کی ہوئی

الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي

کتاب اور خرید لیتے ہیں اس کے بدلے حقیر سا معاوضہ۔ سو وہ نہیں کھا رہے اپنے

بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۚ

پیٹوں میں سوائے آگ کے اور بات تک نہ کریگا ان سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ۱۹۹ اور نہ انکے گناہ بخش کر انہیں

ہو جاتی ہے کیونکہ وہ بھی اپنے بُتوں کے نام لے دیا کرتے تھے۔ لیکن اگر نظرِ انصاف سے دیکھا جائے تو مُسلمانوں کے اس عمل کو مشرکین کے عمل سے ظاہری یا باطنی، صُوری یا معنوی کسی قسم کی بھی مشابہت نہیں۔ کُفّار جب ایسے جانوروں کو ذبح کرتے تھے تو اپنے بُتوں کا نام لے کر ان کے گلے پر چُھری پھیرتے وہ کہتے باسمِ اللّات والعزّیٰ۔ لات اور عزّیٰ کے نام سے ہم ذبح کرتے ہیں۔ اور مُسلمان ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا کسی کا نام لینا گوارا ہی نہیں کرتے۔ اِس لیے ظاہری مشابہت نہ ہوئی۔ نیز کافر ان جانوروں کو ذبح کرتے تو ان بُتوں کی عبادت کی نیّت سے انکی جان تلف کرتے، کسی کو ثواب پہنچانا مقصُود نہ ہوتا۔ اور مُسلمان کسی غیرِ خدا کی عبادت کی نیّت سے یا کسی کی خاطر ان کی جان تلف نہیں کرتے بلکہ ان کی نیّت یہی ہوتی ہے، کہ اِس جانور کو اللہ کے نام سے ذبح کرنے کے بعد یا یہ کھانا پکانے کے بعد فقرا اور عام مُسلمان کھائیں گے۔ اور اس کا جو ثواب ہو گا وہ فلاں صاحب کی رُوح کو پہنچے۔ واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کے عمل اور مُشرکین کے طریقہ میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق ہے۔ ہاں اگر کوئی ذبح کرتے وقت غیرِ خدا کا نام لے یا کسی غیرِ خدا کی عبادت کے لیے کسی جانور کی جان تلف کرے تو اس چیز کے حرام ہونے اور ایسا کرنے والے کے مشرک و مُرتد ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اگر مقصد صرف ایصالِ ثواب ہو جیسے ہر کلمہ گو کا مقصد ہوا کرتا ہے تو اس کو طرح طرح کی تاویلات سے حرام کہنا اور مُسلمانوں پر شرک کا فتویٰ دیتے چلے جانا کسی عالم کو زیب نہیں دیتا۔ مفصّل بحث سُورہ النّحل کی آیت ۱۱۵ کے ضمن میں مُلاحظہ فرمائیں۔

۱۹۷ یعنی اگر کوئی شخص مجبُور ہو جائے اور اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے تو ان حرام چیزوں سے وہ بقدرِ ضرورت استعمال کر سکتا ہے

۱۹۸ یہُود احکامِ الٰہی کو چُھپاتے تھے۔ حضُور کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے محامد و اوصاف جو تورات میں لکھّے تھے ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے اور چند ٹکوں کے لالچ میں اپنی خواہش کے مُطابق شریعت میں ردّ و بدل بھی کر لیتے تھے۔ خود بھی چشمۂ ہدایت سے سیراب نہ ہوتے اور دوسروں کو بھی سیراب نہ ہونے دیتے تھے۔ خود بھی گمراہ رہے اور دوسروں کے لیے بھی ہدایت کے دروازے بند رکھتے۔ یہ جُرم کیونکہ بہت سنگین تھا اس لیے اس کی سزا بھی اتنی سخت رکھی گئی۔ فرمایا کہ یہ لذیذ لقمے جو رشوت لے کر تم اپنے حلق سے نیچے اتار رہے ہو یہ آگ کے نہ بُجھنے والے انگارے ہیں ان کی سوزش کبھی ختم نہ ہو گی۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۴﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ

پاک کریگا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ وہ (بدنصیب) ہیں جنہوں نے خرید لی گمراہی ہدایت کے عوض ،

وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ

اور عذاب کو نجات کے بدلے (تعجب ہے) کس چیز نے اتنا صابر بنا دیا ہے انہیں آگ (کے عذاب) پر۔ یہ سزا اس وجہ سے ہوگی

اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ

کہ اللہ نے تو اُتاری کتاب حق کے ساتھ اور بیشک جو لوگ اختلاف ڈال رہے ہیں کتاب میں

لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿۱۷۶﴾ ع لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ

وہ دُور دراز کے جھگڑوں میں پھنسے ہیں نیکی (بس یہی) نہیں کہ (نمازمیں) تم پھیرلو اپنے رُخ نمبر۲ مشرق کی

۱۹ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ جو رحمٰن و رحیم ہے ایسے لوگوں سے بات تک نہ کرے گا۔ ہر وہ شخص جس نے کبھی اخلاص و محبت کا نام بھی سُنا ہو یہ سرزنش برداشت نہیں کر سکتا۔ مالکِ حقیقی، محبوبِ حقیقی ہمیشہ مہربانی فرمانے والا ہر وقت بے انداز عنایتیں فرمانے والا اپنی نگاہِ رحمت پھیر لے، اپنے کرم کا رُخ موڑ لے، اپنے خطابِ جاں پرور سے محروم کر دے اور پھر دل برداشت کر لے۔ وہ دِل نہ ہوا پتھر ہوا بلکہ پتھر سے بھی سخت تر اور فزوں تر۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب مصطفےٰ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلّم کے طفیل اپنی ادنیٰ سے ادنیٰ ناراضگی سے بھی بچائے۔ آمین ۔ تیسری سزا یہ ہے کہ ان کے چہروں پر کتمانِ حق کی نجاست چسپاں رہنے دی جائے گی آبِ رحمت سے اسے دھویا نہیں جائے گا۔

نمبر۲ ہر دین میں بعض ظاہری اعمال ہوتے ہیں اور بعض حقیقی مقاصد کیونکہ ان ظاہری اعمال سے انسان دین کے حقیقی مقاصد تک آسانی سے پہنچ سکتا ہے اس لیے اِن ظاہری اعمال کی بجا آوری نہایت ضروری ہوتی ہے۔ جب تک قوم دین کا دامن مضبوطی سے تھامے رہتی ہے۔ وہ اِن ظاہری اعمال اور حقیقی مقاصد دونوں کو پیشِ نظر رکھتی ہے اور دونوں کو یکساں اہمیت دیتی ہے لیکن جب دین کا ولولہ سرد پڑ جاتا ہے تو آہستہ آہستہ حقیقی مقاصد آنکھوں سے اوجھل ہونے لگتے ہیں اور قوم صرف ظاہری اعمال کی ادائیگی کو کافی سمجھنے لگتی ہے اور اِن ظاہری اعمال میں حقیقی مقاصد تک پہنچنے کا جذبہ دم توڑ چکا ہوتا ہے۔ اِس لیے وہ اعمال بے جان رُسوم ہو کر رہ جاتے ہیں اور غلط اندیش قوم اِنہیں رُسوم کی بجا آوری کو ہی سب سے بڑی نیکی شمار کرنے لگتی ہے اور حقیقی مقاصد سے یکسر غافل ہو جاتی ہے۔ مثلاً نماز اور روزہ اسلام کی بُنیادی عبادات میں سے ہیں لیکن حضور رحمت للعٰلمین صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے نماز کے متعلق ارشاد فرمایا کہ جو نماز نمازی کو بدکاری سے باز نہ رکھ سکے فَلَمْ تَزِدْهُ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا بُعْدًا (اَوْ کَمَا قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ) وہ نماز اسے خدا سے اور زیادہ دُور کر دیگی۔ روزہ سے متعلق ارشاد ہے مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِہٖ فَلَیْسَ لِلّٰہِ

الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

طرف اور مغرب کی طرف بلکہ ۲۱۱ نیکی (کا کمال) تو یہ ہے کہ کوئی شخص ایمان لائے اللہ پر اور روز

الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ

قیامت پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور سب نبیوں پر اور دے اپنا مال اللہ کی محبت سے

ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ

رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو

وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ

اور (خرچ کرے) غلام آزاد کرنے میں اور صحیح صحیح ادا کیا کرے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور جو پورا کرنیوالے ہیں اپنے وعدوں کو

حاجۃٌ فی ان یّدعَ طعامہٗ وشرابہٗ۔ روزے دار اگر جھوٹ بولنے اور اس پر عمل کرنے سے باز نہ آئے تو اللہ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس آیت کریمہ میں اسی حقیقت کو کھول کر بیان فرمایا گیا ہے تاکہ اُمّتِ مُسلمہ پہلی امتوں کی طرح چند ظاہری اعمال پر ہی قانع نہ ہو جائے اور نیکی اور طاعت کو انہی میں منحصر نہ سمجھ بیٹھے۔ صاحب تفسیر مظہری لکھتے ہیں کہ لیس البر کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مقررہ سمت کی طرف مُنہ کرنا نیکی اور طاعت ہے ہی نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نیکی صرف اسی میں منحصر نہیں یہ بھی نیکی ہے اور اس کے علاوہ اور بھی نیکی اور اطاعت کے کام ہیں جو حقیقی مقاصد ہیں اور تمہاری توجہ کے زیادہ مستحق ہیں ۔

۲۱۱ سابقہ غلط فہمی کو دُور کرنے کے بعد بڑی وضاحت اور خاص ترتیب سے اسلام کے جملہ حقیقی مقاصد بیان فرمائے جا رہے ہیں۔ اسلام کی ساری تعلیم ان چار عنوانوں کے نیچے درج کی جا سکتی ہے۔ ۱۔ عقائد ۲۔ معاملات۔ ۳۔ عبادات۔ ۴۔ اخلاق من آمن سے لیکر والنّبیّین تک عقائد اسلامیہ کا ذکر فرمایا آتی المال سے وفی الرقاب تک معاملات کا بیان ہوا۔ اقام الصّلوٰۃ وآتی الزکوٰۃ سے اسلامی نظامِ عبادات کے دو اہم ترین رکن نماز و زکوٰۃ بتائے گئے۔ اس کے بعد اسلام جس ضابطۂ اخلاق کی پابندی کا اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے اس کی وضاحت کر دی گئی۔ کاش ایسا مکمل اور لاثانی دستورِ حیات رکھنے والی اُمّت اس پر عمل کرنے کی ضرورت کو بھی محسوس کرے تو وہ اپنے آپ میں اور اپنے گرد و پیش میں ایک واضح انقلاب محسوس کرنے لگے ؎

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود ❊ جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود (اقبالؒ)

اِذَا عٰهَدُوْاۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِؕ

جب کسی سے وعدہ کرتے ہیں اور کمال نیک ہیں ۲۰۲ جو صبر کرتے ہیں مصیبت میں اور سختی میں اور جہاد کے وقت

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْاؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

یہی لوگ ہیں جو راستباز ہیں اور یہی لوگ حقیقی پرہیزگار ہیں ۔ اے ایمان والو

اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰىؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ

فرض کیا گیا ہے تم پر قصاص ۲۰۳ جو (ناحق) مارے جائیں ۔ آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے

بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰىؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ

بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت ، پس جس کو ۲۰۴ معاف کی جائے اسکے بھائی ۲۰۵ (مقتول کے وارث) کیطرف سے

۲۰۲ قاعدہ کے مطابق والصّابرون ہونا چاہیئے لیکن خلیل امام نحو نے کہا کہ یہاں الصّابرین منصوب علی المدح ہے اس لیے اس معنی مدح کو جو قرآن کا مدلول ہے ترجمہ میں ظاہر کرنا ازحد ضروری ہے اسی لیے میں نے یہ ترجمہ کیا ہے ۔ واللہ الموفق

۲۰۳ اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا کہ اگر طاقتور قبیلے کا کوئی شخص قتل کر دیا جاتا تو وہ صرف قاتل کے قتل پر اکتفا نہ کرتے بلکہ قاتل کے قبیلہ کے دس دس بیس بیس آدمی قتل کرنا اپنا حق سمجھتے ۔ اگر کسی آزاد کو غلام قتل کر دیتا تو غلام کے بدلے غیر قاتل آزاد کا سر قلم کیا جاتا اور اگر عورت قتل کرتی تو مرد قتل کیا جاتا ۔ اسی ظالمانہ اور غیر اسلامی دستور پر صدیوں عمل ہوتا رہا ۔ اور عرب اپنی نسلی نخوت اور قبائلی برتری کی تسکین بے گناہوں کا خون بہا بہا کر کرتے رہے ۔ قرآنِ کریم نے اس دستور کو بیک قلم منسوخ کر دیا ۔ اور حکم دیا کہ مقتول کا قاتل ہی قصاص میں قتل کیا جائے گا ۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت ، آزاد ہو یا غلام ۔ یہ رواج صرف عرب میں ہی نہ تھا بلکہ دوسری قوموں میں بھی تھا بلکہ آج تک یورپ کی حکمران قومیں بھی اس پر عمل پیرا رہی ہیں ۔ جنوبی افریقہ کے حبشی ، آسٹریلیا کے اصلی باشندے اور امریکہ کے ریڈ انڈین آج بھی اس پر شاہد ہیں ۔ یہ فخر اسلام کو ہی حاصل ہے کہ اس نے جھوٹے امتیازات کے بت مدت ہوئی پاش پاش کر دیئے اور انسانی مساوات کا صرف قانون ہی پیش نہیں کیا بلکہ عمل کر کے دکھا دیا ۔

۲۰۴ . قانونِ قصاص میں ایک اور اہم تبدیلی کی جا رہی ہے ۔ وہ یہ کہ اگر مقتول کے وارث قاتل سے صلح کرنا چاہیں تو وہ خوں بہا لے کر صلح کر سکتے ہیں ۔ آج کل کے قانون میں قتل کا جرم صلح کے قابل نہیں جس سے بہت خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ۔ اسلام نے ان خرابیوں کا احساس کرتے ہوئے صلح کی اجازت دیدی ۔

۲۰۵ ۔ مِنْ اَخِيْهِ کا لفظ بڑی شان رکھتا ہے ۔ ایسی حالت میں جبکہ قاتل قتل کا ارتکاب کر چکا ہے ۔ محبّت ، پیار ، رحم

فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ

کچھ چیز تو چاہیے ۲۰۶ کہ طلب کرے (مقتول کا وارث) (خون بہا) دستور کے مطابق اور (قاتل کو چاہیے) کہ اسے ادا کرے اچھی طرح ۔ یہ رعایت ہے ۲۰۷

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ

تمہارے رب کی طرف سے اور رحمت ہے ۔ تو جس نے زیادتی کی ۲۰۸ اس کے بعد تو اس کے لیے دردناک عذاب

اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ

ہے ۔ اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے عقل مندو ۲۰۹ تاکہ تم (قتل کرنے سے)

اور شفقت کے تمام رشتے ٹوٹ چکے ہیں ۔ عداوت اور انتقام کی آگ بھڑکنے لگی ہے ۔ قرآن مقتول کے غضبناک وارثوں کو یاد دلاتا ہے کہ قاتل مجرم ہے ، قصور وار ہے اور تمہارا غصہ بے جا بھی نہیں ۔ تاہم تمہارا اسلامی بھائی تو ہے ۔ اگر بخش دو معاف کر دو تو کوئی بڑی بات نہیں ۔ مقصد یہ ہے کہ ٹوٹے ہوئے دل پھر جڑ جائیں ۔ اور اسلامی معاشرے کے دامن میں جو چاک پڑ گیا ہے اسے پھر سے سی دیا جائے ۔ اللہ تعالیٰ کی پاک کلام کی یہی لطافتیں تھیں جنہوں نے عرب کے سرکشوں کو مطیع بنا دیا تھا ۔

۲۰۶ مقتول کے وارثوں کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ جس بھائی پر تم نے اتنا احسان کیا اب اس سے خون بہا اس احسن طریقہ سے طلب کرو کہ اسے تکلیف نہ ہو ۔ اور قاتل کو ہدایت فرمائی کہ وہ احسان فراموش نہ بنے بلکہ خوشی خوشی جلدی جلدی خون بہا ادا کر دے

۲۰۷ قتل کی سزا قتل ہی تو مقرر نہیں فرمائی بلکہ خون بہا ادا کرنے کی بھی گنجائش رکھی ہے ۔ یہ محض تمہارے رب کا تم پر احسان ہے ۔

۲۰۸ تصفیہ کے بعد بھی جو زیادتی کرے گا ۔ قاتل ہو یا مقتول کے رشتہ دار اسے دردناک سزا دی جائے گی ۔ ہر ایک کو قانون کا احترام اور اس کی پابندی کرنا چاہیے ۔ اسی لیے شریعتِ اسلامیہ نے قصاص لینے ، حدود قائم کرنے اور تعزیرات لگانے کا حق افراد کو نہیں دیا بلکہ صرف حکومتِ وقت کو دیا ہے کیونکہ عدل و انصاف قائم رکھنے کی صرف یہی صورت ہے ۔ اگر افراد کو یہ حق مل جائے تو وہ افراتفری پیدا ہو کہ الامان !

۲۰۹ ۔ اس آیت کریمہ میں قانونِ قصاص کی علت اور حکمت بیان کی جا رہی ہے ۔ یعنی اگر بے گناہ قتل کرنے والے کو سزا نہیں دی جائے گی تو اس کا حوصلہ بڑھے گا ۔ اور مجرمانہ ذہنیت کے دوسرے لوگ بھی نڈر ہو کر قتل و غارت کا بازار گرم کر دیں گے ۔ لیکن اگر قاتل کو اس کے جرم کے بدلے قتل کر دیا گیا تو دوسرے مجرم بھی اپنا بھیانک انجام دیکھ کر باز آ جائیں گے ۔ اور اس طرح ایک قاتل کے قتل کرنے سے بے شمار معصوم جانیں قتل و غارت سے بچ جائیں گی ۔ آج بعض ملکوں میں قتل کی سزا منسوخ کر دی گئی ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سزا ظالمانہ اور بہیمانہ ہے ۔ مقتول تو قتل ہو چکا ، اب اس کے عوض ایک دوسرے آدمی کو تختۂ دار پر لٹکا دینا بے رحمی نہیں تو کیا ہے ۔ آپ خوفناک حقائق کو دلکش عبارتوں سے حسین بنا سکتے ہیں ۔ لیکن نہ آپ ان کی حقیقت کو بدل سکتے ہیں اور نہ

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ

پرہیز کرنے لگو۔ فرض کیا گیا ہے تم پر جب قریب آجائے تم میں سے کسی کے موت۔ بشرطیکہ چھوڑے

خَيْرَا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا

کچھ مال ۲۱۲۔ کہ وصیت کرے اپنے ماں باپ کے لیے اور قریبی رشتہ داروں کے لیے انصاف کے ساتھ ایسا کرنا

عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ ؕ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ

ضروری ہے پرہیزگاروں پر۔ پھر جو بدل ڈالے اس وصیّت کو سُن لینے کے بعد تو اس کا گناہ انہیں

عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ ؕ فَمَنْ خَافَ

بدلنے والوں پر ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور جسے اندیشہ ہو

ان کے برُے نتائج کو رُو پذیر ہونے سے روک سکتے ہیں۔ جس مُلک کے قانون کی آنکھیں ظالم قاتل کے گلے میں پھانسی کا پھندا دیکھ کر پُرنم ہوجائیں وہاں مظلوم و بے کس کا خدا ہی حافظ، وہ اپنے آغوش میں ایسے مجرموں کو ناز و نعم سے پال رہا ہے جو اس کے چمنستان کے شگفتہ پھولوں کو مسل کر رکھ دیں گے۔ وہ دین جو دینِ فطرت ہے، جو ہر قیمت پر عدل و انصاف کا ترازو برابر رکھنے کا مدّعی ہے اس سے ایسی بے جا بلکہ نازیبا ناز برداری کی توقع عبث ہے۔

۲۱۲ ان آیاتِ کریمہ سے عرب کے ایک اور جاہلانہ رواج میں اصلاح فرمائی۔ اہلِ عرب کا یہ دستور تھا کہ مرتے وقت اپنے مال کی وصیّت ایسے لوگوں کے نام کرجاتے جن سے ان کا دُور کا واسطہ بھی نہ ہوتا۔ اور اپنے زعمِ باطل میں اسے سخاوت سے تعبیر کرتے۔ اور اگر کوئی وصیت کیے بغیر مرجاتا تو وراثت صرف اولاد اور بیوی میں بٹ جاتی۔ والدین اور دُوسرے رشتہ دار بالکل محروم رہتے۔ یہ دونوں صُورتیں کیونکہ ظلمِ صریح تھیں اس لیے قرآنِ حکیم نے اس کی اصلاح فرمادی لیکن یک لخت سارے سابقہ نظام کو درہم برہم نہیں کیا بلکہ آہستہ آہستہ اصلاح فرمائی تاکہ طبیعتوں میں بے چینی بھی پیدا نہ ہو اور اصلاح کا مقصد پُورا ہوجائے اس لیے اس سے پہلے کہ وراثت کی تقسیم کا منظم و مکمّل قانون نافذ کیا جاتا انہیں ان آیات میں وصیّت کا حکم دیا گیا اور یہ کہا گیا کہ اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے وصیّت کریں اور ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق حصّہ دیدیں۔ لیکن اتنے اہم کام کو عوام کی مرضی اور صرف ان کے رحم و کرم پر چھوڑا نہیں جاسکتا تھا اس لیے کچھ مدّت کے بعد سُورہ النساء میں وراثت کے احکام بالتفصیل بیان فرما دیئے۔ حضُورِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے احکامِ وصیّت اور احکامِ وراثت کی وضاحت فرماتے ہُوئے دو قاعدے بیان کیے۔ پہلا قاعدہ تو یہ ہے کہ ان رشتہ داروں کے لیے وصیت کی ممانعت کردی جو وراثت میں حصّہ دار ہیں۔ دوسرا قاعدہ ہے کہ وصیّت

مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ

وصیّت کرنے والے سے کسی طرفداری یا گناہ کا پس وہ صلح کرا دے ان کے درمیان تو کچھ گناہ نہیں اس پر

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ

بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اے ایمان والو! فرض کیے گئے ہیں تم پر

الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾

روزے[۲۱۱] جیسے فرض کیے گئے تھے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے کہ کہیں تم پرہیز گار بن جاؤ[۲۱۲]

کو مالِ متروکہ کے تیسرے حصّے تک محدود فرما دیا۔ ⅓ حصّہ تک اپنے غیر وارث رشتہ داروں یا دوسرے مستحق لوگوں یا رفاہِ عام کے کاموں میں خرچ کر سکتا ہے۔ اسلام کا یہ وہ حکیمانہ اور متوازن نظام ہے جس پر مسلمانوں کو بجا طور پر نازاں ہونا چاہیئے۔ بعض لوگ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی عائد کردہ ان پابندیوں کو اپنی کم فہمی سے خلافِ قرآن کہتے ہوئے ماننے سے انکار کرنے لگے ہیں۔ لیکن اگر وہ ذرا تامّل کریں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ اگر یہ پابندیاں اُٹھا دی جائیں تو آپ کا نظامِ وراثت بازیچۂ طفلاں بن کر رہ جائے۔

(مزید تحقیق کے لیے احقر کی تالیف سُنّتِ خیر الانام (صفحہ ۲۵۰ تا ۲۷۳) ملاحظہ ہو۔ تمام شکوک و شبہات کا مفصل جواب درج ہے)

۲۱۱؎ صیام جمع ہے۔ اس کا مفرد ہے صَوم۔ لغت میں صوم کا معنی ہے **الامساک عما تنازع الیہ النفس**۔ اس چیز سے باز رہنا جس کی طرف نفس کشش محسوس کرتا ہو۔ اور شریعت میں صوم کہتے ہیں کہ انسان عبادت کی نیت سے صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور عملِ زوجیت سے رُکا رہے۔ یہ حکم ہجرت کے دوسرے سال نازل ہوا۔ پہلی اُمتوں پر بھی روزے فرض تھے۔ گو ان کی تعداد اور کیفیت الگ تھی۔

۲۱۲؎ روزے کا مقصدِ اعلیٰ اور اس سخت ریاضت کا پھل یہ ہے کہ تم مُتّقی اور پاکباز بن جاؤ۔ روزے کا مقصد صرف یہ نہیں کہ ان تینوں باتوں سے پرہیز کرو بلکہ مقصد یہ ہے کہ تمام اخلاقِ رذیلہ اور اعمالِ بد سے انسان مکمل طور پر دستکش ہو جائے۔ تم پیاس سے تڑپ رہے ہو، تم بھوک سے بیتاب ہو رہے ہو۔ تمہیں کوئی دیکھ بھی نہیں رہا۔ ٹھنڈے پانی کی صراحی اور لذیذ کھانا پاس رکھا ہے لیکن تم ہاتھ بڑھانا تو کجا آنکھ اٹھا کر اُدھر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے نا کہ تمہارے رب کا یہ حکم ہے! اب جب حلال چیزیں اپنے ربّ کے حکم سے تم نے ترک کر دیں تو وہ چیزیں جن کو تمہارے ربّ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا ہے (چوری، رشوت بددیانتی وغیرہ) اگر یہ مراقبہ پُختہ ہو جائے تو کیا تم ان کا ارتکاب کر سکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔ مہینہ بھر کی اس مشق کا مقصد یہی ہے کہ تم سال کے باقی گیارہ ماہ بھی اللہ سے ڈرتے ہوئے یونہی گزار دو۔ جو لوگ روزہ تو رکھ لیتے ہیں لیکن جھوٹ، غیبت، نظر بازی وغیرہ سے باز نہیں آتے۔ ان کے متعلق حضورِ پُرنور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے واضح الفاظ میں فرما دیا۔ مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ

أَيَّامًا مَّعْدُودٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ

یہ گنتی کے چند روز ہیں ۔ پھر جو تم میں سے بیمار ہو ۲۱۳ یا سفر میں ہو تو اتنے

فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ

روزے اور دنوں میں رکھ لے ۔ اور جو لوگ ۲۱۴ اسے بہت مشکل سے ادا کر سکیں ان کے ذمّہ فدیہ ہے

مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَأَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ

ایک مسکین کا کھانا ۔ اور جو خوشی سے زیادہ نیکی کرے تو وہ اس کے لیے زیادہ بہتر ہے ۔ اور تمہارا روزہ رکھنا ہی بہتر ہے

لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٤﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ أُنْزِلَ فِيْهِ

تمہارے لیے اگر تم جانتے ہو ۔ ماہِ رمضان المبارک جس میں اُتارا گیا

وَالعمل بہ فلیس للہ حاجۃ فی ان یدع طعامہ وشرابہ ۔ یعنی جس نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑا اگر اس نے کھانا پینا ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی قدر نہیں۔

۲۱۳ مریض اور مسافر کو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا۔ مریض سے مراد وہ شخص ہے کہ اگر روزہ رکھے تو اس کی ہلاکت یا اس کے مرض کے بڑھ جانے کا خطرہ ہو اور سفر سے مراد احناف کے نزدیک ۳ روز کا سفر ہے جس کا اندازہ ۳۶ کوس یا ۵۴ میل ہے۔ خواہ آپ اتنی مسافت آج ایک گھنٹہ میں طے کریں آپ کو افطار کی اجازت ہے۔ بیماری اور سفر سے جتنے روزے آپ نہ رکھ سکیں تو صحتیاب ہونے اور سفر سے واپس آنے پر ان کی قضا دینا ہوگی۔ مریض اور مسافر کو افطار کی اجازت ہے لیکن روزہ رکھنا افضل ہے۔ حضور کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سفر میں کبھی روزہ رکھا اور کبھی نہیں رکھا۔ لیکن سفرِ جہاد میں روزے کے افطار کا حکم ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضورؐ نے صحابہ کرام کو حکم دیا انہ یوم قتال فافطروا۔ آج جنگ کا دن ہے روزے افطار کرو۔

۲۱۴ اس آیت میں علمار تفسیر کا اختلاف ہے۔ اکثر کی رائے تو یہ ہے کہ ابتدا میں جب روزے رکھنے کا حکم دیا گیا تو لوگوں کی آسانی کے پیش نظر یہ گنجائش رکھی گئی کہ اگر کوئی روزے نہ رکھے تو وہ فدیہ ادا کرے۔ بعد میں جب لوگ روزے کی لذّت و برکت سے آشنا ہو گئے تو یہ رعایت واپس لے لی گئی۔ اور عام حکم دے دیا گیا۔ فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ۔ نفاذِ شریعت میں جس تدریج کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہ قول اس کے عین مطابق ہے۔ لیکن بعض علمار کی رائے یہ ہے کہ یطیقون کا معنی ہے کہ جو لوگ بڑی ہی مشکل سے روزہ رکھ سکتے ہوں وہ فدیہ ادا کریں۔ مثلاً بوڑھا، دائم المریض۔ حاملہ عورت، دودھ پلانے والی۔ ان کے لیے یہ رعایت دی گئی ہے۔ اور یہ رعایت آج بھی بحال ہے۔

الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ

قرآن ۲۱۵ اِس حال میں کہ یہ راہِ حق دکھاتا ہے لوگوں کو اور (اس میں) روشن دلیلیں ہیں ہدایت کی اور حق و باطل میں تمیز کرنے کی۔ سو جو

شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۗ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى

کوئی پائے ۲۱۶ تم میں سے اِس مہینہ کو تو وہ یہ مہینہ روزے رکھے۔ اور جو کوئی ۲۱۷ بیمار ہو، یا

سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ

سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں رکھ لے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تمہارے لیے سہولت اور نہیں چاہتا ۲۱۸

۲۱۵ پہلی آیت میں روزہ رکھنے کی حکمت بیان کی گئی تھی۔ کہ تم متقی بن جاؤ۔ اب اِس بات کی حکمت بیان کی جارہی ہے کہ ماہِ رمضان اِس عبادت کے لیے کیوں مخصوص کیا گیا۔ تبایا کہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآنِ کریم کے نزول کا آغاز ہوا۔ وہ قرآن جو کسی خاص قوم یا ملک کے لیے نہیں بلکہ ھدًی لِلناس تمام اولادِ آدم کے لیے ہادی و مُرشد ہے۔ اور اس کی ہدایت کی روشنی اتنی کُھلی ہے کہ حق اور باطل بالکل ممتاز ہوجاتے ہیں۔ جس ماہ میں اتنی بڑی نعمت سے سرفراز کیا گیا ہو وہ ماہ اس قابل ہے کہ اس کا ہر لمحہ ہر لحظہ اپنے محسنِ حقیقی کی شُکر گزاری میں صرف کردیا جائے۔ اور اس نعمت کی شکرگزاری کی بہترین صُورت یہی ہے کہ دن میں روزہ رکھا جائے۔ رات کو قرآن پڑھا اور سُنا جائے تاکہ اِس ماہ میں نفس کی ایسی تربیت ہوجائے کہ وہ اِس بارِ امانت کو اچھی طرح اٹھا سکے۔ اِس آیت کا آخری حصّہ لعلکم تشکرون اغلباً اِسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

۲۱۶ علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ فزالت الرخصة الا لمن عجز منہم پہلے حکم میں روزہ کی بجائے فدیہ دینے کی جو رعایت دی گئی تھی وہ اس آیت سے ختم ہوگئی۔ شہُود سے دیکھنا اور جاننا دونوں مُراد ہیں۔ یعنی خواہ وہ خود دیکھے یا صحیح طریقہ سے اس کا دیکھا جانا معلوم ہو جائے تو روزہ رکھنا فرض ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اختلاف مطالع ایک مسلّمہ مسئلہ ہے۔ اِس لیے فقہانے تصریح فرمائی ہے کہ اگر دُور دراز علاقہ میں چاند دیکھا جائے تو اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ اِن البلاد اِذ تباعدت کتباعد الشام من الحجاز فالواجب علی اھل کل بلد ان تعمل علی رُؤیتہ دون رویة غیرہ۔ (قرطبی) قمری سال کا مہینہ مقرر فرمایا کیونکہ یہ سال کے مختلف موسموں میں پھرتا رہتا ہے۔ تاکہ مسلمان سردی گرمی سب موسموں میں بھوک پیاس کی شدّت برداشت کرنے کے عادی ہوجائیں۔

۲۱۷ کیونکہ فدیہ کی رعایت واپس لے لی گئی تھی اس سے گمان ہوسکتا تھا کہ مریض اور مُسافر کے لیے افطار کی جو اجازت دی گئی تھی شاید وہ بھی ساقط کردی گئی ہو۔ اِس لیے اس کو واضح کیا کہ نہیں وہ رخصت بحال ہے۔

۲۱۸ یعنی احکامِ شرعیہ تعزیری احکام نہیں جن سے کسی کو تنگ کرنا اور تکلیف دینا مقصود ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا منشا ان سے تمہاری آسانی اور اصلاح کرنا ہے۔ اِس ٹکڑے میں گویا احکامِ شرعیہ کی رُوحِ رواں کا ذکر فرما دیا۔

بِكُمُ الْعُسْرَ ۖ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ

تمہارے لیے دشواری اور (چاہتا ہے کہ) تم گنتی پوری کر لیا کرو۔ اور اللہ کی بڑائی بیان کیا کرو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ

دی اور تاکہ تم شکر گزاری کیا کرو۔ اور جب پوچھیں ۲۱۹ آپ سے اے میرے حبیب! میرے بندے میرے متعلق تو (انہیں بتاؤ) میں (ان کے) بالکل نزدیک

اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ

ہوں۔ قبول کرتا ہوں دعا ۲۲۰ دعا کرنیوالے کی جب وہ دعا مانگتا ہے مجھ سے پس انہیں چاہیئے کہ میرے حکم مانیں اور ایمان لائیں مجھ پر

۲۱۹ کتنی پیاری آیت ہے، ہجومِ بلامیں، طوفانِ مصائب میں، گردابِ ہلاکت میں گھرے ہوئے شکستہ دل اور پریشان انسان کے لیے ان چند لفظوں میں اطمینان وسکون کا کیا روح پرور پیغام ہے۔ آپ غور فرمائیے۔ اِنّی قریب کے دو لفظوں میں راحت و اطمینان کی ایک دنیا سمیٹ کر رکھ دی گئی ہے۔ کسی فصلِ بہار کی نسیمِ سحر میں، کسی ابرِ نیساں کے حیات بخش قطروں میں وہ اثر کہاں جو اثر ان دو لفظوں میں ہے! دکھ درد کا مارا جب یہ سنتا ہے کہ میرا مالک، میرا خالق مجھ سے الگ تھلگ کہیں دور نہیں کہ اسے میرے حال کا علم نہ ہو۔ رنج والم کی خبر نہ ہو بلکہ وہ قریب ہے، بالکل قریب، نزدیک ہے، رگِ جاں سے بھی زیادہ نزدیک تو اسے کتنا قرار آجاتا ہے۔ تمہاری زبان پر آئی ہوئی بات تو کیا تمہارے دل میں منہ چھپائے ہوئے اسرار جو قوتِ گویائی کو اپنا چہرہ دکھانے سے شرماتے ہیں۔ افکار اور اندیشوں کے وہ نازک ولطیف آبگینے جو ہوائی صوتی لہروں کو بھی برداشت نہیں کرسکتے۔ ان سب کو وہ جانتا ہے۔ وہ قادر بھی ہے رحمٰن ورحیم بھی، تم دستِ دعا دراز تو کرو۔ تم دامنِ طلب پھیلا کر تو دیکھو تم دل کے ہاتھوں سے اس کے درِ رحمت پر دستک تو دو، وہ سنے گا تمہاری فریاد۔ وہ قبول کریگا تمہاری دعا۔ وہ بدل دے گا تمہاری بگڑی ہوئی قسمت۔ لیکن جب وہ کرم فرمائے تو سرکش نہ بن جانا۔ اسی طرح سرِ نیاز اس کے درِ اقدس پر جھکائے رکھنا۔ اسلام قبول کرنے پر جو ذمہ داریاں تم نے قبول کی تھیں۔ جو عہد تم نے باندھا تھا ان کو نباہتے رہنا۔ رشد وہدایت پاجاؤ گے کامیاب وکامران ہوجاؤ گے۔

۲۲۰ ممکن ہے یہاں پر کسی کو شک گزرے کہ بسا اوقات دعا کرتے کرتے سالہا سال گزر جاتے ہیں لیکن قبول نہیں ہوتی۔ اس کی ایک بڑی وجہ رحمتِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔ اِنہ صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم ذکر الرجل یطیل السفر یمد یدہ الی السّماء یارب اشعث اغبر مطعمہ حرام وملبسہ حرام وغذی بالحرام فانّٰی یستجاب لذٰلک (رواہ مسلم) حضورؐ نے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ وہ دور دراز کا سفر کرتا ہے، آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا ہے۔ بال اسکے پریشان، جسم اس کا گرد آلود۔ اس کا کھانا لباس سب حرام کمائی سے ہے۔ اس کے پیٹ میں جو غذا ہے وہ بھی حرام ہے، (تو وہ لاکھ پکارے اور دعائیں کرے) ایسے حرام خور کی دعا کب قبول ہونے کے لائق ہے۔ حضور علیہ الصلوٰة والسلام نے اپنے صحابہ کو فرمایا تھا

لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلٰى

تاکہ وہ کہیں ہدایت پا جائیں۔ حلال ۲۲۱ کر دیا گیا ہے تمہارے لیے رمضان کی راتوں میں اپنی

نِسَآئِكُمْ ۭ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ

عورتوں کے پاس جانا۔ وہ ۲۲۲ تمہارے لیے پردہ، زینت و آرام ہیں اور تم ان کے لیے پردہ، زینت و آرام ہو۔ جانتا ہے اللہ تعالیٰ

أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ

کہ تم خیانت کیا کرتے تھے اپنے آپ سے پس اس نے نظرِ کرم فرمائی تم پر اور معاف کر دیا تمہیں،

فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا

سو اب تم ان سے ملو ملاؤ اور طلب کرو جو (قسمت میں) لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے لیے اور کھاؤ اور پیو

کہ اگر چاہتے ہو کہ تمہاری ہر دُعا قبول ہو تو رزقِ حلال کھایا کرو۔ دُعا کی قبولیت کی ان شرائط کو ہم نے فراموش کر دیا۔ بلکہ ہم نے تو حلال و حرام میں فرق کرنے کی زحمت بھی کبھی گوارا نہیں کی۔ اگر ہماری دُعائیں قبول نہ ہوں تو جائے تعجب نہیں بلکہ تعجب و حیرت تو اس کی رحمتِ بے پایاں پر ہے کہ پھر بھی وہ فریادیں سُن لیتا ہے۔

۲۲۱ ابتدا میں دن کی طرح رات کو بھی عورتوں سے علیحدہ رہنے کا حکم تھا۔ لیکن بعد میں تخفیف کر دی گئی اور رات کو مقاربت کی اجازت دے دی گئی۔ ان گنت سلام اور بے شمار درود اس ذاتِ پاک پر جو رحمت بن کر آیا تھا۔ رحمت لے کر آیا تھا۔ رفث ایک جامع لفظ ہے جو میاں بیوی کے خصوصی تعلقات کے سارے درجوں کو شامل ہے۔ قال الزجاج الرفث کلمة جامعة لکل ما یرید الرجل من امراته۔ (قرطبی)

۲۲۲ آیت کا یہ حصّہ خاص توجہ طلب ہے۔ مرد اور عورت کے باہمی تعلقات کو انتہائی خوش اسلوبی سے بیان فرمایا گیا ہے۔ یعنی جیسے وہ تمہارے لیے لباس ہیں ویسے ہی تم ان کے لیے لباس ہو۔ اس لحاظ سے دونوں کے حقوق اور فرائض مساوی ہیں۔ پھر لباس کی تعبیر کتنی معنی خیز ہے۔ مختصر الفاظ میں لباس پردہ ہے۔ ہر عیب کو چھپاتا ہے۔ زینت ہے حُسن و جمال کو نکھارتا ہے۔ راحت ہے سردی و گرمی سے بچاتا ہے۔ کیا ایک اچھی بیوی اپنے خاوند کے لیے اور ایک اچھا خاوند اپنی بیوی کے لیے پردہ، زینت اور راحت نہیں؟ یقیناً ہے۔ جس ملّت کے ہر گھر میں زوجیّت کا یہ بلند تصوّر اور اعلیٰ معیار ہو اس کے لیے یہ دُنیا جنّت نہیں تو اور کیا ہے۔ اسلام پر یہ اعتراض کرنے والے کہ اس نے عورت کے حقوق کو پامال کر دیا ہے۔ اگر آیت کے اِسی حصّہ پر نظر ڈالیں تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا۔ ہاں اسلام نے ملّتِ ابراہیمی کی بیٹیوں کے چہروں سے شرم و حیا کا نقاب نوچنے کا حکم نہیں دیا۔ اس نے عورت کو محفلِ رقص و سرود کی زینت بننے کی

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ

یہاں تک کہ ظاہر ہوجائے تمہارے لیے سفید ڈورا ـ سیاہ ڈورے سے [223] صبح کے

الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ

وقت پھر پورا کرو [224] روزہ کو رات تک اور نہ مباشرت کرو ان سے [225] جب کہ

عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ۭ كَذٰلِكَ

تم اعتکاف بیٹھے ہو مسجدوں میں یہ اللہ کی حدیں ہیں ان (کو توڑنے) کے [226] قریب بھی نہ جانا ـ اسی طرح

اجازت نہیں دی ـ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ایک مستقل دین ہے ـ اس کا اپنا نظام، اپنا قانون اور اپنا ضابطۂ حیات ہے اور اس کے استقلال کی یہی علامت ہے کہ وہ ہر حالت میں اسی ضابطے کا پابند رہے ـ کسی کو پسند آئے یہ بات یا نہ ـ کوئی خوش ہو یا ناخوش ـ اسلام کو ہر دلعزیز بنانے اور اسے تہذیب مغرب سے ہم آہنگ کرنے کے لیے اس کے سادہ لوح بہی خواہوں نے اس کے فطری خد و خال میں جس وقت قطع و برید گوارا کر لی اس دن اسلام بحیثیت ایک مستقل ضابطۂ حیات کے ہم سے چھن جائیگا ـ اللہ تعالیٰ اس روزِ بد سے بچائے ـ

[223] اس سے مراد صبحِ صادق کا طلوع ہے یعنی وہ روشنی جو دائیں بائیں پھیلتی ہے قال الجمہور ذالك الفجر المعترض فی الافق یمنۃً ویسرۃً (قرطبی) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے پوچھا یا رسول اللہ! کیا خیطِ ابیض اور خیطِ اسود سے سفید اور سیاہ دو تاگے مراد ہیں ـ حضور نے فرمایا: لا بل ہو سواد اللّیل و بیاض النہار نہیں بلکہ اس سے مراد رات کی تاریکی اور دن کی روشنی ہے ـ اور لغتِ عرب میں خیط کا لفظ لون کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے ـ والخیط فی کلامہم عبارۃ عن اللون ـ (قرطبی)

[224] پہلے روزے کی ابتدا کا وقت بتایا اب اس کے اختتام کا وقت بتایا جا رہا ہے ـ صبح صادق سے لے کر رات آنے تک روزہ رکھو ـ حضور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے اپنے اس ارشاد سے وضاحت فرما دی اذا ادبر النہار من ہھنا واقبل اللیل من ہھنا جب ادھر (مغرب) سے دن پیٹھ پھیر دے اور ادھر (مشرق) سے رات آجائے وہ وقت ہے افطار کا ـ بعض لوگ روزہ کے افطار میں اتنی جلدی کرنے لگے ہیں کہ سورج بھی صحیح طور پر غروب نہیں ہوتا کہ وہ افطار کا نقارہ بجا دیتے ہیں ـ

[225] اگر کوئی معتکف ہو تو اسے رات کو بھی اپنی بیوی سے مقاربت جائز نہیں ـ

[226] یعنی اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدوں کو توڑ کر آگے نکل جانے کا تو خیال ہی مت کرو ـ تمہاری سلامتی اور بھلائی اسی میں ہے ان کے نزدیک تک مت جاؤ ـ ایسا نہ ہو کہ مشتعل جذبات کی رو تمہارے قدم حدود کے پاس جمنے ہی نہ دے اور تم بے بس اور بے اختیار

يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ

بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کرلیں - اور نہ کھاؤ ایک دُوسرے کا مال

بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ

آپس میں ۲۲۷ ناجائز طریقہ سے اور نہ ۲۲۸ رسائی حاصل کرو اس مال سے (رشوت دیکر) حاکموں تک تاکہ یوں کھاؤ کچھ حصہ ۲۲۹

ہو کر بہتے ہوئے چلے جاؤ۔ اِس لیے تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ان کے پاس بھی نہ پھٹکو۔

۲۲۷ اسلامی نظامِ معاشیات کا ایک اور قاعدہ بیان ہو رہا ہے۔ یعنی ناجائز طریقہ سے لوگوں کے مال نہ کھاؤ۔ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں من اخذ مال غیرہ لاعلیٰ وجہ اذن الشرع فقد اکل بالباطل۔ وہ شخص جس نے ایسے طریقے سے مال حاصل کیا جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی تو اس نے باطل ذریعہ سے کھایا۔ فیدخل فیہ القمار والخداع والغصوب وجحد الحقوق و مالا تطیب بہ نفس مالکہ: ترجمہ۔ اِس میں جوا، دھوکہ دہی، زبردستی چھین لینا کسی کے حقوق کا انکار اور وہ مال جسے اس کے مالک نے خوشی سے نہیں دیا۔ سب اکلِ باطل میں شامل ہیں۔ علامہ قرطبیؒ نے یہ تصریح بھی کی ہے، اگر کوئی شخص رشوت دے کر یا جھوٹی قسم کھا کر یا جھوٹی گواہیاں دِلوا کر اپنے حق میں فیصلہ کرالے تو قاضی کا فیصلہ حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔ فالحرام لایصیر حلالاً بقضاء القاضی۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد بھی سُن لیجئے۔ انکم تختصمون الیّ ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض فاقضی لہ علی نحو مما اسمع فمن قطعت لہ من حق اخیہ شیئاً فلا یاخذہ فانما اقطع لہ قطعۃ من نار۔ (قرطبیؒ) ترجمہ: تم میرے پاس جھگڑے چکانے کے لیے آتے ہو۔ ممکن ہے تم میں سے ایک فریق زیادہ چرب زبان ہو اور میں (بالفرض محال) اس کے حق میں فیصلہ دے دوں۔ اگر میں کسی کو اس کے بھائی کا حق دیدوں تو وہ ہرگز نہ لے، بے شک وہ اس کے حق میں آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔

اگر ہمارا باہمی لین دین قرآن کے اس حکم اور حضورؐ کے اس واضح ارشاد کے مطابق ہو جائے تو کتنی مقدمہ بازیاں ختم ہو جائیں، ان کی پیروی پر جو بے محابا روپیہ اور بے انداز وقت ضائع ہوتا ہے وہ بچ جائے۔ ان مقدمہ بازیوں کا ایک بہت بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ قریبی رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ باہمی محبت اور اخلاص کی جگہ نفرت اور دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر ہم قرآن کے اس حکم کو سچے دل سے مان لیں تو اسلامی معاشرہ ان سب خرابیوں سے پاک ہو جائے گا۔ اور اس کا ماحول اتنا پاکیزہ اور خوشگوار بن جائے گا جس کا ہم اس وقت تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کاش! قرآن کو سینے سے لگانے والا مسلمان اس پر عمل کرنے کی اہمیت کا بھی احساس کرے۔

۲۲۸ : دوسروں کے مال ناجائز طور پر کھانے کا یہ بھی ایک مروج اور موثر طریقہ تھا جو اب بھی ہے کہ حکام کو رشوت دیکر ان سے اپنے حق میں فیصلہ کرا لیا جائے۔ اِس ناپاک طریقہ کی ممانعت کو الگ ذکر فرمایا۔ لفظ تدلوا ماخوذ ہے ادلاء سے۔ اِس کا معنی ہے رسی

اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ

لوگوں کے مال کا ظلم سے حالانکہ تم جانتے ہو (کہ اللہ نے یہ حرام کیا ہے)۔ دریافت کرتے ہیں آپ سے ۲۳۰ نئے چاندوں کے متعلق

قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا

(کہ یہ کیونکر گھٹتے بڑھتے ہیں) فرمائیے یہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں کے لیے اور حج کیلئے اور یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم داخل ہو

کوکنوئیں میں پانی نکالنے کے لیے لٹکانا ۔ اِس سے مراد ہے کسی چیز تک پہنچنے کا ذریعہ بنانا ۔ استعیر للتوصّل الی شیئ (مفردات)۔

۲۲۹ : فریق کا معنی گروہ بھی ہے ۔ اور کسی چیز کے حصّہ اور جُزء کو بھی فریق کہتے ہیں ۔ یہاں یہی معنی مُراد ہے۔ فریقا ای قطعۃ وجزأً (قرطبی)۔

۲۳۰ : قدرت کی کرشمہ سازی ملاحظہ ہو۔ ایک طرف مظاہر فطرت کو اتنا حسین بنا دیا کہ دل بے ساختہ ان کی طرف کھچے چلے جاتے ہیں ۔ دُوسری طرف اِن میں اِتنا غموض رکھ دیا کہ لاکھ سر پٹخیئے اِن کی دلکشی اور حُسن کا راز معلُوم نہیں ہوتا ۔ اور اِس پر ستم ظریفی یہ فرمائی کہ کھوج لگانے کی تڑپ اور سُراغرسانی کی بے تابیاں مضمر کر دیں ۔ کبھی آپ نے غور فرمایا کہ کیوں ؟ اِس لیے کہ اِس کے بغیر نہ تو عروسِ کائنات کے حُسن پر نکھار آسکتا تھا اور نہ ان صلاحیتوں کا اِظہار ہو سکتا تھا جو کمال حکمت سے آدم خاکی میں سمو دی گئی تھیں ۔ ایک وقت ایسا آیا کہ انسان جب اِس غموض سے پردہ نہ اُٹھا سکا تو ہیبت حُسن اور جلالِ دلربائی کے سامنے سر بسجُود ہو گیا ۔ پھر کیا تھا کائنات پر جمُود طاری ہو گیا ۔ ہر چیز افسردہ ، ہر نظارہ پژمردہ نظر آنے لگا ۔ کیونکہ وہ ہاتھ شل ہو کر رہ گیا تھا جو گیسُوئے کائنات کی مشاطگی کے لیے پیدا ہوا تھا اور طبعِ فتنہ طراز وجلوہ پرور کو پا بجولاں کر دیا گیا تھا ۔ عقل ونظر کے سب چراغ بجُھا دیئے گئے تھے ۔ رونق آتی تو کہاں سے ' بارونق ہوتی تو کیا چیز ؟ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو مبعوث فرمایا ۔ جس نے آکر انسان کی آنکھ سے جہالت کی پٹی کھولی ۔ اس کی چندھیائی ہُوئی آنکھوں کو تازہ بینائی مرحمت فرمائی اور اسے بتایا کہ یہ مہر وماہ ، ارض وسما ، کوہ ودمن ، دریا وصحرا تیرے مسجُود نہیں ، تیرے معبُود نہیں ، بلکہ تیرے غلام ہیں تو قدم شوق اُٹھا تو سہی اِن کی ساری نخوتیں تیری راہ میں پامال ہونے کے لیے بے چین ہیں ، تو چشمِ جہاں بیں کھول کر تو دیکھ ان کی ساری رعنائیاں اپنے نقاب اُلٹنے کے لیے بے تاب ہیں ۔ اور تو اِن سے ڈر کر ، مرعُوب ہو کر دُور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے اور جب بھاگ نہیں سکتا تو غش کھا کر سجدہ کناں انکے قدموں پر گر پڑتا ہے ۔ فاران کی چوٹیوں سے ایک مسیحا نے انسان کی خوابیدہ قوتوں بلکہ انسان کے خوابیدہ بخت کو جھنجھوڑا ؎

جہاں اگرچہ دگرگوں ہے قُم باذنِ اللہ
وُہی زمیں وہی گردُوں ہے قُم باذنِ اللہ

الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَأْتُوا الْبُيُوتَ

گھروں میں انکے پچھواڑے سے ہاں نیکی تو یہ ہے کہ اِنسان تقویٰ اختیار کرے۔ اور آیا کرو گھروں میں ۲۳۱

کیا نوائے اناالحق کو آتشیں جس نے ٭ تیری رگوں میں وُہی خوں ہے قُم باذن اللہ

جہاں تک اِنسان کی فکری غلطی کا تعلق تھا اس کی اصلاح کر دی گئی۔ انہیں بتا دیا گیا کہ کائنات کی بڑی سے بڑی کوئی چیز معبود نہیں بلکہ تمہارے لیے پیدا کی گئی ہے۔ تمہارا اور کائنات کی ہر چیز کا خالق اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور اِس حقیقت کو اتنا واضح کر دیا کہ شک وشُبہ کا شائبہ تک نہ چھوڑا۔ لیکن اس کے بعد؟ وہی کائنات کی دِلکشی تھی۔ وہی اِس کا غموض تھا اور وُہی جذبۂ جستجو کی چبھن تھی۔ جب وہ اِس اُلجھن کو حل نہ کر پاتے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا حل طلب کرتے اس اُمید پر کہ جس نے ہمیں اتنی بڑی فکری اُفتاد سے بچایا ہے وُہی اس مشکل کو آسان کر دے گا۔ ان کی یہ توقع نہ بے محل تھی اور نہ بیجا لیکن اِس اُستادِ کامل کی شفقت ان کی یہ خواہش پوری کرنے پر آمادہ نہ ہوئی۔ کیونکہ اس میں ان کا سراسر نقصان تھا۔ آپ شاید پوچھیں یہ کیسے؟ تو سُنیئے اگر کوئی اُستاد ریضی کے سب سوال خود حل کر کے دے دیا کرے اور اپنے طلبہ کو اپنا دماغ استعمال کرنے کا موقع ہی نہ دے تو کیا وہ ریضی میں مہارت پیدا کر سکیں گے؟ کبھی ان میں خود اعتمادی کا جوہر چمکے گا؟ اور کمال شفقت کا تقاضا یہی ہے کہ شاگرد اپنی عقل سے اس گرہ کو کھولے۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے تمام ایسے سوالات کا جواب دینے سے اِس لیے دانستہ اعراض فرمایا کہ حضورؐ کی اُمت اپنی ذہنی اور رُوحانی توانائیوں کو بروئے کار لا کر ان چیزوں کو مسخر اور فرمانبردار بنائے۔ اگر حضورؐ فلکیات وطبعیات وغیرہا کے اسرار سے خود نقاب اُٹھا دیتے تو اُمت کی عقلیں بانجھ ہو کر رہ جاتیں۔ اور افلا تعقلون افلا تتفکرون اور افلا تتدبرون کی بانگِ شوق افروز پر کیونکر لبیک کہی جا سکتی۔ اِسی قسم کا یہ سوال ہے اور اِس کا جواب۔ چاند کا نمودار ہونا ایک اندازے سے اس کا بڑھنا، پھر گھٹنا اور پھر غائب ہو جانا۔ ایک عجیب بات تھی جس کی وجہ معلوم کرنے کے لیے رہ رہ کر دل میں شوق پیدا ہوتا۔ صحابہؓ نے اِسکی وجہ دریافت کی تو اللہ تعالیٰ نے اِس سوال کا جواب نہ دیا۔ کیونکہ اِس کا جواب ہمیں خود تلاش کرنا تھا۔ بلکہ چاند کے گھٹنے بڑھنے کے فوائد بتا دیئے کہ اس سے تم اپنی عبادات، لین دین وغیرہ کے وقت مقرر کر سکتے ہو۔ اور یہ کھلی ہوئی جنتری ہے۔ جس سے ہر شخص، پڑھا ہوا ہو یا اَن پڑھ۔ شہری ہو یا دیہاتی، وقت معلوم کر سکتا ہے۔ حضورؐ کے اِس سکوت سے جو عین مصلحت اور سراسر شفقت ورحمت کا مظہر ہے۔ بعض کج فہم یہ نتیجہ اخذ کرنے لگے ہیں کہ حضورؐ کو نعوذ باللہ اِن اُمور کا علم نہ تھا۔ اور خاموشی لاعلمی کی وجہ سے تھی۔ لیکن یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ نبی کو اتنا علم بھی نہ ہو جتنا مڈل یا میٹرک کے ایک طالب علم کو ہوا کرتا ہے۔ کتنی غیر مناسب ہے یہ بات ٭

۲۳۱ امام بخاریؒ نے روایت کی ہے کہ عرب کے لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب احرام باندھ لیا کرتے اور انہیں گھر میں داخل ہونے کی ضرورت پڑتی تو دروازوں سے داخل نہ ہوتے بلکہ پیچھے سے دیوار میں سُوراخ کر کے داخل ہوا کرتے اور اس کو بڑی نیکی سمجھتے۔ اس لایعنی حرکت سے ان کو روک دیا گیا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی کام صحیح طریقہ سے کیا جائے تو عرب کہتے اِنَّہٗ

مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ

ان کے دروازوں سے اور ڈرتے رہو اللہ سے اس اُمید پر کہ کامیاب ہو جاؤ اور لڑو اللہ کی راہ میں[۲۳۲]

اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ

ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور (ان پر بھی) زیادتی نہ کرنا ۔ بے شک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا

اتی البیت من بابہ۔ یعنی اس نے صحیح طریقہ سے یہ کام کیا ۔ اور اگر غلط طریقہ سے کوئی کام کرے تو کہتے انہ لویات البیت من بابہ : یہاں بھی سائلین کو بتایا گیا کہ ان چیزوں کے دریافت کرنے کا یہ طریقہ نہیں کہ اُٹھے اور نبی ؐ سے پوچھ لیا ۔ بلکہ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اپنی سوچ بچار، مشاہدات اور تجربات سے ان سوالات کا حل تلاش کیا جائے ۔ واللہ علم

۲۳۲ ؎ ان آیات میں ان مظلوموں اور ستم رسیدوں کو طاقت کا جواب طاقت سے دینے کی اجازت دی جا رہی ہے جن پر بارہ تیرہ برس مسلسل ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے رہے ۔ اور تسلیم و رضا کے یہ مجسمے خاموشی سے برداشت کرتے رہے ۔ قرآن کے حکم جہاد کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان تین چیزوں کو خوب ذہن نشین کر لیا جائے ۔ ا۔ کس مقصد کے لیے ۔۲۔ کس کے ساتھ ۔۳۔ اور کن شرائط اور قیود کے ساتھ قرآن نے جہاد کی اجازت دی ہے ۔ ان آیتوں میں تینوں امور کی وضاحت کر دی گئی ہے ۔ مقصد جہاد کے متعلق تو فرمایا : فی سبیل اللہ ۔ حق کی سربلندی کے لیے ۔ لوٹ مار، تجارتی و صنعتی رقابت ، وطنی یا نسلی عداوت و تعصب یا اس قسم کے سفلی مقاصد مومن کی جنگ کے پیش نظر نہیں ہوتے ۔ صرف اُن لوگوں کے ساتھ ، الذین یقاتلونکم ، جو تمہارے ساتھ جنگ کر رہے ہیں ۔ جو تم پر یلغار کرنے کے لیے پر تول رہے ہیں ۔ اور اس شرط کے ساتھ " لا تعتدوا " کہ جب جذبات پر قابو نہیں رہتا ۔ آتش انتقام بھڑک رہی ہوتی ہے ۔ خبردار ۔ اُس وقت بھی کسی پر زیادتی مت کرو ۔ کیونکہ زیادتی کرنے والوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا ۔ عورتوں معصوم بچوں، اپاہجوں ، بوڑھوں ، کسانوں ، مزدوروں اور راہبوں پر ہاتھ اٹھانے سے اسلام نے منع فرمایا ہے (بشرطیکہ یہ لوگ جنگ میں شریک نہ ہوں) ۔ حضرت صدیق اکبرؓ جب اپنے ایک سپہ سالار یزید بن ابی سفیان کو الوداع کہنے کے لیے پاپیادہ ان کے ساتھ گئے تو رخصت کرتے وقت انہیں پھلدار درختوں کے کاٹنے ، اُونٹوں اور شیردار جانوروں کو بلاضرورت ہلاک کرنے سے منع فرمایا ۔ مستشرقین حضرات جو اسلام کے نظریۂ جہاد پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں وہی انصاف سے بتائیں کہ دُنیا میں کوئی قوم ایسی گزری ہے یا آج کی مہذب و متمدن دُنیا میں کوئی قوم ایسی موجود ہے جس کے جنگی قانون میں عدل و انصاف کا یوں لحاظ رکھا گیا ہو ۔ آج تو جنگ شروع ہوتی ہے تو پُرامن شہریوں اور آبادبستیوں کو ایٹم بموں سے اُڑا کر رکھ دیا جاتا ہے ۔ عورتوں معصوم بچوں ، بوڑھوں ، بیماروں ، کسی سے درگذر نہیں کی جاتی ۔ ہسپتالوں ، درسگاہوں ، عبادت خانوں تک کا احترام بھی پس پُشت ڈال دیا جاتا ہے ۔

الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ

زیادتی کرنے والوں کو۔ اور قتل کرو انہیں جہاں بھی انہیں پاؤ ۲۳۳ اور نکال دو انہیں

مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ

جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا اور فتنہ انگیزی تو ۲۳۴ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اور نہ جنگ کرو ان سے

عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ

مسجد حرام کے قریب یہاں تک کہ وہ (خود) تم سے وہاں جنگ کرنے لگیں۔ سو اگر وہ لڑیں تم سے

فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

تو پھر قتل کرو انہیں۔ یہی سزا ہے (ایسے) کافروں کی۔ پھر اگر وہ باز آجائیں (تو جان لو کہ) اللہ تعالیٰ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ

بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانیوالا ہے۔ اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ (وفساد) ۲۳۵ اور ہو جائے

۲۳۳ جب صلح حدیبیہ کے بعد معاہدہ کے مطابق مسلمان زیارتِ کعبہ کو جانے لگے تو ان کے دل میں رہ رہ کر خیال پیدا ہونے لگا کہ اگر کفار نے غدر کرکے حملہ کر دیا تو ہم حالتِ احرام میں حدودِ حرم میں ان سے کیونکر جنگ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر وہ آمادۂ جنگ ہوں تو پھر کعبہ کا مالک تمہیں اجازت دیتا ہے کہ تم اپنے دشمن کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔

۲۳۴ فتنہ کیا ہے۔ جب سنار میل نکالنے کے لیے سونے کو پگھلاتا ہے تو عرب کہتے ہیں۔ فتن الصائغ الذھب اور کسوٹی کو فتانہ کہا جاتا ہے۔ یہ اس کا لغوی معنی ہے۔ اب اس کا استعمال سخت آزمائش کے لیے کیا جاتا ہے۔ اور سب آزمائشوں سے سخت ترین آزمائش وہ ہے جو دین کے لیے ہو یا دین سے برگشتہ کرنے کے لیے ہو۔ کفارِ مکہ غریب مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کرنے کے لیے سخت ترین سزائیں دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قتل بھی بڑا بھیانک جرم ہے لیکن کسی کو اس کے پسندیدہ عقائد سے باز رکھنا جن کی صداقت اور سچائی پر وہ صدق دل سے یقین رکھتا ہو قتل سے بھی زیادہ خوفناک جرم ہے۔

۲۳۵ پہلے جنگ کی وجہ بیان فرمائی۔ اب اس کی انتہا کا ذکر ہے۔ یعنی مخالفین جب اطاعت قبول کرلیں اور دین کے معاملہ میں مداخلت اور جبر کرنے کی قوت ٹوٹ جائے اور ہر شخص آزادی سے دینِ حق کو قبول کر سکے تو اس وقت جنگ بند کر دینے کا حکم ہے۔

الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩٣﴾

دین صرف اللہ کے لیے ۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو (سمجھ لو) کہ سختی (کسی پر) جائز نہیں مگر ظالموں پر ۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَ الْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ

حرمت والا مہینہ ٢٣٦ حرمت والے مہینہ کا بدلہ ہے اور ساری حرمتوں میں (فریقین کو رعایت رکھنی ہے) برابری چاہیے

اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ص

تو جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرلو (لیکن) اسی قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو ،

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٩٤﴾ وَ اَنْفِقُوْا فِيْ

اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور جان لو یقیناً اللہ (کی نصرت) پرہیز گاروں کے ساتھ ہے ۔ اور خرچ کیا کرو

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚ وَ اَحْسِنُوْا ۚ

اللہ کی راہ میں ٢٣٧ اور نہ پھینکو اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں ٢٣٨ اور اچھے کام کیا کرو

٢٣٦ عرب ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرپیکار رہا کرتے تھے لیکن ان کا یہ باہمی معاہدہ تھا کہ سال میں چار ماہ ، محرم ، رجب ، ذیقعد اور ذی الحجہ میں جنگ بند کر دی جاتی تھی ۔ لیکن جب مسلمان ماہ ذیقعد ٦ھ میں عمرہ کے لیے گئے تو کفار نے جنگ کی تیاری شروع کر دی اور اپنے دیرینہ دستور کو بھی نظرانداز کر دیا ۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فرماتا ہے کہ اگر وہ اس ماہِ حرام کا پاس نہیں کرتے تو تم بھی نہ کرو ۔ اور اگر وہ جنگ کریں تو تم بھی مدافعت کے لیے کمربستہ ہو جاؤ ۔

٢٣٧ پہلے جانی جہاد کا حکم دیا اب مالی جہاد کا حکم دیا جا رہا ہے ۔

٢٣٨ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ۔ اِنَّ الْاِلْقَاءَ بِالْيَدِ اِلَى التَّهْلُكَةِ هُوَ تَرْكُ الْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کے راستے میں جہاد چھوڑ دے ۔ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں کہ اسلم ابی عمران سے مروی ہے کہ جب ہم نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تو رومیوں کا ایک لشکر جرار ہمارے مقابلہ میں صف آرا ہوا ۔ مسلمانوں کی فوج بھی ان کے مقابلے میں ڈٹ گئی ۔ ایک مسلمان سپاہی نے تنہا لشکر روم پر حملہ کر دیا اور ان کی صف میں گھس گیا ۔ لوگ چلائے سبحان اللہ اس نے اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک کیا ۔ حضرت ابو ایوب کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے ۔ اے لوگو ! تم نے اس آیت کا مطلب غلط سمجھا ہے ۔ آؤ میں تمہیں اس کا شانِ نزول بتاؤں ۔ جب اسلام کو غلبہ

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٩٥﴾ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ

بے شک اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے اچھے کام کرنیوالوں سے۔ اور پورا کرو ۲۳۹ حج اور عمرہ اللہ (کی رضا) کے لیے

أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۖ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ

پھر اگر تم گھر جاؤ ۲۴۰ تو قربانی کا جانور جو آسانی سے مل جائے (وہ بھیجدو) اور نہ مُنڈاؤ اپنے سر یہاں تک کہ

حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ

پہنچ جائے قربانی کا جانور اپنے ٹھکانے پر۔ پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اسے

أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ

کچھ تکلیف ہو سر میں (اور وہ سر منڈالے) تو وہ فدیہ دیدے روزوں سے یا خیرات سے یا قربانی سے،

حاصل ہوگیا اور مسلمان مجاہدوں کی تعداد بھی کافی بڑھ گئی تو ہم انصار نے خفیہ مشورہ کیا۔ کہ اب جانبازوں کی کمی بھی نہیں رہی اور اسلام کو عزت و عظمت بھی حاصل ہوگئی ہے اور مسلسل کئی سال تک ہم اپنی کھیتی باڑی اور کاروبار کی طرف کوئی توجہ نہیں دے سکے۔ اب ہمیں اپنی مالی حالت درست کرنے کے لیے ساری کوششیں صرف کرنی چاہئیں۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں یہ تصریح تھی کہ اے انصار اگر تم جہاد کو چھوڑ کر زراعت و تجارت میں کھو کر رہ گئے تو سمجھ لو کہ تم نے اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا ہے۔ حضرت ابو ایوب لڑتے رہے یہاں تک کہ جام شہادت نوش کیا اور قسطنطنیہ میں ہی ان کا مزار پُرانوار ہے۔ جو حال مست اور قال مست مسلمان کو آج بھی اس جدّ وجہد کی دُنیا میں عزت کے مقام کا صحیح راستہ بتا رہا ہے۔

۲۳۹ عرب قدیم زمانہ سے حج کیا کرتے تھے۔ لیکن اِن کے نزدیک حج ایک میلہ یا تجارتی منڈی بن کر رہ گیا تھا۔ عبادت کا پہلو تو بالکل ختم ہوگیا تھا یا اتنا غیر اہم ہوکر رہ گیا تھا کہ اس کا کوئی اثر ہی محسوس نہیں کیا جاتا تھا۔ لوگ آتے سیر و تفریح کرجاتے شاعر اپنے قصائد اور خطیب اپنے آتشیں خطبے سُنا کر لوگوں کے دِلوں پر اپنی فصاحت و بلاغت کا سکّہ جماتے اور چلے جاتے۔ چند روز تجارت کا بازار بھی خوب گرم رہتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حج و عمرہ کرو۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی رضاجوئی کے لیے۔ یعنی پورے آداب و شرائط کے ساتھ۔ پورے اخلاص و حُسنِ نیّت کے ساتھ۔

۲۴۰ اگر تم احرام باندھ چکے ہو اور راستہ میں بیمار ہوگئے یا دشمن نے راستہ بند کردیا۔ اور تم حج کے ایام میں وہاں نہیں پہنچ سکتے۔ تو اب احرام سے نکلنے کی یہ صورت ہے کہ قربانی کا جو جانور تم گھر سے لے آئے ہو وہ کسی کے ہاتھ بھیجدو یا اس کی قیمت روانہ کردو اور انہیں یہ کہو کہ حرم میں پہنچ کر تمھاری طرف سے جانور ذبح کردیں۔ جب تم یہ خیال کرو کہ وہ حرم میں پہنچ گئے ہوں گے اور

فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۗ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ

اور جب تم امن میں ہو جاؤ (اور حج سے پہلے مکہ پہنچ جاؤ) تو جو فائدہ اٹھانا چاہے عمرہ کا ۲۴۱ حج کے ساتھ تو جو اسے میسر ہو

مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ

قربانی دے پھر جسے قربانی کی طاقت نہ ہو تو وہ تین دن روزے رکھے حج کے وقت اور

سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ

سات جب تم گھر لوٹ آؤ یہ پورے دس (روزے) ہوئے ۔ یہ رعایت اس کے لیے

اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

ہے ۲۴۲ جس کے گھر والے مسجد حرام کے قریب نہ ہوں ۔ اور ڈرا کرو اللہ سے اور جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ

جانور ذبح کر دیا ہوگا تو تم سر منڈا کر یا بال کٹوا کر احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو سکتے ہو۔ لیکن اگر بیماری کی وجہ سے جلد سر منڈانے کی ضرورت پڑ جائے تو فدیہ کے طور پر روزے رکھ لو۔ صدقہ دے دو یا جانور ذبح کر دو صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ تین روزے یا چھ مسکینوں کو ۲-۲ سیر گندم یا ۴-۴ سیر جو (صدقہ فطر کے اندازے کے مطابق) دے یا کم سے کم بکری ذبح کر دے اور حجامت بنوالے۔

۲۴۱ حج کی تین صورتیں ہیں: ۱- افراد یعنی حج کے دنوں میں صرف حج کیا اس میں قربانی واجب نہیں۔ ۲- تمتع- ایک سفر میں ایام حج میں پہلے عمرہ کا احرام باندھا طواف وسعی کے بعد حلق کر کے اس احرام سے فارغ ہو گیا۔ پھر وقت آیا تو حج کا احرام باندھا کیونکہ ایک ہی وقت میں دو عبادتیں جمع کر لیں اور دہرا فائدہ اٹھا لیا تو اسے متمتع کہتے ہیں۔ ۳- قران- ایک ساتھ ہی حج و عمرہ کا احرام باندھا۔ پہلے عمرہ کے ارکان ادا کیے لیکن احرام بدستور رہا۔ یہاں تک کہ ایام حج میں حج کے ارکان ادا کر کے حلق کرایا اور احرام سے فارغ ہوا۔ پچھلی دونوں صورتوں میں ایک سفر میں دو عبادتیں جمع کر لیں۔ اس لیے اس پر قربانی لازمی قرار دے دی گئی۔

۲۴۲ ایک سفر میں حج و عمرہ جمع کرنے کی اجازت صرف ان لوگوں کو ہے جو مکہ کے رہنے والے نہیں بلکہ دور دراز کی مسافتیں طے کر کے آتے ہیں۔ مکہ کے باشندوں اور حدود میقات کے اندر رہنے والوں کا ایک ہی حکم ہے، **مسئلہ:** میقات اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں باہر سے قصد حرم کرنے والا جب پہنچے تو اسے حکم ہے کہ بغیر احرام باندھے آگے نہ بڑھے۔ مختلف اطراف کے لیے مختلف مقامات میقات ہیں۔ اہل مدینہ اور اس طرف والوں کے لیے ذو الحلیفہ۔ اہل عراق اور اس طرف والوں کے لیے ذات عرق، اہل شام اور ان اطراف کے لیے جحفہ۔ اہل نجد کے لیے قرن۔ اہل یمن اور اس طرف سے آنے والوں کے لیے یلملم۔ پاکستان کے حاجی جو بحری راستے سے جاتے ہیں ان کا میقات بھی یلملم ہے۔ جب ان کا جہاز بحیرہ احمر میں داخل ہوا اور یلملم

مکّہ سے عرفات تک حاجیوں کا راستہ
غارِ حرا
جبلِ نور
(فاران)
شمال
مدینہ کو
مدینہ کو
مالات
مزار حضرت خدیجہ رض
مالات کا قبرستان
جدّہ کو
بیعت عقبہ کا مقام
حضرت ابراہیم کے ہاتھوں
قربانی اسماعیل کا مقام
منیٰ
بیت الرسول
مقامات
رمی الجمار
مکہ
جبل ابو قبیس
کوہ خندمہ
مسجد حرام
مسفلہ
قبلہ
جبل ثور
یمن کو
مسجد خیف
محسّر
مزدلفہ یا مشعر الحرام
مازمین
جبلِ رحمت جہاں سے حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے ایک لاکھ بیس ہزار یا
ایک لاکھ چالیس ہزار کے اجتماع
کو خطاب فرمایا۔
عرفات
مسجد نمرہ
ضب
طائف کو

شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾ الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ

سخت سزا دینے والا ہے۔ حج کے چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں ۲۴۳ پس جو نیت کرلے ان میں

الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا

حج کی تو اسے جائز نہیں بے حیائی کی بات اور نہ نافرمانی اور نہ جھگڑا ۲۴۴ حج کے دنوں میں اور جو تم نیک کام کرو ۲۴۵

مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ ۚ وَ

اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے، اور سفر کا توشہ ۲۴۶ تیار کرو اور سب سے بہتر توشہ تو پرہیزگاری ہے اور

اتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٧﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا

ڈرتے رہو مجھ سے اے عقلمندو! نہیں ہے تم پر ۲۴۷ کوئی حرج (اگر حج کے ساتھ ساتھ) تم تلاش کرو

کے مقابل سے گزرے تو وہاں ان حاجیوں کو احرام باندھنا ہوتا ہے۔

۲۴۳ یعنی شوال، ذلیقعد، اور ذی الحجہ کے دس دن۔

۲۴۴ رفث کہتے ہیں الجماع والانحاش لِلمراۃ بالکلام۔ جماع کرنا یا اس کے متعلق باتیں کرنا۔ فسوق: جمیع المعاصی کلہا۔ تمام گناہ۔ چھوٹے بڑے ظاہر یا پوشیدہ۔ جدال: جھگڑا۔ اِن تمام چیزوں سے روک دیا گیا تاکہ حج کا حقیقی مقصد یعنی تربیتِ نفس ضائع نہ ہوجائے۔

۲۴۵ یعنی جو نیک کام تم کرتے ہو جسے کوئی اور نہیں دیکھتا یا جن مشتعل جذبات کو تم سختی سے روکے ہوئے ہو جس کا اندازہ دوسرے نہیں کرسکتے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔ اور اپنے نفس سے تمہاری کش مکش کی نوعیت کو بھی خوب جانتا ہے وہ ضرور اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔

۲۴۶ عرب کے اکثر لوگ خصوصًا اہلِ یمن کا دستور تھا کہ جب حج کی نیت سے گھروں سے نکلتے تو سفر خرچ ساتھ نہ لاتے اور اس کو توکل کے خلاف سمجھتے اور رستہ میں لوگوں سے بھیک مانگا کرتے۔ مسلمانوں کو اس غیر انسانی طریقۂ کار سے روک دیا گیا اور حکم دیا کہ زادِ راہ لے کر چلا کرو۔ کسی کی خدمت نہ کرسکو تو کم از کم دوسروں پر بوجھ تو نہ بنو۔ ساتھ ہی فرمادیا بہترین توشہ تقویٰ ہے جو سفر آخرت میں کام آتا ہے۔

۲۴۷ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں نزلت ردًّا علی من یقول لاحج لِلتجار والاجراء والجمالین۔ یہ آیت ان لوگوں کے ردّ میں نازل ہوئی جو یہ کہتے تھے کہ تاجروں، مزدوروں اور ساربانوں کا کوئی حج نہیں بلکہ اجازت دی کہ تم بے شک نفع کماؤ لیکن ایسا نہ ہو کہ تم نفع کمانے میں ہی لگے رہو۔ اور یہی تمہارا مقصدِ اولین ہو کر رہ جائے۔ اور حقیقی مدعا یعنی ذکرِ الٰہی بھول جائے۔

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ

اپنے رب کا فضل (رزق) پھر جب واپس آؤ عرفات سے ۲۴۸ تو ذکر کرو اللہ کا

عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ

مشعر حرام (مزدلفہ) کے پاس اور ذکر کرو اس کا جس طرح اس نے تمہیں سکھایا اور اگرچہ تم اس سے

قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّاۗلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ

پہلے گمراہوں میں سے تھے۔ پھر تم بھی ۲۴۹ (اے مغروران قریش) وہاں تک (جاکر) واپس آؤ جہاں جاکر دوسرے لوگ

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمْ

واپس آتے ہیں، اور معافی مانگو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنیوالا ہے، پھر جب تم پورے کر چکو

مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاۗءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ فَمِنَ

حج کے ارکان تو اللہ کو یاد کرو جس طرح ۲۵۰ اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ذکر الٰہی کرو اور کچھ

---

۲۴۸ حکم ہوتا ہے جب عرفات میں حاضری کا فرض ادا کر کے وہاں سے چلو تو مزدلفہ میں اللہ کا ذکر کرو اس کی تسبیح وتہلیل میں وقت صرف کرو۔ حاجی دسویں کی رات یہاں بسر کرتے ہیں۔ مشعر حرام اس مسجد کو کہتے ہیں جو وادی مزدلفہ کے ایک پہاڑ قزح پر ہے۔ جہاں امام قیام کرتا ہے۔ اگرچہ سارا مزدلفہ (ماسوا وادی محسر) موقف ہے لیکن مشعر حرام اور اس کے قرب میں وقوف زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

۲۴۹ قریش اپنے لیے یہ ہتک سمجھتے تھے کہ دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی عرفات کے میدان میں وقوف کریں اس لیے وہ مزدلفہ ہی میں ٹھہرتے اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے نحن اھل اللہ وقطان حرمہ (یعنی ہم اہل اللہ ہیں اور اس کے حرم کے باشندے ہیں) اللہ تعالیٰ کو ان کی مغرورانہ ناپسند آئی اور انہیں حکم دیا کہ جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں وہاں سے ہی تم لوٹو۔ حج تو ہے ہی سب باطل امتیازات مٹانے کے لیے، سب جھوٹے تفاخر ختم کرنے کے لیے۔ اگر آج بھی تم اپنی برتری کے نشے میں مست رہو گے تو مساوات انسانی کا صحیح مظاہرہ کب ہوگا اور تم یہ اہم سبق کیونکر یاد کرو گے۔

۲۵۰ ان کی ایک اور جاہلانہ رسم کا ابطال کیا جا رہا ہے۔ وہ جب حج سے فارغ ہوتے تو بیت اللہ کے پاس مجلسیں منعقد کرتے جن میں وہ اپنے باپ دادا کی تعریفوں کے پل باندھا کرتے۔ حکم ہوتا ہے اپنے رب کریم کو یاد کرو جیسے اپنے باپ دادا کو ذوق شوق سے یاد کیا کرتے۔ اَوْ اختیار کے لئے نہیں بلکہ ترقی کے لیے ہے اور بَلْ کا ہم معنی ہے۔ یعنی بلکہ ان سے بھی

النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ

لوگ ہیں جو کہتے ہیں ۲۵۱؎ اے ہمارے رب دیدے ہمیں دُنیا میں ہی (سب کچھ) نہیں ہے اس کے لیے آخرت میں

خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي

کوئی حصّہ اور بعض لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! عطا فرما ہمیں دُنیا میں بھی بھلائی اور

الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا

آخرت میں بھی بھلائی ۲۵۲؎ اور بچالے ہمیں آگ کے عذاب سے۔ انہی لوگوں کو بڑا حصّہ ملیگا (دونوں جہانوں میں) بسبب

كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ

انکی (نیک) کمائی کے، اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب چکانے والا ہے۔ اور (خوب) یاد کرلو اللہ تعالیٰ کو ان دنوں میں جو معدودے چند ہیں ۲۵۳؎

زیادہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔

۲۵۱؎ مُشرکین کو آخرت کی زندگی پر ایمان نہ تھا۔ وہ اسی زندگی کو سب کچھ سمجھتے۔ اس لیے حج کرتے وقت اور دُوسرے خاص اوقات میں دُنیا کے متعلق ہی سوال کیا کرتے۔

۲۵۲؎ ان کے برعکس مومن صرف دُنیاوی منافع اور مقاصد پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ دُنیا و آخرت دونوں کے لیے وسیع دامن پھیلاتا ہے۔ حَسَنَۃ سے مُراد کوئی خاص چیز نہیں بلکہ ہر اچھائی مراد ہے فان حسنة نكرة فِي سياق الدّعاء فهو محتمل لكلّ حسنة (قرطبی) ایک شخص کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ملاحظہ فرمایا کہ چوزے کی طرح دُبلا ہو گیا ہے۔ حضورؐ نے دریافت کیا، اللہ تعالیٰ سے کوئی دُعا مانگا کرتا ہے۔ عرض کرنے لگا ہاں، یا رسول اللہ صلّی اللہ علیک وسلّم میں یہ دُعا کیا کرتا ہوں کہ اے مالک جو عذاب تو مجھے قیامت کے دن دینا چاہتا ہے وہ اس دُنیا میں ہی دیدے۔ حضورؐ نے فرمایا تم میں خدا کا عذاب برداشت کرنے کی قوت کہاں، تم یہ دُعا کیوں نہیں مانگا کرتے۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا الخ

۲۵۳؎ دسویں رات تو گزری مزدلفہ میں۔ صبح سویرے مُنہ اندھیرے فجر کی نماز ادا کی اور وہاں سے منیٰ میں آکر قیام کیا۔ یہاں آکر ہی سر مُنڈایا یا بال کتوائے، قربانی دی، احرام کی پابندیوں سے آزاد ہوئے اور کپڑے بدلے۔ ان امُور کے علاوہ چند مخصوص مقامات پر پتھر بھی مارنے پڑتے ہیں اور ذی الحجہ کی ۱۰-۱۱-۱۲-۱۳ تاریخ تک وہاں ہی قیام رہتا ہے۔ بارھویں کے دن پتھر مارنے کے بعد انسان اگر مکّہ واپس آجائے تو بھی درست ہے اور اگر تیرھویں کی رات وہاں قیام کرے اور دن کو رمی جمار کے بعد لوٹے تو بھی جائز ہے۔ لیکن حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک افضل دُوسری صورت ہے۔ منیٰ میں جتنے

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ

اور جو جلدی کر کے دو دِنوں میں ہی چلا گیا تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ اور جو کچھ دیر وہاں ٹھیرا رہا تو اس پر بھی کوئی

عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

گناہ نہیں (بشرطیکہ) وہ ڈرتا رہا ہو، اور ڈرتے رہو اللہ سے اور (خوب) جان لو تمہیں اسی کی بارگاہ میں اکٹھا کیا جائے گا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ

اور (اے سننے والے) لوگوں سے ۲۵۴ وہ بھی ہے کہ پسند آتی ہے تجھے اس کی گفتگو دُنیاوی زندگی کے بارے میں اور وہ گواہ بناتا رہتا ہے

اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى

اللہ کو اس پر جو اس کے دل میں ہے۔ حالانکہ وہ (حق کا) سخت ترین ۲۵۵ دشمن ہے۔ اور جب وہ حاکم بن جاتا ہے ۲۵۶ تو سر توڑ کوشش

فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللّٰهُ لَا

کرتا ہے کہ ملک میں فساد برپا کردے اور تباہ کردے کھیتوں کو اور نسلِ انسانی کو اور اللہ تعالیٰ

روز قیام کرے اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل اور حمد وثنا میں لگا رہے اور اپنے باطن کی اصلاح کی طرف پُوری پُوری توجہ دے۔

۲۵۴ یہاں سے مُنافقوں کے احوال کا بیان ہے کہ جب سامنے آتے ہیں تو بڑی میٹھی باتیں کرتے ہیں۔ اپنے مُسلمان ہونے کے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں۔ اور اس پر اللہ کی قسمیں بھی کھاتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے سب سے بڑے جھگڑالو دشمن یہی ہیں۔ جب یہ تمہارے پاس واپس آتے ہیں یا ان کو کچھ اقتدار مِلتا ہے تو ان کی شرپسند طبیعت گُل کِھلاتی ہے اور فتنہ وفساد اور قتل وغارت کا بازار گرم کر دیتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق ثقفی کے حق میں نازل ہوئی۔ لیکن اس کا حکم عام ہے۔ سب منافقین کی یہی عادت ہے، یہی ان کا طریق کار اور یہی انجام ہے۔

۲۵۵ بہت سخت عداوت رکھنے والے جھگڑالو کو اَلَدّ کہتے ہیں۔ خصام یا تو مصدر ہے بمعنی مخاصمۃ یا خصم کی جمع ہے۔

۲۵۶ تولّٰی کے دو معنی ہیں، والی بننا اور پیٹھ پھیرنا۔ قاضی بیضاوی اس کی تفسیر فرماتے ہیں ادبر وانصرف عنك وقیل اذا غلب وصار والیا۔ یہاں دونوں معنے مُراد ہو سکتے ہیں۔ یعنی اگر اسے اقتدار مِلتا ہے تو فتنہ وفساد برپا کرتا ہے اور لُوٹ کھسوٹ شروع کر دیتا ہے یا جب مُسلمانوں کے پاس سے اُٹھ کر چلا آتا ہے تو پھر وہی منافقت ظاہر کرنے لگتا ہے۔

يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿٢٠٥﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ

فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا اور جب کہا جائے اسے کہ (میاں) خُدا سے تو ڈرو تو اُکساتا ہے اسے غرور گناہ پر ۲۵۷

فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٢٠٦﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي

پس اس کے لیے جہنّم کافی ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے - اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو ۲۵۸ بیچ ڈالتا ہے

نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠٧﴾ يَا أَيُّهَا

اپنی جان (عزیز) بھی اللہ کی خوشنودیاں حاصل کرنے کے لیے اور اللہ نہایت مہربان ہے اپنے بندوں پر - اے

الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ

ایمان والو ۲۵۹ داخل ہوجاؤ اسلام میں پورے پورے اور نہ چلو شیطان کے

۲۵۷ اخنس اور اس کے سارے ہم مشربوں کا ایک ہی ڈھنگ ہے۔ جب انہیں انکی فتنہ پردازیوں سے روکنے کے لیے اللہ کا خوف دلایا جاتا ہے تو غصہ سے انکے نتھنے پھول جاتے ہیں۔ اور اسے وہ اپنے ذاتی وقار اور شخصی عزت کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ اس وقت نہ انہیں خدا کا خوف رہتا ہے اور نہ اس کے دردناک عذاب کا، وہ اپنی ساری طاقتیں اپنے جھوٹے وقار کو برقرار رکھنے کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ چلو وہ گئے مر گئے۔ اپنا کیا حال ہے۔ کیا ہم تو حق کے سامنے سر جھکانے کو عار نہیں سمجھتے۔ اور اپنی ناحق بات پر اڑے رہنے میں اپنی عزت تصور نہیں کرتے:

آپ ہی اپنے ذرا طرزِ عمل کو دیکھیں ؎ میں اگر عرض کروں گا تو شکایت ہوگی

۲۵۸ منافقوں اور منافق مشرب لوگوں کی اخلاقی پستی کا ذکر کرنے کے بعد اب ان بندگانِ خاص کا ذکر ہے جو اپنا تن من دھن اپنے مولا کریم کی رضاجوئی کے لیے قربان کرنے پر آمادہ و مستعد بیٹھے ہیں۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ ہجرت کے ارادہ سے مکہ سے نکلے تھے۔ کفار نے آگھیرا۔ آپ نے انہیں فرمایا، میرا سارا سامان لے لو اور مجھے مدینہ جانے سے نہ روکو۔ کافر اس پر رضامند ہوگئے اور یہ مردِ حق پرست جب اپنی زندگی کا سارا اندوختہ لُٹا کر محبوبِ ربّ العالمین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو جبریلِ امین یہ آیت لے کر پہنچے۔ کتنے خوش نصیب تھے صہیب رضی اللہ عنہ اور کتنے بلند اقبال ہیں اس کی راہ پر چلنے والے۔

۲۵۹ سِلم اور سَلم دونوں قرأتیں ہیں۔ دونوں کا معنی سرِ تسلیم خم کرنا غیر مشروط اطاعت اختیار کر لینا ہے۔ السلم بالکسر والفتح الاستسلام والطاعة (بیضاوی، مظہری) یہاں اس سے مُراد اسلام ہے۔ یہ آیت ہمیں اسلام کے مزاج سے آگاہ کر رہی ہے کہ یہ دین مستقل ضابطۂ حیات اور مکمّل دستورِ زندگی ہے۔ اس کے اپنے عقاید ہیں۔ اس کا اپنا

الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا

نقشِ قدم پر بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ۲۶۰ اور اگر تم پھسلنے لگو اس کے بعد کہ

جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ

آچکی ہیں تمہارے پاس روشن دلیلیں تو جان لو ۲۶۱ کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے کیا وہ اس بات کا انتظار کر

اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ

رہے ہیں کہ ۲۶۲ آئے انکے پاس اللہ کا عذاب چھائے ہوئے بادلوں (کی صورت) میں اور فرشتے اور (انکا)

دیوانی اور فوجداری قانون ہے۔ سیاسیات اور معاشیات کے متعلق اس کے اپنے نظریات ہیں۔ اور یہ انسان کی ذہنی، روحانی اور مادی ترقی کا ضامن ہے۔ لیکن اس کی برکتیں تب ہی رونما ہوسکتی ہیں جب کہ اسے ماننے والے اسے پورے کا پورا اپنالیں اور اس کے تمام ضابطوں اور قوانین پر عمل پیرا ہوجائیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اسے بتمام قبول کریں اس کا کوئی گوشہ ترک نہ ہو اور ملتِ اسلامیہ کا کوئی فرد اس کو اپنانے سے گریز نہ کرے۔ کافّۃ کا لفظ ان دونوں باتوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ کافۃ حال ہے اس کا ذوالحال ادخلوا میں ضمیر مستتر انتو بھی ہوسکتی ہے اور السلم بھی۔

۲۶۰ یعنی حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ۔ اس طرح حق کا حسن داغدار ہوجائے گا اور اس کا سرچشمہ مکدّر ہوجائے گا۔ آج ہماری کیا حالت ہے۔ کس طرح اسلام کے نام پر شہر آباد کیے جاتے ہیں۔ پھر اسی کی شاہراہوں پر اسلام کے نام اور اس کے نظام کو رسوا کیا جاتا ہے۔ اسلام کے نام پر مملکتیں معرضِ وجود میں لائی جاتی ہیں۔ لیکن اسلام کے قانون، ضابطہ اخلاق اور اس کی مقدس قدروں کو سرد خانوں میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ یہ خدا فریبی بھی ہے اور خود فریبی بھی۔ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم اپنے ساتھ مذاق کرنا چھوڑ دیں۔

۲۶۱ یعنی اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تم سے انتقام لے گا۔ وہ عزیز ہے، سب پر غالب ہے۔ کوئی اس کے حکم کے سامنے دم نہیں مار سکتا۔ لیکن اسکا ہر فعل حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ اگر اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہو کہ اس سرکش کو بھی ڈھیل دینا چاہیے تو اسے فوراً پکڑ نہیں لیا جاتا۔ بلکہ اسے ڈھیل دی جاتی ہے۔ اسی لیے عزیز کے ساتھ حکیم کا ذکر بھی آیا ہے۔

۲۶۲ اس آیت میں بظاہر آنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جا رہی ہے۔ لیکن آنا جانا جسم کی صفتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ جسم اور اس کی صفتوں سے پاک اور منزّہ ہے۔ اس کے متعلق علماءِ سلف کی متفقہ رائے یہ ہے کہ ایسی تمام آیتیں متشابہات سے ہیں۔ اور انکا حقیقی مفہوم اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں ہمیں اس کے متعلق سکوت اختیار کرنا چاہیے۔ قال سفیان بن عیینہ کل ما وصف اللہ بہ نفسہ ..... لیس لاحد ان یفسرہٗ الا اللہ ورسولہ وبہ قال ابو حنیفہ رحمۃ اللہ (مظہری) لیکن علماءِ متاخرین کا مسلک یہ ہے کہ ان آیات کی ایسی تاویل کرنا جو انکی شایانِ شان ہو درست ہے چنانچہ علامہ بیضاوی

قُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿٢١٠﴾ سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ

فیصلہ ہی کر دیا جائے اور (آخر کار) اللہ کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے سارے معاملات۔ آپ پوچھیے بنی اسرائیل سے ۲۶۳

كَمْ اٰتَيْنٰھُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ

کہ ہم نے انہیں کتنی روشن دلیلیں عنایت فرمائیں اور جو (قوم) بدل ڈالے اللہ کی نعمت کو اس کے مل جانے

مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢١١﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا

کے بعد۔ تو یقیناً اللہ تعالیٰ (اس قوم کو) سخت عذاب دینے والا ہے۔ آراستہ کر دی گئی ہے کافروں کے لیے ۲۶۴

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا

دنیا کی (فانی) زندگی اور مذاق اڑاتے ہیں یہ ایمان والوں کا، حالانکہ پرہیزگاروں کی شان

۲۵ ع ۹ — وقف لازم

اور دوسرے مفسرین نے یہاں آیت میں مضاف محذوف مانا ہے۔ یعنی اصل عبارت یوں تھی۔ ان یاتیھم امر اللہ وباسہ (بیضاوی) اور لغتِ عرب میں مضاف کا حذف عام مستعمل ہے۔ میں نے ترجمہ میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

۲۶۳ مسلمانوں کو جو عزت اور امانت سونپی جا رہی تھی، وہ ان سے پہلے بھی کئی قوموں کو دی گئی تھی۔ لیکن جب انہوں نے اس کی قدر نہ کی اور اس کا غلط استعمال شروع کر دیا تو دنیاوی عزت ان سے چھین لی گئی اور دینِ حق کی امانت ان سے واپس لے لی گئی اور انہیں ذلیل و رسوا کر دیا گیا۔

مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ اگر تم نے بھی اس نعمت کا شکر ادا نہ کیا اس کا صحیح استعمال کر کے اپنے لیے اور دوسروں کے لیے ہدایت کی راہ ہموار اور روشن نہ کر دی تو یاد رکھو تمہارا انجام بھی ویسا ہی ہوگا۔ اگر مثال دیکھنا چاہو تو تمہیں قدیم کتب خانوں کی ورق گردانی کرنے اور پرانے کھنڈرات میں سالہا سال سرگرداں محوِ فکر کھڑا رہنے کی ضرورت نہیں یہ جو تمہارے پڑوس میں قوم بنی اسرائیل بس رہی ہے اس سے پوچھ لو۔ وہ اپنی کج بحثی اور حق پوشی کی پرانی عادت کے باوجود ان تاریخی واقعات کا انکار نہیں کر سکتی۔

۲۶۴ کافر سے مراد یہاں صرف اللہ و رسول کا منکر نہیں بلکہ انکارِ نعمت اور احسان فراموشی کرنے والا بھی مراد ہے۔ یعنی جب انہوں نے ہدایت کے انعام کی قدر نہ کی تو ان کی نظریں حقیقت سے پھر کر دنیا کی زیب و زینت میں گم ہو کر رہ گئیں اور وہ الٹا ان لوگوں کا مذاق اڑانے لگے جو حق کی خاطر زندگی کی ساری عشرتوں سے دستبردار ہو کر افلاس اور تنگی پر قانع ہو گئے تھے۔ قیامت کے دن جب حقیقت سے پردہ اٹھے گا تو پتہ چلے گا کہ یہ مسکین لوگ جنہیں تم حقیر سمجھتے تھے مالکِ حقیقی کے نزدیک کتنی

فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

بلند ہوگی ان سے قیامت کے دن اور اللہ تعالیٰ روزی تو جسے چاہے ۲۶۵ بے حساب دے دیتا ہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ

(ابتدا میں) سب لوگ ایک ہی دین پر تھے ۲۶۶ (پھر جب انمیں اختلاف پیدا ہوگیا) تو بھیجے اللہ نے انبیاء خوشخبری سنانیوالے

وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ

اور ڈرانے والے ۲۶۷ اور نازل فرمائی ان کے ساتھ کتاب برحق تاکہ فیصلہ کر دے لوگوں کے درمیان

عزت وکرامت کے مستحق ہیں۔

۲۶۵ وہ لوگ اپنی وافر دولت، ساز وسامان، جاہ وجلال کو دیکھ کر دل میں یہ سوچنے لگتے ہیں کہ ہم پر ہی اللہ کی نظرِ عنایت ہے ہم ہی وہ لوگ ہیں جن کو اس نے اپنے فضل وکرم کے لیے چن لیا ہے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ دولت کی کثرت، مقبولیت اور قربِ خداوندی کی دلیل نہیں۔ رزق کی کمی بیشی گمراہی وہدایت کا معیار نہیں۔ اپنے دل کی گہرائیوں میں نظر ڈالو۔ اپنے اعمال کا جائزہ لو تمہیں حقیقت روزِ روشن کی طرح دکھائی دینے لگے گی۔

۲۶۶ دین کی تاریخ لکھنے والے اس کے آغاز، اس کی نشوونما اور اس کے عروج کی داستان قلمبند کرنے والے اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیے مدتوں سرگرداں رہے کہ دین کی ابتدا کیوں کر ہوئی اور انکی طویل تحقیق کا نتیجہ یہ تھا کہ انسان ابتدا میں مشرک تھا اور عقیدۂ توحید تک اس کی رسائی آہستہ آہستہ سینکڑوں صدیاں ٹھوکریں کھانے کے بعد ہوئی۔ قرآن بتاتا ہے کہ یوں نہیں بلکہ انسانِ اوّل (آدم علیہ السلام) موحد تھا۔ شرک سے اسکا کوئی سروکار نہ تھا اور عرصہ دراز تک اس کی اولاد عقیدۂ توحید پر ثابت قدم رہی قرآن نے اس سوال کا جواب جو صدیوں پہلے دیا تھا اور جس کو تسلیم کرنے کے لیے یورپ کے محقق کل تک تیار نہ تھے آج مجبوراً تسلیم کر رہے ہیں۔ چنانچہ آثارِ قدیمہ کے ماہرین انسانیات اور اجتماعیات کے علماء سر چارلس مارسٹن، پروفیسر لنگڈن اور پروفیسر شمڈٹ کا یہی فیصلہ ہے کہ انسان کا دینِ اوّلین دین توحید تھا (تفسیرِ ماجدی)

۲۶۷ یہاں اُمّۃ واحدۃ اور فبعث اللہ کے درمیان ایک چھوٹا سا جملہ فاختلفوا محذوف ہے جس پر فیما اختلفوا فیہ کے الفاظ صراحۃً دلالت کر رہے ہیں۔ اب آیت کا مطلب بالکل صاف ہوگیا کہ پہلے مدت دراز تک ایک ہی امت بنے رہے بعد میں جب نسلِ انسانی بڑھی تو لوگ اپنے مزاجوں اور طبیعتوں کے اختلاف کی وجہ سے آپس میں جھگڑنے لگے اور اولادِ آدم مختلف ٹولیوں اور گروہوں میں بٹ گئی۔ بھٹکے ہوؤں کو راہِ راست پر لانے کے لیے، اختلاف کی آگ کو بجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام مبعوث فرمائے اور انکو آسمانی کتابیں عطا فرمائیں۔ انبیاء کرام نے اپنے وعظ ونصیحت

النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ

جن باتوں میں وہ جھگڑنے لگے تھے اور کسی نے اختلاف نہیں کیا اس میں ۲۶۸ بجز اُن لوگوں کے جنہیں کتاب

مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۖ فَهَدَى اللَّهُ

دی گئی تھی بعدازاں کہ آگئی تھیں اُن کے پاس روشن دلیلیں (اسکی وجہ) ایک دوسرے سے حسد تھا۔ پس اللہ نے ہدایت بخشی

الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي

اُنھیں جو ایمان لائے تھے ان سچی باتوں پر جن میں وُہ اختلاف کیا کرتے تھے اپنی توفیق سے ۲۶۹ اور اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے

مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٢١٣﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا

جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف۔ کیا تم خیال کر رہے ہو ۲۷۰ کہ (یونہی) داخل ہو جاؤ گے

سے اِن کو جھگڑا بازی اور فرقہ بندی سے نکالنے کی کوششیں کیں تاکہ منتشر انسانوں کی یہ ٹکڑیاں پھر ایک قوم بن جائیں۔

۲۶۸ ان الفاظ سے تاریخ انسانی کے ایک بہت بڑے المیے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ اور وہ المیہ یہ ہے کہ وہ کتاب جو اتحاد پیدا کرنے کے لیے نازل کی گئی تھی، اس کو جاننے اور سمجھنے والوں نے اِس کتاب کے ذریعہ" اس کو ماننے والی اُمت" کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، انکا باہمی اختلاف اور فرقہ بندی حسنِ نیت کی وجہ سے نہ تھی بلکہ حسد اور عناد اور سرکشی کا جذبہ تھا جس نے مِلّت کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔

۲۶۹ یعنی کتاب سے ہدایت اُنہیں لوگوں کو مل سکتی ہے جو سچے" دل سے ایمان لاتے ہیں۔ اور جو کتاب کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں، اور جو لوگ اپنے من گھڑت معنوں کا لباس اللہ کی آیاتِ بیّنات کو زبردستی پہنا دینے کو اپنے علم و کمال کا کرشمہ سمجھتے ہیں وہ اِس سے ہدایت نہیں پا سکتے۔

۲۷۰ مسلمانوں کو تنبیہہ کی جا رہی ہے کہ تم اِس اختلاف اور فرقہ بندی سے اپنا دامن بچانا۔ جن حالات سے پہلی اُمتوں کو واسطہ پڑا تمہیں بھی انکا سامنا کرنا ہوگا، ایسے فتنہ باز تم میں بھی پیدا ہوں گے جو اپنے ذاتی وقار اور اپنی ناموری کے لیے قرآن کے نام پر مِلّت کے اتحاد کو پارہ پارہ کریں گے تم ان کے جال میں نہ پھنسنا۔ اگر تم اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کہ اِسلام میں داخل ہو جانے کے بعد اب تم پر جنّت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں تو اس خام خیالی سے باز آجاؤ۔ خوب کان کھول کر سُن لو، ہوش رُبا مصیبتیں، کڑی آزمائشیں اور لرزہ خیز امتحانات تمہاری راہ دیکھ رہے ہیں۔ اِس وقت اگر تم ثابت قدم رہے اور صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اللہ کی مدد تمہاری دستگیری کو یقیناً آئے گی۔

الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ مَسَّتْهُمُ

جنّت میں حالانکہ نہیں گذرے تم پر وہ حالات جو گذرے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے ہوئے ہیں ، پہنچی انھیں

الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

سختی اور مصیبت اور وہ لرز اُٹھے یہاں تک کہ کہہ اُٹھا (اس زمانہ کا) رسول اور جو ایمان لے آئے

مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۗ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ

تھے اسکے ساتھ کب آئیگی اللہ کی مدد ؟ سُن لو یقیناً اللہ کی مدد قریب ہے ، آپ سے پوچھتے ہیں کہ

مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۖ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ

وہ کیا خرچ کریں ۱۷۱ ، آپ فرمائیے جو کچھ خرچ کرو (اپنے) مال سے تو اس کے مستحق تمہارے ماں باپ ہیں ، اور

الْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا

قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور مسکین ہیں اور مسافر ہیں اور جو نیکی تم کرتے ہو

مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ

تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُسے خوب جانتا ہے۔ فرض کیا گیا ہے تم پر جہاد اور وہ ناپسند ہے

۱۷۱ دو باتوں کے متعلق پوچھا گیا تھا۔ کہ کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں۔ دونوں کا جواب دیا گیا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے سوال کا جواب ضمناً ہے اور دوسرے کا صراحتہً اور تفصیلاً کیا خرچ کریں، کے متعلق تو فرمایا، مِنْ خَيْرٍ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے تو حلال اور پاک مال خرچ کرو۔ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات حرام اور ناپاک مال کو قبول نہیں فرماتی۔ دُوسرے سوال کا جواب اپنی اہمیت کے پیشِ نظر تفصیل طلب تھا اس کی وضاحت کردی۔ حکم دیا جاتا ہے کہ خرچ کرنے کا آغاز اپنے گھر سے کرو اور گھر میں بھی اپنے حقوق کے لحاظ سے سب سے مقدم ماں باپ ہیں۔ انکی خدمت اور دلداری تمہارا فرضِ اوّلیں ہے۔ ان کے بعد دُوسرے عزیز و رشتہ دار ہیں، اولاد، بہن بھائی، چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ وغیرہ سب کے ساتھ احسان و مروّت از حد اہم ہے۔ انکے بعد باری ہے قوم کے یتیم بچوں کی مسکینوں اور بے وطن مسافروں کی، امداد و اعانت کا کتنا مناسب اور فطری طریقہ ہے۔ ایسا نہیں کہ اپنے تو بھوک سے بلک رہے ہوں اور بیگانوں پر آپ کی سخاوت کا مینہ برس رہا ہو۔

لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا

تمہیں ۲۷۲ے اور ہوسکتا ہے کہ تم ناپسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم پسند کرو

شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ

کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بُری ہو اور (حقیقتِ حال) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۲۷۳ے وہ پوچھتے ہیں آپ سے

عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۗ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۗ وَصَدٌّ

کہ ماہِ حرام میں جنگ کرنے کا حکم کیا ہے ۲۷۴ے آپ فرمایئے کہ لڑائی کرنا اس میں بڑا گناہ ہے لیکن روک دینا

۲۷۲ے بعض مستشرقین نے اسلامی جہاد کو عجیب رنگ میں پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمان طبعاً لوٹ مار اور جنگ و جدال کے رسیا تھے۔ ہر وقت تلواریں سونتے پُرامن بستیوں کو برباد کرنے اور لوٹنے کے لیے آدھمکتے تھے۔ وہ زبردستی لوگوں کو اپنے دین میں داخل کیا کرتے تھے، کہنے کو انسان جو جی چاہے کہے لکھنے کو جو دل میں آئے لکھ دے لیکن اس طرح حقیقت تو بدل نہیں جاتی، واقعات تو مسخ نہیں ہو جاتے۔ تاریخ کے صفحات اور قرآن کی یہ آیت ان کے سارے افسانوں کی تردید کے لیے کافی ہے۔ کوئی قوم اگر طاقت کے نشہ میں مست ہو۔ اس کے پاس وسائل کی بہتات ہو اور اس کا مقابل کمزور ہو اور دین اور اخلاق کا کوئی ضابطہ بھی اس کو روکنے والا نہ ہو تو مانا جا سکتا ہے کہ ایسی قوم جنگ کا اعلان کر دے تاکہ کمزور دشمن کو نیست و نابود کر کے اپنی حکومت کو وسعت دے، اپنے خدمت گاروں کی صفوں میں اضافہ کرے اور انکی دولت و ثروت کو ہڑپ کر لے۔ لیکن تاریخ ہمیں ایسی ایک بھی مثال نہیں بتا سکتی کہ کسی کمزور، تعداد میں کم، سامانِ جنگ سے یکسر محروم قوم نے شوقیہ اپنے سے طاقتور، کثیر التعداد، ہر قسم کے اسلحہ سے لیس قوم کو جنگ کے لیے للکارا ہو۔ اب خود فیصلہ فرمایئے کہ مستشرقین کا یہ خیال کہاں تک درست ہے کہ جنگ مسلمانوں کا مشغلہ تھا۔ کیا مسلمان ان حالات میں پہل کرنے کی پوزیشن میں تھے؟ ہرگز نہیں۔ آپ قرآنِ حکیم کے ان الفاظ پر غور فرمایئے وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ کہ تم پر جہاد فرض کیا گیا حالانکہ وہ تمہیں ناپسند ہے اگر مسلمان طبعی طور پر جنگجو ہوتے اور ان کا دین انہیں لوٹ مار کا سبق دیتا تو کیا وہ جنگ کو ناپسند کرتے بلکہ وہ تو بہانے تلاش کرتے کہ کوئی موقعہ ہاتھ آئے تاکہ لوٹ مار تاخت و تاراج کی حسرت پوری ہو سکے۔

۲۷۳ے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے سامنے تمہاری پسند اور ناپسند کو دخل نہیں۔ تمہارا فرض ہے اپنے ربّ کا ہر حکم مانتے چلے جاؤ۔ کیونکہ وُہی جانتا ہے کہ تمہارے لیے کونسی چیز مفید ہے اور کونسی نقصان دِہ ہے۔

۲۷۴ے حضورِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جمادی الثانی کی آخری تاریخوں میں عبد اللہ بن جحش کو ایک مختصر سے دستے کے ساتھ کفّار کی نقل و حرکت معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ ان کی مٹھ بھیڑ مشرکین کے ایک قافلہ سے ہو گئی۔ چنانچہ ان کا ایک آدمی

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ

اللہ کی راہ سے اور کفر کرنا اس کے ساتھ اور (روک دینا) مسجد حرام سے اور نکال دینا اس میں بسنے والوں کو

مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ

اس سے، اس سے بھی بڑے گناہ ہیں اللہ کے نزدیک اور فتنہ (وفساد) قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اور ہمیشہ ۲۷۵

يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ

لڑتے رہیں گے تم سے یہاں تک کہ پھیر دیں تمہیں تمہارے دین سے اگر بن پڑے اور جو

يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ

پھرے تم میں سے اپنے دین سے پھر مرجائے حالتِ کفر پر تو یہی وہ (بدنصیب) ہیں کہ ضائع

مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا اور تین آدمیوں کو سازوسامان سمیت گرفتار کرلیا گیا۔ جس روز یہ واقعہ ہوا مسلمان اس خیال میں تھے کہ رجب کا چاند دکھائی نہیں دیا اور جمادی الثانی کی تیسویں تاریخ ہے اور حقیقت یہ تھی کہ رات کو رجب کا چاند ہوگیا تھا۔ اس واقعہ سے کفارِ مکہ اور یہود ومنافقین مدینہ کو مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈے کا ایک سنہری موقعہ ہاتھ آگیا۔ انہوں نے تو ادھم مچانا شروع کردیا کہ ذرا دیکھو ان مسلمانوں کو لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور خود ماہِ حرام (رجب) میں قتل کرنے سے بھی باز نہیں آتے مسلمانوں کی اس نادانستہ غلطی کو لے کر انہوں نے بات کا بتنگڑ بنا دیا۔ ان آیات میں انکے پروپیگنڈے کا منہ توڑ جواب دیا گیا کہ ٹھیک ہے ماہِ رجب کی بڑی عزت وحرمت ہے اور اس میں قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ لیکن اپنے کرتوتوں کو بھی تو ملاحظہ کرو۔ وہ راستہ جو بندے کو مولا تک پہنچاتا ہے وہ تم روکے کھڑے ہو۔ مسجدِ حرام میں کسی حق پرست کو تم داخل ہونے نہیں دیتے۔ صرف یہی نہیں بلکہ امن وسلامتی کے اس شہر سے اس کے اصلی باشندوں کو جلاوطن کرنے سے تم باز نہیں آتے اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ جو دعوتِ اسلام قبول کرلیتا ہے اسے طرح طرح کے عذاب دیکر، اس کے دل میں شکوک وشبہات ابھار کر دینِ حق سے دور کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہو۔ ان سنگین جرائم کا تو تمہیں خیال تک بھی نہیں، بلکہ ان کو تم جرم سمجھتے ہی نہیں اور اس معمولی واقعہ کو جو محض غلطی سے سرزد ہوگیا اسے یوں اچھال رہے ہو گویا یہ تمہارے جرموں سے قبیح ترین ہے۔

۲۷۵ مسلمانوں کو کفار کی دلی آرزو سے آگاہ کیا جا رہا ہے۔ تاکہ ہشیار رہیں۔

اَعۡمَالُهُمۡ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ

ہو گئے ان کے عمل دُنیا و آخرت میں اور یہی دوزخی ہیں ، وہ

فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا

اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا ،

فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ

اللہ کی راہ میں ، (تو) یہی لوگ اُمید رکھتے ہیں اللہ کی رحمت کی ، اور اللہ بڑا بخشنے والا

رَّحِیۡمٌ ﴿۲۱۸﴾ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡخَمۡرِ وَالۡمَیۡسِرِ ؕ قُلۡ فِیۡهِمَاۤ اِثۡمٌ کَبِیۡرٌ

بہت رحم فرمانیوالا ہے ۔ وہ پوچھتے ہیں آپ سے ۲۷۶ شراب اور جوئے کی بابت ، آپ فرمائیے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے

۲۷۶ شراب کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے بھی بعض سلیم طبیعتیں اس کو گوارا نہیں کرتی تھیں ۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت معاذؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ہمیں شراب کے متعلق حکم دیجئے ۔ فانها مذهبة للعقل ومسلبة للمال ۔ یہ عقل زائل کرنے والی اور مال ضائع کرنے والی ہے تو یہ آیت نازل ہوئی ۔ اس پر بعض نے شراب ترک کر دی اور بعض پیتے رہے ۔ کیونکہ اس میں صراحتہً روکا نہیں گیا تھا ۔ ایک روز حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے بعض احباب کو بلایا اور انہیں شراب پیش کی ۔ جب وہ پی کر مست ہو گئے تو شام کی نماز کا وقت ہو گیا ۔ انہیں میں سے ایک صاحب نے امامت کرائی اور سورہ الکافرون کی تلاوت شروع کی اور بجائے لا اعبد ما تعبدون (میں انکی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کیا کرتے ہو) کی جگہ اعبد ما تعبدون (میں بھی انکی عبادت کرتا ہوں جن کی تم کرتے ہو) پڑھ گئے ۔ تو اس وقت حکم ہوا ۔ لا تقربوا الصلوٰة وانتم سکٰریٰ کہ نشہ کی حالت میں نماز مت پڑھو ۔ پھر ایک محفل میں جس کا اہتمام عتبان بن مالک نے کیا تھا ۔ جب جام شراب گردش میں تھا اور حاضرین کو خمار چڑھنا شروع ہوا تو لگے اپنے اپنے قبیلوں کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے ۔ کسی صاحب نے انصار کی ہجو میں شعر کہہ دیا ۔ ایک انصاری نے اُونٹ کے جبڑے کی ہڈی ان کے سر پر دے ماری اور سر پھوڑ دیا ۔ بارگاہِ رسالت میں شکایت کی گئی ۔ حضرت عمرؓ نے التجا کی اے اللہ ! شراب کے بارے میں واضح حکم نازل فرما ۔ تو یہ آیت نازل ہوئی ۔ انما الخمر ۔ الی ۔ فهل انتم منتهون ۔ یہ شراب کی حرمت کا اٹل حکم تھا (اس کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ)

وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَ اِثۡمُهُمَاۤ اَكۡبَرُ مِنۡ نَّفۡعِهِمَا ؕ وَ يَسۡـَٔلُوۡنَكَ

اور کچھ فائدے بھی ہیں لوگوں کے لیے اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے ۴۷۷ ان کے فائدے سے اور پوچھتے ہیں آپ سے

مَاذَا يُنۡفِقُوۡنَ ؕ قُلِ الۡعَفۡوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الۡاٰيٰتِ

کیا خرچ کریں فرمائیے جو ضرورت سے زیادہ ہو ۴۷۸ اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے حکموں کو

۴۷۷ یعنی یہ درست ہے کہ شراب سے عارضی سرور بھی حاصل ہوتا ہے اور جوئے سے بغیر محنت ومشقت کے دولت بھی مل جاتی ہے لیکن انکے نقصانات اتنے زیادہ ہیں کہ انکے سامنے اس نفع قلیل کی کوئی اہمیت نہیں رہتی (مزید وضاحت کے لیے سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۹۰-۹۱ ملاحظہ فرمائیے)۔

۴۷۸ جو تمہاری ضروریات سے زیادہ ہو یا جس کا خرچ کرنا تمہاری طبیعتوں پر بوجھ نہ ہو العفو ماسھل وتیسر و فضل ولم یشق علی القلب اخراجه (قرطبی) ایک شخص سونے کا انڈا لیے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میری طرف سے یہ صدقہ قبول فرمائیے حضور نے منہ پھیر لیا۔ وہ بار بار اصرار کرتا رہا اور حضور اعراض فرماتے رہے۔ جب وہ باز نہ آیا تو حضور نے وہ انڈا اس سے لے کر غصے سے دور پھینک دیا۔ اور اگر وہ اسے لگ جاتا تو اس کا سر پھوڑ دیتا۔ پھر اس حکیم ومشفق استاد اور مربی نے فرمایا یاتی احدکم بمالہ کلہ یتصدق بہ و یجلس یتکفف الناس انما الصدقۃ عن ظھر غنی (تم میں سے کوئی آتا ہے اور اپنا سارا مال خیرات کر دیتا ہے اور پھر لوگوں سے بھیک مانگنے لگتا ہے۔ صدقہ تو تب ہے جب احتیاج نہ ہو) نیز اس لفظ میں ان لوگوں کے لیے بھی درس عبرت ہے جن کے پاس بے حساب دولت ہے اور ان کے گردو نواح اور پڑوس میں کئی غریب، مسکین اور محتاج زندگی کی اہم ضروریات کے لیے بھی ترس رہے ہوتے ہیں وہ بھی یہ نہ سمجھیں کہ زکوٰۃ ادا کرکے اب وہ ہر قسم کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے ہیں بلکہ ان کی ضرورت سے زیادہ جو سرمایہ ہے اس سے وہ اپنے اسلامی بھائیوں کی ضرور مدد کریں۔ بعض کا خیال ہے کہ زکوٰۃ سے پہلے یہ حکم تھا کہ ضرورت سے زیادہ مال صدقہ کر دیا کرو لیکن زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں کہ یہ رائے درست نہیں کیونکہ آیت زکوٰۃ جو سورۂ بقرہ کی ابتدا میں ہے اس آیت سے پہلے نازل ہوئی اس لیے وہ اس آیت کی ناسخ نہیں ہو سکتی قلت و ھذا لیس بسدید فان انزال الحکم بالزکوٰۃ فی صدر سورۃ البقرۃ ... (فھی) مقدمۃ نزولا علی ھذہ الآیۃ (مظہری) نیز یہاں نسخ کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ زکوٰۃ فرضی صدقہ ہے اور یہ آیت نفلی صدقات کے بارے میں ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ

تاکہ تم غور و فکر کرو ۲۷۹ دُنیا اور آخرت (کے کاموں) میں ۔ اور پوچھتے ہیں آپ سے یتیموں

الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ

کے بارے میں ۲۸۰ فرمائیے (ان سے الگ تھلگ رہنے سے) انکی بھلائی کرنا بہتر ہے اور اگر (کاروبار میں) تم انہیں ساتھ ملالو تو وہ تمہارے بھائی ہیں

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ

اور اللہ خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے ۲۸۱ اور اگر چاہتا اللہ تو مشکل میں ڈال دیتا تمہیں

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ

بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا حکمت والا ہے۔ اور نہ نکاح کرو ۲۸۲ مشرک عورتوں کے ساتھ یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں

۲۷۹ یعنی دُنیا و آخرت دونوں کو بہتر بنانے کے لیے غور و فکر کرو۔ یہ ہے مومن کامل کا طریق کار۔

۲۸۰ بعض لوگ تو یتیموں کے اموال کو خُرد بُرد کرنے کے لیے انکے ساتھ شراکت کرتے۔ لیکن کئی ایسے بھی تھے جو ازراہ ہمدردی ان کو اپنے کاروبار میں شریک کر لیتے۔ اور دیانتداری سے انکے حصّہ کا نفع ان کو ادا کرتے اور ان کی سہولت کے پیش نظر انکے کھانے پینے کا انتظام اپنے ساتھ کر لیتے۔ جب قرآنِ حکیم نے یتیموں کے اموال میں بد دیانتی کرنے سے سختی سے روکا بلکہ انکے مال کے نزدیک تک جانے سے منع کر دیا تو اس سے ان لوگوں کو بھی بڑی پریشانی ہوئی جو یتیموں کی بہتری اور فائدہ کے لیے ان کو اپنے ساتھ شریک کیے ہوئے تھے۔ اس لیے فرمایا کہ اگر تم یتیموں کا روپیہ کاروبار میں لگاؤ تاکہ اس سے انہیں نفع پہنچے تو یہ اچھی بات ہے۔ منع تو اس امر سے کیا گیا ہے کہ تم ان کے مال ہضم کر جاؤ۔

۲۸۱ وہ ہر ایک کی نیّت اور ارادے سے واقف ہے۔ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔

۲۸۲ اسلام کے ابتدائی دَور میں مسلمان کفار سے رشتہ لیا بھی کرتے تھے اور دیا بھی کرتے تھے۔ لیکن اب انہیں اس بات سے روک دیا گیا اور انہیں بتا دیا گیا کہ مانا کوئی مشرک عورت اپنے مال و دولت، حسن و جمال اور اپنے فضل و کمال میں بڑھی ہوئی ہے لیکن اس کے شرک کے عیب نے اس کے تمام حسن و کمال کو بدنما بنا کر رکھ دیا ہے اور مومنہ پر ایمان کے نُور کا جو ہالہ ہے اس نے اس کی دُوسری جملہ خامیوں کی کسر نکال دی ہے اور یہی فرق مومن مرد اور مُشرک مرد کا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب میاں اور بیوی کے عقاید بالکل متضاد ہوں گے ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کا بندہ اور دوسرا ہزاروں بُتوں کا پرستار ہوگا تو ان کی کب نبھ سکے گی۔ لامحالہ آج نہیں تو کل یہ کشتی کسی چٹان سے ٹکرائے گی اور پاش پاش ہو جائے گی۔ نیز وہ دو

وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا

اور بے شک مسلمان لونڈی بہتر ہے (آزاد) مشرک عورت سے اگرچہ وہ بہت پسند آئے تمہیں۔ اور نہ نکاح کر دیا کرو

الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ

(اپنی عورتوں کا) مشرکوں سے یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں اور بے شک مومن غلام بہتر ہے (آزاد) مشرک سے،

وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا

اگرچہ وہ پسند آئے تمہیں وہ لوگ تو بلاتے ہیں ۲۸۳ دوزخ کی طرف اور اللہ تعالیٰ بلاتا ہے

اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

جنّت اور مغفرت کی طرف اپنی توفیق سے اور کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے حکم لوگوں کے لیے تاکہ وہ

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ ع وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ

نصیحت حاصل کریں۔ اور وہ پوچھتے ہیں آپ سے حیض کے متعلق ۲۸۴ فرمائیے وہ تکلیف دہ ہے

ع ۲۷/۵ ۱۱

قومیں جو ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہیں ان کے افراد کو ایک دوسرے پر اعتماد کب ہوگا اور وہ شادی جہاں باہمی اعتماد نہ ہو۔ جذبات اور امنگیں ایک دوسرے سے بالکل متضاد ہوں وہ زیادہ دیرپا نہیں ہوسکتی اس لیے تم جذبات کی رَو میں نہ بہہ جاؤ اور اپنے مستقبل کو برباد نہ کرو۔

اہلِ کتاب کی عورتوں کے ساتھ شادی کرنے کا حکم اپنے موقع پر آئے گا۔

۲۸۳ سابقہ حکم کی حکمت بیان کی جارہی ہے۔ یعنی اگر مشرک عورت سے شادی رچائی تو وہ اپنی پوری کوشش کرے گی کہ وہ تمہیں اسلام سے رُوگرداں کردے اور عورت کے دامِ فریب میں تو بڑے بڑے سُورماؤں کو پھڑکتے دیکھا ہے۔ اور اگر تم نے اپنی بیٹی کسی مشرک سے بیاہ دی تو ممکن ہے اس کی ہیبت کا کوئی جھونکا تمہاری بیٹی کے ایمان کی شمع بجھادے۔ خود سوچو یہ کتنا ناقابلِ برداشت خسارہ ہے۔

۲۸۴ یہود ایامِ حیض میں عورت سے بالکل قطع تعلّق کرلیا کرتے تھے۔ ایک ساتھ اُٹھنا بیٹھنا تو کجا اس کے ساتھ کھانا پینا بھی بند کردیا جاتا۔ بلکہ اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا بھی ناپاک خیال کیا جاتا تھا اور مشرکینِ عرب کا رویہ بھی تقریباً ایسا ہی تھا۔ لیکن نصاریٰ ان دنوں میں کسی قسم کا پرہیز نہیں کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم بستری سے بھی باز نہ آتے۔ حضور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم سے دریافت

فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ ۙ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰی

پس الگ رہا کرو عورتوں سے حیض کی حالت میں اور نہ نزدیک جایا کرو ان کے یہاں تک کہ

یَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ

وہ پاک ہو جائیں۔ پھر جب وہ پاک ہو جائیں ۲۸۵ تو جاؤ ان کے پاس جیسے حکم دیا ہے تمہیں اللہ نے

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَآؤُكُمْ

بے شک اللہ دوست رکھتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور دوست رکھتا ہے صاف ستھرا رہنے والوں کو۔ تمہاری بیویاں

حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ ۫ وَ قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ

تمہاری کھیتی ہیں ۲۸۶ سو تم آؤ اپنے کھیت میں جس طرح چاہو ۲۸۷ اور پہلے پہلے کر لو اپنی بھلائی کے کام ۲۸۸

کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط بلکہ اسلام کی روایتی میانہ روی اور اعتدال جلوہ فرما ہے۔ صحبت سے منع کر دیا کیونکہ مرد عورت دونوں کا فائدہ اسی میں ہے۔ عورت کی طبیعت ان دنوں نڈھال ہوتی ہے اور یہ عمل اس کے لیے بھی ناگوارِ خاطر ہوتا ہے۔ نیز خون جو بہر حال غلیظ اور نجس ہے ایسے حال میں مقاربت کو کوئی سلیم الطبع انسان پسند نہیں کرتا بلکہ ایسا کرنے سے بسا اوقات ایسی نفرت پیدا ہو جاتی ہے کہ پھر اس کا ازالہ ممکن نہیں ہوتا۔ لیکن ساتھ اُٹھنے بیٹھنے کھانے پینے کو اسلام نے جائز رکھا کیونکہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

۲۸۵ یہاں طہارت میں مبالغہ مطلوب ہے۔ یعنی خون کے بند ہونے کے بعد غسل کر لے یا ایک نماز کا وقت گزر جائے یا خون دس دن گزرنے پر بند ہوا ہو تو پھر مقاربت کی اجازت ہے۔ یہ قید اس لیے بڑھائی گئی ہے تاکہ خون بند ہونے کا پورا یقین ہو جائے۔

۲۸۶ "یعنی فطرۃ اللہ نے عورتوں کو مردوں کے لیے سیر گاہیں نہیں بنایا بلکہ ان دونوں کے درمیان کھیت اور کسان کا سا تعلق ہے" (تفہیم القرآن) ایک نازک ترین حقیقت کو کیسے احسن پیرایہ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ جبینِ حیا پر شکن بھی نہیں پڑتی اور مقصد بھی کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو اسلامی ازدواج کا سارا فلسفہ سمیٹ کر ان دو لفظوں میں رکھ دیا گیا ہے۔ شادی کا مقصد صرف لذّت طلبی نہیں بلکہ حصول اولاد ہے۔ اس لیے اپنے لیے بیوی ایسی منتخب کرو جو نیک اور پاکباز ہو۔ کیونکہ اگر ردّی زمین میں تخم ریزی کرو گے تو اچھی کھیتی کی توقع عبث ہے۔ نیز جس طرح کسان کی ظاہری خوشحالی بلکہ بقا کا انحصار اس کے کھیت کی حفاظت و نگہداشت اور خدمت پر ہے اور اس کے لیے دلی وابستگی ضروری ہے۔ اسی طرح تمہارا تعلق اپنی رفیقۂ حیات سے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

اور ڈرتے رہو اللہ سے اور خوب جان لو کہ تم ملنے والے ہو اس سے اور (اے حبیب) خوشخبری دو مومنوں کو

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَ

اور نہ بناؤ اللہ (کے نام) کو رکاوٹ ۲۸۹ اس کی قسم کھا کر کہ نیکی نہ کرو گے اور پرہیزگاری نہ کرو گے اور

دِلی وابستگی کا ہونا چاہیئے۔ غرضیکہ آپ جتنا غور کرتے جائیں گے شادی کے مقاصد اور فرائض نکھر نکھر کر سامنے آتے جائیں گے۔

۲۸۷ اَنّٰى بمعنی کیف ہے۔ یعنی مقاربت کی کوئی ایک ہیئت متعین نہیں بلکہ جیسے تمہیں پسند ہو۔ صرف ایک شرط ملحوظ رہے کہ تخم ریزی وہاں ہو جو جگہ اس کے لیے مخصوص کی گئی ہے۔ آیت کے اِن الفاظ سے دو غلط کاریوں کا رد کر دیا گیا ہے۔ یہود نے مقاربت کے لیے صرف ایک شکل مخصوص کر رکھی تھی۔ فرمایا کسی خاص ہیئت کی پابندی کی ضرورت نہیں بلکہ جیسے تمہیں پسند ہو۔ اور بعض گندے مذاق کے لوگ عورتوں کے ساتھ لواطت کیا کرتے تھے۔ اس سے منع فرمایا کہ وہ تخم ریزی کی جگہ نہیں۔ اِس سے شادی کا مقصد بھی فوت ہو جاتا ہے اور عورت کے طبعی حقوق بھی پامال ہوتے ہیں

۲۸۸ بڑا جامع فقرہ ہے اور بڑے وسیع مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی اِن لذتوں میں ہی نہ کھو جاؤ بلکہ اپنی آنے والی زندگی کے لیے نیک اعمال کا توشہ جمع کرتے رہو۔ نیز شادی سے اولاد طلب کرو تاکہ اس کی وجہ سے تمہارا نام باقی رہے اور ان کے اعمالِ صالحہ سے تمہارے مر جانے کے بعد بھی تمہارے اعمال نامہ میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا رہے۔ اگر تم لذّت طلبی میں ہی عمر برباد کر کے دنیا سے چل دیئے تو تمہارا نام تک مٹ جائے گا۔ اور اگر اولاد ہوئی اور اس کی تم نے صحیح تربیت نہ کی۔ ان کے اخلاق اور سیرت کو اسلامی سانچے میں نہ ڈھالا۔ وہ جاہل۔ بدعمل، بدکار بن گئے تو تمہیں یاد تو کیا جائے گا لیکن ایسی بُرائی کے ساتھ کہ اس سے تمہیں اگر یاد نہ کیا جاتا تو ہزار بار بہتر تھا۔ نیز نیک اولاد کی خواہش ہے تو پہلے ایسی نیک بیوی تلاش کرو جو نیک اور سعادتمند بچوّں کی ماں بن سکے۔ یہ سارے مطالب قدموا لانفسکم میں بیان فرما دیئے گئے ہیں۔

۲۸۹ عرضۃ ای حاجز (بیضاوی) یعنی رکاوٹ۔ بعض نادان قسم اٹھا لیا کرتے تھے کہ وہ ماں باپ کے ساتھ نہیں بولیں گے یا اپنے بھائی وغیرہ سے قطع تعلق کر لیں گے اور جھُوٹی گواہی ضرور دیں گے اور پھر اپنی قسموں کی وجہ سے اپنے آپ کو نیکی نہ کرنے کا پابند سمجھتے تھے (اور آجکل بھی یہ عام رواج ہے) اِس آیت میں بتایا گیا کہ نیکی نہ کرنے پر اللہ کے نام کی قسمیں مت اٹھاؤ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا ارشادِ گرامی ہے اذا حلفت علی یمین فرایت غیرھا خیرًا منہا فات الذی ھو خیر وکفر عن یمینک۔ یعنی اگر تم کسی کام کی قسم اُٹھا لو اور پھر اس سے دوسرا کام نیک معلُوم ہو تو وہ نیک کام کر لو اور قسم کا کفّارہ ادا کر دو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا نامِ پاک نیک کام نہ کرنے کا ذریعہ مت بناؤ۔ قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا کپڑے دینا یا تین روزے رکھنا۔

تُصۡلِحُوۡا بَیۡنَ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا یُؤَاخِذُکُمُ

صلح نہ کراؤ گے لوگوں میں اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا جاننے والا ہے نہیں پکڑے گا تمہیں

اللّٰہُ بِاللَّغۡوِ فِیۡۤ اَیۡمَانِکُمۡ وَ لٰکِنۡ یُّؤَاخِذُکُمۡ بِمَا کَسَبَتۡ

اللہ تعالیٰ تمہاری لایعنی قسموں پر ۲۹۰ لیکن پکڑے گا تمہیں ان قسموں پر جن کا ارادہ تمہارے

قُلُوۡبُکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿۲۲۵﴾ لِلَّذِیۡنَ یُؤۡلُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِہِمۡ

دلوں نے کیا ہے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا حلم والا ہے۔ ان کے لیے جو قسم اٹھاتے ہیں کہ وہ ۲۹۱ اپنی بیویوں کے

تَرَبُّصُ اَرۡبَعَۃِ اَشۡہُرٍ ۚ فَاِنۡ فَآءُوۡ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۲۲۶﴾

قریب نہ جائیں گے مہلت ہے چار ماہ کی پھر اگر رجوع کریں (اس مدت میں) تو بیشک اللہ غفور رحیم ہے۔

وَ اِنۡ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۲۷﴾ وَ الۡمُطَلَّقٰتُ

اور اگر پکا ارادہ کرلیں طلاق دینے کا تو بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور طلاق دی ہوئی عورتیں

یَتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِہِنَّ ثَلٰثَۃَ قُرُوۡٓءٍ ؕ وَ لَا یَحِلُّ لَہُنَّ اَنۡ یَّکۡتُمۡنَ

روکے رکھیں اپنے آپ کو تین حیضوں تک ۲۹۲ اور جائز نہیں ان کے لیے کہ چھپائیں ۲۹۳

۲۹۰ یعنی اگر ارادہ اور قصد کے بغیر قسمیہ الفاظ زبان پر جاری ہونے کی عادت ہوگئی ہے تو ان کا اعتبار نہ ہوگا۔

۲۹۱ بعض لوگ اپنی عورتوں کو ستانے کے لیے قسم اٹھالیا کرتے کہ وہ ان سے ہم بستری نہ کریں گے۔ اس طرح عورت نکاح میں بھی رہتی اور حقوقِ زوجیت سے بھی محروم ہوجاتی۔ قرآن نے اس ظلم کا بھی خاتمہ کر دیا۔ اور فرمایا کہ اگر چار ماہ کے اندر تم نے اپنی یہ قسم توڑ دی تو عورت تمہارے نکاح میں رہے گی تمہیں صرف کفّارہ ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر تم نے چار ماہ گزرنے پر بھی اپنی قسم نہ توڑی تو نکاح ٹوٹ جائے گا۔ اور عورت کو حق حاصل ہوگا کہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم عورت کو اپنے نکاح میں بھی جکڑ بند رکھو اور اس کے حقوقِ زوجیت بھی ادا نہ کرو۔ ہاں اگر اپنی خوشی سے پھر اس خاوند سے نکاح کرنا چاہے تو کرسکتی ہے۔

۲۹۲ اگر خاوند اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو بیوی کو یہ اجازت نہیں کہ وہاں سے اُٹھے اور جھٹ دوسرے شخص سے جا کر بیاہ رچالے، جیسا یہود کے ہاں قاعدہ تھا۔ بلکہ اسے حکم ہے کہ تین حیض گزرنے کی مدت تک صبر کرے۔ اس کے بعد اسے نکاح کرنے

مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْۤ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ

جو پیدا کیا ہے اللہ نے ان کے رحموں میں اگر وہ ایمان رکھتی ہوں اللہ پر اور روزِ

الْاٰخِرِ ؕ وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْۤا اِصْلَاحًا ؕ

آخرت پر اور ان کے خاوند زیادہ حقدار ہیں ان کو لوٹانے کے اس مدت میں اگر وہ ارادہ کریں صلاح کا ۲۹۴

وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ

اور ان کے بھی حقوق ہیں (مردوں پر) جیسے مردوں کے حقوق ہیں ان پر دستور کے مطابق البتہ مردوں کو عورتوں پر

دَرَجَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۲۸﴾ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ

فضیلت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ عزت والا حکمت والا ہے۔ طلاق دو بار ہے ۲۹۵ پھر یا تو روک لینا ہے بھلائی کے ساتھ

۲۸ ع ۷ ۱۲

کی اجازت ہے۔ اِس مدت انتظار کو شریعت میں عدت کہتے ہیں۔ اِس میں بڑی مصلحتیں ہیں۔ اِس مدت میں خاوند چاہے تو رجوع بھی کر سکتا ہے (بشرطیکہ اس نے تیسری بار طلاق نہ دے دی ہو) نیز اس عرصہ میں اگر عورت حاملہ ہے تو بھی پتہ چل جائیگا اور یہ چیز خاوند کو رجوع کرنے پر آمادہ کر سکتی ہے۔ اِس سے بڑھ کر شریعت کو اس پیدا ہونے والے بچے کے حقوق کا پاس ہے۔ کہ اس کی نسبت مشکوک اور مخلوط نہ ہو جائے۔ اِس کے علاوہ طلاق کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ طلاق کوئی معمولی واقعہ نہیں جس کا کوئی اثر نہ ہو۔ یہ تو ایک المناک حادثہ ہے۔ لیکن عدت کی یہ مدت اس عورت کے لیے ہے جو مدخول بہا ہو اور بڑھاپے کی وجہ سے اس کا حیض بھی بند نہ ہو گیا ہو۔ اور حاملہ بھی نہ ہو۔ اس قسم کی عورتوں کی عدت کا بیان دوسری آیات میں مذکور ہے۔

۲۹۳ عورت پر ضروری ہے کہ وہ اپنی صحیح اندرونی کیفیت بتا دے کہ آیا وہ حاملہ ہے یا نہیں تاکہ عدت کے فوائد مرتب ہو سکیں۔

۲۹۴ اِن کے خاوند اگر اصلاح کر لیں اور آباد کرنے کی نیت سے دوبارہ انہیں اپنے گھر میں بسالیں تو یہ بہت بہتر ہے بشرطیکہ انہوں نے تیسری بار طلاق نہ دیدی ہو۔

۲۹۵ عرب میں یہ رواج تھا کہ خاوند اپنی بیوی کو ان گنت بار طلاق دے سکتا تھا۔ چنانچہ مفسر کبیر ابن جریر لکھتے ہیں کہ مرد جتنی بار چاہتا اپنی بیوی کو طلاق دیتا کوئی پابندی نہ تھی اور ہر بار عدت گزرنے سے پہلے وہ رجوع کر سکتا تھا۔ ایک دفعہ ایک انصاری نے اپنی بیوی کو دھمکی دی لا اقربک ولا تحلین منی، کہ نہ تو میں تمہارے نزدیک جاؤں گا اور نہ تو

اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ

یا چھوڑ دینا ہے احسان کے ساتھ اور جائز نہیں تمہارے لیے کہ لو تم ۲۹۶ اس سے جو تم نے دیا ہے انہیں

مجھ سے آزاد ہو سکے گی۔ اِس کی بیوی نے اس سے پُوچھا یہ کیسے؟ تو وہ بولا کہ میں تمہیں طلاق دیا کروں گا۔ اور عدّت گزرنے سے پہلے رجُوع کر لیا کروں گا۔ وہ اپنے تاریک مستقبل کا تصوّر کر کے لرز گئی اور شکوہ کناں بارگاہِ رسالتمآب رحمۃ للعالمین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم میں حاضر ہُوئی اور اپنی مظلومیت کی داستان عرض کی۔ پروردگارِ عالم نے اپنے حبیب مکرّم پر یہ آیت نازل فرمائی۔ جس نے عورت کے بیشتر مصائب کا خاتمہ کر دیا۔ خاوند کے حق طلاق کو تین بار تک محدُود کر دیا۔ ایک بار طلاق دینے کے بعد اسی طرح دُوسری بار طلاق دینے کے بعد وہ اپنی بیوی سے رجُوع کر سکتا ہے اور اگر اس نے تیسری بار بھی طلاق دے دی تو اب اس کا تعلّق اس عورت سے بالکل منقطع ہو گیا۔ اب اسے رجُوع کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔

طلاق دینے کا قاعدہ: اگر قطعِ تعلق کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ رہے تو مرد اپنی بیوی کو جب وہ حیض سے فارغ ہو صحبت کرنے سے پہلے ایک طلاق دے۔ پھر دُوسرے ماہ جب وہ حیض سے پاک ہو تو صحبت سے پہلے دوسری بار طلاق دے۔ ابھی تک وہ رجُوع کر سکتا ہے۔ پھر تیسرے ماہ جب عورت حیض سے پاک ہو تو صحبت سے پہلے تیسری طلاق دے۔ اب نکاح کا تعلق ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا ہے۔ مرد کو اتنی مہلت جو دی گئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد اپنے اس فیصلہ پر ایک بار نہیں بار بار غور کرے۔ اور اگر اپنے اس فیصلے کو وہ واپس لینا چاہے تو دو بار تک واپس لے سکتا ہے۔ لیکن اگر اس نے تیسری بار بھی طلاق دے دی تو گویا اس نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ اس عورت کو کسی قیمت پر اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتا۔ اِس کے بعد اسے یہ حق نہیں کہ پھر رجُوع کرتا پھرے اور عورت کو اپنی خواہشات کا کھلونا بنائے رکھے۔

یہ اسلام کا قانونِ طلاق ہے۔ اب اِس کا موازنہ کریں۔ ایک طرف عرب کے جاہلانہ طریقے سے جس میں مرد جب چاہتا طلاق دیتا رہتا اور دوسری طرف ہندوؤں، یہودیوں اور نصاریٰ کے قانون سے کہ جو ایک بار نکاح کی زنجیر میں جکڑ دیا گیا، اب حالات کیسے ہی ناگفتہ بہ کیوں نہ ہو جائیں چھٹکارا کی کوئی صُورت نہیں۔ اسلام کی شریعت کی میانہ روی اور اعتدال وہ امتیاز ہے جس کا مقابلہ دُنیائے قدیم وجدید کا کوئی نظام قانون نہیں کر سکتا۔ کاش ہم سمجھتے! کاش اِس کے مطابق عمل کرتے۔

۲۹۶ مرد کیونکہ فطری طور پر عورت سے نسبتۃً زیادہ مدبّر، دُور اندیش اور جذبات کی رَو میں بہ جانے کی بجائے عقل و ہوش سے زیادہ کام لینے والا ہے۔ نیز ازدواجی زندگی کی ساری ذمہ داریاں بھی اسی کے کندھوں پر ہیں اس لیے شریعتِ مطہرہ نے طلاق دینے کا حق مرد کو تفویض کیا ہے۔ اور اس حق کو استعمال کرنے کا حکیمانہ طریقہ بھی تعلیم کر دیا۔ اور اسے اِس آیت میں یہ بھی ہدایت کر دی کہ جو چیزیں اس نے آج تک اپنی اس بیوی کو تحفہ یا ہدیہ کے طور پر دی تھیں وہ واپس نہ لے بلکہ تسریح باحسان، کے الفاظ تو بتاتے ہیں کہ اس افسوسناک حادثہ پر اس کی مزید خدمت کر دے تاکہ اس کی کچھ نہ کچھ دلجوئی ہو جائے۔

شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا

کچھ بھی بجز اس کے کہ دونوں اندیشہ ہو کہ وہ قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کی حدوں کو پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں قائم نہ رکھ

حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ

سکیں گے اللہ کی حدوں کو تو کوئی حرج نہیں ان پر ۲۹۷ کہ عورت کچھ فدیہ دیکر جان چھڑا لے ۔ یہ

حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ

حدیں ہیں اللہ کی سو ان سے آگے نہ بڑھو اور جو کوئی آگے بڑھتا ہے اللہ کی حدوں سے سو وہی لوگ

۲۹۷ اگر خاوند عورت کو مارتا پیٹتا ہے اور اسے طلاق بھی نہیں دیتا یا عورت کو اپنے خاوند سے ایسی نفرت ہوگئی ہے کہ اب ان کی صلح کی کوئی توقع نہیں اور خطرہ پیدا ہوگیا کہ اگر یہ نکاح کے بندھن میں بندھے رہے تو یہ طرح طرح کی معصیتوں میں مبتلا ہوجائینگے تو اب کیا کیا جائے؟ اس مشکل کا حل آیت کے اِس حصّہ میں بیان فرمایا گیا ہے جسے فقہاء کی اصطلاح میں خُلع کہا جاتا ہے۔ یعنی اگر مندرجہ بالا صُورت پیدا ہوجائے تو عورت حاکمِ وقت کے پاس خلع کا مُطالبہ کرے۔ اور حاکم پہلے ان کی مصالحت کی کوشش کریگا اگر کامیابی نہ ہو تو خاوند نے عورت کو مہر میں جو کچھ دیا تھا حاکم اسے لے کر خاوند کو واپس کردے۔ اور ان کے درمیان تفریق کردے۔ یہ خُلع ہے اور اس کا حکم طلاق بائن کا ہے۔

فقہاء احناف نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر زیادتی خاوند کی طرف سے ہے تو اسے خلع کرتے وقت بیوی سے کچھ لینا مناسب نہیں اور اگر زیادتی بیوی کی ہے تو جتنا اس نے بیوی کو دیا تھا اتنا لینا اسے مباح ہے اور اس سے زیادہ لینا مکرُوہ ہے اور بعض دیگر علماء نے کہا ہے کہ زیادہ بھی لے سکتا ہے۔ مخلوعہ کی عِدّت بھی تین حیض ہے۔ اس حکم کے نزُول کی وجہ محدثینِ کرام نے یہ لکھی ہے کہ جمیلہ بنتِ عبداللہ نے جو ثابت بن قیس کے نکاح میں تھی، بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر عرض کی لا انا ولا ثابت لا یجمع راسی و راسہٗ شیٔ۔ میں اور ثابت ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ میرا سر اور اس کا سر ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتا (اس نفرت کی بجُز اس کے کوئی وجہ نہ تھی کہ انکو ان کی شکل پسند نہ تھی) حضورؐ نے فرمایا کیا تم وہ باغ واپس کرنے کے لیے تیار ہو جو ثابت نے تم کو مہر میں دیا تھا۔ جمیلہ نے کہا ہاں وہ بھی اور کچھ اور بھی دینے کو تیار ہوں۔ حضور علیہ السّلام نے وہ باغ حضرتِ ثابت کو واپس کردیا اور ان میں تفریق کردی۔ (خلع کے تفصیلی احکام کے لیے کتب فقہ کی طرف رجُوع کیا جائے)

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى

ظالم ہیں۔ (دوبار طلاق دینے کے بعد) ۲۹۸ پھر اگر وہ طلاق دے اپنی بیوی کو تو وہ حلال نہ ہوگی اس پر اس کے بعد یہانتک

تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۭ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ

کہ نکاح کرے کسی اور خاوند کے ساتھ۔ پس اگر وہ (دوسرا) طلاق دے اسے تو کوئی حرج نہیں ان دونوں پر کہ رجوع کرلیں بشرطیکہ

اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا

انہیں خیال ہو کہ وہ قائم رکھ سکیں گے اللہ کی حدوں کو اور یہ حدیں ہیں اللہ کی وہ بیان فرماتا ہے انہیں اُن

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ

لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں اور جب تم طلاق دیدو عورتوں کو اور وہ پوری کرلیں اپنی عِدّت ۲۹۹

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ

پس یا تو روک لو انہیں بھلائی کے ساتھ یا چھوڑ دو انہیں بھلائی کے ساتھ اور نہ روکو انہیں

۲۹۸ یہاں سے تیسری طلاق اور اس کے حکم کا بیان ہے۔ یعنی اگر تیسری طلاق بھی اس نے دے دی تو اب جب تک وہ کسی دُوسرے خاوند سے بالکل اسی طرح بسنے کی نیت سے نکاح نہ کرے جیسے اس نے پہلے خاوند کے ساتھ کیا تھا اور پھر وہ دوسرا خاوند ہم بستری کرنے کے بعد کچھ مدّت گزرنے پر اپنی مرضی سے اسے طلاق نہ دے دے اس وقت تک وہ پہلے خاوند کے نکاح میں نہیں جاسکتی۔ یہ ہے قرآنِ کریم کا واضح ارشاد جس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ آجکل اس کا حل حلالہ کی باعثِ صد نفرین صُورت میں تلاش کرلیا گیا ہے۔ اِس کے متعلق حضور نبی کریم ؐ کا یہ حکم پیشِ نظر رہے۔ لعن اللّٰہ المحلل والمحلل لہٗ۔
ترجمہ: حلالہ کرنے والے پر بھی اللہ کی پھٹکار اور جس (بے غیرت) کے لیے حلالہ کیا جارہا ہے اس پر بھی اللہ کی پھٹکار۔ رکُوع کے آخر تک جتنی آیتیں ہیں ان میں مکرر سہ کرر تاکید کی جارہی ہے کہ کسی عورت کے ساتھ نکاح اسے ستانے اور دُکھ دینے کے لیے نہ کرو بلکہ انہیں آباد کرنے کے لیے کرو۔ اور جو ایسا کرے گا وہ گویا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ مذاق کر رہا ہے۔ کیا کسی مومن کے لیے اس سے بھی کوئی سنگین سرزنش ہوسکتی ہے۔

۲۹۹ طلاق سے یہاں مُراد طلاقِ رجعی ہے۔ یعنی جب تک تم نے طلاق مغلّظ نہیں دی اُس وقت تک تمہیں اختیار ہے چاہے تو رجوع کرلو اور اسے اپنے گھر بسالو اور اسکے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔ اور اگر رجوع کا ارادہ نہیں تو پھر اسے عمدگی اور شائستگی سے

ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا

تکلیف دینے کی غرض سے تاکہ زیادتی کرو۔ اور جو کوئی کرے گا اس طرح تو وہ ظلم کریگا اپنی ہی جان پر اور نہ

تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ

بنالو اللہ کی آیتوں کو مذاق ۳۰۰؎ اور یاد کرو ۳۰۱؎ اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے اور (یاد کرو) جو اس نے نازل

عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا

فرمایا تم پر قرآن اور حکمت وہ نصیحت فرماتا ہے تمہیں اس سے۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور خوب جان لو

اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ

کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اور جب تم طلاق دو عورتوں کو پھر وہ پوری کر چکیں

اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا

اپنی عدّت تو نہ منع کرو انہیں ۳۰۲؎ کہ نکاح کر لیں اپنے خاوندوں سے جبکہ رضامند ہو جائیں

علیحدہ کر دو۔ جو صورت بھی اختیار کرو اسمیں نیک نیتی ملحوظ ہو۔ عورت کو ضرر دینا اور اسے تنگ کرنا ہرگز مقصود نہیں ہونا چاہیئے۔

۳۰۰؎ گھریلو زندگی کی اہمیت کے پیشِ نظر ان قوانین کو غلط استعمال کرنے والوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اگر تم نے ان قواعد کی تعمیل میں تاویل سے کام لینا شروع کیا تو یاد رکھو تمہارا یہ جرم نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ تم آیاتِ خداوندی کا مذاق اڑا رہے ہو۔ اور یہ بڑا سنگین جرم ہے۔ اس کی سزا تمہیں بھگتنی پڑے گی۔

۳۰۱؎ پہلے جملے میں سرزنش کی گئی تھی۔ اب ملاطفت و شفقت سے ان قوانین کے اتباع کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ کہ دیکھو قرآن ایسی کتاب ہدایت تمہیں عطا فرمائی گئی ہے۔ تمہیں اس نعمتِ عظمیٰ کا ہمیشہ پاس رہنا چاہیئے۔ تبھی تو تم اس احسانِ عظیم کی شکرگزاری کا حق ادا کر سکتے ہو۔ ترغیب و ترہیب کی کیا حسین آمیزش ہے۔

۳۰۲؎ یعنی مطلقہ عورت جب اپنی عدّت پوری کر لے اور اپنے پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کرنا چاہے تو عورت کے ولی اسے منع نہ کریں۔ اس کا دوسرا مطلب یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایسی عورت اگر اپنے تجویز کردہ خاوند کے ساتھ عدّت گزرنے کے بعد نکاح کرنا چاہے تو پہلا خاوند اسے نہ روکے اور یہ کوشش نہ کرے کہ جب میں نے اسے طلاق دے دی ہے تو کوئی

بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ

آپس میں مناسب طریقہ سے یہ فرمان الٰہی (ہے) نصیحت کی جاتی ہے اسکے ذریعے اسکو جو تم میں سے یقین رکھتا ہو

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۗ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

اللہ پر اور قیامت پر یہ بہت پاکیزہ ہے تمہارے لیے اور بہت صاف اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے

وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ

اور تم نہیں جانتے ۔ اور مائیں دُودھ پلائیں اپنی اولاد کو پورے دو

كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۗ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ

سال ۳۰۳ (یہ مدت) اس کے لیے ہے جو پُورا کرنا چاہتا ہے دودھ کی مدت ۔ اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمّہ ہے

رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ

کھانا ان ماؤں کا اور ان کا لباس مناسب طریقہ سے ۔ تکلیف نہیں دی جاتی کسی شخص کو مگر اسکی حیثیت کے مطابق

دُوسرا بھی اس سے نکاح نہ کرے ۔

۳۰۳ یہاں طلاق کے بعد یہ سوال طبعاً سامنے آتا ہے کہ اگر طلاق والی عورت کی گود میں شیرخوار بچّہ ہو تو اِس جُدائی کے بعد اس کی پرورش کا کیا طریقہ ہوگا ۔ اس لیے ضرُوری تھا کہ بچہ کی پرورش کی ذمہ داریاں جو ماں باپ پر ہیں انہیں اس موقعہ پر بیان فرما دیا جائے ۔ لہٰذا یہاں اِن مسائل کا بیان ہوا ۔

مسئلہ : ماں خواہ مطلقہ ہو یا نہ ہو اس پر اپنے بچّے کو دُودھ پلانا واجب ہے بشرطیکہ باپ کو اُجرت پر دُودھ پلوانے کی قدرت و استطاعت نہ ہو یا کوئی دُودھ پلانے والی میسّر نہ آئے یا بچّہ ماں کے سوا اور کسی کا دُودھ قبول نہ کرے ۔ اگر یہ باتیں نہ ہوں یعنی بچّہ کی پرورش خاص ماں کے دُودھ پر موقوف نہ ہو تو ماں پر دُودھ پلانا واجب نہیں مستحب ہے ۔ (منقول از حاشیہ صدر الافاضل مُرادآبادی)

مسئلہ : اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق دی اور عدت گزر چکی تو وہ اس بچّہ کے دُودھ پلانے کی اُجرت لے سکتی ہے ۔ (حاشیہ صدر الافاضل رح)

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى

نہ ضرر پہنچایا جائے کسی ماں کو اسکے لڑکے کے باعث اور نہ کسی باپ کو (ضرر پہنچایا جائے) اسکے لڑکے کے باعث اور وارث

الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ

پر بھی اسی قسم کی ذمہ داری ہے۔ پس اگر دونوں ارادہ کرلیں دُودھ چھڑانے کا اپنی مرضی اور

تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا

مشورہ سے تو کوئی گناہ نہیں دونوں پر اور اگر تم چاہو کہ دُودھ پلواؤ (دایہ سے) اپنی

اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ

اولاد کو پھر کوئی گناہ نہیں تم پر جبکہ تم ادا کردو جو دینا ٹھہرایا تھا تم نے مناسب طریقے سے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ

اور ڈرتے رہو اللہ سے اور (خوب) جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کررہے ہو اسے دیکھنے والا ہے۔ اور جو لوگ

يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ

فوت ہوجائیں ۳۰۴ تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں تو وہ بیویاں انتظار کریں ۳۰۵ چار

اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا

مہینے اور دس دن اور جب پہنچ جائیں اپنی (اس) مدت کو تو کوئی گناہ نہیں تم پر اس میں جو

۳۰۴ یہاں ان عورتوں کی عدت کا بیان ہے جن کے خاوند فوت ہوجائیں اور وہ حاملہ نہ ہوں۔ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے یعنی جس وقت وہ بچہ جنے گی اس کی عدت ختم ہوجائے گی۔ اس کی تصریح آگے آئے گی۔

۳۰۵ اس کا صرف یہ مطلب نہیں کہ وہ اِس مدت میں نکاح نہ کرے بلکہ احادیث صحیحہ کے مطابق کئی دوسری چیزوں سے بھی پرہیز لازمی ہے۔ یعنی عدت کے اندر وہ رنگین اور ریشمی لباس نہ پہنے۔ خوشبو نہ لگائے۔ مہندی اور دیگر آرائش سے اجتناب کرے۔ اپنے متوفی خاوند کے ہی گھر ٹھہرے۔ (ہاں ضروری کام کی غرض سے دن کو گھر سے نکل سکتی ہے رات کو

فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۳۴﴾

کریں وہ اپنی ذات کے بارے میں مناسب طریقہ سے ۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب واقف ہے ۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ

اور کوئی گناہ نہیں تم پر اس بات میں کہ اشارہ سے پیغامِ نکاح دو ان عورتوں کو

اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ

یا جو چھپائے ہو تم اپنے دلوں میں ۳۰۶ جانتا ہے اللہ تعالیٰ کہ تم ضرور ان کا ذکر کروگے البتہ

لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا

نہ وعدہ لینا ان سے خفیہ طور پر بھی مگر یہ کہ کہو (ان سے) شریعت کے مطابق کوئی بات اور نہ پکّی کر لو

عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى یَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ

نکاح کی گرہ یہاں تک کہ پہنچ جائے عدّت اپنی انتہا کو اور جان لو کہ یقیناً اللہ جانتا ہے

مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۲۳۵﴾ ع

جو تمہارے دلوں میں ہے سو اس سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا حلم والا ہے ۔

پھر اسی مکان میں شب باشی کرے ۔ نیز نئے نکاح کے لیے بھی بات چیت نہ کرے ۔

۳۰۶ مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ عدّتِ وفات گزارنے والی عورت سے صراحۃً نکاح کرنے کا تذکرہ نہ کریں ۔ غم واندوہ کی ان گھڑیوں میں جبکہ ایک گھر بے چراغ ہو چکا ہے تمہارا جشنِ شادی منانے کی طرح ڈالنا کتنا معیوب ہے اور اس مرحوم کے ساتھ کتنی بے انصافی ہے کہ ابھی اسکا کفن بھی میلا نہیں ہوا اور تم اسکی بیوی کو شادی کا پیغام بھیجنے لگے ہو ۔ ہاں پردہ داری سے اگر تم اپنے ارادہ کا اظہار کر دو تو اس میں کوئی حرج نہیں ۔ بہتر تو یہ ہے کہ یہ بات تمہارے دلوں میں ہی رہے اور زبان پر نہ آنے پائے ۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ

کوئی حرج نہیں تم پر اگر تم طلاق دے دو ان عورتوں کو جن کو تم نے چھوا بھی نہیں ۳۰۷ اور نہیں

تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ

مقرر کیا تم نے ان کا مہر اور خرچہ دو انہیں مقدور والے پر اسکی حیثیت کے مطابق

وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣٦﴾

اور تنگدست پر اس کی حیثیت کے مطابق یہ خرچہ مناسب طریقہ پر ہونا چاہیئے یہ فرض ہے نیکو کاروں پر ،

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ

اور اگر تم طلاق دو انہیں ۳۰۸ اس سے پہلے کہ تم انہیں ہاتھ لگاؤ اور مقرر کر چکے تھے

لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَا

ان کے لیے مہر تو نصف مہر (ادا کرو) جو تم نے مقرر کیا ہے مگر یہ کہ وہ (اپنا حق) مُعاف کردیں یا معاف

۳۰۷۔ یہاں اس عورت کی طلاق کا حکم بیان ہوا ہے جس کے ساتھ نکاح تو ہو گیا لیکن مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہوئی اور مرد نے اس کے ساتھ صحبت اور خلوتِ صحیحہ بھی نہیں کی۔ بتایا کہ ایسی عورت کو طلاق دینے میں کوئی گناہ نہیں لیکن ایسی عورت کو خرچہ کے لیے کچھ دیدو تاکہ اس کی دلجوئی ہو جائے۔ فقہاء نے تین کپڑوں کا جوڑا مُراد لیا ہے۔ یہ بھی بتا دیا کہ خاوند اس میں تنگدلی سے بھی کام نہ لے اور فضول خرچی بھی نہ کرے بلکہ اپنی حیثیت کے مطابق جو دینا چاہے دے۔ حقًّا سے یہ وضاحت کی کہ دینا ضروری ہے

۳۰۸۔ یہاں اس عورت کا حکم بیان ہو رہا ہے کہ نکاح کے وقت جس کا مہر تو مقرر ہو چکا تھا لیکن صحبت اور خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق دے دی گئی۔ فرمایا اس صُورت میں خاوند نصف مہر عورت کو دے۔ ہاں اگر عورت اپنی مرضی سے وہ بھی بخش دے یا خاوند پُورا مہر دینے کو تیار ہو جائے اور نصف مہر نہ دینے کی جو رعایت اِسے دی گئی تھی اس رعایت کو وہ معاف کر دے تو پھر اور بات ہے۔ الذی بیدہ عقدة النکاح سے مُراد خاوند ہے۔ کیونکہ نکاح کی گرہ کے باندھنے اور کھولنے کا حق اِسے ہی دیا گیا ہے۔ اور اَن تعفوا سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عفو اور فراخ دِلی کے زیادہ مستحق مرد ہیں۔

الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَ اَنْ تَعْفُوْۤا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَ

کر دے وہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے ۔ اور (اے مردو) اگر تم معاف کردو تو یہ بہت قریب ہے تقویٰ سے اور

لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۲۳۷﴾

نہ بھلایا کرو ۳۰۹ احسان کو آپس (کے لین دین) میں ۔ بیشک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے ۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ﴿۲۳۸﴾

پابندی کرو سب نمازوں کی ۳۱۰ اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی ۳۱۱ اور کھڑے رہا کرو اللہ کیلئے عاجزی کرتے ہوئے

۳۰۹ اس وقت اِحسان و مروّت کی ہدایت کی جارہی ہے جبکہ حالات اِس قدر کشیدہ ہوچکے ہیں کہ طلاق دینے کی نوبت آچکی ہے ۔ لیکن قرآن اپنے ماننے والوں کو تلقین کرتا ہے کہ اِن بگڑے ہوئے حالات میں بھی حُسنِ خلق کا مظاہرہ کرو ۔ اور اگر دُوسرا فریق تمہارے اس حُسنِ سلوک اور مہربانی کا اعتراف اور قدر نہ بھی کرے تو کیا ہُوا ، تمہارا رب تو تمہیں دیکھ رہا ہے ۔ اگر وہ راضی ہوگیا تو پھر تمہیں اور کیا چاہیے ۔

۳۱۰ ذکرِ الٰہی اِسلام کی رُوح ہے ۔ یہی وہ قوّت ہے جس سے اِنسان بخوشی شریعت کے تمام قوانین پر عمل کر سکتا ہے ۔ اِس لیے قرآن کا یہ اسلوب ہے کہ جہاں قوانین و احکام کا بیان ہوا وہاں ساتھ ہی ذکرِ الٰہی کی طرف دلوں کو راغب کر دیا تاکہ وہ اِن احکام کی پابندی آسانی سے کر سکیں ۔ یہاں بھی خانگی زندگی سے متعلّق احکامِ طلاق ، خُلع ، عِدّت وغیرہ بیان کر کے نماز کو پابندی سے ادا کرنے کا حکم دیا ۔ کیونکہ نماز ہی ذکرِ الٰہی کا سب سے اعلیٰ اور مؤثر طریقہ ہے ۔ اِسمیں جسم و روح ، دل و دماغ سب مصروفِ عبادت و مناجات ہوتے ہیں ۔ یہاں قرآن کے الفاظ غور طلب ہیں ۔ حافظوا علی الصّلوات فرمایا احفظوھا نہیں فرمایا ۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ جب مفاعلہ کا صلہ علیٰ آجائے تو اس وقت اس کے معنی بار بار اور علی الدوام کرنے کے ہوتے ہیں (المنار) یہاں بھی مقصد یہی بتانا ہے کہ بار بار ہمیشہ نماز ادا کرتے رہو ۔ یہ نہیں کہ ایک بار نماز ادا کرلی اور ہفتہ بھر کے لیے چھٹی مِل گئی ۔ اِسلام میں نماز کو جو اہمیت حاصل ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ۔ قرآن کریم میں اسکا حکم سو دفعہ کے قریب ہے ۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اسے دین کا ستون فرمایا ہے ۔ اور ہم مُسلمان ہو کر نماز کے مُعاملہ میں جتنی سُستی کرتے ہیں اس کی کوئی حد نہیں ۔ حضور اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اِرشاد نقل کرتا ہوں ۔ ممکن ہے اس سے کوئی خوش نصیب ہدایت پا جائے ۔ من حافظ علیها كانت له نورا وبرهانا و نجاة يوم القيامة ومن لم يحافظ عليها لم تكن له نورا وبرهانا ونجاة وكان يوم القيامة مع قارون وفرعون وهامان وابي بن خلف (رواه احمد والطبرانی) ترجمہ : حضور نے فرمایا کہ جو نماز پابندی سے

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا

پھر اگر تم کو ڈر ہو (دشمن وغیرہ کا) تو پیادہ یا سوار (جیسے بن پڑے) ۳۱۲ پھر جب تمہیں امن حاصل ہو جائے تو یاد کرو اللہ تعالیٰ کو جس طرح

عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ

اُس نے سکھایا ہے تمہیں جو تم نہیں جانتے تھے۔ اور جو لوگ فوت ہو جاتے ہیں تم میں سے ۳۱۳ اور

يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ

چھوڑ جاتے ہیں بیویاں (انہیں چاہیئے کہ) وصیّت کر جایا کریں اپنی بیویوں کے لیے کہ انہیں خرچ دیا جائے ایک سال تک (اور) نہ نکالا جائے (انہیں گھر سے)

فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ

پھر اگر وہ خود چلی جائیں تو کوئی گناہ نہیں تم پر جو کچھ وہ کریں۔ اپنے معاملہ میں مناسب

ادا کرے گا قیامت کے دن یہ اس کے لیے نور ہو گی۔ اس کے ایمان کی واضح دلیل ہو گی۔ اور اس کی نجات کا باعث ہو گی۔ اور جس نے نماز کی پابندی نہ کی تو اس کے پاس نہ نور ہو گا نہ اپنے ایمان کی کوئی دلیل اور نہ بخشش کا کوئی وسیلہ۔ اور اس کا حشر قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہو گا۔ اے اللہ ہمیں غفلت کی نیند سے بیدار کر اور اپنی عبادت اور اپنے محبوب کی اطاعت کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔ بجاہِ حبیبك الكريم عليه افضل الصلوٰة والسلام۔

۳۱۱: درمیانی نماز سے کونسی نماز مراد ہے۔ اِس میں علماء کے اقوال مختلف ہیں لیکن راجح قول یہ ہے کہ یہ نمازِ عصر ہے۔ حضرتِ علی۔ ابن مسعود و عائشہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہی مسلک ہے جنگِ خندق میں عصر کی نماز قضا ہو گئی تھی تو حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ اِن کفار کی قبروں کو آگ سے بھر دے انہوں نے ہمیں درمیانی نماز پڑھنے سے مصروف رکھا۔ ملأ الله بيوتهم وقبورهم نارًا كما شغلونا عن الصلوٰة الوسطى حتى غابت الشمس۔ متفق علیہ

۳۱۲: یہ آیت نماز کی انتہائی اہمیت پر دلالت کرتی ہے کہ یہ عبادت اتنی اہم ہے کہ اسوقت بھی معاف نہیں ہوتی جب تمہیں دشمن کے حملہ کا اندیشہ ہو۔ ہاں اتنی آسانی کر دی گئی ہے کہ پیدل چلتے چلتے یا اپنی سواریوں پر بیٹھے بیٹھے جدھر بھی رُخ ہو نماز ادا کرتے جاؤ۔

۳۱۳: ابتدائے اِسلام میں بیوہ کی عِدّت ایک سال تھی اور ایک سال کامل وہ شوہر کے ہاں رہ کر نان نفقہ پانے کی مستحق ہوتی تھی پھر ایک سال کی عدت تو آیۂ يتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا سے منسوخ ہوئی جس میں بیوہ کی عدّت چار ماہ دس دن مقرّر فرمائی گئی اور سال کا نفقہ آیت میراث سے منسوخ ہوا (حاشیہ صدر الافاضل)

مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا

طور پر ۳۱۴ ۔ اور اللہ بہت زبردست بڑا دانا ہے ۔ اور (اسی طرح) جن کو طلاق دی گئی انکو خرچ دینا چاہیئے مناسب طور پر ۔ یہ

عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ اَلَمْ

واجب ہے پرہیز گاروں پر ۳۱۵ اسی طرح کھول کر بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام تاکہ تم سمجھ جاؤ ۔ کیا نہیں

تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۠ فَقَالَ

دیکھا تو نے ان لوگوں کی طرف جو نکلے تھے ۳۱۶ اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے ۳۱۷ تو فرمایا

لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۣ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ

انھیں اللہ تعالیٰ نے کہ مر جاؤ پھر زندہ فرمایا انھیں بے شک اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے لوگوں پر

۳۱۴ یعنی عدّت کی مدّت ختم ہونے کے بعد اگر وہ اپنے سابقہ خاوند کے گھر میں نہ رہنا چاہیں تو انہیں مجبور نہیں کیا جائیگا۔ بشرطیکہ وہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جو شریعت کے کسی قانون کے خلاف ہو یا اخلاق سے گرا ہوا ہو جس سے انکی ناموس داغدار ہو یا ان کے فوت شدہ خاوند کی بدنامی اور رُسوائی کا باعث ہو مِن معروف کی قید بڑھا کر انہیں دو باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔

۳۱۵ شریعت نے مطلقہ عورت کے لیے عدّت مقرر کی ہے اس کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ معلوم ہو جائے کہ یہ حاملہ تو نہیں۔ اس میں سراسر خاوند کے نسب کی حفاظت ملحوظ ہے گویا عورت ابھی اسی کے حقوق کی نگہداشت کے لیے محبوس ہے اس لیے اس کے اخراجات کی ذمّہ داری خاوند کو سونپی گئی۔ اور یہی عین انصاف ہے ۔

۳۱۶ کئی مفسرین نے کوشش کی ہے کہ جس قوم کا واقعہ بیان ہو رہا ہے اس کا تعین کریں کہ وہ کونسی قوم تھی ۔ لیکن علّامہ قرطبی نے ابن عطیہ سے نقل کیا ہے کہ سب قصّے ناقابل اعتماد ہیں آیت کا مقصد مسلمانوں کو کسی گزشتہ قوم کے (جس کی تعیین مقصود نہیں) عمل سے عبرت دلانا ہے جو موت کے ڈر سے بھاگ نکلی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ موت جس سے وہ بھاگے تھے ان پر مسلّط کر دی ۔ پھر کچھ عرصہ بعد انھیں نئی زندگی عطا فرمائی ۔ اور اس طرح مارنے اور جلانے سے مدعا ان کو یہ سمجھانا تھا کہ موت سے بھاگنے کی کوشش کرنا بے سُود ہے ۔ نہ تم اپنی سعی و کوشش سے اپنی موت کو ٹال سکتے ہو اور نہ زندگی بڑھا سکتے ہو ۔ اور اس واقعہ کے ذکر کرنے سے اُمّتِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کو یہ بتانا مقصود تھا کہ تم ایسا مت کرنا ۔ وُہ کون تھے ؟ کہاں سے بھاگے تھے ؟ کیوں بھاگے تھے ؟ یہ ایسی تفصیلات ہیں جن میں اُلجھنے کا کوئی فائدہ نہیں اس لیے قرآن نے ان کا ذکر نہیں کیا ۔

۳۱۷ جمہور کا قول یہ ہے کہ اُلُوْفٌ جمع ہے اَلْفٌ کی جس کا معنی ہزار ہے یعنی وُہ ہزاروں کی تعداد میں تھے ۔ اور بعض ائمہ لغت

لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٢٤٣﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا

لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے اور لڑائی کرو اللہ کی راہ میں ۳۱۸ اور جان لو

اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٤٤﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

کہ بےشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سُننے والا سب کچھ جاننے والا ہے کون ہے جو دے اللہ تعالیٰ کو قرض حسن ۳۱۹

(ابن زید) سے یہ بھی منقول ہے کہ اُلُوفٌ اِلْفٌ یا اِلفٌ کی جمع ہے۔ اب معنی ہوگا کہ وُہ ایسی حالت میں اپنے گھروں سے نکلے کہ وُہ ایک دُوسرے کے ساتھ پیار و محبّت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس آیت سے علماء کرام نے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا ہے کہ اگر کہیں وبا پُھوٹ پڑے تو وہاں کے لوگوں کو بھاگ کھڑا نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ اگر تندرست بھاگ نکلے تو بیماروں کی تیمارداری کون کرے گا۔ نیز اس بھگدڑ سے ایسی خرابیاں پیدا ہوں گی جن کا پہلے اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ نیز اگر متعدّی مرض ہے تو ممکن ہے کہ ان کی وجہ سے بیماری کے جراثیم صحت مند علاقوں میں منتقل ہو جائیں اور وہاں بیماری پھیل جائے اور اس حکم کی سب سے بڑی حکمت جو بحیثیت دین، اسلام کے پیشِ نظر ہے وُہ یہ ہے کہ اس طرح لوگوں کا عقیدہ متزلزل ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے سوا دُوسرے اسباب کو وُہ محیی و ممیت سمجھنے لگیں گے۔ جس طرح اسلام نے وبا زدہ علاقہ سے بھاگنے سے منع فرمایا اُسی طرح اُس میں داخل ہونے سے بھی روکا۔ حضُور علیہ السّلام نے فرمایا۔ فمن سمع به بارض فلا یقدمنّ علیه ومن کان بارض وقع بها فلا یخرج فرارا منه۔ (بخاری)

۳۱۸ یہ سبق خُوب ذہن نشین کرانے کے بعد کہ موت و حیات اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں کوئی اپنے حیلہ سے موت کو ٹال نہیں سکتا اور نہ زندگی کو بڑھا سکتا ہے۔ اب مُسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین کی سربلندی کے لیے جہاد کی ترغیب دی جا رہی ہے۔

۳۱۹ لُغتِ عرب میں قرض کا یہ مفہُوم نہیں جو ہم اُردو میں اس سے سمجھا کرتے ہیں کہ کسی کو کسی چیز کی ضرورت ہوئی اپنے پاس نہ تھی اس لیے دُوسرے سے اُدھار لے کر پُوری کر لی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جو غنیٌّ حمیدٌ ہے ضرورت کے تصوّر سے بھی پاک ہے بلکہ القرض اسم لکل ما یلتمس علیه الجزاء (قرطبی) یعنی قرض ہر وُہ چیز یا عمل ہے جس پر جزاء اور بدلہ طلب کیا جائے۔ اب کسی قسم کا خلجان پیدا ہی نہ ہوگا۔ پہلے کیونکہ جہاد کا حکم دیا گیا تھا اور جہاد کے لیے روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے اس حُسنِ بیان سے اہلِ اسلام کو اپنا سرمایہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے شوق دلایا جا رہا ہے یعنی یہ مت سمجھو کہ یہ رقم خرچ ہو گئی تو پھر واپس نہیں ملے گی بلکہ اللہ تعالیٰ اِس کا تمہیں کئی گنا معاوضہ دے گا۔ قرض اگر بمعنی مفعول ہو تو حسن کی صفت سے یہ مُراد ہو گا کہ جو مال اللہ کی راہ میں خرچ کرو وُہ حلال اور پاک ہو۔ اور اگر قرض اپنے مصدری معنی میں ہی استعمال ہوا ہو تو پھر حسن سے مُراد یہ ہو گا کہ قرض دو تو خلوص سے دو۔ خوشی خوشی دو۔ منصوب علی المفعولیة ای مقرضا حلالا طیبا او علی المصدریة ای قرضا مقرونا بالاخلاص وطیب النفس (مظہری)

فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَيْهِ

تو بڑھا دے اللہ اس قرض کو اس کے لیے کئی گُنا اور اللہ تعالیٰ تنگ کرتا ہے (رزق کو) اور فراخ کرتا ہے ۳۲۰ اور اسی

تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى

کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے کیا نہیں دیکھا تم نے اس گروہ کو ۳۲۱ بنی اسرائیل سے (جو) موسیٰ (علیہ السّلام) کے بعد ہوا

اِذْ قَالُوْا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ

جب کہا انھوں نے اپنے نبی سے کہ مقرر کر دو ہمارے لیے ایک امیر ۳۲۲ تاکہ لڑائی کریں ہم اللہ کی راہ میں نبی نے کہا

۳۲۰ے اور یہ بھی خُوب ذہن نشین کر لو کہ رزق کی تنگی اور فراخی اللہ قادر کریم کے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم اس کی راہ میں خرچ کرو گے تو وُہ اپنی رحمت کے خزانوں کے مُنہ کھول دے گا۔ اور اگر بُخل کیا تو کوئی بعید نہیں کہ وُہ ناراض ہو جائے اور تمھیں محتاج و مفلس بنا دے۔

۳۲۱ے مَلَأ سے مُراد قوم کے رؤسا اور شرفا ہیں۔ ان آیات میں مُوسیٰ علیہ السّلام کے تقریباً تین سو سال بعد اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی ولادت سے ہزار گیارہ سو سال پہلے کا ایک واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ جس کا مختصر حال یہ ہے کہ عمالقہ فلسطین کے اکثر حصّوں پر قابض ہو گئے تھے اور بنی اسرائیل رامہ کے علاقہ میں محصُور ہو کر رہ گئے تھے۔ اس وقت جو اُن کے نبی اور حکمران تھے ان کا نام سموئیل تھا۔ وُہ کافی بُوڑھے ہو چکے تھے۔ عمالقہ کی ایذا رسانیاں اور زیادتیاں دِن بدن بڑھ رہی تھیں۔ بنی اسرائیل چاہتے تھے کہ عمالقہ کی سرکوبی کریں اور اپنا کھویا ہوا اقتدار اور حکومت واپس لیں۔ اس لیے اُنھوں نے بار بار اپنے نبی حضرت سموئیل سے درخواست کی کہ وُہ اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے ایک ملک (سردار) کا سوال کریں۔ حضرت سموئیل ان کی عادات سے خُوب واقف تھے کہ یہ دعوے تو بڑے لمبے چوڑے کرتے ہیں لیکن عمل کے وقت ان کا سارا جوش سرد پڑ جاتا ہے۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تم پر جہاد فرض کرے اور تم جہاد سے مُنہ موڑ جاؤ۔ کہنے لگے حضرت جی! کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ہم جہاد نہ کریں حالانکہ ہمیں گھروں سے نکالا گیا اور اپنے بچوں سے جُدا کر دیا گیا۔ ہم تو صرف اِذنِ ربّانی کے منتظر ہیں لیکن جب اُنھیں اجازت مِل گئی تو گنتی کے چند آدمیوں کے سوا سب نے جہاد کرنے سے انکار کر دیا۔

۳۲۲ے بعض لوگ جب قرآن کی ان آیتوں میں ملک کا لفظ پڑھتے ہیں تو انھیں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید اسلام ملوکیّت کا حامی ہے۔ اور سیاسی طور پر شاہی نظام کا علمبردار ہے۔ اس لیے ہمیں ملک کے لفظ کی تحقیق کر لینا ضروری ہے۔ اکثر مفسّرین جن میں بیضاوی بھی ہیں، نے ابعث لنا ملکا کا معنیٰ کیا ہے اقم لنا امیرا ننهض معه للقتال یدبر امره۔

هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا

کہیں ایسا نہ ہو کہ فرض کر دیا جائے تم پر جہاد تو تم جہاد نہ کرو وُہ کہنے لگے (کوئی وجہ) نہیں

لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَ

ہمارے لیے کہ ہم جہاد نہ کریں اللہ کی راہ میں حالانکہ ہم نکالے گئے اپنے گھروں سے اور

أَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ وَ

اپنے فرزندوں سے مگر جب فرض کر دیا گیا ان پر جہاد تو مُنہ پھیر لیا اُنھوں نے بجز چند نے ان میں سے اور

اللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٢٤٦﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ

اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے ظالموں کو اور کہا اُنھیں اُن کے نبی نے بے شک اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمادیا ہے

یعنی ہمیں ایک امیر اَور قائد عطا فرما جس کے جھنڈے کے نیچے کھڑے ہو کر ہم جہاد کریں اَور جنگ کا سارا اِنتظام اس کی نگرانی میں ہو تو اِس تصریح سے واضح ہو گیا کہ یہاں ملک سے مُراد سپہ سالار ہے اَور عربی زبان میں لفظ ملک رئیس اَور امیر کے معنی میں عام مستعمل ہوتا ہے۔ نیز ایک بات یہاں اَور بھی غور طلب ہے کہ مُلوکیّت یا شاہی نظامِ حکومت کا مفہوم یہ ہے کہ رئیسِ حکومت مُطلق العِنان بادشاہ ہوا کرتا ہے۔ قانون سازی، اِنتظامِ مملکت، حکومت کے سارے خزانے اس کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ سب اس کے سامنے جواب دِہ ہوتے ہیں۔ اَور وُہ کِسی کے سامنے اپنے کسی فعل کے لیے جواب دِہ نہیں ہوتا۔ یہاں جب حضرت سموئیل نبی موجُود ہیں تو قانون وُہی ہو گا جو ان کی شریعت کا ہے۔ اِقتدارِ اعلیٰ انھیں کے پاس ہو گا۔ ان کی موجودگی میں کسی ایسے شخص کے تقرر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جو مُطلقُ العِنان اور مُختارِ کُل ہو۔ اِس لیے صرف لفظ ملک سے اِسلام پر نظامِ مُلوکیّت کا اِلزام لگانا سراسر حقیقت کے خلاف ہے۔ دُوسرے یہ واقعہ تو بنی اِسرائیل کا ہے۔ اَور جو کچھ اُنھوں نے کہا قرآن نے اُسے بیان کر دیا۔ اِس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ قرآن نے اُن کے اِس مطالبہ کو پسند کیا۔ اَور مُسلمانوں کو شاہی نظام اِختیار کرنے کا حُکم دیا۔ بلکہ بائبل کے باب سموئیل اوّل میں جو آیات ہیں وُہ وضاحت کرتی ہیں کہ ان کے اِس مطالبہ کو نہ اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا اَور نہ اللہ کے نبیؑ نے۔

لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوٓا اَنّٰى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ

تمھارے لیے طالوت کو امیر ۳۲۳ بولے کیونکر ہو سکتا ہے اسے حکومت کا حق ہم پر حالانکہ ہم زیادہ حقدار ہیں

بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ

حکومت کے اس سے اور نہیں دی گئی اسے فراخی مال و دولت میں نبی نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے

عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۚ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ

اسے تمھارے مقابلہ میں اور زیادہ دی ہے اسے کشادگی علم میں اور جسم میں اور اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اپنا ملک

مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖ

جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے اور کہا انھیں اُن کے نبی نے کہ اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے

اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ

کہ آئے گا تمھارے پاس ایک صندوق اس میں تسلی (کا سامان) ہوگا تمھارے رب کی طرف سے اور (اس میں) بچی ہوئی چیزیں ہوں گی

اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۚ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ

جنھیں چھوڑ گئی ہے اولادِ موسیٰ اور اولادِ ہارون اُٹھا لائیں گے اس صندوق کو فرشتے بے شک اس میں بڑی نشانی ہے تمھارے لیے

۳۲۳ ان کی خواہش اور اصرار کے باعث اللہ تعالیٰ نے طالوت کو جب اُن کا سردار اور سپہ سالار مقرر فرما دیا تو لگے اعتراض کرنے کہ یہ شخص نہ لاوی بن یعقوب کی اولاد سے ہے جس میں نبوت نسلاً بعد نسل چلی آتی ہے اور نہ یہودا ابن یعقوب کی اولاد سے ہے جن میں حکومت و سلطنت پشت در پشت چلی آرہی ہے) تو یہ نادار اور قلاش کب سردارِ قوم اور سالارِ لشکر بن سکتا ہے۔ امامت کے حقدار تو ہم ہیں۔ جن کے پاس دولت کی فراوانی ہے۔ حضرت سموئیل علیہ السلام نے اُنھیں بتایا کہ حکومت کے لیے تمھارا قائم کردہ معیار دُرست نہیں بلکہ اس کا صحیح معیار تو علم و شجاعت ہے۔ اور ان دونوں باتوں میں وُہ تم سب سے ممتاز ہے۔ بائبل میں ہے کہ یہ تیس سالہ نوجوان اپنے حسن و جمال میں بے نظیر تھا۔ اس کی قامت کی بلندی کی یہ حالت تھی کہ دُوسرے لوگ مشکل سے اس کے کندھوں تک پہنچ سکتے تھے اور یہ بن یامین کی نسل سے تھا حضرت سموئیل نے اُنھیں بتایا کہ طالوت کا انتخاب انسانی انتخاب نہیں بلکہ ربّ العزّت نے خُود اسے تمھاری قیادت کے لیے منتخب فرمایا ہے تمھیں اس کی عطا و بخشش پر معترض نہیں ہونا چاہیے۔

إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٤٨﴾ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ

اگر تم ایمان دار ہو ۳۲۴ پھر جب روانہ ہوا طالوت ۳۲۵ اپنی فوجوں کے ساتھ اس نے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ

مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ

آزمانے والا ہے تمھیں ایک نہر سے سو جس نے پانی پی لیا اس سے وُہ نہیں میرے ساتھیوں سے اور جس نے نہ پیا

فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا

وُہ یقیناً میرے ساتھیوں میں سے ہے مگر جس نے بھر لیا ایک چلّو اپنے ہاتھ سے پس سب نے پیا اس سے مگر چند آدمیوں نے

۳۲۴ بنی اسرائیل بھلا کب آسانی سے اپنی ضد سے باز آنے والے تھے فوراً مطالبہ کیا کہ آپ دلیل پیش کیجئے کہ طالوت کا انتخاب واقعی اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ اُس وقت اُن کے نبی نے اُنھیں فرمایا کہ اس کی حکومت کی نشانی یہ ہے کہ وُہ صندُوق جس میں تمھاری تسکین وطمانیت کا سامان ہے اور جس میں حضرت مُوسیٰ وہارُون علیہما السّلام کے تبرّکات تھے اور جو عمالقہ تم سے چھین کر لے گئے تھے وُہ تمھیں فرشتے واپس کر دیں گے۔ اور اگر تم میں ایمان ہے تو اِس سے بڑھ کر تمھیں کسی مزید نشانی کی ضرورت نہیں رہے گی۔ جب فرشتے اس صندُوق کو اُٹھائے ہُوئے یا اس بیل گاڑی کو ہانکتے ہُوئے جس پر تابُوت رکھا تھا بنی اسرائیل کے پاس لے آئے تو اب انھیں طالوت کے ملک بننے کے متعلّق اطمینان ہو گیا۔ نیز انھیں ڈھارس بندھ گئی کہ اب وُہ یقیناً فتحیاب ہوں گے کیونکہ انبیائے کرام کے تبرّکات والا صندُوق جس میں حضرت مُوسیٰ کا عصا اور پارچات اور حضرت ہارُون کا عمامہ تھا اُنھیں واپس مِل گیا ہے۔ اِس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ وُہ اشیاء جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے مقبُول بندوں سے ہوتا ہے ان کی برکت سے دُعائیں قبول ہوتی ہیں اور دُشمنوں پر غلبہ نصیب ہوتا ہے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ناخن، بال مُبارک تبرّک کے طور پر پاس رکھا کرتے۔ حضرت خالد کے سر پر ایک کپڑے کی ٹوپی تھی جس میں حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا ایک بال شریف رکھا ہوا تھا۔ حضرت خالد فرماتے ہیں کہ جس معرکہ میں مَیں یہ ٹوپی سر پر رکھ کر جاتا ہوں اللہ تعالیٰ اِس بال کی برکت سے مجھے کامیاب وکامران کرتا ہے۔

۳۲۵ جب طالُوت عمالقہ کی سرکوبی کے لیے روانہ ہُوئے تو ان کے ہمراہ بنی اسرائیل کا ایک انبوہِ کثیر تھا۔ راستہ میں ایک نہر (ممکن ہے دریائے اُردن ہی ہو) پر سے گزر ہوا تو اُنھیں حکم ملا کہ اب تمھارا امتحان لیا جائے گا اور وُہ امتحان یہ ہے کہ اس نہر سے پانی پینے کی اجازت نہیں۔ جس نے پانی پیا وُہ میرا سپاہی نہیں۔ ہاں اگر پیاس کی شدّت ہو تو ایک چلّو بھر کر پی لو اس سے زیادہ نہیں۔ اب کیا تھا سب ٹوٹ پڑے اور خوب سیر ہو کر پانی پیا سوائے چند مخلصین کے جو اِس امتحان میں کامیاب رہے اور جن کی تعداد صحیح روایت کے مُطابق ۳۱۳ تھی۔ باقی جتنے لوگ ہزاروں کی تعداد میں تھے انھوں نے لشکر سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

مِنۡهُمۡ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ ۙ قَالُوۡا لَا طَاقَةَ لَنَا

ان سے (نہیں پیا) پھر جب ۳۲۶ عبور کیا اسے طالوت نے اور ان لوگوں نے جو ایمان لائے تھے اس کے ساتھ۔ کہنے لگے کچھ طاقت

الۡيَوۡمَ بِجَالُوۡتَ وَجُنُوۡدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيۡنَ يَظُنُّوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّلٰقُوا

نہیں ہم میں آج جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی (مگر) کہا ان لوگوں نے جو یقین رکھتے تھے کہ وہ ضرور ملاقات کرنے والے ہیں

اللّٰهِ ۙ كَمۡ مِّنۡ فِئَةٍ قَلِيۡلَةٍ غَلَبَتۡ فِئَةً كَثِيۡرَةًۢ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ

اللہ سے کہ بارہا چھوٹی جماعتیں غالب آئی ہیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے اذن سے اور اللہ تعالیٰ

الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۲۴۹﴾ وَلَمَّا بَرَزُوۡا لِجَالُوۡتَ وَجُنُوۡدِهٖ قَالُوۡا رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا

صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جب سامنے آ گئے جالوت ۳۲۷ اور اس کی فوجوں کے تو بارگاہ الٰہی میں عرض کرنے لگے اے ہمارے رب!

صَبۡرًا وَّثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۲۵۰﴾ؕ فَهَزَمُوۡهُمۡ

اُتار ہم پر صبر اور جمائے رکھ ہمارے قدموں کو اور فتح دے ہمیں قوم کفار پر پس اُنھوں نے شکست دی جالوت کے لشکر کو

۳۲۶ اب طالوت اپنے مٹھی بھر جانباز سپاہیوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھے لیکن جب اُنھوں نے جالوت کا لشکر جرار دیکھا تو سہم سے گئے اور کہنے لگے کہ جالوت کے اتنے بڑے لشکر کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت ہم میں کہاں۔ لیکن انھیں کے چند مخلص ترین ساتھیوں نے ان کی ہمت بندھائی اور انھیں بتایا کہ فتح و نصرت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس سے پہلے بھی بارہا ایسے واقعات ہو گزرے ہیں جب کہ اس کی نصرت اور تائید سے چھوٹی سی جماعت نے بڑی بڑی فوجوں کو شکست فاش دی اور اللہ تعالیٰ کی نصرت ان لوگوں کے ضرور شریک حال ہوتی ہے جو حق و صداقت کے لیے صبر و ثبات سے کام لیتے ہیں۔

۳۲۷ جب وہ جانباز سر ہتھیلیوں پر رکھے میدان میں نکلے تو بارگاہِ ربّ العزت میں دُعا کے لیے ہاتھ پھیلائے اور اپنے لیے صبر و استقامت کی دُعا کی اور پھر دُشمن کی شکست کا سوال کیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فتح و نصرت حاصل کرنے کے لیے صبر اور ثابت قدمی شرطِ اوّلین ہیں۔ جو قوم یا فرد میدانِ جہاد یا میدانِ عمل میں شدائد اور تکالیف کے سامنے صبر و استقامت سے کام لیتا ہے وُہی کامیاب ہوتا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ مومن کے پاس سب سے زیادہ مؤثر ہتھیار دُعا ہے جس کا اس کے دُشمن کے پاس کوئی جواب نہیں۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سُنّتِ طاہرہ بھی یہی تھی۔

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۣۙ وَ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَ الْحِكْمَةَ وَ

اللہ کے اِذن سے ۳۲۸ اور قتل کر دیا داؤد نے جالوت کو ۳۲۹ اور عطا فرمائی داؤد کو اللہ نے حکومت اور دانائی اور

عَلَّمَهٗ مِمَّا یَشَآءُ ؕ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ

سکھا دیا اس کو جو چاہا اور اگر نہ بچاؤ کرتا اللہ تعالیٰ ۳۳۰ بعض لوگوں کا بعض کے ذریعہ تو

لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۝۲۵۱

برباد ہو جاتی زمین لیکن اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرمانے والا ہے سارے جہانوں پر

تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝۲۵۲

یہ آیتیں ہیں اللہ کی ہم پڑھتے ہیں انھیں آپ پر (اے حبیب) ٹھیک ٹھیک اور یقیناً آپ رسولوں میں سے ہیں

۳۲۸ ان مُٹھی بھر مجاہدین نے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے دُشمن کے لشکرِ جرّار کو شکستِ فاش دے دی۔

۳۲۹ عمالقہ کے سپہ سالار جالُوت کو جو بڑا بہادر اور کُہنہ مشق جرنیل تھا حضرت داؤد علیہ السّلام نے پتھر مار کر ہلاک کر دیا حالانکہ حضرت داؤد اُس وقت بالکل کم سِن تھے۔ زرد رُو اور لاغر و بیمار تھے۔

۳۳۰ اللہ تعالیٰ کی یہ سُنّت ہے کہ جب کوئی ظالم ظلم و ستم پر کمر بستہ ہوتا ہے تو اس کی ہلاکت انگیزیوں کی روک تھام کے لیے ایک اور قوم پیدا کر دی جاتی ہے جو اس کے مظالم کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر اپنی حکمت اور قدرت سے طاقت کا توازن یُوں قائم نہ رکھے تو سرکش افراد اور قومیں آبادیوں کو کھنڈرات میں اور بستیوں کو ویرانوں میں تبدیل کر دیں اور زمین کے کسی گوشہ میں اِنسان کو امن کا سانس لینا نصیب نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر یہ بڑا احسان ہے کہ ہر فرعون کی سرکوبی کے لیے وُہ مُوسیٰ پیدا فرما دیتا ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ

یہ سب رسول ، ہم نے فضیلت دی ہے (ان میں سے) بعض کو بعض پر ۳۳۱؎ ان میں سے کسی سے

كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

کلام فرمایا اللہ نے اور بلند کیے ان میں سے بعض کے درجے اور دیں ہم نے عیسیٰ فرزندِ مریم کو

الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ

کھلی نشانیاں اور مدد فرمائی ہم نے ان کی پاکیزہ رُوح سے ۳۳۲؎ اور اگر چاہتا ۳۳۳؎ اللہ تعالیٰ تو نہ لڑتے (جھگڑتے) وُہ لوگ

۳۳۱؎ اللہ تعالیٰ کے سب رسول نفسِ رسالت میں اور جملہ انبیا نفسِ نبوّت میں برابر ہیں لیکن فضائل و کمالات، مراتب و مقامات معجزات و کرامات میں ایک دُوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔ کسی کو ایک کمال سے متصف فرمایا کسی کو دُوسرے شرف سے مشرّف فرمایا لیکن ایک ذاتِ پاک مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم ہے جو مظہرِ اتم ہے تمام کمالاتِ جلالیہ اور جمالیہ کی جو مراتب و کمالات دیگر انبیا و رُسل کو ایک ایک کرکے عنایت کیے گئے تھے وُہ سب اپنی اعلیٰ ترین اور اکمل ترین صُورت میں حضور کریم ؐ کو عطا فرمائے گئے اور ان کے علاوہ ایسے بے شمار مراتب اور ان گنت معجزات بخشے جن میں کوئی نبی کوئی رسول ہمسری تو کیا محض شرکت کا دعویٰ بھی نہیں کرسکتا۔ حضورؐ کو ساری نوعِ انسانی بلکہ ساری کائناتِ زمینی اور آسمانی کیلیے نبی بنایا گیا محدُود وقت کے لیے نہیں بلکہ ابد تک کے لیے قرآن جیسی کتاب ارزانی فرمائی رحمۃ للعٰلمین کے خطاب سے نوازا ختمِ نبوّت و رسالت کا تاج زیبِ سر فرمایا۔ کسی کو صفی، کسی کو خلیل، کسی کو کلیم اور کسی کو رُوح فرمایا لیکن کائنات کے اس آخری سہارے کو صفوت، خلت، کلام وغیرہ کے علاوہ محبُوبیّت کی خلعتِ فاخرہ بخشی۔ مفسّرین کرام نے تصریح کی ہے کہ رفع بعضھم درجٰت، سے حضور کریم محمدؐ رسُول اللہ علیہ الصلاۃ والسّلام مُراد ہیں لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ کسی نبی کو دُوسرے نبی پر یُوں فضیلت نہ دو کہ اس سے دُوسرے نبی کی معاذ اللہ تحقیر ہو۔ قال النحاس بعضہم ھنا علی قول ابن عباس والشعبی ومجاھد محمّد صلی اللہ علیہ وسلّم (قرطبی وغیرہ)

۳۳۲؎ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے نام کی تصریح فرمادی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ جلیل القدر رسُول اپنوں اور بیگانوں کی افراط و تفریط کا نشانہ بن کر رہ گیا تھا۔ نصاریٰ نے انھیں خُدا کا بیٹا بنا رکھا تھا۔ اور یہُود انھیں ایک شریف انسان بھی ماننے کے لیے تیّار نہ تھے اِس لیے ان کا نام لیا اور ابنِ مریم یعنی مریم کا بیٹا کہہ کر ان کی اُلوہیّت کا بطلان کر دیا اور ایدناہ بروح القدس فرما کر یہُود کی الزام تراشیوں کا رَدّ کر دیا کہ وُہ تو صاحبِ آیاتِ بیّنات نبی ہے جس کی تائید کے لیے ہم نے رُوح القدس (جبریلِ امینؑ) کو مقرر کیا ہے۔

۳۳۳؎ اگر انسان اِس آیت میں کما حقہٗ تامّل نہ کرے تو وُہ آسانی سے اس غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہے کہ انسان مجبُورِ محض ہے۔ اس کے اپنے بس میں کچھ نہیں ایک غیر مرئی قوّت (اسے تقدیر کہہ لیجیے) کے ہاتھ میں یہ ایک کھلونا ہے اِس کا کوئی اچھا یا بُرا فعل اس کی ہر شائستہ اور ناشائستہ حرکت اس کے اپنے ارادہ سے سرزد نہیں ہوتی بلکہ اس سے جبراً کرائی جاتی ہے لیکن اگر آپ ذرا غور و فکر کی زحمت گوارا کریں گے تو آیت کے الفاظ ہی آپ کی اِس غلط فہمی کو دُور کر دیں گے۔ اختلفوا (وُہ آپس میں اختلاف کرنے لگے) فمنھم من آمن (ان میں سے بعض نے

مِنۢ بَعْدِهِمْ مِّنۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا

جو ان (رسولوں) کے پیچھے آئے بعد اس کے کہ آگئیں ان کے پاس کھلی نشانیاں لیکن اُنھوں نے اختلاف کیا

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟

ان میں سے کوئی ایمان پر (ثابت) رہا اور ان میں سے کوئی کافر ہو گیا اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو نہ لڑتے (جھگڑتے)

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ ﴿۲۵۳﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا

لیکن اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے اے ایمان والو! ۳۳۴؎ خرچ کرو اس

ایمان قبول کیا) ومنھم من کفر (اور ان میں سے بعض نے کُفر اختیار کیا) یہ تینوں فعل بغیر فاعل کے ارادہ اور اختیار کے صادر نہیں ہو سکتے کیونکہ ان سب کا تعلّق ظاہری اعضا سے نہیں جن پر جبر کا قانون چل سکتا ہے بلکہ ان کا تعلق ذہن اور قلب سے ہے۔ اب مطلب آیت کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل وفکر کی صلاحیت بخشی اور عمل کی قوت عطا فرمائی۔ پھر انبیاء کے ذریعہ اس پر ہدایت کا راستہ روشن اور واضح کر دیا لیکن اسے صرف سیدھے راستہ پر چلنے کے لیے مجبور نہیں فرمایا بلکہ اسے اتنا اختیار دیا کہ وُہ ہدایت کی راہ پر چل نکلے یا گمراہی کی راہ پر بعض لوگوں نے عقل وفکر سے کام لیتے ہوئے اپنی مرضی سے راہِ راست اختیار کی اور بعض نے نفسانی شہوات اور دُنیاوی خواہشات پر اپنی خوشی سے اپنی رُوحانی ترقی کو قربان کر دیا۔ ولوشاء اللہ مااقتتلوا سے یہ بتانا مقصود ہے کہ انسان کو جو اختیار دیا گیا ہے اس سے وُہ قدرتِ خُداوندی سے باہر نہیں نکل گیا۔ اللہ تعالیٰ کی طاقت اور قدرت اتنی زبردست اور ہمہ گیر ہے کہ وُہ جو چاہے کر سکتا ہے جس طرح اس نے انسان کو عمل کرنے کی آزادی دی ہے وُہ اس سے یہ آزادی سلب کر کے اسے صرف راہِ راست پر چلنے کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔ اور اس طرح اختلاف کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے لیکن مصلحتِ عامہ اور حکمتِ بالغہ کا تقاضا یہی ہے کہ حق و باطل کی یہ آویزش جاری رہے۔ ہر شخص اپنی مرضی سے حق و باطل میں سے جسے چاہے اختیار کرے۔

۳۳۴؎ سابقہ آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ حق و باطل کی جنگ جاری رہے گی اور اس جنگ میں حق کو مظفّر و منصُور کرنے کیلئے اہلِ حق کو جانی قربانیوں کے ساتھ ساتھ مالی قربانیاں بھی دینا ہوں گی اس آیت میں مسلمانوں کو یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی رغبت دلائی جا رہی ہے کہ یہ مال و دولت جو تمہیں تمہارے رب نے عطا فرمایا ہے اور جس طرح چاہو اس کو خرچ کرنے کی تمہیں مہلت دی ہے یاد رکھو! یہ مہلت صرف اس وقت تک کے لیے ہے جب تک تمہاری زندگی کا یہ چراغ ٹمٹما رہا ہے۔ جس دن یہ بُجھ گیا مُہلت ختم۔ جس نے اس اختیار اور مُہلت سے فائدہ نہ اُٹھایا قیامت کے دن وُہ حرماں نصیب کیا کرے گا۔ اس روز نہ تو خرید و فروخت ہو سکے گی اور نہ وہاں کوئی دُنیاوی بھائی چارہ کام آئے گا اور نہ کسی کی (بغیر اذنِ الٰہی) سفارش ہو گی۔ اس آیت سے بعض لوگ جلد بازی سے حضور کریم علیہ الصلاۃ والسلام اور اولیاء کرام کی شفاعت اور ان کی محبّت اور غلامی کی برکات کا انکار کر دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم میں صراحۃً موجود ہے۔ اَلْاَخِلَّاءُ

رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّ

(مال) سے جو ہم نے دیا ہے تم کو اس سے پہلے کہ آ جائے وُہ دن جس میں نہ تو خرید و فروخت ہو گی اور نہ (کفار کے لیے)

لَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

دوستی ہو گی اور نہ (ان کے لیے) شفاعت ہو گی اور جو کافر ہیں وُہی ظالم ہیں اللہ ۳۳۵ (وُہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے ۳۳۶

اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

زندہ ہے ۳۳۷ سب کو زندہ رکھنے والا ہے ۳۳۸ نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند ۳۳۹ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے ۳۴۰

یومئذٍ بعضھم لبعض عدو الا المتقین سب دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر متقی یعنی ان مردانِ خدا کی دوستی اس روز بھی قائم رہے گی اور کام آئے گی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا شفیع المذنبین ہونا تو قرآن کی متعدد آیات اور کثیر احادیث صحیحہ متواترہ سے ثابت ہے اور عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا میں تو رحمۃ للعٰلمین کو مقامِ محمود (یعنی شفاعتِ کبریٰ) پر سرفراز ہونے کی بشارت دی جا رہی ہے، اس لیے قرآنِ کریم کی کسی آیت کا ایسا مفہوم بیان کرنا جس سے دوسری آیتوں کی تغلیط ہوتی ہو کسی ایماندار کے شایانِ شان نہیں۔

۳۳۵ اس آیت کو آیۃ الکرسی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحیدِ ذاتی اور صفاتی کا واضح اور روشن ترین بیان ہے اس لیے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ان اعظم اٰیۃ فی القراٰن اٰیۃ الکرسی قرآن کی سب سے عظیم الشان آیت، آیۃ الکرسی ہے احادیث میں اس کے بڑے فضائل مذکور ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا ایک فرمان سُن لیجیے من قرأ اٰیۃ الکرسی فی دبر کل صلوٰۃ مکتوبۃ لم یمنعہ من دخول الجنۃ الا الموت جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے اس کے فوت ہونے کے بعد جنّت میں داخل ہونے سے اسے کوئی روک نہیں سکتا اب اس عظیم الشان آیت کی مختصر سی توضیح ملاحظہ ہو:۔

۳۳۶ اللہ ذاتِ باری کا عَلَم (نام) ہے اور یہ لفظ ان تمام صفات کا جامع ہے جو متعدد صفاتی ناموں میں الگ الگ پائی جاتی ہیں فرمایا کہ وُہ ذات پاک جس کا نام اللہ ہے صرف وُہی معبودِ برحق ہے اس کے بغیر اور کوئی نہیں جو عبادت کیے جانے کے لائق ہو۔

۳۳۷ جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہمیشہ رہے گا موت اور فنا کے نقص سے بہت پاک اور نہایت بلند ہے۔

۳۳۸ القیّوم یہ مبالغہ کا صیغہ ہے اصل میں قَيْوُوْمٌ تھا صرفی تعلیل سے قَيُّوْمٌ بن گیا اس کا مصدر "قیام" ہے اس کا مفہوم بیان کرنے کے لیے مختلف تعبیریں اختیار کی گئی ہیں لیکن حضرت قتادہ سے جو عبارت منقول ہے وُہ زیادہ جامع معلوم ہوتی ہے۔ القیوم: القائم بتدبیر خلقہ من انشاءھم ابتداءً وایصال ارزاقھم الیھم۔ یعنی وُہ ہستی جو کائنات کی ہر چیز کی تخلیق، نشو و نما اور بقا، کی تدبیر فرمانے والی ہے۔

۳۳۹ پہلے اس کی صفاتِ کمال کا بیان تھا اب جملہ نقائص سے اس کی پاکی بیان کی جا رہی ہے کہ اس کی قیومیّت کا تعلق ہر چیز سے ہر وقت ایک طرح کا ہے۔ یہ اونگھتا نہیں کہ اس وقت اس کی قیومیّت کا تعلق کمزور ہو جائے وُہ سوتا نہیں کہ یہ تعلق منقطع ہو جائے۔

۳۴۰ یعنی زمین و آسمان کی ہر چیز نوری ہو یا خاکی قیمتی ہو یا حقیر سب کے گلے میں بلا استثنا اس کی بندگی کا طوق آویزاں ہے پھر کون ہے جو اس کی

وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ

اور جو کچھ زمین میں ہے کون ہے جو سفارش کر سکے اس کے پاس بغیر اس کی اجازت کے جانتا ہے ۳۴۱

مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ

جو ان سے پہلے (ہو چکا) ہے اور جو ان کے بعد (ہونے والا) ہے اور وہ نہیں گھیر سکتے کسی چیز کو اس کے

عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَ

علم سے مگر جتنا وہ چاہے سما رکھا ہے اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو ۳۴۲ اور

لَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾ لَاۤ اِكْرَاهَ فِی

نہیں تھکاتی اُسے زمین و آسمان کی حفاظت اور وُہی ہے سب سے بلند عظمت والا کوئی زبردستی نہیں ہے

ہمسری کا دعویٰ کرے یا کسی کو اس کا ہمسر خیال کرے وُہی ایک اللہ ہے باقی سب اس کے بندے، اس کے مملوک اور تابع فرمان ہیں۔

۳۴۱ یہاں ایک قاعدہ بیان فرما دیا کہ ہر شخص کو بارگاہِ ذُو الجلال میں لب کشائی اور شفاعت کی طاقت نہ ہوگی۔ صرف وُہی شفاعت کریگا جس کو پروردگارِ عالم نے اذن فرمایا۔ بتانا یہ ہے کہ اے مشرکین و کفّار! قیامت کے دن تو وُہی شفاعت کرے گا جسے اجازت ہوگی اور تمہارے ان بُتوں کو تو کوئی اجازت نہیں پھر ان سے یہ توقع عبث کیوں لگائے بیٹھے ہو۔ اور اِلَّا باذنه سے یہ واضح فرمایا کہ وُہ محبوب و مقبول بندگانِ خُدا ضرور شفاعت کریں گے جن کو ان کے رب نے اجازت مرحمت فرمائی ہوگی سب سے پہلے شفاعت کرنے والا اللہ کا محبوب و حبیب محمد مُصطفٰے علیہ افضل التحیۃ واجمل الثناء ہوں گے جو اس روز مقامِ محمُود کے منصبِ رفیع پر متمکن ہوں گے۔ اے اللہ کریم! ہم گناہ گاروں کو اپنے رسُول صاحبِ مقامِ محمُود کی شفاعت نصیب فرما اور اس کی برکات و توجّہات سے ہمیں دُنیا و آخرت میں سرفراز رکھ (آمین ثم آمین)

۳۴۲ مفسّرین کرام نے الکرسی کی تفسیر میں متعدّد اقوال نقل کیے ہیں اور ان اقوال سے علّامہ ابنِ جریر نے حضرت ابنِ عبّاس کا یہ قول پسند کیا ہے۔ قال ابن عباس کرسیه علمه ورجحه الطبری قال منه الکراسة التی تضم العلم وقیل للعلماء الکراسی (قرطبی) ترجمہ: حضرت ابنِ عباس نے فرمایا کہ کرسیه سے مُراد اس کا علم ہے ابنِ جریر طبری نے اسی قول کو پسند کیا ہے اور کہا ہے کہ اسی سے کراستہ ماخوذ ہے جس کے معنی اس دفتر کے ہیں جس میں علم منضبط کیا جاتا ہے۔ اور عربی میں علماء کو کراسی بھی کہا جاتا ہے علامہ قرطبی نے اس کی سند کے طور پر ایک شعر بھی نقل کیا ہے لیکن حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے یہ بھی منقول ہے یا اباذر ما السموات السبع مع الکرسی الا کحلقة ملقاة فی ارض فلاة۔ کہ کرسی کی وُسعت و فراخی کے سامنے سات آسمان یُوں معلوم ہوتے ہیں جیسے ایک وسیع صحرا میں ایک مُندری پڑی ہو۔ بعض لوگ مخلوقاتِ خداوندی کی وُسعت و عظمت کا تصوّر جب اپنے ذہنوں میں نہیں کر پاتے تو بڑی

الدِّيْنِ ۚ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ

دین میں ۳۴۳؎ بے شک خوب واضح ہو گئی ہے ہدایت گمراہی سے تو جو انکار کرے شیطان کا ۳۴۴؎

وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ

اور ایمان لائے اللہ کے ساتھ تو اُس نے پکڑ لیا مضبوط حلقہ جو ٹوٹنے والا

حیرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اتنی بڑی چیز کے وجود سے ہی انکار کر دیتے ہیں اور اپنی قابلیت ان آیات کی بعید از کار تاویلات کرنے میں ضائع کر دیتے ہیں۔

۳۴۳؎ اسلام کے دشمنوں نے اسلام پر لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانے کا جو الزام لگا رکھا ہے قرآن نے پہلے ہی اس کا ردّ کر دیا تھا کہ دین کے معاملہ میں جبر و اکراہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دین کی بنیاد ہے ایمان اور ایمان کا تعلق ہے دل سے اور دل جبر و اکراہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا جانتا ہی نہیں۔ نیز اسلام بحیثیت دین، انسان کی باطنی اور قلبی اصلاح اور درستی کرنا چاہتا ہے۔ اگر کسی کے گلے میں آپ جبراً پھندا ڈال دیں تو کیا اس کی روحانی اصلاح ہو جائے گی اور کیا اسلام کا مقصد حاصل ہو جائے گا اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر ایسے شخص کو مسلمان کرنے میں اسلام کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ یہ تو ہوا اس بہتان کا نظری تجزیہ اب آپ عملی پہلو پر نگاہ ڈالیے۔ چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی آج ہند و پاک کے میدانوں میں، مراکش کے صحراؤں میں، ہمالہ کی چوٹیوں اور بحرِ اوقیانوس کے دور افتادہ جزیروں میں، یورپ کے ہنگامہ زا شہروں میں اور ایشیا کے بیشتر ممالک میں ہر روز پانچ دفعہ اذان کی آواز گونج رہی ہے۔ کیا جس دین کو ظلم و ستم کے خوف سے قبول کیا گیا ہو اس سے لوگوں کی عقیدت کا یہ عالم ہوا کرتا ہے۔ بلکہ یہاں تو اسلام کے متوالوں کو ستایا گیا۔ ان پر ظلم توڑے گئے انہیں تختۂ دار پر سرِ راہ لٹکایا گیا۔ پروپیگنڈے کے طوفان اُمڈ اُمڈ کر آئے لیکن اپنا سر پٹخ پٹخ کر رہ گئے ان اللہ کے بندوں کو جو عقیدت اپنے رب سے تھی، جو عشق اپنے محبوب اور پیارے رسول ﷺ سے تھا، جو شیفتگی اپنے اس دینِ برحق سے تھی اس میں کمی نہ ہوئی لیکن ایک اور چیز بھی پیش نظر رہے اسلام جس طرح یہ گوارا نہیں کرتا کہ کسی کو جبراً مسلمان بنایا جائے اسی طرح وہ یہ بھی برداشت نہیں کرتا کہ کوئی اس کے ماننے والوں پر تشدّد کر کے انھیں اسلام سے برگشتہ کرے یا جو خوشی سے اسلام کی برادری میں شریک ہونا چاہتے ہیں ان کو ایسا کرنے سے زبردستی روکا جائے۔ اور اگر کہیں ایسی صورت پیدا ہو جائے تو اسلام اُس وقت اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ ایسی حالت میں وہ ظالم قوت کا مقابلہ کریں اور یہی اسلام کا نظریۂ جہاد ہے۔ اسلام کے بعض نکتہ چین جہاد کو اکراہ فی الدین سے تعبیر کرتے ہیں اور اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں وہ سُن لیں کہ اسلام اُن کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنے کے لیے اپنے ماننے والوں کو دشمنانِ دین و ایمان کے جور و ستم کا تختۂ مشق بننے کی اجازت نہیں دے گا۔

۳۴۴؎ طاغوت طغیان سے ہے جس کا معنی سرکشی ہے۔ قال الجوھری والطاغوت الکاھن والشیطان وکل راس فی الضلال (قرطبی) یعنی طاغوت کاہنوں کو بھی کہا جاتا ہے جو غیب دانی کے جھوٹے دعوے کر کے لوگوں کو اپنے دامِ فریب میں پھنسایا کرتے ہیں۔ اس کا اطلاق

لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ

نہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سُننے والا جاننے والا ہے اللہ مددگار ہے ۳۴۵ ایمان والوں کا نکال لے جاتا ہے انھیں

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۬ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ

اندھیروں سے نُور کی طرف اور جنھوں نے کُفر کیا ان کے ساتھی شیطان ہیں

يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓـئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ

نکال لے جاتے ہیں اُنھیں نُور سے اندھیروں کی طرف یہی لوگ دوزخی ہیں وُہ

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖۤ اَنْ

اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں کیا نہ دیکھا آپ نے (اے حبیب!) اسے جس نے جھگڑا کیا ۳۴۶ ابراہیم سے ان کے رب کے بارے میں اس

اٰتٰٮهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ

وجہ سے کہ دی تھی اسے اللہ نے بادشاہی جب کہ کہا ابراہیم (علیہ السّلام) نے (اسے) کہ میرا رب وُہ ہے جو جِلاتا ہے اور مارتا ہے

شیطان پر بھی ہوتا ہے اور وُہ شخص بھی طاغوت ہے جو کسی گمراہ مذہب، غلط نظریہ اور مُضر عمل کا بانی اور کرتا دھرتا ہو۔ لیکن قرآن کی اس آیت کو آپ پڑھیئے۔ یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ۔ اس سے آپ کو طاغوت کی اور قسم بھی معلوم ہوگی یعنی وُہ بھی طاغوت ہے جو احکامِ الٰہی کے خلاف اپنے وضع کردہ قوانین کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے کرے۔ طاغوت واحد اور جمع دونوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔

۳۴۵ قال الخطابی الولی الناصر ینصر عبادہ المؤمنین یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مددگار ہے انھیں وُہ اپنی توفیق اور امداد سے ہر قسم کی گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں پہنچاتا ہے۔ کیونکہ گمراہیاں طرح طرح کی ہیں اس لیے لفظ جمع ظلمات سے تعبیر کیا اور ہدایت کیونکہ ایک ہی ہے اس لیے وہاں واحد کا لفظ استعمال فرمایا۔

۳۴۶ وُہ شخص جس سے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا مکالمہ ہوا وُہ نمرود تھا۔ جو عراق کا بادشاہ تھا اور جس کی حکومت دُور دراز تک پھیلی ہوئی تھی۔ حکومت و اقتدار کے نشہ میں اُس نے اپنے مالکِ حقیقی کو بھلا دیا اور خود خدائی کا دعویٰ کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے جب شرک و الحاد کے خلاف جہاد شروع کیا اور اس مٹی کے ناچیز پُتلے کو رب ماننے سے صاف انکار کر دیا تو نمرود نے سرِ مجلس آپ سے آپ کے رب کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا میرا رب تو وُہ ہے جو ہر چیز کو زندہ کرنے والا اور مارنے والا

حضرت ابراہیم کا اُر سے کنعان تک سفر
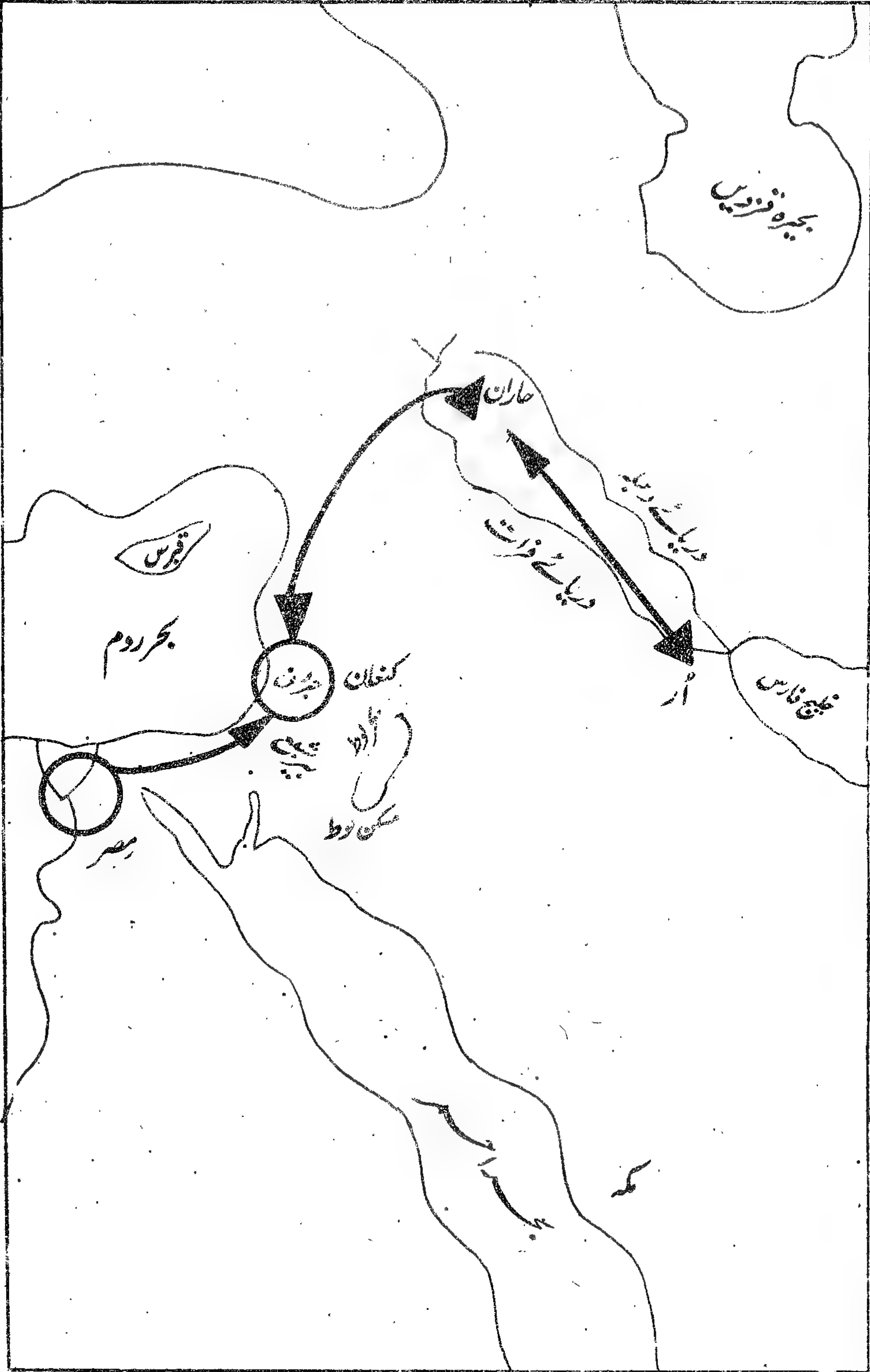
نقشہ متعلقہ آیات ۲۵۸۔ البقرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش اُر کے مقام پر ہوئی جو عراق کا ایک قدیم شہر ہے۔ یہیں آتشکدہ نمرود کا واقعہ رونما ہوا۔ اس کے بعد آپ نے اُر سے ہجرت اختیار کی۔ پہلے حاران تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ قیام کے بعد فلسطین کا رُخ کیا۔ بیت ایل جبرون اور بیر شیع کو اپنی تبلیغ کا مرکز بنایا۔ پھر حضرت لوط کو جو آپ کے بھتیجے تھے، بحر لوط کے مشرق میں متعین کیا۔ وہاں سے آپ نے مصر کا قصد فرمایا جو اس زمانہ میں عراق کے بعد تہذیب و تمدن کا دوسرا عظیم الشان گہوارہ تھا۔ حکم الٰہی کے بعد وہاں سے مکہ تشریف لے گئے اور کعبۃ اللہ کی تعمیر فرمائی اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو وہاں اپنا جانشین مقرر کیا، پھر فلسطین واپس آئے۔ جبرون میں اقامت اختیار کی۔ یہیں آپ نے رحلت فرمائی اور دوسرے فرزند حضرت اسحٰق علیہ السلام یہاں آپ کے جانشین ہوئے۔

قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَ اُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ

اس نے کہا میں بھی جلا سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نکالتا ہے سورج کو

مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ؕ

مشرق سے تو تُو نکال لا اسے مغرب سے (یہ سُن کر) ہوش اُڑ گئے اس کافر کے

وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵۸﴾ ج اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ

اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو یا (کیا نہ دیکھا) اس شخص کو ۳۴۷ جو گزرا ایک بستی پر

وَّ هِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ

درآں حالیکہ وُہ گری پڑی تھی اپنی چھتوں کے بل کہنے لگا کیونکر زندہ کرے گا اسے اللہ تعالیٰ اس کے ہلاک

ہے۔ نمرود نے کہا کہ یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ چنانچہ اس نے دو آدمی بُلائے۔ ان میں سے ایک وُہ تھا جس کے قتل کرنے کا حُکم صادر ہوچکا تھا اور دُوسرا بے گناہ تھا۔ اس نے بے گناہ کو قتل کر دیا اور اس واجب القتل کو رہا کر دیا۔ اور اس طرح حقیقت ناشناسوں کے سامنے اپنی جھوٹی خُدائی کی لاج رکھ لی۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ایک اور بھرپور وار کیا۔ حضرت صدرُ الافاضل مُراد آبادی کے الفاظ یہاں بہت جامع ہیں۔ "لیکن چُونکہ نمرود کے جواب میں شانِ دعویٰ پیدا ہوگئی تو حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اس پر مناظرانہ گرفت فرمائی کہ موت وحیات کا پیدا کرنا تو تیرے مقدور میں نہیں اَے رُبوبیّت کے جھوٹے مدعی تو اِس سے سہل کام ہی کر دِکھا جو ایک متحرّک جسم کی حرکت کو بدلنا ہے۔ یہ بھی نہ کر سکے تو پھر رُبوبیّت کا دعویٰ کس مُنہ سے کرتا ہے۔

۳۴۷ وُہ کون تھا جس کا قصّہ اس آیت میں بیان ہو رہا ہے؟ اس کی تعیین نہ قرآن نے کی ہے نہ حدیث نے۔ اس لیے علماء مفسّرین سے متعدّد اقوال منقول ہیں۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ وُہ کافر تھا جسے قیامت پر ایمان نہ تھا۔ بعض نے ارمیا نبی کا اور اکثر نے حضرت عُزیر علیہ السّلام کا نام لیا۔ لیکن زیادہ بہتر یہی ہے کہ جس کو اللہ اور رسُول نے معیّن نہیں فرمایا اُسے معیّن نہ کیا جائے۔ اسی طرح اس قریہ میں بھی اختلاف ہے۔ اکثر کا یہ خیال ہے کہ وُہ بیت المقدس تھا جسے بخت نصر نے ۵۸۶ ق م میں تباہ و برباد کیا تھا۔ اس کے اکثر باشندوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا اور بقایا کو قید کر کے اپنے پایۂ تخت بابل میں لے گیا تھا۔ جب اُجڑے ہُوئے شہر پر اُن کا گزر ہُوا تو ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہُوا کہ اِس برباد اور اُجڑے ہُوئے شہر کو اللہ تعالیٰ کیونکر اَز سرِنو آباد فرمائے گا۔

مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ

ہونے کے بعد۔ سو مُردہ رکھا اسے اللہ تعالیٰ نے سو سال تک پھر زندہ کیا اُسے ۳۴۸ فرمایا کتنی مدت تو یہاں ٹھیرا رہا

قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ

اُس نے عرض کی میں ٹھیرا ہوں گا ایک دن یا دن کا کچھ حصّہ اللہ نے فرمایا نہیں بلکہ ٹھیرا رہا ہے تو سو سال

فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ ۫

اب (ذرا) دیکھ اپنے کھانے اور اپنے پینے (کے سامان) کی طرف یہ باسی نہیں ہوا اور دیکھ اپنے گدھے کو

وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا

اور یہ سب اس لیے کہ ہم بنائیں تجھے نشان لوگوں کے لیے اور دیکھ ان ہڈیوں کو کہ ہم کیسے جوڑتے ہیں انھیں

ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

پھر (کیسے) ہم پہناتے ہیں انھیں گوشت پھر جب حقیقت روشن ہوگئی اس کے لیے (تو) اس نے کہا میں جان گیا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ

شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَيْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ

ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور یاد کرو جب ۳۴۹ عرض کی ابراہیمؑ نے اے میرے پروردگار دکھا مجھے کہ تو ۳۵۰ کیسے زندہ فرماتا ہے مُردوں کو

۳۴۸ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کا مشاہدہ کرانے کے لیے اُنھیں موت کی نیند سُلا دیا اور اِس حالت میں پُورے سو سال گزر گئے۔ اس کے بعد انھیں زندہ کیا گیا اور اُن سے پُوچھا گیا کہ آپ کتنی مدّت اِس حالت میں رہے تو اُنھوں نے جواب دیا کہ ایک دن یا اس کا کچھ حصّہ۔ اُنھیں بتایا گیا کہ نہیں تم تو پُوری ایک صدی یہیں رہے اور دیکھئے میری قُدرت کہ آپ کا کھانا جو عام طور پر چند گھنٹے گزر جانے کے بعد بدبُودار ہو جاتا ہے جُوں کا تُوں ہے اور گدھے کا گوشت پوست گل سڑ گیا ہے اور اس کی ہڈیاں بکھری پڑی ہیں اب دیکھئے یہ بکھرا ہوا ڈھانچہ کیسے جُڑتا ہے اور گوشت پوست کیسے آن واحد میں اس پر نمودار ہو جاتا ہے۔ جب اِن تمام اُمُور کا اُنھوں نے بچشمِ خود مشاہدہ کر لیا تو کہنے لگے میں نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کر سکتا ہے علم یہاں بھی رویت کے معنی میں ہے۔

۳۴۹ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ کا ایک اور ثبوت پیش فرماتے ہیں۔

۳۵۰ اس سوال سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام اس بات میں متردّد تھے۔ ہرگز نہیں کیونکہ یہاں سوال

قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ

فرمایا اے ابراہیم کیا تم اس پر یقین نہیں رکھتے عرض کی ایمان تو ہے ۳۵۱ لیکن (یہ سوال اس لیے ہے) تاکہ مطمئن ہو جائے میرا دل ۳۵۲ فرمایا تو پکڑ لے

اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ

چار پرندے ۳۵۳ پھر مانوس کر لے انھیں اپنے ساتھ پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر

مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ

اُن کا ایک ایک ٹکڑا پھر بلا اُنھیں چلے آئیں گے تیرے پاس دوڑتے ہوئے اور جان لے یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب

کیف سے ہو رہا ہے۔ اور کیف سے سوال اُس چیز کی حالت دریافت کرنے کے لیے کیا جاتا ہے جس کے موجود ہونے کا یقین ہو۔ وذلك ان الاستفهام بكيف انما هو سؤال عن حالة شيء موجود متقرر الوجود عند السائل والمسئول (قرطبی)

۳۵۱ یہاں آپ کی زبان سے کہلوا دیا بلیٰ کہ مجھے پورا ایمان ہے۔ یہ اس لیے تاکہ کسی کو شک کرنے کا موقعہ ہی نہ ملے۔

۳۵۲ تو جب ایمان و یقین پہلے سے حاصل ہے تو پھر اس سوال کا کیا مطلب؟ اس کی وجہ بتائی کہ پہلے مجھے علم الیقین تو ہے لیکن اگر تو مجھے اپنی قدرت کا مشاہدہ کرا دے تو مجھے عین الیقین کا مرتبہ نصیب ہو جائے گا۔ ای سالتك ليطمئن قلبي بحصول الفرق بين المعلوم برهانا والمعلوم عيانا (قرطبی) اس سوال سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اطمینانِ خاطر کے لیے اس قسم کے سوالات اپنے اُستاد اور مُرشدِ کامل سے پُوچھ لینا جائز ہیں۔

۳۵۳ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کا مشاہدہ کرانے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو حکم دیا کہ چار پرندے لیں انھیں ذبح کر کے اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کریں اور پھر اُنھیں آپس میں ملا دیں۔ پھر ان ملی جُلی بوٹیوں کے چار حصے کر لیں اور ایک ایک حصّہ ایک ایک پہاڑی پر رکھیں۔ پھر ان پرندوں کو اپنی طرف بُلائیں اور اپنے رب کی قُدرتِ کاملہ کا مشاہدہ کریں۔ جب حضرت خلیل ؑ نے ایسا کر کے ان کو بُلایا تو اُنھوں نے اپنی آنکھوں سے مُشاہدہ کیا کہ وُہ متفرق بوٹیاں اکٹھی ہوئیں بکھرے ہُوئے پر جمع ہو گئے اور وُہ پرندے پھڑپھڑاتے ہُوئے جلدی جلدی حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ فصرھن کے دو معنے ہیں۔ ایک اس کا معنی ہے مائل اور مانوس کرنا اور ترجمہ میں یہی معنی لیا گیا ہے۔ لیکن اس کا دُوسرا معنی قطعھن ہے یعنی ان کو ٹکڑے ٹکڑے کرو۔ حضرت ابن عباس اور ابن الانباری وغیرہما سے یہی منقول ہے۔ يقال صار الشيء يصوره اي قطعه (قرطبی) بعض لوگوں نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تم چار پرندوں کو اپنے ساتھ مانوس کر لو۔ پھر ایک ایک پرندہ الگ الگ پہاڑیوں پر بٹھا دو اور اُنھیں اپنی طرف بُلاؤ وُہ فوراً تمھاری طرف چلے آئیں گے۔ تو جیسے تم نے ان کو مانوس کیا اور وُہ تمھاری آواز پر دوڑے چلے آئے اسی طرح جب کائنات کا رب ان منتشر اجزاء کو قیامت کے روز

حَكِيمٌ ﴿۲۶۰﴾ مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ

بڑا دانا ہے مثال اُن لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں ۳۵۴ اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں ایسی ہے جیسے

حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ط

ایک دانہ ۳۵۵ جو اُگاتا ہے سات بالیں (اور) ہر بال میں سو دانہ ہو

بلائے گا تو یہ اجزاء اکٹھے ہو جائیں گے لیکن یہ تاویل کچھ مناسب حال معلوم نہیں ہوتی۔ سوال یہ ہے کہ پراگندہ اور منتشر اجزاء اکٹھے کیونکر ہوں گے اور ان میں رُوح کیونکر پھونکی جائے گی۔ کم از کم جواب ایسا تو ہونا چاہیئے جو سوال کے اہم گوشوں کی وضاحت کر دے۔ اس تاویل کے مطابق نہ تو منتشر اجزاء کا اجتماع ہے اور نہ ہی مُردہ کو از سرِ نو زندہ کرنے کا وقوع ہے۔ پھر اس میں کونسی ایسی چیز ہے جو قلب کے اطمینان کا باعث ہو۔

۳۵۴ اس آیت کریمہ کے الفاظ تو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے کی فضیلت کی مثال بیان کرتے ہیں لیکن اس کے ضمن میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب بھی دلائی جارہی ہے۔ یعنی جب یہ یقین ہو کہ یہاں ایک درہم خرچ کرنے سے سات سو درہم ملیں گے تو کونسا عقلمند ایسا ہو گا جو بصد خوشی اپنا سارا سرمایہ اس سودے میں نہیں لگا دے گا۔ اللہ جو غنی وحمید ہے اپنی راہ میں خرچ کرنے والوں کو وُہ داتا یُونہی دیا کرتا ہے لیکن اللہ کریم کے خزانوں کو تقسیم فرمانے والا نبیؐ جسے اپنے مالک کے بے پایاں خزانوں کا بھی علم ہے اور اُس کی شانِ کریمی کو بھی جانتا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو عرض کرتا ہے رب زد اُمّتی۔ اے میرے پروردگار میری اُمّت کو اس سے بھی زیادہ عطا فرما تو جواب ملا من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضاعفہ لہ اضعافا کثیرۃ جو اللہ کو قرض دیتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے کئی کئی گنا زیادہ دیتا ہے۔ لبِ مُصطفےٰ کو پھر جنبش ہوئی اور عرض کی۔ رب زد اُمّتی۔ میرے کریم! میری اُمّت کو اس سے بھی زیادہ عطا فرما تو جواب ملا انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب۔ صبر کرنے والوں کو بے حد وحساب اجر دیا جائے گا۔ (قرطبی) اَن گِنت حمد وثناء اُس مولائے کریم کے لیے اور بے شمار درود وسلام اُس کے محبوبِ کریمؐ پر۔

۳۵۵ علامہ قرطبی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زراعت کا پیشہ تمام پیشوں سے اعلیٰ ہے اور روزی کمانے کے ذرائع میں سے بہت باعزّت ذریعہ ہے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التمسوا الرزق فی خبایا الارض اخرجہ الترمذی یعنی حضورؐ نے فرمایا کہ زمین کی تہوں سے اپنا رزق تلاش کرو۔ اور زراعت فرضِ کفایہ سے ہے۔ اگر لوگ اس کی طرف سے غفلت برتیں تو امام وقت کو چاہیئے کہ لوگوں کو جبراً کاشتکاری کی طرف راغب کرے اور باغات اور درخت لگانے کا حکم دے (علامہ قرطبی) نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر پُوری کوشش کی جائے تو جتنا بیج ڈالا جائے سات سو گنا تک فصل برداشت کیا جاسکتا ہے۔

وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِيْنَ

اور اللہ تعالیٰ (اس سے بھی) بڑھا دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور اللہ وسیع بخشش والا جاننے والا ہے جو لوگ

يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا

خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں پھر ۳۵۶ جو خرچ کیا اس کے پیچھے

مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ دُکھ دیتے ہیں اُنھیں کے لیے ثواب ہے اُن کا اُن کے رب کے پاس نہ کوئی خوف ہے اُن پر

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ

اور نہ وُہ غمگین ہوں گے اچھی بات کرنا ۳۵۷ اور (غلطی) معاف کر دینا بہتر ہے اس

صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

صدقہ سے جس کے پیچھے دُکھ پہنچایا جائے اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے بڑے حلم والا ہے اے ایمان والو!

دُوسری قومیں اِس میدان میں گوئے سبقت لیے جارہی ہیں اَور ہم اِتنا کچھ کرنے سے بھی عاجز ہیں۔ خلیفہ معتضد نے خواب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زیارت کی اَور حضرت نے اُسے مسحاۃ پکڑایا اَور فرمایا خذھا فانھا مفاتیح خزائن الارض اسے پکڑ لو کیونکہ یہی زمین کے خزانوں کی کُنجیاں ہیں۔

۳۵۶ یعنی خرچ بھی اللہ کے راستہ میں ہو اَور اسی کے لیے ہو تب اجر کی توقع ہے۔ اَور اگر خرچ کے بعد اِحسان جتانا یا ستانا شروع کر دیا تو اللہ کے نزدیک اسے کوئی ثواب نہیں مِلے گا۔ جنگ تبوک کے موقعہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک ہزار دِینار لے کر حاضر ہُوئے اَور حضُور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی جھولی میں ڈال دیئے۔ رحمتِ دو عالم کی زبانِ پاک سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں ایسی دُعا نکلی جس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جتنا ناز کریں بجا ہے اَور جتنا شکر کریں کم ہے۔ حضُور نے فرمایا۔ ماضر عثمان ماعمل بعد الیوم اللھم لاتنس ھذا الیوم لعثمان۔ اب عثمان جو کچھ کرتا رہے اس کو نقصان نہیں دے گا۔ اَے اللہ! عثمان رضی اللہ عنہ کے آج کے دِن کی قربانی فراموش نہ کرنا۔

۳۵۷ بعض کم ظرف لوگ اگر چند کوڑیاں کسی نیک کام میں خرچ کر بیٹھتے ہیں تو پھر اِحسان جتلاتے ہیں۔ طرح طرح سے اذیّت پہنچاتے ہیں مُسلمانوں کو ایسی کمینہ حرکت سے باز رہنے کی تلقین کی جارہی ہے اَور اُنھیں بتایا جارہا ہے کہ ایسے خرچ کرنے سے تو

اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰىۙ كَالَّذِیْ یُنْفِقُ

مت ضائع کرو اپنے صدقوں کو احسان جتلا کر اور دُکھ پہنچا کر اُس آدمی کی ۳۵۸ طرح جو خرچ

مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِؕ فَمَثَلُهٗ

کرتا ہے اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے اور یقین نہیں رکھتا اللہ پر اور دِن قیامت پر اس کی مثال ایسی ہے

كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًاؕ

جیسے کوئی چکنی چٹان ہو جس پر مٹی پڑی ہو پھر برسے اُس پر زور کی بارش اور چھوڑ جائے اُسے چٹیل صاف پتھر

لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْاؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ

(ریاکار) حاصل نہ کرسکیں گے کچھ بھی اُس سے جو اُنھوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کفر اختیار

الْكٰفِرِیْنَ ۝۲۶۴ وَ مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ

کرنے والوں کو اور مثال اُن لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال ۳۵۹ اللہ کی خوشنودیاں حاصل کرنے

خندہ پیشانی سے بات کرنا اور کسی کی سخت کلامی وغیرہ سے درگزر کرنا بہت بہتر ہے۔ دین کا مقصد تو یہ ہے کہ تمھاری سیرت سنور جائے۔ اگر چند ٹکے دے کر تم میں نخوت پیدا ہوگئی ہے تو اِس طرح تو سیرت اور بگڑ گئی۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم الکلمۃ الطیبۃ صدقۃ وان من المعروف ان تلقی اخاک بوجہ طلق۔ حضورؐ نے فرمایا پاکیزہ بات بھی صدقہ ہے۔ اور اسلام میں یہ بھی بڑی نیکی ہے کہ تُو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملاقات کرے۔

۳۵۸ یہ منافق اور ریاکار کے عمل کی مثال ہے کہ جس طرح پتھر پر مٹی نظر آتی ہے لیکن جب بارش برستی ہے تو اس مٹی کو بہا کر لے جاتی ہے اور پتھر پھر چٹیل کا چٹیل رہ جاتا ہے۔ اِسی طرح منافق کے اعمالِ خیر کی حالت ہے کہ بظاہر دیکھنے میں تو بہت کچھ دکھائی دیتے ہیں لیکن قیامت کے روز وُہ یوں ناپید ہو جائیں گے جیسے بارش کے بعد پتھر سے مٹی ناپید ہو جاتی ہے۔

۳۵۹ اِس آیت میں مومن مخلص کے اعمال کی مثال بیان فرمائی کہ جس طرح بلند خطہ کی بہترین زمین کا باغ ہر حال میں خوب پھلتا ہے خواہ بارش کم ہو۔ ایسے ہی بااخلاص مومن کا صدقہ اور انفاق کم ہو یا زیادہ اللہ تعالیٰ اس کو خُوب بڑھاتا ہے۔ ربوہ اس خطّہ زمین کو کہتے ہیں جو نسبتہً دُوسری زمین سے بلند ہو اور اس کی مٹی زیادہ زرخیز ہو۔ الربوۃ: المکان المرتفع ارتفاعا یسیرا معہ فی الاغلب کثافۃ تراب (قرطبی)

اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ

کے لیے اور اس لیے تاکہ پختہ ہوجائیں ان کے دل ۳۶۰ ان کی مثال اُس باغ جیسی ہے جو ایک بلند زمین پر ہو برسا ہو اس پر

فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

زور کا مینہ تو لایا ہو وہ باغ دو گنا پھل اور اگر نہ برسے اس پر بارش تو شبنم ہی کافی ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ جو تم

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ

کر رہے ہو سب دیکھ رہا ہے کیا پسند کرتا ہے کوئی تم میں سے ۳۶۱ کہ ہو اُس کا ایک باغ

نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ

کھجوروں اور انگوروں کا بہتی ہوں اُس کے نیچے ندیاں (کھجور و انگور کے علاوہ) اس کے لیے اس میں

كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚ ۖ فَاَصَابَهَآ

ہر قسم کے اور پھل بھی ہوں اور آلیا ہو اُسے بڑھاپے نے اور اس کی اولاد بھی کمزور ہو (تو کیا وہ پسند کرتا ہے کہ) پہنچے اس کے باغ کو

۳۶۰ یہ الفاظ بڑے غور طلب ہیں۔ مال خرچ کرنے سے اللہ کے مخلص اور پاکباز بندوں کی ایک غرض تو یہ ہوتی ہے کہ اُن کا ربِّ کریم اُن پر راضی ہوجائے۔ اور اس کے علاوہ دُوسری غرض یہ بھی ہوتی ہے کہ دِلوں میں اللہ کی راہ میں مال و جان قربان کرنے کی اِستعداد پختہ اور ملکہ راسخ ہوجائے۔ مال بڑی پیاری چیز ہے۔ اس کا خرچ کرنا ابتداء میں بے شک گراں گزرتا ہے لیکن جب اِنسان خرچ کرنا شروع کر دیتا ہے تو دِل آہستہ آہستہ اس کا خوگر اور اس کی لذتوں سے آشنا ہوجاتا ہے اور راہِ خُدا میں سب کچھ لُٹانے کی اِستعداد پختہ ہوجاتی ہے۔ پھر مال تو مال رہا وُہ اپنی جانِ عزیز تک نثار کرنے کو سب سے بڑی سعادت یقین کرنے لگتا ہے۔

۳۶۱ اخلاصِ نیّت کی اہمیت کو ایک مثال ذِکر کر کے یُوں واضح کیا گیا ہے کہ کوئی باہوش آدمی اس میں غفلت نہیں برت سکتا۔ ایک آدمی ایک باغ لگاتا ہے۔ اُس کی شبانہ روز محنت اور کثیر روپیہ خرچ کرنے کے بعد اس میں گوناگوں پھلدار درخت اُگ آتے ہیں۔ میٹھے اور شفاف پانی کی ندّیاں ان درختوں کی قطاروں میں بہ رہی ہیں۔ بڑھاپے نے اسے آلیا ہے۔ اس کی قوّت رفتہ رفتہ جواب دے رہی ہے۔ اس کے بچّے ابھی چھوٹے ہیں۔ وُہ مطمئن ہے کہ اب وُہ اپنی زندگی بھر کی محنت کا ثمر کھائے گا۔ اس کے پھلدار باغ کی آمدنی سے اس کی پیری کے دِن آرام سے کٹیں گے اور اسے اپنے بال بچّے کی روزی کے لیے اب کوئی

اِعۡصَارٌ فِيۡهِ نَارٌ فَاحۡتَرَقَتۡ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الۡاٰيٰتِ

بگولہ جس میں آگ ہو پھر وُہ باغ جل بھُن جائے ایسے ہی کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے (اپنی) آیتیں

لَعَلَّكُمۡ تَتَفَكَّرُوۡنَ ۝۲۶۶ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ

تاکہ تم غور و فکر کرو اے ایمان والو! خرچ کیا کرو عمدہ چیزوں سے

مَا كَسَبۡتُمۡ وَمِمَّاۤ اَخۡرَجۡنَا لَـكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا

جو تم نے کمائی ہیں ۳۶۲ اور اس سے جو نکالا ہے ہم نے تمھارے لیے زمین سے اور نہ ارادہ کرو ۳۶۳

الۡخَبِيۡثَ مِنۡهُ تُنۡفِقُوۡنَ وَلَسۡتُمۡ بِاٰخِذِيۡهِ اِلَّاۤ اَنۡ تُغۡمِضُوۡا

ردّی چیز کا اپنی کمائی سے کہ (تم اسے) خرچ کرو حالانکہ (اگر تمھیں کوئی ردّی چیز دے تو) تم نہ لو اسے بجز اس کے کہ چشم پوشی کر لو

تردّد نہیں ہوگا تم خود سوچو ایسا بُوڑھا آدمی ایسی حالت میں کبھی یہ گوارا کر سکتا ہے کہ کوئی آتشیں بگولہ آئے اور اُس کی عمر بھر کی کمائی کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دے۔ بس بالکل یُونہی سمجھ لو اپنی زندگی بھر کے نیک اعمال کو۔ قیامت کے دن جب تم خود کچھ کما نہیں سکتے، اور دُوسرا تمھاری کوئی امداد کر نہیں سکتا اُس روز تمھیں اپنی زندگی بھر کے نیک اعمال کی کتنی شدید حاجت ہوگی۔ اگر ریاکاری کے بگولہ سے تم نے ان کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا تو قیامت کے دن تمھاری حسرت، ندامت اور دل سوزی کا کیا عالم ہوگا۔ اگر تم اس اندوہناک صُورتِ حال سے دوچار ہونا نہیں چاہتے تو اپنے اعمال کو ریا اور دِکھلاوے سے بچاؤ۔ سُبحان اللہ! کیا اثر آفریں اور دل نشیں ہے یہ مثال۔

۳۶۲ طیّبات سے وُہ چیزیں مُراد ہیں جو عُمدہ بھی ہوں، حلال بھی ہوں اور حلال طریقہ سے کمائی بھی گئی ہوں۔ کیونکہ اس طرح خرچ کرنے کے تین مقاصد ہیں۔ غریب کا فائدہ، اپنے نفس کی اِصلاح اور اللہ تعالیٰ کی رضا۔ اور یہ مقاصد تب ہی حاصل ہو سکتے ہیں جب کہ عُمدہ اور پاکیزہ چیز خرچ کی جائے۔ اگر ردّی چیز خرچ کی تو نہ غریب کو کچھ فائدہ پہنچا، نہ بُخل کی آلُودگی سے نفس کی صفائی ہُوئی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وُہ ذات جو اپنے بہتر سے بہتر انعامات کی تم پر بارش فرما رہی ہے۔ جب اُس کے نام پر دینے کا وقت آیا تو سب سے ناکارہ چیز تم نے اس کی راہ میں دے دی تو وُہ کیونکر تم سے راضی ہوگا۔

۳۶۳ کیونکہ جب ردّی چیز تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ردّی چیزوں کو کب پسند فرمائے گا۔

فِيهِ ۚ وَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٢٦٧﴾ الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ

اس میں اور (خوب) جان لو کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے ہر تعریف کے لائق ہے شیطان ۳۶۴ ڈراتا ہے تمھیں

الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَآءِ ۖ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ

تنگ دستی سے اور حکم کرتا ہے تم کو بے حیائی کا اور اللہ تعالیٰ وعدہ ۳۶۵ فرماتا ہے تم سے اپنی بخشش کا

وَفَضْلًا ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦٨﴾ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَآءُ ۚ

اور فضل (وکرم) کا اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے عطا فرماتا ہے دانائی ۳۶۶ جسے چاہتا ہے

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ

اور جسے عطا کی گئی دانائی تو یقیناً اسے دے دی گئی بہت بھلائی اور نہیں نصیحت قبول کرتے مگر

۳۶۴ شیطان طرح طرح کے وسوسے ڈال کر راہِ خدا میں خرچ کرنے سے روکتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر یہ خرچ کر دیا تو خود کیا کھاؤ گے۔ بچوں کا پیٹ کیسے بھرو گے۔ در در کی بھیک مانگنے کی ذلّت اُٹھانی پڑے گی۔ اور بخل کو کفایت شعاری، دُور اندیشی وغیرہ کے رنگین عنوانوں سے پیش کرتا ہے۔ یہ چیز غور طلب ہے کہ قرآن نے بخل کو فحشاء (سخت بے حیائی) کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور یہ ہے بھی حقیقت کہ اس سے بڑھ کر بے حیائی کی بات کیا ہو سکتی ہے کہ انسان خود عیش کر رہا ہو اور کسی غریب بھائی کی امداد کا اُسے کبھی خیال ہی نہ آتا ہو۔

۳۶۵ لیکن اللہ تعالیٰ تمھیں نیکی کے کاموں میں خرچ کرنے کی ترغیب دلاتا ہے کہ ایسا کرنے سے تمہارے گناہ معاف فرما دیئے جائیں گے اور غریبوں اور تنگ دستوں کی امداد کرنے سے تم پر رزق اور نعمت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔

۳۶۶ حکمت سے مُراد وہ علمِ صحیح ہے جو اتنا پختہ اور طاقت ور ہو کہ وہ انسانی ارادہ کو حکماً عملِ خیر کی طرف متوجہ کر دے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا وہ احسان ہے جسے قرآن نے خیرِ کثیر فرمایا ہے۔ اور دُنیا و مافیہا کو متاعِ قلیل کہا ہے۔ اب اگر کوئی صاحبِ علم اُمراء و اغنیاء سے اپنے آپ کو کمتر اور کہتر سمجھے تو یہ اس کی اپنی کم نگاہی ہے۔ ورنہ جو نعمت اور دولت اسے عطا فرمائی گئی ہے اُس کے سامنے دولتِ قارُون اور جاہِ فریدون کی وقعت ہی کیا ہے۔

أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾ وَمَا أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّن

عقل مند ۔ اور جو تم خرچ کرتے ہو یا منّت مانتے ہو ۳۶۷

نَّذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ﴿٢٧٠﴾ إِن

تو یقیناً اللہ تعالیٰ اُسے جانتا ہے اور نہیں ہے ظالموں کے لیے کوئی مددگار اگر

تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۖ وَإِن تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ

ظاہر کرو (اپنی) خیرات ۳۶۸ تو بہت اچھی بات ہے اور اگر پوشیدہ رکھو صدقوں کو اور دو اُنھیں فقیروں کو

فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

تو یہ بہت بہتر ہے تمھارے لیے اور (صدقہ کی برکت سے) مٹا دے گا تم سے تمھارے بعض گناہ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو

۳۶۷ یعنی جو کچھ تم خرچ کرو اور جہاں کہیں خرچ کرو اور جیسی نذر مانو اور جس کے لیے مانو اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔ اور تمھاری نیّت کے مطابق تمھیں ثواب و عذاب دیا جائے گا۔ نذر کی تعریف یہ ہے هو ما اوجبه المكلف علی نفسه من عبادات لو لم يوجبه لم يلزمه (قرطبی) نذر کسی ایسی عبادت کو اپنے اُوپر لازم کر لینے کو کہتے ہیں کہ اگر وُہ عبادت یہ خود اپنے اُوپر واجب نہ کرے تو وُہ عبادت اس پر لازم نہیں ہوتی۔ حضرت صدر الافاضل حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں نذر خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے۔ اور یہ جائز ہے کہ اللہ کے لیے نذر کرے اور کسی ولی کے آستانہ کے فقراء کو خرچ کرنے کا محل مقرر کرے مثلاً کسی نے یہ کہا کہ یارب میں نے نذر مانی کہ اگر تو میرا فلاں مقصد پورا کر دے یا فلاں بیمار کو شفا دے دے تو میں فلاں ولی کے آستانہ کے فقراء کو کھانا کھلاؤں یا وہاں کے خدام کو روپیہ پیسہ دُوں یا ان کی مسجد کے لیے تیل یا بوریا حاضر کروں تو یہ نذر جائز ہے (ردالمختار)

۳۶۸ مفسّرین کی یہی رائے ہے کہ فرضی صدقات ظاہر کر کے دینے افضل ہیں اور نفلی صدقات چھپا کر دینے افضل ہیں۔ قال الحسن اظهار الزكاة احسن واخفاء التطوع افضل۔ اور کیا حکمت آموز قول ہے جو حضرت عباس بن عبد المطلب سے منقول ہے۔ لا يتم المعروف الا بثلاث خصال تعجيله وتصغيره وستره فاذا عجلته هنأته واذا صغرته عظمته واذا استرته اتممته۔ ترجمہ: نیکی تین خصلتوں کے بغیر مکمّل نہیں ہوتی۔ نیکی کرنے میں جلدی کرے، اسے حقیر سمجھے اور اسے پوشیدہ رکھے۔ جب تم نے نیکی کرنے میں جلدی کی تو اُسے خوشگوار بنایا جب اسے حقیر سمجھا تو اس کی قدر کو بڑھایا اور جب اسے پوشیدہ رکھا تو اسے مکمّل کر دیا۔

خَبِيْرٌ ﴿٢٧١﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ط

خبردار ہے نہیں ہے آپ کے ذمہ ان کو سیدھی راہ پر چلانا ٣٦٩ ہاں اللہ سیدھی راہ پر چلاتا ہے جسے چاہتا ہے

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ط وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ

اور جو کچھ تم خرچ کرو (اپنے) مال سے تو (اس میں) تمھارا اپنا فائدہ ہے اور تم تو خرچ ہی نہیں کرتے ہو سوائے اللہ کی

وَجْهِ اللّٰهِ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٢٧٢﴾

رضا طلبی کے اور جتنا کچھ تم خرچ کروگے (اپنے) مال سے پورا ادا کر دیا جائے گا تمھیں اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا (خیرات)

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

ان فقیروں کے لیے ہے جو ٣٧٠ روکے گئے ہیں اللہ کی راہ میں نہیں فرصت ملتی انھیں (روزی کمانے کے لیے)

٣٦٩ انصار کے کئی رشتہ دار اسلام نہیں لاتے تھے اور انصار اُن کی امداد کرنا چاہتے لیکن اس خیال سے نہ کرتے کہ وُہ مسلمان نہیں۔ اور خود حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے بھی مسلمانوں کو حکم دیا کہ وُہ مسلمان فقراء کو ہی اپنے صدقات دیا کریں۔ اس آیت کریمہ سے حکم ملا کہ نہیں اُن کے کفر کی وجہ سے اُن کو بھوکا مرتے دیکھتے رہنا آپ کی رحمت کے خلاف ہے۔ چنانچہ اس کے بعد مسلمان غیر مسلموں کو بھی صدقات دینے لگے۔ لیکن خیال رہے کہ یہ نفلی صدقات وخیرات کا حکم ہے۔ فرض اور واجب صدقات مثلاً زکوٰۃ اور صدقۂ فطر صرف مسلمان فقراء کو ہی دیئے جا سکتے ہیں۔

٣٧٠ پہلی آیت میں بتایا کہ اگر غیر مسلم فقراء کو بھی اپنے خیرات وصدقات دو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس آیت میں بتایا کہ صدقات کے صحیح مستحق یہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی زندگیاں خدمتِ دین کے لیے وقف کر دی ہیں اور اُنھیں فرصت ہی نہیں ملتی کہ وُہ اپنی معاش کا بھی فکر کریں۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے عہدِ ہمایوں میں تین چار سو کے قریب ایسے مہاجر تھے جن کے پاس نہ مال تھا، نہ اہل اور نہ سر چھپانے کے لیے جھونپڑا۔ وُہ بارگاہِ رسالت میں حاضر رہتے اور جس کام کے لیے حکم ملتا اس کی تعمیل کرتے۔ جب کہیں سرایا بھیجنے کی ضرورت ہوتی یہ بے تامّل حاضر ہوتے اور جب فارغ ہوتے تو قرآن یاد کرتے اور سُنّتِ نبوی کو حفظ کرتے۔ ان کی رہائش کے لیے مسجد میں ہی حضور نے ایک چھپّر بنوا دیا تھا۔ فقر وتنگدستی کے باوجُود عزّتِ نفس اور خُودداری کا یہ عالم تھا کہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا تو یہ گویا جانتے ہی نہ تھے جیسے گزرتی خاموشی اور صبر سے گزار دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ مسلمانوں کی توجّہ ان کی طرف مبذول کرائی لیکن یہ حکم انھیں کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اب بھی جو حضرات اس خدمت میں مشغول رہتے ہیں اور کسبِ معاش کے لیے وقت نہیں نکال سکتے ان کے متعلق یہی حکم ہے۔

ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ

چلنے پھرنے کی زمین میں خیال کرتا ہے اُنھیں ناواقف (کہ یہ) مالدار (ہیں) بوجہ ان کے سوال نہ کرنے کے

تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ ۚ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا ۗ وَمَا تُنْفِقُوا

(اے حبیبؐ!) آپ پہچانتے ہیں انھیں ان کی صورت سے یہ نہیں مانگا کرتے لوگوں سے لپٹ کر ۳۷۱ اور جو کچھ تم خرچ کروگے

مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢٧٣﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ

(اپنے) مال سے پس یقیناً اللہ تعالیٰ اسے خوب جاننے والا ہے جو لوگ خرچ کیا کرتے ہیں اپنے مال

بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ

رات میں اور دن میں چھپ کر اور علانیہ تو ان کے لیے ان کا اجر ہے اپنے رب کے پاس

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٤﴾ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا

اور نہ انھیں کچھ خوف ہے اور نہ وُہ غمگین ہوں گے جو لوگ کھایا کرتے ہیں سُود ۳۷۲

ع ۳۷ / ۵ — وقف منزل

۳۷۱ اِسلام نے بھیک مانگنے کی سخت مذمّت کی ہے۔ حضرت ابُوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالمؐ نے فرمایا۔ لان یغدو احدکم فیحتطب علی ظھرہ فیتصدق منه ویستغنی به عن الناس خیرله من ان یسال رجلا اعطاہ اومنعه۔ کہ اگر کوئی شخص ہر صُبح لکڑیاں چن کر پیٹھ پر اُٹھالائے اور اس کی قیمت سے جو ملے اس سے صدقہ بھی کرے اور خود بھی کھائے یہ اس سے بہت بہتر ہے کہ لوگوں سے مانگتا پھرے کسی کا دِل چاہے تو کچھ دے دے اور چاہے تو انکار کر دے۔ حضوُر علیہ السّلام کا ایک اور ارشاد ہے من سال الناس اموالھم تکثرا فانما یسال جمرا فلیستقل منه او لیستکثر۔ ترجمہ۔ جو آدمی لوگوں سے مال جمع کرنے کیلیے بھیک مانگتا ہے وُہ انگارے جمع کر رہا ہے۔ تھوڑے انگارے جمع کرے یا زیادہ یہ اس کی اپنی مرضی۔

۳۷۲ پہلے سخی اور کریم الطبع لوگوں کا ذِکر فرمایا جو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے لوگوں کی اِمداد کرتے ہیں اور کسی معاوضہ بلکہ شکریہ کی بھی توقع نہیں رکھتے۔ اب اُن لوگوں کا ذِکر ہے جو دولتمند ہونے کے باوجُود اتنے تنگ دِل بلکہ سنگ دِل ہیں کہ اپنے مجبُور اور معذُور بھائی کی ویسے اِمداد تو کجُا، قرض بھی دیتے ہیں تو سُود کا مطالبہ پہلے کرتے ہیں۔ اِن آیات میں ربا (سُود) کو حرام کر دیا گیا۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس وقت کے اہلِ عرب کِس چیز کو ربا کہا کرتے تھے اور اس کی کیا کیا شکلیں رائج تھیں۔

لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ

وُہ نہیں کھڑے ہوں گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وُہ جسے پاگل بنا دیا ہو شیطان نے

الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ

چھو کر ۳۷۳ یہ حالت اِس لیے ہوگی کہ وُہ کہا کرتے تھے کہ سوداگری بھی سُود کی مانند ہے حالانکہ حلال فرمایا

لُغتِ عرب میں ربا کا معنی زیادتی ہے۔ اِصطلاح میں اس مقررہ زیادتی کو ربا کہا جاتا تھا جوکسی رقم کی ادائیگی میں دیر کرنے پر ادا کی جاتی تھی۔ اِس کی مروّجہ شکلیں یہ تھیں کہ کسی نے کوئی چیز خریدی قیمت اگر وُہ نقد ادا نہ کرسکتا تو ایک میعاد مقرر کی جاتی اگر وُہ اِس میعاد پر بھی قیمت ادا نہ کرسکتا تو میعاد بھی لمبی کردی جاتی اور قیمت میں بھی اضافہ کردیا جاتا۔ مثلاً دس روپیہ کی کوئی چیز لی۔ اور ایک ماہ کے بعد قیمت ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ مہینہ گزرنے کے بعد اگر اسے دس روپے میسّر نہ آتے تو وُہ ایک ماہ کی مزید مہلت طلب کرتا اور دس کی بجائے بارہ روپیہ ادا کرنے کا اقرار کرتا۔ ایک شکل یہ بھی تھی کہ کسی سے سو روپیہ مثلاً قرض لیا اور طے یہ پایا کہ مقروض ہر سال سو کے ساتھ دس روپیہ زائد ادا کرے گا۔ اِن دونوں شکلوں کو اس وقت ربا کہا جاتا یہاں ایک چیز اور تحقیق طلب ہے، کیا اس وقت کے لوگ صرف نجی ضروریات کے لیے ہی سُودی قرض لیا کرتے تھے یا کاروبار کرنے کے لیے بھی سُودی قرض کا اُس وقت عام رواج تھا۔ بعض لوگ جنھیں عرب کے حالات اور رسم ورواج کے تفصیلی مطالعہ کی فرصت نہیں ملی، کہتے ہیں کہ اس وقت صرف ذاتی ضرُوریات کے لیے ہی قرض لیا جاتا تھا اور کاروبار کے لیے قرض لینے کا اس قدیم غیر متمدّن معاشرہ میں کوئی تصوّر نہ تھا۔ لیکن اگر وُہ دُنیا کا نقشہ ملاحظہ فرمائیں تو اُنھیں معلوم ہوجائے گا کہ اس وقت جب کہ نہر سویز نہیں کھُدی تھی جب کہ بڑے بڑے بحری جہاز معرضِ وجُود میں نہیں آئے تھے۔ مشرق و مغرب کی تجارت خشکی کے راستہ سے ہوتی تھی۔ اس وقت تجارتی کاروانوں کی راہ گزر جزیرہ عرب تھا۔ عرب کے لوگ عموماً اور اہل مکّہ خصُوصاً تجارت میں خوب حصّہ لیتے تھے۔ اور اس امر کا تذکرہ تو خود قرآن حکیم میں ہے کہ اہل مکّہ کے تجارتی قافلے سردیوں میں یمن و فارس کی طرف اور گرمیوں میں شام و رُوم کی طرف باقاعدگی سے جاتے تھے اور یہی اُن کا ذریعہ معاش تھا اور تاریخ اس پر اٹل شاہد ہے کہ جو قافلہ شام سے ابُوسفیان کی قیادت میں مکّہ واپس جارہا تھا جس کا مسلمانوں نے مدینہ طیّبہ سے نکل کر محاصرہ کرنے کا ارادہ کیا تھا اس میں تمام اہلِ مکّہ کا سرمایہ تھا۔ مکّہ میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس نے اس میں اپنا حصّہ نہ ڈالا ہو۔ اور حصّہ کی دونوں مختلف شکلیں رائج تھیں۔ یا تو سرمایہ دینے والا نفع میں شریک ہوتا تھا یا وُہ اپنا مقررہ حصّہ ٹھیرا لیا کرتا خواہ قرض لینے والے کو نفع ہو یا نقصان۔ اِن تاریخی حقائق کی موجُودگی میں یہ فرض کرلینا کب روا ہے کہ اس وقت کے اہلِ عرب کاروبار کے لیے سُودی قرض نہیں لیا کرتے تھے۔ قرآن نے ہر ربا کو حرام کیا کہیں آپ کاروباری سود لینے کی اجازت نہیں دکھا سکتے۔

۳۷۳ اِن کلمات میں سُود خوار کی کیفیت بیان کی جارہی ہے۔ فرمایا جیسے آسیب زدہ اور پاگل آدمی عجیب و غریب حرکتیں کرتا ہے جنھیں دیکھ کر انسان ہنسی ضبط نہیں کرسکتا اسی طرح یہ سُود خور بایں حشمت و جاہ، دولت کی محبّت میں یُوں مارے مارے پھرتے ہیں

اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ

اللہ تعالیٰ نے تجارت کو اور حرام کیا سُود کو ۴۷۳ پس جس کے پاس آئی نصیحت اپنے رب کی طرف سے

اور اُن سے ایسی نامعقول باتیں اور ناشائستہ حرکتیں سرزد ہوتی ہیں کہ دیکھنے والے کو گمان ہوتا ہے کہ شاید ان پر کسی چیز نے تسلّط جما رکھا ہے۔ ان کی دُنیاوی زندگی بھی یُونہی گزرے گی اور قیامت کے روز بھی ان کا یُونہی حشر ہو گا۔

۴۷۳ سُود کے جواز کے لیے جو دلیل آج پیش کی جاتی ہے بعینہٖ یہی استدلال چودہ صدیاں پیشتر غیر متمدّن عرب کے سُود خوار پیش کیا کرتے تھے یعنی جب دُوسری اجناس کے لین دین میں نفع حاصل کرنا درست ہے تو روپیہ جو ایک جنس ہی ہے اس کے لین دین میں اگر نفع لیا جائے تو اسے حرام کیوں قرار دیا جائے۔ اس کا جواب قرآن حکیم نے یہ دیا کہ دونوں میں بڑا فرق ہے بیع کو اللہ تعالیٰ نے اس کے فوائد کی وجہ سے حلال کر دیا ہے اور سُود کو اس کے نقصانات کی وجہ سے حرام کیا ہے۔ اس لیے ان دو چیزوں کو یکساں کیسے تصوّر کیا جا سکتا ہے۔ سُود کی حُرمت کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن جو فاضلانہ بحث حُجّۃ الاسلام الامام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اس کا جواب نہیں۔ بحث کی اہمیّت کا تقاضا تو یہ ہے کہ غزالی کے کلام کا پُورا ترجمہ نقل کیا جائے لیکن مقام کی تنگ دامانی اس کی متحمّل نہیں۔ اس لیے نہایت اختصار سے اس بحث کا ماحصل ہدیۂ قارئین ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں:۔

فرض کرو تمہارے پاس زعفران ہے اور ایک دُوسرے شخص کے پاس اُونٹ ہے۔ تم اُونٹ لینا چاہتے ہو لیکن اُونٹ والے کو زعفران کی ضرورت نہیں۔ اب تم اُونٹ کیونکر حاصل کر سکتے ہو۔ یا تمہارے پاس کپڑے ہیں اور دُوسرے شخص کے پاس کھانا ہے۔ تمہیں بھوک لگی ہے تمہیں کھانا چاہیئے لیکن کھانے والے کو کپڑوں کی ضرورت نہیں۔ اب تم کھانا کیونکر خریدو گے اس لیے قدرت نے ایک ایسی جنس (سونا چاندی) کی تخلیق فرما دی جس کے ذریعہ ہر شخص اپنی ضرورت کی چیز خرید سکے۔ اگر آپ ذرا سا تامّل فرمائیں تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ سونے چاندی کی تخلیق اس حکیم و دانا رب نے اسی مقصد کے لیے فرمائی ہے۔ اور ان کا اور کوئی فائدہ نہیں۔ ایک تو یہ کمیاب ہیں دُوسرا ان میں وُہ صلابت اور سختی نہیں جو لوہے اور تانبہ وغیرہ میں ہے تاکہ اُن کی جگہ استعمال ہو سکیں۔ اب اگر روپیہ پر سُود لینے کی اجازت دی جائے تو روپیہ پھر صرف تبادلۂ اشیاء کا ذریعہ نہیں رہے گا بلکہ اس کی اپنی ذات کاسب اور نفع خیز بن جائے گی اور لوگ دُوسرے سامانِ تجارت کی طرح اس کی ذخیرہ اندوزی شروع کر دیں گے جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ بازار میں سے یہ غائب ہوتا چلا جائے گا۔ اور جب روپیہ بازار سے غائب ہونا شروع ہو گیا تو صنعتی ترقی رُک جائے گی تجارتی سرگرمی ختم ہو جائے گی اور دُوسری اشیاء کی قیمتوں میں وُہ اُتار چڑھاؤ شروع ہو گا جس سے سارا اقتصادی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ شریعتِ اسلامیہ نے ان مفاسد کے سدِّباب کے لیے سُود کو حرام کر دیا۔ (اختصار کلامِ غزالیؒ)

افلاطون نے بھی اپنی کتاب "السیاسۃ" میں یہی لکھا ہے کہ روپیہ کُڑک مُرغی ہے جو انڈے نہیں دیتی۔

سُود کی حُرمت کی حقیقی وجہ سمجھ لینے کے بعد اب ہمیں یہ بھی سمجھنا ہے کہ تجارت اور سُود میں کیا فرق ہے جس کی طرف

فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ

تو وُہ (سود سے) رُک گیا تو جائز ہے اس کے لیے جو گزر چکا اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو شخص پھر سود کھانے لگے تو وُہ لوگ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ یُرْبِی

دوزخی ہیں وُہ اس میں ہمیشہ رہیں گے مٹاتا ہے ۳۷۵ اللہ تعالیٰ سود کو اور بڑھاتا ہے

الصَّدَقٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِیْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

خیرات کو ۳۷۶ اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا ہر ناشکرے گنہگار کو بے شک جو لوگ ایمان لائے

وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ

اور کرتے رہے اچھے عمل اور صحیح صحیح ادا کرتے رہے نماز کو اور دیتے رہے زکوٰۃ کو ان کے لیے

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس نہ کوئی خوف ہے انھیں اور نہ وُہ غمگین ہوں گے

قرآن نے اشارہ فرمایا ہے۔ یہ بالکل واضح فرق ہے کہ تجارت میں انسان روپیہ لگاتا ہے۔ پھر محنت کرتا ہے۔ اپنی ساری ذہنی قابلیتیں صرف کرتا ہے اور وقت خرچ کرتا ہے۔ اس کے باوجود نفع یقینی نہیں۔ اسے نفع بھی ہو سکتا ہے اور نقصان بھی لیکن سُود خور جو صرف اپنا فالتو روپیہ دیتا ہے۔ نہ وقت، نہ محنت نہ کاوش، وُہ یقینی نفع کا خواستگار کیوں ہو۔ اسلام نے سرمایہ دار کے لیے دو ہی راستے تجویز کیے ہیں یا تو اپنے بھائی کو اپنا زائد از ضرورت روپیہ بطور قرضِ حسنہ دے ورنہ کاروبار میں شریک ہو جائے اور نفع و نقصان میں حصّہ دار بنے۔ اس کے لیے تیسرا کوئی راستہ نہیں۔

۳۷۵ المحق محوالشیی والذھاب بہ کمحاق القمر۔ کسی چیز کے مِٹ جانے اور غائب ہونے کو محق کہتے ہیں۔ چاند کی آخری دو تاریخوں کو محاق کہا جاتا ہے کیونکہ چاند اِن راتوں میں بالکل رُوپوش ہو جاتا ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قاعدہ مقرر فرما رکھا ہے کہ سُود خور کو برکت نہیں ہوگی اور مال سے اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ نہ اُس کی سوسائٹی میں کچھ عزت ہوگی نہ اس کو قلبی سکون نصیب ہوگا۔ یہ اس کی حالت دُنیا میں ہوگی اور آخرت میں وُہ ثواب و رضائے خُداوندی سے محرُوم ہوگا۔

۳۷۶ سُود خور کے برعکس صدقہ و خیرات کرنے والا دُنیا میں بھی باعزّت زندگی بسر کرے گا اور آخرت میں بھی اجرِ عظیم کا مستحق ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ

اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود سے اگر

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ

تم (سچے دل سے) ایمان دار ہو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اعلان جنگ سن لو[۳۷۷] اللہ اور اس کے

وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ

رسول کی طرف سے اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہیں (مل جائیں گے) اصل مال نہ تم ظلم کیا کرو

وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ

اور نہ تم پر ظلم کیا جائے اور اگر مقروض تنگ دست ہو[۳۷۸] تو مہلت دو اُسے خوشحال ہونے تک

وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا

اور بخش دینا اسے (قرض) بہت بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم جانتے ہو اور ڈرتے رہو اس دن سے

تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۤ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ

لوٹائے جاؤ گے جس میں اللہ کی طرف پھر پورا پورا دے دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا ہے اور

۳۷۷؎ سود کے اخلاقی، معاشرتی اور اقتصادی ناقابل تلافی نقصانات کے باعث اس کی حرمت کو اتنے شدید پیرائے میں بیان کیا گیا جس کی مثال نہیں۔ ارشاد ہے جو ان احکام کے بعد بھی سود لینے کی جرأت کرے گا اس کے خلاف اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اعلانِ جنگ ہے۔

۳۷۸؎ مکارمِ اخلاق کا ایک اور درس ہے۔ جو قوم ایسے ضابطۂ اخلاق کی پابند ہو اس کے غریب و امیر افراد میں حسد و عناد کی آگ نہیں بھڑک سکتی۔ اور یہ خونی انقلاب رونما نہیں ہو سکتے جن سے آج ساری دنیا لرزہ براندام ہے۔ کاش مسلمان اپنے فرض کو پہچانیں اور ان اخلاقی اصولوں کو اپنانے کی کوشش کریں۔

هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٨١﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ

ان پر زیادتی نہ کی جائے گی اَے ایمان والو! جب تم ایک دُوسرے کو قرض دو ۳۷۹

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠

مدّت مقررہ تک تو لکھ لیا کرو اسے اور چاہیئے کہ لکھے تمہارے درمیان لکھنے والا ۳۸۰ عدل و انصاف سے

وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ

اور نہ انکار کرے لکھنے والا ۳۸۱ لکھنے سے جیسے سکھایا ہے اس کو اللہ نے بس وُہ بھی لکھ دے اور لکھوائے

الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ۭ

وُہ شخص جس کے ذمہ حق (قرضہ) ہے اور ڈرے اللہ سے جو اس کا پروردگار ہے اور نہ کمی کرے اس سے ذرّہ بھر

۳۷۹ قرآن کریم کی یہ سب سے لمبی آیت ہے اور اس میں معاملات کے بہت سے احکام شرح و بسط سے بیان فرما دیئے گئے ہیں۔ پہلا حکم تو یہ ہے کہ جب اُدھار کا لین دین کرو تو ضرور لکھ لیا کرو کیونکہ بسا اوقات انسان پہلے لکھنے سے شرماتا ہے لیکن بعد میں طرح طرح کی غلط فہمیاں اور رنجشیں پیدا ہو جاتی ہیں اور نوبت لڑائی جھگڑے اور مقدمات تک پہنچتی ہے اور آپس کے تعلقات ہمیشہ کے لیے کشیدہ ہو جاتے ہیں لیکن اگر معاملہ کی ساری تفصیلات یعنی مقدار، قسم اور ادائیگی کا مقررہ وقت لکھ لیا جائے تو پھر ان مفاسد سے نجات مل جاتی ہے۔ فقہی اصطلاح میں اگرچہ اسے واجب نہ کہا جائے لیکن اس کی اہمیت اور افادیت سے کسی کو انکار نہیں۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ جو شخص تحریر نہیں کرتا اور اس کا حق ضائع ہو جائے تو اُسے کوئی اجر نہ ملے گا اور اگر اس نے اپنا حق غصب کرنے والے کے لیے بد دُعا کی تو وُہ بھی قبول نہ ہو گی کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے اس واضح ارشاد کی تعمیل نہیں کی۔ (احکام القرآن)

۳۸۰ یعنی جو شخص تحریر کا فرض انجام دے اسے ایسی تحریر لکھنی چاہیئے جو ہر طرح کے ابہام اور مغالطہ سے مبرّا ہو۔ ذُو معنی الفاظ کے استعمال سے اجتناب کرے اور ان تمام شرائط کا پُورا لحاظ رکھے جو شریعت نے اس عقد کی صحت کے لیے مقرر کی ہیں۔ اس لیے فقہا نے فرمایا ہے کہ وثیقہ نویس ایسا شخص ہونا چاہیئے جسے ان شرائط و قواعد کا پُورا پُورا علم ہو تاکہ فریقین کے مقصد کی صحیح ترجمانی کر سکے۔

۳۸۱ اگر ایک شخص کے سوا کوئی دُوسرا آدمی وثیقہ نویسی کا اہل نہ ہو تو اس شخص پر ضروری ہے کہ وُہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔ اور فقہا کرام نے تصریح کی ہے کہ وثیقہ نویس کو اُجرت لینے کی شرعاً اجازت ہے۔

فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ

پھر اگر وہ شخص جس پر قرض ہے بے وقوف ہو یا کمزور ہو یا اس کی طاقت نہ رکھتا ہو

اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا

کہ خود لکھا سکے تو لکھائے اس کا ولی (سرپرست) انصاف سے اور بنا لیا کرو ۳۸۲؎

شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ

دو گواہ اپنے مردوں سے اور اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد

وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا

اور دو عورتیں اُن لوگوں میں سے جن کو پسند کرتے ہو تم (اپنے لیے) گواہ تاکہ اگر بھول جائے ایک عورت

فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ

تو یاد کرا دے (وہ) ایک دوسری کو اور نہ انکار کریں گواہ جب وہ بلائے جائیں

وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ

اور نہ اُکتایا کرو اسے لکھنے سے خواہ (رقم قرضہ) تھوڑی ہو یا زیادہ اس کی میعاد تک یہ تحریر عدل قائم

اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ

کرنے کے لیے بہت مفید ہے اللہ کے نزدیک اور بہت محفوظ رکھنے والی ہے گواہی کو اور آسان طریقہ ہے تمھیں شک سے بچانے کا مگر

اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ

یہ کہ سودا دست بدستی ہو جس کا تم لین دین آپس میں کرو (اس صورت میں) نہیں تم پر

۳۸۲؎ تحریر کے ساتھ گواہ مقرر کرنے کا بھی حکم دیا تاکہ معاملہ میں کسی وقت بھی گڑبڑ پیدا نہ ہو۔ شہادت کے تفصیلی احکام کتب فقہ میں ملاحظہ ہوں۔

جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ۗ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَآرَّ

کچھ حرج اگر نہ بھی لکھو اسے اور گواہ ضرور بنا لیا کرو جب خرید و فروخت کرو اور ضرر نہ پہنچایا جائے

كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ۬ۥ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا

لکھنے والے کو اور نہ گواہ کو ۳۸۳ اور اگر تم ایسا کرو گے تو یہ نافرمانی ہوگی تمھاری اور ڈرا کرو

اللّٰهَ ۗ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ

اللہ سے اور سکھاتا ہے تمھیں اللہ تعالیٰ (آداب معاشرت) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اور اگر تم

عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۗ فَاِنْ اَمِنَ

سفر میں ہو اور نہ پاؤ کوئی لکھنے والا تو کوئی چیز گروی رکھ لیا کرو اور اس کا ۳۸۴ قبضہ دے دیا کرو پھر اگر اعتبار

بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ

کرلے کوئی تم میں سے دوسرے پر بس چاہیئے کہ ادا کردے وہ جس پر اعتبار کیا گیا ہے اپنی امانت کو اور ضروری ہے کہ ڈرتا رہے

رَبَّهٗ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۗ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۗ

اللہ سے جو اس کا رب ہے، اور مت چھپاؤ گواہی کو اور جو شخص چھپاتا ہے اسے تو یقیناً گنہگار ہے اس کا ضمیر

۳۸۳ لا یضار کی را اگر مفتوح ہو (یعنی مضارع مجہول) تو اس کا مطلب ہوگا کہ فریقین سے کوئی کاتب کو غلط لکھنے اور گواہ کو جھوٹی گواہی دینے پر مجبور نہ کرے اور اُن کا وقت بے کار ضائع نہ کرے۔ اور اگر لا یضارِ ہو تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ کاتب غلط لکھ کر اور گواہ جھوٹی گواہی دے کر کسی کو ضرر نہ پہنچائے اور حق تلفی نہ کرے۔

۳۸۴ اور اگر تم حالتِ سفر میں ہو۔ وہاں کوئی وثیقہ نویس بھی نہیں اور گواہ بھی موجود نہیں اور تم اُدھار پر کوئی لین دین کرنا چاہتے ہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ خریدنے والا قیمت کی جگہ اپنی کوئی چیز بیچنے والے کے پاس گروی رکھ دے۔ جب قیمت ادا کرے تو اپنی گروی شدہ چیز واپس لے لے۔ یہاں حالتِ سفر میں گروی رکھنے کا ذکر ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سفر کے بغیر رہن رکھنا جائز نہیں بلکہ اغلباً یہ صورت کہ نہ وثیقہ نویس ہے اور نہ گواہ سفر میں ہی پیش آتی ہے اس لیے سفر کا ذکر کیا، ورنہ حضر میں بھی رہن رکھنا درست ہے۔ لیکن گروی رکھی ہوئی چیز سے کوئی فائدہ اُٹھانا شرعاً ممنوع ہے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب جاننے والا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین

الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ

میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو ۳۸۵ جو کچھ ۳۸۶ تمھارے دِلوں میں ہے یا تم اسے چھپائے ہو حساب لے گا تم سے اس کا

اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى

اللہ تعالیٰ پھر بخش دے گا جسے چاہے گا اور عذاب دے گا جسے چاہے گا اور اللہ تعالےٰ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ

ہر چیز پر قادر ہے ۔ ایمان لایا یہ رسول (کریم) اس (کتاب) پر جو اتاری گئی اس کی طرف اس کے رب کی طرف سے

۳۸۵ جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام بے چین و بے قرار ہو گئے ۔ مغموم و افسردہ ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے ۔ اور گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر عرض پرداز ہوئے کہ اے اللہ کے پیارے رسول ! آج تک جو احکام (نماز ، روزہ ، حج ، جہاد) نازل ہوئے اُن پر ہم عمل کر سکتے تھے لیکن اِس آیت پر عمل کرنے کی ہم میں طاقت نہیں ۔ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فوراً گِرتے ہوؤں کو سہارا دیا اور پھسلتے ہوؤں کو تھام لیا ۔ فرمایا تم یہود و نصاریٰ کی طرح یہ مت کہو سمعنا وعصینا ہم نے حکم سُن تو لیا لیکن مانا نہیں بلکہ شیوۂ تسلیم و رضا اِختیار کرتے ہوئے بارگاہِ ربُّ العزّت میں بے چُون و چرا عرض کرو ۔ سمعنا واطعنا غفرانك ربنا واليك المصير ۔ صحابہ کرام نے اپنے آقا و مولا ہادی و مُرشد کا اِرشادِ گرامی سُن کر فوراً سرِ تسلیم خم کر دیا اور زبان پر جاری ہو گیا سمعنا واطعنا الخ جب غُلامانِ مصطفےٰ علیہ افضل التحیۃ واجمل الثناء نے یہ عرض کی تو اس سبُوح و قدوس نے آمن الرسول الخ فرما کر ان کے اِیمان کی تصدیق فرما دی ۔ سبحان اللّٰه العظيم والصلوٰة والسلام على رسوله الكريم ۔

۳۸۶ حضرت صدر الافاضل قدس سرہ نے یہاں خوب تحریر فرمایا ہے ۔ لکھتے ہیں :۔ اِنسان کے دِل میں دو طرح کے خیال آتے ہیں ۔ ایک بطورِ وسوسہ کے اُن سے دِل کا خالی کرنا اِنسان کی مقدرت میں نہیں لیکن وُہ ان کو بُرا جانتا ہے اور عمل میں لانے کا اِرادہ نہیں کرتا ۔ ان کو حدیثِ نفس اور وسوسہ کہتے ہیں اس پر مؤاخذہ نہیں ۔ بُخاری ومُسلم کی حدیث ہے ۔ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میری اُمّت کے دِلوں میں جو وسوسے گزرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن سے تجاوز فرماتا ہے ۔ جب تک کہ وُہ اُنھیں عمل میں نہ لائیں یا ان کے ساتھ کلام نہ کریں ۔ یہ وسوسے اِس آیت میں داخل نہیں ۔ دُوسرے وُہ خیالات جن کو اِنسان اپنے دِل میں جگہ دیتا ہے اور ان کو عمل میں لانے کا قصد و اِرادہ کرتا ہے ان پر مؤاخذہ ہو گا اور اُنھیں کا بیان اِس آیت میں ہے ۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ قف

اور (ایمان لائے) مومن یہ سب دل ۳۸۷ سے مانتے ہیں اللہ کو اور اُس کے فرشتوں کو اور اُس کی کتابوں کو اور اُس کے رسولوں کو

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ قف وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا

(نیز کہتے ہیں) ہم فرق نہیں کرتے کسی میں اُس کے رسولوں سے اور اُنھوں نے کہا ہم نے سُنا اور ہم نے طاعت کی

غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا

ہم طالب ہیں تیری بخشش کے اے ہمارے ربّ ! اور تیری طرف ہی ہمیں لوٹنا ہے ذمہ داری نہیں ڈالتا اللہ تعالیٰ کسی شخص پر مگر

وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا

جتنی طاقت ہو اس کی۔ اس کو اجر ملے گا جو (نیک عمل) اس نے کیا اور اس پر وبال ہوگا جو (بُرا عمل) اس نے کمایا اے ہمارے ربّ پکڑ ہم کو ۳۸۸

اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا

اگر ہم بھولیں یا خطا کر بیٹھیں اے ہمارے رب ! نہ ڈال ہم پر بھاری بوجھ جیسے

حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ

تو نے ڈالا تھا اُن پر جو ہم سے پہلے گزرے ہیں اے ہمارے پروردگار ! نہ ڈال ہم پر وُہ بوجھ جس کے اٹھانے کی ہمیں قوت

۳۸۷ے اس آیت میں ایمان کا اجمالی تذکرہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک ماننا، فرشتوں کو نوری اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار مخلوق تسلیم کرنا، تمام آسمانی کتابوں کو صحیح ماننا، تمام رسولوں کی رسالت پر بلا استثناء ایمان لانا اور یوم قیامت پر یقین رکھنا یہ ہے ایمان۔

۳۸۸ے یہ پیارے پیارے دلنشیں اور اثر آفرین کلمات دُعائیہ جُملے ہیں۔ کریم و بندہ پرور اور ذرّہ نواز مولا تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کو خود سکھاتا ہے کہ مجھ سے یہ مانگا کرو اور یُوں مانگا کرو۔ میرے درِ رحمت پر دستک دینے کا یہ طریقہ ہے اور جب کریم اور بہت کریم، سخی اور نہایت سخی گدائے بے نوا کو کہے کہ آ مجھ سے مانگ تو جب وُہ گدائے بے نوا اخلاص و نیاز اور سوز و گداز سے عرض کرے گا تو ضرور وُہ عرض قبول ہوگی۔ اس دُعا میں جسمانی و رُوحانی، انفرادی اور اجتماعی، دینی و دُنیاوی ہر قسم کی سعادتوں، نعمتوں اور سرفرازیوں کے لیے التجا ہے اسی لیے تو حضور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۟ وَاغْفِرْ لَنَا ۟ وَارْحَمْنَا ۟ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا

نہیں اور درگزر فرما ہم سے اور بخش دے ہم کو اور رحم فرما ہم پر تو ہی ہمارا دوست (اور مددگار) ہے تو مدد فرما

عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

ہماری، قومِ کفّار پر

وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلّم نے فرمایا:-

اوتیت هذه الآیات من آخر سورة البقرة من کنز تحت العرش لم یؤتهن نبی قبلی۔

سُورۃ بقرہ کی یہ آخری آیتیں مجھے عرشِ عظیم کے نیچے جو (رحمتوں اور برکتوں کا ربّانی) خزانہ ہے اس سے عطا فرمائی گئی ہیں۔ اور یہ وُہ اِنعامِ عظیم ہے جو اَور کسی نبی کو نہیں دیا گیا۔

تعارف سُورۃ آلِ عمران

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام ۔ اِس سُورۃ پاک کا نام آلِ عمران ہے ۔ یہ باتفاقِ عُلماء مدینہ طیّبہ میں نازل ہُوئی ۔ اِس کے بِیس ۲۰ رکُوع ہیں دوسو آیتیں ۔ ۳۵۴۲ ۔ الفاظ اور ۱۴۵۳۳۶ حرُوف ہیں ۔

مضامین ۱ ۔ اِس سُورۃ میں بڑے واضح انداز سے اِس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ اِنسان کی ہدایت کے لیے اس کے خالق نے جو ضابطہ عطا فرمایا وُہ ایک ہی ہے اور اُس کا نام ہے دینِ اسلام ۔ اِس دین کے اساسی عقائد اور بُنیادی اصول زمان و مکان کے اختلاف و تعدّد کے باوجُود ازلی و ابدی ہیں ۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دین اِنسانی عقل وخرد کی اختراع کردہ چیز نہیں بلکہ اللہ کا دِین ہے جو حق ہے اور حق ایک ہی ہُوا کرتا ہے ہر زمانہ میں ہر حال میں ۔ اِسلام کے نام سے بدکنے والے اہلِ کتاب کو صاف صاف بتا دیا کہ جن انبیاء کرام کے نام پر تم اپنے الگ الگ مذہبوں کی بُنیادیں استوار کر رہے ہو ۔ اُن سب کا دین تو اِسلام تھا ۔ تمھارے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السّلام بھی دینِ اسلام کے علمبردار تھے ۔

اِس طرح قرآن حکیم نے دین و مذہب کے نام پر اِنسانیّت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والے محرّکات پر ضربِ کاری لگائی اور وحدتِ اِنسانیّت کے لیے ایک ایسی محکم اساس مہیّا کر دی کہ جب بھی اِنسان اپنی ذاتی ، وطنی اور قومی خود غرضیوں سے رہائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو وُہ اتحاد و محبّت کے رِشتہ میں منسلک ہو جائے گا ۔

کیونکہ تمام انبیاء ایک ہی دین کے داعی اور مبلّغ تھے ۔ اِس لیے ہر نبی نے اپنے سے پہلے گزرے ہُوئے انبیاء و رُسل کی تصدیق کی اور اپنی اپنی اُمّتوں کو بعد میں آنے والے انبیاء پر ایمان لانے کی ہدایت کی ۔ اسی سُنّت پر حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے عمل فرمایا اور تمام انبیاء و رُسلِ سابقین کی تصدیق کی لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے بعد کیونکہ کوئی اور نبی مبعُوث ہونے والا نہیں تھا ۔ اِس لیے کسی نئے نبی پر ایمان لانے کا حُکم نہیں دیا ۔ ختمِ نبوّت کی یہ بھی بڑی واضح دلیل ہے ۔

وُہ ختم الرُّسل مولائے کُل جس کی ذات قُدسی صفات کو مشیّتِ الٰہی نے انسانیّت کے بکھرے ہُوئے اور منتشر اوراق کی شیرازہ بندی کے لیے تجویز فرمایا تھا اس کے متعلق تمام انبیاء کو حکم دیا کہ اس پر ایمان لائیں اور اس کی نصرت و تائید کا پُختہ وعدہ کریں تاکہ ان کی اُمّتوں

کو مجالِ انکار نہ رہے۔
اِس سورت میں اِن تمام امُور کا ذکر کر کے یہ بتا دیا کہ انسانوں کی ان برسرِ پیکار جماعتوں کا اتحاد و اتفاق اگر ہو سکتا ہے تو صرف اسلام کے جھنڈے کے نیچے اور حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی قیادت میں ہی ہو سکتا ہے۔
۲۔ سورۂ بقرہ میں یہود کی اصلاح کی بھرپور کوشش کی گئی تھی۔ کیونکہ یہود مدینہ کے باشندے تھے۔ اور ہر صبح و شام مسلمانوں کو ان سے سابقہ پڑتا تھا۔ اس سورہ میں عیسائیوں کے عقاید کی درستی کی طرف خاص توجہ فرمائی گئی ہے اور اُن کے عقیدۂ تثلیث کا ایسا سخت محاسبہ کیا گیا ہے جس کا جواب مسیح کے پرستاروں کے پاس تب تھا نہ اب ہے۔ اس سورۃ کا بہت سا حصّہ اس وقت نازل ہوا جب نجران کے عیسائیوں کے علماء ورؤسا کا ایک وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور اپنے عقائد کے متعلق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے مناظرہ شروع کیا۔
۳۔ سورۂ بقرہ میں مسلمانوں کو کفّار سے جہاد کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ اس کے بعد کفر و اسلام کی جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پہلی جنگ بدر کے میدان میں لڑی گئی۔ جس میں مٹھی بھر مسلمانوں نے اپنی بے سروسامانی کے باوجود کفّار کو شکستِ فاش دی۔ لیکن اس شکست نے کفّار کو آتش زیرِ پا کر دیا۔ انتقام کے شعلے بھڑک اُٹھے یہود نے بھی اپنی سازشوں کو تیز تر کر دیا۔ ایک سال بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ پورے ساز و سامان کے ساتھ مشرکین مکّہ نے مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ احد کے پہاڑ کے دامن میں مقابلہ ہوا۔ ابتدا میں مسلمانوں نے کفّار کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن چند نوجوانوں کی جلد بازی نے جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ جس سے مسلمانوں کو سخت جانی نقصان ہوا۔ اس سورۃ میں دشمنوں (یہود اور منافقین) کی سازشوں کا پردہ چاک کیا گیا اور مسلمانوں کو ان کی اپنی فروگزاشتوں پر تنبیہ فرما کر اُن سے آئندہ بچنے کی تلقین کی گئی۔ اسی تربیّتِ الٰہی اور تادیبِ خداوندی کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کا یہ مختصر سا لشکر قیصر و کسریٰ کی فوجوں کو روندتا ہوا الٹاڑتا ہوا گزر گیا۔
۴۔ اِس سورۃ میں مسلمانوں کو اپنے مقامِ بلند اور فرضِ منصبی سے آگاہ کیا گیا ہے کہ تم خیر الامم ہو اور تمھاری خیرات و برکات صرف اپنے لیے اور صرف اپنوں کے لیے ہی نہیں بلکہ سب کائنات کے لیے ساری نوعِ انسانی کے لیے ہیں۔ اور یہ منصب جتنا عظیم اور بلند ہے اُتنا ہی کٹھن اور دشوار ہے۔ اس لیے تمھیں باہمی اتفاق و محبّت کی ضرورت ہے تمھیں بہا لے جانے کے لیے حسد و عناد کے طوفان اُمڈ اُمڈ کر آئیں گے۔ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوطی سے نہ پکڑے رکھا اور اخوتِ اسلامی کے جذبہ سے سرشار نہ رہے اور آپس میں سر پھٹول شروع کر دی تو نہ صرف یہ کہ تم اپنے منصبِ رفیع کی ذمّہ داریوں سے عہدہ برآ نہ ہو سکو گے بلکہ تمھاری اپنی ناموس اور بقا خطرہ میں پڑ جائے گی۔
۵۔ معاشی ناہمواریاں قوم کی صفوں کو درہم برہم کر دیتی ہیں۔ اور ان کی موجودگی میں کوئی پند و موعظت مؤثر ثابت نہیں ہوتی۔ اور ان کی ایک بہت بڑی وجہ سود خوری کا ظالمانہ نظام ہے۔ اس لیے اس کی حرمت کو یہاں پھر دُہرایا گیا تاکہ ملّت ایسے عوامل سے بچی رہے جو اس کی صفوں میں انتشار اور ذہنوں میں اضطراب پیدا کرنے کا سبب بن سکتے ہیں۔
۶۔ آخر میں ایک اور امر جس کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ حضرت سیّدنا عیسٰی

بن مریم علیہ السلام کو لوگوں نے خدا کا بیٹا کہا ثالث ثلاثہ (تین خداؤں سے ایک) کہا۔ اُن کی والدہ کو خدا کی جورو کہا۔ جو سراسر توحید و تنزیہہ باری کے خلاف ہے۔ قرآن جو توحید کا سب سے بڑا مبلغ اور داعی ہے۔ اُس نے ان کے اس باطل عقیدہ کی تکذیب کی۔ اور اس کے بطلان کو آشکارا کر دیا لیکن کس طرح؟ کیا حضرت مسیح کی تنقیص کر کے، کیا اُن کی شان گھٹا کر، کیا ان کے معجزات کا انکار کر کے، یا کیا احترامِ نبوت کو پسِ پشت ڈال کر؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ان کے تقدس کا ذکر فرمایا۔ ان کی خرقِ عادت پیدائش کو بیان کیا۔ ان کے محیر العقول معجزات کو بڑی شان سے پیش کیا کہ وُہ باذنِ الٰہی مُردوں کو زندہ اور اندھوں کو بینا کرتے ہیں۔ لوگوں کے گھروں میں رکھی ہوئی چیزوں کو جانتے ہیں۔ اور جو کچھ وُہ کہیں بیٹھ کر کھاتے ہیں انھیں ان کا علم ہے۔ غرضیکہ توحید کے اثبات کے وقت بھی پیغمبر کے منصبِ رفیع کو گھٹایا نہیں۔ تو اَب وُہ لوگ جو اپنے زعمِ باطل کے مطابق مُسلمانوں کو مُشرک تصوّر کرتے ہوئے اُنھیں توحید کا درس دیتے وقت حضور فخرِ موجُودات، مصدرِ کمالات، نورِ مجسّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ رفیع میں بے باکیاں کرتے ہیں اور حضورؐ کی ذاتِ اقدس واطہر کے کمالاتِ علمی اور عملی کو گھٹانا اپنے فنِ خطابت کی معراج خیال کرتے ہیں وُہ خود سمجھ لیں کہ کیا وُہ قرآن کا اِتباع کر رہے ہیں یا اس کے اسلوب سے سراسر انحراف کر رہے ہیں۔

سورة آل عمران مدنية وهي مائتا آية وعشرون وركوعا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُورۃ آل عمران مدنی ہے اسکی آیتیں — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — دو سو اور رکوع بیس ہیں

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۙ الۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ ؕ﴿۲﴾ نَزَّلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ

الف لام میم [۱] اللہ (وُہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے زندہ ہے سب کو زندہ رکھنے والا ہے [۲] نازل فرمائی اس نے آپ پر یہ کتاب

بِالۡحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ وَ اَنۡزَلَ التَّوۡرٰىۃَ وَ الۡاِنۡجِیۡلَ ﴿۳﴾

حق کے ساتھ [۳] تصدیق کرنے والی ہے ان (کتابوں) کی جو اس سے پہلے (اُتری) ہیں اور اُتاری اُس نے توراۃ اور انجیل

[۱] یہ حروفِ مقطّعات ہیں۔ صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں کہ لایعرفہ بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم الا الاولیاء یعنی ان کا صحیح مفہوم حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بعد صرف اولیائے اُمّت کو معلوم ہے۔ مزید تفصیل کے لیے سُورۃ بقرہ کا حاشیہ [۲] ملاحظہ ہو۔

[۲] مفسّرین نے فرمایا ہے کہ آل عمران کی پہلی اسّی سے کچھ زیادہ آیتیں اُس وقت نازل ہوئیں جب نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد اپنے عقائد کے متعلق حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے بحث کر رہا تھا۔ اس لیے موقع کی مناسبت کے لحاظ سے اس سُورۃ پاک کا آغاز بیانِ توحید سے کیا گیا۔ لا الٰہ الا ھو دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی (معبود) عبادت کے لائق نہیں اور الحیّ القیّوم اس کی دلیل ہے یعنی معبود تو وُہ ہوسکتا ہے جو (الحی) ہمیشہ سے زندہ ہو اور ہمیشہ تک زندہ رہنے والا ہو جو القیّوم ہو یعنی ہر چیز اپنے وجُود، بقاء اور اپنی نشوونما میں اس کی محتاج ہو۔ اور یہ صفات اللہ ہی کی ذات میں پائی جاتی ہیں۔ اس لیے صرف وُہی معبُود ہے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کہا کرتے تھے۔ ان مختصر الفاظ سے ان کی تردید کر دی گئی کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السّلام میں یہ صفات نہیں پائی جاتیں تو ان کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ عیسائیوں کی تردید کے ساتھ تمام مشرک قوموں کے عقیدہ کا بطلان بھی ہو گیا جو کسی مخلوق کو الٰہ بنائے ہوئے ہیں۔

[۳] حق سے کیا مُراد ہے۔ علّامہ قرطبی نے اِس کا معنی الحجۃ الغالبۃ لکھّا ہے یعنی اِس کتاب میں ایسی دلیلیں پیش کی گئی ہیں جن کا کوئی جواب نہیں۔ لیکن حق کا جو مفہوم علّامہ راغب اصفہانی نے بیان کیا ہے وُہ بہت جامع اور لطیف ہے۔ لکھتے ہیں۔ الحق للفعل والقول: الواقع بحسب مایجب وقدر مایجب وفی الوقت الذی یجب (مفردات) یعنی کوئی قول اور فعل اُس وقت حق کہلاتا ہے جب کہ وُہ اس طرح پایا جائے جیسے چاہیئے اِس اندازے سے پایا جائے جتنا مناسب اور موزوں ہو۔ اور اُس وقت پایا جائے جب کہ اس کی ضرورت ہو۔ قرآن کو بالحق کی صفت سے متّصف کر کے اللہ تعالیٰ نے اِس حقیقت کو واضح فرما دیا کہ قرآن آیا اور ایسی آن بان سے آیا جو اس کی شایانِ شان تھی۔ ایسے دلائل و براہین سے مزیّن ہو کر آیا جن کو عقلِ سلیم ماننے

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ

اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے اور اُتارا فرقان کو ؔ۴ بے شک وُہ لوگ جنھوں نے

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو

کفر کیا ؔ۵ اللہ کی آیتوں کے ساتھ ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے بدلہ لینے

انْتِقَامٍ ﴿٤﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا

والا ہے بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پوشیدہ رہتی اس پر کوئی چیز ؔ۶ زمین میں اور نہ

پر مجبور تھی۔ اور عین اُس وقت آیا جب ہر طرف گھپ اندھیرا چھا چکا تھا۔ اور انسانیت کا کارواں دشتِ حیرت وضلالت میں بھٹک رہا تھا۔ اور اُس وقت کے تقاضوں کو پُورا کرنے کے لیے آیا جب عقلِ انسانی اپنی طفولیّت کی سرحد عبُور کرکے فکر ونظر کی وادی میں قدم رکھ چکی تھی۔ اور انسان کے حواس کو مرعُوب کرنے والے معجزات سے کہیں زیادہ عقل وخرد کو مطمئن کرنے والی آیاتِ بیّنات کی ضرورت تھی۔ سُبحان اللہ! کیا اعجاز ہے بالحق کے ایک لفظ میں معانی کا سمندر بند کرکے رکھ دیا ہے۔

ؔ۴ لفظ فرقان کا معنی صرف الگ الگ کرنا نہیں جو لفظ "فرق" کا مفہوم ہے۔ بلکہ حق اور باطل کو الگ الگ کرنے کو فرقان کہا جاتا ہے۔ یہاں اِس لفظ سے کونسی چیز مُراد ہے؟ علماء سے متعدّد اقوال منقول ہیں لیکن امام ابن جریر طبری نے کہا ہے کہ ان کے نزدیک بہترین قول یہ ہے۔ "الفصل بين الحق والباطل" یعنی حق وباطل میں تمیز کرنے والی قوّت کو فرقان کہا جاتا ہے۔ امام رازیؒ کے نزدیک وُہ معجزات ہیں۔ اور بعض متاخرین نے کہا ہے کہ اِس سے مُراد عقل ہے۔ کیونکہ اس سے بھی حق وباطل میں تمیز ہوسکتی ہے۔

پہلی آیت میں توحید کی دلیل تھی اس میں نبوّتِ محمدیؐ کا اثبات ہے۔ اور رُوئے سخن نجران کے نصاریٰ کی طرف ہے کہ جب تم توراۃ وانجیل کو کلامِ الٰہی مانتے ہو اور اپنے ایمان کی دلیل یہ ٹھیراتے ہو کہ جن پر یہ کتب نازل ہوئیں وُہ صاحب معجزات تھے جن کے باعث تم ان کی صداقت کو تسلیم کرنے پر مجبُور ہو گئے ہو تو قرآن کو کیوں کلام اللہ یقین نہیں کرتے۔ حالانکہ جس ذاتِ پاک پر یہ کتاب نازل ہُوئی ہے۔ اُس نے تو وُہ معجزات دکھائے ہیں جن کی مثال ہی نہیں۔

ؔ۵ عقلِ سلیم کو مطمئن کرنے کے لیے دلائل پیش کیے۔ اب ہٹ دھرموں کو عذابِ الیم اور انتقام شدید کی دھمکی دی جارہی ہے۔

ؔ۶ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی اُلوہیّت کے بطلان کی اور دلیل پیش کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ تو وُہ ہے جس کا علم اتنا وسیع اور محیط ہے کہ کوئی چیز کسی وقت اس سے مخفی نہیں اور اس کا یہ علم ذاتی ہے کسی کا دیا ہُوا نہیں۔ اور عیسٰی علیہ السّلام کا علم نہ یُوں محیط ہے اور نہ اُن کا علم ذاتی۔ بلکہ جتنا ہے وُہ اللہ جل مجدہٗ کا عطا فرمایا ہُوا ہے تو وُہ خدا کیسے ہوسکتے ہیں؟

فِى السَّمَآءِ ۝۵ هُوَ الَّذِىْ يُصَوِّرُكُمْ فِى الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ

آسمان میں وُہی ہے جو تمھاری تصویریں بناتا ہے (ماؤں کے) رحموں میں جس طرح چاہتا ہے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶ هُوَ الَّذِىْۤ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

کوئی معبود نہیں بغیر اس کے (وُہی) غالب ہے حکمت والا ہے وُہی ہے جس نے نازل فرمائی آپ پر کتاب

مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ

اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں ۷ وُہی کتاب کی اصل ہیں اور دُوسری آیتیں متشابہ ہیں

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشٰبَهَ مِنْهُ

پس وُہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے سو وُہ پیروی کرتے ہیں (صرف) ان آیتوں کی جو متشابہ ہیں قرآن

ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا

سے (ان کا مقصد) فتنہ انگیزی اور (غلط) معنی کی تلاش ہے اور نہیں جانتا ۸ اس کے صحیح معنی کو بغیر

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۷ محکم کی تعریف امام راغب نے یہ کی ہے۔ فالمحکم ما لا یعرض فیه شبهة من حیث اللفظ ولا من حیث المعنی (مفردات) محکم آیت وُہ ہے جس کا مفہوم واضح اور بیّن ہو اس کے لفظ یا معنی کے اعتبار سے اس پر کسی قسم کا شبہ نہ وارد ہو سکتا ہو اور المتشابه ما اشکل تفسیره اما من حیث اللفظ او من حیث المعنی یعنی جس کا معنی اور تفسیر کسی لفظی یا معنوی پیچیدگی کی وجہ سے مشکل ہو۔ ارشاد ہوتا ہے کہ قرآن کی بعض آیات بالکل واضح اور ہر شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔ اور یہی ساری کتاب کی اصل اور مرجع ہیں۔ اور بعض آیتیں ایسی ہیں جن کا مفہوم واضح نہیں ہوتا اور ان میں مختلف تاویلات کی گنجائش ہوتی ہے۔ جن کے دل حق سے منحرف ہوتے ہیں وُہ دُوسرے سادہ لوح مسلمانوں کے سامنے آیات متشابہات کی ایسی تاویلیں کرتے ہیں جو محکم آیات کے منافی ہوتی ہیں۔ اور اس طرح ان کے دلوں میں قرآن و اسلام کے متعلق طرح طرح کے شکوک اور وسوسے پیدا کر کے انھیں اپنے دین سے بدظن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ چاہیئے تو یہ تھا کہ متشابہات کی تاویل کرتے وقت محکم آیات کی پیروی کی جاتی اور اُن کی روشنی میں ان کا مفہوم بتایا جاتا۔ لیکن کیونکہ نیّت فاسد ہوتی ہے اس لیے وُہ راہِ راست کو چھوڑ کر پیچ در پیچ راہ اختیار کرتے ہیں۔

۸ بعض عُلمائ نے والراسخون کا عطف اللہ پر کیا ہے۔ اس قول کے مُطابق معنی یہ ہو گا کہ متشابہات کی حقیقی غرض اللہ تعالیٰ

اللّٰهُ ۚ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ

اللہ تعالیٰ کے اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم ایمان لائے ساتھ اس کے سب ہمارے رب کے

رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۷ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ

پاس سے ہے اور نہیں نصیحت قبول کرتے مگر عقل مند اے ہمارے رب! نہ ٹیڑھے کر ہمارے دل بعد اس کے

اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۸

کہ تو نے ہدایت دی ہمیں اور عطا فرما ہمیں اپنے پاس سے رحمت بے شک تو ہی سب کچھ بہت زیادہ دینے والا ہے

اور علمائے راسخین کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ لیکن دوسرے علما نے اِلَّا اللہ پر وقف کیا ہے اور والرّاسخون الخ کو مستقل جملہ قرار دیا ہے۔ ان کے قول کے مطابق معنی یہ ہوگا کہ متشابہات کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اور علمائے راسخین نہ جاننے کے باوجود ان آیات کی حقّانیّت اور منزّل من اللہ ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ اب یہ شبہ وارد ہوتا ہے۔ کہ کیا قرآن کریم میں ایسی آیات بھی ہیں جن کا مفہوم کسی کو معلوم نہیں۔ اگر ایسا ہے تو پھر ان کے نازل کرنے کا کیا فائدہ جب ان کو کوئی سمجھ نہیں سکتا اور ان سے ہدایت نہیں حاصل کی جاسکتی۔ مفسّرین نے اس شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ جو علما الا اللہ پر وقف کرتے ہیں وہ متشابہات کا عام معنی مُراد نہیں لیتے بلکہ ان کے نزدیک متشابہات سے مُراد وہ اُمور ہیں" ما استاثرہ اللہ تعالیٰ بعلمه کقیام الساعة والحروف المقطعة فی اوائل السور"۔ جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خاص کیا ہوا ہے جیسے قیامت کا وقت، سُورتوں سے پہلے حروفِ مقطّعات وغیرہ۔ اب یہاں یہ چیز کھٹکتی ہے کہ کیا ان اُمور کا علم اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی نہیں بتایا۔ تو اس کا نہایت واضح جواب علّامہ سیّد محمود آلوسی بغدادی نے دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

لعل القائل بکون المتشابه مما استاثر اللہ بعلمه لا یمنع تعلیمه للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیه و اٰله وسلم بواسطة الوحی مثلا و لا القاءہ فی روع الولی الکامل مفصلا لکن لا یصل الی درجة الاحاطة۔ کعلم اللہ تعالیٰ۔ ومنع هذا وذاك مما لا یکاد یقول به من یعرف رتبة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه واٰله وسلم ورتبة اولیاء امته الکاملین وانما المنع من الاحاطة ومن معرفته علی سبیل النظر والفکر الخ (رُوح المعانی) یعنی جن علماء کے نزدیک متشابہات سے مُراد وہ اُمور ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مختص فرمایا ہے۔ وہ علماء بھی اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اُمور کا علم بذریعہ وحی اپنے رسُول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو دیا، یا اولیائے کاملین کے قلوب میں القاء فرمایا ہے۔ کیونکہ جو شخص حضُور کے مقامِ رفیع اور حضور کی اُمّت کے اولیائے کاملین کے مرتبہ کو پہچانتا ہے وہ اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ نفی علمِ محیط کی ہے اور اس علم کی جو انسان اپنی عقل وفکر سے حاصل کرتا ہے

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ

اے ہمارے پروردگار! بے شک تو جمع کرنے والا ہے سب لوگوں کو اُس دن کے لیے نہیں کوئی شبہ جس (کے آنے) میں بے شک اللہ تعالےٰ

الْمِيْعَادَ ۝۹ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ

نہیں پھرتا اپنے وعدہ سے بے شک وہ لوگ ۹ جنھوں نے کفر اختیار کیا نہ بچا سکیں گے انھیں اُن کے مال اور

لَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝۱۰

نہ اُن کی اولاد اللہ (کے عذاب) سے کچھ بھی اور وہی (بدبخت) ایندھن ہیں آگ کا

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ

(اُن کا طریقہ) مثل طریقہ آلِ فرعون کے اور اُن لوگوں کے تھا جو اُن سے پہلے تھے اُنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۱۱ قُلْ

پس پکڑ لیا انھیں اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ۱۰ اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے (اے میرے رسول!) فرما دو

نہ اُس علم کی جو اللہ اپنے نبی کو بذریعہ وحی یا کسی ولی کو بذریعہ الہام عطا فرماتا ہے۔

۹ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مال اور اولاد کی کثرت انسان میں ایک قسم کا غرور اور خودسری پیدا کر دیتی ہے جو اُسے اس امر کی اجازت نہیں دیتی کہ وُہ اپنے اختیار کردہ باطل عقائد کو ترک کر کے حق و صداقت کی دعوت کو قبول کرے۔ اس آیت میں ایسے لوگوں کو بتایا جا رہا ہے کہ یہ مال و دولت اور اہل و عیال اُنھیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچا سکتے۔ اور اگلی آیت میں مثال دے کر واضح کیا گیا کہ ذرا فرعون اور فرعونیوں کی جاہ و حشمت پر نگاہ ڈالو۔ جب اللہ کا عذاب آیا تو کوئی چیز اُنھیں بچا نہ سکی۔ اگر فرعون جیسا زبردست فرماں روا قہرِ خداوندی کی تاب نہ لا سکا تو تمھاری کیا حقیقت ہے۔

۱۰ اِس حقیقت کو قرآن بار بار واضح کرتا ہے کہ کسی قوم پر غضبِ الٰہی بلا وجہ نازل نہیں ہوتا بلکہ اُن کی تباہی اور بربادی ان کے اعمالِ بد کا طبعی نتیجہ ہوا کرتی ہے۔ جو قوم اپنے اعمال اور کردار سے اپنے آپ کو عزت و عظمت کا مستحق ثابت نہیں کر سکتی اُسے اس نعمت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ

اُن لوگوں کو جنھوں نے کفر کیا کہ عنقریب تم مغلوب کیے جاؤ گے اور ہانکے جاؤ گے جہنّم کی طرف ۱۱ے اور وُہ بہت بُرا

الْمِهَادُ ﴿١٢﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ

ٹھکانا ہے بے شک تھا تمھارے لیے (عبرت کا) نشان ۱۲ے (ان) دو گروہوں میں جو ملے تھے (میدانِ بدر میں) ایک گروہ

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ

لڑ رہا تھا اللہ کی راہ میں ۱۳ے اور دُوسرا کافر تھا دیکھ رہے تھے (مسلمان) اُنھیں اپنے سے دوچند (اپنی) آنکھوں سے ۱۴ے

۱۱ے حضُور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بدر میں فتح یاب ہونے کے بعد یہُود کو دعوتِ اسلام دی اور اُنھیں فرمایا کہ اگر تم اسلام نہ لائے تو تمھارا انجام بھی قریشِ مکّہ کی طرح ہو گا۔ اس پر یہُود غصّہ سے لال پیلے ہو کر کہنے لگے کہ آپ نے چند ناتجربہ کار لوگوں کو شکست دی ہے اگر ہم سے ٹکّر لی تو پتہ چلے گا کہ جنگجو ایسے ہوتے ہیں۔ ان کی اس گستاخانہ گفتگو کے جواب میں یہ آیت نازل ہُوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبُوب کو حکم دیا کہ وُہ یہُود کی شکست اور رُسوائی کا اعلان فرما دیں۔

۱۲ے یہاں جنگِ بدر کا ذِکر ہے۔ جس میں مُسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی۔ جن میں صرف چھ زرہ پوش تھے۔ ساز و سامان کا یہ عالم تھا کہ ساری فوج میں دو گھوڑے، ستّر اُونٹ اور آٹھ تلواریں تھیں۔ ان کے مقابلہ میں کفّار کا لشکر ۹۵۰ افراد پر مشتمل تھا جو ہر طرح کے اسلحہ سے پُوری طرح مسلّح تھا۔ سواری کے لیے اُن کے پاس سو گھوڑے اور سات سو اُونٹ تھے۔ اور رسد کا یہ حال تھا کہ ہر روز اُونٹ ذبح ہو رہے تھے۔ اِتنی کثیر التعداد فوج کا اِتنی قلیل اور غیر مسلّح فوج سے شکست کھانا اللہ تعالیٰ کی قُدرت کی کھُلی نشانی ہے۔

۱۳ے یہاں ایک چیز غور طلب ہے۔ دو گروہوں کا ذِکر کیا جا رہا ہے۔ لیکن جب یہ بتانے کا وقت آیا کہ وُہ دو گروہ کون کون تھے تو پہلے گروہ کا تعارف اِن الفاظ سے کرایا فئة تقاتل فی سبیل اللہ اور دُوسرے گروہ کا واخریٰ کافرۃ سے۔ یہ اسلوبِ بیان کیوں اختیار کیا اور یُوں کیوں نہ فرمایا کہ فئة مسلمة واخری کافرۃ کہ ایک گروہ مُسلمان تھا اور دُوسرا کافر۔ میرے خیال میں تو غلامانِ مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی کمالِ للّٰہیّت اور خلوص کا ذِکر مقصُود ہے کہ ان کی جنگ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تھی۔ اور اس سے اِنفرادی یا اپنی جماعتی یا قومی برتری مقصُود نہ تھی۔

۱۴ے کون کِس کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہا تھا، اِس میں مفسّرین کے متعدّد قول ہیں لیکن علّامہ ابنِ جریر نے اِسی قول کو پسند کیا ہے کہ یَرَوْنَ کا فاعل مُسلمان ہیں اور ھُمْ ضمیر کا مرجع کُفّار ہیں۔ یعنی مُسلمان کفّار کو اپنے سے دوگنا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن پھر بھی وُہ ثابت قدم رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے کفّار کو شکستِ فاش دی جس میں ان کے ستّر سردار مارے

وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي

اور اللہ مدد کرتا ہے اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے ۱۵؎ یقیناً اس واقعہ (بدر) میں بہت بڑا سبق ہے آنکھ

الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ

والوں کے لیے آراستہ کی گئی لوگوں کے لیے ۱۶؎ ان خواہشوں کی محبت یعنی عورتیں اور بیٹے

وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ

اور خزانے جمع کیے ہوئے سونے اور چاندی کے اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے

وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ

اور چوپائے اور کھیتی یہ سب کچھ سامان ہے دُنیوی زندگی کا اور اللہ ہے جس کے

حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا

پاس اچھا ٹھکانا ہے (اے میرے رسُول!) آپ فرمائیے کیا بتاؤں میں تمھیں اس سے بہتر چیز ان کے لیے جو متقی ہے

عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ

ان کے رب کے ہاں باغات ہیں رواں ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے (متقی) ان میں اور ان کے لیے

گئے جن میں ابُوجہل بھی تھا اور ستّر قیدی بنائے گئے۔

۱۵؎ یعنی فتح وکامیابی فوج کی تعداد اور ساز وسامان کی کثرت پر موقوف نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصُرت پر موقوف ہے۔

۱۶؎ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ کاملہ سے اِنسان کے دِل میں ان اشیاء کے ساتھ طبعی لگاؤ اور رغبت پیدا فرمادی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شادی کی تلخ ذمہ داریوں کو کون اُٹھاتا۔ ناتوان اولاد کے لیے کون لمبی راتیں جاگ کر گزارتا۔ اور ان کی پرورش کے لیے اپنی راحت وآسائش کو ترک کرتا۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو نسلِ انسانی کی بقا کیسے ممکن ہوتی۔ اِسی طرح سونے چاندی، عمدہ گھوڑوں، مویشیوں اور کھیتی باڑی کے ساتھ میلانِ طبع نہ ہوتا تو دُنیا کی ساری رونقیں ختم ہو کر رہ جاتیں۔ لیکن یہ سب کچھ اس لیے نہیں کہ اِنسان ان کے پیچھے رات دِن بھاگتا رہے اور ان کی چاہت میں یُوں گم ہو جائے کہ اپنے مولا تبارک وتعالیٰ کو ہی بھُول جائے بلکہ یہ تو چند روزہ زندگی کا سامان ہے۔ ان کو اِستعمال کرو لیکن اپنے مالک سے غافِل نہ ہو جاؤ۔

اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ ج

پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور حاصل ہوگی انھیں خوشنودی اللہ کی ۱۷ اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے اپنے بندوں کو

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ

یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! یقیناً ہم ایمان لائے تو معاف فرما دے ہمارے لیے ہمارے گناہ اور بچا لے ہمیں آگ

النَّارِ ﴿۱۶﴾ ج اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَ

کے عذاب سے (یہ مصیبتوں میں) صبر کرنے والے ہیں ۱۸ اور (ہر حالت میں) سچ بولنے والے ہیں اور (عبادت میں) عاجزی کرنے والے ہیں اور (اللہ

الْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ لا

کی راہ میں) خرچ کرنے والے ہیں اور (اپنے گناہوں کی) معافی مانگنے والے ہیں سحری کے وقت شہادت دی اللہ تعالیٰ نے (اس بات کی کہ) بیشک نہیں کوئی خدا سوائے اس کے ۱۹

۱۷ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی انعام ہے جس کی انسان آرزو بھی کر سکے حقیقت شناس دلوں کے لیے یہی حاصل زیست ہے۔ یہی مدعائے حیات ہے۔ انسانی ارتقاء کا یہی وہ بلند ترین مقام ہے جس سے بلند تر کسی اور چیز کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

۱۸ متقی لوگ جن کے لیے جنت اپنی تمام زیب و زینت اور دل آویزیوں کے ساتھ چشم براہ ہے۔ جن پر رضائے الٰہی سایہ فگن ہے۔ ان کے چند اوصاف کا ذکر ہو رہا ہے تاکہ تقویٰ کا قرآنی مفہوم واضح ہو جائے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ان پر یہ انعام و اکرام بلا وجہ نہیں۔

۱۹ دنیا کی سب سے بڑی اور اہم شہادت توحید کی شہادت ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اپنی وحدانیت کا سب سے بڑا گواہ ہے۔ اس کے علاوہ اس کی معصوم مخلوق فرشتے اور اہل علم اس واضح سچائی کے گواہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اپنی توحید پر شہادت کے متعلق علامہ بیضاوی فرماتے ہیں۔ بیّن وحدانیته بنصب الدلائل الدالة علیها وانزال الآیات الناطقة بها۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کائنات کی کتاب کے ہر صفحہ پر اپنی توحید کے ایسے روشن اور اٹل دلائل ثبت فرما دیے ہیں جن سے کوئی صاحب عقل سلیم انکار نہیں کر سکتا۔ اور اس کے علاوہ اس نے اپنی کتابوں میں توحید کے مسئلہ کو یوں مدلل بیان فرمایا ہے کہ شک و شبہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ قرآن کریم ہر مناسب موقع پر علم کی عظمت اور اہل علم کی شان بیان کر کے اپنے ماننے والوں کو علم حاصل کرنے کی رغبت دلاتا ہے۔ یہاں بھی توحید کے گواہوں میں اہل علم کا شمار کر کے ان کی عزت افزائی فرما دی۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ

اور (یہی گواہی دی) فرشتوں نے اور اہل علم نے (ان سب نے یہ بھی گواہی دی کہ وہ) قائم فرمانے والا ہے عدل و انصاف کو نہیں کوئی معبود سوائے اس کے (جو) عزت والا

الْحَكِيْمُ ؕ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ

حکمت والا ہے بے شک دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے ۲۱ اور نہیں جھگڑا کیا ۲۲ جن کو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ

دی گئی تھی کتاب مگر بعد اس کے کہ آگیا تھا ان کے پاس صحیح علم (اور یہ جھگڑا) باہمی حسد کی وجہ سے تھا

۲۰؎ قائماً بالقسط" کی ایک ترکیب یہ ہے کہ یہ حال ہے اور لفظ اللہ ذوالحال اور دوسری ترکیب یہ ہے کہ لا الہ الا هو میں هو ضمیر اس کا ذوالحال ہے اور یہ حال معنیً اس کی صفت ہے۔ اس صورت میں یہ مشہود بہ میں داخل ہوگا یعنی ان سب گواہوں نے اس کی وحدانیت کی بھی گواہی دی اور اس کے ساتھ اس کے عدل و انصاف کی بھی شہادت دی۔ (بیضاوی) ترجمہ اسی دوسری ترکیب کے مطابق کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عدل و انصاف کسی ایک چیز کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ کائنات کی تخلیق، فطرت کے قواعد کلیہ، عقائد اور شریعت کے قوانین غرضیکہ ہر وہ چیز جس کو اس سے نسبت ہے وہ اس کے عدل و انصاف کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ تبارک اللہ احسن الخالقین۔

۲۱؎ علامہ ابن کثیر نے اسلام کے مفہوم کو بڑے آسان اور واضح الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے هو اتباع الرسل فيما بعثهم الله به في كل حين حتى ختموا بمحمد صلى الله تعالى عليه واله وسلم الذي سد جميع الطريق اليه الا من جهة محمد صلى الله عليه وسلم ہر زمانہ کے نبی پر اللہ تعالیٰ نے جو نازل فرمایا اس کی اطاعت و اتباع کو اسلام کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے جب نبوت کا سلسلہ ختم ہوا تو اسلام نام ہو گیا اتباع محمدی کا۔ اُس ذاتِ اقدس کو چھوڑ کر کوئی شخص اگر کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے گا تو وہ گمراہی کا راستہ ہوگا۔ اس آیت سے تاریخ ادیان کے طالبِ علم کے لیے قرآن نے ایک بڑی الجھی ہوئی گرہ کھول دی۔ اس نے بتا دیا کہ مختلف انبیاء مختلف زمانوں میں الگ الگ دین لے کر نہیں آئے بلکہ سب نے اپنے اپنے وقت میں ایک ہی دین کی دعوت دی اور ایک ہی دین کی تبلیغ کی۔ کیونکہ وہ سب حق کے پیغامبر تھے۔ حق کی طرف بلانے والے تھے حق کے ساتھ مبعوث کیے گئے تھے اور حق ایک ہی ہے۔ اس لیے سب ایک ہی دین کے مبلغ بن کر آئے تھے اب خاتم الانبیاء بھی اسی دین کے داعی بن کر آئے ہیں۔ کوئی نیا دین لے کر نہیں آئے اس لیے اب حضور کا دین ہی دینِ اسلام ہے۔ حضور کی غلامی کو چھوڑ کر جو شخص بھی کوئی دوسرا دین اختیار کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں ہوگا۔

۲۲؎ اب یہاں خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر دین ایک ہی ہے تو دین کے نام پر یہ جو ان گنت فرقے نمودار ہو گئے ہیں اور ان

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٩﴾ فَاِنْ

اور جو اِنکار کرتا ہے اللہ کی آیتوں کا تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے پھر اگر (اب بھی)

حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ

جھگڑا کریں آپ سے تو آپ ۲۳؎ کہہ دیجئے کہ میں نے جھکا دیا ہے اپنا سر اللہ کے سامنے اور جنھوں نے میری پیروی کی اور کہیئے

لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ

اُن لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی اور اَن پڑھوں سے کہ کیا تم اِسلام لائے پس اگر وُہ اِسلام لے آئیں جب تو

اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠﴾ ع

ہدایت پا گئے ۲۴؎ اور اگر مُنہ پھیرلیں تو اتنا ہی آپ کے ذمہ تھا کہ آپ پیغام پہنچا دیں (جو آپ نے پہنچا دیا) اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے (اپنے) بندوں کو

کے باہمی اِختلاف کی آگ بارہا خرمنِ امن کو جلا کر خاکستر بنا چکی ہے اِس کی کیا وجہ ہے۔ اِس آیت میں اِسی سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ اختلاف کسی نیک نیتی یا غلط فہمی پر مبنی نہیں بلکہ اس کی وجہ حسد و عناد ہے۔ (اِس کی تفصیل پہلے سُورۃ بقرہ، آیت ۲۱۳ میں گزر چکی ہے)

۲۳؎ اگر حق سمجھ لینے کے بعد حسد کی وجہ سے وُہ حق کا اِنکار کریں اور آپ سے جھگڑیں تو ایسے لوگوں سے لفظی بحث میں اُلجھ کر آپ اپنا قیمتی وقت کیوں ضائع کریں۔ بلکہ ان کی پسند اور ناپسند سے بے نیاز ہو کر اپنے اور اپنے غلاموں کے محکم عقیدہ کا کھُلے الفاظ میں اعلان کر دیں۔ اس کا ان پر نفسیاتی اثر پڑے گا۔ کیونکہ جب وُہ دیکھیں گے کہ ان کے ہزاروں حیلے اور لاکھوں فریب بے اثر ثابت ہو گئے ہیں اور ان کے باوجُود حق کے پرستاروں کے پاؤں نہیں ڈگمگاتے۔ بلکہ ان کی تعداد دِن بدن بڑھ رہی ہے تو ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور اِسلام کی مخالفت میں ان کی گرمجوشی سرد پڑ جائے گی۔

۲۴؎ یہاں ایک اور اعلان کا حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ ان پر یہ بھی واضح کر دیں کہ ہم تم کو اِسلام کی جو بار بار دعوت دے رہے ہیں اس کی یہ وجہ نہیں کہ ہم تمھاری سنگت سے اپنی تقویّت کا قصد کر رہے ہیں۔ اور در پردہ اپنی مصلحت کے لیے کوشاں ہیں بلکہ اِسلام کی دعوت قبُول کر لینے میں سراسر تمھارا ہی فائدہ ہے۔ اور اگر ضِد پر اڑے رہے اور اس کو قبول نہ کیا تو تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے بلکہ اپنی دُنیا و آخرت کا ستیاناس کر دو گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ

بے شک جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے ہیں انبیاء کو ناحق ۲۵

وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْھُمْ

اور قتل کرتے ہیں ان لوگوں کو جو حکم کرتے ہیں عدل و انصاف کا لوگوں میں سے تو خوشخبری دو انھیں

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِي الدُّنْيَا

دردناک عذاب کی یہ ہیں وہ (بدنصیب) اکارت گئے جن کے اعمال دُنیا میں

وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا

اور آخرت میں اور نہیں ہے ان کے لیے کوئی مددگار کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جنھیں دیا گیا

نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَھُمْ ثُمَّ

کچھ حصّہ کتاب کا (جب) بُلائے جاتے ہیں کتابِ الٰہی کی طرف تاکہ تصفیہ کرے ان کے باہمی جھگڑوں کا تو

يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْھُمْ وَھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَنْ

پیٹھ پھیر لیتا ہے ایک گروہ ان میں سے درآنحالیکہ وہ رُوگردانی کرنے والے ہوتے ہیں اس (بیباکی) کی وجہ یہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ بالکل نہ

تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۠ وَّغَرَّھُمْ فِيْ دِيْنِھِمْ مَّا كَانُوْا

چھوئے گی ہمیں دوزخ کی آگ مگر چند دن گنے ہوئے اور فریب میں مبتلا رکھا انھیں ان کے دین کے معاملہ میں ان باتوں نے جو وہ

۲۵ آیات ۲۰ تا ۲۵ میں یہود کی بدعنوانیوں، سرکشیوں اور حق سے دانستہ انکار اور اہلِ حق پر ظلم و ستم توڑنے ان کو بے رحمی سے قتل کر دینے کی دیرینہ عادت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اور اس پر انھیں قیامت کے دن کی سختیوں کی یاد دلا کر تنبیہ کی جا رہی ہے تاکہ وہ اپنی اس روش سے باز آ جائیں۔ نیز ان کی اس غلط فہمی کا ردّ بھی کر دیا جس میں وہ بُری طرح مبتلا تھے کہ وہ خواہ کچھ بھی کرتے رہیں۔ ان کو یا تو عذاب ہوگا ہی نہیں اور اگر ہوا بھی تو گنتی کے چند روز۔ انھیں واضح طور پر بتا دیا کہ یہ تمھاری من گھڑت باتیں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ بلکہ تم سے تمھاری ہر بدکاری کی سخت باز پرس ہوگی اور تمھیں تمھاری کارستانیوں کی پوری سزا دی جائے گی۔ تقریباً یہی مضمون پہلے سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٤﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ

خود گھڑا کرتے تھے سو کیا حال ہوگا (اُن کا) جب ہم جمع کریں گے انھیں اُس روز جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور پُورا پُورا

كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ

بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو جو اُس نے کمایا اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا (اے حبیب[۲۶] یُوں) عرض کرو اے اللہ! اے مالک

الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَ

سب مُلکوں کے! تُو بخش دیتا ہے مُلک جسے چاہتا ہے اور چھین لیتا ہے مُلک جس سے چاہتا ہے اور

تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ

عزّت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ذلیل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے تیرے ہی ہاتھ میں ہے ساری بھلائی بے شک تُو ہر چیز پر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٦﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ

قادر ہے تُو داخل کرتا ہے رات (کا حصّہ) دن میں اور داخل کرتا ہے تُو دن (کا حصّہ) رات میں

۲۶ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو اور حضورؐ کی وساطت سے ساری اُمّت کو ایسے پاکیزہ کلمات کی تعلیم دے رہا ہے جس میں نہایت مؤثر اور دلکش اسلوب میں اس کی توحید اور اس کی عظیم قدرت کا ذکر کیا گیا ہے۔ حکومت دینے والا بھی وُہی ہے اور چھیننے والا بھی وُہی ہے وُہی جس کو چاہتا ہے دین و دُنیا کی عزّتوں سے سرفراز کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے خوار و ذلیل کر دیتا ہے۔ کسی فرد یا قوم کو یہ حق حاصل نہیں کہ وُہ حکومت اور عزّت کو اپنا پیدائشی حق سمجھنے لگے۔ اور اس فریب میں مبتلا رہے کہ اس کے اعمال کتنے سیاہ کیوں نہ ہوں اس کا کردار کتنا پست اور اس کی سیرت کتنی داغدار کیوں نہ ہو نہ اس سے حکومت چھینی جا سکتی ہے اور نہ اسے عزّت سے محرُوم کیا جا سکتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ سب کچھ اس مالکِ حقیقی کے دستِ قُدرت میں ہے۔ وُہ ربِّ قدیر جس کی شانِ صمدیّت و قدوسیّت اور جس کی صفتِ علم و حکمت کے ساتھ رحمت و عدل کی ساری قدریں قائم اور باقی ہیں۔ اُس کی سُنّت یہ ہے کہ وُہ جب کسی فرد یا قوم میں رحمت و عدل کے تقاضے پُورا کرنے کی صلاحیّت دیکھتا ہے تو اُسے حکومت و عزّت سے سرفراز فرما دیتا ہے اور جو فرد یا قوم اپنے عمل سے اپنے آپ کو اِس نعمت کا نااہل ثابت کر دیتی ہے تو اسے ذِلّت و خواری کے گڑھے میں پھینک دیا جاتا ہے۔ اِس آیت میں بنی اسرائیل کی لاف زنیوں کا ردّ بھی کر دیا گیا۔ اور یہ بھی صاف صاف بتا دیا گیا کہ ان کی مسلسل نافرمانیوں کے باعث عزّت و کرامت کا تاج ان سے چھین کر اب عرب کے بادیہ نشینوں کے سر پر رکھ دیا جائے گا جنھوں نے سچے دِل سے اِسلام کی تعلیمات کو

وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ

اور نکالتا ہے تو زندہ کو مُردہ سے اور نکالتا ہے مُردہ کو زندہ سے اور رزق دیتا ہے

تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢٧﴾ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ

جسے چاہتا ہے بے حساب ۲۷ نہ بنائیں مومن کافروں کو اپنا دوست

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ

مومنوں کو چھوڑ کر ۲۸ اور جس نے کیا یہ کام پس نہ رہا (اس کا) اللہ سے کوئی

قبول کرلیا ہے۔

۲۷ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے دو اور ثبوت بیان فرمائے گئے ہیں۔ ان آیات کے ضمن میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ نماز جمعہ میں شریک نہ ہوسکا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وجہ دریافت فرمائی تو میں نے گزارش کی کہ میں نے یوحنا بن باریا یہودی کا کچھ قرض دینا تھا وہ میرے دروازہ پر تاڑ لگائے بیٹھا تھا کہ میں باہر نکلوں اور وہ مجھے اپنی حراست میں لے لے اور حضور کی خدمت میں حاضر ہونے سے روک دے۔ اس لیے میں باہر نہ نکل سکا۔ اور نماز جمعہ کی شرکت سے محروم رہا۔ حضور کریم نے فرمایا اے معاذ! کیا تم پسند کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا قرض ادا فرما دے۔ میں نے عرض کی۔ ہاں یا رسول اللہ! تو حضور نے فرمایا ہر روز یہ پڑھا کرو۔ قل اللّٰھم مالك الملك تا بغیر حساب۔ رحمٰن الدنیا والاٰخرۃ ورحیمھما تعطی منھما من تشاء وتمنع منھما من تشاء اقض عنی دینی۔ اگر تجھ پر زمین کے برابر سونا قرض ہوگا تو اللہ تعالیٰ ادا فرما دے گا۔ (اخرجہ ابو نعیم الحافظ)

۲۸ یہ آیت وہ ستون ہے جس پر اسلامی حکومت کی خارجہ پالیسی کا دار و مدار ہے۔ اپنی اس اہمیت کے پیش نظر یہ بہت غور و تدبر کی مستحق ہے۔ تاکہ ہم اس اہم حکم کی تعمیل میں اسے صحیح نہ سمجھنے کے باعث کسی غلطی کا شکار نہ ہوجائیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے لفظ "اولیاء" کا مفہوم ذہن نشین کرنا چاہیئے۔ "اولیاء" جمع ہے ولی کی اور ولی مشتق ہے وِلایۃ یا وَلایۃ سے۔ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔ الوِلایۃ النصرۃ والوَلایۃ تولی الامر وقیل الوِلایۃ والوَلایۃ واحدۃ۔ یعنی وِلایۃ (جب کہ واؤ کے نیچے زیر ہو) کا معنی مدد کرنا ہے۔ اور وَلایۃ (جب کہ واؤ کے اوپر زبر ہو) کا معنی کسی کام کا ذمہ دار اور انچارج بننا ہے اور بعض علمائے لغت کے نزدیک دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ ذرا اور سنیئے۔ علامہ قرطبی نے اس آیت کی تفسیر اسی سورۃ کی آیت نمبر ۱۱۸ سے کی ہے۔ لا تتخذ وا بطانۃ من دونکم۔ اور اس آیت کا انھوں نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ یفاوضوھم فی الآراء ویسندون الیھم امورھم کہ اپنے اہم امور کے متعلق انھیں کفار سے مشورہ کیا جائے اور اپنے تمام کام انھیں کے سپرد کردیئے

شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَ

تعلق مگر اس حالت میں کہ تم کرنا چاہو ان سے اپنا بچاؤ ۲۹؎ اور ڈراتا ہے تمھیں اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے (یعنی غضب سے) اور

جائیں اس سے واضح ہوگیا کہ کفار کے ساتھ ایسے دوستانہ مراسم کہ اُنھیں اپنے سیاہ وسپید کا مالک بنا دیا جائے اور ہر بات میں اُنھیں کے مشورہ پر اعتماد کیا جائے، اسے قرآن حکیم نے قطعاً ممنوع قرار دے دیا ہے۔ ایسا رویّہ اختیار کرنا کسی آزاد قوم اور آزاد حکومت کے شایانِ شان نہیں بلکہ حقیقت میں ذہنی غلامی کا یہ دُوسرا نام ہے جسے غیرتِ اسلام برداشت نہیں کرسکتی۔ نیز اگر ایک اسلامی مملکت دُوسری اسلامی مملکت کے خلاف کسی غیر مُسلم حکومت کی اِمداد کرنے لگے تو کیا ملّی وحدت کا جنازہ نہ نکل جائے گا؟ اگر ہم اپنے ایک مُسلمان بھائی کے خلاف کسی کافر کی اعانت کرکے اُسے شکست دے دیتے ہیں تو حقیقت میں ہم اپنے آپ کو کمزور کر رہے ہیں اور اپنے دُشمن کی تقویت کا باعث بن رہے ہیں۔ جو آج تو اپنے اغراض ومقاصد کے پیشِ نظر ہماری خوشامد بھی کر رہا ہے اور طرح طرح کے سبز باغ بھی دِکھا رہا ہے لیکن کل جب اس کی اغراض ہمارے مفاد سے ٹکرائیں گی تو وُہ ہمارا قلع قمع کرنے میں دریغ نہیں کریگا اور اُس وقت اُسے یاد بھی نہ رہے گا کہ ہم اُس کے وُہ مخلص دوست ہیں جنھوں نے اس کی خاطر اپنے دینی بھائیوں کا خون بہانے میں ذرا تامّل نہ کیا تھا۔ جو لوگ اُندلس کے زوال اور بربادی کی خونچکاں داستان سے واقف ہیں یا جنھوں نے سلطنتِ مُغلیہ کے اِنحطاط کے دَور میں بنگال اور جنوبی ہند کے مُسلمان نوابوں کی غلط کاریوں کا جائزہ لیا ہے اُنھیں قدم قدم پر قرآنِ حکیم کے اِس حکم کی اہمیّت اور صداقت کے واضح ثبوت ملیں گے۔ تفسیر المنار کی یہ عبارت بہت جامع ہے۔ فالممنوع منها ما يكون فيه خذلان لدينك وايذاء لاهله او اضاعة لمصالحهم۔ یعنی کفار کے ساتھ ایسی دوستی ممنوع ہے جس سے تیرے دین کی رُسوائی ہو، یا تیرے دینی بھائیوں کو اذیّت پہنچے یا اُن کے وقار اور مفاد کو نقصان پہنچے۔

لیکن غیر مسلم حکومتوں کے ساتھ تجارت کرنا یا عام انسانی فلاح وبہبُود کے کاموں میں ان کے ساتھ تعاون کرنا، عالمی امن و سلامتی کی بقاء کے لیے مِل کر کوشش کرنا یا ایک مشترکہ دُشمن کے مقابلہ کے لیے ان کے ساتھ فوجی پیکٹ کرنا یا عام میل جول اور معاشرت میں غیر مُسلموں کے ساتھ حُسنِ سلوک اور خندہ پیشانی سے پیش آنا قطعاً ممنوع نہیں۔ اِس کا ثبوت قرآنِ حکیم کی متعدد آیتوں اور اُسوۂ حسنہ سے ملتا ہے۔ جس کا ذکر اپنے اپنے موقع پر آئے گا۔

۲۹؎ یعنی اگر مُسلمان کفّار کے نرغہ میں آجائے اور اُسے اپنے قتل ہوجانے، مال چھن جانے اور ناموس لُٹ جانے کا قوی اندیشہ ہو تو اس بےبسی کے عالم میں اسلام نے اسے اجازت دی ہے کہ وُہ ایسی بات کہہ لے جس سے وُہ کفّار کے شر سے محفُوظ رہے۔ لیکن عُلمائے اہلِ سُنّت نے تصریح کی ہے کہ فاما ما يرجع ضرره الى الغير كالقتل والزنا وغصب الاموال والشهادة بالزور وقذف المحصنات واطلاع الكفار على عورات المسلمين فذلك غير جائز البتة۔ (امام رازیؒ)

یعنی اِس عالمِ خوف وخطر میں اسے یہ اِجازت ہرگز نہیں کہ وُہ ایسا فعل کرے یا ایسی بات کہے جس سے دُوسرے مُسلمان کو ضرر پہنچے مثلاً اگر کفّار اُسے کسی مسلمان کو قتل کرنے، زنا کرنے، مال غصب کرنے، جھوٹی گواہی دینے، کسی پاکدامن عورت پر جھوٹا

اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ

اللہ ہی کی طرف (سب نے) لوٹ کر جانا ہے فرما دیجئے اگر تم چھپاؤ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے یا ظاہر کرو اُسے،

يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى

جانتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ اور جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ

چیز پر قادر ہے جس دن موجود پائے گا ہر نفس جو کی تھی اُس نے نیکی

مُّحْضَرًا ۚۛ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا ۢ

اپنے سامنے اور جو کچھ کی تھی اس نے بُرائی تمنّا کرے گا کہ کاش اس کے درمیان اور اُس دن کے درمیان (حائل

بَعِيْدًا ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ قُلْ

ہوتی) مدت دراز اور ڈراتا ہے تمہیں اللہ اپنے (عذاب) سے اور اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے اپنے بندوں پر (اے محبوب!) آپ فرمائیے (انہیں کہ

بہتان لگانے یا کفار کو مسلمانوں کے راز بتانے پر مجبور کریں تو اُس مسلمان کو اس امر کی ہرگز اجازت نہیں کہ وُہ اپنے بچاؤ کے لیے اِن کاموں میں سے کوئی کام کرے۔

اگر وُہ اپنی جان بچانے کے لیے زبان پر کلمۂ کفر لائے اور اس کا دِل مطمئن ہو تو اسے ایسا کرنے کی رُخصت تو ہے لیکن اُس کا ایمان پر ڈٹے رہنا اور اپنی جان دے دینا بہت افضل ہے۔

اِس چیز کو اُس تقیّہ سے دُور کا واسطہ بھی نہیں جو مذہبِ شیعہ کا اصلِ عظیم ہے اور بڑا کارِ ثواب ہے جس کی فضیلت بیان کرتے ہُوئے وُہ یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ اگرچہ خلفائے ثلاثہ نے قرآن کی تحریف کر دی، احکامِ شریعت کو بدل ڈالا۔ سُنّتِ رسُول ؐ کو مٹا دیا۔ لیکن حضرت علی نے تقیّہ پر عمل کیا اور خاموش رہے بلکہ کاروبارِ حکومت میں ان کا ہاتھ بٹاتے رہے۔ ان کے مالِ غنیمت سے اپنا حصّہ قبول کرتے رہے۔ ان کے پیچھے نمازیں ادا کرتے رہے۔ استغفر اللہ۔ شاہِ مرداں شیرِ یزداں علیہ وآلہٖ افضل الثناء واکمل الرضوان کی ذاتِ مقدّس پر یہ کتنا ناپاک بہتان ہے۔ ایسی بہتان تراشی پر ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں۔

ربع

إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ

اگر تم (واقعی) محبت کرتے ہو اللہ سے نسلہ تو میری پیروی کرو (تب) محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ اور بخش دے گا تمھارے لیے تمھارے گناہ

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣١﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ

اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے آپ فرمائیے اطاعت کرو اللہ کی اور (اس کے) رسول کی اللہ پھر اگر وہ منہ پھیریں تو یقیناً

نسلہ جب یہود کو اسلام کی دعوت دی گئی تو انھوں نے یہ کہہ کر اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ ہم تو پہلے ہی محبت الٰہی سے سرشار ہیں اور اس کے لاڈلے فرزند ہیں۔ ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ کسی نئے نبی کی اُمت میں داخل ہونے کی زحمت گوارا کریں۔ سابقہ آیات میں قرآن نے اُن کے بُرے اعمال اور رذیل عادات کا ذکر فرمایا۔ ایسی ناپسندیدہ حرکات کے باوجود وہ خدا کی دوستی کا دم بھرا کرتے۔ ان آیات میں انھیں تنبیہ فرمائی جا رہی ہے کہ محبتِ الٰہی کا دعویٰ بغیر دلیل قابلِ التفات نہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرو۔ اگر تم نے دل و جان سے اس رسولِ کریم کی اطاعت کی تو تمھارا دعویٰ محبت بھی درست تسلیم کر لیا جائے گا۔ اور اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ایک سب سے بڑی نعمت سے بھی سرفراز کیے جاؤ گے یعنی تمھیں محبوبِ الٰہی ہونے کا شرف بخشا جائے گا۔ اور تمھارے اعمال نامہ کی سیاہی کو رحمت اور مغفرت کے پانی سے صاف کر دیا جائے گا۔ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کی عظمتِ شان اور جلالتِ قدر کا کیا کہنا۔ جس کی غلامی یہود ایسی راندۂ درگاہ اور ذلیل قوم کو بھی اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا سکتی ہے۔ اور اُس کے گھناؤنے کرتوتوں کی بخشش کا سبب بن سکتی ہے۔ اگر اُمتِ مسلمہ اتباعِ حبیبِ خدا کو اپنا شعار بنا لے اور سنتِ سرورِ کائنات کے سانچے میں اپنی سیرت کو ڈھال لے تو کیا یہ محبوبیت کی خلعتِ فاخرہ سے نوازی نہیں جائے گی؟ حیاء کا سر ندامت کے بوجھ سے اُٹھ نہیں سکتا جب ہم اللہ تعالیٰ کی محبت کے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں اور عمل کی دنیا میں رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے انحراف کیے ہوتے ہیں۔ کیا اچھا کہا ہے کسی شاعر نے ؎

لو کان حبک صادقا لاطعته ان المحب لمن یحب مطیع

یعنی اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تُو اپنے محبوب کی اطاعت میں سرگرم ہوتا۔ کیونکہ محب تو ہمیشہ اپنے محبوب کا مطیع ہوا کرتا ہے۔

اسلہ اس آیت میں بھی دعوتِ اسلام قبول کرنے والوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تم اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو۔ آج کل بعض لوگ اس تحریک کو بڑی سرگرمی سے چلا رہے ہیں کہ ہمیں صرف قرآن کا اتباع کرنا چاہیئے۔ سنتِ نبوی کی پیروی کی ضرورت نہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ قرآن کے احکام کا اتباع کرنے کے دعویٰ کے ساتھ وہ انکارِ سنت کی کیسے جرأت کرتے ہیں۔ کیا قرآن نے ہی بے شمار مقامات پر نہایت واضح اور زوردار انداز میں یہ حکم نہیں دیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس رسولِ برحق کی اطاعت کرو۔ اُس کا حکم مانو اور اُس کے اُسوہ حسنہ کو اپناؤ۔ تو گویا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری قرآن سے کوئی الگ چیز نہیں۔ بلکہ قرآن ہی کی بے شمار آیات کی تعمیل ہے۔ اگر آپ سنتِ نبوی کی پیروی سے انکار کریں گے تو آپ نے صرف سنت

اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ

اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کفر کرنے والوں کو بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ۳۲ آدم اور نوح اور ابراہیم

اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّیَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ

کے گھرانے کو اور عمران کے گھرانے کو سارے جہان والوں پر یہ ایک نسل ہے بعض ان میں سے بعض کی اولاد ہیں

کا ہی انکار نہیں کیا بلکہ قرآن کی بے شمار آیات کا انکار کر دیا۔ اتباعِ رسول اور اطاعتِ رسول کسے کہتے ہیں؟ یہ بتا دینا بھی ضروری ہے تاکہ کوئی لفظی ابہام راہِ راست سے منحرف کرنے کا باعث نہ بنے۔ امام ابو الحسن آمدی نے "اتباع" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔ الاتباع فی الفعل هو التأسی بعینه والتأسی ان تفعل مثل فعله علی وجهه من اجله: کسی کے فعل کے اتباع کا یہ معنی ہے کہ اس کے اس فعل کو اس طرح کیا جائے جس طرح وہ کرتا ہے اور اس لیے کیا جائے کیونکہ وہ کرتا ہے۔ اور امام آمدی اطاعت کے مفہوم کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں و من اتی بمثل فعل الغیر علی قصدِ اعظامه فهو مطیع له: جب کوئی شخص کسی دوسرے کی عزت واحترام کے باعث بعینہٖ اس کے فعل کی طرح کوئی فعل کرے تو وہ اس کا مطیع کہلاتا ہے اتباع و اطاعت رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے متعلق جو حکم قرآن نے ہم کو دیا ہے (جس کی اطاعت وہ بھی فرض سمجھتے ہیں) اس کی تعمیل کی صرف یہی صورت ہے کہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افعال کو بالکل اسی طرح ادا کریں جیسے حضور نے ادا فرمائے اور صرف اس لیے ادا کریں کہ یہ افعال اس ذاتِ اطہر و اقدس سے ظہور پذیر ہوئے ہیں جو جمال و کمال کا وہ پیکر ہے جس سے حسین تر اور جمیل تر چیز کا تصور تک ممکن نہیں۔ کاش ہم قرآن کے الفاظ کو اپنی من گھڑت تاویلات کا اکھاڑہ بنانے سے باز رہیں اور اس آیت کے آخر میں اتباع و اطاعتِ رسول سے رُو گردانی کرنے والوں کو جن الفاظ سے یاد کیا گیا ہے اس پر غور کریں (اس موضوع پر احقر کی تالیف "سنّتِ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا مطالعہ شاید مفید ثابت ہو)

۳۲ ؎ قرطبی نے زجاج سے اصطفاء کا یہ مفہوم نقل کیا ہے کہ انہیں نعمتِ نبوّت کے لیے سارے جہان سے چن لیا۔ اس کے بعد قرطبی لکھتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا مقام درجہ اصطفاء سے بہت بلند ہے۔ حضور تو حبیب اور رحمت ہیں دوسرے انبیاء رحمت کے لیے پیدا کیے گئے اور سرورِ عالم کو سراپا رحمت پیدا کیا گیا اور حضور کی تشریف آوری سے خلقِ خدا کو امان مل گئی اسی لیے حضور نے فرمایا میں اللہ کی طرف سے رحمت کا تحفہ ہوں۔ فاما محمد صلی اللہ علیه وسلم فقد جازت مرتبته الاصطفاء لانه حبیب ورحمة فالرسل خلقوا للرحمة وهو خلق بنفسه رحمة فلذالك صار اماناً للخلق لذالك قال علیه السلام انا رحمة مهداة (القرطبی) آلِ عمران میں عمران سے مراد حضرت مریم کے والدِ محترم عمران بن ماثان ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السّلام کی نسل سے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے پدرِ بزرگوار کا نام بھی عمران تھا لیکن مفسّرین نے اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ یہاں اوّل الذکر مراد ہیں۔

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ

اور اللہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے جب عرض کی ۳۳؎ عمران کی بیوی نے اے میرے رب! میں نذر مانتی

لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾

ہوں تیرے لیے جو میرے شکم میں ہے (سب کاموں سے) آزاد کر کے سو قبول فرمالے (یہ نذرانہ) مجھ سے بے شک تو ہی (دعائیں) سننے والا (نیتوں کو)

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

جاننے والا ہے پھر جب اس نے جنا اسے (تو حیرت وحسرت سے) بولی اے رب! میں نے تو جنم دیا ایک لڑکی کو ۳۴؎ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے

بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَ

جو اس نے جنا اور نہیں تھا لڑکا (جس کا وہ سوال کرتی تھی) مانند اس لڑکی کے ۳۵؎ اور (ماں نے کہا) میں نے نام رکھا ہے اس کا مریم اور

۳۳؎ یہ کہنے والی عمران کی زوجہ اور حضرت مریم کی والدہ ہیں۔ ہمارے مفسرین نے علمائے بنی اسرائیل کے حوالہ سے ان کا نام حنّہ بتایا ہے۔ اس پاکباز خاتون نے جب حمل کی گرانی محسوس کی تو اپنی عبدیت اور نیازمندی کا اظہار کرنے کے لیے بارگاہِ الٰہی میں عرض کرنے لگیں کہ اے میرے خالق! میرے شکم میں جو بچہ ہے اس کے متعلق میں نذر مانتی ہوں کہ اس سے میں اپنی خدمت یا گھر کا کام کاج نہیں لوں گی۔ وہ دنیا کے سارے بندھنوں سے آزاد ہو کر عمر بھر تیرے گھر (بیت المقدس) کی جاروب کشی اور خدمت میں لگا رہے گا۔ تو میری اس نیازمندانہ نذر کو اپنے فضل وکرم سے شرفِ قبول بخش۔ تو میرے دل کی پکار کو سننے والا اور میرے جذباتِ پنہاں کو جاننے والا ہے۔

۳۴؎ انھیں تو یہ امید تھی کہ لڑکا ہو گا۔ اور اسی امید پر انھوں نے اسے بیت المقدس کی چاکری کے لیے وقف بھی کر دیا تھا۔ اب جب لڑکی پیدا ہوئی تو بصد حسرت ویاس کہنے لگیں۔ اے ربّ! میں نے تو بچی جنی ہے۔ اب میں اپنی نذر کیسے پوری کروں گی۔ کیونکہ اس وقت لڑکیوں کو بیت المقدس کی خدمت کی اجازت نہ تھی۔

۳۵؎ یہ ارشادِ باری ہے جو بطور جملہ معترضہ حضرت حنّہ کے کلام کے درمیان میں لایا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس بچی کی ولادت مقامِ افسوس نہیں ہے۔ جس لڑکے کی آرزو تم کیا کرتی تھیں وہ اس بچی کا کیا مقابلہ کر سکتا ہے جو ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہے۔ اس کی ذات سے برکت ورحمت اور ہدایت کی جو کرنیں پھوٹیں گی وہ تو ایک عالم کو منوّر کر دیں گی۔ اس جملہ کے بعد پھر حضرت حنّہ کا کلام ہے۔

اِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝۳۶ فَتَقَبَّلَهَا

میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود (کے شر) سے پھر قبول ۳۶ فرمایا اسے

رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِیَّا ؕ

اُس کے رب نے بڑی ہی اچھی قبولیت کے ساتھ اور پروان چڑھایا اسے اچھا پروان چڑھانا اور نگران بنا دیا اس کا زکریا کو

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ

جب بھی جاتے ۳۷ مریم کے پاس زکریا (اس کی) عبادت گاہ میں (تو) موجود پاتے اس کے پاس کھانے کی چیزیں ۳۸ (ایک بار)

یٰمَرْیَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ

بولے اے مریم! کہاں سے تمہارے لیے آتا ہے یہ (رزق) مریم بولیں یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے

۳۶؎ حضرت حنّہ کی دُعا کی قبولیت کا ذکر ہے۔ حضرت مریم کے مقبول ہونے کی ظاہری علامت یہ مقرر فرما دی کہ ان کی تربیت وقت کے نبی حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد فرما دی۔ اگر کامل مُرشد اور مربّی مل جائے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے ؎

اگر کوئی شعیب آئے میسّر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

۳۷؎ محراب کا لغوی معنی ہے "اکرم موضع فی المجلس"، مجلس میں جو سب سے باعزت جگہ ہو اس کو محراب کہتے ہیں عموماً اُس حجرۂ عبادت کو محراب کہا جاتا ہے۔ جو سطح زمین سے کچھ بلند بنایا جاتا ہے اور جس میں جانے کے لیے سیڑھیوں کی ضرورت پڑتی ہے ہیکل سلیمانی کے اردگرد ہیکل کے خادموں اور چلّہ کشوں کے لیے جو کمرے بنے ہوئے تھے انہی میں سے ایک میں حضرت مریم مشغولِ عبادت رہا کرتی تھیں اور حضرت زکریا علیہ السلام کیونکہ ان کے سرپرست تھے اس لیے اکثر ان کی خبرگیری کے لیے ان کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔

۳۸؎ جب بھی حضرت زکریا حضرت مریم کے پاس جاتے تو ان کے ہاں طرح طرح کے پھل رکھے پاتے۔ گرمی کے پھل سردی میں اور سردی کے پھل گرمی میں۔ اس سے عُلمائے اہلِ سُنّت نے اولیاء کرام کی کرامتوں کا برحق ہونا ثابت کیا ہے۔ کیونکہ حضرت مریم نبی نہ تھیں۔ بے موسم کے پھلوں کا آپ کے پاس پایا جانا آپ کی کرامت تھی۔ صرف معتزلیوں نے کرامات اولیا کا انکار کیا ہے۔ اور آج بھی کئی اُن کے ہم نوا اہلِ سنّت ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود کرامات کا انکار کرنا اپنے علم کا کمال سمجھتے ہیں۔

مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ

جسے چاہتا ہے بے حساب وہیں دُعا مانگی زکریا نے اپنے رب سے ۳۹ عرض کی اے میرے رب!

هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ

عطا فرما مجھ کو اپنے پاس سے اولاد پاکیزہ بے شک تو ہی سننے والا ہے دعا کا پھر آواز دی اُن کو

الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ

فرشتوں نے ۴۰ جب کہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے (اپنی) عبادت گاہ میں کہ بے شک اللہ تعالیٰ خوشخبری دیتا ہے آپ کو

بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا

یحییٰ کی جو تصدیق کرنے والا ہو گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرمان کی اور سردار ہو گا اور ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا ہو گا اور نبی ہو گا

مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ

صالحین سے زکریا کہنے لگے اے رب! کیونکر ہو گا میرے ہاں لڑکا حالانکہ آلیا ہے مجھے

۳۹ حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر کافی ہو چکی تھی لیکن اولاد نہ تھی۔ حضرت مریم کے شب و روز بڑے اخلاص سے محوِ عبادت رہنے کے باعث انکے دل میں بھی اولاد کی آرزو بیدار ہو گئی اور عرض کرنے لگے۔ اے رب! اگرچہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہو چکی ہے۔ اور اولاد پیدا ہونے کا عام وقت گزر چکا ہے لیکن تو وہ کریم اور قادر ہے جو اس مقفل حجرے میں مریم کو بے موسم کے پھل عطا فرماتا ہے۔ تیرے کرم سے کیا بعید ہے اگر تو مجھے بھی نیک بخت اور پاک اولاد عطا فرما دے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نیک اولاد کے لیے دُعا کرنا انبیائے کرام کی سُنّت ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مُبارک مکان میں مُبارک وقت میں کسی اللہ کے محبوب کے پاس کھڑے ہو کر جو دُعا کی جاتی ہے اس کو اللہ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے منظور فرمایا کرتا ہے۔

۴۰ فرشتوں کے ذریعہ سے حضرت زکریا کو ان کی دُعا کی مقبولیّت کی خوشخبری دے دی گئی۔ بچّے کا نام اور اس کی عزّت و پاکبازی کی اطلاع بھی دے دی اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرما دیا گیا کہ وہ نبی ہو گا۔ ”کلمۃ من اللہ“ سے مُراد حضرت عیسیٰ علیہ السّلام ہیں کیونکہ ان کی بن باپ پیدائش ان کے متعلق طرح طرح کے الزامات تراشنے کا سبب بننے والی تھی اس لیے ان کی پاکدامنی اور تقدّس کو بیان کرنے کے لیے قدرت نے پہلے ہی حضرت یحییٰ کو مقرر فرما دیا۔ جن کی بزرگی پاکبازی اور نبوّت کا ساری قوم کو اعتراف تھا انجیل میں حضرت یحییٰ کو یوحنا کہا جاتا ہے اور انگریزی میں (JOHN)

الْكِبَرُ وَامْرَاَتِیْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ۝۴۰ قَالَ

بڑھاپے نے اور میری بیوی بانجھ ہے فرمایا بات اسی طرح ہے (جیسی تم نے کہی) لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے عرض کی

رَبِّ اجْعَلْ لِّیْۤ اٰیَةً ؕ قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ

اے میرے رب! مقرر فرمادے میرے لیے کوئی نشانی [41] فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ نہ بات کرسکو گے لوگوں سے تین دن

اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِیْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْكَارِ ۝۴۱ ع

مگر اشارہ سے اور یاد کرو اپنے پروردگار کو بہت اور پاکی بیان کرو (اس کی) شام اور صبح

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓىٕكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ

اور جب کہا فرشتوں نے اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے تمہیں [42] اور خوب پاک کردیا ہے

وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ ۝۴۲ یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ وَ

تمہیں اور پسند کیا ہے تجھے سارے جہان کی عورتوں سے اے مریم! اخلاص سے عبادت کرتی رہ اپنے رب کی [43] اور

[41] یہ گزارش کسی شک کی وجہ سے نہ تھی بلکہ لیتلقی تلک النعمة بالشکر حین حصولها (روح المعانی) اس لیے تھی کہ جس وقت اس نعمت کا حصول ہو اُسی وقت سرِ نیاز سجدۂ شکر ادا کرنے لگ جائے۔ اور حمل قرار پانے کی علامت یہ مقرر کی گئی کہ اس وقت ان کی زبان ذکرِ الٰہی اور تسبیح و تہلیل میں تو محو رہے گی لیکن لوگوں کے ساتھ گفتگو کرنے کی استعداد اس میں باقی نہ رہے گی۔

[42] یعنی قدرت کی نگاہِ انتخاب نے بچپن میں بھی مریم کو چن لیا کہ حضرت زکریا کی سرپرستی عطا فرماتی۔ دل میں اپنی یاد کی لگن پیدا کردی۔ غیب سے طرح طرح کے پھل مہیا ہونے لگے۔ اور فرشتے ان سے گفتگو کرنے لگے۔ اور جب آپ سنِ شباب کو پہنچیں تو رحمتِ الٰہی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی کی ماں بنانے کے لیے منتخب فرمالیا۔ اس لیے اصطفاء کا ذکر دوبارہ آیا۔ اور نساء العلمین سے مراد ان کے اپنے زمانہ کی عورتیں ہیں۔

[43] جب اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ ان انعامات پر اس کا شکریہ بھی ادا کرے۔ سجدہ کا حکم پہلے اور رکوع کا بعد میں ہوا۔ حالانکہ رکوع سجدہ سے پہلے ہوا کرتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ واؤ عاطفہ ترتیب پر دلالت نہیں کرتی۔ یعنی اس سے معطوف علیہ کا معطوف پر مقدم ہونا ضروری نہیں ہوتا۔

اسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ

سجدہ کر اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ یہ (واقعات) غیب کی خبروں میں سے ہیں ۴۴؎

نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ

ہم وحی کرتے ہیں ان کی آپ کی طرف اور نہ تھے آپ ان کے پاس جب پھینک رہے تھے وُہ (مجاور) اپنی قلمیں (فیصلہ کرنے کے لیے)

یَكْفُلُ مَرْیَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ

کون ان میں سے سرپرستی کرے مریم کی اور نہ تھے آپ ان کے پاس جب وُہ آپس میں جھگڑ رہے تھے جب کہا

الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖۗ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ

فرشتوں نے اے مریم! اللہ تعالیٰ بشارت دیتا ہے تجھے ایک حکم کی ۴۵؎ اپنے پاس سے اس کا نام ۴۶؎ مسیح

۴۴؎ اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے نبی غیب کے علوم کو جانتا ہے اور یہی اس کی نبوت کی قوی دلیل ہوتی ہے۔

۴۵؎ ویسے تو کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے کلمہ کُن (یعنی ہوجا) کی جلوہ گری ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ کاملہ سے دُوسری اشیاء کو سبب اور مسبّب، علّت اور معلول کے رشتہ میں پرو دیا ہے۔ اس لیے ان کے ظہور اور ان کی تخلیق میں عام نگاہیں سبب اور علّت کے حجاب میں اٹک کر رہ جاتی ہیں لیکن یہاں کیونکہ عیسیٰ علیہ السّلام کی ولادت کا سبب عادی (باپ) موجُود نہیں اس لیے یہاں وُہ حجاب درمیان میں نہیں اور کلمۂ کُن کی جلوہ گری اور کرشمہ آفرینی بہت واضح اور نمایاں ہے۔ اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو کلمۃٌ مِنْهُ فرما دیا۔ امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں:-

انه خلق بكلمة الله وهو قوله كن من غير واسطة الاب فلما كان تكوينه بمحض قول الله كن وبمحض تكوينه وتخليقه من غير واسطة الاب والبذر لا جرم سمى كلمة يسمى المخلوق خلقا والمقدور قدرة والمرجو رجاء وهذا باب مشهور فى اللغة۔

۴۶؎ اسم کا لغوی معنی ہے السمة والعلامة المميزة یعنی وُہ نشان اور علامت جو کسی چیز کو دُوسروں سے ممتاز کر دے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو ممتاز اور نمایاں کرنے کے لیے ان کا لقب مسیح، ان کا نام (علم) عیسیٰ اور ان کی کُنیت ابن مریم ذکر فرما دیں تاکہ وُہ اپنے تمام اوصاف اور خصوصی امتیازات کے ساتھ ممتاز ہو جائیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آپ کو مسیح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ جس بیمار پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے وُہ بالکل صحت یاب ہو جایا کرتا تھا اور مسیح کا معنی مُبارک بھی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سمی مسیحا لانه كان مسيح الارض یعنی آپ کو مسیح کے لقب سے اس لیے ملقب کیا گیا کہ آپ نے

عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٤٥﴾

عیسیٰ بن مریم ۴۷ ہوگا معزز ہوگا دُنیا اور آخرت میں ۴۸ اور (اللہ کے) مقرّبین سے ہوگا

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٤٦﴾ قَالَتْ رَبِّ

اور گفتگو کرے گا لوگوں کے ساتھ گہوارے میں بھی اور پکی عمر میں بھی ۴۹ اور نیکو کاروں میں سے ہوگا ۵۰ مریم بولیں اے میرے پروردگار!

کہیں مستقل رہائش اختیار نہیں فرمائی تھی اپنی تبلیغی سرگرمیوں میں آج یہاں کل وہاں سفر پر رہتے۔ یار لوگ اتنی سی بات کو لے اُڑے اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو سیّاح وجہاں گشت تصوّر کرلیا۔ بلکہ قرآن کی تصریحات، احادیث نبوی ﷺ کے واضح بیانات اور تاریخ کے مسلّمہ حقائق کو نظر انداز کرتے ہُوئے اُنھیں اپنے توہّم کے گھوڑے پر سوار کیا اور مُلک مُلک کی سیر اور شہر شہر کی سیاحت کراتے ہُوئے اُنھیں کشمیر میں پہنچا کر دم لیا۔ اور صرف اسی پر اکتفا کرتے اُن کے دُشمن، اُنھوں نے تو ناخنِ تحقیق سے کشمیر کا چپّہ چپّہ کُرید ڈالا اور آخر کار سِری نگر کے ایک محلّہ میں اُن کی قبر کا سُراغ بھی لگا لیا۔ اور پھر اپنے لیے نبوّت کا قصرِ رفیع تیار کرلیا۔ کہاں کی لکڑی کہاں کا روڑا، بھان متی نے کُنبہ جوڑا۔ جس نبوّت کی بُنیاد ایسے دُور از حق اور بعید از عقل توہّمات اور مفروضات پر ہو وُہ کس قسم کی نبوّت ہوگی۔ ذرا غور فرمائیے۔

۴۷ عیسیٰ عبرانی لفظ ایشوع کا معرّب ہے اس کا معنی ہے سیّد اور سردار۔ یہاں اِس فرزند کا تعارف کسی غیر سے نہیں کرایا جا رہا تاکہ اس کی ولدیّت وغیرہ کا ذکر کرکے اسے دُوسروں سے ممتاز کرنا مقصُود ہو۔ بلکہ ان کی ماں کو ان کا نام بتایا جا رہا ہے اور اس کے لیے اگر اسمہ عیسیٰ کہہ دیا جاتا تو کافی تھا۔ لیکن المسیح عیسیٰ بن مریم فرما کر اِس امر کی طرف اِشارہ کردیا کہ باپ نہ ہونے کے باعث ان کی نسبت ان کی والدہ مکرّمہ کی طرف کی جائے گی اور قیامت تک اِسی نام سے یاد کیے جائیں گے۔

۴۸ ممکن تھا کہ حضرت مریم علیہا السّلام کے دِل میں یہ خدشہ پیدا ہوتا کہ بچّہ جو اِس انوکھی طرح پیدا ہوگا تو لوگ اس پر طرح طرح کے اِلزام لگائیں گے اور اُسے عِزّت کی نِگاہ سے نہ دیکھیں گے۔ اس کے متعلق پہلے اُنھیں اِطمینان دلا دیا کہ ایسا نہیں ہوگا۔ بلکہ دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی وُہ بڑا باعِزّت وبا احترام ہوگا۔

۴۹ یعنی گہوارے میں بھی وُہ جو گفتگو کرے گا وُہ بے معنی نہیں ہوگی بلکہ اس میں بھی نبوّت کا وقار اور رسالت کی سنجیدگی پائی جائے گی اس وقت بھی جو الفاظ ان کی زبان سے نکلیں گے وُہ حقائق سے لبریز ہوں گے۔ اس معصُومیت کے زمانہ میں بھی وُہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی رسالت کا ایسا زبردست اعلان کرے گا کہ کسی کو اِنکار کی مجال نہ رہے گی۔ (اِس کا ذِکر سُورۂ مریم میں تفصیلاً آئے گا) اور یہی وُہ معجزانہ پہلُو ہے جس کی طرف قرآن اِشارہ کر رہا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر صحت مند بچّہ پنگھوڑے میں باتیں کرنے لگتا ہے۔ لیکن اِنصاف کے ساتھ یہ کتنا سِتم ہوگا اگر بچّوں کی غوں غاں اور ان کے بے جوڑ اور بے معنی الفاظ کو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے اس کلامِ معجز نظام سے تشبیہ دی جائے۔ اِمام رازی ؒ نے یہاں سے ایک اور لطیف نکتہ نکالا ہے۔ کہ

اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ

کیونکر ہو سکتا ہے میرے ہاں بچہ؟ ۵۱؎ حالانکہ ہاتھ تک نہیں لگایا مجھے کسی انسان نے۔ فرمایا بات یُوں ہی ہے (جیسے تم کہتی ہو لیکن)

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾

اللہ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے ۵۲؎ جب فیصلہ فرماتا ہے کسی کام (کے کرنے) کا تو بس اِتنا ہی کہتا ہے اسے کہ ہو جا تو وُہ فوراً ہو جاتا ہے

اس سے یہ بتلانا بھی مقصود ہے کہ حضرتِ عیسٰی بایں ہمہ کمالات و معجزات خُدا نہیں۔ ورنہ زندگی کی مختلف منزلوں میں وُہ اِن تبدیلیوں اور تغیّرات سے دوچار نہ ہوتے۔

۵۰؎ پہلی آیت میں ومن المقربین فرمایا۔ اِن الفاظ سے ایک طرف اگر یہُود کے طعنوں کا ردّ ہے تو دُوسری طرف نصاریٰ کے اس خیالِ باطل کی تردید ہے کہ وُہ خُدا تھے یا خُدا کے بیٹے تھے (نعوذ باللہ) بلکہ بتایا کہ وُہ اللہ تعالیٰ کے مقرّب اور نیکوکار بندوں میں سے ایک بندے تھے۔

۵۱؎ حضرت مریم علیہا السّلام کو جب ایسے بچّے کی بشارت دی گئی تو آپ کنواری تھیں۔ ششدر ہو کر پُوچھنے لگیں۔ میرے ربّ! میرے ہاں بچّہ کیسے ہو گا جب کہ مجھے آج تک کسی اِنسان نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ بعض نے لکھّا ہے کہ اِس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی ولادت باپ کے بغیر ہُوئی۔ کیونکہ یہاں تو صرف پیشین گوئی کی جارہی ہے کہ تمھارا بچّہ ہو گا یعنی شادی کے بعد۔ ان کی خدمتِ اقدس میں بصد اَدب صرف اِتنی گزارش ہے کہ اگر مقصد یہی تھا تو اس میں تعجّب کی کوئی بات نہ تھی۔ لوگ شادی کیا کرتے ہیں۔ بچّے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ تو مناسب تھا کہ حضرت مریم اِس بشارت پر کلماتِ شکر زبان پر لے آتیں لیکن آپ کا تصویرِ حیرت و اِستعجاب بن کر انّٰى یکون لی ولد الخ کہنے کا کوئی محل نہ تھا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت مریم نے صحیح بات نہیں سمجھی تھی اُنھیں یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ شاید ابھی بچّہ پیدا ہونے والا ہے۔ حالانکہ ابھی تو صرف اس کی ولادت کی اِطلاع دی جارہی تھی پیدا تو اسے شادی کے بعد ہونا تھا۔ اگر اس بات کو درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے اِستعجاب کا جو جواب دیا وُہ موزُونیّت سے عاری نظر آتا ہے۔ سیدھا جواب یہ تھا کہ مریم گھبراؤ نہیں۔ جب تم شادی کرو گی بچّہ اس کے بعد پیدا ہو گا۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی بات کو صحیح صحیح بیان کرنے کی قدرت رکھتا ہے یا الفاظ اور اسلوبِ بیان کا کوئی وزن ہوتا ہے تو پھر یہ تاویل بلکہ تحریف لائقِ التفات نہیں۔

۵۲؎ ایک چیز یہاں اور قابلِ غور ہے۔ حضرت زکریا علیہ السّلام کی حیرانی کے موقعہ پر فرمایا یفعل اللہ مایشاء اور حضرت مریم کے تعجب کو دُور کرنے کے لیے فرمایا۔ یخلق مایشاء۔ جواب میں یہ تفاوت کیوں؟ اِس تفاوت کی وجہ سمجھنے کے لیے فِعل اور خلق کا معنوی فرق ملحُوظ رکھنا ازبس ضروری ہے۔ لفظ الفعل یستعمل کثیرا فیما یجری علی قانون الاسباب المعروفۃ ولفظ الخلق یستعمل فی الابداع والایجاد (المنار) یعنی ایسے واقعات جو اپنے اسباب کے پائے جانے سے

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا

اور اللہ تعالیٰ سکھائے گا اُسے کتاب و حکمت اور تورات و انجیل اور (بھیجے گا اُسے) رسول بنا کر

اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ

بنی اسرائیل کی طرف ۵۳ (وہ انہیں آکر کہے گا کہ) میں آگیا ہوں تمہارے پاس ایک معجزہ لے کر تمہارے رب کی طرف سے ۵۴

اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ

(وہ معجزہ یہ ہے کہ) میں بنا دیتا ہوں تمہارے لیے کیچڑ سے پرندے کی سی صورت پھر پھونکتا ہوں اس (بے جان صورت) میں تو وہ فوراً ہو جاتی ہے

وقوع پذیر ہوتے ہیں انھیں عام طور پر لفظ فعل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور جو واقعات ظاہری اسباب کے بغیر رُونما ہوتے ہیں اُن کی تعبیر عام طور پر لفظ خلق سے کی جاتی ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السّلام کی ولادت کیونکہ ماں باپ دونوں کی وجہ سے تھی۔ اور یہی ولادت کا سبب عادی ہے اس لیے وہاں فرمایا یفعل اللہ اور حضرت عیسیٰؑ کی ولادت صرف ماں سے ہوئی اور والد جو سبب عادی ہے مفقود تھا اس لیے لفظ خلق سے بیان کیا۔

۵۳؎ یعنی حضرت مسیح علیہ السّلام صرف بنی اسرائیل کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ آپ کی رسالت سارے عالمِ انسانیت کے لیے نہیں تھی۔ قرآن حکیم کے اس فرمان کی تصدیق خود انجیل کی متعدد آیتوں سے ہوتی ہے۔ "ان بارہ کو یسوع نے بھیجا اور ان کو حکم دے کر کہا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے متی باب ۱۰۔ آیات ۵ تا ۸۔ اسی مضمون کی تائید میں دوسرا حوالہ ملاحظہ ہو۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ متی باب ۱۵ : ۲۵۔

جب مسیح علیہ السّلام نے خود اعتراف کیا ہے کہ میری نبوّت کا دائرہ بنی اسرائیل تک محدود ہے تو پھر عیسائی مبلّغین کا بنی اسرائیل کے علاوہ کسی اور کو دعوت عیسائیت دینا یسوع مسیح کی ہدایت کی صریح خلاف ورزی ہے۔

۵۴؎ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی ولادت غیر معروف طریقہ پر ہوئی تھی جس سے معاندین کو اعتراضات کے کافی مواقع فراہم ہو گئے تھے اور آپ جس قوم کی طرف بھیجے گئے تھے وہ کٹ حجتی میں اپنی مثال آپ تھی اس لیے انھیں ایسے کھلے معجزات عطا فرماتے گئے جنھیں دیکھ کر کسی عقلمند کے لیے انکار کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ قرآن کریم ان معجزات کو بڑی وضاحت سے بیان فرما رہا ہے اور ان کو لفظ آیت سے تعبیر کیا ہے۔ اور آیت کہتے ہیں "العلامۃ الظاھرۃ" جو کسی کو پہچاننے کی کھلی نشانی ہو۔ جس کے بعد شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ یہ معجزات پانچ قسموں پر مشتمل ہیں۔ (۱) مٹی سے پرندے کی تصویر بنا کر اس میں پھونک مار کر زندہ کر دیا کرتے۔

طَيۡرًاۢ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبۡرِئُ الۡاَكۡمَهَ وَالۡاَبۡرَصَ وَاُحۡیِ الۡمَوۡتٰی

پرندہ اللہ کے حکم سے اور میں تندرست کر دیتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور (لاعلاج) کوڑھی کو اور میں زندہ کرتا ہوں مُردے کو

بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمۡ بِمَا تَاۡكُلُوۡنَ وَمَا تَدَّخِرُوۡنَ ۙ فِیۡ بُیُوۡتِكُمۡ ؕ

اللہ کے حکم سے اور بتلاتا ہوں تمھیں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم جمع کر رکھتے ہو اپنے گھروں میں

اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۴۹﴾ ۚ وَمُصَدِّقًا لِّمَا

بے شک ان معجزوں میں (مری صداقت کی) بڑی نشانی ہے تمھارے لیے اگر تم ایمان دار ہو ۵۵ اور میں تصدیق کرنے والا ہوں

(۲) مادر زاد اندھے کو بینا کر دیتے (۳) کوڑھی کو تندرست کر دیتے (۴) اور مُردہ کو از سرِ نو زندہ کر دیا کرتے۔ یہ چار قسمیں عملی معجزات کی تھیں۔ اور پانچویں قسم علمی معجزہ کی تھی یعنی غیب کی خبریں دینا۔ آپ بتایا کرتے تھے کہ تم نے آج یہ یہ چیزیں کھائی ہیں اور یہ یہ چیزیں تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کر آئے ہو۔ کیونکہ یہ تمام امُور انسانی قدرت سے باہر تھے اس لیے قوی اندیشہ تھا کہ شاید لوگ حضرت عیسیٰؑ کو خدا ماننے لگیں اس لیے ساتھ ساتھ باذن اللہ کی قید لگادی کہ یہ سب کچھ اگرچہ مجھ سے ظہور پذیر ہو رہا ہے لیکن اس کا حقیقی فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا ان افعال کو اپنی طرف منسوب کرنا اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ اگر ایسے افعال کی نسبت یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کا فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے ان کے ظاہری اسباب کی طرف کر دی جائے تو یہ جائز ہے شرک نہیں۔ جیسے حضرت امام اعظمؒ حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰت والتحیات کی جناب میں عرض کرتے ہیں ؎

وشفیت ذا العاھات من امراضھم ۔۔۔ وملأت کل الارض من جدواک

ترجمہ:۔ یا رسولؐ اللہ آپ نے بیماروں کو ان کی بیماریوں سے صحت عطا فرما دی ہے اور رُوئے زمین کو اپنے جُود و کرم سے لبریز کر دیا ہے۔

۵۵ ہر کام چھوٹا ہو یا بڑا اس کا کرنے والا وُہ خدا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ جو چاہے جس وقت چاہے اور جیسے چاہے کر سکتا ہے اس نے اپنی حکمتِ کاملہ سے تمام کاموں اور تمام چیزوں کو کسی نہ کسی سبب سے متعلق کر دیا ہے۔ ان میں سے بعض اسباب وُہ ہیں جن کو ہم نے سمجھ لیا ہے اور بعض اسباب ایسے ہیں جن کا سُراغ لگانے سے ہماری عقل قاصر ہے۔ ایسے افعال جن کی ہم کوئی ظاہری توجیہ نہیں کر سکتے ہو سکتا ہے کہ ان کے ظہور پذیر ہونے کا سبب کوئی ایسا امر ہو جس تک ہماری عقل کی رسائی ابھی تک نہ ہوئی ہو۔ جب تک ہم تمام اسباب وعلل کا کامل احاطہ نہ کر لیں ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم ایسے واقعات کا صرف اس وجہ سے انکار کر دیں کہ عقل ان کے واقع ہونے کو جائز نہیں سمجھتی۔ اور اس سلسلۂ اسباب وعلل کے احاطہ کا دعوےٰ تو آج تک کسی سائنسدان نے بھی نہیں کیا۔ اس لیے محض اس وجہ سے کسی واقعہ کا انکار کر دینا کہ یہ ہماری دانش کی کسوٹی پر

بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ

اپنے سے پہلے آئی ہوئی کتاب تورات کی اور تاکہ میں حلال کر دوں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں جو (پہلے) حرام کی گئی

عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾

تھیں تم پر ۵۶ اور لایا ہوں تمہارے پاس ایک نشانی تمہارے رب کی طرف سے سو ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری اطاعت کرو

پورا نہیں اترنا اپنے حدود سے تجاوز کرنے کے مترادف ہے۔ نیوٹن کہتا ہے:۔

"میری مثال اس بچے کی سی ہے جو سمندر کے کنارے کھیل رہا ہو۔ مجھے اپنے ساتھیوں کی نسبت کوئی زیادہ خوبصورت سنگریزہ یا گھونگا مل جاتا ہے لیکن ابھی حقیقت بحرِ ذخار کی طرح میرے سامنے ہے جس کا ہمیں کوئی علم نہیں ہوا۔"

HEROES OF CIVILIZATION BY JOSEPH AND HAYM

جب حقیقت یہ ہے تو قرآن کے بیان کردہ معجزات کو تسلیم کرنے سے انکار کرنا یا ان کی ایسی تاویلیں کرنا جن کو عربی زبان اور قرآن کا فصیح و بلیغ اسلوب بیان قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو نہ علم کی خدمت ہے نہ قرآن کی۔ اور اگر ایک لمحہ کے لیے یہ مان بھی لیا جائے کہ سلسلۂ اسباب و علل کی ساری کڑیاں ہمارے علم کی گرفت میں آچکی ہیں اور ان کا ہم نے کلیۃً احاطہ کر لیا ہے تو پھر بھی معجزات کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ قادرِ مطلق خدا جس نے اپنی حکمتِ کاملہ سے ایک چیز کو ایک علت سے وابستہ کر دیا ہے۔ وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ اس چیز کی تخلیق و آفرینش کو اس کے علاوہ کسی اور علت سے وابستہ کر دے۔ اور معجزات کے ظہور پذیر ہونے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ معاندین اور منکرین حق کے سامنے اپنے نبی کی صداقت کی ناقابلِ انکار دلیل پیش کر دی جائے اور ان پر یہ واضح کر دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت ان کے شاملِ حال ہے اسی لیے تو یہ محیر العقول واقعات ان کے اشاروں پر واقع ہو رہے ہیں۔ اور عام طور پر ہر نبی کو اس کے زمانہ کی ضروریات کے مطابق معجزات عطا فرمائے جاتے ہیں۔

معجزہ پر تفصیلی بحث سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے۔

۵۶ یہاں آپ اپنے منصبِ رسالت کی ذمہ داریوں کا اظہار فرما رہے ہیں کہ جو پابندیاں اور قیود تمہارے علماء نے اپنی طرف سے تم پر عائد کر رکھی ہیں ان کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے میں آیا ہوں۔

إِنَّ اللّٰهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ هٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٥١﴾ فَلَمَّا

بے شک اللہ تعالیٰ مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے مجھے اور مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے تمہیں سو اس کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے ۵۷ پھر جب

أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللّٰهِ ۖ قَالَ

محسوس کیا عیسیٰ (علیہ السلام) نے اُن سے کفر (و انکار) (تو) آپ نے کہا کون ہیں میرے مددگار اللہ کی راہ میں؟ (یہ سُن کر) کہا

الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللّٰهِ آمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٥٢﴾

حواریوں نے کہ ہم مدد کرنے والے ہیں اللہ (کے دین) کی ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور (اے نبی!) آپ گواہ ہو جائیو کہ ہم (حکم الٰہی کے سامنے) سر

رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٥٣﴾ وَ

جھکائے ہوئے ہیں۔ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے اس پر جو تُو نے نازل فرمایا اور ہم نے تابعداری کی رسُول کی تو لکھ لے ہمیں (حق پر) گواہی دینے والوں کے ساتھ اور

مَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۖ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ﴿٥٤﴾ إِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيسَىٰ إِنِّي

یہودیوں نے بھی (مسیح کو قتل کرنے کی) خفیہ تدبیر کی اور (مسیح کو بچانے کے لیے) اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی ۵۸ اور اللہ سب سے بہتر (اور مؤثر) خفیہ تدبیر کرنے والا ہے یاد کرو جب فرمایا اللہ نے

۵۷ اتنے حیران کن معجزات دکھانے کے بعد آپ صراحتاً اعلان فرما رہے ہیں کہ بے شک تم نے مجھے مُردوں کو زندہ کرتے، اندھوں کو بینا کرتے اور لاعلاج مریضوں کو تندرست کرتے دیکھا ہے لیکن یاد رکھو میں خدا نہیں ہوں بلکہ اس کا بندہ ہوں جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی۔ وُہی عبادت و پرستش کے لائق ہے۔ اور کوئی صاحب کمال اس قابل نہیں کہ اسے معبود بنایا جائے۔ اس لیے تم اسی کی عبادت کرو۔ اس لیے رب العالمین کو اللہ وحدہٗ لاشریک یقین کرنا اور اسی کی عبادت کرنا یہی صراطِ مستقیم ہے۔ اور جو کوئی بھی اس شاہراہِ رُشد و ہدایت سے سرِمُو منحرف ہوا وُہ گمراہ ہو گیا۔

۵۸ تقریباً ہر زبان میں بلا استثناء ایسے مشترک الفاظ پائے جاتے ہیں جو متعدّد معانی پر دلالت کرتے ہیں اور اہلِ زبان ان الفاظ کو بلا تامّل ان کے مختلف معنوں میں استعمال کرتے رہتے ہیں لیکن جب وُہی لفظ کسی دُوسری زبان میں استعمال ہونے لگتا ہے تو وُہ اپنے اصلی مختلف معنوں میں سے کسی ایک معنی میں مشہور ہو جاتا ہے۔ اب جب ہم اسے اس کی اصلی زبان میں مستعمل ہوتے ہوئے پاتے ہیں تو اس کا وہی ایک معنی جو ہمارے ذہن نشین ہو چکا ہوتا ہے چسپاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب وُہ چسپاں نہیں ہوتا تو پریشان ہو جاتے ہیں۔ اس کی ایک مثال لفظ "مکر" ہے۔ اس کا معنی حیلہ سازی بھی ہے اور یہی لفظ عربی میں صرف تدبیر کرنے اور کسی کی پنہاں سازش کو خفیہ طریقہ سے ناکام بنا دینے کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن اُردو میں ہم اس

مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ

اے عیسیٰ! یقیناً میں پوری عمر تک پہنچاؤں گا تمہیں ۵۹ اور اٹھانے والا ہوں تمہیں اپنی طرف اور پاک کرنے والا ہوں تمہیں ۶۰ ان لوگوں (کی تہمتوں) سے جنھوں نے (تیرا) انکار کیا اور

لفظ "مکر" کو صرف دھوکہ دہی اور فریب کاری کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ اور جب اس فعل کی نسبت ذاتِ باری کی طرف ہوتی ہے تو ہمارا ذہن بلاوجہ طرح طرح کے شکوک وشبہات کی آماجگاہ بن جاتا ہے حالانکہ جب اس کا فاعل وہ ذاتِ مقدس ہو جو ہر عیب، ہر نقص اور نازیبا فعل سے پاک ہے تو ہم لفظ "مکر" کا معنی صرف تدبیر یا وہ خفیہ طریقہ جس سے دشمنانِ حق کے شیطانی منصوبوں کو خاک میں ملانا مقصود ہوتا ہے کریں گے۔ اب کسی قسم کا شک باقی نہیں رہتا۔ قال المفضل ودبر واودبر الله والمكر لطف التدبير (بحر محیط)

اور اگر ان لغوی تحقیقات کے لیے انسان کے پاس وقت نہ ہو تو کم از کم علم بدیع کے قاعدۂ مشاکلت کو ہمیشہ پیش نظر رکھے۔ وہ یہ ہے کہ عربی میں کسی بُرے اور ناپسندیدہ فعل پر جو سزا دی جاتی ہے اسے اسی لفظ سے تعبیر کر دیتے ہیں اگرچہ وہ سزا کتنی مناسب اور قرینِ انصاف کیوں نہ ہو۔ مثلاً جزاء سيئة سيئة مثلها یعنی بُرائی کا بدلہ بُرائی ہے اسی طرح حالانکہ بُرائی کی سزا بُرائی نہیں ہوتی بلکہ عین انصاف ہوا کرتی ہے یا مثلاً فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه یعنی جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرلو۔ حالانکہ زیادتی اور تعدّی کی روک تھام کرنا زیادتی اور ظلم نہیں بلکہ دین اور اخلاق کے تمام ضابطے اس کے درست ہونے کی تائید کرتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی حضرت مسیح علیہ السّلام کے قتل کرنے کی جو مکارانہ سازش ان یہودیوں نے کر رکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ناکام بنانے کی جو تدبیر کی گئی اُسے مکر سے تعبیر فرما دیا اور اس میں کوئی نقص نہیں۔

۵۹ علمِ معانی کا یہ مسلّمہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی لفظ کا ایک حقیقی معنی ہو اور دوسرا مجازی تو حقیقی معنی کو مجازی معنی پر ترجیح دی جائے گی۔ ہاں اگر کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جس کے ہوتے ہوئے حقیقی معنی متعذر ہو تو اس وقت معنی حقیقی کو ترک کر کے معنی مجازی مُراد لیا جائے گا لیکن اگر ایسے قوی قرائن موجود ہوں جو حقیقی معنی مُراد لینے کے ہی مؤید ہوں تو اس حالت میں حقیقی معنی کو ترک کر کے مجازی معنی مراد لینے پر اصرار کرنا تو اُلٹی گنگا بہانے کے مترادف ہے۔ اب آپ لفظ "توفی" کے معنی پر غور فرمائیے۔ تاج العروس میں لفظ "وفی" کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں وتوفاه اى لم يدع منه شيئا یعنی پورے کا پورا لے لیا اور اس سے کوئی چیز باقی نہیں رہنے دی۔ امام ابی عبداللہ القرطبی الجامع لاحکام القرآن میں لکھتے ہیں۔ توفيت مالى من فلان اى قبضته یعنی میں نے اس سے سارا مال واپس لے لیا یہ تو ہے لفظ توفی کا حقیقی معنی۔ ہاں یہ موت کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے لیکن یہ اس کا مجازی معنی ہے جیسے صاحبِ تاج العروس نے لکھا ہے۔ ومن المجاز ادركته الوفاة اى الموت والمنية وتوفى فلان اذ مات و توفاه الله عزّوجل اذا قبض روحه۔ اب آپ خود فیصلہ فرمالیں کہ ایک لفظ کا حقیقی معنی ترک کر کے بغیر قرینہ کے اس سے مجازی معنی اخذ کرنے پر اصرار کرنا اس لفظ کے ساتھ کتنی بے جا زیادتی ہے۔ اور یہاں صرف اتنا ہی نہیں کہ مجازی معنی لینے کا کوئی قرینہ موجود نہیں بلکہ ایسے قوی قرائن موجود ہیں جو اس لفظ کے حقیقی معنی لیے جانے پر دلالت کرتے ہیں۔ آپ پوچھیں گے۔ کہ وہ

جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ

بنانے والا ہوں اُن کو جنھوں نے تیری پیروی کی ۶۱ غالب کفر کرنے والوں پر قیامت تک ۶۲

ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۵۵

پھر میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے تم نے پس (اس وقت) میں فیصلہ کروں گا تمھارے درمیان (ان امُور کا) جن میں تم اختلاف کرتے رہتے تھے

کون سے ایسے قرائن ہیں تو اس کے متعلّق عرض ہے کہ ایک تو اس آیت کا سیاق و سباق اس امر کا قوی قرینہ ہے یہاں گفتگو نجران کے عیسائیوں سے ہو رہی ہے جو حضرت مسیح کی الوہیّت کے قائل تھے مقصدِ کلام ہے اثباتِ توحیدِ باری اور ابطالِ الوہیّتِ مسیح۔ اگر حضرت عیسٰی علیہ السلام مرچکے ہوتے تو کتنی صاف بات تھی کہ نجران کے عیسائیوں سے کہہ دیا جاتا کہ جن کو تم خدا مانتے ہو وُہ تو مرچکے ہیں۔ اور جو مرجائے کیا وُہ بھی کہیں خدا بن سکتا ہے لیکن قرآن کا اس اسلوب کو اختیار نہ کرنا بلکہ اس انداز کو اپنانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرآن کی اس آیت کا مدّعا حضرت عیسٰی علیہ السلام کی موت کو بیان کرنا نہیں۔ دُوسرا واضح قرینہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشادِ گرامی ہے۔ قال الحسن قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلّم للیھود ان عیسٰی لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیامۃ۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہُود کو فرمایا کہ عیسٰیؑ مرے نہیں اور قیامت سے پہلے وُہ تمھاری طرف لوٹ کر آئیں گے۔ ان تصریحات کی موجُودگی میں حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی مُراد نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے جمہور مفسّرین اس حقیقی معنی کو مدِّنظر رکھتے ہُوئے لکھتے ہیں:۔

متوفیك ای مستوفی اجلك ومؤخرك الی اجلك المسمی عاصما ایاك عن قتلھم (بیضاوی) رحمہ اللہ تعالٰی تمھیں اپنی مقررہ مدّت تک زندہ رکھے گا اور تمھیں قتل سے بچائے گا۔

متوفیك ای مستوفی اجلك معناہ انی عاصمك من ان یقتلك الکفار (کشاف) امام ابن جریر لکھتے ہیں۔ و اولی الاقوال بالصحۃ عندنا قول من قال معنی ذلك انی قابضك من الارض ورافعك الیّ لتواتر الاخبار من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلّم۔ یعنی میرے نزدیک صحیح ترین قول یہ ہے کہ اے عیسٰی میں تجھے زمین سے قبض کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں کیونکہ حضور کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلّم کی احادیث متواترہ سے یہی چیز ثابت ہے کہ آپ کو زندہ آسمان پر اُٹھا یا گیا۔ (مزید وضاحت کے لیے سورۂ نسا کی آیت ۱۵۶ کا حاشیہ ملاحظہ ہو)

۶۰ یہُود حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی رسالت کو بھی تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ان کو طرح طرح کی اذیّتیں پہنچایا کرتے اور مزید برآں آپ پر اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہما السّلام پر گندے الزامات اور بہتان لگایا کرتے۔ اللہ تعالٰی عیسٰی علیہ السّلام کو فرما رہے ہیں کہ تیرا دامن ان الزامات سے صاف کر دیا جاتے گا۔ تیری پاکیزگی اور معاندین کی بدباطنی کا ساری دُنیا مشاہدہ کرے گی۔

۶۱ جو آپ کی نبوّت اور رسالت کے قائل ہوں۔ ۶۲ جو آپ کی نبوّت کے منکر ہیں اور اپنے دلوں میں آپ کی عداوت رکھتے ہیں یعنی یہُود۔ اور اس فوقیّت اور برتری سے مُراد سیاسی برتری بھی ہے اور دلائل کی برتری بھی۔

فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا

تو وہ جنھوں نے کفر کیا میں عذاب دوں گا اُنھیں سخت عذاب دُنیا میں

وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٥٦﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

اور آخرت میں اور نہیں ہوگا ان کے لیے کوئی مددگار اور وہ جو ایمان لائے اور کیے نیک

الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿٥٧﴾

کام تو اللہ پورے پورے دے گا اُنھیں اُن کے اجر اور اللہ تعالیٰ نہیں محبت کرتا ظلم کرنے والوں سے

ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ﴿٥٨﴾ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ

یہ جو ہم پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو آیتیں ہیں اور نصیحت حکمت والی بے شک مثال عیسیٰ (علیہ السلام) کی

عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾

اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم (علیہ السلام) کی مانند ہے ۶۳ بنایا اسے مٹی سے پھر فرمایا اسے ہو جا تو وہ ہو گیا

الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ

(اے سننے والے!) یہ حقیقت (کہ عیسیٰ انسان ہیں) تیرے رب کی طرف سے (بیان کی گئی) ہے پس تو نہ ہو جا شک کرنے والوں سے ۶۴ پھر جو شخص جھگڑا کرے آپ سے اس بارے میں

۶۳ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ پیدائش کو اس بات کی دلیل بناتے تھے کہ آپ خدا یا خدا کے بیٹے ہیں۔ قرآن کریم ان کی واضح تردید فرماتا ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے کی یہی دلیل ہے تو پھر آدم علیہ السلام کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ ان کا تو نہ کوئی باپ تھا اور نہ کوئی ماں۔ اگر ان کو تم انسان مانتے ہو تو عیسیٰ علیہ السلام کو کیوں خدا یا خدا کا بیٹا بنا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے سامنے آدم اور عیسیٰ علیہما السلام کی پیدائش یکساں ہے وہ بھی اس کی قدرت کی جلوہ گری ہے اور یہ بھی۔ اس کی مشیت کی کرشمہ نمائی نہ خدائی کا دم بھرنے کا اسے حق پہنچتا ہے نہ اسے۔ سب اس کے بندہ ہونے پر اور اسے اپنا رب پہچاننے پر شکر کناں ہیں عیسائیوں میں بھی کئی ایسے فرقے گزرے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بندہ یقین کرتے تھے۔ اور اُن کو نہ خدا مانتے تھے نہ خدا کا بیٹا۔

۶۴ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت یہود کی افترا بازیوں، بہتان تراشیوں اور نصاریٰ کی مبالغہ آرائیوں میں گم ہو کر رہ گئی تھی۔ قرآن نے یہ سارے پردے ہٹا دیئے۔ اُن کی اور اُن کی والدہ کی طہارت و پاکیزگی، ان کی عجیب و غریب پیدائش،

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ

اس کے بعد کہ آگیا آپ کے پاس (یقینی) علم تو آپ کہہ دیجئے کہ آؤ ۶۵ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی

وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ

اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی ۶۶ اپنے آپ کو بھی اور تم کو بھی ۶۷ پھر بڑی عاجزی سے (اللہ کے حضور) التجا کریں پھر بھیجیں

اُن کے حیران کُن معجزات بھی بیان کردیئے اور اُن کا بندہ ہونا بھی ثابت کردیا۔ اب اس پر یہ کہہ کر مہر تصدیق ثبت کردی کہ الحق من ربك یہ وُہ سچی حقیقت ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ اِس لیے اِس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں فلا تکونن میں خطاب یا تو قرآن کے ہر پڑھنے سُننے والے کو ہے یا خطاب حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو ہے اور مُراد حضورؐ کی اُمّت ہے کیونکہ حضورؐ کی اپنی ذات شک و شبہ سے بالاتر تھی لخطاب للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم والمراد امته لانه صلی اللہ علیہ وسلّم لم یکن شاکا فی امر عیسٰی علیہ السلام۔ (القرطبی)

۶۵ بنی نجران کے وفد کے تمام شکوک اور شبہات کا قرآن حکیم نے تحقیقی جواب دے دیا اور ایسے واضح اور روشن دلائل پیش فرمائے جن کے بعد کسی طالبِ حق کے لیے انکار کی گنجائش نہ رہی لیکن جب اُنھوں نے پھر بھی دعوتِ توحید کو قبول نہ کیا اور اپنے عقیدۂ تثلیث پر اڑے رہے تو ان معاندین پر حجت قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُول کو ان سے مباہلہ کرنے کا حکم دیا۔ مباہلہ کہتے ہیں کہ فریقین نہایت عاجزی سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں یہ دُعا کریں کہ ان میں سے جو جھوٹا ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ چنانچہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم حضرت امام حسینؓ کو اُٹھائے حضرت حسنؓ کو اُنگلی سے پکڑے تشریف لائے اور حضورؐ کے پیچھے پیچھے خاتونِ جنت اور ان کے پیچھے حیدرِ کرّارؓ آرہے تھے۔ اور حضورؐ نے وفدِ نجران کو مباہلہ کی دعوت دی۔ جب اُنھوں نے یہ نُورانی چہرے دیکھے تو ان کے اسقف (لاٹ پادری) نے کہا کہ اگر تم نے ان سے مباہلہ کیا تو یاد رکھو تمہارا نام ونشان تک مِٹ جائے گا۔ چنانچہ اُنھوں نے صلاح مشورہ کے لیے مُہلت طلب کی اور دُوسرے روز مباہلہ کرنے سے انکار کردیا اور جزیہ ادا کرنے کے لیے تیار ہوگئے اور صلح کرلی یہ واقعہ ۱۰ھ میں ہوا۔ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی نبوّت اور اسلام کی صداقت اور عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کے بطلان کی ناقابلِ تردید دلیل ہے۔ اگر حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو اپنی نبوّت کے متعلق ادنیٰ سا بھی شک ہوتا تو بذاتِ خود ان بزرگ اور عزیز ہستیوں کی معیّت میں مباہلہ کے میدان میں کیوں تشریف فرما ہوتے۔ اور اگر نصرانیوں کو اپنے عقیدہ کی سچائی کا یقین ہوتا تو وُہ کبھی مباہلہ کرنے سے باز نہ آتے۔

۶۶ بعض لوگوں نے یہاں یہ ثابت کرنے کی بے جا کوشش کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی صرف ایک صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی تھیں۔ ورنہ دوسری صاحبزادیاں بھی اس روز مباہلہ میں شرکت کرتیں۔ تو ان کی خدمت میں گزارش ہے۔ تاریخ کی تمام معتبر کتابوں (ناسخ التواریخ اور کافی وغیرہ) میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی چار

لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَ

اللہ تعالیٰ کی لعنت جھوٹوں پر بے شک یہی ہے واقعہ سچا ۶۸ اور

مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٢﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا

نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور بے شک اللہ ہی غالب ہے (اور) حکمت والا ہے پھر اگر وہ منہ پھیریں

فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٣﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى

تو اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے فساد برپا کرنے والوں کو (میرے نبی!) آپ کہیئے اے اہل کتاب آؤ ۶۹ اس

صاحبزادیاں تھیں اور اس روز خاتون جنت کا اکیلے تشریف لانا اس لیے تھا کہ باقی صاحبزادیاں انتقال فرما چکی تھیں حضرت رقیہ نے ۲ھ میں، حضرت زینب نے ۸ھ میں اور حضرت ام کلثوم نے ۹ھ میں انتقال فرمایا۔ علی ابیھن وعلیھن افضل الصلوات واطیب التسلیمات۔ اور یہ واقعہ ۱۰ھ کا ہے۔

۶۷ اس لفظ سے بعض لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت بلافصل پر استدلال کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ انفسنا سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں جس سے ثابت ہوا کہ آپ نفس رسول ہیں۔ گویا آپ رسول جیسے ہیں۔ تو جب آپ حضور کریم کے مساوی ہو گئے تو پھر آپ سے زیادہ خلافت کا حقدار اور کون ہو سکتا ہے۔ تو اس کے متعلق التماس ہے کہ حضرت علی کا شمار ابناءنا میں ہے۔ کیونکہ آپ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے داماد تھے۔ اور داماد کو بیٹا کہا جاتا ہے۔ اور اگر انفسنا میں ہی شمار کریں تو عینیت اور مساوات کہاں سے ثابت ہوئی۔ کیونکہ یہ لفظ تو ان لوگوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو قریبی رشتہ دار یا دینی اور قومی بھائی ہوں۔ جیسے یخرجون انفسھم من دیارھم (وہ اپنے نفسوں کو یعنی اپنے قومی بھائیوں کو ان کے وطن سے نکال رہے ہیں) ولا تخرجون انفسکم من دیارکم (اپنے وطن سے اپنے نفسوں کو یعنی اپنے قومی بھائیوں کو نہ نکالنا) ثم انتم ھؤلاء تقتلون انفسکم۔ ان سب آیات میں ان کے علاوہ متعدد دیگر آیات میں النفس کا لفظ دینی اور قومی بھائیوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔

۶۸ ان حکایات اور تفصیلات کے بعد اس آیت میں ان سب کا حاصل بیان فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی خدا اور معبود نہیں جو کسی مخلوق کو خدا یا خدا کا بیٹا تسلیم کرتا ہے وہ راہ راست سے بھٹک گیا ہے۔

۶۹ کلمہ سے مراد یہاں لفظ مفرد نہیں بلکہ جملہ مفیدہ ہے یعنی الا نعبد الا اللہ الخ اور یہ استعمال عام ہے۔ والکلمۃ تطلق علی الجملۃ المفیدۃ (ابن کثیر) اس سے معلوم ہوا کہ حضور سراپا نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کوئی نئی دعوت، کوئی نرالا دین لے کر نہیں آئے تھے بلکہ حضور بھی اسی توحید کے داعی بن کر تشریف لاتے تھے جس کی دعوت ہر نبی نے دی۔ نیز اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ انسانیت جو آج مختلف اور مخالف گروہوں میں بٹ کر رہ گئی ہے۔ جس کے باعث گلشن ہستی جہنم زار بن گیا ہے اس کے اتحاد کی

كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ

بات کی طرف جو یکساں ہے ہمارے اور تمہارے درمیان (وہ یہ کہ) ہم نہ عبادت کریں (کسی کی) سوائے اللہ کے اور نہ شریک ٹھیرائیں اس کے

شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا

ساتھ کسی چیز کو اور نہ بنالے کوئی ہم میں سے کسی کو رب اللہ کے سوا ۞ پھر اگر وہ رُوگردانی کریں

فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝٦٤ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ

(اس سے) تو تم کہہ دو گواہ رہنا (اے اہل کتاب) کہ ہم مسلمان ہیں ۷۱ اے اہل کتاب! کیوں جھگڑتے ہو تم

فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ

ابراہیم کے بارے میں حالانکہ نہیں اُتاری گئی تورات اور انجیل مگر ان کے بعد ۷۲

حقیقی اور محکم بُنیاد عقیدہ توحید ہی ہے جو دُنیا کی ساری حقیقتوں سے واضح تر اور روشن ترین حقیقت ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اسی پلیٹ فارم پر جمع ہونے کے لیے اہل کتاب کو دعوت دی۔

۞ امام ترمذی نے حضرت عدی بن حاتم سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہُوئی تو میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی یا رسُول اللہ! ہم ان کی عبادت تو نہیں کیا کرتے تھے تو حضورؐ نے فرمایا کہ کیا ایسا نہیں تھا کہ وُہ جس حلال چیز کو چاہتے حرام کردیتے اور جس حرام چیز کو چاہتے حلال کردیتے اور تم ان کے ہر حکم کی پیروی کیا کرتے۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں ایسا تو ہم کیا کرتے تھے۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ھو ذالک یعنی اللہ کے حکم کے بغیر کسی کو حلال و حرام کرنے کے کلّی اختیارات سونپ دینا ہی تو اس کی عبادت کرنا اور اس کو رب بنانا ہے۔ اب بھی اگر کوئی شخص کسی کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ وُہ شریعت کی حلال کردہ چیزوں کو حرام اور حرام کردہ چیزوں کو حلال کر سکتا ہے تو وُہ بھی اسی توبیخ کا مستحق ہے۔

۷۱ اس آیت کریمہ میں اہل کتاب کی آنکھوں سے تعصب کا پردہ اُٹھانے کی ایک عجیب اور لطیف اسلوب میں کوشش کی گئی ہے انسان جب کسی دُوسرے کو حق و صداقت کے میدان میں سبقت لے جاتے ہُوئے دیکھتا ہے تو یہ جذبہ قدرتاً اس کے اندر بھی بیدار ہونے لگتا ہے کہ جب اور لوگ تمام رکاوٹوں کو عبور کرکے حق کی طرف بے تابانہ لپک رہے ہیں تو میں کسی سے پیچھے کیوں رہوں۔ مسلمانوں کے اس اعلان سے یہود و نصاریٰ کے دِل میں بھی یہی جذبہ پیدا کرنا مقصود ہے۔

۷۲ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے فضائل و کمالات کے سب معترف تھے۔ اور سب اس پر متفق تھے کہ آپ کا دین ہی سچا دین ہے اور آپ کا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے۔ اس لیے اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لیے یہودی یہ دعویٰ کیا کرتے کہ حضرت ابراہیم یہودی تھے اور

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٥﴾ هَٰٓأَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ حَٰجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ فَلِمَ

کیا (اتنا بھی) تم نہیں سمجھ سکتے سُنتے ہو! تم وہ لوگ ہو جو جھگڑتے رہے ہو (اب تک) ان باتوں میں جن کا تمھیں کچھ نہ کچھ علم تھا پس (اب)

تُحَآجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ ۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾

کیوں جھگڑنے لگے ہو ان باتوں میں نہیں ہے تمھیں جن کا کچھ علم اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

مَا كَانَ إِبْرَٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا

نہ تھے ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی بلکہ وُہ ہر گمراہی سے الگ رہنے والے

مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿٦٧﴾ إِنَّ أَوْلَى ٱلنَّاسِ بِإِبْرَٰهِيمَ

مسلمان تھے [۷۳] اور نہ ہی وُہ شرک کرنے والوں میں سے تھے بے شک نزدیک تر لوگ [۷۴] ابراہیم (علیہ السّلام) سے

عیسائی دعویٰ کیا کرتے کہ آپ عیسائی تھے۔ ان کے اس غلط دعویٰ کا بطلان کیا جا رہا ہے کہ یہودیت اور عیسائیت بعد کی پیداوار ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا زمانہ تو صدیوں پہلے کا ہے جب یہودیت و نصرانیت کا وجُود ہی نہ تھا۔ اس لیے ان کو یہودی یا عیسائی کہنا کہاں کی دانشمندی ہے۔

[۷۳] گمراہی سے مُنہ موڑ کر حق کی طرف متوجّہ ہونے کو عربی میں الحنف کہتے ہیں اور حق سے رُوگردانی کر کے گمراہی کی طرف مائل ہونے کو الجنف کہتے ہیں (مفردات) تو حنیف کا معنیٰ ہوا ہر باطل و گمراہی سے مُنہ موڑ کر ہمہ تن حق و صداقت کی طرف متوجّہ ہونے والا۔ قرآن بتاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ تو صرف اللہ تعالیٰ کی الُوہیّت کے قائل تھے اور اُسی ایک کی عبادت میں سرگرم تھے۔ نہ وُہ عُزیر کو خُدا کا بیٹا اور نہ مسیح کو اس کا فرزند کہتے تھے۔ نہ صلیب کے پرستار تھے اور نہ مشرکینِ عرب کی طرح کسی پتھر کی مُورتی کے پُجاری تھے۔ اُن کی توحیدِ خالص سے تمھاری اس شرک آلُود یہُودیت و نصرانیت کو کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

[۷۴] اہلِ حق سے تعلق اور تقرّب کا انحصار اس پر نہیں کہ آپ ان سے اپنی وابستگی کے طویل و عریض دعوے کریں۔ بلکہ اس کا دار و مدار ان کی سچی پیروی پر ہے۔ جس نے ان کے پیغام کو دِل سے قبُول کیا اور زندگی بھر اس پر کاربند رہا وُہی ان سے قریب ہے۔ وہی ان کا دوست ہے۔ اس لیے قرآن حکیم نے تصریح کر دی کہ حضرت ابراہیم سے تقرب کا شرف یا ان لوگوں کو حاصل ہے۔ جو ان پر ایمان لاتے۔ اور ان کی پیروی کی یا اس نبی امی (فداہ ابی و امی) کو جس نے دینِ ابراہیمی کو نئی زندگی اور تازہ قوّت بخشی اور یا اس کے جانباز غلاموں کو جو ابراہیمی مشن کو سربلند کرنے کے لیے ہر قربانی دینے کے لیے آمادہ ہیں۔ تمھیں کیا واسطہ اللہ کے خلیل سے جو دُنیا کی محبت اور اقتدار کی ہوس میں یُوں کھوئے ہُوئے ہو کہ حق کو پہچانتے ہُوئے حق کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہو۔

لِلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ

وُہ تھے جنھوں نے ان کی پیروی کی نیز یہ نبی (کریم) اور جو (اس نبی پر) ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ مدد گار ہے

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ

مومنوں کا دِل سے چاہتا ہے ایک گروہ ۷۵ اہل کتاب سے کہ کسی طرح گمراہ کر دیں تمھیں

وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ

اور نہیں گمراہ کرتے مگر اپنے آپ کو اور وُہ (اس حقیقت کو) نہیں سمجھتے اے اہل کتاب!

لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ

کیوں اِنکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا حالانکہ تم خود گواہ ہو ۷۶ اے اہل کتاب!

لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ

کیوں مِلاتے ہو حق کو باطل کے ساتھ ۷۷ اور (کیوں) چھپاتے ہو حق کو حالانکہ تم

۷۵ چاہیئے تو یہ تھا کہ اہلِ کتاب حضُور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم پر ایمان لاتے لیکن ایمان لانا تو کجا اُن کی ضد اَور عناد کی یہ حالت ہے کہ جو راہِ راست پر چل رہے ہیں ان کے متعلق بھی ان کی آرزُو یہ ہے کہ وُہ بھٹک جائیں۔ اگر وُہ اُن کا مذہب قبول نہیں کرتے، تو کم از کم مسلمان تو نہ رہیں۔ اِس لیے مسلمانوں کو اِسلام سے بدظن اَور برگشتہ کرنے کے لیے سارے جتن کرتے۔ ان کے سامنے طرح طرح کے شبہات پیش کرتے۔ گوناگوں اِلزامات تراشتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وُہ اِس ناپاک مقصد میں توکبھی کامیاب نہیں ہوسکتے البتہ وُہ اپنے نامۂ اعمال کی سیاہی میں ضرُور اضافہ کر رہے ہیں اَور بے خبری میں اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں پھینک رہے ہیں و مایضلون کا معنی و مایھلکون ہے۔

۷۶ اِسلام کی صداقت و حقّانیت کے دلائل اِس قدر واضح اَور روشن ہیں گویا وُہ اِسلام کی صداقت کا اپنی ان آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں لیکن یُوں عیاں دیکھ لینے کے باوجُود بھی ان کا اِسلام کو قبول نہ کرنا کتنی عجیب بات ہے۔

۷۷ لبس کا معنی ڈھانپ دینا یا کسی چیز کو دُوسری چیز کے ساتھ خلط ملط کر دینا ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے کمالات و علامات جو ان کی آسمانی کتابوں کے صفحہ صفحہ پر ثبت تھے ان کو چھپا دیا کرتے یا اللہ تعالیٰ کے ان احکام میں تحریف کر دیا کرتے تھے۔ جن پر عمل کرنا ان کی طبعِ نازک پر گراں ہوتا۔

تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۱﴾ وَ قَالَتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اٰمِنُوۡا بِالَّذِیۡۤ

جانتے ہو کہا ایک گروہ نے ۷۸؎ اہلِ کتاب سے کہ ایمان لے آؤ اس (کتاب) پر

اُنۡزِلَ عَلَى الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَجۡهَ النَّهَارِ وَ اكۡفُرُوۡۤا اٰخِرَهٗ

جو اُتاری گئی ایمان والوں پر صبح کے وقت اور انکار کردو اس کا سرِشام شاید (اس طرح) وُہ

لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۷۲﴾ وَ لَا تُؤۡمِنُوۡۤا اِلَّا لِمَنۡ تَبِعَ دِیۡنَكُمۡ ؕ قُلۡ

(اسلام سے) برگشتہ ہوجائیں (ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں) ۷۹؎ کہ مت مانو کسی کی بات سوائے اُن لوگوں کے جو پیروی کرتے ہیں تمھارے دین کی فرمائیے

۷۸؎ دلائل کے میدان میں شکست کھانے کے بعد یہود کے مذہبی رؤسا نے لوگوں کو دینِ حق سے برگشتہ کرنے کے لیے ایک گہری سازش سے کام لینا چاہا۔ اُنھوں نے سوچا کہ اور کوئی تدبیر کارگر ثابت نہیں ہوتی اب یُوں کریں کہ اپنے چند خاص چیلے مسلمانوں کے پاس بھیجیں جو وہاں جاکر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیں۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد وُہ مُرتد ہوجائیں اور اس کا خوب چرچا کریں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ہمیں اسلام اور پیغمبرِ اسلام کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا ہے۔ اور ان کے ایسے عیوب اور کوتاہیاں ہم پر آشکارا ہوتی ہیں کہ ہم اس دین کو ترک کرنے پر مجبور ہوگئے۔ جس کو ہم نے کچھ عرصہ پہلے بڑے شوق اور بڑی محبت سے قبول کیا تھا۔ اس کا اثر یہ ہوگا۔ کہ وُہ لوگ جو آج دھڑا دھڑ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں ٹھٹک کر رہ جائیں گے۔ اور وُہ ایک بار پھر یہ سوچنے لگیں گے کہ جس دین کو اس کے ماننے والے ایک ایک کرکے چھوڑ رہے ہیں وُہ سچا دین نہیں۔ یہود کی یہ سازش بڑی خطرناک تھی۔ اور نفسیاتی طور پر اس کا بڑا بُرا نتیجہ نکلتا۔ لیکن دانا و بینا خدا نے اُن کے اس دامِ ہمرنگِ زمین کو پہلے ہی نمایاں کرکے مسلمانوں کو ہُشیار کر دیا اور اِس طرح یہود کی یہ گہری چال ناکام ہوکر رہ گئی۔

۷۹؎ مفسّرینِ کرام نے اِس آیت کو مشکل ترین آیت شمار کیا ہے۔ اور اس میں جو متعدّد جُملے ہیں ان کے باہمی تعلق پر بڑی طویل بحثیں کی ہیں لیکن خدا رحم فرمائے امام ابُو عبداللہ القرطبی پر جنھوں نے اِس آیت کو بالکل آسان بنا دیا ہے۔ فرماتے ہیں اِس آیت میں قل ان الھدی ھدی اللہ جملہ معترضہ ہے اور دُوسرے سب جملوں کا تعلق لا تؤمنوا سے ہے اِس صُورت میں اس کا مفہوم یُوں ہوگا:۔

المعنی ولا تؤمنوا الا لمن تبع دینکم ولا تؤمنوا ان یؤتی احد مثل ما اوتیتم ولا تصدقوا ان یحاجوکم (تفسیر قرطبی)

یعنی رؤسا یہود اپنے ان چیلوں کو جنھیں اُنھوں نے اِس سازش کے لیے تیار کیا تھا یہ تین باتیں بڑی مہارت سے ذہن نشین کراتے تھے۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ اپنے دین کے ماننے والوں کے بغیر کِسی کی بات مت ماننا۔ دُوسرا یہ یقین کرنا کہ جن اِنعاماتِ خُداوندی سے تمھیں سرفراز کیا گیا ہے وُہ کِسی دُوسری قوم کو مرحمت نہیں کیے گئے۔ تیسرا یہ کہ بالکل مطمئن رہو۔ قیامت کے دن بھی تم پر کوئی حجّت قائم کرکے تمھیں شرمسار نہ کرسکے گا۔ یہ باتیں ان کے ذہن نشین کرنے کے بعد ان کو اس خطرناک سازش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا اہم فریضہ سونپا جاتا۔

إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَى اللَّهِ أَن يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيتُمْ

ہدایت تو وُہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہو (اور یہ بھی نہ ماننا کہ) دیا جا سکتا ہے کسی کو جیسے تمھیں دیا گیا

أَوْ يُحَاجُّوكُمْ عِندَ رَبِّكُمْ ۗ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ

یا کوئی حجت لا سکتا ہے تم پر تمھارے رب کے پاس (اے حبیب!) فرما دیجئے کہ فضل (وکرم) تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے دیتا ہے

مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ ۗ

جسے چاہتا ہے ۸۰؎ اور اللہ تعالیٰ وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے

وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾ وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ

اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے اور اہل کتاب سے بعض ایسے (دیانتدار) ہیں کہ اگر تُو

علم نفسیات کے ماہران کی وُسعتِ نظر کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہود کو یہ اندیشہ تھا اور وُہ بے جا بھی نہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بھی اُن کے پاس جا کر انھیں کے بن کر رہ جائیں جیسے اُن کا بارہا کا مشاہدہ تھا۔ اور دُوسروں کو اسلام سے برگشتہ کرتے کرتے کہیں اپنوں سے ہی ہاتھ نہ دھونے پڑیں۔ اِس اندیشہ کی پیش بندی اُنھوں نے بڑی سُوجھ بُوجھ سے کی۔ اور ان کے دِل و دماغ کو ایسے قالب میں ڈھالنے کی ماہرانہ سعی کی جس کے بعد اِس قسم کے خطرات کا اِمکان ہی ختم ہو جاتا ہے۔ پہلے ان کی مذہبی عصبیت کو ہوشیار کیا اور اُنھیں یہ نہ مانوں نہ مانوں کا سبق از بر کرا دیا۔ اس کے بعد ان کی قومی نخوت اور نسلی برتری کے اِحساس کو ہوا دی گئی کہ خُدا کی ساری مخلوق میں تمھیں اس کے پیارے اور لاڈلے ہو۔ جو اِنعامات تم پر کیے گئے ہیں کسی دُوسری قوم پر نہیں کیے گئے۔ اِس لیے جب تم تمام اقوامِ عالم سے افضل و اعلیٰ ہو تو تم کیوں کسی دُوسری قوم کی دعوت قبول کرو جو تم سے فروتر ہیں۔ اب بھی ایک گوشہ باقی تھا جس طرف سے اُن کی ہٹ دھرمی اور تعصّب پر یورش ہو سکتی تھی اور وُہ روزِ قیامت کی باز پُرس کا خوف۔ اس کو یہ کہہ کر محفوظ کر دیا کہ یقین مانو قیامت کے دن بھی تم ہی سُرخرو ہو گے اور کوئی ایسی بات نہیں جس کے باعث تمھیں قیامت کے دن شرمندہ ہونا پڑے۔ اِس طرح انھیں ذہنی اور رُوحانی طور پر بھی اِسلام کے خلاف اس گھناؤنے جُرم کے اِرتکاب کے لیے مُستعد کر دیا۔ علامہ قرطبی کی اِس تفسیر کے بعد آیت کا مفہوم اِتنا واضح ہے کہ ان پُر پیچ تاویلات کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔

۸۰؎ نبوّت کسی کی ذاتی جاگیر نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ وُہ حکیم و علیم جس کو اِس بارِ امانت کے اُٹھانے کا اہل دیکھتا ہے اس کو اس سے سرفراز فرماتا ہے۔ اس سے یہُود کے اِس دعوے کی تردید ہے کہ نبوّت اولادِ اسحٰق علیہ السّلام کی میراث ہے بنی اسمٰعیل سے کوئی نبی نہیں آسکتا۔

تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ

امانت رکھے اس کے پاس ایک ڈھیر (سونے چاندی کا) تو ادا کر دے اُسے تمہاری طرف اور ان میں سے بعض وُہ بھی ہیں کہ اگر تو امانت رکھے اس کے پاس ایک اشرفی

لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا

تو واپس نہ کرے گا اسے بھی تیری طرف مگر جب تک تو اس کے سر پر کھڑا رہے اس (بددیانتی) کی وجہ یہ ہے کہ وُہ کہتے ہیں

لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

کہ نہیں ہے ہم پر ان پڑھوں کے معاملہ میں کوئی گرفت ؁۸۱ اور یہ لوگ کہتے ہیں اللہ پر جھوٹ

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ

حالانکہ وُہ جانتے ہیں ہاں کیوں نہیں جس نے پُورا کیا اپنا وعدہ اور پرہیزگار بنا تو بے شک اللہ تعالےٰ

يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٧٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ

محبت کرتا ہے پرہیزگاروں سے بے شک جو لوگ ؁۸۲ خریدتے ہیں اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض

؁۸۱ سبیل کا معنی راستہ ہے۔ اور کبھی کبھی یہ حجّت اور دلیل کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ ویعبر به عن الحجة (مفردات) یہاں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہودی آپس میں جب لین دین، عہد و پیمان اور خرید و فروخت کرتے تو اس وقت احکامِ خداوندی پر کم و بیش عمل کرتے۔ لیکن اہلِ عرب خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ ان کا برتاؤ عجیب قسم کا تھا۔ ان سے خرید و فروخت کرتے وقت دھوکہ کرتے، وعدہ کر کے پھر جاتے۔ امانتوں میں خیانت سے باز نہ آتے۔ غرضیکہ ان کے ساتھ معاشرت میں اخلاق اور دین کے کسی ضابطہ کی پابندی نہ کرتے۔ اور اگر انھیں اس خیانت، عہد شکنی اور بد معاملگی پر ملامت کی جاتی تو بجائے نادم ہونے کے یہ جواب دیتے کہ ہمیں اپنی کتاب نے عرب کے ان بے علموں کے مال خُرد بُرد کرنے کی اجازت دی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کا یہ کہنا تورات اور حضرت کلیم پر بہتانِ عظیم ہے۔ خُداوندِ کریم تو انھیں لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو ہر کسی سے معاملہ کرتے وقت دیانتداری، ایفائے عہد اور سچ بولنے کے اصولوں پر کاربند رہیں۔ اس سے ہمیں بھی یہ سبق مل گیا کہ ہم جس کسی سے معاملہ کریں خواہ وُہ مسلمان ہو یا کافر، نیک ہو یا بد، اپنا ہو یا بیگانہ، اس سے دیانت داری اور راست بازی کا معاملہ کریں۔ کسی کا کفر یا فسق اس کے ساتھ فریب دھوکہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی وجہِ جواز نہیں۔

؁۸۲ کبیرہ گناہوں کی فہرست بہت طویل ہے لیکن ان میں سے عہد شکنی اور وعدہ خلافی پر جو سزا مقرر کی گئی ہے وُہ کسی دُوسرے گناہ

ثَمَنًا قَلِيلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ

تھوڑی سی قیمت یہ وُہ (بدنصیب) ہیں کہ کچھ حصّہ نہیں ان کے لیے آخرت میں اور بات تک نہ کرے گا ان سے

اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۪ وَلَهُمْ

اللہ تعالیٰ اور دیکھے گا بھی نہیں ان کی طرف قیامت کے روز اور نہ پاک کرے گا انھیں اور ان کے لیے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۷۷ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ

دردناک عذاب ہے اور بے شک ان میں ایک فریق وُہ ہے جو مروڑتے ہیں ۸۳؎ اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ

کے لیے تجویز نہیں کی گئی۔ عہد شکنی کے لیے پانچ سزاؤں کا یہاں ذکر ہے۔ (۱) وُہ آخرت کی نعمتوں سے یکسر محرُوم کر دیا جائے گا (۲) رحمٰن و رحیم خُدا اُس سے بات تک نہ فرمائے گا (۳) اُس کی نظر لُطف و رحمت سے بھی وُہ محرُوم رہے گا (۴) گناہ کی آلائشوں سے بھی اُسے پاک نہیں کیا جائے گا اور (۵) اس کے علاوہ اُسے دردناک عذاب دیا جائے گا۔

کوئی ہے ایسا دِل گُردے والا جو ان سزاؤں میں سے کسی ایک کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔ قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام ماننے والی قوم اگر اس پُرہیبت و پُرجلال آیت کے بعد بھی اپنے وعدہ کی پابند نہیں بنے گی تو کب بنے گی۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشادِ گرامی بھی سُن لیجئے:۔

آیۃ المنافق ثلاث وان صام وصلی وزعم انہ مسلم اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا اؤتمن خان۔

ترجمہ: منافق کی تین نشانیاں ہیں اگرچہ وُہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور اپنے آپ کو مُسلمان خیال کرے۔ جب وُہ بات کرے تو جھوٹ بولے۔ جب وعدہ کرے تو ایفاء نہ کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ آیت میں دو وعدوں کا ذکر ہے۔ ایک وُہ وعدہ جو بندہ اپنے رب کے ساتھ اس کی بندگی اور فرمانبرداری کے متعلق کرتا ہے اور دُوسرا وُہ جو لوگ آپس میں ایک دُوسرے کے ساتھ کرتے ہیں۔ دونوں کی خلاف ورزی پر یہ وعید ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص گناہ کے ارتکاب کی قسم اُٹھاتا ہے یعنی اس نے قسم اُٹھائی کہ وُہ نماز نہیں پڑھے گا یا شراب پیئے گا۔ یا ماں باپ کو اذیّت پہنچائے گا تو اُس وقت اُس قسم کا توڑنا لازمی ہو جاتا ہے۔ جیسے حدیث شریف میں ہے۔ کیونکہ اللہ کا نام پاک نیکی پر برانگیختہ کرنے کے لیے ہے نہ کہ بُرائی اور گناہ پر اُکسانے کے لیے۔

۸۳؎ یلوُون کا اصل لیٌّ ہے جس کا معنی ہے جھکانا مائل کرنا۔ کہا جاتا ہے لوی بیدہ اس نے اپنا ہاتھ جھکایا۔ لوی براسہ اس نے اپنا سر جھکایا۔ یعنی اُس کی اصلی اور فطری وضع میں تبدیلی کر دی۔ اِس لیے اب اس کا اِستعمال کسی کلام کے الفاظ یا اعراب میں ایسا ردّوبدل کر دینا جس سے اس کلام کا اصلی مفہُوم بدل جائے یا اس کی ایسی من گھڑت تشریح کرنا جس کا اس کلام سے دُور کا واسطہ بھی نہ ہو کے معنی میں ہونے لگا ہے لوی لسانہ بکذا کنایۃ عن الکذب وتخرص الحدیث (مفردات) عربی محاورہ میں جھوٹ

لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ

تاکہ تم خیال کرنے لگو (ان کی) اس (اُلٹ پھیر) کو بھی اصل کتاب سے حالانکہ وُہ کتاب سے نہیں ہے اور وُہ کہتے ہیں یہ بھی

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

اللہ کی طرف سے (اُترا) ہے حالانکہ وُہ نہیں ہے اللہ کے پاس سے اور وُہ کہتے ہیں اللہ پر

الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ

جھوٹ جان بوجھ کر نہیں ہے مناسب کسی انسان کے لیے کہ (جب) عطا فرما دے اسے اللہ تعالیٰ کتاب

وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ

اور حکومت اور نبوّت ۸۴؎ تو پھر وُہ کہنے لگے لوگوں سے کہ بن جاؤ میرے بندے اللہ کو

دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ

چھوڑ کر (وُہ تو یہ کہے گا کہ) بن جاؤ اللہ والے اس لیے کہ تم دُوسروں کو تعلیم دیتے رہتے تھے کتاب کی

بولنے اور من گھڑت بات بنانے کو "لوی لسانہ بکذا" کہتے ہیں۔ علّامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے والمعنی یحرفون الکلم ویعدلون بہ عن القصد یعنی علماء یہود کا یہ شیوہ تھا کہ تورات کی جن آیات میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ذکرِ پاک ہوتا یا تو ایسے لب ولہجہ سے انھیں پڑھتے کہ مطلب بگڑ جاتا یا الفاظ واعراب میں ردّ وبدل کر دیتے یا ان آیات کا غلط مطلب لوگوں کو بتایا کرتے۔ اس آیت میں ان کی اس مذمُوم حرکت کا بیان ہے۔

۸۴؎ یعنی جسے ان انعامات سے سرفراز کیا جاتا ہے وُہ کسی کو اپنی پرستش اور عبادت کی دعوت نہیں دے گا بلکہ وُہ تو سب کو یہی تلقین کرے گا کہ اللہ والے بن جاؤ۔ ربانیین جمع ہے ربّانی کی جو رب کی طرف منسُوب ہے اس نسبت کی وجہ سے اسے "ربّی" ہونا چاہیے لیکن بسا اوقات مبالغہ کے لیے الف نون کا اضافہ کر دیا کرتے ہیں مثلاً جس کی بڑی گھنی ڈاڑھی ہو اُسے باضافہ الف نون لحیانی اور جس کی گردن بہت فربہ ہو اُسے باضافہ الف نون رقبانی کہا جاتا ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی ہو گا بالکل اللہ والا۔ مبرد نے اس کا ایک دُوسرا ماخذ بتایا ہے۔ وُہ کہتے ہیں کہ یہ ربّان کی جمع ہے جو ربہ یربہ فھو ربان سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے تربیتِ نفوس، اصلاحِ احوال اور تدبیرِ امُور کرنے والا۔ اب ربانیون کا معنی ہو گا نوعِ انسانی کی صحیح تربیت اور ان کی اصلاح کرنے والے۔ یہاں عیسائیوں کو بتایا جا رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام تو نبی تھے۔ وُہ اپنے آپ کو خدا یا خدا کا فرزند کیونکر کہہ سکتے تھے۔

وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ

اور بوجہ اس کے کہ تم خود بھی اسے پڑھتے تھے ۸۵ اور وُہ (مقبول بندہ) نہیں حکم دے گا تمھیں اس بات کا کہ بنالو فرشتوں

وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨٠﴾

ع ۸ ۹ ۱۶

اور پیغمبروں کو خدا (تم خود سوچو) کیا وُہ حکم دے سکتا ہے تمھیں کفر کرنے کا بعد اس کے کہ تم مسلمان بن چکے ہو

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ

اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ ۸۶ کہ قسم ہے تمھیں اس کی جو دُوں میں تم کو کتاب اور حکمت سے

اُنھوں نے تو تمھیں محض اللہ والا بننے کی دعوت دی ہے۔

۸۵ مقصد یہ ہے کہ اے اہلِ کتاب تمھیں تو بطریقِ اولیٰ ربّانی بننا چاہیئے۔ کیونکہ تمھارے پاس تو رُشد و ہدایت کا آسمانی صحیفہ موجود ہے۔ جس کے معانی اور مطالب سے تم خوب واقف ہو۔ تم خود بھی اسے پڑھتے ہو اور دُوسروں کو بھی اس کا درس دیتے ہو اور اگر تم نے خود اُس سے ہدایت حاصل نہ کی اور توحید کی خالص نعمت سے محرُوم رہے تو پھر درس و تدریس کی ہنگامہ آرائیوں سے کیا حاصل ؟

۸۶ حضرت سیدنا علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک نبی سے یہ پختہ وعدہ لیا کہ اگر اس کی موجُودگی میں سرورِ عالم و عالمیاں محمد رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم تشریف فرما ہوں تو اُس نبی پر لازم ہے کہ وُہ حضور کی رسالت پر ایمان لاکر آپ کی اُمّت میں شمولیّت کا شرف حاصل کرے اور ہر طرح حضور کے دین کی تائید و نصرت کرے اور تمام انبیاء نے یہی عہد اپنی اپنی اُمتوں سے لیا۔ السیّد المحقق محمُود الالوسی صاحب رُوح المعانی تحریر فرماتے ہیں۔ ومن هنا ذهب العارفون الى انه صلى الله تعالى عليه وآله وسلم هو النبى المطلق والرسول الحقيقى والمشرع الاستقلالى وان من سواه من الانبياء عليهم الصلوٰة والسلام فى حكم التبعية له صلى الله عليه وسلم۔ یعنی اسی لیے عارفین نے فرمایا ہے کہ نبیِ مطلق رسولِ حقیقی اور مُستقل شریعت کے لانے والے حضور نبی کریم محمد رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور جملہ دیگر انبیاء حضور علیہ السّلام کے تابع ہیں (رُوح المعانی)

شبِ معراج تمام انبیاء کرام کا بیت المقدس میں مجتمع ہو کر حضور فخرِ کائنات کی امامت میں حضور کی شریعت کے مُطابق نماز ادا کرنا اسی بلند مرتبت عہد کی عملی توثیق تھی۔ اور امام الانبیاء والمرسلین کی عظمتِ شان اور جلالتِ قدر کا صحیح اندازہ قیامت کے روز ہو گا جب ساری مخلوقِ خدا خوفِ خُدا سے لرزہ براندام ہو گی اور مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء لواءِ حمد ہاتھ میں لیے مقامِ محمُود پر فائز ہوں گے۔ اللّٰهم صل على حبيبك وصفيك صاحب لواء الحمد والمقام المحمود وبارك وسلم واحشرنا

ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ

پھر تشریف لائے تمہارے پاس وُہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہو ان (کتابوں) کی جو تمہارے پاس ہیں تو تم ضرور ضرور ایمان لانا اس پر

قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ

اور ضرور ضرور مدد کرنا اس کی (اس کے بعد) فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اُٹھا لیا تم نے اس پر میرا بھاری ذمہ؟ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا

قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى

(اللہ نے) فرمایا تو گواہ رہنا اور میں (بھی) تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں پھر جو کوئی پھرے اس

بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ

(پختہ عہد) کے بعد تو وُہی لوگ فاسق ہیں کیا اللہ کے دین کے سوا (کوئی اور دین) تلاش

وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ

کرتے ہیں ۸۷ حالانکہ اسی کے حضور سر جھکا دیا ہے ہر چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے خوشی سے یا مجبوری سے اور اسی کی طرف وُہ

يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ

(سب) لوٹائے جائیں گے آپ فرمائیے ہم ایمان لائے اللہ پر ۸۸ اور اُس پر جو اتارا گیا ہم پر اور جو اُتارا گیا

فی زمرته وتحت لوائه وارزقنا شفاعته وادخلنا معه فی الجنة انك سميع الدعاء۔

۸۷ے جس مالکِ ارض وسما کے حکم کے سامنے کائنات کی ہر چیز سر افگندہ ہے۔ خوشی یا ناخوشی سے، شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کے ہر تکوینی فرمان کی تعمیل کر رہی ہے۔ اور جس کی طرف ہر چیز پلٹ کر جانے والی ہے کیا اس قادر و توانا خدا کے دین کے بغیر وُہ کسی اور دین، کسی دُوسرے ضابطۂ حیات کے متلاشی ہیں۔ وہ کتنے غلط کار ہیں اور فریبِ نفس کے کتنے مُہلک مرض میں وُہ مبتلا ہیں۔

۸۸ے اپنے حبیبِ مکرّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی زبان پاک سے اس حقیقتِ عظمیٰ کا پھر اعلان کروایا جا رہا ہے کہ دینِ الٰہی اسلام ہی ہے۔ سب انبیاء و رُسل اپنے اپنے زمانہ میں اسی کی تبلیغ فرماتے رہے اور میں بھی اسی دین کا داعی اور مبلّغ بن کر آیا ہوں۔ اس لیے وُہ تمام مقدس ہستیاں جن کو بارگاہِ الٰہی سے نبوّت کا شرف بخشا گیا اور ان پر جو کتابیں نازل ہوئیں ہیں اور میرے ماننے

عَلٰٓى اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ

ابراہیم ، اسمٰعیل ، اسحٰق ، یعقوب اور ان کے بیٹوں پر

وَ مَاۤ اُوْتِیَ مُوْسٰى وَ عِیْسٰى وَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ۪ لَا نُفَرِّقُ

اور جو کچھ دیا گیا مُوسیٰ ، عیسیٰ اور (دُوسرے) انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے نہیں فرق کرتے ہم

بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ٘ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ(۸۴) وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ

کسی کے درمیان ان میں سے اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں اور جو تلاش کرے گا

الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ٘ۚ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ

اسلام کے بغیر کوئی (اور) دین تو وُہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اس سے ۸۹ اور وُہ قیامت کو زیاں کاروں

الْخٰسِرِیْنَ(۸۵) كَیْفَ یَهْدِی اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ

میں سے ہوگا کیسے ہوسکتا ہے کہ ہدایت دے اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو جنھوں نے کفر اختیار کر لیا ایمان لے آنے کے بعد ۹۰

والے اُن سب کی صداقت کو تسلیم کرتے ہیں۔ ہمارا یہ شیوہ نہیں کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں۔ یہ ہے دینِ محمّدی کی وُہ وُسعت اور گیرائی جو ہر حق کو اپنے دامن میں سمیٹے ہُوتے ہے۔ جہاں کسی قومی، وطنی اور نسلی عصبیّت کی گنجائش نہیں۔ اس دینِ قیّم کی رُوح تمام اُن عناصر سے پاک ہے جو انسان کو انسان سے ملنے نہیں دیتے۔ یہ کسی خاندان یا نسل کے خُدا کا دین نہیں بلکہ ربّ العلمین کا دین ہے۔ اور اس کا داعی صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو جمع کرنے کے لیے بھیجا نہیں گیا بلکہ وُہ رحمت للعلمین ہے جو سارے عالمِ انسانیّت کی شیرازہ بندی کے لیے مطلع وجُود پر جلوہ نما ہوا۔ اس لیے صرف یہی دین انسانی اتحاد کے لیے اساسِ محکم ثابت ہوسکتا ہے۔

۸۹ دینِ اسلام جو سب انبیاء کا دین ہے اور جس کو لے کر اب حضرت محمد رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم تشریف لائے ہیں اب اگر کوئی شخص اس دین کو قبول نہیں کرتا اور کسی اور دین کی پیروی کرتا ہے تو اس کا وُہ دین اللہ تعالیٰ کی جناب میں مردُود ہے۔

۹۰ وُہ گمراہ جو جہالت کی وجہ سے قبولِ حق سے انکار کرتے ہیں ان کے ہدایت پانے کی توقع ہوسکتی ہے کہ جب جہالت کا پردہ اُٹھ جائے گا اور حقیقت کا روشن چہرہ انھیں دکھائی دے گا تو وُہ اسے پہچان کر پروانہ وار اس پر قربان ہونے لگیں گے لیکن جو حق کو پہچانتے ہیں اور اپنی خاص محفلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی رسالت کو تسلیم بھی کرتے ہیں۔ اور پھر دُشمنی پر کمر بستہ ہیں ان کے

وَ شَهِدُوْۤا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ ؕ وَ اللّٰهُ لَا

اور وُہ (پہلے خود) گواہی دے چکے تھے کہ رسول سچّا ہے اور آ چکی تھیں ان کے پاس کھلی نشانیاں اور اللہ تعالے

یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓىِٕكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَیْهِمْ

ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو ایسوں کی سزا یہ ہے ۹۱ کہ اُن پر

لَعْنَةَ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ

پھٹکار پڑتی رہے اللہ کی فرشتوں کی اور سب انسانوں کی ہمیشہ رہیں اسی پھٹکار میں

لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا

نہ ہلکا کیا جائے گا اُن سے عذاب اور نہ اُنھیں مہلت دی جائے گی مگر وُہ لوگ جنھوں نے (سچے دل سے) توبہ

مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ۫ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ

کرلی اس کے بعد ۹۲ اور اپنی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے (انھیں بخش دے گا) یقیناً

الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ

وُہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا ایمان لانے کے بعد پھر بڑھتے چلے گئے کفر میں ہرگز نہ قبول کی جائے گی

تَوْبَتُهُمْ ۚ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ

ان کی توبہ اور یہی لوگ ہیں جو گمراہ ہیں جن لوگوں نے کفر کیا اور مر گئے کفر ہی

راہ پانے کی توقّع عبث ہے۔

۹۱ یعنی وُہ بدنصیب جنھوں نے اپنی فطرتِ سلیمہ کو بگاڑ دیا اور خداداد صلاحیّتوں کو مسخ کر دیا۔

۹۲ اسلام نے رحمتِ الٰہی سے مایوس ہو جانے کی سخت مذمّت کی ہے۔ اور سب گمراہوں کو واضح طور پر بتا دیا ہے کہ جب وُہ سچے دل سے اپنے گناہوں پر نادم ہوں تو آئیں اور اس کے درِ رحمت پر دستک دیں۔ اُن کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور اُنھیں ایک اور زرّیں موقع مل جائے گا کہ وُہ ایک پاکیزہ زندگی کا از سرِ نو آغاز کر سکیں۔

هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّ لَوِ

کی حالت میں ۹۳ تو ہرگز نہ قبول کیا جائے گا ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا اگرچہ وہ (اپنی نجات کیلیے)

افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾

عوضانہ دے اتنا سونا ایسے لوگوں کے لیے عذاب ہے دردناک اور نہیں ہے ان کا کوئی مددگار

۹۳ البتہ وہ لوگ جو زندگی بھر کفر وطغیان کے راستہ پر گامزن رہے اور باز آنے اور نادم ہونے کے لیے جو مہلت انھیں دی گئی تھی اُس سے اُنھوں نے فائدہ نہیں اُٹھایا۔ یہاں تک کہ موت کے جھونکے نے اُن کی زندگی کا چراغ گُل کر دیا۔ اُن کی بخشش کی کوئی صورت نہیں۔ اگر وہ بے اندازہ سونا بھی فدیہ کے طور ادا کرنا چاہیں گے تو رد کر دیا جائے گا۔ اور کوئی ان کی شفاعت بھی نہ کرے گا کیونکہ شفاعت گنہگار مومن کے لیے ہوا کرتی ہے اور کافر اور مشرک شفاعت کا مستحق نہیں ہوا کرتا۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا

ہرگز نہ پا سکو گے تم ۹۴ کامل نیکی (کا رُتبہ) جب تک نہ خرچ کرو (راہِ خُدا میں) اُن چیزوں سے جن کو تم عزیز رکھتے ہو اور جو کچھ تم خرچ کرتے

مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۝۹۲ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا

ہو ۹۵ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُسے جانتا ہے سب کھانے کی چیزیں ۹۶ حلال تھیں

لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ

بنی اسرائیل کے لیے مگر وُہ جسے حرام کیا اسرائیل نے اپنے آپ پر اس

۹۴ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں۔ لن تبلغوا حقیقۃ البر الذی ھو کمال الخیر یعنی اپنی محبوب اور عزیز چیزوں کو راہِ خدا میں خرچ کیے بغیر تم نیکی کی حقیقت تک جو خیر و احسان کا درجۂ کمال ہے رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ البرّ سے مُراد برّ اللہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت کے مستحق نہیں بن سکتے۔ محبوب اشیاء میں مال و متاع، جسم و جان اور جاہ و منصب سب داخل ہیں۔ ان میں سے جو پیاری چیز ہو اُسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے سے ہی نیکی میں درجۂ کمال حاصل ہو سکتا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابو طلحہؓ حاضر ہوئے اور عرض کی اے اللہ کے پیارے رسُول! مجھے سب سے زیادہ عزیز اپنا باغ بیرحاء ہے فضعھا حیث اراك اللہ۔ حضور جہاں مناسب خیال فرماتے ہیں اسے خرچ فرمائیے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے بڑی خوشنودی کا اظہار فرمایا اور حکم دیا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو دے دو۔ ایسی متعدّد مثالیں احادیث میں موجود ہیں۔

۹۵ نیکی میں درجۂ کمال تو ملے گا عزیز ترین چیز خرچ کرنے سے۔ لیکن اگر اس کے علاوہ اس سے کم تر کوئی چیز خرچ کرو گے تو بھی اکارت نہیں جائے گی بلکہ اس کے مناسب تمھیں اس کا معاوضہ دیا جائے گا۔ نیز اس آیت کے پہلے حصّہ میں راہِ خُدا میں اچھی اور پسندیدہ چیز دینے کا ذکر فرمایا۔ پچھلے حصّہ میں اخلاص نیت کی طرف توجّہ دلائی یعنی اللہ تعالیٰ تمھاری نیتّوں کو جاننے والا ہے۔ اگر تم نے ریا اور نمود کے لیے خرچ کیا تو وُہ اکارت جائے گا۔

۹۶ یہود نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم پر ایک اور اعتراض کرنا شروع کیا کہ آپ دعویٰ تو کرتے ہیں ملّتِ ابراہیمی کا حالانکہ اُونٹ کا گوشت اور دُودھ جو شریعتِ ابراہیمی میں حرام تھا اسے آپ حلال جانتے ہیں۔ اس آیت میں ان کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ تمھارا یہ کہنا غلط ہے کہ یہ چیزیں شریعتِ ابراہیمی میں حرام تھیں۔ نہیں بلکہ انھیں تو حضرت اسرائیل (یعقوب علیہ السّلام) نے بعض طبیبوں کے مشورہ سے استعمال کرنا ترک کیا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت یعقوب کو عرق النساء کی تکلیف تھی۔ اس لیے بطور پرہیز اُنھوں نے اُونٹ کا گوشت اور دُودھ چھوڑ دیا تھا۔ اگر تم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے تو تورات لے آؤ۔ اس سے حقیقتِ حال روشن ہو جائے گی لیکن اُنھیں ہمت نہ ہوئی کہ کتاب لاتے۔

قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ

سے پہلے کہ نازل کی گئی تورات آپ فرماؤ لاؤ تورات پھر پڑھو اسے اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ

تم سچے ہو پس جو بہتان لگاتا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اس کے

ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا

بعد تو وُہی ظالم ہیں آپ کہہ دیجئے سچ فرمایا ہے اللہ نے ۹۷ پس پیروی کرو

مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ

تم ملتِ ابراہیم کی جو ہر باطل سے الگ تھلگ تھے اور (بالکل) نہ تھے وُہ شرک کرنے والوں سے بے شک

اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى

پہلا (عبادت) خانہ ۹۸ جو بنایا گیا لوگوں کے لیے وہی ہے جو مکّہ میں ہے ۹۹ بڑا بابرکت ۱۰۰ اور ہدایت (کا سرچشمہ) ہے

۹۷ یعنی اللہ کا فرمان سچا ہے۔ تمہاری تحریف کا سکّہ نہیں چل سکتا۔

۹۸ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے دریافت کیا کہ زمین پر سب سے پہلے کونسی مسجد بنائی گئی تو حضورؐ نے فرمایا مسجدِ حرام۔ میں نے عرض کی اس کے بعد، تو فرمایا مسجدِ اقصیٰ۔ میں نے پھر پُوچھا ان دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنا عرصہ تھا۔ تو فرمایا چالیس سال۔ اِس سے معلوم ہُوا کہ مسجدِ حرام کے پہلے معمار حضرت آدم اور مسجدِ اقصیٰ کے پہلے معمار آپ کے کوئی فرزند تھے۔ طوفانِ نوح کے بعد جب یہ عمارت منہدم ہوگئی تو حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کی اور حضرت سلیمان علیہ السّلام نے مسجدِ اقصیٰ کی۔ بیت سے مُراد مطلق گھر نہیں بلکہ خانۂ عبادت ہے۔

۹۹ بعض علماء نے لکھا ہے کہ مکّہ میں ایک لُغت بکہ بھی آئی ہے۔ مجاہد نے کہا کہ مکّہ اور بکہ ایک شہر کے ہی دو نام ہیں۔ امام مالکؒ نے فرمایا خانہ کعبہ کی جگہ کو بکہ اور سارے شہر کو مکہ کہتے ہیں۔ محمّد ابن شہاب سے مروی ہے کہ صرف خانہ کعبہ کو نہیں بلکہ ساری مسجدِ حرام کو بکہ کہا جاتا ہے اور دُوسرے سارے شہر کو مکّہ۔

۱۰۰ اس کی برکتوں کا کیا کہنا۔ اس میں ایک نماز پڑھی جائے تو لاکھ نماز کا ثواب ملتا ہے۔ ایک ختم قرآن کیا جائے تو لاکھ ختم کا

لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ

سب لوگوں جہانوں کے لیے اس میں روشن نشانیاں ہیں (ان میں سے ایک) مقامِ ابراہیم ہے اور جو بھی داخل ہوا اس میں ہو جاتا

كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ

ہے (ہر خطرہ سے) محفوظ اور اللہ کے لیے فرض ہے لوگوں پر حج اس گھر کا ۱۰۳ جو طاقت رکھتا ہو وہاں

اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۷﴾

تک پہنچنے کی اور جو شخص (اس کے باوجود) انکار کرے تو بے شک اللہ بے نیاز ہے سارے جہان سے

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِیْدٌ

آپ فرمائیے اے اہلِ کتاب! کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا ۱۰۴ اور اللہ دیکھ رہا ہے

ثواب ملتا ہے۔ نیز اس کا حج اور عمرہ کرنے والوں، اس کے گرد طواف کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جو بارش برستی ہے اس کا کوئی کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔

۱۰۱؎ کیونکہ یہ اُس نبی کا کعبہ ہے جو رحمۃ للعٰلمین ہے۔ اس لیے اس کا کعبہ بھی سارے جہان کا قبلہ سارے عالمِ بشریت کی عبادت گاہ ہے اور اس سے جو پیغام دُنیا کو سُنایا گیا اس میں سب کے لیے رُشد و ہدایت کی روشنی ہے۔

۱۰۲؎ کعبہ کے بیت اللہ ہونے کی روشن نشانیاں ہیں۔ مثلاً آج تک جس ظالم نے اس گھر کی توہین کرنے کا قصد کیا قہرِ الٰہی نے اُسے نیست و نابود کر دیا۔ چند سال پیشتر ابرہہ کا جو ہولناک انجام ہوا تھا وُہ عرب کے بچّہ بچّہ کو معلوم تھا۔ دورِ جہالت میں جب ہر طرف کشت و خون کا بازار گرم تھا اور کسی کو کہیں گوشۂ عافیت میسّر نہیں تھا اُس وقت بھی حرمِ کعبہ کی حدُود میں جو داخل ہو جاتا ہر قسم کی بالادستی اور گرفت سے محفوظ ہو جاتا۔ ایک اور نشانی وُہ مقدس پتھر تھا جس پر معمارِ حرم ابراہیم علیہ السّلام کے نقوش پا ثبت تھے۔

۱۰۳؎ حج کی فرضیت کے متعلق سُورۂ بقرہ میں حاشیہ گزر چکا ہے۔ استطاعتِ سبیل سے مُراد یہ ہے کہ زادِ سفر بھی ہو، راہ بھی پُر امن ہو اور صحت سفر کی مشقتیں بھی برداشت کر سکتی ہو۔

۱۰۴؎ آیات سے مُراد وُہ عقلی اور نقلی دلائل ہیں جن سے اسلام کی حقانیت اور حضور رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی صداقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکی تھی (بیضاوی) اس میں حضورؐ کے معجزات، قرآنِ حکیم، خُلقِ عظیم اور شریعتِ اسلامیہ کی پاکیزگی اور برتری اور ان کے علاوہ تورات و انجیل کی کھلی تصریحات سب داخل ہیں۔ ازراہِ تعجّب اہلِ کتاب سے استفسار کیا جا رہا ہے کہ کیا تمھیں یہ زیب دیتا ہے کہ تم ان روشن دلائل کو جانتے پہچانتے ہُوئے ان کا انکار کر دو۔ تم اپنی تحریف اور عیّاری سے چند لوگوں کو تو فریب دے

عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ

جو کچھ تم کرتے ہو آپ فرمائیے اے اہل کتاب ! تم کیوں روکتے ہو ۱۰۵ اللہ

سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَ

کی راہ سے اُسے جو ایمان لا چکا۔ تم چاہتے ہو کہ اس راہ (راست) کو ٹیڑھا بنا دو حالانکہ تم خود (اس کی راستی کے)

مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا

گواہ ہو ۱۰۶ اور نہیں ہے اللہ بے خبر ان (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو اے ایمان والو! ۱۰۷ اگر تم کہا مانو گے

سکتے ہو۔ لیکن دانا و بینا خدا کو کیا جواب دو گے۔ وُہ تو تمہارے ظاہر و باطن کو یکساں دیکھ رہا ہے۔

۱۰۵ اہل کتاب نہ صرف یہ کہ خود اسلام قبول کرنے سے مُنہ موڑے ہُوئے تھے بلکہ دُوسروں کو بھی اِس دینِ حق سے برگشتہ کرنے کے لیے سارے پاپڑ بیلا کرتے تھے۔ ان کی اِس مذموم اور ذلیل حرکت پر ملامت کرنے کے لیے ان کو دوبارہ خطاب کیا جا رہا ہے۔ تبغونها عوجا میں ھا ضمیر کا مرجع سبیل ہے۔ آیت کے ان الفاظ سے یہ بتایا جا رہا ہے کہ وُہ لوگوں کو کیونکر اسلام سے متنفر کیا کرتے تھے یعنی یا تو وُہ اس راہِ حق میں طرح طرح کے عیُوب نکال لیتے یا اس کو اِس طرح لوگوں کے سامنے پیش کرتے کہ سُننے والا یہ گمان کرنے لگتا کہ یہ شاہراہِ ہدایت نہیں بلکہ گمراہی کا راستہ ہے۔

۱۰۶ شہداء کا ایک معنی تو یہ ہے کہ اسلام کی حقانیت اور حضور سرورِ عالم کی صداقت کے تم خود گواہ ہو۔ لیکن علامہ قرطبیؒ نے شہداء کا معنی عقلاء بھی کیا ہے یعنی تم تو بڑے دانشمند ہو۔ بھلا کوئی تمہارے جیسا زیرک و دانا بھی ایسی حرکتیں کر سکتا ہے جن کا انجام دُنیا میں ذِلّت اور آخرت میں رُسوائی و شرمساری ہو۔

۱۰۷ یثرب کے دو قبیلوں اوس اور خزرج میں عرصۂ قدیم سے دُشمنی چلی آتی تھی۔ بارہا یہ ایک دُوسرے سے جنگ کر چکے تھے جن میں وُہ ایک دُوسرے کو بڑی بے دردی سے قتل کیا کرتے تھے۔ حضور سراپا نور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب یثرب کی سرزمین کو اپنے مُبارک قدموں سے نوازا تو حضورؐ کی تعلیم کی برکت سے ان کی دیرینہ عداوت اور خاندانی دُشمنی اخوّت و محبّت میں بدل گئی۔ وُہ چاک جن کے رفو ہونے کا امکان نہ تھا۔ وُہ گہرے زخم جن کے مندمل ہونے کی کوئی صُورت نہ تھی حضورؐ کی محبت کی اکسیر نے ان سب کا درماں کر دیا۔ اوس وخزرج کی باہمی مصالحت اور دوستی یہود کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ ایک روز شاس بن قیس یہودی کا گزر ایک ایسی مجلس پر ہوا جس میں اوس وخزرج محبّت و پیار کے جذبات سے سرشار ہو کر مصرُوفِ گفتگو تھے۔ وُہ تو جل بھُن کر رہ گیا۔ اس کی انگیخت پر ایک دُوسرا یہودی اس مجلس میں گیا اور ایسے اشعار پڑھنے شروع کر دیئے جن میں ان کی پُرانی جنگوں کا ذکر تھا۔ اس کی یہ چال کامیاب ثابت ہُوئی اور اوس وخزرج میں تُرش کلامی شروع ہو گئی جس نے بڑھتے بڑھتے

فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ

ایک گروہ کا اہل کتاب سے (تو نتیجہ یہ ہوگا کہ) لوٹا کر چھوڑیں گے تمھیں تمھارے ایمان قبول کرنے کے بعد

كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَ

کافروں میں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم (اب پھر) کفر کرنے لگو حالانکہ تم وہ ہو کہ پڑھی جاتی ہیں تم پر اللہ کی آیتیں اور

فِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ

تم میں اللہ کا رسول بھی تشریف فرما ہے اور جو مضبوطی سے پکڑتا ہے اللہ (کے دامن) کو تو ضرور پہنچایا جاتا ہے اُسے سیدھی

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا

راہ تک اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے جیسے حق ہے اُس سے ڈرنے کا ۸۰ اور (خبردار)

جنگ کی شکل اختیار کرلی۔ تلواریں سونت لی گئیں۔ نیزے سنبھال لیے گئے اور صفیں درست کرلی گئیں۔ اسی اثنا میں اس کی اطلاع نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو پہنچی۔ حضور اپنے صحابہ کی معیت میں اس مقام پر پہنچے اور خود دونوں صفوں کے درمیان کھڑے ہوگئے۔ اور فرمایا۔ اے اوس و خزرج تمھیں کیا ہوگیا۔ میری موجودگی میں تم عہدِ جاہلیت کی رسم کو تازہ کر رہے ہو۔ وہ عداوت اور دشمنی جس کے شعلوں کو اسلام کے ابرِ رحمت نے بجھا دیا۔ کیا تم پھر اُنھیں بھڑکانا چاہتے ہو۔ یہ شیطان کی وسوسہ اندازی ہے اور تمھارے دشمن کی سازش ہے۔ حضور کا یہ فرمان سن کر ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ یکدم اُنھوں نے ہتھیار زمین پر پھینک دیئے اور وہ آنکھیں جن سے ایک لمحہ پہلے غصہ و غضب کے انگارے برس رہے تھے اب اشکبار تھیں۔ اور وہ دوڑ دوڑ کر ایک دوسرے کو گلے لگا رہے تھے۔ اس موقع پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ اس آیت میں وہ ابدی حقیقت پیش کی گئی ہے جس پر زمانہ کی ہر کروٹ نے مہرِ تصدیق ثبت کی ہے۔ اُنیسویں صدی پر ہی نگاہ ڈالیئے۔ برّ اعظم پاک و ہند میں ملّتِ اسلامیہ پر کیا گزری۔ یورپ کے عیسائیوں نے مسلمان حکمرانوں کو کس طرح ایک دوسرے کے خلاف اُکسا کر اسلامی مملکت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ مشرقِ اوسط کے مسلمان فرمانرواؤں نے کس کی انگیخت پر خلافتِ عثمانیہ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ اور کس طرح اپنے وقار کا جنازہ نکالا۔ مسلمانوں نے جب بھی اغیار پر یوں اندھا اعتماد کیا انھیں ان روح فرسا حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ اسلام نے کسی کے ساتھ کارِ خیر میں تعاون سے منع نہیں کیا۔ لیکن اس نے دوسروں سے فریب اور دھوکا کھانے سے ضرور روکا ہے۔

۸۰ ان کلمات کی تفسیر حضرت ابن مسعودؓ نے رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بایں الفاظ نقل کی ہے ان یطاع فلا یعصی وان یذکر فلا ینسی وان یشکر فلا یکفر یعنی اللہ تعالیٰ کی ایسی اطاعت کی جائے کہ اس میں نافرمانی کا شائبہ نہ ہو

تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا

نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو ۱۰۹ اور مضبوطی سے پکڑ لو اللہ کی رسی ۱۱۰ سب مل کر

وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً

اور جدا جدا نہ ہونا ۱۱۱ اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت (جو اس نے تم پر فرمائی جب کہ تم تھے (آپس میں) دشمن

اُس کو ایسا یاد کیا جائے کہ غفلت طاری نہ ہو۔ اور اس کا یُوں شکریہ ادا کیا جائے کہ اس میں ناشکری کی آمیزش نہ ہو۔ دُوسری آیت نے اِس آیت کو بالکل واضح کر دیا فاتقوا اللہ ما استطعتم کہ تم اپنی طرف سے تقویٰ کا حق ادا کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھو۔

۱۰۹ تمہیں موت آئے تو اس حال میں آئے کہ تم اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جُھکائے ہُوئے ہو۔ اور کیونکہ موت کا مقررہ وقت ہمیں معلوم نہیں اس لیے ہمیں ہر لمحہ اس کے لیے مستعد رہنا چاہیئے۔ کسی لمحہ میں بھی نافرمانی کی جرأت نہ کی جائے مبادا ہماری موت کے لیے یہی لمحہ مقرر ہو۔

۱۱۰ حبل کا لغوی معنی ہے السبب الذی یوصل بہ الی البغیۃ (القرطبی) یعنی وُہ چیز جو مقصد تک پہنچنے کا سبب ہو لیکن اس کا استعمال مختلف معنوں میں ہوتا ہے۔ وُہ پٹھہ جو گردن کو کندھوں سے ملاتا ہے اسے بھی حبل کہتے ہیں۔ والحبل الرسن والحبل العہد۔ حبل کا معنی رسی بھی ہے اور عہد بھی۔ حضرات سیّدنا علیؓ و ابن مسعودؓ و ابوسعید الخدری ؓ نے رسُولِ کریم علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیم سے روایت فرمائی ہے حبل اللہ القرآن۔ اللہ کی رسی سے مُراد قرآن ہے۔ اسلاف سے حبل اللہ کی تفسیر میں جو متعدد اقوال منقول ہیں ان میں تضاد نہیں بلکہ وُہ ایک دُوسرے کے مؤیّد اور موافق ہیں۔

۱۱۱ زندگی کی اس رزم گاہ میں جہاں شکست و ریخت، تعمیر و تخریب اور فنا و بقاء کا ایک نہ ختم ہونے والا چکر چل رہا ہے کوئی قوم عزّت و وقار سے زندہ و سلامت نہیں رہ سکتی جب تک اس کے افراد میں اتفاق و اتحاد نہ ہو۔ اور کوئی اتحاد پائندہ و پائدار نہیں ہو سکتا جب تک محکم اور حقیقی بنیادوں پر اس کی عمارت نہ تعمیر کی گئی ہو۔ اُمّتِ مُسلمہ جو کہ دولتِ رُشد و ہدایت کی امین اور رحمتِ خداوندی کی قاسم بنا کر بھیجی گئی ہے۔ جسے ہر باطل سے ٹکرانا ہے اور ٹکرا کر اُسے پاش پاش کرنا ہے۔ جسے قلب و نظر کے سارے صنم کدے مسمار کرنے ہیں۔ جسے ہر دِل کو بیت اللہ اور ہر نگاہ کو اُس کا شناسا بنانا ہے۔ اس قوم کے لیے ضروری ہے کہ اپنے لیے نہ سہی اپنے بلند اور پاکیزہ مقاصد کے لیے زندہ رہے اور عزّت و وقار سے زندہ رہے تاکہ اُس کی آواز سُنی جائے اور مانی جائے۔ اور یہ اس کے بغیر ممکن نہیں کہ اس کے افراد میں اتحاد و اتفاق ہو۔ اور وُہ اتحاد و اتفاق سطحی نہ ہو جسے کوئی تند و تیز لہر بہا کر لے جا سکے بلکہ حقیقی اور پائدار ہو۔ اِس لیے اِس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مُسلمانوں کو متحد ہونے کا بھی حکم دیا اور ان کے لیے وُہ مستحکم بنیاد مقرر فرمائی جس سے محکم تر کوئی اور بنیاد نہیں ہو سکتی۔ وُہ قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم پر عمل کرنے کے لیے اس کا صحیح سمجھنا ضروری ہے۔ اور اس کی صحیح سمجھ اس ذاتِ اقدس و اطہر کے بیان اور تفسیر کے بغیر ناممکن ہے جسے قرآن نازل

فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ

پس اُس نے اُلفت پیدا کر دی تمھارے دلوں میں تو بن گئے تم اس کے احسان سے بھائی بھائی ۱۱۲ اور تم (کھڑے) تھے

کرنے والے خُدا نے بھیجا ہی قرآن کو صحیح صحیح سمجھانے کے لیے تھا۔ علامہ قرطبی نے فرمایا اور خوب فرمایا۔ امرنا اللہ تعالے بالاجتماع علی الاعتصام بالکتاب والسنۃ اعتقادا وعملا وذلک سبب اتفاق الکلمۃ وانتظام الشتات الذی یتم بہ مصالح الدنیا والدین یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اعتقاداً اور عملاً کتاب وسنّت کی رسّی مضبُوطی سے پکڑ لیں۔ ہمارے اتحاد کا صرف یہی سبب ہے اور صرف اسی طرح اتفاق و اتحاد کی نعمت میسّر آسکتی ہے جس سے ہمارے دین و دُنیا کے حالات سنور سکتے ہیں۔

۱۱۲ رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تشریف آوری سے قبل عرب کے جزیرہ نما کی کیا حالت تھی۔ وُہ آپس میں اُنس و محبّت اور شفقت و رحمت کرنے والے انسانوں کا ملک نہیں تھا بلکہ ایک کوہِ آتش فشاں تھا جس سے ہر لحظہ اور ہر لمحہ بغض و عناد کی آگ برستی رہتی تھی اور دُور دُور تک آبادیاں جل کر خاکستر ہو جایا کرتی تھیں۔ ہر قبیلہ دُوسرے قبیلہ سے برسرِ پیکار تھا۔ ہر علاقہ دوسرے علاقہ سے جنگ آزما تھا۔ جذبات اتنے مشتعل اور بے قابو تھے کہ ذرا ذرا سی بات پر خون کی ندیاں بہہ جایا کرتی تھیں۔ ایک بار اگر جنگ کی آگ سُلگ پڑتی تھی تو صدیوں تک اُس کے شعلے بھڑکتے رہتے تھے۔ اوس وخزرج میں لڑائی کا سلسلہ ایک سو بیس۱۲۰ سال تک جاری رہا۔ کسی کی جان، کسی کا مال محفوظ نہ تھا۔ یہاں تک کہ اسلام کا بادل آیا اور رحمتِ خداوندی بن کر برسا حضورؐ سراپا نُور و سرُور کا ظہور ہُوا تو عرب کے اُجڑے دیار میں بہار آگئی۔ عداوت کی جگہ محبّت نے، وحشت کی جگہ اُنس نے، انتقام کی جگہ عفو نے، خود غرضی کی جگہ اخلاص و ایثار نے اور غرور و تکبّر کی جگہ تواضع و انکسار نے لے لی۔ یہ وُہ انقلاب تھا جس نے عرب کی کایا پلیٹ دی۔ جس کی برکت سے عرب کے صحرا نشینوں نے تاریخ عالم کا رُخ موڑ دیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے اسی احسانِ عظیم کی یاد تازہ کرا رہا ہے کہ کس طرح اُس نے اپنے محبُوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی برکت اور فیض نگاہ سے تمہارے ٹوٹے ہُوئے دِل جوڑ دیئے اور تمھیں بھائی بھائی بنا دیا۔ اور ذلّت و رُسوائی کی پستیوں سے نکال کر ترقی و عزّت کی شاہراہ پر گامزن کر دیا۔ تم دوزخ کے کنارے پر کھڑے تھے۔ بس آنکھ بند کرنے کی دیر تھی اور تم اس گڑھے میں گر پڑتے۔ لیکن رحمتِ الٰہی نے تمھاری دستگیری کی اور تمھیں آتشِ جہنّم میں گرنے سے بچا لیا۔ ان احسانات کو یاد کرو اور یاد رکھو۔ اور اسلام کی رسّی کو مضبُوطی سے پکڑے رہو۔ اور اپنی صفوں میں انتشار کو جگہ نہ دو۔ اس آیت کے اوّلین مخاطب صحابہ کرام ہیں۔ اور ان کے متعلق ہی خُدائے بصیر و خبیر فرما رہا ہے کہ میں نے ان کے دِل جوڑ دیئے۔ اُنھیں بھائی بھائی بنا دیا۔ اُن کو دوزخ سے نکال لیا۔ اب جو لوگ ان نفوسِ قدسیہ پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں۔ ان کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں وُہ خود ہی ذرا انصاف کریں اور بتائیں کہ وُہ کون لوگ تھے جن کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے شیر و شکر کیا تھا۔ وُہ کون تھے جن کو دوزخ کے کنارے سے ہٹا کر جنّت میں پہنچایا تھا۔ حقیقت میں صحابہ کرام پر اعتراض کرنا ان پر اعتراض نہیں بلکہ قرآن پر، اسلام پر اور پیغمبرِ اسلام پر براہِ راست

عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ

دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تو اس نے بچا لیا تمہیں اس (میں گرنے) سے یونہی بیان کرتا ہے

اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ

اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم ہدایت پر ثابت رہو ضرور ہونی چاہیئے ۱۱۳ے تم میں ایک جماعت

اعتراض ہے۔ اور جن کے ذہن فتنہ زا نے ان شکوک کو جنم دیا تھا اُن کے پیشِ نظر صحابہ کو مطعون کرنا نہیں تھا بلکہ چابک دستی سے اسلام اور پیغمبر اسلام کی عظمت کو داغدار کرنا تھا کہ یہ ہیں تمہارے اس نبی کے اوّلین شاگرد جس کی قصیدہ خوانی سے تم رات دن آسمان سر پر اُٹھائے رکھتے ہو۔ ان اعتراضات کرنے والوں پر تو ہمیں حیرت نہیں، افسوس ہمیں ان مسلمانوں پر ہے جو دُشمن کے اس دامِ فریب میں پھنس جاتے ہیں اور ان مقدس ہستیوں کے متعلق بے باکی کی جرأت کرتے ہیں جن کے دفترِ حیات کی ہر سطر آفتاب و مہتاب سے تابندہ تر ہے ؎

عاشقاں او ز خوباں خوب تر   خوش تر و زیبا تر و محبوب تر   (اقبالؒ)

۱۱۳ے یہ دینِ قیم جس نے عالمِ بشریت کی تقدیر بدل دی اس کی تبلیغ و اشاعت ایک اہم ترین فریضہ ہے۔ اگر اس ملت میں ایسے افراد نہ ہوں جو اس پیغامِ رحمت کو دُنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچانے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیں تو یہ عالم گیر پیغامِ ہدایت چند ملکوں میں محدود ہو کر رہ جائے گا۔ اور یہ اس پیغام سے بھی ناانصافی ہوگی اور ان قوموں پر بھی ظلم ہوگا جو گھُپ اندھیروں میں بھٹک رہی ہیں۔ جن کی زندگی کی تاریک رات کسی روشن چراغ کے لیے ترس رہی ہے۔ نیز وہ قوم اور ملک جس نے اس دین کو قبول کر لیا ہے اُس کے آئینۂ دل پر بھی غفلت کی گرد پڑ سکتی ہے۔ اُن کی گرمیٔ عمل بھی سستی کا شکار ہو سکتی ہے۔ اِرد گرد کے گمراہ کُن تاثرات سے بھی وُہ متاثر ہو سکتے ہیں۔ اگر ایسی ہستیاں نہ ہوں جن کا کام ہی اسلام کے حکیمانہ انداز سے لوگوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنا، ان کی گرمیٔ عمل کو باقی رکھنا اور خارجی اور اجنبی تاثرات و تحریکات سے ان کے دل و دماغ کو محفوظ رکھنا ہو تو بہت سی گمراہیاں خود اس قوم میں راہ پا سکتی ہیں جو اس دین کی علمبردار ہے۔ یہ دونوں کام یعنی ملتِ اسلامیہ کو شاہراہِ اسلام پر ثابت قدم رکھنا اور غیر مسلم اقوام تک یہ پیغامِ رُشد و ہدایت پہنچانا جتنے اہم اور ضروری ہیں اتنے ہی مشکل اور پیچیدہ ہیں اس لیے ایک ایسی جماعت تیار کرنا ملت کا اجتماعی فریضہ ہے۔ جس کا علم و عمل، ظاہر و باطن، سیرت و کردار رسُولِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مظہر کامل ہو۔ ان میں علومِ اسلامیہ میں مہارتِ تامہ کے ساتھ ساتھ سیرت کی پاکیزگی، کردار کی پختگی، اور ظاہر و باطن کی یکسانی پیدا کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے لیے جس بڑی سے بڑی مالی قربانی، ایمانی فراست، قلبی بصیرت اور رُوحانی تربیت کی ضرورت ہے وُہ پُوری ہونی چاہیئے۔ اگر ملت اپنے اس اہم ترین فریضہ کو ادا نہ کرے گی وُہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں اپنی اس کوتاہی کے لیے جواب دِہ ہوگی۔ تاریخ شاہد ہے جب تک ایسے افراد تیار ہوتے رہے گلشنِ اسلام میں فصلِ بہار رہی

يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ

جو بلایا کرے نیکی کی طرف اور حکم دیا کرے بھلائی کا اور روکا کرے بدی

الْمُنْكَرِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۴ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ

سے اور یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں اور نہ ہو جانا اُن لوگوں کی طرح جو

تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ

فرقوں میں بٹ گئے تھے اور اختلاف کرنے لگے تھے اس کے بعد بھی جب آچکی تھیں ان کے پاس روشن نشانیاں ۱۱۴ اور ان لوگوں

لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۰۵ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ

کے لیے عذاب ہے بہت بڑا ۱۱۵ اُس دن (جب کہ) روشن ہوں گے کئی چہرے اور کالے ہوں گے کئی منہ ۱۱۶

جب تک مدارسِ اسلامیہ غزالی، رازی، سعدی اور بیضاوی اور خانقاہیں رُومی، ہجویری، اجمیری، زکریا ملتانی، شیخ سرہندی رضی اللہ عنہم وعن مشائخہم وخلفائہم وامثالہم ایسی فخرِ روزگار ہستیاں تیار کرتی رہیں۔ کفر کے ظلمت کدے اسلام کے نُور سے روشن ہوتے رہے۔ حق کی قوت باطل کے قلعوں کو مسخّر کرتی رہی لیکن اب؟ رویم ببیں حالم مپرس۔ میرا چہرہ دیکھ لو۔ اس پر میری حرماں نصیبیوں کی داستان کا ہر حرف کندہ ہے۔ میرا حال پُوچھو نہیں۔ یہ اتنا دردانگیز ہے کہ نہ مجھ میں بیان کرنے کی ہمت اور نہ تم میں سننے کی تاب۔ اَے اللہ! ہم پر رحم فرما۔ اَے گنبدِ خضراء کے مکین چارہ سازی کر!

۱۱۴ مسلمانوں کو گروہ بندی اور اختلاف سے منع کیا جا رہا ہے۔ اب ان کے سامنے گروہ بندی اور اختلاف کی لعنت میں گرفتار قوموں کی خونچکاں داستان اور عبرتناک کہانی بیان کی جا رہی ہے تاکہ مُسلمان اسے سُنیں اور نصیحت پکڑیں۔ یہود و نصارٰی نے اپنے دین کے اصولوں کو پسِ پشت ڈال دیا تھا اور فروعی اور جزوی مسائل کو اُنھوں نے اتنی اہمیّت دے رکھی تھی کہ انھیں کی وجہ سے کفر کے فتوے لگائے جاتے اور مِلّت کی وحدت کو اِس طرح انتہائی بے دردی سے پارہ پارہ کر دیا جاتا۔ آج ہم بھی اسی مقام پر کھڑے ہیں۔ ایک خُدا، ایک رسُول، ایک کتاب اور ایک کعبہ رکھنے والی قوم نے اپنے آپ کو بے شمار فرقوں میں بانٹ رکھا ہے اور علماءِ سُوء نے ان کے درمیان نفرت و عداوت کی اتنی بلند دیواریں کھڑی کر دی ہیں کہ اب ان کے آپس میں مل بیٹھنے کی بظاہر کوئی صُورت نظر نہیں آتی۔ ذاتِ پاک مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء کے فضائل و کمالات پر جب بحث ہونے لگی اور مناظروں کی ضرورت محسُوس ہونے لگی تو اب وُہ کونسی چیز ہے جو ہمیں اکٹھا رکھ سکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ بڑا قادر و قوی ہے۔ وُہ چاہے تو چشم زدن میں ہماری آنکھوں سے پردے ہٹا دے۔

۱۱۵ واولئك لهم عذاب عظیم۔ اس عذابِ عظیم کا مشاہدہ ہم اپنی آنکھوں سے کر رہے ہیں۔ اِلحاد و دہریت کے طُوفانوں

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۚ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ

تو وُہ جو سیاہ رُو ہوں گے (انھیں کہا جائے گا) کہ کیا تم نے کفر اختیار کر لیا تھا ایمان لانے کے بعد

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ

تو اَب چکھو عذاب (کی اذیتیں) بوجہ اس کفر کے جو تم کیا کرتے تھے اور وُہ (خوش نصیب) لوگ

ابْیَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

روشن ہوں گے جن کے چہرے تو وُہ رحمت الٰہی (کے سائے) میں ہوں گے وُہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَ مَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا

یہ اللہ کی آیتیں ہیں ہم پڑھ کر سُناتے ہیں آپ کو ٹھیک ٹھیک اور نہیں ارادہ رکھتا اللہ ظلم کرنے کا

نے ہمارے بُنیادی عقائد کے قلعوں میں شگاف ڈال دیئے ہیں۔ اخلاقی انحطاط اور اباحیت نے ہمارے معاشرہ کا حُلیہ بگاڑ دیا ہے۔ اشتراکیت وشیوعیت کا سیلاب اُمڈا چلا آرہا ہے۔ ہم یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ ان اسلام دُشمن تحریکوں کے مہلک اثرات کا بھی ہمیں بخوبی علم ہے لیکن ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ بے حسی اور بے بسی نے ہماری تعمیری صلاحیتوں کو ناکارہ بنا دیا ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ بُخارا، سمرقند، تاشقند وغیرہا اسلامی مراکز کا رُوسی کمیونزم نے کیا حشر کیا۔ عظیم مساجد، اسلامی جامعات اور خانقاہیں ویران کر دی گئیں۔ وہاں کی مسجدیں سجدوں کے لیے، فلک بوس مینارے صدائے اذان کے لیے، مدارس قرآن وسنت کے لیے اور خانقاہوں کے در و دیوار ذکرِ الٰہی کے لیے ترس رہے ہیں۔ سارے چراغ گل ہو گئے۔ سارے چشمے خشک ہو گئے۔ اشتراکیت کے گماشتے یہاں بھی اسی المیہ کو دوہرانے کے لیے شب و روز مصرُوف کار ہیں۔ لیکن ہمیں اپنے گروہی نظریات اور مفادات اتنے عزیز ہیں کہ ہم اسلام کے بنیادی عقائد اور اصولی نظریات کا چمن اُجڑتا ہوا دیکھ سکتے ہیں۔ یہی عذاب عظیم ہے۔ کسی قوم کے لیے بے حسی اور بے بسی سے بڑا عذاب کوئی نہیں ہو سکتا۔ کاش ہم نے ذاتِ پاک حبیب کبریا علیہ الصلوٰۃ والثناء کو توہدفِ تنقید نہ بنایا ہوتا۔ کاش یارلوگوں کی زبانیں بارگاہِ رسالت میں گستاخی سے تو باز رہتیں ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

۱۱۶؎ قیامت کے روز دل کی کیفیت چہروں پر عیاں ہوگی۔ جن کے دل نور سے منور ہیں قیامت کے دن اُن کے چہرے آفتاب کی طرح روشن ہوں گے۔ اور جن کے باطن میں گمراہی کی تاریکی جمی ہوئی ہے اُس روز ان کے چہرے سیاہ ہوں گے

لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ

دُنیا والوں پر ۱۱۷ے اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ۱۱۸ے اور اللہ کی طرف ہی

تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ

لوٹائے جائیں گے سارے کام ہو تم بہترین اُمت ۱۱۹ے جو ظاہر کی گئی ہے لوگوں (کی ہدایت و بھلائی) کے لیے تم حکم

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ کامیابی اور نجات پر فرحت و سرور کی کیفیت جو چہروں پر نمایاں ہوگی اس کو بیاض وجہ یعنی چہرہ کی سفیدی سے اور کفار و فساق رحمتِ الٰہی سے محرومی کے باعث جس اندوہ و الم کا شکار ہوں گے اور جس کے اثرات چہروں پر بالکل واضح ہوں گے اسے سواد وجہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بہر حال مومن و کافر ہر ایک اپنی اپنی شکل سے پہچانا جائے گا۔ اب حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے متعلق یہ گمان کرنا کہ حضورؐ بعض کافروں کو نہیں پہچان سکیں گے کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان مقبولوں کی محبت اور رفاقت نصیب فرمادے جن کے چہروں کی درخشانیوں کے سامنے مہر نیر وز شرمندہ ہوگا۔ آمین ثم آمین

۱۱۷ے یعنی قیامت کے دن بعض پر انعام و اکرام کی بارش اور بعض پر غضب و ناراضگی کی پھٹکار بلا وجہ نہیں ہوگی بلکہ ہر ایک کے اپنے اعمال کا یہ نتیجہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اس سے بلند اور پاک ہے کہ وہ کسی پر زیادتی کرے یا کسی کے اعمال کو ضائع کر دے وہ تو کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ہاں لوگ خود جان بوجھ کر اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور اپنے اعمالِ بد سے اپنے نامۂ عمل کی سیاہی میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔

۱۱۸ے یہ آیت پہلی آیت کے مضمون کی دلیل بھی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جو مالک و خالق ہے زمین و آسمان کی ہر چیز کا۔ اس کو کیا ضرورت ہے کہ کسی پر ظلم کرے اور کسی کی حق تلفی کرے۔ نیز سابقہ تمام آیات کا یہ حاصل اور نتیجہ بھی ہے۔

۱۱۹ے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اُمت کو خیر الاُمم کے جلیل القدر لقب سے سرفراز کیا جا رہا ہے۔ کہ جتنی بھی اُمتیں آج تک صفحۂ ہستی پر ظاہر ہوتی ہیں ان سب سے تم بہتر ہو۔ کیونکہ تمہاری زندگی کا مقصد بڑا پاکیزہ، بہت بلند ہے۔ تم اس لیے زندہ ہو اور اس لیے کوشاں ہو کہ حق کا بول بالا ہو، ہدایت کی روشنی پھیلے۔ گمراہی کی ظلمت کافور ہو۔ باطل کا طلسم ٹوٹے اور اخلاقِ حسنہ کو قبولیت حاصل ہو۔ وہ حیوانی رسم و رواج جنھوں نے طاقتور کو ظالم اور چیرہ دست اور کمزور کو مظلوم و فاقہ مست بنا رکھا ہے مٹ جائیں اور اس کے ساتھ ساتھ سب سے بڑی صداقت (یعنی توحید) پر تم خود بھی ایمان لا چکے ہو اور دوسروں کو بھی اس کے قبول کرنے کی دعوت دیتے ہو۔ اگرچہ پہلی اُمتیں بھی امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان باللہ سے مشرف تھیں۔ لیکن جو شان تمہارے امر بالمعروف کی ہے۔ جو جلال تمہارے نہی عن المنکر میں ہے اور جو گہرائی، گیرائی اور کمال تمہارے ایمان باللہ میں ہے وہ تم سے پہلے کسی اُمت کو نصیب نہیں ہوا۔ نیز جس ہمت، خلوص اور سرفروشی سے تم نے اس بارِ امانت کو اُٹھایا ہے یوں آج تک کوئی نہ اُٹھا سکا۔ اس لیے تم اس کے جائز مستحق ہو کہ اقوامِ عالم کی بھری محفل میں تمہارے سر پر افضلیت کا تاج رکھا جائے۔ ان وجوہات

بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ

دیتے ہو نیکی کا اور روکتے ہو بُرائی سے اور ایمان رکھتے ہو اللہ پر ۱۲۰؎ اور اگر ایمان لاتے

اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ

اہل کتاب ۱۲۱؎ تو یہ بہتر ہوتا ان کے لیے بعض ان میں سے مومن ہیں اور زیادہ ان میں سے

کے علاوہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اُمّت کے خیرالاُمم ہونے کی ایک اور وجہ بھی ہے جو اس آیت میں ہی مذکور ہے یعنی دُوسری قوموں کے فیضانِ ہدایت سے ایک محدُود علاقہ، ایک مخصُوص قوم، وُہ بھی ایک مقررہ وقت تک مستفیض ہو سکتی تھی۔ لیکن تمہارا ابرِ کرم بحر و بر، نشیب و فراز، سیاہ و سپید، نزدیک و دُور ہر خطّہ پر برسے گا۔ اور ہر خطّہ کے پیاسوں کی پیاس بُجھائے گا۔ تمھاری برکتیں صرف اپنے لیے اور صرف اپنوں کے لیے نہیں بلکہ سب کے لیے ہیں۔ اور یہ وُہ شرف ہے جو کسی کو پہلے حاصل نہیں ہوا۔ یہ وُہ جُود و سخا ہے جس سے پہلے دُنیا متعارف نہیں "اخرجت للناس" میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے۔

۱۲۰؎ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ وُہ لوگ جو اس اعزاز سے سب سے پہلے مشرّف کیے گئے وُہ تو خود غاصب تھے۔ جبر و تشدّد اُن کا شیوہ تھا معصُوموں کے اموال ضبط کرنا اُن کا دستور تھا۔ اور جو غاصب نہیں تھے بلکہ دُوسروں کے جبر و تشدّد کا شکار تھے وُہ جرأت و شجاعت سے محرُوم تھے۔ وُہ یُوں سہمے سہمے اور ڈرے ڈرے رہتے تھے کہ اُن کی آنکھوں کے سامنے آیاتِ قرآنی بدل دی گئیں بلکہ اپنی طرف سے آیتیں بنا کر قرآن میں بڑھا دی گئیں۔ احکامِ شرعی میں من مانی تبدیلیاں کر دی گئیں لیکن یہ حضرات ٹس سے مس نہ ہُوئے۔ کیا ایسی اُمت جس کا ایک طبقہ غاصب اور جابر ہو اور دُوسرا طبقہ ڈرپوک اور بے حس ہو کیا وُہ اُمت اس قابل ہے کہ اُسے ایک شریف قوم بھی کہا جائے۔ چہ جائیکہ اُسے خیرالاُمم کے منصب پر فائز کیا جائے۔ اِس صُورت میں یا تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ خُدا کو ان کے باطن کا یا ان کے مستقبل کا علم نہ تھا اور نا واقفی اور بے علمی کی وجہ سے ان کو یہ اعزاز بخشا جو اس کے قطعاً اہل نہ تھے۔ اور یا یہ ماننا پڑے گا کہ جانتا تو تھا لیکن ان کی خوشامد کر کے کام نکالنا چاہتا تھا (نعوذ باللہ) اور اگر یہ دونوں احتمال غلط ہیں اور یقیناً غلط ہیں تو یہ یقین کرنا پڑے گا کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ کرام کے خلاف جو ہرزہ سرائی کی جاتی ہے وُہ جھوٹ ہے اور محض جھوٹ ہے اور اسلام کے دشمنوں کی اسلام کے خلاف ایک گہری سازش ہے۔

۱۲۱؎ یہود و نصاریٰ کو یہ خدشہ تھا کہ اگر انھوں نے اسلام قبول کر لیا تو ان کی سیادت اور چودھراہٹ ختم ہو جائے گی اور مالی لحاظ سے بھی اُنھیں سخت نقصان اُٹھانا پڑے گا۔ اسی لیے جاننے پہچاننے کے باوجُود بھی وُہ انکار پر مُصر تھے۔ اللہ جل مجدہٗ فرماتے ہیں کہ یہ صرف اُن کی غلط اندیشیاں ہیں۔ اُن کی بہتری اور سعادتِ دارین تو اس میں تھی کہ وُہ حق کو قبُول کر لیتے۔ دُنیا میں بھی عزّت و وقار نصیب ہوتا اور آخرت میں بھی دوہرا اجر پاتے۔ لیکن اس روشن حقیقت کو بجز قلیل تعداد کے کسی نے نہ سمجھا کہ سچی اور دائمی عزّت حق کو تسلیم کرنے میں ہی ہے۔

الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ

نافرمان ہیں (کچھ) نہ بگاڑ سکیں گے تمہارا سوائے ستانے کے ۱۲۲؎ اور اگر لڑیں گے تمہارے ساتھ تو پھیر دیں گے تمہاری طرف اپنی پیٹھیں

الْاَدْبَارَ قف ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا

(اور بھاگ جائیں گے) پھر اُن کی امداد نہ کی جائے گی مسلّط کر دی گئی ہے اُن پر ذلت (و رسوائی) ۱۲۳؎ جہاں کہیں یہ پائے گئے

اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ

بجز اس کے کہ اللہ کے عہد سے ۱۲۴؎ یا لوگوں کے عہد سے (کہیں پناہ مل جائے) اور یہ مستحق ہو گئے ہیں غضب الٰہی کے

۱۲۲؎ یثرب کے یہودی بڑے اثر و نفوذ کے مالک تھے۔ ان کے پاس نہ دولت کی کمی تھی نہ سامانِ جنگ کی۔ ان میں بڑے جنگ آزما بہادر بھی تھے۔ اُنھوں نے یثرب اور اس کے ارد گرد دُور دُور تک قلعے اور گڑھیاں بھی بنا رکھی تھیں۔ یہاں تک کہ خیبر کی دُور دراز آبادی میں بھی ان کے کئی مستحکم قلعے تھے۔ نیز ان کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو بھی یہ تھی کہ وُہ غریب الوطن، بے سرو سامان، مٹھی بھر مسلمانوں کو مٹا کر رکھ دیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم اور صحابۂ کرام کو واضح طور پر بتا رہے ہیں کہ یہود باایں ہمہ قوّت وسطوت کبھی تم پر غالب نہیں آسکتے۔ زیادہ سے زیادہ وُہ یہ کر سکتے ہیں کہ زبان درازی، فتنہ طرازی اور بہتان تراشی سے تمھارے دِلوں کو دُکھ پہنچا لیا کریں۔ اور اگر اُنھوں نے دِل کڑا کر کے میدانِ جنگ میں آنے کی کبھی ہمت کی تو پھر شکست کھا کر پاؤں سر پر رکھ کر بھاگیں گے۔ دُنیا نے دیکھا کہ اگرچہ ظاہری حالات ناموافق تھے۔ لیکن قرآن نے جو پیشین گوئی فرمائی وُہ پُوری ہو کر رہی۔

۱۲۳؎ اِس پر مفصّل حاشیہ سُورۃ بقرہ کی آیت ۶۱ میں گزر چکا ہے۔ یہاں ذِلت اور مسکنت کے الفاظ کی ذرا توضیح مقصود ہے۔ بسا اوقات اِنسان اِس قدر شکستہ خاطر اور افسردہ دِل ہو جاتا ہے کہ وُہ اپنے آپ کو بالکل بے بس اور فرد تر سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اُس کی عزّتِ نفس دم توڑ دیتی ہے۔ وُہ دولت کی کثرت کے باوجود اپنے کو فقیر اور جاہ و منصب کے ہوتے ہُوئے اپنے کو حقیر سمجھتا ہے۔ اِس حالت کو عربی میں مسکنت کہتے ہیں۔ ان المسکنة حالة للشخص منشؤها استصغاره لنفسه حتّٰی لا یدعی له حقا۔ اور اگر کوئی جابر کسی کی دولت چھین لے اور اسے ذلیل و رُسوا کر دے تو اُسے ذِلت کہتے ہیں۔ والذلة حالة تعتری الشخص من سلب غیرہ لحقه (المنار) یہود کو ان کے گناہوں کی پاداش میں دو قِسم کی سزائیں دی گئیں۔ ایک تو یہ کہ اُن کو عزّتِ نفس سے محرُوم کر دیا گیا۔ وُہ کروڑپتی ہوتے ہُوئے بھی ایک ایک پائی کے لیے جان دے دیتے ہیں۔ اور ایسی رذیل و حقیر حرکتیں خوشی خوشی کرتے ہیں جن کو کوئی باغیرت و باحمیّت اِنسان دیکھنا تک گوارا نہیں کر سکتا۔ اور جہاں بھی رہے بحیثیت قوم ذلیل و مقہور ہو کر رہے۔

۱۲۴؎ علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ فی الکلام اختصار والمعنی الا ان یعتصموا بحبل من اللہ الخ یعنی اس کلام میں ان

اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ

اور مسلّط کر دی گئی ہے ان پر محتاجی یہ اس لیے کہ وُہ کفر کیا کرتے تھے ۱۲۵

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ

اللہ کی آیتوں سے اور قتل کیا کرتے تھے انبیاء کو ناحق یہ (بیباکی) اس لیے تھی کہ وُہ نافرمانی کرتے

كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝۱۱۲ لَيْسُوْا سَوَاۗءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ

تھے اور سرکشی کیا کرتے تھے سب یکساں نہیں ۱۲۶ اہل کتاب سے ایک گروہ حق پر قائم ہے

يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝۱۱۳ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

یہ تلاوت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی رات کے اوقات میں اور وُہ سجدے کرتے ہیں ایمان رکھتے ہیں اللہ پر

یعتصموا محذوف ہے۔ اب آیت کا معنی واضح ہو گیا۔ کہ ویسے تو ان کے مقدر کی پیشانی پر ذلّت و مسکنت کی مُہر لگا دی گئی ہے ہاں دو صُورتوں میں اُنھیں امن و سکون میسّر ہو سکتا ہے۔ ایک صُورت تو یہ ہے کہ اللہ کے عہد میں داخل ہو جائیں۔ اس کی ایک تفسیر تو یہ کی گئی ہے کہ اسلام قبول کر لیں۔ اور دُوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ مملکت اسلامیہ کے پُر امن شہری بن جائیں۔ پھر ان کے حقوق، ان کی عزّت و ناموس، ان کے جان و مال کی پوری حفاظت کی جائے گی اور وُہ تمام رعایتیں جو ایک مسلمان کو حاصل ہیں وُہ اُن کو بھی حاصل ہوں گی۔ اور حبل من الناس سے یہ مُراد لی گئی ہے کہ کوئی دُوسری طاقت ان کی پشت پناہی کرے تو اس کے سہارے انھیں طمانیّت خاطر نصیب ہو سکتی ہے۔ اہلِ نظر سے مخفی نہیں کہ قلب اسلام میں اسرائیلی حکومت کا قیام یہود کا اپنا کارنامہ نہیں بلکہ مغربی سیاست کی ایک سازش ہے جو مسلمانوں سے زیادہ اسلام کے خلاف کی گئی ہے اسرائیلی حکومت کی بقاء کا انحصار یورپ و امریکہ کی امداد پر ہے۔ اگر وُہ دست کش ہو جائیں تو یہ ریاست اپنی موت آپ مر جاتے۔ یہ ایک غم انگیز اور ہوش رُبا حقیقت ہے کہ اگر شرقِ اوسط کے مسلمان فرماں روا باہمی رقابت کا شکار نہ ہوتے اور مجاہدین اسلام سے غدر نہ کرتے۔ تو یہ ریاست دُنیا کے نقشہ پر موجود ہی نہ ہوتی لیکن اب شرقِ اوسط کے سیاسی مطلع پر ایسے مردان کار رُونما ہو چکے ہیں جن سے بجا طور پر توقع کی جا سکتی ہے کہ وُہ بتوفیقہ تعالیٰ اس زقوم کے درخت کو ایک روز جڑ سے اُکھیڑ پھینکیں گے۔

۱۲۵ اس حقیقت کو پھر دُہرایا جا رہا ہے کہ یہ پھٹکار اُن پر بلا وجہ نہیں پڑی بلکہ ان کے یہ یہ جرم تھے جن کی یہ سزا ہے۔

۱۲۶ یعنی سارے اہل کتاب کا یہ حال نہیں بعض ان میں سے بڑی خوبیوں کے مالک تھے لیکن ان کی تعداد بہت قلیل تھی اور نافرمان کثیر تعداد میں تھے۔

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ

اور روزِ آخرت پر اور حکم دیتے ہیں بھلائی کا اور منع کرتے ہیں برائی سے اور

يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا

جلدی کرتے ہیں نیکیوں میں اور یہ لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں اور جو یہ کریں گے

مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

نیک کاموں سے تو ہرگز انکار نہ کیا جائے گا اس کارِ خیر کا۔ اور اللہ جاننے والا ہے پرہیزگاروں کو بے شک جن لوگوں نے

كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ

کفر اختیار کیا ہرگز نہ بچا سکیں گے انھیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ (کے عذاب) سے

شَيْئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا

ذرہ بھر اور وہ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے مثال اس کی جو وہ

يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ

خرچ کرتے ہیں ۱۲۷؎ اس دنیوی زندگی میں ایسی ہے جیسے ہوا ہو اس میں سخت ٹھنڈک ہو (اور) لگے وہ

حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَ

ایک قوم کے کھیت کو جنھوں نے ظلم کیا ہو اپنے نفسوں پر پھر فنا کر دے اس کھیت کو۔ نہیں ظلم کیا ان پر اللہ تعالیٰ نے۔

۱۲۷؎ الصر: البرد الشدید۔ جلا دینے والی سخت ٹھنڈ کو صر کہتے ہیں۔ ایمان لاتے بغیر ریا و نمود کے لیے پانی کی طرح روپیہ بہانے والوں کے حسرت ناک انجام کی کتنی بہترین اور اثر آفرین مثال ہے۔

لٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا

لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اے ایمان والو! ۱۲۸؎ نہ بناؤ

بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ

اپنا رازدار غیروں کو وہ کسر نہ اٹھا رکھیں گے تمھیں خرابی پہنچانے میں وہ پسند کرتے ہیں جو چیز تمھیں ضرر دے۔

بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ

ظاہر ہو چکا ہے بغض ان کے مونہوں (یعنی زبانوں) سے اور جو چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے وہ اس سے بھی بڑا

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ

ہے ہم نے صاف بیان کر دیں تمھارے لیے اپنی آیتیں اگر تم سمجھ دار ہو سنو! تم تو وہ (پاک دل) ہو ۱۲۹؎ کہ محبت کرتے ہو ان سے

۱۲۸؎ اس آیت کے چند الفاظ وضاحت طلب ہیں۔ کپڑے کا وہ طرف جو اندر کی جانب ہوتا ہے اور جسم سے ملا ہوتا ہے۔ اس کو بطانۃ الثوب کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے اس دوست کو بطانۃ کہتے ہیں جس پر کامل اعتماد اور بھروسہ ہو۔ اور ہمراز ہو۔ ھو الذی یعرفه الرجل اسراره ثقة به (بیضاوی) الایالو فی الامر قصر وابطأ کا معنی ہے کسی امر میں کسر اٹھا رکھنا، کوتاہی کرنا عملی، جسمانی اور عقلی خرابی اور فساد کو خبال اور خبل کہتے ہیں (قرطبی) اب آیت کے مفہوم پر غور فرمائیے۔ اسلام سے پہلے یثرب کے یہودیوں کے ساتھ اوس وخزرج کے بڑے گہرے مراسم وتعلقات تھے۔ افراد کی آپس میں دوستیاں تھیں اور قبیلوں کے بھی آپس میں معاہدے تھے۔ ہر کام میں ایک دوسرے سے مشورہ کیا کرتے تھے کسی سے کوئی بات چھپا کر نہیں رکھا کرتے تھے۔ لیکن اوس و خزرج کے اسلام قبول کرنے کے بعد ان تعلقات میں یکسر انقلاب آگیا۔ اس بات کا احتمال تھا کہ مسلمان اپنی صاف دلی کی بنا پر اسلام کے بھید بھی حسب سابق کہیں یہود سے نہ کہہ دیا کریں جس سے مسلمانوں کو طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا کہ وہ اپنے اور اسلام کے دشمنوں کو اپنا رازدار بنائیں۔ اس آیت کا نزول اگرچہ اس خاص موقع پر ہوا لیکن اس کا حکم عام ہے۔ وہ غیر مسلم جن کی اسلام دشمنی ان کے اقوال اور افعال سے واضح ہو چکی ہو ان پر یوں اعتماد اور بھروسہ کرنا کہ ہر راز کی بات ان سے کہہ دی جائے کہاں کی دانشمندی ہے۔ قرآن نے مسلمانوں کو ایسی سادہ لوحی سے منع فرمایا ہے مسلمانوں کے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کیسے ہونے چاہئیں؟ اس پر تفصیلی بحث اسی سورۃ کی آیت نمبر اٹھائیس کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

۱۲۹؎ ھا تنبیہ کے لیے ہے انتم مبتدا۔ اور اولاء خبر ہے (کشاف) اسلام کو نفرت وعداوت کا دین کہنے والے اگر اس آیت کو غور سے پڑھیں تو ان پر اپنی غلطی آشکارا ہو جائے مسلمان تو وہ صاف دل قوم ہے جو اپنی دشمن قوموں کے لیے بھی اپنے دل میں

وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا

اور وہ (ذرا) محبت نہیں کرتے تم سے اور مانتے ہو تم سب کتابوں کو اور جب وہ تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں

اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ

ہم ایمان لائے ہیں اور جب وہ تنہا ہوتے ہیں تو چباتے ہیں تم پر انگلیاں غصہ سے (اے حبیب ﷺ!) آپ فرمائیے

مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿119﴾ اِنْ

مر جاؤ اپنے غصہ (کی آگ میں جل کر) ۱۳۰؎ یقیناً اللہ خوب جاننے والا ہے دلوں کی باتوں کا (ان کا حال تو یہ ہے کہ) اگر

تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِھَا ۭ

پہنچے تمھیں کوئی بھلائی تو بُری لگتی ہے انھیں اور اگر پہنچے تمھیں کوئی تکلیف تو (بڑے) خوش ہوتے ہیں اس سے

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَـيْـــًٔـا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا

اور اگر تم صبر کرو ۱۳۱؎ اور اللہ سے ڈرتے رہو تو نہ نقصان پہنچائے گا تمھیں ان کا فریب کچھ بھی بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ

محبت و رحمت کے جذبات موجزن پاتی ہے۔ وہ دین جس کے ماننے والے اپنے بدخواہوں کے متعلق بھی ایسے جذبات رکھتے ہوں کیا اس دین کو نفرت و عداوت کا دین کہنا قرینِ انصاف ہے؟ اِس آیت میں مسلمانوں کے ان پاکیزہ اِنسانی احساسات کا اعتراف کرتے ہوئے اُنھیں دُشمنوں کی خطرناک چالوں سے محتاط اور چوکنا رہنے کی تنبیہ کی جا رہی ہے کہ ان کے متعلق تمھارے دِل تو صاف ہیں۔ اور تم اُن کی مقدس کتابوں پر بھی سچے دِل سے اِیمان رکھتے ہو لیکن ان کی حالت یہ نہیں۔ وہ تمھارے رُو برو تو اِیمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن جب وہ تم سے الگ ہوتے ہیں تو مارے حسد کے اُنگلیاں چباتے ہیں۔ تمھاری ترقی اور اِسلام کی روز افزوں کامیابی ان کے لیے سوہانِ رُوح بنی ہوئی ہے۔

۱۳۰؎ شیخ سعدیؒ نے شاید اِسی آیت کی ترجمانی اپنے اِس شعر میں فرمائی ہے ؎

بمیر تا برہی اے حسود کیں رنجیست	کہ از مشقتِ او جز بمرگ نتواں رُست

یعنی حاسد کا علاج صرف ایک ہی ہے کہ وہ حسد کی آگ میں جل کر خاکستر ہو جائے۔

۱۳۱؎ زِندگی کی اِس اِمتحان گاہ میں یہ تو نہیں ہو سکتا کہ مخالفت کے طوفان نہ اُمڈیں مصائب کے سیاہ بادل گھر کر نہ آئیں۔ یہ تو ایسا ہی ہوتا آیا ہے اور ایسا ہی ہوتا رہے گا لیکن ایسے حوادثات کے باوجود اگر تم صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہوگے اور اللہ تعالیٰ

يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿١٢٠﴾ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ

وہ کرتے ہیں (اس کا) احاطہ کیے ہوئے ہے اور یاد کرو (اے محبوب) ۱۳۲ جب صبح سویرے رخصت ہوئے آپ اپنے گھروں سے (اور میدان احد میں) بٹھا رہے تھے مومنوں کو

کے بتائے ہوئے سیدھے راستہ پر ثابت قدمی سے چلتے رہو گے تو دشمن کا مکرو فریب تمھیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکے گا۔ گویا اس رزم گاہِ حیات میں کامیابی کا سہرا اسی کے سر باندھا جاتا ہے جو صابر اور متقی ہو۔ مشکلات سے ہراساں ہونے والا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والا کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔

۱۳۲ ابوسفیان بدر کے مقتولوں کا بدلہ لینے اور اپنی شکست کا بدنما داغ مٹانے کے لیے تین ہزار مسلح جنگ آزماؤں کا لشکرِ جرار لے کر مدینہ طیبہ پر چڑھائی کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ اس دفعہ آتشِ انتقام کو بھڑکانے اور جوشِ حمیت کو تیز تر کرنے کے لیے وہ اپنی عورتوں کو بھی ساتھ لائے تھے جن کی قیادت ابوسفیان کی بیوی ہندہ کر رہی تھی۔ وہ اشعار گا کر، دف بجا کر ان کو اشتعال دلاتی تھی۔ جب وہ احد کے میدان میں خیمہ زن ہو گئے تو حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مجلسِ مشاورت طلب فرمائی۔ حضورؐ کی اور اکابر صحابہ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر ان کا مقابلہ کیا جائے۔ عبداللہ بن ابی جسے پہلی بار مشورہ کے لیے دعوت دی گئی تھی اس نے بھی اس کی تائید کی۔ لیکن نوجوان طبقہ جو شوقِ شہادت سے بے تاب ہو رہا تھا اس بات پر مصر تھا کہ میدان میں نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ کثرتِ رائے کے پیشِ نظر حضورؐ نے یہی فیصلہ فرما دیا۔ اور خود زرہ پہن کر گھر سے باہر تشریف لائے۔ اور ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ ۷۔ شوال بروز سنیچر ۳ھ مدینہ طیبہ سے احد کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں ہی عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ہمراہیوں کے ساتھ الگ ہو گیا۔ اب مسلمانوں کی تعداد کفار کی تعداد سے چوتھائی سے بھی کم ہو گئی۔ پہاڑ کی جانب پشت کر کے صفیں آراستہ کی گئیں۔ پہاڑ کی وہ گھاٹی جہاں سے دشمن کے اچانک حملہ آور ہونے کا خدشہ تھا وہاں عبداللہ بن جبیرؓ کو پچاس سپاہیوں کے ساتھ متعین فرمایا۔ اور انھیں تاکیدی حکم دیا کہ چاہیں خواہ فتح ہو یا شکست تمھیں ہر حالت میں یہاں ٹھیرے رہنا ہو گا۔ مصعبؓ بن عمیر کو پرچم مرحمت ہوا۔ لشکر کے ایک بازو پر حضرت زبیرؓ کو اور دوسرے پر حضرت منذرؓ بن عمرو کو مقرر فرمایا۔ اور اپنی تلوار خوش نصیب ابودجانہؓ کو عنایت فرمائی۔ پہلے ہلہ میں ہی کفار کے قدم اکھڑ گئے۔ اور انھوں نے مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لا کر پسپا ہونا شروع کر دیا۔ گھاٹی پر متعینہ دستہ نے جب دیکھا کہ اب کفار کو شکست ہو چکی ہے تو مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے وہ وہاں سے دوڑے۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے بہت سمجھایا لیکن چند آدمیوں کے سوا کسی نے ان کی بات پر کان نہ دھرے۔ خالد بن ولید نے جو اس وقت مشرکین کے رسالہ کے کماندار تھے جب اس گھاٹی کو خالی دیکھا تو پہاڑ کا چکر کاٹ کر مسلمانوں پر عقب سے حملہ کر دیا۔ اب کیا تھا لشکرِ اسلام میں انتشار پڑ گیا۔ نظم و ضبط قائم نہ رہ سکا۔ عبداللہ بن قمہ اور عتبہ نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم پر حملہ کر دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔ پیشانیٔ اقدس اور روئے انور زخمی ہو گیا۔ اور یہ افواہ بھی اڑ گئی کہ حضور شہید ہو گئے۔ جس نے صحابہ کے رہے سہے ہوش بھی اڑا دیئے لیکن جاں نثار غلاموں کا ایک گروہ اس وقت بھی پروانہ وار نثار ہو رہا تھا۔ حضرت مصعبؓ علمبردار نے حضورؐ کے سامنے شہادت پائی۔ ان کے بعد پرچم حضرت سیدنا علیؓ مرتضٰے نے لے لیا۔ حضرت

مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ

موروچوں پر جنگ کے لیے اور اللہ سب کچھ سُننے والا جاننے والا ہے جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے ۱۳۳؎

مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَ اللّٰهُ وَلِیُّهُمَا ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ

تم میں سے کہ ہمت ہار دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ دونوں کا مددگار تھا (اسلیے اس نے اس لغزش سے بچالیا) اور ۱۳۴؎ صرف اللہ پر توکّل کرنا چاہیئے

ابُو دجانہؓ نے اپنے آپ کو حضورؐ پر ڈھال بنا رکھا تھا۔ ہر تیر اپنی پُشت پر روکتے۔ حضرت طلحہؓ تلوار کا ہر وار اپنے بازُو پر روکتے۔ حضرات ابُوبکر صدّیقؓ، علی مرتضیٰؓ، ابُوعبیدہؓ، مالکؓ بن سنان وغیرہم نے دُشمن کے زبردست ریلے کو پیچھے ہٹایا۔ جب اِدھر اُدھر میدانِ جنگ میں کفّار سے مصروفِ پیکار مُسلمانوں کو حضورؐ کی سلامتی کی اطلاع ہُوئی تو سب دَوڑ کر حضور کے اِردگرد جمع ہوگئے اور کفار پھر اپنے اُونٹوں پر سوار ہوکر مکّہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ یہ دُرست ہے کہ اس کو کفارِ مکّہ کی فتح نہیں کہا جاسکتا لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ مُسلمانوں کو سخت نقصان اُٹھانا پڑا۔ اَور ستّر سے زیادہ جلیل القدر صحابہ شہید ہُوئے جن میں حضرت سیّدنا حمزہؓ اسداللہ و رسولہ بھی تھے جن کو حبشی نے پیچھے سے نیزہ مارا تھا مسلمانوں کو جو یہ زک اُٹھانی پڑی۔ اس کی ایک ہی بڑی وجہ تھی کہ اُنھوں نے اپنے رسُول اَور قائد کے حکم کی اطاعت میں تساہل کیا۔ اگر وُہ دستہ گھاٹی پر جما رہتا تو یہ المناک حالات رُونما نہ ہوتے۔

۱۳۳؎ جب عین وقت پر عبداللہ بن ابی اپنے تین سو سپاہیوں کے ساتھ الگ ہوگیا تو مسلمانوں کی تعداد میں مزید کمی ہوگئی تو قبیلہ اوس کے بنی حارثہ اَور خزرج کے بنی سلمہ کے دل میں بھی میدانِ جنگ سے واپسی کا خیال پیدا ہوا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی دستگیری فرمائی اَور اس لغزش کے اِرتکاب سے اُنھیں بچالیا۔ حضرت جابرؓ فرمایا کرتے کہ یہ آیت ہمارے حق میں نازل ہُوئی اَور ہم اس کے نزول سے بڑے خوش ہیں۔ کیونکہ اگر ایک طرف ہمارے پھسل جانے کے خیال کا ذِکر ہے تو ساتھ ہی "واللہ ولیهما" کی نویدِ جاں پرور بھی ہے۔ سچے مومن سے اگر کسی بشری کمزوری کے باعث کوئی غلطی سرزد ہونے لگتی ہے تو رحمتِ الٰہی اُسے سنبھال لیتی ہے۔ شانِ کریمی یہ گوارا نہ کرسکی کہ اس کے محبُوب کے سچّے غلام ایسی لغزش کر بیٹھیں۔

۱۳۴؎ توکّل کیا ہے؟ محقّقین صوفیہ نے اِس کی یہ تعریف کی ہے۔ ان التوکل علی اللہ هو الثقة باللہ والایقان بان قضاءه ماض واتباع سنة نبیه صلی اللہ علیه وسلم فی السعی فیما لابد منه من الاسباب (القرطبی) اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ اَور یہ یقینِ محکم کہ اس کا حکم اٹل ہے۔ اس کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اس سنت پر عمل کہ ضروری اسباب کے مہیّا کرنے میں بھی پُوری جدوجہد کرنے کو توکّل کہتے ہیں۔ حضرت سہل فرماتے ہیں کہ جو شخص ترکِ اسباب کو توکّل کہتا ہے وُہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی سُنّت پر اِعتراض کرتا ہے۔

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا

مومنوں کو اور بے شک مدد کی تھی تمھاری ۱۳۵؎ اللہ تعالیٰ نے (میدان) بدر میں ۱۳۶؎ حالانکہ تم بالکل کمزور تھے پس ڈرتے

اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ

رہا کرو اللہ سے تاکہ تم (اس بروقت امداد کا) شکر ادا کر سکو (عجب سہانی گھڑی تھی) جب آپ فرما رہے تھے مومنوں سے ۱۳۷؎ کیا تمھیں یہ کافی نہیں

اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ ط

کہ تمھاری مدد فرمائے تمھارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے جو اُتارے گئے ہیں

۱۳۵؎ لشکرِ اسلام کی حوصلہ افزائی اور تسکین کے لیے اُحد کے جانکاہ حادثہ کے بعد بدر کی فتح مُبین کا ذکر فرمایا۔ اور اُنھیں یاد دلایا کہ کس طرح تمھاری قلیل اور بے سروسامان سی جمعیت کو دُشمن کے مسلّح لشکرِ جرّار پر فتح عطا فرمائی۔ اس لیے اُحد کے نقصانات سے غمگین نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی امداد تمھارے ساتھ ہے۔ ہاں جو غلطی تم سے ہُوئی اور جس کی وجہ سے تمھیں یہ زک اُٹھانی پڑی اس سے اجتناب کرنا۔

۱۳۶؎ مدینہ طیبہ سے تقریباً بیس میل کے فاصلہ پر ایک کنوآں ہے جس کا نام بدر ہے۔ اسی مقام پر اسلام اور کفر کی پہلی ٹکر ہوئی۔ ہجرت کا دُوسرا سال تھا جمعہ کا دن اور رمضان المبارک کی سترہ تاریخ تھی مسلمانوں کی تعداد تین سو دس سے کچھ اُوپر تھی۔ اور کفّار کا لشکر ہزار کے قریب تھا۔ جب لشکر آمنے سامنے ہُوئے تو اللہ تعالیٰ کے محبُوب نے طلب نصرت کے لیے بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ پھیلائے اور عرض کی۔ اللھم انجزلی ماوعدتنی اللھم آت ماوعدتنی اللھم ان تھلك ھذہ العصابة من اھل الاسلام لاتعبد فی الارض۔ (اے اللہ! اپنا وعدہ پُورا فرما۔ اگر مسلمانوں کا یہ مختصر گروہ ہلاک ہو گیا تو رُوئے زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی) محویّت کا یہ عالم تھا کہ دوش مُبارک سے چادر گر پڑی۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے پیچھے سے اپنے آقا کو گلے لگا لیا اور عرض کی۔ یارسُول اللہ! اللہ تعالیٰ ضرور اپنا وعدہ پُورا فرمائے گا۔ ادب و نیاز میں ڈوبی ہُوئی دُعا قبول ہُوئی۔ اور دُنیا نے دیکھا کہ چند سر بکف مجاہدوں نے بدر کے میدان میں کفر کو ایسی شکست دی جس کے بعد وُہ سنبھل نہ سکا۔

۱۳۷؎ اپنی قلّت اور بے سروسامانی کے باوجُود مُسلمان بڑی بے جگری سے میدانِ بدر میں لڑ رہے تھے۔ اسی اثنا میں یہ خبر مشہُور ہو گئی کہ کُرز بن جابر المحاربی کمک لے کر کفّار کی مدد کو آ رہا ہے۔ اس سے مسلمانوں کو کچھ تشویش ہوئی۔ اس وقت حضور سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ کیا ہوا اگر کُرز اپنی جمعیت لے کر آ رہا ہے۔ تمھاری امداد کے لیے بھی تین ہزار فرشتے آسمان سے اُتر رہے ہیں۔ اور اگر تم نے صبر اور تقویٰ اختیار کیے رکھا تو یہ تعداد بڑھا کر پانچ ہزار کر دی جائے گی۔ حضورؐ کے فرمانے سے صحابہ کے حوصلے اور بلند ہو گئے۔ فرشتوں کی آمد کس غرض کے لیے تھی؟ اکثر عُلماء فرماتے ہیں کہ اُنھوں نے بالفعل جنگ میں حصّہ لیا۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اُن کی آمد سے مُسلمانوں کو رُوحانی تقویّت حاصل ہو گئی۔ اُن کے حوصلے بڑھ گئے اور اُنھوں نے جم کر لڑنا شروع کر دیا۔ انما حضروا اللہ عاء

بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ

ہاں کافی ہے بشرطیکہ تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور (اگر) آدھمکیں کفار تم پر تیزی سے اسی وقت تو مدد کرے گا تمہاری

رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَ مَا جَعَلَهُ

تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے جو نشان والے ہیں اور نہیں بنایا فرشتوں ۱۳۸ کے

اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَ لِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا

کے اترنے کو اللہ نے مگر خوش خبری تمہارے لیے اور تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل اس سے اور (حقیقت تو یہ ہے) کہ نہیں ہے

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ

فتح و نصرت مگر اللہ کی طرف سے جو سب پر غالب (اور) حکمت والا ہے (یہ مدد اس لیے تھی) تاکہ کاٹ دے ایک حصہ کافروں

كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ

سے یا ذلیل کر دے ان کو پس لوٹ جائیں نامراد ہو کر نہیں ہے آپ کا اس معاملہ میں کوئی

شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَ

دخل ۱۳۹ چاہے تو اللہ اُن کی توبہ قبول فرمالے اور چاہے تو عذاب دے اُنھیں پس بے شک وُہ ظالم ہیں اور

بالتثبیت والاول اکثر (قرطبی) اس کی مفصّل بحث سورۂ انفال میں آئے گی اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

۱۳۸ یعنی ملائکہ کا نزول کامیابی کے دیگر اسباب کی طرح ایک سبب ہے۔ حقیقت میں فتح و کامرانی بخشنے والا رب العٰلمین ہے۔ اس آیت میں یہ سبق دیا گیا کہ اعتماد اور توکّل اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی ہونا چاہیئے۔ وُہی فاعلِ حقیقی ہے۔ ہر چیز اُسی کے دستِ قدرت میں ہے۔

۱۳۹ اُحد کے دن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دندان مبارک شہید کیے گئے۔ رُخِ انور زخمی کیا گیا تو حضورؐ نے فرمایا وُہ قوم کیونکر نجات پا سکتی ہے جس نے اپنے اُس نبی کے سر کو مجروح کیا اور دانت شہید کیے جو اُنھیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ وقیل استاذن فی ان یدعو فی استئصالھم فلما نزلت ھذہ الآیۃ علم ان منھم من سیسلم وقد آمن کثیر منھم خالد بن ولید (قرطبی) یعنی حضورؐ نے ان لوگوں کے حق میں بد دُعا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہو گیا کہ ان میں سے کئی لوگ مسلمان ہوں گے

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ

اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ بہت بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے اے ایمان والو!

اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

نہ کھاؤ سُود دوگنا چوگنا کر کے [140] اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم

چنانچہ ایک کثیر تعداد اسلام لائی۔ انھیں میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے یہ کلمات کتنے حقیقت افروز اور ایمان پرور ہیں۔ بابی انت وامی یارسول اللہ لقد دعا نوح علی قومہ فقال رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا ولو دعوت علینا مثلھا لھلکنا من عند آخرنا فلقد وطئ ظھرک وادمی وجھک وکسرت رباعیتک فابیت ان تقول الا خیرا فقلت رب اغفر لقومی فانھم لا یعلمون (القرطبی)

ترجمہ "اے اللہ کے پیارے رسول ﷺ! میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں نُوح علیہ السّلام نے اپنی قوم کے لیے بد دُعا کی۔ کہ اے رب زمین پر کسی کافر کو سلامت نہ رہنے دے۔ اگر حضور ﷺ بھی ہمارے لیے بد دُعا کرتے تو ہم سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔ لیکن (اے سراپا کرم) آپ کی پُشتِ پاک پر قدم رکھے گئے۔ رُخِ پُرنور زخمی کیا گیا۔ دندان مُبارک توڑے گئے۔ با ایں ہمہ آپ نے دعائے خیر ہی فرمائی۔ اور یہی عرض کی کہ اے رب! میری قوم بے علمی سے یہ کر رہی ہے تو اس کو معاف فرما دے۔"

اِس آیتِ کریمہ کا یہ مدّعا نہیں کہ حضور ﷺ کی دُعا یا بد دُعا کا اللہ کی جناب میں کوئی وزن نہیں۔ اِس میں ذرّہ بھر بھی شک نہیں کہ ہر کہ و مہ حقیر و عزیز سب کچھ بلا اِستثناء اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وُہ نہ چاہے تو کوئی کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن اسی طرح اِس میں بھی ذرّہ بھر شک نہیں کہ مُصطفےٰ کا ہاتھ اُٹھے تو اُجڑے دیار میں بہار آجاتی ہے۔ اُنگلی کا اِشارہ ہو تو چاند دو ٹکڑے ہو جاتا ہے اور اُس کی نظرِ کرم ہو تو کُفر و شرک اور فِسق و فجُور کی تاریکیاں جگمگانے لگتی ہیں۔ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔ اور خواہ کِسی کی جبین پر بل پڑیں وُہ پُورا کر کے رہتا ہے ؎

وُہی ہے طُور جہاں پڑ گئی نگاہ تری وُہی چمن ہے جہاں مُسکرا دِیا تُو نے

[140] سُود اور سُود کی حُرمت پر مفصّل بحث سُورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ نزول کے اِعتبار سے یہ آیت سُورۂ بقرہ کی آیات سے مقدم ہے۔ یہاں اس سُودی نظام کو حرام کِیا جا رہا ہے جس کا اُس وقت عام رواج تھا۔ رواج یہ تھا کہ کِسی نے ایک مدت مقررہ تک قرض لیا۔ جب وُہ مُدّت ختم ہُوئی اور قرض خواہ نے رقم کا مطالبہ کیا تو مقروض کہا کرتا کہ تم میعاد بڑھا دو میں رقم میں اضافہ کر دیتا ہُوں

تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ

فلاح پا جاؤ ۱۴۱؎ اور بچو اس آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے اور اطاعت کرو اللہ کی

وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اور رسول (کریم) کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور دوڑو ۱۴۲؎ بخشش کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ

اور (دوڑو) جنّت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین جتنی ہے ۱۴۳؎ جو تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کے لیے وہ (پرہیزگار)

یہ سلسلہ مدّت تک جاری رہتا یہاں تک کہ اصل رقم کئی گُنا بڑھ جاتی۔ جسے سُود در سُود یا سُود مرکّب کہا جاتا ہے۔ اِس ظالمانہ نظام کو اِسلام نے ختم کر دیا کیونکہ اس سے اگر ایک طبقہ میں تن آسانی، حرام خوری، حرص و بُخل کے جذبات پرورش پاتے ہیں تو قوم کے دُوسرے طبقہ میں حسد و عناد اور منافرت کی تخم ریزی ہوتی ہے۔ وُہ اُمّت جسے دُنیا میں تبلیغ توحید و ہدایت کا ایک عظیم المرتبت مشن سرانجام دینا ہو اُس میں ایسے عناصر کو کب برداشت کیا جا سکتا ہے جو ملّی وحدت کو پارہ پارہ کر دیں۔ اِس لیے اگلی آیتوں میں یہاں تک فرما دیا کہ اگر تم نے اِس سُودی کاروبار کو نہ چھوڑا تو اس عذاب میں مبتلا کیے جاؤ گے جو کفّار کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

۱۴۱؎ بیشتر افراد اور قومیں اپنی فلاح و کامرانی کو دولت کی فراوانی میں مضمر سمجھتی ہیں اور اس کے حصُول کے لیے جائز و ناجائز، حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر کوشاں رہتی ہیں مُسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ دُوسروں کی طرح تم بھی اِس فریب میں مبتلا نہ ہو جانا۔ حقیقی فلاح متّقی بننے سے نصیب ہوتی ہے۔

۱۴۲؎ یعنی ان اعمال کی بجا آوری میں تیزی کرو جو مغفرت کے حصُول کے اسباب ہیں۔ ان میں سابقہ گناہوں سے توبہ، آئندہ گناہوں سے اجتناب کا عزم، ہر قسم کے نیک کاموں کا بجا لانا سب داخل ہیں۔

۱۴۳؎ بعض کا اِرشاد ہے کہ جنّت کی چوڑائی فی الواقع اتنی ہے جتنا آسمانوں اور زمین کا مجموعی رقبہ ہے۔ اور چوڑائی کی فراخی اور وسعت کا یہ عالم ہے تو اُس کی لمبائی کا کیا کہنا۔ لیکن عُلمائے لُغت و اَدب کی رائے ہے کہ لم تقصد الاٰیۃ تحدید العرض ولکن اراد بذلک انھا اوسع شیئٍ رأیتموہ۔ یعنی یہاں جنّت کے عرض کی مساحت کو آسمانوں اور زمینوں کی مساحت کے برابر ثابت کرنا مقصُود نہیں بلکہ بطریقہ استعارہ یہ بتانا مقصُود ہے کہ جتنی وُسعت کا تم تصوّر کر سکتے ہو جنّت اس سے بھی وسیع تر ہے۔

يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ

جو خرچ کرتے ہیں خوشحالی اور تنگ دستی میں ۱۴۴ اور ضبط کرنے والے ہیں غصّہ کو ۱۴۵ اور درگزر کرنے والے ہیں

عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا

لوگوں سے ۱۴۶ اور اللہ تعالیٰ محبّت کرتا ہے اِحسان کرنے والوں سے ۱۴۷ اور یہ وُہ لوگ ہیں کہ جب کر بیٹھیں کوئی

فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪

بُرا کام یا ظلم کریں اپنے آپ پر (تو فوراً) ذِکر کرنے لگتے ہیں اللہ کا اور معافی مانگنے لگتے ہیں اپنے گناہوں کی ۱۴۸

وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪ۙ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ

اور کون بخشتا ہے گناہوں کو اللہ کے سوا اور نہیں اصرار کرتے اس پر جو اُن سے سرزد ہوا اس حال میں کہ

۱۴۴ے یہاں متقین کی صفات بیان کی جارہی ہیں جن کے لیے جنت کی بہاریں چشم براہ ہیں۔ ان کی پہلی صفت یہ ہے کہ وُہ خوش حالی میں اور تنگ دستی و افلاس میں اپنا عزیز مال اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ ایسا کرنا کمال تقویٰ کی واضح علامت ہے۔ اِس صفت کو سب سے پہلے ذِکر کیا گیا۔ کیونکہ اس سے پہلے سُود کا ذِکر تھا جس میں دُوسروں کا مال بغیر حق کے کھایا جاتا ہے اور اِس میں صدقہ کا ذِکر ہے جس میں اپنا مال بغیر کسی ظاہری اِستحقاق کے غیر کو دیا جاتا ہے۔

۱۴۵ے کظم غیظ ان کی دُوسری صفت ہے۔ غیظ شدّتِ غضب کو اور کظم بھری ہُوئی مشک کے مُنہ باندھنے کو کہتے ہیں بعض اوقات ایسی ناپسندیدہ حرکات اور ضرررساں اُمور رُونما ہوتے ہیں جن سے اِنسان برافروختہ ہوجاتا ہے اور جذبۂ اِنتقام سے اُس کا دِل لبریز ہوجاتا ہے۔ ایسے حال میں اپنے غصّہ کو پی جانا بے شک بڑی ہمّت کا کام ہے۔

۱۴۶ے اس کی تیسری صفت عفو ہے۔ عفو کہتے ہیں باوجود قدرت کے اِنسان کسی کی خطا اور ضرررسانی پر صرف خاموش ہی نہ رہے بلکہ دِل سے اسے معاف بھی کردے۔ هو التجافي عن ذنب المذنب مع القدرة عليه۔ یہ چیز کظم غیظ سے اعلیٰ ہے۔

۱۴۷ے ان کی چوتھی صفت اِحسان ہے۔ یہ مرتبہ تمام پہلے مراتب سے بلند تر ہے کہ اِنسان دُشمن سے اِنتقام بھی نہ لے۔ اسے دِل سے معاف بھی کردے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس پر لُطف و اِحسان بھی کرے۔ اس کی جلالتِ شان کی طرف اِشارہ کرنے کے لیے اسلوبِ کلام بدل دیا۔ اور یہ بھی بتادیا کہ ان کو محبُوبیّت کا شرف بخشا جاتا ہے۔

۱۴۸ے ان کی پانچویں صفت طلب مغفرت ہے۔ اِنسان مجمُوعۂ خطا و نسیان ہے۔ یعنی اُن سے جُرم سرزد ہوجائے تو فوراً احساسِ ندامت اُنھیں آلیتا ہے۔ اور یہ جانتے ہُوئے کہ گناہوں کو بخشنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اُس کے حضور میں نہایت عاجزی سے گناہوں

هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣٥﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ

وُہ جانتے ہیں یہ وُہ (نیک بخت) ہیں جن کا بدلہ بخشش ہے اپنے رب کی طرف سے اور جنّت ۱۴۹ے

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿١٣٦﴾

رواں ہیں جن کے نیچے ندّیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں کیا ہی اچھا بدلہ ہے کام کرنے والوں کا

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا

گزر چکے ہیں تم سے پہلے (قوموں کے عروج و زوال کے) قاعدے ۱۵۰ے پس سیر کرو زمین میں اور (اپنی آنکھوں سے) دیکھو کہ

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٣٧﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى

کیسا انجام ہوا (دعوتِ حق کو) جھٹلانے والوں کا یہ ایک بیان ہے لوگوں (کے سمجھانے) کے لیے اور ہدایت

کی معافی کی درخواست کرتے ہیں۔ اُن کی یہ توبہ حقیقی توبہ ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ ان کی زبان تو استغفر اللہ کے وِرد میں مصروف ہو اور وُہ اپنے عمل سے اس استغفار کا تمسخر اڑا رہے ہوں۔ فاحشۃ سے مُراد وُہ گناہ ہے جس کا ضرر دُوسروں تک پہنچے۔ اور ظلموا سے مُراد وُہ گناہ ہیں جن کا اثر اُن کی اپنی ذات تک محدُود ہو۔ (بیضاوی)

۱۴۹ے آپ خُود اندازہ لگائیے کہ جس شخص میں یہ خصالِ حمیدہ ہوں کیا وُہ اپنے شہر، اپنی قوم اور اپنے ملک کے لیے باعثِ ہزار فخر و برکت نہیں ہوتا بلکہ یُوں کہیئے کہ وُہ سارے نوعِ انسانی کے لیے رحمتِ الٰہی ثابت ہوتا ہے اور وُہ اِس کا جائز مستحق ہے کہ اُسے اولٰئک الخ کا مژدہ سُنایا جائے۔ یہ ہے اخلاق کا وُہ کامل معیار جس پر مُسلمان کو پُورا اُترنا چاہیئے۔ آخر وُہ رحمۃ للعالمین کا غلام اور اُمتی ہے وُہ کیوں نہ اپنے آقا کی رحمت کا آئینہ ہو۔ لیکن ؎

وائے محرُومیِ متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے اِحساسِ زیاں جاتا رہا

۱۵۰ے سُنن جمع ہے سُنّت کی۔ اور سُنّت وُہ راستہ ہے جو شاہراہِ عام ہو۔ وُہ طرزِ زندگی ہے جس کا ہمیشہ التزام اور پابندی کی جائے۔ غزوۂ اُحد کی تکلیفات، بدر کی فتحِ مُبین، سُود خوری کے نقصانِ عظیم اور مردِ مومن کی صفات کا ذکر فرمانے کے بعد بتایا جا رہا ہے کہ زمین کے اِس کُھلے ہُوئے صفحہ پر تم سے پہلے گزری ہوئی اقوام کے حالات جلی قلم سے مرقوم ہیں۔ تم اُنھیں پڑھ لو۔ فتح و سُرخرُوئی کی عزّت اُنھیں دی گئی جو اِن صفات کے مالک تھے اور ناکامی و ذِلّت اُنھیں کے حِصّہ میں آئی جو ان سے محرُوم تھے۔ قدرت کے قوانین یکساں اور اٹل ہیں۔ کسی کے لیے اُنھیں توڑا نہیں جاتا۔

وَّمَوۡعِظَةٌ لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ

اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے واسطے اور نہ (تو) ہمت ہارو اور نہ غم کرو۱۵۱ اور تمھیں

الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنۡ يَّمۡسَسۡكُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ

سربلند ہوگے اگر تم سچے مومن ہو (اُحد میں) اگر لگی ہے تمھیں چوٹ تو (بدر میں)

مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُهٗ ؕ وَتِلۡكَ الۡاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيۡنَ النَّاسِ ۚ

لگ چکی ہے (تمھاری دشمن) قوم کو بھی چوٹ ایسی ہی اور یہ (ہار جیت کے) دن ہم پھراتے رہتے ہیں انھیں لوگوں میں

۱۵۱۔ عمل اور رائے میں کمزوری کو وہن کہتے ہیں۔ اور کسی عزیز اور پیاری چیز سے محرومی پر جو دل میں الم پیدا ہوتا ہے اُسے حزن کہا جاتا ہے۔ اُحد میں پیش آنے والے ہوش رُبا حادثات ممکن تھا کہ مسلمانوں کی کمر ہمت توڑ دیتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں تم ہی غالب و منصور ہو گے اگر تم سچے ایمان دار ہو۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک میں اور اس کے بعد جب بھی باطل سے صحابہ کرام کی جنگ ہوئی صحابہ ہی فتح یاب ہوئے۔ حتیٰ کہ ہر وہ لشکر جس میں ایک صحابی بھی شامل ہوا اُس نے کبھی شکست نہیں کھائی۔ اور یہ صحابہ کرام کے مومن کامل ہونے کی واضح دلیل ہے۔ نیز مولا تبارک نے انھیں ایسے الفاظ سے خطاب فرمایا جن سے انبیاء کو مخاطب فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد ہوا انك انت الاعلیٰ اور غلامانِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کو مژدہ دیا انتم الاعلون سبحان اللہ! کیا شان ہے غلامانِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والسلام کی۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایمان کی قوت دنیا کی ساری مادی قوتوں سے زیادہ توانا ہے جس قوم کے افراد کے دلوں میں ایمان اور یقین کی شمع روشن ہوتی ہے دنیا کی کوئی طاقت ان کو شکست نہیں دے سکتی۔ مادی وسائل بھی اسی وقت کارگر ثابت ہوتے ہیں جب ان کو استعمال کرنے والا اپنے مقصد حیات پر محکم یقین رکھتا ہو۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دہکتے انگاروں پر لیٹ کر، خباب رضی اللہ عنہ نے پھانسی کے تختے پر مسکرا کر، سمیہ رضی اللہ عنہا نے نیزہ سے اپنا جسم گھائل کرا کر اور یاسر رضی اللہ عنہ نے دو اونٹوں سے اپنا بدن چروا کر جو عظیم فتح حاصل کی وہ فقط اُن کے نورِ ایمان اور اُن کی قوتِ یقین کا فیضان تھا۔

جب تک اُمتِ مسلمہ ایمان و ایقان سے بہرہ ور رہی ہر میدان میں کامیابی بڑھ کر اس کے قدم چومتی رہی۔ ہر معرکہ نے اس ارشاد باری پر مہر تصدیق ثبت کی وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین۔ بدر، خندق، حنین کے غزوات، یمامہ، قادسیہ اور نہاوند کے معرکے، محمد بن قاسم، طارق، غزنوی اور غوری کی فتوحات اور اولیاء کرام کی تبلیغی سرگرمیاں اور مجیر العقول کامیابیاں عالم واقعہ میں وانتم الاعلون ان کنتم مومنین کی کتنی حسین اور دلکش تفسیریں ہیں۔

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا
اور یہ اس لیے کہ دیکھ لے اللہ تعالیٰ ان کو جو ایمان لائے ۱۵۲ اور بنالے تم میں سے کچھ شہید ۱۵۳ اور اللہ تعالیٰ

يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ
دوست نہیں رکھتا ظالموں کو اور اس لیے کہ نکھار دے اللہ تعالیٰ انھیں جو ایمان لائے اور مٹا دے

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ
کافروں کو کیا تم گمان رکھتے ہو کہ (یونہی) داخل ہو جاؤ گے جنت میں حالانکہ ابھی دیکھا ہی نہیں اللہ نے

الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ
ان لوگوں کو جنھوں نے جہاد کیا تم میں سے اور دیکھا ہی نہیں (آزمائش میں) صبر کرنے والوں کو اور تم تو آرزو کرتے تھے

الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ع
موت کی اس سے پہلے کہ تم اس سے ملاقات کرو سو اب دیکھ لیا تم نے اس کو اور تم (آنکھوں سے) مشاہدہ کر رہے ہو

ع ۱۴ | ۱۴ | ۵

۱۵۲؎ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا ہر شخص کے ظاہر و باطن کا تفصیلی اور یقینی علم ازل سے حاصل ہے تو پھر یہاں ولیعلم اللہ (تاکہ اللہ جان لے) سے کیا مراد ہے؟ علمائے کرام نے بڑی شرح و بسط سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ بعض نے یہ فرمایا کہ یہاں مضاف محذوف ہے مقصد ہے ولیعلموا اولیاء اللہ یعنی تاکہ اللہ کے دوست مومن اور کافر کو جان لیں۔ بعض نے کہا کہ یعلم بمعنی یمیز دیُعَلِّمُ ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسروں کو جتا دے۔ لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم دو طرح کا ہے۔ ایک تو یہ کہ مستقبل میں یوں واقع ہوگا۔ یہ علم تو ازل سے حاصل ہے۔ اس علم پر کوئی جزا، یا سزا، مدح یا ذم مرتب نہیں ہوتی۔ لیکن جب کوئی معلوم چیز علم باری کے مطابق خارج میں موجود ہو جاتی ہے تو اُس وقت یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ اب یہ چیز عدم سے وجود میں آگئی اور اسی علم پر جزاء و سزا مرتب ہوتی ہے۔ یہاں آیت میں علم کا یہی معنی مراد ہے جسے علمِ ظہور کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قول الجمهور ان المراد بالعلم علم الظهور (المنار)

۱۵۳؎ شہداء سے مراد شہیدانِ جہاد ہیں۔ اُنھیں کے خون سے قوم و ملت کی تاریخ کو رنگینی اور رعنائی نصیب ہوتی ہے۔ اور شہداء سے وہ کاملینِ اُمت بھی مراد لیے جا سکتے ہیں جن کا عمل اور سیرت اس دنیا میں اسلام کی حقانیت پر شاہد عدل ہے اور جن کا علم اور بصیرت قیامت کے روز لوگوں کے اعمال پر گواہ ہوگا۔ جن کا ذکر لتکونوا شهداء على الناس میں گزر چکا ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ

اور نہیں محمد (مصطفیٰ) مگر (اللہ کے) رسول ۱۵۴ گزر چکے ہیں آپ سے پہلے کئی رسول ۱۵۵ تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں

اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ

یا شہید کر دیئے جائیں پھر جاؤ گے تم اُلٹے پاؤں (دین اسلام سے) اور جو پھرتا ہے اُلٹے پاؤں

۱۵۴ جنگِ اُحد میں جب خالد نے درّہ کو خالی پا کر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ اس ناگہانی حملہ سے خوف وہراس کی لہر دوڑ گئی۔ ابن قمیہ نے پتھر مار کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو شدید زخمی کر دیا تو یہ افواہ اُڑ گئی کہ حضورؐ شہید کر دیئے گئے۔ بس اس خبر کا مشہور ہونا تھا کہ مسلمانوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ بعض کمزور دل مسلموں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ کاش عبداللہ بن ابی ہمارے لیے ابوسفیان سے امان طلب کرے۔ بعض منافقوں نے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ محمدؐ (علیہ الصلوٰۃ والسّلام) نبی ہوتے تو شہید کیسے کیے جاتے آؤ اپنے پہلے دین کی طرف لوٹ جائیں۔ لیکن بعض ایسے جانباز بھی تھے کہ اس مشکل وقت میں بھی ثابت قدم رہے۔ حضرت انسؓ بن نضر للکار رہے تھے کہ آؤ جس مقصد کے لیے ہمارے آقا نے جان دی اسی کے لیے ہم بھی اپنا سر قربان کر دیں حضورؐ کے بعد زندہ رہنے میں کیا لطف؟ اگر رسول اللہؐ شہید ہو گئے تو کیا ہوا اُن کا رب تو زندہ ہے۔ یہ کہہ کر کفّار پر حملہ کر دیا۔ اور لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش کیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ بعض نومسلموں نے حضورؐ کی شہادت کی خبر سُن کر جو کمزوری دکھائی اُس پر اُنھیں تنبیہ کی جا رہی ہے کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم رسول ہیں خدا نہیں۔ اس دُنیا میں حضورؐ کے قیام کی مُدّت مقرر ہے۔ جب وُہ فانی دُنیا کو چھوڑ کر رفیقِ اعلیٰ کی طرف انتقال فرمائیں تو کیا تم ان کا دین چھوڑ دو گے۔ اور اسلام کی خاطر لڑنا بند کر دو گے۔ ایسا کیا تو خود ہی نقصان اُٹھاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کو تمھارے اِس رویّہ سے کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔

۱۵۵ اِس آیت سے بعض سینہ زوروں نے حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی وفات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن فرماتا ہے کہ آپ سے پہلے جتنے رسول تھے فوت ہو چکے ہیں اس لیے عیسٰی علیہ السّلام بھی زندہ نہیں۔ لیکن ان کا مدعا تو تب ثابت ہوتا کہ آیت کے الفاظ یُوں ہوتے۔ قد ماتت من قبله الرسل یعنی آپ سے پہلے جتنے رسول تھے وُہ وفات پا چکے۔ حالانکہ قرآن کے الفاظ ہیں قد خلت من قبله الرسل اور خلا یخلو کا معنی الگ ہو جانا علیحدہ ہو جانا ہے نہ کہ مر جانا۔ ابھی ایک آیت گزری ہے جس میں منافقین یہود کا ذکر ہے واذا خلوا عضوا علیکم الانامل اِس میں خلوا کا یہ معنی نہیں کہ جب وُہ مر جاتے ہیں بلکہ جب وُہ الگ ہوتے ہیں تو غصّہ سے اپنی اُنگلیاں کاٹتے ہیں۔ قرآن کے واضح الفاظ کے واضح معنوں کی ایسی تحریف سے خُدا بچائے۔

فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْــًٔا ؕ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ

تو نہیں بگاڑ سکے گا اللہ کا کچھ بھی اور جلدی اجر دے گا اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو ۱۵۶ اور نہیں ممکن کہ

لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ

کوئی شخص مرے ۱۵۷ بغیر اللہ کی اجازت کے ۔ لکھا ہوا ہے (موت کا) مقرر وقت ۔ اور جو شخص چاہتا ہے

ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ

دُنیا کا فائدہ ہم دیتے ہیں اس کو اس سے اور جو شخص چاہتا ہے آخرت کا فائدہ ہم دیتے ہیں اُسے

مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ

اس میں سے اور ہم جلدی اجر دیں گے اپنے شکر گزار بندوں کو اور کتنے ہی ۱۵۸ نبی گزرے ہیں کہ جہاد کیا ان کے ہمراہ

رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا

بہت سے اللہ والوں نے سو نہ ہمت ہاری اُنھوں نے بوجہ اُن تکلیفوں کے جو پہنچیں اُنھیں اللہ کی راہ میں اور نہ

ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا

کمزور ہوئے اور نہ اُنھوں نے ہار مانی اور اللہ تعالیٰ پیار کرتا ہے (تکلیفوں میں) صبر کرنے والوں سے اور نہیں

۱۵۶ یہی شکر گزار بندے ہیں جنھوں نے نعمتِ اسلام کو پہچانا، اس کی قدر کی اور اس کے لیے اپنی جان دے کر اس بے مثل نعمت کے شکریہ کا حق ادا کر دیا۔

۱۵۷ یعنی موت کا ایک دن معین ہے۔ بزدلی سے زندگی بڑھ نہیں سکتی اور شجاعت و دلیری سے گھٹ نہیں سکتی پھر جہاد سے جی چرانے سے کیا حاصل؟

۱۵۸ کاین، کم خبریہ کے معنی میں ہے۔ اصل میں ایّ تھا۔ اس پر کاف تشبیہ کا داخل کر کے نون تنوین کو نون کی شکل میں لکھ دیا۔ "کاین"۔ اس میں مشہور لغت کائن بھی ہے۔ ربیّون کی راء پر تینوں حرکتیں آسکتی ہیں۔ زمخشری نے تو اس کا معنی رب والے ہی کیا ہے۔ والربیّون، الربانیّون (کشاف) لیکن علامہ قرطبی نے اس کا دوسرا معنی انبوہ کثیر بھی لکھا ہے الربّیون الجماعۃ الکثیرۃ۔ اس صورت میں اس کا واحد رُبّی ہے اور رِبّۃ بمعنی جماعت کی طرف منسوب ہے۔ اس آیت میں

كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا

تھی ان کی گفتگو بغیر اس کے کہ کہا اُنھوں نے اے ہمارے رب! بخش دے ہمارے گناہ ۱۵۹ اور جو زیادتیاں کیں ہم نے

فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۴۷﴾

اپنے کام میں ۱۶۰ اور ثابت قدم رکھ ہمیں اور فتح دے ہم کو قوم کفار پر

بھی اُن لوگوں کو سرزنش کی جارہی ہے جن کے قدم اُحد میں ڈگمگا گئے۔ کہ پہلے بھی انبیائے کرام اپنے صحابہ سمیت کفر سے جنگ آزما ہوئے لیکن وُہ مصائب و شدائد میں گھبرائے نہیں۔ اور تم تو خیر الامم ہو اور سیّد الانبیاء کے غلام ہو۔ کیا تمھیں یہ زیب دیتا ہے کہ مُصیبت کے لمحوں میں ثابت قدم نہ رہو۔

۱۵۹ کتنی پاکیزہ دُعا ہے۔ اور اس کے سارے جُملے کتنے معنی خیز، دلکش اور پُر از تاثیر ہیں۔ ابتداء میں اُن اُمور سے پناہ مانگی جارہی ہے جو شکست کا باعث بنتے ہیں۔ قوم اپنے گناہوں کے باعث اللہ تعالیٰ کے لُطف و کرم سے محروم ہوجاتی ہے۔ دُشمن جب اس پر ہلّہ بولتا ہے تو تائیدِ ربّانی اس کی پُشت پناہی نہیں کرتی اور وُہ قوم شکست کھا جاتی ہے۔ اس لیے عرض کی کہ الٰہی! ہم سے جو گناہ اور قصور سرزد ہوئے ہیں وُہ معاف فرمادے اور ہم پر راضی ہوجا۔ نیز بسا اوقات دُشمن سے نبرد آزما ہونے کے لیے جس قسم کی تیاری کی ضرورت ہوتی ہے اس میں کوتاہی ہوجاتی ہے۔ فوج کی عسکری تربیت میں خامی رہ جاتی ہے۔ جدید اسلحہ کی ساخت اور فراہمی کا بندوبست نہیں ہوپاتا۔ جنگ کا منصُوبہ پُوری محنت اور ہوشمندی سے تیّار نہیں کیا جاتا۔ یہ چیزیں بھی ناکامی کا باعث بن جایا کرتی ہیں۔ ان کوتاہیوں اور غفلتوں سے بھی عفو و درگذر کی اِلتجا کی جارہی ہے۔ اس کے بعد فتح کے لیے دامن پھیلایا جارہا ہے۔ لیکن پہلے میدانِ جنگ میں صبر و استقامت کی توفیق مانگی جارہی ہے جو کامیابی کی شرطِ اوّل ہے۔

یہ جُملہ دُعا بھی ہے اور ایک عملی ہدایت نامہ بھی۔ جس اُمّت کے پاس ایسی کتاب ہو جو نہ خود حقائق سے اغماض کرتی ہو اور نہ اپنے ماننے والوں کو اس غلط راستہ پر چلنے کی اِجازت دیتی ہو۔ وُہ اُمّت اگر طفل تسلّیوں میں مُبتلا رہے اور جھوٹی اُمیدوں کی بُنیادوں پر ہوائی قلعے تعمیر کرتی رہے تو اس سے زیادہ المناک سانحہ اور کیا ہوسکتا ہے۔

۱۶۰ واسرافنا فی امرنا سے یہ مقصد بھی ہوسکتا ہے کہ اس خاص مہم کے لیے تیار ہونے میں جو غفلت اور تساہل ہوگیا جس کی وجہ سے فتح و کامرانی کے ظاہری اسباب کی تکمیل میں کمی رہ گئی اُس سے عفو و درگزر کی اِلتجا کی جارہی ہے۔ کیونکہ ہمیں توکّل کے ساتھ ساتھ ظاہری اسباب مہیّا کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ

تو دے دیا ان کو ۱۶۱ اللہ تعالیٰ نے دُنیا کا ثواب (یعنی کامیابی) اور عمدہ ثوابِ آخرت کا (یعنی نعیمِ جنّت اور لذّتِ وصل) اور اللہ تعالیٰ

يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ

محبت کرتا ہے نیکو کاروں سے اے ایمان والو! ۱۶۲ اگر پیروی کرو گے تم

كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ

کافروں کی تو وُہ پھیر دیں گے تمھیں اُلٹے پاؤں (کفر کی طرف) تو تم لوٹو گے نقصان اُٹھاتے ہُوئے بلکہ اللہ

مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ

حامی ہے تمھارا اور وُہ سب سے بہتر مدد فرمانے والا ہے ابھی ہم ڈال دیں گے کافروں کے دِلوں

كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَ

میں ۱۶۳ رُعب اِس لیے کہ اُنھوں نے شریک بنالیا اللہ کے ساتھ اُس کو جس کے لیے نہیں اتاری اللہ نے کوئی دلیل اور

۱۶۱ ثوابِ دُنیا سے مُراد فتح وظفر، رُعب و دبدبہ اور تحسین و آفرین ہے۔ اور ثوابِ آخرت سے مقصود جنّت، رضائے الٰہی اور لذّتِ وصل ہے۔

۱۶۲ پہلی آیت میں انبیائے سابقین کے انصار و اعوان کی اقتداء کا حکم دیا گیا۔ اس آیت میں کفّار کی اطاعت سے روکا گیا۔ کیونکہ ان کی اطاعت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دِین کا دامن ہمارے ہاتھ سے چھُوٹ جائے گا۔ یا کم از کم ہماری گرفت ڈھیلی پڑجائے گی۔

۱۶۳ اس کا مظاہرہ جنگِ اُحد میں ہی ہوگیا۔ کفّار نے پلٹ کر عقب سے حملہ کرکے مُسلمانوں کو سراسیمہ کردیا تھا۔ ان کی صفیں درہم برہم ہوگئی تھیں۔ ان کی کثیر تعداد شہید اور فوج کا بیشتر حصّہ بُری طرح زخمی ہوچکا تھا۔ اگر وُہ اُس وقت مدینہ پر یلغار کرتے تو ظاہری حالات ایسے تھے کہ شاید انھیں کسی قابلِ ذکر مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کے دِلوں کو اتنا مرعُوب اور خوفزدہ کردیا کہ اُنھوں نے وُہ مہم جس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے وُہ پُورے طمطراق سے آئے تھے اور اپنی عورتوں کو بھی ساتھ لائے تھے اس کو نامکمل چھوڑ کر واپس ہونے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔ راستہ میں اُنھیں اپنی اس غلطی کا احساس بھی ہوا کہ وُہ اپنے کام کو ادھورا چھوڑ کر جارہے ہیں۔ چنانچہ اُنھوں نے واپسی کا قصد بھی کیا لیکن ہمّت نے جواب دے دیا۔

مَأْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَ بِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَ لَقَدْ صَدَقَكُمُ

اُن کا ٹھکانا آتش (جہنّم) ہے اور بہت بُری جگہ ہے ظالموں کی اور بے شک سچ کر دکھایا تم سے

اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ

اللہ نے اپنا وعدہ ۱۶۴؎ جب کہ تم قتل کر رہے تھے کافروں کو اس کے حکم سے یہاں تک کہ جب تم بُزدِل ہو گئے اور

تَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَ عَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ

جھگڑنے لگے (رسولؐ کے حکم کے بارے میں اور نافرمانی کی تم نے اس کے بعد کہ اللہ نے دکھا دیا تھا تمھیں جو تم پسند کرتے تھے

اُلٹا زخم خوردہ مسلمانوں نے اپنے نبیؐ کی قیادت میں مدینہ سے آٹھ میل دُور حمراء الاسد تک اُن کا تعاقب کیا۔ رُعب بھی فتحیابی کا بہت بڑا سبب ہے۔ بسا اوقات دُشمن لڑے بغیر ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ دُشمن ایک ماہ کی مُسافت پر ہراساں رہتا تھا۔

۱۶۴؎ امام بُخاری نے براء ابن عازب سے جنگِ اُحد کا چشم دید حال روایت کیا ہے جس سے اس آیت کا مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ ترجمہ ملاحظہ ہو:-

براءؓ بن عازب فرماتے ہیں۔ اُحد کے دن جب ہمارا مقابلہ مُشرکین سے ہوا تو حضورؐ نے تیر اندازوں کے ایک دستہ کو عبداللہ بن جبیر کی اِمارت میں درّہ پر متعیّن فرمایا اور اُنھیں حُکم دیا کہ چاہے ہمیں فتح ہو یا شکست تم کسی صُورت میں اس جگہ کو نہ چھوڑنا۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو مُسلمانوں نے کفّار کو بھاگنے پر مجبُور کر دیا۔ ہم نے اُن کی عورتوں کو دیکھا کہ وُہ پہاڑ میں اِدھر اُدھر حواس باختہ ہو کر بھاگ رہی ہیں۔ اُنھوں نے پائنچے اُوپر چڑھائے ہُوئے ہیں۔ اُن کی پنڈلیاں برہنہ ہو رہی ہیں اور اُن کی پازیبیں نظر آ رہی ہیں۔ جنگ کی یہ حالت تھی اور مسلمانوں نے غنیمت غنیمت کہنا شروع کر دیا۔ تیر اندازوں کے دستہ نے بھی غنیمت جمع کرنے میں شریک ہونا چاہا۔ عبداللہ بن جبیر نے اُنھیں کہا کہ ٹھہرو! کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے تمھیں حُکم نہیں دیا تھا کہ یہاں سے ہرگز نہ ہٹنا۔ لیکن وُہ وہاں نہ ٹھہرے۔ کفّار نے پیچھے سے حملہ کر دیا اور مُسلمانوں کے ستّر آدمی شہید ہو گئے۔ براءؓ فرماتے ہیں کہ ابُوسفیان نے اُونچی جگہ کھڑے ہو کر حضورؐ کا نام پاک لے کر پُوچھا۔ کیا تم میں محمدؐ (فداہ امّی وابی) ہیں؟ حضورؐ نے جواب دینے سے منع فرما دیا۔ اس نے یہ سوال تین بار دُہرایا۔ پھر اُس نے تین بار پُوچھا۔ کیا تم میں ابنِ ابی قحافہ (ابُوبکر) ہیں؟ پھر بھی جواب دینے سے حضورؐ نے روک دیا۔ پھر اُس نے تین بار پُوچھا۔ کیا تم میں عُمر ہیں؟ پھر بھی جواب کی اجازت نہ ملی۔ ابُوسفیان نے اپنے احباب کی طرف متوجّہ ہو کر (خوشی سے) کہا کہ یہ تینوں تو قتل ہو گئے۔ اَب حضرت عُمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا۔ آپ نے فرمایا اے اللہ کے دُشمن! تم جھُوٹ بکتے ہو۔ تجھے ذلیل و رُسوا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اُنھیں باقی رکھا ہے۔ پھر اُس نے نعرہ مارا اعلُ ھبل۔ ھبل کی جے! حضورؐ نے فرمایا۔ تم کہو

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ

بعض تم میں سے ١٦٥ طلبگار ہیں دُنیا کے اور بعض تم میں سے طلبگار ہیں آخرت کے پھر

صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ

پیچھے ہٹا دیا تمھیں ان کے تعاقب سے تاکہ آزمائے تمھیں اور بے شک اُس نے معاف فرما دیا تم کو ١٦٦ اور اللہ تعالیٰ بہت

فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى

فضل و کرم فرمانے والا ہے مومنوں پر یاد کرو جب تم دُور بھاگے جا رہے تھے ١٦٧ اور مُڑ کر دیکھتے بھی

اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ

نہ تھے کسی کو اور رسُولِ کریم ١٦٨ بُلا رہے تھے تمھیں پیچھے سے پس اللہ نے پہنچایا تمھیں غم کے بدلے غم ١٦٩

اللہ اعلیٰ واجل۔ اللہ بلند اور بزرگ ہے۔ پھر ابُوسفیان نے ازراہِ غرُور کہا لنا عزی ولا عزی لکم ہمارا عزی ہے اور تمھارا کوئی عزی نہیں۔ حضُور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا۔ تم کہو اللہ مولانا ولا مولا لکم اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمھارا کوئی مددگار نہیں"۔ اب یہ آیت مزید کسی تشریح کی محتاج نہیں۔

١٦٥ اِس سے مُراد وُہ تیر انداز ہیں جو مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے اپنا مورچہ چھوڑ گئے اور منکم من یرید الآخرۃ سے مُراد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جبیر اور اُن کے وُہ دس ساتھی ہیں جو اپنی جگہ پر جمے رہے اور شہید ہُوئے۔

١٦٦ زبردست سرزنش کرنے کے بعد اب اُن کو یہ مُژدہ سُنایا جا رہا ہے کہ تمھاری اِس خطا کو تمھارے مولا کریم نے معاف فرما دیا ہے بے شک اللہ تعالیٰ مومنوں پر اپنا فضل و کرم فرمانے والا ہے۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ جن سے یہ لغزش ہُوئی وُہ مومن تھے اب جب اللہ تعالیٰ اُنھیں مومن کہے اور اُن کی لغزش کو معاف کر دے تو آج کون ہے جسے یہ حق پہنچتا ہو کہ اِن نفوسِ قُدسیہ کے ایمان میں شک کرے یا اُن پر زبان طعن دراز کرے۔

١٦٧ زمین میں دُور تک دوڑے چلے جانے کو اصعاد کہتے ہیں۔ الاصعاد الذهاب والابعاد فی الارض (بیضاوی) ابُوحاتم نے کہا کہ بلندی پر چڑھنے کو صعود اور ہموار زمین اور وادیوں میں چلنے کو اصعاد کہتے ہیں (قرطبی) اُحد میں مسلمانوں کی افراتفری کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے۔

١٦٨ دُشمن کے ناگہانی دو طرفہ حملہ سے جو دہشت اور خوف پھیل گیا تھا اس میں بڑے بڑے بہادروں کی کمرِ ہمّت ٹوٹ گئی۔ پاؤں ڈگمگا گئے۔ اور جان بچانے کی فکر میں اِدھر اُدھر بھاگ کھڑے ہُوئے لیکن اللہ کا پیارا محبُوب صلی اللہ علیہ وسلم اور سچا رسُول صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی طرح

لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ

تاکہ تم نہ غمگین ہو ۱۷۰ اس چیز پر جو کھو گئی ہے تم سے اور نہ اس مصیبت پر جو پہنچی ہے تمھیں اور اللہ تعالیٰ خبردار ہے

بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً

جو کچھ تم کر رہے ہو پھر اُتاری اللہ تعالیٰ نے تم پر ۱۷۱ غم و اندوہ کے بعد راحت (یعنی)

نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ

غنودگی جو چھا رہی تھی ایک گروہ پر تم میں سے اور ایک جماعت ایسی تھی جسے فکر پڑا ہوا تھا (صرف)

اپنی جگہ پر جما رہا۔ نہ دل میں ہراس، نہ چہرہ پر مایوسی، نہ زبان پر شکوہ اور نہ حرکات میں بے ضابطگی۔ شجاعتِ رسالت اور وقارِ نبوت کا صحیح مظاہرہ اسی روز ہوا۔ صرف بارہ جان نثار پاس ہیں اور دشمن کا ٹڈی دل لشکر چاروں طرف سے اُمڈا چلا آ رہا ہے۔ لیکن یہاں پیشانی پر بل تک نہیں۔ اس وقت بھی زبان پاک سے الیّ عباد اللہ الیّ عباد اللہ اے اللہ کے بندو میری طرف آؤ، اے اللہ کے بندو میری طرف آؤ کے الفاظ نکل رہے ہیں۔

۱۶۹ے یعنی تم نے حکم نبوی سے سرتابی کر کے حضورؐ کو رنج پہنچایا۔ اس کے بدلے تمھیں بھی غم سے دوچار ہونا پڑا۔ جیتا ہوا میدان ہاتھ سے نکل گیا۔ تعداد کثیر شہید ہو گئی اور حضورؐ کی شہادت کی خبرِ وحشت اثر نے تو دنیا ہی تاریک کر دی۔

۱۷۰ے اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ یہ غم پر غم، رنج پر رنج اس لیے دیا کہ تم ان کے خوگر ہو جاؤ اور آئندہ کبھی ایسی صورت پیش آئے تو صبر و استقامت سے کام لو۔ لیکن بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ جملہ لقد عفا عنکم سے متعلق ہے یعنی اس لغزش کے باوجود تمھیں معاف اس لیے کر دیا کہ غلطی کا احساس تمھیں ہمیشہ حزین و غمگین نہ بنائے رکھے۔ احساسِ خطا کے اس تکلیف دہ زخم پر اللہ تعالیٰ نے عفو و کرم کا مرہم لگا دیا۔ علامہ قرطبی نے اسی کو پسند کیا ہے۔

۱۷۱ے اُحد میں جب جسم زخموں سے چُور ہو رہے تھے۔ تھکن سے جوڑ جوڑ ٹوٹ رہا تھا۔ عزیز احباب کے لاشے خاک و خون میں تڑپ رہے تھے۔ ہر طرف خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے مخلص مومنوں پر غنودگی طاری کر دی جس سے پھر یہ تھکا ماندہ لشکر تازہ دم ہو گیا۔ حضرت ابو طلحہؓ فرماتے ہیں کہ ہم اُونگھنے لگے۔ یہاں تک کہ کئی بار تلوار میرے ہاتھ سے چھوٹی اور میں نے اسے سنبھالا۔ ایسی حالت میں نیند کا آنا واقعی ایک بڑی نعمت ہے۔
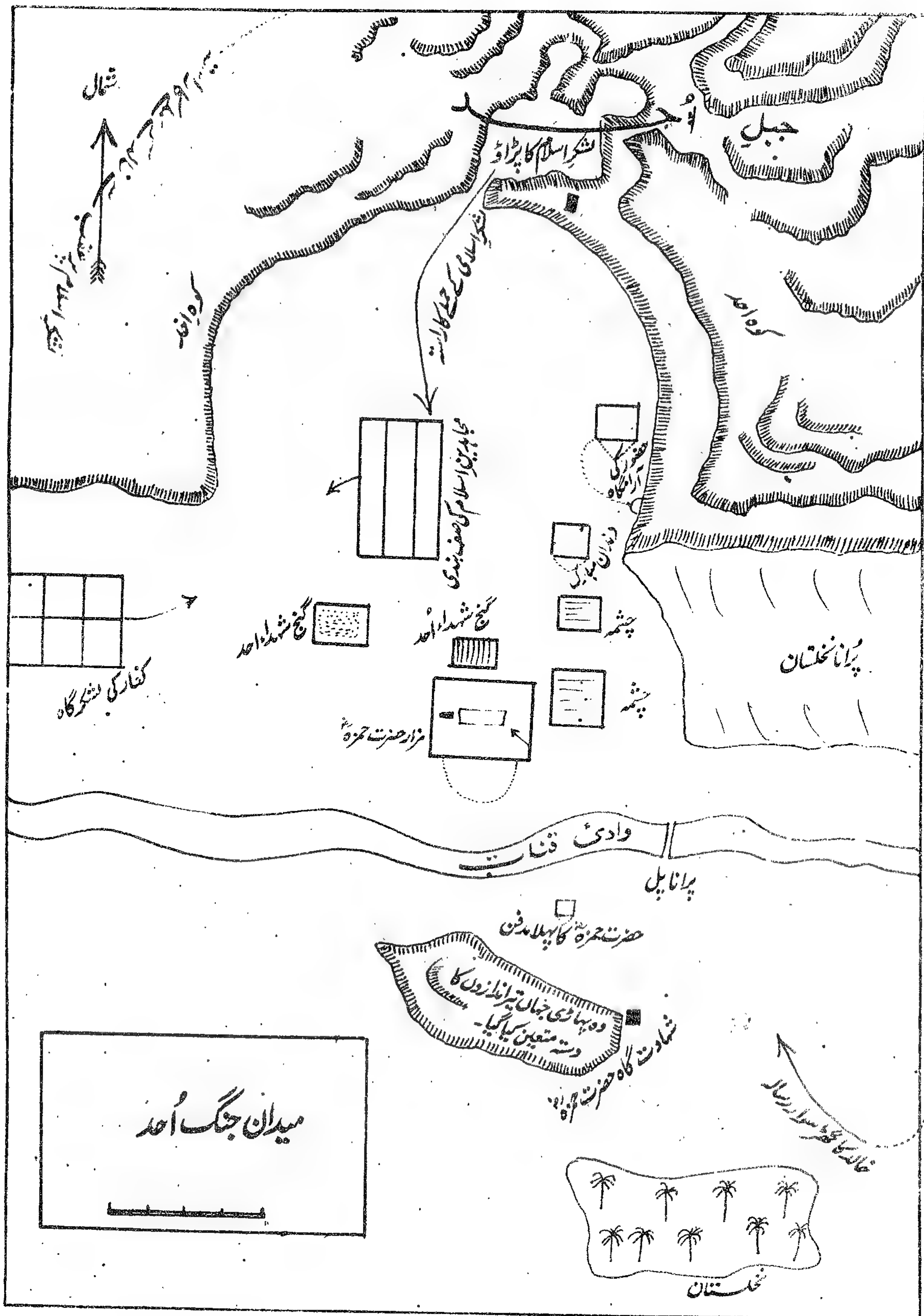
اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ

اپنی جانوں کا ۱۷۲ بدگمانی کر رہے تھے اللہ کے ساتھ بلا وجہ عہدِ جاہلیت کی بدگمانی کہتے

هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ

کیا ہمارا بھی اِس کام میں کچھ دخل ہے آپ فرمائیے اختیار تو سارا اللہ کا ہے

يُخْفُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ

چھپائے ہوئے ہیں اپنے دلوں میں جو ظاہر نہیں کرتے آپ پر کہتے ہیں (اپنے دِلوں میں) اگر ہوتا

لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِیْ

ہمارا اِس کام میں کچھ دخل تو نہ مارے جاتے ہم یہاں (اِس بے دردی سے) آپ فرمائیے کہ اگر تم (بیٹھے) ہوتے ۱۷۳

بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ

اپنے گھروں میں تو ضرور نکل آتے (وہاں سے) وُہ لوگ لکھا جا چکا تھا جن کا قتل ہونا اپنی قتل گاہوں کی طرف (یہ سارے

وَلِيَبْتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ

مصائب اِس لیے تھے) تاکہ آزمالے اللہ تعالیٰ جو کچھ تمہارے سینوں میں (چھپا) تھا اور صاف کر دے جو (میل کچیل) تمہارے دِلوں میں تھا

۱۷۲ منافقین کی تین سو کی نفری تو ابنِ ابی کے ساتھ راستہ سے ہی لَوٹ گئی تھی۔ لیکن ایک مختصر سی جماعت (معتب بن قشیر اور اس کی پارٹی) ساتھ تھی۔ انھیں نیند کے لُطف سے محرُوم رکھا گیا۔ کیونکہ انھیں نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی سلامتی کا فکر تھا اور نہ کامیابی کا خیال۔ انھیں صرف اپنی پڑی تھی کہ وُہ کہیں زندہ و سلامت گھر پہنچیں۔ لیکن جب جنگ کا پانسہ پلٹ گیا تو ان کا چھپا ہوا نفاق اور اِسلام دُشمنی ان کی زبان سے ظاہر ہُوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اور جو کچھ بے سر و پا باتیں اُنھوں نے کیں۔ ان کو قرآن نے وضاحت سے ذکر کر دیا۔

۱۷۳ یعنی جب موت کا وقت معیّن آجاتا ہے تو اِنسان اپنی قتل گاہ کی طرف خُود بخود کھچا چلا آتا ہے۔ وُہ لاکھ کترائے لیکن تقدیر اسے پا بجولاں لے ہی آتی ہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٥٤﴾ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ

اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے سینوں کے رازوں کا ۱۷۴ بے شک وہ لوگ جو پیٹھ پھیر گئے تھے تم سے ۱۷۵

يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۚ

اُس روز جب مقابلہ میں نکلے تھے دونوں لشکر تو پھسلا دیا تھا اُنھیں شیطان نے بوجہ ان کے کسی عمل کے

وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٥٥﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

اور بے شک (اب) معاف فرما دیا ہے اللہ تعالیٰ نے انھیں یقیناً اللہ بہت بخشنے والا نہایت حلم والا ہے اَے ایمان والو!

ع ۷

۱۷۴ اب پھر خطاب مومنینِ صادقین سے ہے کہ ان مصیبتوں کی بھٹی میں تمھیں اس لیے ڈالا گیا کہ کھوٹا کھرا الگ الگ ہو جائے اور لغزش کا میل کچیل دُھل جائے۔

۱۷۵ اس افراتفری میں جو لوگ بھاگ کھڑے ہُوئے تھے انھیں پہلے مژدہ سُنایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی غلطی مُعاف فرما دی اِن کی مزید تسکینِ خاطر کے لیے اِسی خوشخبری کو دُہرایا جا رہا ہے۔ ایک دفعہ حضرت عثمان اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما میں کسی بات پر تیز کلامی ہو گئی۔ تو حضرت عبد الرحمٰن نے حضرت عثمان سے کہا کہ تمھیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ مجھے بُرا بھلا کہو۔ کیونکہ میں بدر میں شریک تھا اور تم غیر حاضر تھے میں نے بیعتِ رضوان کی اور آپ نے نہیں کی۔ اور میں اُحد میں ثابت قدم رہا اور تم نہ رہے۔ تو حضرت عثمان نے جواب میں فرمایا کہ غزوۂ بدر میں میری غیر حاضری کی خاص وجہ تھی۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی صاحبزادی (ان کی زوجۂ محترمہ) بیمار تھیں اور میں ان کی تیمار داری اور خدمت گزاری میں رہا اور حضور کریمؐ نے مجھے مجاہدینِ بدر کے سے اجر کی خوشخبری بھی دی اور مالِ غنیمت سے مجھے ان کے برابر حصّہ بھی دیا۔ بیعتِ رضوان کے وقت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا سفیر بن کر کفارِ مکّہ کے پاس گیا ہوا تھا اور جب تم لوگ بیعت کر چکے تو حضورؐ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا ھٰذہ لعثمان یہ ہاتھ عثمان کی طرف سے ہے فیمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وشمالہ خیر لی من یمینی وشمالی۔ میرے دائیں اور بائیں ہاتھ سے سرورِ عالم کا دایاں اور بایاں ہاتھ میرے لیے ہزار درجہ بہتر ہے۔ باقی رہا غزوۂ اُحد کا حادثہ تو اس کے متعلق خود اللہ کریم نے فرما دیا لقد عفا اللہ عنھم کہ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں بخش دیا۔ یہ مسکت جواب سُن کر حضرت عبد الرحمٰن کو خاموش ہونا پڑا۔

اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا

۱۷۶ے نہ ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جنھوں نے کفر اختیار کیا اور جو کہتے تھے اپنے بھائیوں کو جب وُہ سفر کرتے

فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا

کسی علاقہ میں یا ہوتے تھے جہاد کرنے والے کہ اگر وُہ ہوتے ہمارے پاس تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے

لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ

تاکہ بنائے ۱۷۷ے اللہ تعالیٰ اس (خیالِ باطل) کو حسرت (کا باعث) ان کے دلوں میں اور (درحقیقت) اللہ ہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھ رہا ہے اور واقعی اگر تم قتل کیے جاؤ ۱۷۸ے راہِ خُدا میں

۱۷۶ے مُنافقین جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے اور مُسلمانوں کے ساتھ بھائی چارے کا دعویٰ کیا کرتے وُہ اپنی بُزدلی اور نامردی کو حزم و احتیاط اور مسلمانوں کے جذبۂ جہاد اور شوقِ سرفروشی کو دیوانگی سمجھا کرتے۔ اور جب کوئی مسلمان جہاد میں جامِ شہادت نوش کرتا تو رونی صُورت بنا کر خیر خواہی کے انداز میں کہا کرتے کہ کاش یہ ہمارے بھائی جو جنگوں میں کٹ کٹ کر مر رہے ہیں ہماری طرح آرام سے گھروں میں ٹھیرتے تو کاہے کو یہ مُصیبت آتی۔ بچے یتیم ہوئے۔ بیگم کا سہاگ اُجڑا۔ ماں کی دُنیا تاریک ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ مُسلمانوں کو ہوشیار فرما رہے ہیں کہ ان مکاروں کے فریب میں نہ آنا۔ موت و حیات میرے قبضۂ قدرت میں ہے۔ میں چاہُوں تو گھر میں رُوح قبض کرلوں اور چاہُوں تو گھمسان کے رن میں جہاں گولیاں برس رہی ہوتی ہیں۔ توپیں دھاڑ رہی ہوتی ہیں اور طیارے بموں کی بارش کر رہے ہوتے ہیں بچالوں۔

۱۷۷ے حسرت یہ تھی کہ مُسلمان ان کی باتوں کو نہیں مانتے تھے۔ باپ شہید ہو چکا ہے اور بیٹا کفن باندھے میدانِ جہاد کا رُخ کر رہا ہے۔ بھائی سر کٹا چکا ہے اور دُوسرا بھائی خونِ شہادت سے سُرخرُو ہونے کی دُعائیں مانگ رہا ہے۔ ماں اپنے ایک شہید بیٹے کو سپُردِ خاک کرنے کے بعد دُوسرے بیٹے کو اپنے دُودھ کی لاج رکھنے کی نصیحت کر کے سر پر خود اور ہاتھ میں تلوار دے رہی ہے۔ ان منافقین کے لیے اس سے زیادہ حسرت آمیز اور الم انگیز کیا چیز ہو سکتی ہے۔

۱۷۸ے پہلے تو یہ ضروری نہیں کہ جو گھر پڑا رہے گا وُہ مرے گا نہیں اور جو جہاد کے لیے جائے گا وُہ ضرُور مرے گا۔ اور اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی یہ سودا بڑا سُود مند ہے۔ اس حیاتِ فانی کے عوض اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت میسّر آجائے تو پھر اور کیا چاہیئے۔

أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَ

یا تم مر جاؤ تو اللہ کی بخشش اور رحمت (جو تمھیں نصیب ہوگی) بہت بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں اور

لَئِنْ مُّتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ

اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو اللہ کے حضور جمع کیے جاؤ گے ۱۷۹ پس (صرف) اللہ کی رحمت سے ۱۸۰

اللهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا

آپ نرم ہو گئے ہیں ان کے لیے اور اگر ہوتے آپ تند مزاج سخت دل تو یہ لوگ منتشر ہو جاتے

مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي

آپ کے آس پاس سے تو آپ درگزر فرمایئے ان سے اور بخشش طلب کیجیے ان کے لیے ۱۸۱ اور صلاح مشورہ کیجیے ان سے اس

۱۷۹ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب تو ہم اللہ تعالیٰ سے کہیں دُور ہیں اور قیامت کے روز ہمیں اُس میدان میں کھڑا کیا جائے گا۔ جہاں ہم خُدا کے رُوبرُو ہوں گے۔ ہم تو اب بھی اُس سے دُور نہیں۔ اور وہ اب بھی ہماری شہ رگ سے قریب تر ہے لیکن آج ہم طرح طرح کی مشغولیتوں میں ایسے کھوئے ہُوئے ہیں کہ ہمیں اس قُرب کا احساس نہیں رہا۔ اِس طرح ہم اس سے گویا بہت دُور ہیں لیکن قیامت کے روز سارے مشاغل ختم ہو جائیں گے۔ اور قُربِ الٰہی کا ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں گے اور ہم اعتراف کریں گے کہ اب ہم اس کے رُوبرو کھڑے کر دیئے گئے ہیں۔

۱۸۰ ما موصولہ ہے اور تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔ اسی لیے معنی میں "صرف" کا لفظ ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان قصورواروں کو جن کی وجہ سے فتح شکست میں تبدیل ہوگئی سزا تو کجا سرزنش تک بھی نہ کرنا بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لطف و محبت سے پیش آنا محض اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جلوہ نمائی ہی تو تھی جس سے اس نے اپنے محبوب کو متصف فرمایا تھا۔ اگر حضورؐ کا حوصلہ اتنا وسیع، رحمت اتنی عام اور عفو وحلم اتنا بے پایاں نہ ہوتا تو حق کے متلاشیوں کا اتنا جمگھٹا کیسے ہوتا۔ لوگوں سے قصور ہو جاتا تو بعض شرم کے مارے اور بعض سزا کے خوف سے دُور بھاگ جاتے۔

۱۸۱ "حق تعالیٰ نے نہایت عجیب وغریب پیرایہ میں ان کی سفارش کی۔" (شیخ الہند) فاعف عنھم واستغفرلھم میں اپنے رسولؐ کو فرمایا کہ ان سے جو غلطی ہوگئی ہے اسے خود بھی معاف کر دیجئے اور میری جناب میں بھی شفاعت کیجیے کہ میں بھی ان سے راضی ہو جاؤں۔ سُبحان اللہ کیا شان ہے صحابہ کرام کی اور کتنا بلند مقام ہے ان کے نبی مکرمؐ کا۔ اور کیا کہنے مولائے کریم کی رحمت کے جو اس نے اپنے محبوب اور اس کے ذریعہ اپنی سب مخلوق پر کی۔ اس آیت میں بالکل واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم گنہگاروں

الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

کام میں ۱۸۲؎ اور جب آپ ارادہ کرلیں ۱۸۳؎ (کسی بات کا) تو پھر توکل کرو اللہ پر بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے توکل کرنے والوں سے

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ

اگر مدد فرمائے تمھاری اللہ تعالیٰ تو کوئی غالب نہیں آسکتا تم پر اور اگر وہ (ساتھ) چھوڑ دے تمھارا تو کون ہے جو

يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَمَا

مدد کرے گا تمھاری اس کے بعد اور صرف اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیئے ایمان والوں کو اور نہیں ہے

کے گناہ بخشنے کے لیے ہمارے دکھ درد دور کرنے کے لیے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی دعا کو واسطہ اور وسیلہ بنایا حضورؐ کو وسیلہ سمجھنا اور حضورؐ کی بارگاہ میں شفاعت کے لیے التجا کرنا شرک نہیں عین اسلام ہے اور قرآن کی تعلیم ہے۔

۱۸۲؎ امام ابی عبداللہ القرطبیؒ نے اس مقام پر خوب لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔ قال ابن عطية والشورى من قواعد الشريعة وعزائم الاحكام ومن لا يستشير اهل العلم والدين فعزله واجب مشورہ شریعت کے مسلمہ اصولوں اور اہم ترین احکام سے ہے۔ اور جو حاکم اہل علم و دین سے مشورہ نہیں کرتا بلکہ خود رائی سے کام لیتا ہے اُسے معزول کر دینا لازمی ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں "کہ خلفاء اور حکام پر واجب ہے کہ دینی معاملات میں علماء سے، جنگی امور میں قائدین لشکر اور ماہرین حرب سے، عام فلاح و بہبود کے کاموں میں سرداران قبائل سے اور ملک کی ترقی اور آبادی کے متعلق عقلمند وزراء اور تجربہ کار عہدہ داروں سے مشورہ کریں۔" اور نبی اکرمؐ کو مشورہ کرنے کے حکم کی حکمت بیان کرتے ہوئے علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں ما امر الله نبيه بالمشاورة لحاجة منه الى رأيهم وانما اراد ان يعلمهم ما في المشاورة من الفضل ولتقتدي به امته من بعده یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو اس لیے مشورہ کرنے کا حکم نہیں دیا کہ حضورؐ کو ان کے مشورہ کی ضرورت تھی بلکہ اس میں حکمت یہ تھی کہ انھیں مشاورت کی شان کا پتہ چل جائے۔ نیز یہ کہ مشورہ سنّتِ نبویؐ بن جائے اور اُمّتِ مسلمہ اس کی اقتداء اور اتباع کرے۔ اس کی ایک اور وجہ بھی لکھی ہے کہ تطييبا لنفوسهم ورفعا لاقدارهم صحابہ کے دلوں کو خوش کرنا اور ان کی قدر و منزلت کو بڑھانا بھی مقصود تھا۔

۱۸۳؎ خوب غور و فکر، بحث و تمحیص کے بعد جو فیصلہ کیا جائے اُس کو عملی جامہ پہنانے کا پختہ ارادہ کرلینے کو عزم کہتے ہیں۔ بغیر سوچے سمجھے کسی کام کے کرنے میں لگ جانا عزم نہیں ہے۔ اسی لیے بعض علمائے لغت نے لکھا ہے العزم والحزم واحد توکل کا اسلامی مفہوم پہلے بیان ہو چکا ہے مقصد یہ ہے کہ ایک بات طے کرلینے کے بعد پھر تذبذب کا شکار ہو جانا پیغمبر کی شایانِ شان نہیں اور نہ مومن کو ایسا کرنا زیبا ہے۔ کیونکہ اس سے دل میں کمزوری اور مزاج میں تلوّن پیدا ہو جاتا ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ

کسی نبی کی یہ شان کہ خیانت کرے ۱۸۴ اور جو کوئی خیانت کرے گا تو لے آئے گا (اپنے ہمراہ) خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ

پھر پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اُس نے کمایا اور اُن پر ظلم نہ کیا جائے گا تو کیا جس نے

اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ

پیروی کی رضائے الٰہی کی اس کی طرح ہو سکتا ہے جو حقدار بن گیا ہے اللہ کی ناراضگی کا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا

اور یہ بہت بُری پلٹنے کی جگہ ہے لوگ درجہ بدرجہ ہیں اللہ کے ہاں اور اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے جو وُہ

۱۸۴ے اُحد کے درّہ پر متعیّن تیر اندازوں نے جب دُوسرے مُسلمانوں کو مالِ غنیمت اکٹھا کرتے دیکھا تو اُن کے دل میں یہ خیال گزرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضورؐ فرما دیں من اخذ شیئًا فھولہ جس نے جو چیز لے لی اُسی کی ہو گئی اور ہم بالکل محروم رہیں۔ یہ خیال کرکے اپنی جگہ چھوڑ کر غنیمت جمع کرنے میں مشغُول ہو گئے۔ حضور علیہ السلام نے وجہ دریافت فرمائی تو وُہ کوئی معقول جواب نہ دے سکے۔ اس وقت نبی کریمؐ نے ان کے دِل کی بات کہہ دی اظننتم اننا نغل ولا نقسم لکم کیا تم یہ خیال کرتے تھے کہ ہم خیانت کریں گے اور تمھیں کچھ نہ دیں گے اور اُس وقت یہ آیت نازل ہُوئی۔ غُلٌ کہتے ہیں مالِ غنیمت سے اس کی تقسیم سے پہلے کوئی چیز چھپا کر لے لینا۔ اِس آیت میں اِس جُرم کی قباحت اور اس کی سزا بیان کر کے اس سے باز رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جب خیبر پر حضور کریمؐ نے حملہ کیا تو ان دنوں میں ایک شخص (جس کا نام نہیں لیا گیا) فوت ہو گیا۔ حضورؐ کی خدمت میں جنازہ کے لیے عرض کی گئی۔ تو رحمتِ عالمؐ نے فرمایا "صلوا علی صاحبکم" جاؤ تم اس کی نمازِ جنازہ پڑھ دو۔ صحابہ کرام کے چہروں کی رنگت بدل گئی تو حضورؐ نے فرمایا "ان صاحبکم غل فی اللّٰہ" کہ تمھارے اِس ہمراہی نے مالِ غنیمت میں خیانت کی ہے۔ ہم حیران ہو گئے۔ اور جب اس کے مال کی تلاشی لی فوجدنا خرزًا من خرز یھود لا یساوی درھمین تو ہمیں اس کے سامان سے یہودیوں کے چند منکے ملے جن کی قیمت دو درہم سے بھی کم تھی (ابوداؤد) اِس سے معلوم ہوا کہ مالِ غنیمت میں معمُولی سی خیانت بھی اِتنا بڑا جُرم ہے کہ حضورؐ جیسے رحم دِل نبیؐ نے بھی اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ نیز یہ بھی پتہ چلا کہ نگاہِ نبوّت سے اِتنی سی بات بھی پوشیدہ نہ تھی۔

يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٣﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا

کرتے ہیں یقیناً بڑا احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر ۱۸۵؎ جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول

مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

انھیں میں سے پڑھتا ہے ان پر اللہ کی آیتیں اور پاک کرتا ہے اُنھیں اور سکھاتا ہے اُنھیں قرآن

وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٦٤﴾ اَوَلَمَّآ

اور سُنّت اگرچہ وُہ اس سے پہلے یقیناً کھُلی گمراہی میں تھے کیا جب

اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ

پہنچی تمھیں ۱۸۶؎ کچھ مصیبت حالانکہ تم پہنچا چکے ہو (دُشمن کو) اس سے دُگنی تو تم کہہ اُٹھے کہاں سے آپڑی یہ مصیبت؟ فرمایئے

هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٦٥﴾ وَمَآ

یہ تمھاری طرف سے ہی آئی ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور وُہ مصیبت

۱۸۵؎ درندہ صفت اِنسان کیونکر فرشتہ سیرت بن گئے۔ جنھیں کوئی اپنا غلام بنانا بھی پسند نہیں کرتا تھا کیونکر آئینِ جہانبانی میں دُنیا بھر کے اُستاد ہو گئے۔ جن کی گھٹی میں شراب تھی ظلم و ستم جن کا شِعار تھا۔ کُفر و شرک اور فسق و فجور کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھٹکتے بھٹکتے صدیاں گزر چکی تھیں۔ ان میں یہ مکمّل تبدیلی اور ہمہ گیر اِنقلاب کیونکر آیا۔ جنھوں نے کبھی اِن حقائق پر غور کیا ہے وُہی اس نبی معظّم کی شانِ رفیع کو جان سکتے ہیں۔ تلاوتِ آیات، تعلیمِ کتاب و حکمت کے علاوہ تزکیۂ نفس اور تربیتِ صالحہ سے یہ مُبارک اِنقلاب رُونپذیر ہوا۔ اِن الفاظ پر حاشیہ سُورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

۱۸۶؎ واؤ عطف کے لیے ہے اور ہمزہ اِستفہام کے لیے۔ اُحد کے میدان میں مُسلمان ازراہِ تعجّب کہنے لگے عجب بات ہے ہم حق پر ہیں۔ راہِ خُدا میں جہاد کرنے نکلے ہیں اور رسُولِ خُدا بھی ہم میں موجُود ہیں۔ اور ہمیں اُن لوگوں کے ہاتھوں ہزیمت اُٹھانا پڑی جو کافر و مشرک ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا ہوا اگر تمھیں آج تکلیف پہنچی۔ اِس سے پہلے تم ان پر دوگنی ضرب لگا چکے ہو۔ تم نے بدر میں ان کے ستّر سردار قتل کیے اور ستّر کو قیدی بنا لیا تھا۔ اور اس پسپائی کے اسباب کے متعلق زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم میں سے بعض نے ہمارے رسُولؐ کے حکم سے سرتابی کی اور تم سب کو اس کا مزا چکھنا پڑا۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ حق کے ماننے والے ظاہری اسباب کے مہیّا کرنے اور تدبّر سے کام لینے میں سُستی کرتے ہیں۔ اور یہ سمجھ کر کہ ہم اہلِ حق ہیں اپنی کامیابی

أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِإِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٦٦﴾

جو پہنچی تھی تمھیں اُس روز جب مقابلہ کو نکلے تھے دونوں لشکر تو وُہ اللہ کے حکم سے ۱۸۷ پہنچی تھی اور (مقصد یہ تھا کہ) دیکھ لے اللہ تعالیٰ مومنوں کو ۱۸۸

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ

اور دیکھ لے جو نفاق کرتے تھے اور کہا گیا ان سے آؤ لڑو اللہ کی راہ

اللّٰهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ۗ هُمْ لِلْكُفْرِ

میں یا بچاؤ کرو (اپنے شہر کا) بولے ۱۸۹ اگر ہم جانتے کہ جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمھاری پیروی کرتے ۔ وُہ کفر سے

يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ

اُس روز زیادہ قریب تھے بہ نسبت ایمان کے کہتے ہیں اپنے مُنہ سے (ایسی باتیں) جو نہیں ہیں

فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾ الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ

اُن کے دِلوں میں اور اللہ تعالیٰ خوب ۱۹۰ جانتا ہے جسے وُہ چھپاتے ہیں جنھوں نے ۱۹۱ کہا اپنے بھائیوں کے بارے میں

کا یقین کر لیتے ہیں اور ظاہری قواعد وضوابط کی پابندی کو اتنی اہمیت نہیں دیتے اُنھیں اس آیت پر مکرّر غور کرنا چاہیئے کہ جب صحابہ کی مقدّس اور حق کی علمبردار جماعت سے معمولی سی فروگذاشت ہوگئی تو انجام کیا ہوا۔ بلکہ اہل حق کو تو بہت محتاط ہونا چاہئیے کیونکہ ان کی کامیابی صرف ان کی کامیابی ہی نہیں بلکہ حق کی کامیابی بھی ہے اور ان کی شکست صرف ان کی شکست نہیں بلکہ حق کی شکست ہے

۱۸۷ اذن سے مُراد "بقضائه وقدره" (قرطبی) اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر ہے۔

۱۸۸ علم کا مفہوم ہے تمیز کرنا یا جتا دینا یا ظاہر میں واقع ہونا۔ اس کی وضاحت ابھی گزری ہے۔

۱۸۹ جب منافقین کو شرکت کی دعوت دی گئی تو اُنھوں نے جواب دیا کہ اپنے سے چار گنا مسلح اور ہر ساز وسامان سے لیس لشکر کے ساتھ کھلے میدان میں نکل کر ٹکر لینا لڑائی نہیں بلکہ خودکشی ہے ہم جنگ میں تو تمھارا ساتھ دینے کے لیے آمادہ ہیں لیکن جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں گرانے کے لیے تیار نہیں۔ ولكن ما انتم عليه ليس بقتال بل القاء بالنفس الى التهلكة۔ (بیضاوی)

۱۹۰ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شرکت سے پہلوتہی کی اصلی وجہ ان کا نفاق تھا جسے وُہ اپنے دِل میں چھپائے ہوئے تھے دُوسری باتیں تو ملمع سازی کے لیے تھیں۔

۱۹۱ اُن کے نفاق کی دُوسری کھلی علامت اُن کا یہ قول ہے۔

وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ

حالانکہ وُہ خود (گھر) بیٹھے تھے کہ اگر وُہ ہمارا کہا مانتے تو نہ مارے جاتے آپ فرمائیے ذرا دُور تو کر دکھاؤ ۱۹۲ اپنے آپ سے

الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ

موت کو اگر تم سچے ہو اور ہرگز یہ خیال نہ کرو ۱۹۳ کہ وُہ جو قتل کیے گئے ہیں اللہ

سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ

کی راہ میں ۱۹۴ وُہ مُردہ ہیں بلکہ وُہ زندہ ہیں ۱۹۵ اپنے رب کے پاس (اور) رزق دیے جاتے ہیں شاد ہیں

۱۹۲ یعنی اگر تم اتنے زیرک اور دانا ہو کہ اپنے ناوکِ تدبیر سے عقابِ تقدیر کو گھائل کر سکتے ہو تو ذرا خود کو موت کے آہنی پنجہ سے چھڑا کر دکھاؤ۔

۱۹۳ ولا تحسبن الخ سُورہ البقرہ کی آیت ۱۵۴ میں تو یہ فرمایا کہ زبان سے مت کہو کہ شہید مُردہ ہیں بلکہ وُہ زندہ ہیں۔ یہاں یہ تاکیدی حکم دیا جا رہا ہے کہ تمہارے دل میں بھی یہ گمان نہ گزرے کہ راہِ خُدا میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے والے مُردہ ہیں۔ بلکہ وُہ زندہ ہیں اور انھیں اپنے رب کی جناب سے رزق بھی دیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے جس خصُوصی لُطف و احسان سے اُنھیں نوازا ہے اس پر وُہ خوشی سے پھُولے نہیں سماتے۔

البتہ اس زندگی کی حقیقت ہمارے فہم و ادراک سے ماوراء ہے۔ اور کسی چیز کا ہمارے فہم کی رسائی سے بالاتر ہونا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ رُوح کی ماہیّت آج تک سرِّ مکتوم ہے۔ اس کو نہ سمجھ سکنا اس کے عدم کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ ہم شہداء کو زندہ یقین کرتے ہیں کیونکہ ہمارے رب نے فرمایا ہے کہ وُہ زندہ ہیں۔ ہم اُن کو مُردہ نہیں کہتے ہم انھیں مُردہ خیال بھی نہیں کرتے۔ کیونکہ ہمارے رب نے اُنھیں مُردہ کہنے اور اُنھیں مُردہ خیال کرنے سے تاکیداً منع کیا ہے۔ ہمارے رب کا ہر ارشاد حق ہے اور اُس کا ہر فرمان سچّا ہے اور واجب الاذعان ہے۔ ہم عقل کے غلام نہیں کہ عقل جس کو تسلیم کرے اس کو مان لیں اور جس کو تسلیم نہ کرے اُس کا انکار کر دیں۔ ہم تو اللہ کے بندے اور اس کے رسُولؐ کے غلام ہیں اور اس پر نازل ہونے والی وحی کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں۔

۱۹۴ حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ہے سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جب تمہارے بھائی اُحد میں شہید ہُوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی ارواح کو سبز پرندوں کے قالب عطا فرمائے۔ وُہ جنّتی نہروں پر سیر کرتے پھرتے ہیں۔ جنّتی میوے کھاتے ہیں۔ طلائی قندیلیں جو زیرِ عرش معلّق ہیں اُن میں رہتے ہیں۔ جب اُنھوں نے کھانے پینے رہنے کے پاکیزہ عیش پائے تو کہا کہ ہمارے بھائیوں کو کون خبر دے کہ ہم جنّت میں زندہ ہیں تاکہ وُہ جنّت سے بے رغبتی نہ کریں اور جنگ سے بیٹھ نہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں

بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا

ان (نعمتوں) سے جو عنایت فرمائی ہیں اُنھیں اللہ نے اپنے فضل کرم ۱۹۵ سے ۱۹۶ اور خوش ہو رہے ہیں ۱۹۷ بسبب اُن لوگوں کے جو ابھی تک نہیں آملے

بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

ان سے اُن کے پیچھے رہ جانے والوں سے کہ نہیں ہے کوئی خوف ان پر اور نہ وُہ غمگین ہوں گے

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ

خوش ہو رہے ہیں اللہ کی نعمت اور اُس کے فضل پر اور (اس پر) کہ اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا

اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَآ

اجر ایمان والوں کا۔ جنھوں نے لبّیک کہا اللہ اور رسول کی دعوت پر ۱۹۸ اس کے بعد کہ

اُنھیں تمھاری خبر پہنچاؤں گا" (خزائن العرفان) اللہ کے رسول ؐ کی یہ حدیث بھی صحیح ہے اور اللہ کی کتاب کی یہ آیت بھی سچی ہے جنّت میں رہتے ہوئے شہداء کی رُوحوں کا تعلق اپنے بدنوں سے قائم ہے اور وُہ اپنے بدنوں کے ساتھ زندہ ہیں۔ اِسی حیات کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام ہر سال شہداء اُحد کے مزارات پر تشریف لے جایا کرتے تھے اور اُنھیں اپنی دُعاؤں اور تسلیمات سے محظُوظ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے جمالِ جہاں افروز کے دیدار سے بھی اُنھیں شاد کام فرمایا کرتے۔

۱۹۵ علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ حیاة الشھداء محققة۔ شہداء کا زِندہ ہونا ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ وان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء والشھداء والعلماء والمؤذنین المحتسبین وحملة القرآن یعنی زمین انبیاء کرام، شہیدوں، عُلمائے ربّانیین، ثواب کے لیے اذان دینے والوں اور قرآن کے حافظوں کے جسم نہیں کھاتی۔

۱۹۶ یعنی شہادت کا شرف، ابدی زندگی، قربِ الٰہی اور نعیمِ جنّت سے لُطف اندوزی۔ (بیضاوی)

۱۹۷ شہداء جب اللہ تعالیٰ کی شانِ بندہ پروری اور ذرّہ نوازی اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں تو وُہ خوش ہوتے ہیں کہ اپنے پیچھے جن مُسلمانوں کو وُہ چھوڑ آئے ہیں وُہ بھی راہِ خُدا میں جان دینے کے بعد اِنھی عنایات اور نوازشات سے بہرہ ور کیے جائیں گے (حیاتِ شہداء کے متعلق تفصیلی بحث سورۃ البقرہ میں گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ آیت ۱۵۴)

۱۹۸ جب ابُوسفیان اپنے لشکر سمیت روحاء کے مقام پر پہنچا تو اپنی مہم کو ادھورا چھوڑنے پر سب کو سخت ندامت ہُوئی اور اُنھوں نے فیصلہ کیا کہ وُہ واپس جا کر تھکے ماندے زخموں سے چُور مسلمانوں پر حملہ کر کے اُن کا قصّہ پاک کر دیں۔ جب یہ خبر حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو ملی تو حضورؐ نے بھی اپنے صحابہ کو دُشمن کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس مہم میں صرف وُہی لوگ ہمارے

أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٧٢﴾ ج

لگ چکا تھا انھیں (گہرا) زخم ان کے لیے جنھوں نے نیکی کی ان میں سے اور تقویٰ اختیار کیا اجرِ عظیم ہے

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ

یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کہا انھیں لوگوں نے کہ بلاشبہ کافروں نے ۱۹۹ جمع کر رکھا ہے تمھارے لیے (بڑا سامان اور لشکر) سو ڈرو ان سے

فَزَادَهُمْ إِيمَانًا ۖ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ﴿١٧٣﴾ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ

تو (اس دھمکی نے) بڑھا دیا اُن کے (جوشِ) ایمان کو اور اُنھوں نے کہا کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ اور وہ بہترین کارساز ہے (ان کے عزم و توکل کا نتیجہ یہ نکلا کہ)

مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ ۙ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ ۗ

واپس آئے یہ لوگ اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ ۲۰۰ نہ چھوا ان کو کسی بُرائی نے اور پیروی کرتے رہے رضائے الٰہی کی

وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ﴿١٧٤﴾ إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ

اور اللہ تعالیٰ صاحبِ فضلِ عظیم ہے یہ تو شیطان ہے جو ڈراتا ہے (تمھیں)

ساتھ جا سکتے ہیں جو کل اُحد کے میدان میں ہمارے ساتھ تھے۔ حضور کریمؐ کا حکم سُن کر صحابہ کرام اپنے مجروح جسموں کے ساتھ لبّیک کہتے ہُوئے حاضر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی اِس اطاعتِ کاملہ پر اُن کی توصیف فرما رہا ہے۔

۱۹۹ے ابوسفیان اُحد سے لوٹتے وقت مُسلمانوں کو چیلنج دے گیا تھا کہ اب آئندہ سال میدانِ بدر میں ہم تمھارے ساتھ جنگ کریں گے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اس کے اِس چیلنج کو قبول فرما لیا تھا۔ جب وقت مقرر آیا تو ابوسفیان دو ہزار پیدل اور پچاس سوار سمیت بدر کے میدان کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن دِل اِتنا مرعوب ہوا کہ آگے بڑھنے کی ہمّت نہ ہُوئی۔ اور نعیم ثقفی جو مدینہ کی طرف جا رہا تھا اُس سے وعدہ کیا کہ اگر وُہ مسلمانوں کو مدینہ سے باہر نکلنے سے باز رکھے تو وُہ اسے دس اُونٹ انعام دے گا۔ جب نعیم مدینہ پہنچا تو اُس نے پُرزور پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ ابوسفیان نے بڑے کرّوفر سے اِس دفعہ بدر کی طرف کُوچ کیا ہے۔ اگر تم نے بدر کا رُخ کیا تو یاد رکھو تمھاری خیر نہیں۔ تم سے زندہ بچ کر گھر کوئی نہیں آئے گا لیکن مسلمانوں نے اُس کے اِس طلسم کو یہ کہہ کر توڑ دیا کہ حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔

۲۰۰ے جب مُسلمان اپنے رب پر بھروسہ کر کے اپنے رسولؐ کی قیادت میں بدر کی طرف روانہ ہُوئے تو دشمن ان کی روانگی کی خبر سُن کر راستہ سے ہی واپس مکّہ لوٹ گیا۔ مُسلمان چند روز تک بدر میں ٹھہرے رہے۔ تجارت سے خوب نفع کمایا اور شاداں و

اَوْلِیَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۵﴾

اپنے دوستوں سے پس نہ ڈرو ان سے ۲۰۱ بلکہ مجھ سے ہی ڈرا کرو اگر تم مومن ہو

وَ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ یَّضُرُّوا

اور (اے جانِ عالم) نہ غمزدہ کریں آپ کو جو جلدی سے ۲۰۲ کفر میں داخل ہوتے ہیں بے شک یہ لوگ نہیں نقصان پہنچا سکتے

اللّٰهَ شَیْــٴًـا ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَلَّا یَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَ لَهُمْ

اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ نہ رکھے ان کے لیے ذرا حصہ آخرت (کی نعمتوں) سے ۲۰۳ اور ان کے لیے

عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ لَنْ

عذاب عظیم ہے بے شک جنھوں نے خرید لیا کفر کو ایمان کے عوض میں ۲۰۴ ہرگز

فرحاں صحیح وسلامت مدینہ طیبہ کو مراجعت فرما ہوئے۔

۲۰۱ مسلمانوں کو سبق دیا جا رہا ہے کہ تم دشمن سے نہ ڈرا کرو بلکہ اپنے رب سے ڈرا کرو۔ اور جو اپنے رب سے ڈرتا ہے ساری دُنیا اس سے لرزہ براندام رہتی ہے۔ جب سے مسلمانوں نے یہ سبق فراموش کر دیا اُس وقت سے مسلمانوں کے قدم پیچھے ہٹنے شروع ہو گئے ہیں۔

۲۰۲ جنگِ اُحد میں مسلمانوں کو جو تکلیف پہنچی اس سے کئی منافق کھلے طور پر اپنے کفر کا اعلان کرنے لگے۔ اور اسلام کا ظاہری نقاب جو اُنھوں نے اپنے عقیدہ پر ڈال رکھا تھا اُسے بھی اُٹھا دیا۔ نیز حضورؐ کی دُعاؤں، انتہائی کوشش اور جان سوزی کے باوجود کفار اپنے کفر سے چمٹے رہنے پر مُصر تھے جس سے نبی رؤف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا دل بہت حزین رہتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیبؐ کو تسلّی دے رہے ہیں کہ آپ غمناک کیوں ہوں۔ آپ نے تو سمجھانے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اگر اس کے باوجود وُہ کفر کو نہیں چھوڑتے تو یہ ان کی اپنی شامتِ اعمال اور بدنصیبی ہے۔ یہ لاکھ جتن کریں اللہ کے دین کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

۲۰۳ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی یہ مرضی نہیں کہ اُنھیں آخرت کی ابدی نعمتوں سے کچھ حصہ ملے اُنھوں نے اُس کے محبوبؐ کو بے حد ستایا ہے۔ اُنھوں نے جان بوجھ کر حق کا انکار کیا ہے اور راہِ راست کو چھوڑ کر گمراہی کا راستہ اپنے لیے پسند کیا ہے۔ یہ اس لائق ہی نہیں کہ انھیں نورِ ایمان سے بہرہ ور کیا جائے۔

۲۰۴ انھیں دولتِ ایمان سے بہرہ ور کیا گیا تھا لیکن مسلمانوں کو اُحد میں جو زک پہنچی اُن لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ اسلام کا مستقبل مخدوش ہے۔ اس کا سورج آن کی آن میں ڈوبا چاہتا ہے۔ اب سلامتی اسی میں ہے کہ کفر کی طرف لوٹ چلیں اور کفار سے اپنے دیرینہ تعلقات

يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ

نقصان نہ پہنچا سکیں گے اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور نہ خیال کریں ۲۰۵ جو کفر

كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا

کر رہے ہیں کہ ہم جو مہلت دے رہے ہیں انھیں یہ بہتر ہے ان کے لیے صرف اس لیے ہم تو انھیں مہلت دے رہے ہیں کہ وہ

اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور زیادہ کرلیں گناہ اور ان کے لیے عذاب ہے، ذلیل و خوار کرنے والا نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ چھوڑے رکھے مومنوں کو ۲۰۶

کو از سرِ نو بحال کریں جن کو جلد بازی سے انھوں نے توڑ دیا تھا۔ اِس طرح اِن دُوں ہمت اور کوتاہ نظر لوگوں نے نقدِ ایمان دے کر کُفر کا دوبارہ سودا کرلیا۔ وُہ یقین رکھیں اُن کی یہ حرکت ان کو تو عذابِ الیم میں مبتلا کرنے کا باعث ضرور بنے گی لیکن اللہ کے دین کی ترقی میں رُکاوٹ ہرگز نہ بن سکے گی۔

۲۰۵ الاملاء طول العمر ورغد العیش۔ درازیٔ عُمر اور اُس کو عیش و عشرت کے ساتھ بسر کرنے کی مُہلت کو املاء کہتے ہیں۔ لیکن کفّار اس پر مغرور نہ ہوں۔ اُنھیں جتنی ڈھیل دی جارہی ہے گناہوں کا بوجھ زیادہ ہو رہا ہے۔ اور اِس طرح ان کی سزا اور عذاب میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ "سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم سے دریافت کیا گیا کون شخص اچھا ہے فرمایا جس کی عُمر دراز اور عمل اچھے ہوں۔ عرض کیا گیا بدترین کون ہے فرمایا جس کی عُمر دراز اور عمل خراب"۔ (خزائن العرفان)

۲۰۶ ابتدا میں کئی لوگ زبان سے اِسلام کا اِقرار کرکے مُسلمانوں میں داخل ہوجایا کرتے اور مُسلمان اُن سے بالکل اپنے بھائیوں کا سا سلوک کرتے۔ لیکن ہر نازک مرحلہ پر یہ مُسلمانوں کے دلوں میں خوف و ہراس، ان کی صفوں میں اِنتشار اور ان کے رازوں کو افشا کرکے اِنتہائی اذیّت و تکلیف پہنچاتے۔ اِس لیے زیادہ دیر تک اُن کا مُسلمانوں میں ملے جُلے رہنا مناسب نہ تھا۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حکمتِ الٰہی اِس بات کی روادار نہیں کہ مخلص و مُنافق آپس میں مِلے جُلے رہیں بلکہ ان کو الگ الگ کرنا ضروری ہے۔ ان کو کیونکر الگ الگ کیا گیا۔ اِس میں علماء کے متعدّد اقوال ہیں۔ ابتلاء و آزمائش سے، اِسلام کو کامیاب اور باطل کو سرنگوں کرنے سے یا بذریعہ وحی اپنے نبی مکرّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مُنافقوں کا علم عطا فرمانے سے۔ چنانچہ علامہ بیضاوی نے یہ روایت نقل کی ہے۔ انه علیه السلام قال عرضت علی امتی واعلمت من یؤمن بی ومن یکفر فقال المنافقون انه یزعم انه یعرف من یومن ومن یکفر ونحن معه ولا یعرفنا فنزلت (بیضاوی) حضورؐ نے فرمایا کہ میری اُمّت (دعوت) میرے سامنے پیش کی گئی۔ اور مجھے علم دیا گیا کہ کون میرے ساتھ ایمان لائے گا اور کون کُفر کرے گا۔ اِس وُسعتِ علمی پر کسی مومن نے اعتراض نہیں کیا بلکہ مُنافقین نے ازراہِ مذاق کہا کہ دعویٰ تو یہ ہے کہ میں ہر مومن اور ہر کافر کو جانتا ہُوں اور حالت

عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ

اس حال پر جس پر تم اب ہو جب تک الگ الگ نہ کر دے پلید کو پاک سے اور نہیں ہے

اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ

اللہ (کی شان) کہ آگاہ کرے تمہیں غیب پر ۲۰۲ البتہ اللہ (غیب کے علم کے لیے) چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے

یہ ہے کہ ہم ہر وقت آٹھوں پہر ان کے ساتھ رہتے ہیں اور ہمارا تو علم نہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو منافقوں کا علم تھا۔ نیز یہ بھی پتہ چلا کہ علم کا ظاہر نہ کرنا علم کے نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ اور صحابہ کرام تو اپنے نبی پاک کے علم کی وسعت کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے البتہ منافق لوگ تسلیم نہ کرتے اور چیں بجبیں ہو کر اعتراض کرتے۔

تفسیر خازن اور معالم التنزیل میں اس روایت کو تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ مندرجہ عبارت کے بعد لکھتے ہیں:۔ فبلغ ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم فقام على المنبر فحمد الله تعالى واثنى عليه ثم قال مابال اقوام طعنوا فى علمى لاتسئلونى عن شيئ فيما بينى وبين الساعة الا انبأتكم به فقام عبد الله بن حذافه فقال من ابى يارسول الله فقال حذافة فقام عمر فقال يارسول الله رضينا بالله ربا وبالاسلام دينا وبالقرآن اماما وبك نبيا فاعف عنا عفا الله عنك فقال النبى صلى الله عليه وسلم فهل انتم منتهون فهل انتم منتهون ثم نزل عن المنبر فانزل الله هذه الاية۔

ترجمہ: منافقین کا یہ قول حضورؐ کو پہنچا تو حضورؐ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔ اس قوم کا کیا حال ہو گا جو میرے علم پر اعتراض کرتے ہیں۔ اس وقت سے لے کر قیامت تک ہونے والی کوئی بات پوچھو میں یہاں کھڑے کھڑے تمہیں اس کا جواب دوں گا۔ عبد اللہ بن حذافہ اٹھے (ان کی نسب پر طعن کیا جاتا تھا) یا رسولؐ اللہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا حذافہ۔ حضرت عمرؓ نے معذرت طلب کی۔ حضورؐ نے دو بار فرمایا کہ کیا میرے علم پر اعتراض کرنے سے باز آؤ گے یا نہیں؟ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام منبر سے اترے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

۲۰۲؎ کیونکہ منافقین کی پہچان بذریعہ وحی حضورِ اکرمؐ کو ہی کرائی گئی تھی۔ اس لیے اس کے بعد فرمایا کہ غیب پر مطلع ہونا ہر کسی کے اختیار کی بات نہیں اور نہ ہر ایک میں اس کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ عام لوگوں کا ذریعۂ علم تو دلائل اور ظاہری علامات ہیں اور غیب پر صرف رسولوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کیونکہ ان میں ہی غیب پر مطلع ہونے کی استعداد پائی جاتی ہے۔ اور اولیائے کرام کو یہ نعمت حضور فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی غلامی سے میسّر ہوتی ہے اور حضورؐ کے وسیلہ کے بغیر یہ چیز حاصل نہیں ہو سکتی۔ (روح المعانی) اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے بغیر علمِ غیب حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ جتنا چاہتا ہے اپنے رسولوں کو سکھا دیتا ہے اور اس ذاتِ کریم نے اپنے حبیب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والسّلام کو "جتنا" چاہا" دیا۔ یہ "جتنا" اللہ تعالیٰ کے علمِ غیر متناہی کا بعض ہے

مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ

جسے چاہتا ہے سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر اور اگر تم ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کیا تو تمھارے لیے

اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ

اجرِ عظیم ہے اور ہرگز نہ گمان کریں جو بخل کرتے ہیں ۲۰۸ اس میں جو دے رکھا ہے انھیں

مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے کہ یہ بخل بہتر ہے ان کے لیے بلکہ یہ بخل بہت بُرا ہے ان کے لیے۔ طوق پہنایا جائے گا انھیں

مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

وُہ مال جس میں اُنھوں نے بخل کیا قیامت کے دن اور اللہ کے لیے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی

لیکن مخلوق کے علم کے مقابل ایک بیکراں سمندر ہے جس کی حدود وقیود ہم انسان مقرر نہیں کر سکتے۔ جو لوگ اِس "جتنا" کو یہاں تک تنگ کر دیتے ہیں کہ حضورؐ کو اور تو اور اپنے انجام کا بھی علم نہ تھا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ ان کی اپنی تنگ دلی اور تنگ نظری مستحقِ ہزار تاسّف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کرم وعطا وبخشش (کریم مُعطی۔ وہاب) کے انکار کا نام توحید رکھنا کہاں کا انصاف ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مُصطفےٰ کے قلبِ منوّر کو علومِ غیبیہ سے بھرپور فرمایا لیکن حضورؐ کا علم نہ اللہ تعالیٰ کے علم کی طرح ذاتی ہے نہ غیر متناہی۔ بلکہ وُہ محض عطائے الٰہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط وتفصیلی کے ساتھ اس کی نسبت ذرّہ اور صحرا، قطرہ اور دریا کی بھی نہیں۔ لیکن علومِ خلائق کے مقابلہ میں وُہ بحرِ ذخّار ہے جس کی گہرائی کو کوئی غوّاص آج تک نہ پا سکا اور جس کے کنارہ تک کوئی شناور آج تک نہ پہنچ سکا۔

۲۰۸ لُغت میں بُخل کہتے ہیں اس چیز کا روک لینا جس کا ادا کرنا اس پر واجب ہو۔ والبخل في اللغة ان يمنع الانسان الحق الواجب عليه (القرطبی)۔ اس آیتِ کریمہ میں ان لوگوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے جو مالی حقوق کو ادا کرنے میں بخل کرتے ہیں۔ حدیثِ صحیح میں اِس آیت کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ جس کو اللہ نے مال دیا اور اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی وُہ مال سانپ بن کر اس کو طوق کی طرح لپٹے گا اور یہ کہہ کہہ کر ڈستا جائے گا کہ میں تیرا مال ہُوں، مَیں تیرا خزانہ ہُوں۔" (خزائن العرفان)

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا

اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے خبردار ہے بے شک سنا ۲۰۹ے اللہ نے قول ان (گستاخوں) کا جنھوں نے کہا

اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ

کہ اللہ مفلس ہے حالانکہ ہم غنی ہیں ہم لکھ لیں گے ۲۱۰ے جو انھوں نے کہا نیز قتل کرنا ان کا

الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ

انبیاء کو ناحق (بھی لکھ لیا جائے گا) اور ہم کہیں گے کہ (اب) چکھو آگ کے عذاب (کا مزہ) یہ

بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ ج

بدلہ ہے اس کا جو آگے بھیجا ہے تمھارے ہاتھوں نے ۲۱۱ے اور یقیناً اللہ تعالیٰ نہیں ظلم کرنے والا اپنے بندوں پر

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کہا کہ تحقیق اللہ نے اقرار لیا ہے ہم سے کہ ۲۱۲ے ہم نہ ایمان لائیں کسی رسول پر یہاں تک کہ وہ

۲۰۹ے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت صدیق اکبرؓ کو یہود کے ایک قبیلہ بنی قینقاع کے پاس اپنا مکتوب گرامی دے کر بھیجا جس میں اُن کو دعوتِ اسلام دی گئی تھی۔ نماز اور زکوٰۃ کے متعلق تاکید کی گئی تھی۔ اور یہ بھی تحریر تھا کہ "ان یقرض اللہ قرضاحسنا" یعنی اللہ تعالیٰ کو قرضہ حسنہ دیں (نیکی کے کاموں میں اپنی دولت خرچ کریں) اس پر ان کے ایک منہ پھٹ فنحاص بن عازوراء نے ازراہ تمسخر کہا کہ اللہ مفلس و نادار ہے اسی لیے تو ہم سے قرض مانگ رہا ہے۔ حلیم الطبع ابوبکرؓ اس گستاخی کو برداشت نہ کر سکے اور اُس کے مُنہ پر طمانچہ رسید کیا۔ اور فرمایا اگر ہمارے تمھارے درمیان معاہدہ نہ ہوتا تو تمھارا سر قلم کر دیتا۔ اس نے حضور کے پاس حضرت صدیق کی شکایت کی اور اپنے الفاظ سے بالکل مکر گیا۔ اُس وقت رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی۔

۲۱۰ے ہم یہ الفاظ ان کے نامۂ عمل میں لکھ لیں گے۔ کلامِ الٰہی کے ساتھ مذاق اتنا بڑا جرم ہے کہ قتل انبیا کے ساتھ اسے لکھا گیا۔

۲۱۱ے یعنی یہود کو یہ عذاب شدید بلاوجہ نہیں دیا گیا بلکہ اُن کی بدکرداریوں کا طبعی ثمر اور عادلانہ سزا ہے۔

۲۱۲ے یہود نے جو فنِ حیلہ سازی کے امام تھے حضورؐ پر ایمان نہ لانے کا ایک اور عذر تراشا۔ کہنے لگے کہ ہم تو آپ کو نبی نہیں مان سکتے۔ کیونکہ ہمارے رب نے ہم سے یہ پختہ وعدہ لیا ہے کہ کسی ایسے شخص کو نبی نہ ماننا جو تمھیں یہ معجزہ نہ دکھائے کہ وہ قربانی کرے اور آسمانی آگ آکر اُسے جلا کر راکھ کر دے۔ اور آپ نے تو یہ معجزہ دکھایا نہیں اس لیے ہم آپ کی رسالت تسلیم کرنے سے معذور ہیں۔ قرآن نے

يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ
لائے ہمارے پاس ایک قربانی کھالے اس کو آگ آپ فرمائیے آچکے تمھارے پاس رسول مجھ سے

قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ
پہلے بھی دلیلوں کے ساتھ اور اس معجزہ کے ساتھ بھی جو تم کہہ رہے ہو تو کیوں قتل کیا تھا تم نے انھیں اگر تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ
سچے ہو اگر یہ جھٹلاتے ہیں ۲۱۳ آپ کو تو (یہ کوئی نئی بات نہیں) بےشک جھٹلائے گئے رسول آپ سے پہلے

جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ
جو لائے تھے معجزات اور صحیفے اور روشن کتاب ہر نفس چکھنے والا ہے

الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ
موت کو ۲۱۴ اور پوری مل کر رہے گی تمھیں تمھاری مزدوری قیامت کے دن پس جو شخص بچالیا گیا آتش

اُن کے اِس عُذر کو بھی باطل کر دیا۔ تمھاری مقدّس کتابوں میں یہ تو ہے کہ بعض انبیاء نے یہ معجزہ دکھایا کہ ان کی دُعا سے آسمان سے آگ اُتری اور اُن کی قربانی کو جلا گئی۔ لیکن یہ تصریح نام کو بھی نہیں کہ جو نبی یہ معجزہ نہ دکھائے اس پر ایمان نہ لانا۔ اگرچہ اس کی صداقت کی اور واضح دلیلیں موجود ہوں۔ اور اگر ایک لمحہ کے لیے یہ فرض بھی کر لیا جائے تو تم نے اِس کا پہلے کب پاس رکھا۔ وُہ انبیاء جن سے یہ معجزہ ظاہر ہوا اُن کے ساتھ بھی تم نے کفر کیا۔ اور صرف زبانی کفر پر ہی بس نہیں کی بلکہ ان کو قتل تک کر دیا۔ تمھیں جن کا دامن معصوم انبیاء کے پاک خُون سے داغدار ہے ایسی بے سروپا باتیں کہتے ہُوئے حیا نہیں آتی۔

۲۱۳ بیّنات سے مُراد معجزات اور عقلی دلائل ہیں۔ زبر جمع ہے زبُور کی۔ اِس کا معنی وعظ و نصیحت ہے۔ اور کتاب سے مُراد وُہ صحیفہ ہے جس میں شریعت کے احکام درج ہوں۔ مولا تعالیٰ اپنے حبیب کو تسلّی دے رہا ہے کہ منکرینِ حق کا یہ پُرانا شیوہ ہے کہ اُنھوں نے ہر اُس نبی کو جھٹلایا جو اپنی سچّائی کی روشن اور ناقابلِ تردید دلیلیں لے کر آیا۔

۲۱۴ اِس میں یہود اور منکرین کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ وُہ دِن آنے والا ہے جب تمھیں موت کا پیالہ پینا پڑے گا اور اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ اور اس میں اُن مسلمانوں کے لیے تسلّی بھی ہے جو قبولِ اسلام کے بعد اپنوں اور بیگانوں کے مظالم کا ہدف بنے ہُوئے تھے کہ گھبراؤ نہیں حق کے لیے اپنی زندگی کے چار روز جیسے گزرتے ہیں گزار لو۔ اور وُہ دِن آنے والا ہے جب تمھیں اس کا

النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ

(دوزخ) سے اور داخل کیا گیا جنّت میں تو وُہ کامیاب ہوگیا اور نہیں یہ دُنیوی زندگی مگر ساز و سامان

الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِیْۤ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ۫ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ

دھوکہ میں ڈالنے والا۔ یقیناً ۲۱۵ تم آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اور یقیناً تم سنو گے ان سے

الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا اَذًی

جنھیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور اُن لوگوں سے جنھوں نے شرک کیا اذیت دینے والی

كَثِیْرًا ؕ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

بہت باتیں اور اگر تم (ان دل آزاریوں پر) صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ

اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے پختہ وعدہ ۲۱۶ اُن لوگوں سے جنھیں کتاب دی گئی کہ تم ضرور کھول کر بیان کرنا اسے لوگوں سے

وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۫ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا

اور نہ چھپانا اس کو تو (اُلٹا) اُنھوں نے پھینک دیا اس وعدہ کو اپنی پشتوں کے پیچھے اور اُنھوں نے خرید لی اُس کے عوض تھوڑی

اجرِ عظیم عطا فرمایا جائے گا۔

۲۱۵ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو پہلے ہی بتا رہے ہیں کہ مدینہ کی غیر مسلم آبادی، مُشرک اور اہلِ کتاب سے اچھے سلوک کی توقع مت رکھو وُہ تمہارے مال و جان کو گزند پہنچائیں گے۔ تمھیں کوسا جائے گا۔ تمھارے خلاف پروپیگنڈا کی خطرناک مہم چلائی جائے گی۔ تمھیں طرح طرح سے مطعون کیا جائے گا اور تمھارے محبوب رسُول کی شان میں زبان درازی کی جائے گی ایسی حالت میں عام طور پر جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں۔ زبان اور ہاتھ پر قابو نہیں رہتا اور انسان ہر طرح کی جوابی کارروائی کرنے کے لیے اپنے آپ کو مجبور اور ہر جائز اور ناجائز حربہ استعمال کرنے کے لیے معذور پاتا ہے۔ اگر ایسے نازک حالات میں بھی تم نے صبر و استقامت کا دامن نہ چھوڑا اور اپنے بلند کردار پر جمے رہے تو تمھاری عظمت و رفعت پر انسانیت فخر کرے گی اور ایسا کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں بلکہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

۲۱۶ اس میں عُلماء اہلِ کتاب کی اخلاقی پستی اور علمی خیانت کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔ اور مقصد یہ ہے کہ عُلماء اسلام ان کے رویّے سے

قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ

سی قیمت سو بہت بُری ہے وُہ چیز جو وُہ خرید رہے ہیں ہرگز آپ ۲۱۷ یہ خیال نہ کریں کہ جو لوگ خوش ہوتے ہیں

بِمَآ اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ

اپنی کارستانیوں پر اور پسند کرتے ہیں کہ اُن کی تعریف کی جائے ایسے کاموں سے جو اُنھوں نے کیے ہی نہیں تو ان کے متعلق یہ گمان

بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ

نہ کرو کہ وُہ امن میں ہیں عذاب سے ان کے لیے ہی تو دردناک عذاب ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِیْ

آسمانوں اور زمین کی اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے بے شک

ع ۱۹ ۱۰

عبرت حاصل کریں۔

۲۱۷؎ مُنافقین ہر دفعہ جہاد میں شرکت نہ کرتے اور اس محرُومی پر اُنھیں افسوس اور ندامت نہ ہوا کرتی بلکہ اسے اپنی عقلمندی کا کرشمہ سمجھتے اور خوش ہوتے۔ نیز اگرچہ ان کی زندگی کی کتاب شجاعت، ایثار، اخلاص اور تقویٰ کے کارناموں سے یکسر خالی تھی لیکن وُہ اس بات کو دل سے پسند کرتے کہ اُنھیں شجاع، ایثار پیشہ، مخلص اور متّقی کہا جائے۔ اُن کے متعلق بتایا جارہا ہے کہ ایسا مریض جس کی قوّتِ عملیہ مفلوج ہو چکی ہو۔ اور جس کا ذہن خودستائی اور خود پسندی کی بیماری میں مبتلا ہو اُس کے تندرُست ہونے کی بہت کم توقع ہوا کرتی ہے۔ وُہ اپنی ان کوتاہیوں کے انجامِ بد سے ضرور دوچار ہو کر رہے گا۔ اگرچہ یہ آیت یہُود اور مُنافقین کی کمزوریوں کو آشکارا کرنے کے لیے نازل ہُوئی لیکن یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اس میں ہمارے لیے کوئی سبق نہیں۔ میدانِ عمل سے فرار اور اس پر بھی اپنی ستائش و تعریف سُننے کی خواہش دو ایسی کمزوریاں ہیں کہ جو شخص ان کا شکار ہو جاتا ہے اس کا وُہی انجام ہوتا ہے جو قرآن نے واضح الفاظ میں بیان فرما دیا۔ کتنے نامور باپوں کے فرزند، کتنے علم و عرفان کے خانوادوں کے چشم و چراغ اور ثروت و سطوت کے وارث ان خرابیوں کے باعث اپنے اسلاف کی عظمت کو خاک میں ملا چکے ہیں۔ کیونکہ ان کو بڑی آسانی سے ایک بنا بنایا حلقہ دستیاب ہو جاتا ہے جو اُن کی ہر حرکت کو مستحسن اور ان کی تمام کوتاہیوں کے باوجود اُن کو مجمع صفاتِ کمال سمجھتا یا کہتا ہے۔ ہر باپ کا یہ فرض ہے کہ وُہ اپنی اولاد کو، اُستاد اپنے شاگردوں کو اور مُرشد اپنے عقیدت مندوں کو اس گرداب ہلاکت سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ ان کی ایسی تربیت کی جائے کہ وُہ حقیقت پسند ہوں اور اپنی سخت کوشی سے تلخ زندگانی کو انگبین بنانے میں لذّت محسُوس کریں۔

خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ

آسمانوں ۲۱۸ اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں (بڑی) نشانیاں ہیں

لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ

اہل عقل کے لیے وہ عقل مند جو یاد کرتے رہتے ہیں ۲۱۹ اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور

عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

پہلوؤں پر لیٹے ہوئے اور غور کرتے رہتے ہیں ۲۲۰ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں (اور تسلیم کرتے ہیں) ۲۲۱

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

اے ہمارے مالک! نہیں پیدا فرمایا تو نے یہ (کارخانۂ حیات) بےکار۔ پاک ہے تو (ہر عیب سے) بچا لے ہمیں آگ کے عذاب سے

۲۱۸ اس سورۂ پاک کا اختتام ان آیات سے کیا اور اہل علم کو ان میں فکر و نظر کی دعوت دی۔ کیونکہ کارخانۂ قدرت کی نیرنگیوں میں وہ جتنا غور و فکر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے علم محیط اور حکمتِ کاملہ پر ان کا ایمان پختہ ہوگا۔ اور یہ پختگی تقلیدی نہیں ہوگی بلکہ تحقیقی ہوگی۔

۲۱۹ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کا ذکر کسی وقت اور کسی جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر حالت میں بندہ اپنے خالق کی یاد میں محو رہے۔

۲۲۰ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں وهو افضل العبادات كما قال عليه الصلوٰة والسلام لا عبادة كالتفكر۔ مظاہر کائنات میں غور و تدبر کرتے رہنا سب عبادتوں سے افضل ہے۔ کیونکہ نبی اکرم کا ارشادِ گرامی ہے کہ تفکر و تدبر کے ہم پایہ کوئی عبادت نہیں لیکن آج ہم اس افضل ترین عبادت سے کیسے اعراض کیے ہوتے ہیں اور کس طرح ہم نے اس کو صدیوں سے بالکل بھلا رکھا ہے محتاج بیان نہیں۔

۲۲۱ آج اگرچہ کائنات کے ہر پہلو پر غور و فکر ہو رہا ہے۔ اور وسعت کا یہ عالم ہے کہ ہر مظہر فطرت کے لیے ایک مستقل فن کی بنیاد پڑ چکی ہے لیکن مومن اور غیر مومن کی تحقیق و تفحص میں ایک بنیادی فرق ہے۔ مومن جب کائنات کی کسی چھوٹی یا بڑی چیز پر غور کرتا ہے اور اس کی حیران کن تاثیرات اور اس میں مضمر ایک بدیع نظام پر اس کی نگاہ پڑتی ہے تو وہ اس کی حیران کن تاثیرات اور بدیع مضمرات میں کھو کر نہیں رہ جاتا بلکہ اسی وقت اس کی نگاہ اس کے بنانے والے کی طرف بےتابانہ وارد دوڑتی ہے۔ اور اس کی زبان سے بےساختہ یہ کلمات نکلتے ہیں ربنا ما خلقت هذا باطلا الخ لیکن ایک غیر مومن کی نگاہ ان مشاہدات کی چمک دمک سے خیرہ ہو کر رہ جاتی ہے اور اس کے بنانے والے کی عظمت و جلالت، علم و قدرت، مشیت و حکمت کی طرف

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ

اے ہمارے رب! بے شک تو نے جسے داخل کر دیا آگ میں تو رسوا کر دیا تو نے اُسے اور نہیں ہے ظالموں کا

مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ

کوئی مددگار اے ہمارے رب! بے شک سُنا ہم نے منادی کرنے والے کو کہ بُلند آواز سے بُلاتا تھا ایمان کی طرف

اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا

(اور کہتا تھا) کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر تو ہم ایمان لے آئے اے ہمارے مالک! پس بخش دے ہمارے گناہ اور مٹا دے ہم سے ہماری بُرائیاں

وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ ج رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَ

اور (اپنے کرم سے) موت دے ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ[۲۲۲] اے ہمارے ربّ! عطا فرما ہمیں جو وعدہ کیا تُو نے ہمارے ساتھ اپنے رسولوں کے ذریعہ اور

لَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ

نہ رُسوا کر ہمیں قیامت کے دن بے شک تُو وعدہ خلافی نہیں کرتا تو قبول[۲۲۳] فرما لی

لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ

اُن کی اِلتجا اُن کے پروردگار نے (اور فرمایا) کہ میں ضائع نہیں کرتا عمل کسی عمل کرنے والے کا تم سے خواہ مرد ہو یا

اُس کی توجّہ مبذول نہیں ہوتی۔ بے شک وُہ اُن کی تسخیر سے اپنی مادی ترقی کو تو معراجِ کمال تک پہنچا دیتا ہے لیکن یقین کا چراغ روشن نہیں ہوتا۔ اور اُس کے دِل کی دُنیا پھر بھی تاریک کی تاریک ہی رہتی ہے۔ کاش مسلمان طلبہ قرآن کی اِس آیت کی روشنی میں سائنس اور طبعیات کے علوم کا مطالعہ کریں تاکہ اگر ان کی کاوشوں سے ان کی مِلّت کا ظاہر رشکِ مہتاب بن جائے تو اُس کا باطن رشکِ صد آفتاب ہو جائے۔

۲۲۲ے جب غور و فکر اور پیہم عبادت و ذِکر سے ان کا آئینۂ دِل جگمگانے لگتا ہے تو وُہ اپنے مولا تبارک و تعالیٰ کی جنابِ پاک میں دامن پھیلا کر یُوں گزارش کرتے ہیں۔ دُعا کے یہ جُملے اپنے اندر جو مٹھاس اور تاثیر رکھتے ہیں وُہ محتاجِ بیان نہیں۔

۲۲۳ے اِنعاماتِ خُداوندی کے وُہ طلبگار جنھوں نے اپنے عمل سے اپنے آپ کو ان کا اہل ثابت کر دیا ہے جب وُہ ادب و نیاز سے دُعا کرتے ہیں تو اُن کے دِل سے نکلی ہُوئی دُعائیں قبول کر لی جاتی ہیں۔

أُنثَى بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن

عورت بعض تمھارا جزء ہے بعض کی تو وہ جنھوں نے ہجرت کی ۲۲۴؎ اور نکالے گئے اپنے

دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ

وطن سے اور ستائے گئے میری راہ میں اور (دین کے لیے) لڑے اور مارے گئے تو ضرور میں مٹادوں گا ان (کے

سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

نامۂ عمل) سے ان کے گناہ اور ضرور داخل کروں گا انھیں باغوں میں بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں

ثَوَابًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

(یہ) جزا ہے (ان کے اعمال حسنہ کی) اللہ کے ہاں اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ

(اے سُننے والے!) نہ دھوکہ میں ڈالے تجھے چلنا پھرنا ان کا جنھوں نے کفر کیا ملکوں میں ۲۲۵؎ یہ لطف اندوزی تھوڑی مدت کے لیے ہے

ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا

پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور یہ بہت بُری ٹھیرنے کی جگہ ہے لیکن وہ جو ۲۲۶؎ ڈرتے رہے

۲۲۴؎ اب اُن پاکبازوں کا ذکر ہو رہا ہے جن کے اعمال ضائع نہیں کیے جاتے۔ اور اگر ان سے بمقتضائے بشریت کوئی غلطی سرزد ہو بھی جائے تو ان کی خوبیوں اور نیکیوں کے باعث معاف کر دی جاتی ہے لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ کا معنی علامہ بیضاوی نے "لامحونہا" کیا ہے یعنی مٹادوں گا محو کر دوں گا میں اُن کے گناہ۔

۲۲۵؎ کفار کی ظاہری آن بان دیکھ کر بعض کمزور دلوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہوتے تو کیا وہ یوں شان و شوکت سے زندگی بسر کرتے۔ اس خیال کا بھی ازالہ کر دیا کہ یہ ساری دُھوم دھام عارضی ہے اس کے بعد ان کا ٹھکانا جہنم ہے اس لیے تم ان کی اس چند روزہ کرو فر کو ان کے حق پر ہونے کی دلیل مت سمجھو۔ ان کے انجام پر غور کرو کہ یہ کتنا ہولناک ہے۔

۲۲۶؎ ان کے برعکس وہ لوگ جن کے پاس عیش و عشرت کا سامان نہیں لیکن ان کا دل تقویٰ کے نُور سے منور ہے اللہ تعالیٰ کی جناب میں اُن کا بڑا بلند مقام ہے۔ جنت الفردوس میں یہ مہمان ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کا میزبان ہوگا۔

رَبِّهِمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

اپنے رب سے اُن کے لیے باغ ہوں گے رواں ہوں گی ان کے نیچے ندیاں (وُہ متقی) ہمیشہ رہیں گے ان میں

نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۝١٩٨ وَاِنَّ

یہ تو مہمانی ہوگی اللہ کی طرف سے اور جو (ابدی نعمتیں) اللہ کے پاس ہیں وُہ بہت بہتر ہیں نیکوں کے لیے اور بے شک

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ

بعض اہل کتاب ایسے ہیں ۲۲۷ جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اُس پر جو اُتارا گیا تمہاری طرف

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

اور جو اُتارا گیا اُن کی طرف عاجزی (اور نیازمندی) کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں سودا کرتے اللہ کی آیتوں کا

ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ

حقیر قیمت پر یہ وُہ ہیں جن کا ثواب اُن کے رب کے پاس ہے بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد

الْحِسَابِ ۝١٩٩ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ قف

حساب لینے والا ہے اے ایمان والو! ۲۲۸ صبر کرو اور ثابت قدم رہو (دشمن کے مقابلہ میں) اور کمربستہ رہو (خدمت دین کے لیے)

۲۲۷ قبل ازیں اہل کتاب اور اُن کے عُلماء کے عیوب و نقائص بیان کیے گئے تھے۔ جس سے یہ وہم ہو سکتا تھا کہ شاید سب اہل کتاب اور اُن کے سارے عُلماء ایک ہی قماش کے ہیں۔ قرآن حکیم نے اِس غلط فہمی کو بھی دُور فرما دیا کہ سب ایک جیسے نہیں۔ ان میں سے کئی ایک بڑے پاک دل، نیک فطرت اور سلیم الطبع ہیں۔

۲۲۸ یہ اِس جلیل القدر اور عظیم المرتبت سُورۃ کی آخری آیت ہے۔ اور اس میں نہایت مختصر اور بہت ہی جامع الفاظ میں بتایا جا رہا ہے کہ ان چار باتوں میں دُنیوی اور اُخروی فلاح و کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔ صبر، مصابرہ، رباط اور تقویٰ۔ صبر کا معنی ہے نیک اعمال کرنے اور بُرے اعمال سے باز رہنے پر نفس کو پابند رکھنا۔ مصابرہ کا معنی ہے مصابرۃ الاعداء یعنی دشمن کے پے در پے حملوں کے سامنے فولاد بن کر کھڑے رہنا اور رباط کا معنی ہے الرباط حمل النفس علی النیۃ الحسنۃ والجسم علی فعل الطاعۃ ومن اعظمہ ارتباط الخیل فی سبیل اللہ وارتباط النفس علی الصلوٰۃ۔ یعنی

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

اور (ہمیشہ) اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ (اپنے مقصد میں) کامیاب ہو جاؤ

رباط کہتے ہیں نفس کو نیّت حسنہ پر آمادہ رکھنا اور جسم کو عبادت پر کاربند رکھنا۔ اس کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ انسان جہاد فی سبیل اللہ کے لیے کمربستہ رہے اور گھوڑا تیار رکھے اور نفس کو نماز کا خوگر بنائے۔ اور تقویٰ کی تفسیر جابجا گزر چکی ہے۔ جب کسی فرد یا قوم میں یہ صفات پائی جاتی ہیں تو رحمتِ الٰہی اور نصرتِ خداوندی اس کی پاسبان ہوتی ہے۔ مشکلات کے پہاڑ از خود راستہ چھوڑ دیتے ہیں۔ دُنیا میں بھی عزّت نصیب ہوتی ہے اور آخرت میں بھی سُرخروئی۔

تعارف سورۃ النساء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِس سُورۃ پاک کا نام النّساء ہے ۔ باتفاق عُلماء مدینہ طیّبہ میں نازل ہُوئی ۔ اِس کی آیتوں کی تعداد ۱۷۶ ہے ۔ الفاظ تین ہزار پینتیس اور حرُوف ۱۶۰۳۰ ہیں ۔ اور ۲۴ رکُوع ہیں ۔ اور

یہ سُورۃ پاک بڑی اہم اور دُور رس اِصلاحات پر مشتمل ہے ۔ جنھیں اگر دینِ اِسلام کا طُرّۂ امتیاز کہا جائے تو قطعاً مبالغہ نہ ہو گا ۔

گھریلو زِندگی ۔ اِس سُورۃ میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ توجہ گھریلو زِندگی کو خوشگوار بنانے پر دی گئی ہے کیونکہ گھر ہی قوم کی خشتِ اوّل ہے ۔ گھر ہی وُہ گہوارہ ہے جہاں قوم کے مستقبل کے معمار پرورش پاتے ہیں ۔ گھر ہی وُہ مدرسہ ہے جہاں اخلاق و کردار کی جو قدریں اچھی یا بُری ، بلند یا پست لوحِ قلب پر لکھ دی جاتی ہیں ان کے نقوش کبھی مدّھم نہیں پڑتے ۔ صرف جذبات کِتنے پاکیزہ اور معصُوم کیوں نہ ہوں حقائق کا مقابلہ کرنے کی تاب نہیں لا سکتے ۔ قرآن حقائق کو حقائق کی حیثیت سے دیکھتا ہے ۔ اِس لِیے گھر کے ماحول کو خوشگوار بنانے کے لِیے مُبہم نصیحتوں پر اِکتفاء نہیں کیا بلکہ اس کے لِیے واضح اور غیر مبہم قاعدے اور ضابطے متعیّن فرما دیئے ۔

ا ۔ یتیم بچّے ۔ جس گھر میں یتیم بچّوں پر زیادتیاں کی جائیں اور ان کے سرپرست ان کی دولت کو خرد بُرد کرنے کے لِیے سازش و فریب کے جال بُنتے رہیں اس گھر کی فضا کبھی صحت مند نہیں ہو سکتی اور اس خاندان کے افراد کبھی سچی مسرّت کی لذّتوں سے آشنا نہیں ہو سکتے ۔ اِس لِیے قرآنِ حکیم نے اپنے ماننے والوں کو صاف الفاظ میں حکم فرمایا کہ وُہ یتیم بچّوں اور بچیوں کے ساتھ اچّھا سلوک کریں ۔ ان کے حقوق کی نگہبانی اور ان کے اموال کی حفاظت کریں بلکہ ان کے احساسات تک کا پاس رکھیں ۔ اور جو بھی ان بیکسوں کے ورثہ میں ناجائز تصرّف کرے گا وُہ خُوب جان لے کہ وُہ آتشِ جہنّم سے اپنے پیٹ کو بھر رہا ہے ۔

ب ۔ عورت کا مقام ۔ عرصہ ہائے دراز سے یہ صنفِ نازک ظلم و ستم کا نشانہ بنی ہوئی تھی ۔ قدرت نے اگرچہ اسے مرد کی طرح ذِی رُوح اور ذِی شعُور بنایا تھا لیکن اِس کے ساتھ برتاؤ مٹی کی بے جان مُورتیوں کا سا کیا جاتا تھا ۔ جوا میں داؤ پر اِسے لگایا جا سکتا تھا ۔ خاوند کی لاش کے ساتھ قانوناً اسے جل کر راکھ ہونا پڑتا تھا ۔ کہیں اسے تمام بُرائیوں کی جڑ اور اِنسان کی ساری بدبختیوں کا سرچشمہ یقین کیا جاتا تھا اور کہیں چوٹی کے نامور فلسفی اس کے اِنسان ہونے کو بھی مشکوک

نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے۔ اس کو ملکیت کے حقوق حاصل نہ تھے۔ اسے ازدواجی بندھنوں میں مقید کرنے سے پہلے اس سے کوئی رائے لینے کا تصوّر تک نہ تھا۔ یہ بلکہ اس سے بھی بدتر حالات تھے جن میں اسلام سے پہلے یہ صنفِ نازک گرفتار تھی، جہاں کنبہ کے نصف افراد کی بے بسی کا یہ عالم ہو وہاں خوشی اور مسرّت کا گزر کہاں؟ قرآن نے پہلی مرتبہ اعلان کیا کہ جس طرح مرد کے حقوق عورت پر ہیں اسی طرح عورت کے حقوق بھی مرد پر ہیں۔ اس کی رائے ہے اور قانون اس کی رائے کا احترام کرتا ہے۔ اس کو اپنے والدین، اپنے خاوند، اپنی اولاد کا وارث تسلیم کیا گیا۔ اس کو ملکیت کے حقوق تفویض کیے گئے۔

کیونکہ مرد اور عورت کا اوّلین رشتہ ازدواج کا رشتہ ہے اس لیے اس میں جو بے راہ رویاں پائی جاتی تھیں ان کی اصلاح کی۔ تعدّدِ ازواج پر پابندیاں لگائیں۔ اور اس کی اجازت دی تو بڑی شروط و قیود کے ساتھ۔ مرد کو بیوی کے ساتھ حُسنِ سلوک کا حکم دیا اور اگر اس کی کوئی چیز پسندِ خاطر نہ ہو تو اس پر صبر کرنے کی ہدایت کی۔ اگر باہمی تعلّقات کشیدہ ہو جائیں تو اصلاحِ حال کی تدبیر بتائی لیکن عورت کو یہ تمام حقوق دینے کے بعد گھر کی سرداری اور نظم و نسق کی ذمہ داری مرد کو سونپی۔ کیونکہ اسی کی فطری صلاحیتیں اس بارِ گراں کو اُٹھا سکتی ہیں اور یہی حقایق کی نگہداری اور ہر بات میں میانہ روی اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کلامِ الٰہی ہے۔ کیونکہ اس میں تفریط کا گزر نہیں تو افراط کا بھی نشان نہیں۔

ج۔ تیسری چیز جو گھر کے ماحول کو خوشگوار رکھنے کے لیے بڑی اہمیّت رکھتی ہے وُہ مالی حقوق کی مُنصفانہ تقسیم ہے۔ اس میں معمولی سی کوتاہی بھائی کو بھائی سے جُدا کر دیتی ہے۔ اس لیے تقسیمِ میراث کا مفصّل قانون نازل فرمایا۔ اسلام کے نظامِ میراث کی جو امتیازی خصوصیات ہیں ان کا جائزہ تو اپنے اپنے مقام پر لیا جائے گا لیکن ایک بے مثل تبدیلی یہ کی کہ عورت (ماں۔ بیٹی بیوی) کو بھی مرد کی طرح وارث قرار دیا۔

۲۔ حق و باطل کی جنگ جس کا آغاز بدر سے ہوا تھا ابھی جاری تھی۔ اُحد میں مُسلمانوں کی کثیر تعداد کے شہید ہونے کے باعث منافق، یہودی اور مُشرک قبائل کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ اس سُورۃ میں بھی مُسلمانوں کو حق کی حفاظت کے لیے اپنی جان تک کی بازی لگانے کا حکم دیا گیا اور ان کے حوصلوں کو بلند کیا گیا اور منافقوں کے مختلف گروہوں کے ساتھ ہر ایک کے مناسب حال رویّہ اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی۔

۳۔ انفرادی کردار کی تعمیر کی طرف بھی خاص توجہ دی گئی ہے اور اُن قوموں کی اقتداء سے روکا گیا ہے جو عمل سے جی چُراتی ہیں حق کے لیے کسی جانی اور مالی قربانی کے لیے آمادہ نہیں ہوتیں اور اس کے باوجُود اپنے آپ کو انعاماتِ خُداوندی کا واحد حقدار سمجھتی ہیں۔ اُمّتِ مُصطفویہ کو صاف صاف بتا دیا گیا کہ اِس رزم گاہِ حیات میں جیت اسی کی ہوگی جو اپنے پیہم اور نتیجہ خیز عمل سے اپنی فوقیّت اور برتری ثابت کر دے۔ خیالی پلاؤ پکانے اور ہوائی قلعے تعمیر کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ مُسلمانوں کے باہمی برتاؤ کا دار و مدار احسان اور مہربانی پر ہونا چاہیئے۔ جتنی قرابت زیادہ ہوگی اتنی ہی اس کے ساتھ مہربانی اور احسان زیادہ ہونا چاہیئے۔

۴۔ اطاعتِ رسُول: اِس سُورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم رسُولِ معظّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا ہے اور فلا وربك (اَے محبُوب تیرے رب کی قسم) کے پُرجلال الفاظ سے قسم اُٹھا کر بتایا کہ کوئی شخص مُسلمان نہیں ہوسکتا جب تک وُہ میرے رسُول کے ہر فیصلہ کو خواہ وُہ اس کے خلاف بھی ہو دِل و جان سے بخوشی قبول نہ کرے۔

۵۔ زمانۂ نزول: عُلماء محققین کی رائے میں اِس سُورۃ کے نزُول کا آغاز جنگِ اُحد (شوال ۳ھ) کے بعد ہوا جب کہ ستّر مُسلمانوں کی شہادت کے بعد یتیموں کی کفالت اَور وِرثہ کی تقسیم کے مسئلہ نے بڑی اہمیت اِختیار کر لی تھی نمازِ خوف غزوۂ ذات الرّقاع میں پڑھی گئی اور یہ غزوہ ۴ھ میں ہوا۔ اَور تیمّم کی اجازت غزوۂ بنی مصطلق میں دی گئی اور یہ غزوہ ۵ھ میں پیش آیا۔ اِن واقعات اور سنین سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اِس سُورۃ کا آغاز اُحد کے بعد ہوا تو اس کا سِلسلۂ نزُول ۵ھ کے اوائل تک جاری رہا۔

سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّسَبْعُوْنَ وَسِتُّ اٰيَاتٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَّاَرْبَعَةٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سُورۃ النساء۔ مدنی ۔ ۱۷۶ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے آیتیں ۲۴ رکوع

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ

اے لوگو! [1] ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا فرمایا تمھیں ایک

وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ

جان سے اور پیدا فرمایا اسی سے جوڑا اس کا [2] اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد میں اور

نِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

عورتیں (کثیر تعداد میں) اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے [3] وہ اللہ مانگتے ہو تم ایک دوسرے سے (اپنے حقوق) جس کے واسطے سے اور (ڈرو [4]) رحموں (کے قطع کرنے سے) بیشک اللہ تعالیٰ

[1] معاشرہ زندگی کی مسرتوں سے تب لطف اندوز ہو سکتا ہے جب ہر خاندان کے افراد میں باہمی محبت و پیار ہو اس کے لیے صلہ رحمی، رواداری اور حسن سلوک کی اہمیت محتاج بیان نہیں۔ اسی کے متعلق اس سورۃ میں واضح احکام اور روشن ہدایات دی گئیں لیکن ان احکام و ہدایات کے ذکر سے پہلے دو باتوں کی طرف خصوصی توجہ دلائی۔ ایک تو یہ کہ سب انسانوں کا پیدا کرنے والا ایک ہی خدا ہے دوسرا یہ کہ سب انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہیں جب سب ایک خدا کی مخلوق ہیں تو سب کو اس کے ہر حکم کی تعمیل اور اس کی نافرمانی سے احتراز کرنا چاہیے۔ اور جب ایک ہی باپ کی اولاد ہیں تو انھیں آپس میں محبت و پیار کرنا چاہیے نیز اس ارشاد سے انسانی مساوات کا درس دیا اور انسانی برادری میں طرح طرح کے امتیازات پر ضرب کاری لگائی جن کے باعث انسان اعلیٰ اور ادنیٰ میں منقسم کر دیا گیا ہے۔

[2] ابو مسلم اصفہانی وغیرہ نے یہاں مضاف محذوف مانا ہے ان کے نزدیک اصل عبارت یوں ہے خلق من جنسھا زوجھا یعنی آدم کی جنس سے اس کا جوڑا تخلیق کیا لیکن آیت کے الفاظ اس کی تائید نہیں کرتے۔ مضاف محذوف ماننا تکلف سے خالی نہیں نیز تمام بنی نوع انسان کا نفس واحد سے پیدا کیا جانا تب ہی درست ہو سکتا ہے جب تمام افراد کا اصل الاصول ایک آدم ہی ہوں۔ اگر حوا کی تخلیق آدم سے تسلیم نہ کی جائے تو پھر افراد بشری کی تخلیق دو نفسوں آدم و حوا سے ہوگی نہ کہ ایک نفس سے، جیسا کہ قرآن کریم کا منشا ہے۔ لو کانت حوا مخلوقۃ ابتداء لکان الناس مخلوقین من نفسین لا من نفس واحدۃ (بحر محیط)

[3] تقویٰ کی اہمیت کے پیش نظر اس کا دوبارہ حکم دیا گیا لیکن پہلی دفعہ وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ تمہارا خالق ہے اور دوبارہ تقویٰ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ روزمرہ کی زندگی میں تم اسی کے نام سے لین دین کرتے ہو۔ اسی کا واسطہ دے کر تم اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہو اسی کے نام کی قسم اٹھا کر تم اپنے عہد و پیمان کو قابل اعتماد بناتے ہو جب اس کے نام کے بغیر تمہاری زندگی کا کاروان

كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ① وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا

تم پر ہر وقت نگران ہے اور دے دو یتیموں کو ان کے مال اور نہ بدلو

الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

(اپنی) ردی چیز کو (اُن کی) عمدہ چیز سے اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں سے ملا کر ۵ واقعی یہ

حُوْبًا كَبِيْرًا ② وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا

بہت بڑا گناہ ہے اور اگر ڈرو تم اس سے کہ نہ انصاف کر سکو گے تم یتیم بچوں کے معاملہ میں ۶ تو ان سے نکاح نہ کرو اور نکاح کرو

ایک قدم بھی نہیں چل سکتا تو پھر کیا تمھیں زیب دیتا ہے کہ اس کی نافرمانی کرو۔

۴ یہ منصوب ہے اور اس کا عطف لفظ اللہ پر ہے۔ رحم ہر قسم کے رشتہ دار کو کہا جاتا ہے۔ الرحم اسم لکافة الاقارب (قرطبی) آیت کے اس حصّہ میں صلہ رحمی کا حکم اور قطع رحمی سے منع فرمایا گیا ہے۔ اسلام نے اپنے قریبی رشتہ داروں سے حسن سلوک کا بار بار حکم دیا ہے۔ اور ان کے ساتھ بدسلوکی کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے حضورؐ کے ارشادات اس بارے میں اتنے واضح ہیں کہ کسی تاویل کی گنجائش نہیں رکھتے۔ ایک فرمانِ گرامی سُن لیجیے۔ الرحم معلقة بالعرش تقول الامن وصلنی وصله الله ومن قطعنی قطعه الله یعنی رحم عرشِ الٰہی سے آویزاں ہے اور کہہ رہا ہے کہ ہوشیار! جس نے مجھے جوڑا خدا اُسے جوڑے رکھے اور جس نے مجھے قطع کیا اُسے اللہ پارہ پارہ کرے۔

۵ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى الخ یتیموں پر طرح طرح کے ظلم کیے جاتے۔ جب کسی کا والد فوت ہو جاتا اور یتیم بچے چھوڑ جاتا تو اس کے چچے یا بڑے بھائی سارے مال پر قبضہ کر لیتے اور یتیم کے بالغ ہونے پر بھی اس کا مال اُسے واپس نہ کرتے یا یتیم کے اعلیٰ نسل کے فربہ جانور خود رکھ لیتے اور گنتی پُوری کرنے کے لیے اُس کو ردّی نسل کے دُبلے اور لاغر جانور دے دیتے اور یُوں بری الذمہ ہو جاتے۔ تیسری صورت یہ ہوتی کہ یتیموں کے اموال کو اپنے اموال میں خلط ملط کر دیتے اور حفاظت کے بہانے سے سب آہستہ آہستہ ہڑپ کر جاتے۔ ان تمام صورتوں کو تفصیل سے ذکر کر دیا اور ایسا کرنے سے سختی سے روک دیا اور بتا دیا کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے اور اس کی سزا بہت سخت ہے۔ الحوب: الاثم گناہ۔

۶ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس آیت کی وضاحت کرتے ہُوئے فرمایا کہ یتیم بچیاں جو اپنے سرپرستوں کی نگرانی میں ہُوا کرتی تھیں ان کے سرپرست ان کے مال اور جمال کی وجہ سے ان کو اپنی زوجیت میں لے لیتے۔ اور باپ کا سایہ اُٹھ جانے کے بعد کیونکہ ان کے حقوق کا محافظ اور ان کے دُکھ درد میں ان سے ہمدردی کرنے والا کوئی نہ ہوتا اس لیے عام طور پر نہ تو ان یتیم بچیوں کے ساتھ نکاح کرتے وقت اُن کو اُن کی حیثیت کے مطابق مہر دیا جاتا اور نہ نکاح کے بعد اُن

مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ

جو پسند آئیں تمھیں (ان کے علاوہ دُوسری) عورتوں سے دو دو تین تین اور چار چار ۵ اور اگر تمھیں یہ اندیشہ ہو

کے حقوق ادا کیے جاتے۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ جب تمھیں اندیشہ ہو کہ تم ان بے سہارا بچیوں کے حقوق کی نگہداشت نہیں کر سکو گے تو اُن کے ساتھ نکاح نہ کرو بلکہ ان کے علاوہ دُوسری عورتوں سے جو تمھیں پسند ہوں چار تک نکاح کر سکتے ہو۔

۵ے اسلام کے ناقدین خصوصاً اہلِ مغرب نے تعدّدِ ازدواج کے مسئلہ پر بڑی لے دے کی ہے اور وُہ مُسلمان بھی اس کے متعلق بہت پریشان رہتے ہیں جن کے نزدیک خیر و شر اور حسن و قبح کا صرف وُہی معیار قابلِ قبول ہے جو اُن کے ذہنی مربّیوں نے مقرر کر رکھا ہے۔ اِس لیے اِس کے متعلّق اختصار کو ملحُوظ رکھتے ہُوئے چند حقائق پیش کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا:

۱۔ یہ حُکم نہیں جس کی پابندی پیروانِ اسلام پر لازمی ہو بلکہ یہ ایک رُخصت ہے۔

۲۔ رُخصت بھی بے قید و شرط نہیں، بلکہ سخت قیوُد سے مقیّد اور سنگین شرائط سے مشرُوط۔

۳۔ طبّ جدید و قدیم اِس پر متفق ہے کہ مرد کی طبعی کیفیّت عورت کی طبعی کیفیّت سے جُداگانہ ہے۔

۴۔ مرد میں جنسی رغبت عورت سے کہیں زیادہ ہے۔ جس کی ظاہر وجہ یہ ہے کہ جنسی عمل کے بعد عورت کو مدّت دراز تک مختلف نازک سے نازک مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اِستقرارِ حمل، وضعِ حمل، رضاعت اور ننھے بچّے کی تربیّت یہ سارے مرحلے اُسے یُوں مشغُول رکھتے ہیں کہ اس میں کوئی طلب کم ہی رُونما ہوتی ہے لیکن مرد ان تمام ذمہ داریوں سے آزاد ہوتا ہے۔

۵۔ اکثر ممالک میں عورت کی شرح پیدائش مردوں سے زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ جنگ آزما قوموں کے مرد ہی ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں جنگ کے شعلوں کی نذر ہوتے ہیں۔ اِس لیے عورتوں کی تعداد میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

۶۔ تاریخ اِنسانی جب سے مرتّب کی گئی ہے اس کے ہر اس قانونی نظام میں جس میں تعدّدِ ازواج قانُوناً ممنوع ہے زنا کی کھُلی اجازت ہے اور یہ فعلِ شنیع اپنی اَن گنت خرابیوں کے باوجُود جرم ہی تصوّر نہیں کیا جاتا۔

۷۔ کیا بیوی اور اس کے بچّوں کے لیے اس کے خاوند کی دُوسری بیوی قابلِ برداشت ہے یا اس کی داشتہ ذہنی، رُوحانی، مادی اور جسمانی صحت کے جُملہ پہلوؤں پر غور فرمائیے۔

۸۔ کیا کسی باحمیّت و باغیرت عورت کے لیے یہ مُناسب ہے کہ وُہ گھر کی مالکہ بن کے رہے اس کا خاوند اس کے آرام کا ذمّہ دار، اس کی نامُوس کا مُحافظ ہو۔ اس کی اَولاد جائز اَولاد متصوّر ہو اور سوسائٹی میں اسے باعزّت مقام حاصل ہو یا ایسی عورت بن کر رہے جس کا حُسن و شباب ہوسناک نگاہوں کا کھلونا بنا رہے لیکن نہ کوئی اس کی اَولاد کا باپ بننا گوارا کرے اور نہ کوئی دُوسری ذمّہ داری لینے کے لیے تیار ہو۔

اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا

کہ تم ان میں عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی یا کنیزیں جن کے مالک ہوں تمہارے دائیں ہاتھ۔ یہ زیادہ قریب ہے اس کے کہ تم ایک

تَعُوْلُوْا ؕ ﴿۳﴾ وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ

طرف ہی نہ جھک جاؤ ۹۔ اور دیا کرو (اپنی) عورتوں کو ان کے مہر خوشی خوشی پھر اگر وہ بخش دیں تمہیں

۹۔ کیا یورپ اور امریکہ اپنی تمام سائنسی ترقی کے باوجود حرامی بچوں اور کنواری ماؤں کی تعداد میں ہوش رُبا اضافہ کے باعث پریشان نہیں۔ (یو۔ این۔ او کی رپورٹ کے مطابق بعض یورپین ممالک میں ناجائز ولادتوں کا اوسط ساٹھ فیصدی تک پہنچ گیا ہے۔

یہ حقائق ہیں جن کو تسلیم کرتے ہوئے یہی مشکلات ہیں جن کا حل پیش کرتے ہوئے اسلام نے جو دینِ فطرت ہے) ضرورت کے وقت ایک سے زائد بیوی سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے۔ خود مغرب کے کئی مفکر اپنے معاشرہ کی اخلاقی پستی اور اس میں ایسی عورتوں اور ناجائز بچوں کی زبوں حالی کو دیکھ کر چیخ اٹھے ہیں اور برملا کہنے لگے ہیں کہ قرآن کے قانون پر عمل کیے بغیر اب کوئی چارۂ کار نہیں۔

۸۔ لیکن اگر ہم ذرا حقیقت پسندی سے کام لیں تو ہمیں یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ ہم نے اس رخصت کا اکثر ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ ہمارے ہاں گنتی کے چند افراد کے سوا جو لوگ بھی دوسری شادی کرتے ہیں ہوس رانی اور لذّت طلبی کے بغیر ان کے پیشِ نظر کوئی چیز نہیں ہوتی۔ نیز نئی نویلی دلہن کے حضور میں یوں متاعِ ہوش لٹا دی جاتی ہے کہ پہلی بیوی کے جملہ حقوق فراموش کر دیئے جاتے ہیں۔ شریفانہ برتاؤ تک نہیں کیا جاتا۔ اس کے شکم سے جو اولاد ہوتی ہے وہ بھی اپنے ہوش باختہ باپ کی شفقت سے یکسر محروم ہو جاتی ہے۔ ہم بھی تو ذرا انصاف کریں کہ کیا خدائے بزرگ و برتر کا، اس کے رسولِ معظّم کا ہمیں یہی حکم ہے۔ دینِ اسلام نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے۔ وہاں تو یہ تصریح ہے کہ اگر تم دونوں بیویوں میں عدل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تو ایک صرف ایک بیوی کی اجازت ہے۔ کاش مسلمان اپنی بدعملیوں سے اپنے پاکیزہ دین کو داغدار نہ کریں اور اپنے حسنِ عمل سے اسلام کی تعلیمات کی صداقت کو نمایاں کرنے کے بجائے اپنی کوتاہیوں اور خامیوں کے باعث طالبانِ حق اور متلاشیانِ ہدایت کو اس دینِ برحق سے متنفّر کرنے کا سبب نہ بنیں۔

۹۔ لفظ تعولوا کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ قرطبی حضرت ابن عباس اور مجاہد سے نقل کرتے ہیں یقال عال الرجل یعول اذا جار ومال ومنه قولهم عال السهم عن الهدف اذا مال عنه یعنی عال کا معنی ہے ظلم کرنا ایک طرف جھک جانا۔ جب تیر نشانہ سے ہٹ جائے تو کہتے ہیں عال السهم لیکن اس کا ایک اور معنی امام شافعیؒ سے منقول ہے الا تعولوا ای لا تکثر عیالکم کہ تمہارے بال بچے زیادہ نہ ہو جائیں یعنی اگر تم ایک بیوی پر اکتفا کرو گے تو کثرتِ اولاد تمہیں پریشان نہیں کرے گی۔

عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ۝٤ وَلَا تُؤْتُوا

کچھ اس سے خوش دلی سے تو کھاؤ اُسے لذّت حاصل کرتے ہوئے خوشگوار سمجھتے ہوئے اور نہ دے دو

السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ

نادانوں کو اپنے مال ۱۲ جنھیں بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمھاری (زندگی کے) لیے سہارا اور کھلاؤ انھیں

۱۰ اس آیت سے مہر کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اور جب تک عورت خوشی سے سارا مہر یا اس کا کوئی جزء معاف نہ کر دے وُہ مرد کے ذمّہ واجب الاداء رہتا ہے۔ نحلۃ اس عطیّہ کو کہتے ہیں جو خوشی خوشی کسی معاوضہ کے لالچ کے سوا دیا جائے۔ نحلة عطية اذا اعطاه اياه عن طيب نفس بلا توقع عوض (بیضاوی)

۱۱ یتیم بچّوں اور بچیوں کے مال ضائع ہونے کی ایک صُورت یہ بھی تھی کہ ان کے اموال اس وقت ان کے سپرد کر دیئے جائیں جب کہ مال کے صحیح انتظام، اسے نفع بخش کاروبار میں لگانے کی قابلیّت ان میں مفقود ہو۔ اس حالت میں ان کے سرپرست ان کے مال اگر ان کے سپرد کر دیں گے تو وُہ چند دنوں میں اسے اُڑا کے رکھ دیں گے۔ اور جب ان کی چشمِ ہوش وا ہوگی تو وُہ اپنے آپ کو فقر و افلاس کی زنجیروں میں بندھا ہوا پائیں گے۔ اِس لیے اس آیت میں یہ فرمایا کہ اگر وُہ باشعُور نہیں تو ان کا مال حفاظت سے اپنے پاس رکھو اور ان کے خورد و نوش اور لباس کا اہتمام کرو اور اُن کو خوش اسلوبی سے بتاتے رہو کہ یہ مال و متاع تمھارا ہی ہے اور ہم نے تمھاری بہتری کے لیے اسے اپنے پاس سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔ اور جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو ہر چیز تمھارے حوالہ کر دی جائے گی۔

۱۲ اِس آیت میں دو لفظ آپ کی خصوصی توجّہ کے مُستحق ہیں۔ اموالھم (ان کے مال) کی بجائے اموالکم فرمایا کہ یتیموں کا مال اگرچہ انھیں کا ہے لیکن کیونکہ وُہ اور تم سب ایک مِلّت کے فرد ہو اس لیے گویا وُہ تمھارا ہی ہے۔ اس کی حفاظت اور نگہداشت بالکل یُوں کرو جیسے اپنے مال کی کرتے ہو۔ وحدتِ ملّی اور تکافلِ اجتماعی کا یہ وُہ محبّت آفرین سبق ہے جس کی طرف قرآن ہر مُناسب موقع پر ہماری توجّہ مبذول کراتا ہے۔ دُوسرا امر جو غور طلب ہے وُہ آیت کا یہ حصّہ ہے التی جعل اللہ لکم قیاما یعنی مال جس کو اللہ تعالیٰ نے تمھاری زندگی کا سہارا بنایا ہے۔ اِن الفاظ سے مال کی اہمیّت اور قدر و قیمت کا اظہار مقصُود ہے۔ یعنی مال فضول اور قابلِ نفرت چیز نہیں بلکہ یہ تو تمھاری معاشی خوشحالی اور ترقی کا ستون ہے اگر تم اس کو بے جا خرچ کر دیا کرو گے تو تمھیں معاشی اور اقتصادی فارغ البالی نصیب نہیں ہو سکے گی۔ اسے سنبھال کر رکھو اور سمجھ کر خرچ کرو۔

فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى

اس مال سے اور پہناؤ انھیں اور کہو ان سے بھلائی کی بات اور آزماتے رہو[۱۳] یتیموں کو

حَتّٰى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَإِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا

یہاں تک کہ وہ پہنچ جائیں نکاح (کی عمر) کو پس اگر محسوس کرو تم ان میں دانائی تو لوٹا دو

إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَّبِدَارًا أَنْ يَّكْبَرُوا ۚ

انھیں ان کے مال اور نہ کھاؤ انھیں فضول خرچی سے اور جلدی جلدی اس خوف سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ

اور جو سرپرست غنی ہو تو اسے چاہیئے کہ (یتیموں کے مال سے) پرہیز کرے اور جو سرپرست فقیر ہو[۱۴] تو وہ کھا لے

[۱۳] سابقہ آیت میں حکم فرمایا کہ یتیموں کے مال انھیں واپس کر دو۔ اس آیت میں مال کی واپسی کا وقت اور اس کی شرائط کا ذکر ہے جب یہ دو چیزیں بلوغ اور رُشد اُن میں پائی جائیں تو ان کے اموال ان کے حوالہ کر دو۔ رُشد سے مُراد مالی انتظام اور کاروبار کی سُوجھ بُوجھ ہے یتیموں کی صلاحیّت اور قابلیّت کو آزمانے کا ایک تو یہ طریقہ ہے کہ ابتدا میں انھیں ان کے مال کی قلیل سی مقدار دے دی جائے۔ اگر اس میں تصرّف سے ان کی ہونہاری کے آثار نمایاں ہوں تو سارا مال اُن کے سپرد کر دو۔ اور دُوسرا طریقہ یہ ہے کہ اُن سے وقتاً فوقتاً کاروبار اور نظم ونسق کے سِلسلہ میں مشورہ طلب کیا جائے اور ان کی رائے میں سنجیدگی اور عقلمندی پائی جائے تو ان کی چیز ان کے حوالہ کر دو۔ کورٹ آف وارڈز (COURT OF WARDS) کا قانون انھیں آیات سے ماخوذ ہے۔

ان آیات سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اسلام اگرچہ انفرادی ملکیّت کو تسلیم کرتا ہے لیکن اس کے ناجائز استعمال کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر کوئی شخص اپنی دولت کو یُوں خرچ کرنا شروع کر دے جس سے اس کو بھی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اور قوم کا نظامِ اخلاق اس کی بے راہ روی سے داغدار ہو رہا ہو تو حکومت کو حق پہنچتا ہے بلکہ حکومت پر لازم ہو جاتا ہے کہ اس کی مُطلق العنانی کو مقیّد کر دے۔

[۱۴] یتیم کا سرپرست جو اس کی تربیت اور اس کے مال کا نظم ونسق کرتا ہے کیا وُہ کسی اُجرت کا مستحق ہے؟ اس کے متعلق بتایا کہ سرپرست اگر غنی ہے تو اُسے یتیم کے مال سے کوئی معاوضہ نہیں لینا چاہیئے اور یہ سب خدمت حسبۃً للہ کرنی چاہیئے اور اگر وُہ تنگدست ہے پھر اسے اپنی جائز ضروریات (کھانا، کپڑا وغیرہ) مُناسب طریق سے پُوری کرنے کی اجازت ہے لیکن اکثر

بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا

مناسب مقدار سے پھر جب لوٹاؤ تم ان کی طرف ان کے مال تو گواہ بنا لو

عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ

ان پر ۵ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب لینے والا ۶ مردوں کے لیے حصّہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے

الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ

ماں باپ اور قریبی رشتہ دار ۷ اور عورتوں کے لیے حصّہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ

وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ وَاِذَا

اور قریبی رشتہ دار اس ترکہ سے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ یہ حصّہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مقرر ہے اور جب

علماء نے بطور احتیاط یہ حکم دیا ہے کہ اس حالت میں بھی قرضہ حسنہ کی نیّت سے لے اور یہ ارادہ کرے کہ جب مولیٰ تعالیٰ نے اسے خوشحال کیا تو وُہ یہ قرض ادا کر دے گا۔ حضرت فاروقِ اعظمؓ کا یہی مسلک تھا۔ بالمعروف کا یہ معنی ہے کہ اگر اس خرچ کو کسی غیر جانبدار آدمی کے سامنے پیش کیا جائے تو وُہ اسے ناجائز قرار نہ دے۔

۵ ایک واضح ارشاد فرمایا کہ جب مالِ یتیم کو واپس کرنے لگو تو چپکے چپکے پوشیدہ طور پر واپس نہ کرو بلکہ گواہوں کی موجُودگی میں ایک ایک چیز انھیں لوٹا دو۔ اس طرح کسی قسم کی غلط فہمی بھی پیدا نہیں ہوگی اور آئندہ کسی جھگڑے کا خدشہ بھی ختم ہو جائے گا۔

۶ آخر میں تنبیہ فرما دی کہ تم لوگوں کی آنکھوں میں خاک ڈال سکتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ سے تمھارا کوئی فعل پوشیدہ نہیں اگر تم نے ان کے مال میں خیانت کی تو یاد رکھو اس کے حضور پائی پائی کے لیے جواب دہ ہونا پڑے گا۔

۷ عرب میں میراث کی تقسیم کا یہ قاعدہ تھا کہ عورتیں اور چھوٹے بچے اپنے مرنے والے باپ اور خاوند وغیرہ کی وراثت سے یکسر محرُوم کر دیئے جاتے تھے اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی کہ جو میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دینے کے قابل نہیں وُہ میراث پانے کا بھی حقدار نہیں۔ بھارت میں بھی عورت وارث شمار نہیں کی جاتی تھی۔ اور یورپ میں تو گنگا ہی اُلٹی بہہ رہی تھی۔ صرف بڑا لڑکا وارث بنتا دُوسرے لڑکے بھی محرُوم رہ جاتے۔ یہ حالت تھی جب قرآن کی یہ انقلاب آفرین آیت نازل ہوئی جس نے عورتوں کو مردوں کی طرح وارث قرار دیا۔ بڑے لڑکے کی تخصیص ختم کر کے سب لڑکوں کو اپنے متوفّی باپ کی وراثت میں برابر کا شریک بنایا۔ چھوٹی اور بڑی تمام جائیدادوں میں ورثاء کو حسبِ حصّہ حقدار تسلیم کیا۔

حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ

حاضر ہوں (ورثہ کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار، یتیم بچے اور مسکین [۱۸] تو دو انھیں بھی

مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۸ وَ لْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا

اس سے اور کہو ان سے اچھی بات اور چاہیے کہ ڈریں جو (یتیموں کے سرپرست ہیں اور سوچیں) کہ اگر چھوڑ

مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۪ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ

جاتے وُہ اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے کمزور بچے [۱۹] تو وُہ کتنے فکرمند ہوتے ان کے متعلق پس چاہیے کہ وُہ ڈریں اللہ سے

وَ لْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝۹ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى

اور کہیں ایسی بات جو بالکل درست ہو بے شک وُہ لوگ، جو کھاتے ہیں یتیموں کے مال

ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝۱۰ ع

ظلم سے وُہ تو بس کھا رہے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ اور وُہ عنقریب جھونکے جائیں گے بھڑکتی آگ میں

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ

حکم دیتا ہے تمھیں [۲۰] اللہ تمھاری اولاد (کی میراث) کے بارے میں ایک مرد (لڑکے) کا حصہ برابر ہے [۲۱] دو عورتوں (لڑکیوں) کے حصہ کے

نصیبا مفروضا کے الفاظ سے واضح کر دیا کہ یہ حصے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ہیں اس میں ردّوبدل کا کسی کو اختیار نہیں۔

[۱۸] قانونِ میراث کی تفصیلات بیان کرنے سے پہلے ایک اخلاقی ضابطہ کا ذکر بھی کر دیا کہ متروکہ جائیداد کے وارث تو وُہی ہیں جن کا ذکر تفصیلاً آگے آ رہا ہے لیکن اگر تقسیم کے وقت غیر وارث رشتہ دار، محلّہ کے یتیم بچے، بستی کے غریب لوگ جمع ہو جائیں تو ان کو بھی کچھ نہ کچھ دے دو اور ترش لب ولہجہ میں ان سے گفتگو نہ کرو جس سے ان کی دِل شکنی ہو۔

[۱۹] کتنا موثر اور دِلنشیں اندازِ نصیحت ہے۔

[۲۰] اسلام نے صحت مند معاشرہ کو معرضِ وجُود میں لانے کے لیے کُنبہ کو بڑی اہمیّت دی ہے اور اس کے افراد کے مفاد کو یُوں ایک دُوسرے سے وابستہ کر دیا ہے کہ محبّت وقرابت کا باہمی رشتہ کبھی ٹُوٹنے نہ پائے۔ اس کے لیے جو وسائل اختیار کیے ہیں انھیں میں سے ایک نظامِ میراث ہے۔ زندگی میں اگر کنبہ کا کوئی فرد افلاس وغربت کا شکار ہو جائے تو دُوسرے افراد پر

فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ

پھر اگر ہوں صرف لڑکیاں دو سے زائد تو ان کے لیے دو تہائی ہے جو میّت نے چھوڑا اور اگر ہو

كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

ایک ہی لڑکی تو اس کے لیے نصف ہے اور میّت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو

اس کے نفقہ کو فرض قرار دیا۔ اسی طرح موت کے بعد متوفّی کے قریبی رشتہ داروں میں اس کی جائیداد کو تقسیم کرنے کا حکم دیا تاکہ زندگی اور موت میں کُنبہ کا مفاد یُوں باہم پیوستہ رہے کہ جُدائی کا خیال ہی ان میں راہ نہ پاسکے۔ کُنبہ کے اتحاد کو برقرار رکھنے کے لیے نظامِ وراثت میں **قرابت** کا اصول پیشِ نظر رکھا گیا۔ میراث میں حصّہ کے ملنے یا نہ ملنے اور حصّہ کے کم یا زیادہ ہونے میں رشتہ کی نزدیکی اور دُوری کو بہت بڑا دخل ہے۔ دُوسرا اصول **ضرورت** ہے یعنی قریبی رشتہ داروں میں حصّہ کی کمی بیشی کا مدار ضرورت کو قرار دیا جتنی کسی کی ضروریات زیادہ اور ذمّہ داریاں کثیر ہوں گی اسی لحاظ سے اس کا حصّہ مقرر کیا جائے گا مثلاً متوفّی کے والدین اور اس کی اولاد کی قرابت بالکل مُساوی نوعیّت کی ہے لیکن اولاد جو زندگی کے سفر کا اب آغاز کر رہی ہے اس کی ضروریات والدین کی ضرُوریات سے کہیں زیادہ ہوتی ہیں جو اس طویل سفر کی آخری منزل میں قدم رکھ چکے ہیں۔ نیز والدین کے پاس تو زندگی بھر کا کچھ نہ کچھ اندوختہ ہوتا ہی ہے اور اولاد بالکل خالی ہاتھ ہے۔ یہی فرق لڑکی اور لڑکے میں ہے۔ لڑکی پر کسی قسم کی ذمّہ داری نہیں۔ شادی سے پہلے اس کے والدین اس کی تمام ضروریات کے کفیل ہیں اور شادی کے بعد اس کی رہائش، لباس، خورد و نوش کی تمام تر ذمّہ داری خاوند پر ہے۔ اس کی اولاد کی تعلیم و تربیت کے جُملہ مصارف بھی اس کے خاوند کے ذمّہ ہیں۔ مزید برآں عملی زندگی کی سرگرمیاں جس سرمایہ کی محتاج ہیں اس کا مہیّا کرنا بھی مرد کی ذمّہ داری ہے۔ یہ حقائق ہیں جن کے پیشِ نظر اسلام نے والدین اور اولاد، عورت اور مرد کے حصّوں میں فرق کیا ہے اور یہ فرق ہی عین عدل ہے۔ ان امتیازات کی موجُودگی میں ان کے حصّوں کو مساوی رکھنا مُساوات تو ہوگی لیکن کھوکھلی اور ظالمانہ، اور اسلام صرف اس مساوات کا علمبردار ہے جو عدل و انصاف پر مبنی ہو۔ تیسرا اصول **تقسیمِ دولت** ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں جمع نہ ہو جائے اور وراثت کی تقسیم میں بھی اس اصول کو ملحوظ رکھا۔ اس لیے صرف بڑے لڑکے یا صرف لڑکوں کو ہی وارث تسلیم نہیں کیا بلکہ تمام اولاد لڑکے اور لڑکیاں اور ان کے علاوہ کئی اور رشتہ داروں کو وارث قرار دیا تاکہ زیادہ سے زیادہ افراد میں یہ دولت تقسیم ہو۔ یہ وُہ تین اصول ہیں (قرابت، ضرُورت، تقسیمِ دولت) جن پر اسلام کا یہ بے نظیر نظامِ وراثت قائم ہے۔ (ان سطوُر میں میں نے اپنے اُستاد اور مصر کے شہرۂ آفاق عالم شیخ محمد ابو زہرہ کے مقالہ "شریعۃ القرآن" کا حاصل پیش کیا ہے جو ماہنامہ "المسلمون" رجب ۱۳۷۱ھ میں شائع ہوا تھا۔ اب حضرت الاستاذ کا انتقال ہوگیا ہے۔ اللہ کریم اُنھیں جنّت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔

۲۱؎ اولاد کے وارث ہونے کی چار صُورتیں ہیں: (۱) لڑکے بھی ہوں اور لڑکیاں بھی اس صُورت میں لڑکے کو دو حصّے اور

السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ

چھٹا حصّہ ملے گا ۲۲؎ اس سے جو میّت نے چھوڑا بشرطیکہ میّت کی اولاد ہو اور اگر نہ ہو اس کی اولاد

وَّوَرِثَهٗٓ أَبَوٰهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهٗٓ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ

اور اس کے وارث صرف ماں باپ ہی ہوں تو اس کی ماں کا تیسرا حصّہ ہے (باقی سب باپ کا) اور اگر میّت کے بہن بھائی بھی ہوں تو ماں کا

السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَ

چھٹا حصّہ ہے (اور یہ تقسیم) اس وصیّت کو پورا کرنے کے بعد ہے جو میّت نے کی اور قرض ادا کرنے کے بعد تمھارے باپ اور

أَبْنَآؤُكُمْ ۚ لَا تَدْرُوْنَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ

تمھارے بیٹے ۲۳؎ تم نہیں جانتے کون ان میں سے زیادہ قریب ہے تمھیں نفع پہنچانے میں یہ حصّے مقرر ہیں اللہ تعالیٰ کی

اللّٰهِ ؕ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ

طرف سے بے شک اللہ تعالیٰ (تمھاری مصلحتوں کو) جاننے والا ہے بڑا دانا ہے اور تمھارے لیے نصف ہے جو چھوڑ جائیں

لڑکی کو ایک حصّہ ملے گا۔ (۲) صرف ایک لڑکی ہو۔ اِس صُورت میں لڑکی نصف جائیداد کی وارث ہوگی۔ (۳) صرف دو لڑکیاں ہوں۔ (۴) یا دو سے زائد اور لڑکا کوئی نہ ہو۔ ان دونوں صُورتوں میں لڑکیوں کو جائیداد کا دو تہائی حصّہ ملے گا۔

۲۲؎ والدین کے وارث بننے کی تین مختلف صُورتیں ہیں۔ (۱) ماں باپ بھی موجود ہوں اور اولاد بھی ہو خواہ لڑکا یا لڑکی ایک یا زیادہ، اس صُورت میں ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصّہ ملے گا اور بقایا ۴/۶ اولاد میں حسب قاعدہ تقسیم ہو گا۔ (۲) صرف ماں باپ وارث ہوں میّت کی اولاد بھی نہ ہو اور بہن بھائی بھی نہ ہوں اس صُورت میں ماں کا ۱/۳، اور بقیہ دو تہائی باپ کا۔ یہاں بہن بھائی کے نہ ہونے کی تصریح نہیں کی کیونکہ تیسری صُورت میں اس کی وضاحت آرہی ہے۔ (۳) میّت کی اولاد تو نہ ہو لیکن اس کے بھائی یا بہن ہوں اِس صُورت میں ماں کو چھٹا حصّہ اور بقیہ ۵/۶ باپ کو۔ بھائی بہن خواہ عینی ہوں یعنی ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہوں خواہ علاتی یعنی باپ ایک مائیں الگ الگ یا اخیافی یعنی ماں ایک باپ الگ الگ۔ ان سب حالتوں میں ایک ہی حکم ہے۔ باپ کے باعث بھائی بہنوں کو حصّہ نہ ملے گا۔

۲۳؎ سابقہ حصص بیان کرنے کے بعد یہ وضاحت فرما دی کہ اِن حصص کو خُدائے علیم وخبیر نے اپنی حکمتِ کاملہ سے مقرر فرمایا ہے تمھیں یہ اختیار نہیں کہ اِن میں ردّوبدل کرو۔ اور اگر یہ بات تمھاری صوابدید پر چھوڑی جاتی تو تم اپنی عارضی اور وقتی مصلحتوں

اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ

تمھاری بیویاں ۲۴؎ بشرطیکہ نہ ہو ان کی اولاد اور اگر ہو ان کی اولاد تو تمھارے لیے

الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ

چوتھائی ہے اس سے جو وُہ چھوڑ جائیں (یہ تقسیم) اس وصیّت کے پُورا کرنے کے بعد ہے جو وُہ کر جائیں اور قرض ادا کرنے کے بعد

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ

اور تمھاری بیویوں کا چوتھا حصّہ ہے اس سے جو تم چھوڑو بشرطیکہ نہ ہو ۲۵؎ تمھاری اولاد اور اگر ہو

لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

تمھاری اولاد تو ان کا آٹھواں حصّہ ہے اس سے جو تم پیچھے چھوڑ جاؤ (یہ تقسیم) اس وصیت کو پُورا کرنے کے بعد ہے جو

تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ

تم نے کی ہو اور (تمھارا) قرض ادا کرنے کے بعد۔ اور اگر ہو وُہ شخص جس کی میراث تقسیم کی جانے والی ہے کلالہ ۲۶؎ وُہ

اور مفاد کے زیرِ اثر معلوم نہیں کیا کیا ترمیمیں کرتے رہتے۔

۲۴؎ بیوی کی وراثت تقسیم کرنے کی دو صُورتیں ہیں:۔

۱۔ متوفیّہ بیوی کی کوئی اولاد نہ ہو نہ لڑکی نہ لڑکا نہ تم سے اور نہ کسی دُوسرے خاوند سے۔ اس صُورت میں نصف خاوند کو ملے گا اور بقیہ نصف دُوسرے وارثوں میں حسبِ قاعدہ شرعی تقسیم ہو گا۔

۲۔ اس کی کوئی اولاد ہو تو اس صُورت میں چوتھائی خاوند کو ملے گی اور بقیہ دُوسرے وارثوں کو۔

۲۵؎ خاوند کی وراثت تقسیم کرنے کی دو صُورتیں ہیں۔ (۱) خاوند کی کوئی اولاد نہ ہو نہ لڑکا نہ لڑکی نہ موجُودہ بیوی سے نہ کسی دُوسری بیوی سے تو چوتھائی بیوی کو ملے گا خواہ ایک ہو یا زیادہ اور اگر خاوند کی اولاد ہو (بہ تفصیلِ سابق) تو بیوی کو آٹھواں حصّہ ملے گا۔ ایک ہو یا زیادہ۔ بقیہ دیگر وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

۲۶؎ کلالہ اس مرد یا عورت کو کہا جاتا ہے جس کی نہ اولاد ہو اور نہ اس کے والدین زندہ ہوں۔ اگر اس کے وارث عینی یا علاتی بہن بھائی ہوں تو ان کا ذکر آخر سُورہ میں آئے گا۔ اور اگر اس کے اخیافی (یعنی ماں کی طرف سے سگے) بہن بھائی ہوں تو ان کا حکم یہاں ذکر فرمایا۔ اس کی دو صُورتیں ہیں یا تو ایک بھائی یا ایک بہن وارث ہو گی تو اس صُورت میں اس کو چھٹا حصّہ ملے گا۔

امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ

مرد ہو یا عورت اور اس کا بھائی یا بہن ہو تو ہر ایک کے لیے ان میں سے چھٹا حصّہ ہے اور اگر

كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِی الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ

وہ بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو سب شریک ہیں تہائی میں (یہ تقسیم) وصیت پوری کرنے کے

وَصِیَّةٍ یُّوْصٰى بِهَاۤ اَوْ دَیْنٍ ۙ غَیْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِیَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ

بعد ہے جو کی گئی ہے ۲۷؎ اور قرض ادا کرنے کے بعد بشرطیکہ اس سے ۲۸؎ نقصان نہ پہنچایا گیا ہو۔ (یہ نظام وراثت) حکم ہے اللہ کی طرف سے

اور اگر وُہ ایک سے زائد ہوں تو سب کو تہائی حصّہ ملے گا اور سب میں برابر تقسیم ہو گا۔

۲۷؎ شریعتِ اسلامیہ کا یہ حکم ہے کہ جب کوئی شخص فوت ہو جائے تو تجہیز و تکفین کے بعد سب سے پہلے اس کا قرض ادا کیا جائے بعد ازاں اس کی وصیت پر عمل کیا جائے اور اس کے بعد بقیہ ترکہ حسبِ احکامِ قرآنی وارثوں میں تقسیم کیا جائے۔ قرض کی ادائیگی کا مقدّم ہونا تو عین انصاف ہے۔ وصیّت کے بارے میں شریعت نے چند ایک قیوُد عائد کی ہیں۔ اور اسلام سے پہلے وصیّت کے بارے میں جو طریقہ رائج تھا اس میں اصلاح کر دی تاکہ اس طریقہ میں جو بے راہ روی رُونما ہو چکی تھی اس کا سدِّ باب کر دیا جائے اہلِ عرب کا یہ دستور تھا کہ مرنے والا اپنی جائیداد کی ایسے لوگوں کے نام وصیّت کر جاتا جن سے اس کا دُور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا تھا اور اپنی اَولاد کو محروم کر دیتا اور اس فعل کو شرافت وسخاوت کا کمال شمار کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بے راہ روی کے انسداد کے لیے احکامِ وراثت نازل فرمائے اور تمام رشتہ داروں کے حصّے مقرر کر دیئے اور ان میں ردّ و بدل اَور کمی بیشی کرنے سے صاف الفاظ میں منع فرما دیا لیکن بسا اَوقات کوئی اجنبی یا غیر وارث رشتہ دار وارثوں سے کہیں بڑھ کر کسی کی خدمت کرتا ہے اور وُہ شخص اس کا معاوضہ اسے دینا چاہتا ہے یا کسی کارِ خیر میں حصّہ لینا چاہتا ہے تو اس سے بھی اسے محرُوم نہیں کیا گیا بلکہ جائیداد کے ⅓ حصّہ میں اسے وصیّت کرنے کا حق دیا۔ قرآن حکیم نے وصیّت کے لیے "غیر مضار" کی قید لگائی اَور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے اس کی حد ⅓ مقرر فرما دی اور وصیّت کی اجازت صرف ان لوگوں کے لیے دی گئی ہے جو وارث نہیں ہیں کیونکہ اگر وارث کے لیے بھی وصیّت جائز رکھی جاتی تو پھر قواعدِ میراث بالکل معطّل ہو کر رہ جاتے۔ اس لیے حضور رحمۃ للعٰلمین علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا ان الله اعطى كل ذى حق حقه فلا وصية لوارث۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حصّہ عطا فرما دیا ہے اس لیے اب کسی وارث کے لیے وصیّت کی اجازت نہیں بعض لوگ وارث کو وصیّت سے محرُوم کرنے اَور وصیّت کو ⅓ تک محدُود کرنے پر بڑے برافروختہ ہوتے ہیں کاش وُہ اسلام کے حکیمانہ نظام میں غور کریں۔ (اس پر سیر حاصل بحث میری تالیف سُنّتِ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسّلام میں ملاحظہ فرمائیں)

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا بردبار ہے یہ حدیں ۲۹؎ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) ہیں اور جو شخص فرمانبرداری کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی

يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ

داخل فرمائے گا اسے اللہ تعالیٰ باغوں میں بہتی ہوں گی جن کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں اور

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ

یہی ہے بڑی کامیابی اور جو نافرمانی کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی اور تجاوز کرے گا

حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ع

اللہ کی (مقررہ) حدوں سے داخل کرے گا اُسے اللہ آگ میں ہمیشہ رہے گا اس میں اور اس کے لیے عذاب ہے ذلیل کرنے والا

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ

اور جو کوئی اِرتکاب کرے بدکاری کا ۳۰؎ تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ طلب کرو (تہمت لگانے والے سے) ان پر

۲۸؎ اگرچہ یہ قید تمام سابقہ آیات میں بھی ملحوظ ہے لیکن یہاں تصریح کی اس لیے زیادہ ضرورت ہوئی کہ جب انسان کی اولاد یا والدین نہیں ہوتے تو وُہ اپنے دُوسرے وارثوں کو محرُوم کرنے کے لیے طرح طرح کے حیلے بہانے کرتا ہے کسی کو بلاوجہ وصیّت کر دی، کسی کا فرضی قرضہ اپنے اُوپر تسلیم کر لیا تاکہ اس کی جائیداد بٹ جائے اور اس کے وارثوں کو نہ ملے اِس لیے یہاں مضارّ کے الفاظ صراحۃً ذِکر فرما دیئے۔

۲۹؎ اِن دو آیات سے نظامِ وراثت کی اہمیّت کی طرف توجّہ دلائی، اس پر عمل پیرا ہونے کا تاکیدی حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ اپنی اور اپنے رسُولِ کریمؐ کی کامل اطاعت کی توفیق بخشے اور اپنی اور اپنے رسُول کی نافرمانی سے محفُوظ رکھے۔ آمین

۳۰؎ دُوسری بُرائیوں کی طرح زنا بھی جاہلیّت میں عام تھا پیشہ ور عورتیں اپنے مکانوں پر مخصُوص پرچم لہرایا کرتیں۔ اِس فعلِ شنیع کے اِرتکاب کو (چند ذی شرف خاندانوں کی مستورات کے علاوہ) چنداں معیُوب بھی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اِسلام نے اِس فعلِ بد کی روک تھام کے لیے صرف وعظ و نصیحت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اِس کا اِرتکاب کرنے والے کے لیے سزا اور سزا بھی سنگین مقرر کی لیکن اِبتداء ہی میں اِس سنگین سزا کا نفاذ نہیں فرمایا بلکہ آہستہ آہستہ اور تدریجاً۔ ان دو آیتوں میں ابتدائی زمانہ میں جو سزا مقرر ہوئی اس کا ذِکر ہے۔ سدی، قتادہ اور کئی دُوسرے ائمہ تفسیر کے نزدیک پہلی آیت شادی شدہ عورتوں کے متعلّق ہے کہ اگر وُہ اس جُرم کا ارتکاب

أَرْبَعَةً مِّنكُمْ ۖ فَإِن شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ

چار مرد اپنوں میں سے پھر اگر وُہ گواہی دے دیں تو بند کر دو اُن عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ

يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ﴿١٥﴾ وَاللَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا

پُورا کر دے ان (کی زندگی) کو موت یا بنا دے اللہ تعالیٰ ان (کی رہائی) کے لیے کوئی رستہ اور جو مرد و عورت ارتکاب کریں

مِنكُمْ فَآذُوهُمَا ۖ فَإِن تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا ۗ إِنَّ اللَّهَ

بدکاری کا تم میں سے تو خوب اذیّت دو انھیں پھر اگر دونوں توبہ کرلیں اور (اپنی) اصلاح کرلیں تو چھوڑ دو انھیں بے شک اللہ تعالیٰ

كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿١٦﴾ إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ

بہت توبہ قبول کرنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔ توبہ [۳۱] جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے ذمّہ لیا ہے ان کی توبہ ہے جو کر بیٹھتے ہیں

کریں تو انھیں اُن کے گھروں میں بطور سزا بحکم حاکم نظر بند کر دیا جائے یہاں تک کہ اُن کی زندگی ختم ہو جائے یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی دُوسرا حکم نازل فرما دے۔ (یہ آخری کلمات اِس بات کا صاف پتہ دیتے ہیں کہ یہ عمر قید کی سزا عارضی سزا ہے اور اس کے بعد کوئی دُوسری سزا تجویز ہونے والی ہے) اور دُوسری آیت میں غیر شادی شدہ مرد و عورت کی سزا کا ذِکر ہے لیکن یہ سزا تب دی جائے گی جب جُرم ثابت ہو جائے اور اس جُرم کا تعلق کیونکہ عزّت و آبرُو سے ہے اِس لیے اِس کے اثبات کے لیے دو نہیں چار گواہوں کی ضرورت ہے۔ چاروں گواہ مُسلمان ہوں، مرد ہوں، عاقل ہوں اور آزاد ہوں۔ کچھ عرصہ بعد سورۃ نُور کی آیت (الزانیۃ والزانی) نازل ہُوئی جس میں غیر شادی شدہ زناکار عورت اور مرد کی سزا بیان کی گئی اور سُنّتِ صحیحہ نے شادی شدہ عورت و مرد کی سزا رجم مقرر فرمائی۔ (اِس کا تفصیلی بیان سُورۃ نُور میں آئے گا اِنشاء اللہ تعالیٰ)

[۳۱] توبہ کا لغوی معنی رجُوع کرنا اور لَوٹ آنا ہے یعنی جس سِمت میں آپ چلے جا رہے ہیں ادھر سے مُنہ پھیر کر دُوسری سِمت میں چل پڑیں۔ توبہ شرعی میں بھی یہی معنی ملحُوظ ہے کہ اِنسان گناہ و معصیت کی جس راہ پر اپنی کم عقلی اور کج فہمی کے باعث بھاگا چلا جا رہا ہے اس سے رُخ موڑ کر نیکی اور تقویٰ کی شاہراہ پر گامزن ہو جائے۔ اسی لیے المحققین نے توبہ کی قبولیّت کے لیے متعدّد شرُوط بیان فرمائی ہیں جن میں سے اہم یہ ہیں۔ (۱) ندامت (۲) اس گناہ سے اسی وقت باز آجانا (۳) دوبارہ یہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ (۴) وان یکون ذلک حیاءً من اللہ تعالیٰ لا من غیرہ یعنی یہ سب کچھ اللہ جل مجدہ سے شرمسار ہو کر کرے۔ ایسی توبہ کو قبول فرمانے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ جھالۃ کا معنی نہ جاننا ہے اور اس سے مُراد وُہ کیفیت ہے کہ جب انسان رذیل خواہش ہوائے نفس اور غصّہ سے یُوں مغلُوب ہو جائے کہ اپنے اعمال کے نتائج اس سے پوشیدہ ہو جائیں۔

السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ

گناہ بے سمجھی سے پھر توبہ کرتے ہیں جلدی سے ۳۲ پس یہی لوگ ہیں (نظر رحمت سے) توجہ فرماتا ہے اللہ ان پر

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ

اور ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑی حکمت والا ۔ اور نہیں یہ توبہ (جس کے قبول کرنے کا وعدہ ہے) ان لوگوں کے لیے جو کرتے رہتے ہیں برائیاں (ساری عمر)

حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْئٰنَ وَلَا الَّذِيْنَ

یہاں تک کہ جب آجائے کسی ایک کو ان میں سے موت (تو) کہے بے شک میں توبہ کرتا ہوں اب اور نہ ان لوگوں کی توبہ

يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾ يٰٓاَيُّهَا

جو مرتے ہیں اس حال میں کہ وہ کافر ہیں انھیں کے لیے ہم نے تیار کر رکھا ہے عذاب دردناک ۳۳ اے

۳۲ وقت قریب سے مُراد یہ ہے کہ وُہ جذبات جن سے مغلوب ہو کر اس نے یہ فعلِ بد کیا جب ان کی تیزی ختم ہو جائے تو فوراً بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو کر توبہ کرے۔ لیکن شریعت نے موت کے آثار ظاہر ہونے سے پہلے توبہ کرنے کو صحیح قرار دیا ہے۔ چنانچہ ضحاک سے مروی ہے کہ کل ما کان قبل الموت فھو قریب۔ لیکن انسان اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ ابھی توبہ کی کیا جلدی ہے موت سے پہلے توبہ کر لوں گا۔ کیا پتہ کہ موت اچانک ہی آجائے۔ کیا خبر کہ پیہم نافرمانیوں کی نحوست احساسِ گناہ کا گلا ہی گھونٹ دے اور توبہ کی توفیق سے ہی محرُوم کر دے۔ ایک چیز یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات برتر اور اعلیٰ ہے اس چیز سے کہ اس پر کوئی چیز واجب ہو۔ ہاں جسے وُہ خود محض اپنے فضل وکرم سے اپنے اُوپر واجب کرے۔ اسی طرح ایسی توبہ کے قبول کرنے کا اس نے محض اپنی مہربانی اور رحمت سے وعدہ فرمایا ہے۔

۳۳ یعنی جو لوگ انجام سے بے خبر اور خوفِ الٰہی سے بے فکر ہو کر روز و شب گناہوں میں مشغول رہتے ہیں یہاں تک کہ موت کا فرشتہ اُن کا گلا دبوچ لیتا ہے اور زندگی سے بالکل مایُوس ہو جاتے ہیں۔ اس وقت ان کی آنکھیں کھلتی ہیں اور توبہ توبہ کہنے لگتے ہیں اس کو توبۃ الیاس کہتے ہیں یعنی مایوسی کی توبہ اور ایسی توبہ قبول نہیں ہوتی نیز وُہ بدبخت جو کفر پر مرتا ہے ان دونوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے المناک عذاب تیار کر رکھا ہے ان کی بخشش کی کوئی صُورت نہیں

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ

ایمان والو! نہیں حلال تمھارے لیے کہ وارث بن جاؤ عورتوں کے زبردستی ۳۴ے اور نہ روکے رکھو انھیں ۳۵ے

لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ

تاکہ لے جاؤ کچھ حصّہ اس (مہر وغیرہ) کا جو تم نے دیا ہے انھیں بجز اس صُورت کے کہ ارتکاب کریں کھُلی بدکاری کا

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا

اور زندگی بسر کرو اپنی بیویوں کے ساتھ عمدگی سے ۳۶ے پھر اگر تم ناپسند کرو انھیں تو (صبر کرو) شاید تم ناپسند کرو ۳۷ے کسی چیز کو

۳۴ے عرب میں یہ طریقہ صدیوں سے رائج تھا کہ خاوند کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا اپنے باپ کی جائیداد کی طرح اس کی بیوی (اپنی سوتیلی ماں) کا بھی وارث ہوتا۔ چاہتا تو اس کو جبراً بغیر مہر ادا کیے اپنے نکاح میں لے آتا۔ چاہتا تو اپنی مرضی سے کسی دُوسرے آدمی سے اس کی شادی کر دیتا اور مہر خود وصُول کرتا اور چاہتا تو اسے ساری عُمر یونہی بیوگی کی زندگی گزارنے پر مجبُور کر دیتا اور اس کے مرنے کے بعد اس کی میراث کا تنہا وارث بن جاتا۔ مدّتِ دراز سے یہ ظالمانہ رسم نہ صرف عرب میں بلکہ یونان و رُوم میں بھی رائج تھی۔ قرآن حکیم نے مظلُوم عورت کی فریاد رسی کی اور مردوں کو اس کی آزادی میں مداخلت کرنے سے سختی سے روک دیا۔

۳۵ے اس آیت سے ایک اور قبیح رسم کا قلع قمع کرنا مطلُوب ہے۔ بعض مرد اپنی مالدار بیویوں کو طبعی منافرت کی وجہ سے آباد بھی نہ کرتے اور طلاق بھی نہ دیتے تاکہ وُہ یا تو اسی حالت میں مر جائیں اور یہ ان کے وارث بنیں اور یا وُہ انھیں کچھ دے کر طلاق لینے پر مجبُور ہو جائیں یا اس شرط پر طلاق دیتے کہ وُہ کسی سے شادی نہیں کرے گی۔ ان تمام چیزوں سے بھی قرآن نے منع فرما دیا ہاں اگر عورت فاحشہ مبیّنہ کی مُرتکب ہو تو پھر خلع کی اجازت ہے۔ فاحشہ مبیّنہ سے مُراد اکثر مفسّرین نے زنا لیا ہے اور حضرت ابنِ عبّاس رضؓ اور ابنِ مسعُود رضؓ سے بُغض اور نافرمانی بھی منقُول ہے۔ الفاحشة المبينة فی هذه الآية البغض والنشوز۔ مقصد یہ ہے کہ اگر عورت کی طرف سے ایسی بات رُونما ہو جس کے باعث ازدواجی زندگی تلخ ہو جائے تو پھر مرد کو اجازت ہے کہ جو مہر اس نے بیوی کو دیا ہے وُہ اس سے لے کر اسے طلاق دے دے۔

۳۶ے کتنی واضح ہدایت ہے بلکہ کتنا کھُلا حکم ہے۔ حضُور سرورِ کائنات علیہ الصّلوات والتسلیمات کا ارشاد بھی سُن لیجیے خیرکم خیرکم باهله تم میں سے بہتر وُہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ عُمدہ برتاؤ کرتا ہو۔ کاش ہم سمجھیں اور اس پر عمل کریں وُہ گھر جس میں میاں بیوی میں اَن بن ہو وُہ کبھی سچّی مسرّتوں سے لُطف اندوز نہیں ہو سکتا اور نہ کبھی ترقی کر سکتا ہے۔

۳۷ے خوابوں کی دُنیا اور حقائق کی دُنیا میں بہت بڑا فرق ہے۔ اگر تمھاری رفیقۂ حیات کا معیارِ جمال اتنا اُونچا نہیں جس کا تم تصوّر کیے ہُوئے تھے۔ یا اس کے اطوار و اخلاق اتنے مثالی نہیں جن کے تم متمنّی تھے تو دِل برداشتہ ہو کر ازدواج کے اس رشتہ

وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝١٩ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ

اور رکھ دی ہو اللہ تعالیٰ نے اس میں (تمہارے لیے) خیر کثیر اور اگر تم ارادہ کر لو ۳۸ کہ بدلو ایک بیوی کو پہلی

زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ

بیوی کی جگہ اور دے چکے ہو تم اسے ڈھیروں مال تو نہ لو اس مال سے کوئی چیز کیا تم لینا چاہتے ہو اپنا مال

بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝٢٠ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى

(زمانۂ جاہلیت کی طرح) بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کر کے اور کیوں کر (واپس) لیتے ہو تم مال کو حالانکہ مل جل چکے ہو تم (تنہائی میں) ایک دوسرے

بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝٢١ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ

سے ۳۹ اور وہ لے چکی ہیں تم سے پختہ وعدہ اور نہ نکاح کرو جن سے نکاح کر چکے تمہارے باپ دادا ۴۰

کو توڑ نہ دو بلکہ ان کوتاہیوں اور خامیوں پر صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے بعید نہیں کہ تمہیں اس بیوی سے ایسی نجیب وسعید اولاد عطا فرمادے جو تمہارے نام کو روشن کر دے۔ یا جب زندگی کا کارواں آزمائش وابتلاء کی سنگلاخ وادی میں قدم رکھے تو تمہاری یہ بیوی تمہارے عزم وحوصلہ کو بلند رکھنے میں اس گلِ رعنا سے زیادہ مفید ثابت ہو جس کی بوئے وفا اور رنگِ صفا کو بادِ سموم کا ایک ہی جھونکا مرجھا کر رکھ دے۔ انسانی حسن وجمال کا آئینہ صرف نگاہ ہی تو نہیں اس کے علاوہ اور بھی کئی آئینے ہیں۔

۳۸ پہلے ذکر فرمایا کہ اگر عورت کی غلطی اور کوتاہی کی وجہ سے طلاق ناگزیر ہو گئی ہو تو خاوند کو اپنا مہر واپس لینے کا حق ہے لیکن اگر عورت کا کوئی قصور نہ ہو اور پھر بھی تم اسے چھوڑ کر دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہو تو تمہیں یہ حق حاصل نہیں کہ جو تم پہلے خوشی سے عورت کو دے چکے ہو خواہ اس کی مقدار بہت زیادہ ہو واپس لو۔ امام رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ زمانۂ جہالت کی ایک رسم یہ تھی کہ جب کوئی آدمی دوسری شادی کرنا چاہتا تو وہ پہلی بیوی پر زنا کی تہمت لگاتا۔ اس طرح اس کو مجبور کر دیتا کہ وہ اس کو مال دے کر طلاق حاصل کرے۔ اس سے بھی مسلمانوں کو روکا گیا (یورپ آج بھی وہی کر رہا ہے جو اسلام سے پہلے جاہل عرب کیا کرتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت خواہ نئی ہو یا پرانی اس کا مزاج ایک ہی ہے۔

۳۹ افضی افضاء سے ہے۔ فراء امام لغت نے اس کا معنی کیا ہے مرد وعورت کا تنہائی میں ملنا خواہ صحبت کے بغیر ہو۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسی کو خلوتِ صحیحہ کہتے ہیں۔ اس سے سارا مہر واجب ہو جاتا ہے۔

۴۰ جیسے ایک سابقہ آیت میں گزرا ہے کہ زمانۂ جہالت میں باپ کے مرنے کے بعد لڑکا اپنی سوتیلی ماں سے جبراً شادی کر لیا کرتا تھا۔ اس آیت کے نزول سے جبراً شادی تو بند ہو گئی لیکن جانبین کی رضامندی سے یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس آیت میں

مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا ؕ وَ سَآءَ

مگر جو ہو چکا (اس سے پہلے سو وُہ مُعاف ہے) بے شک یہ فعل بہت بے حیائی اور نفرت کا فعل تھا اور بہت بُرا

سَبِيْلًا ۝۲۲ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ

طریقہ تھا حرام کردی گئیں تم پر ۴۱ تمھاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں اور تمھاری بہنیں اور تمھاری پھوپھیاں اور تمھاری خالائیں

وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ

اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمھاری مائیں ۴۲ جنھوں نے تمھیں دُودھ پلایا اور تمھاری بہنیں

الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ

رضاعت سے اور مائیں ۴۳ تمھاری بیویوں کی اور تمھاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمھاری گودوں میں (پرورش پا رہی) ہیں ان بیویوں سے

بالکل ممانعت کردی گئی۔ علّامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں بہت سے لوگوں کے نام گنوائے ہیں جنھوں نے اپنی سوتیلی ماؤں سے نکاح کیے اور ان سے ان کی اولاد بھی ہوئی۔

۴۱ یہاں سے اُن عورتوں کا تفصیلاً ذکر ہوتا ہے جن سے نکاح کرنا حرام ہے۔ یہ حُرمت تین طرح کی ہے حُرمتِ نسب، حرمتِ رضاعت اور حُرمتِ مصاہرت۔ پہلے ان عورتوں کا ذکر ہے جن کی حُرمت کا سبب نسب ہے ان کی تعداد سات ہے:۔

۱۔ ماں (اس میں دادی، نانی اور اس سے اُوپر سب داخل ہیں)

۲۔ بیٹی (اس میں پوتی۔ نواسی نیچے تک سب داخل ہیں)

۳۔ بہن (سگی اور سوتیلی) (۴) پھوپھی (۵) خالہ (۶) بھتیجی (۷) بھانجی

۴۲ یہاں سے اُن محرّمات کا ذکر ہے جو رضاع کی وجہ سے حرام ہیں۔ ساتوں رشتے جو نسب سے حرام تھے وُہی رضاع سے حرام ہیں۔ حضور کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ارشاد ہے "یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب"۔

۴۳ اب اُن عورتوں کا ذکر ہے جو علاقۂ نکاح کی وجہ سے حرام ہوجاتی ہیں۔ ان میں سے بعض وُہ ہیں جو ہمیشہ کے لیے حرام ہوجاتی ہیں بعض وُہ ہیں جن کے ساتھ اُس وقت تک نکاح حرام ہے جب تک اس کی بیوی اس کے نکاح میں ہے پہلی قسم بیوی کی ماں اور اس بیوی کی بیٹی جس سے صحبت کی جاچکی ہو لیکن اگر صحبت سے پہلے بیوی کو طلاق دے دی تو اس کی بیٹی سے نکاح درُست ہوگا۔ اور بیٹوں کی بیویاں بھی ہمیشہ کے لیے حرام ہوجاتی ہیں یہی حکم پوتوں اور نواسوں کی بیویوں کا ہے دُوسری قسم بیوی کی بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی ہیں جب تک بیوی زندہ ہے یا نکاح میں ہے اُس وقت تک ان سے نکاح درست

الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ٘ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ٘

جن سے تم صحبت کر چکے ہو اور اگر تم نے صحبت نہ کی ہو ان بیویوں سے تو کوئی حرج نہیں تم پر (ان کی بیٹیوں سے نکاح

وَحَلَآىٕلُ اَبْنَآىٕكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ

کرنے میں) اور (حرام کی گئیں) بیویاں تمہارے ان بیٹوں کی جو تمہاری پشتوں سے ہیں ۴۴؎ اور (یہ بھی حرام ہے) کہ جمع کرو تم دو

الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًاۙ ﴿۲۳﴾

بہنوں کو ۴۵؎ مگر جو گزر چکا (سو وہ معاف ہے) یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے

نہیں۔ اور اگر بیوی مرجائے یا اُسے طلاق دے دے تو پھر ان سے نکاح کرنا درست ہے۔

۴۴؎ یعنی ان بیٹوں کی بیویاں حرام ہیں جو تمھاری پُشت سے ہوں۔ یہ قید اہلِ عرب کی ایک غلط رسم کو مٹانے کے لیے بڑھائی گئی ہے کہ وُہ جن کو متبنّٰی بنایا کرتے اُن کی بیویوں کے بیوہ یا مطلّقہ ہونے کے بعد بھی ان سے نکاح کرنا حرام خیال کرتے۔

۴۵؎ دو بہنوں کو خواہ وُہ حقیقی ہوں یا رضاعی ایک نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے۔ اور حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے پھوپھی اور بھتیجی، خالہ اور بھانجی کا ایک عقد میں جمع کرنا ممنوع فرمایا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ رشتے محبّت و پیار کے رشتے ہیں اگر یہ ایک دُوسرے کی سوکنیں بن جائیں گی تو محبّت واُنس کی جگہ حسد و عناد جو عام طور پر سوکنوں میں پایا جاتا ہے رُونما ہو جائے گا۔ انکم اذا فعلتم ذلک قطعتم ارحامکم (قرطبی)

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ

اور (حرام ہیں) خاوندوں والی عورتیں مگر (کافروں کی وُہ عورتیں) ۴۶ جو تمھارے مِلک میں آجائیں فرض کیا ہے

اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ

اللہ نے (ان احکام کو) تم پر اور حلال کردی گئی ہیں تمھارے لیے ماسوا ان کے تاکہ تم طلب کرو (ان کو) اپنے مالوں کے ذریعہ

مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ

پاکدامن بنتے ہُوئے نہ زناکار بنتے ہُوئے ۴۷ پس جو تم نے لُطف اُٹھایا ہے ان سے ۴۸

۴۶ یعنی جو عورتیں میدانِ جنگ میں پکڑی جائیں اور ان کے خاوند دارالحرب میں رہ جائیں تو اُن کا سابقہ نکاح ٹُوٹ جاتا ہے اور حکومتِ اِسلامیہ اس عورت کو جس سپاہی کے حِصّہ میں دے وُہ اس سے ہم بستری کرسکتا ہے۔ جنگی قیدیوں کا مسئلہ ہمیشہ سے حکُومتوں کے لیے دردِ سر کا سبب بنا رہا ہے اِسلام نے اپنی فِطری سادگی سے اس کا حل پیش کیا ہے کہ اگر جنگ میں دشمن قوم کے مرد اور عورتیں اسیر بن کر آئیں تو حکُومتِ اِسلامیہ کو اِختیار ہے چاہے تو انھیں آزاد کردے۔ چاہے تو ان سے فِدیہ لے کر چھوڑ دے۔ چاہے تو مُسلمان قیدیوں کے ساتھ اُن کا تبادلہ کرلے اور اگر مصلحتِ عامہ کا تقاضا یہ ہو کہ انھیں اسیر ہی رکھا جائے تو پھر اس کی اِجازت ہے لیکن کیسے؟ جاپان، جرمنی اور رُوس کے قیدی کیمپوں کا یہاں کوئی وجُود نہیں جہاں انھیں بھُوکا پیاسا رکھا جاتا ہو۔ انھیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی جاتی ہوں اور ان سے رات دِن جبری مزدُوری لی جاتی ہو بلکہ اس کی صُورت یہ ہے کہ انھیں سپاہیوں میں تقسیم کردیا جائے۔ ہر سپاہی اس کے آرام و آسائش کا خیال رکھے۔ جو اسیر عورت کسی کے حِصّہ میں آئے وُہ ایک ماہواری گزرنے کے بعد اس سے صُحبت کرسکتا ہے۔ اگر اس کے شِکم سے اَولاد پیدا ہُوئی تو اس کے حقوق بالکل ویسے ہی ہوں گے جیسے دُوسری اَولاد کے۔ اب وُہ اِس لونڈی کو فروخت بھی نہیں کرسکتا اور اس کے مرنے کے بعد وُہ خود بخود آزاد بھی ہو جائے گی۔

۴۷ علّامہ قرطبیؒ نے محصنین کا معنی متعففین عن الزنا کیا ہے یعنی پاکباز بنتے ہُوئے اور غیر مسافحین کا معنی غیر زانین۔ اِن کلمات سے نِکاح کی غرض و غایت کی طرف اِشارہ فرمایا۔

۴۸ اگر بیوی کے ساتھ مباشرت یا خلوتِ صحیحہ ہو جائے تو سارا مہر ادا کرنا لازم ہو جاتا ہے اور اگر اس سے پیشتر ہی جُدائی ہو جائے تو پھر صرف نِصف مہر ہی ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس آیت سے متعہ روافض پر استدلال کرنا سراسر باطل ہے کیونکہ محصنین غیر مسافحین کے الفاظ اس کی صراحۃً تردید کرتے ہیں نیز حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اسے حجۃ الوداع کے موقع پر قیامت تک کے لیے حرام کردیا تھا۔ تفصیلی بحث سُورہ المومنون میں ملاحظہ فرمائیے۔

فَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ فَرِيۡضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيۡمَا تَرٰضَيۡتُمۡ

تو دو ان کو ان کے مہر جو مقرر ہیں اور کوئی گناہ نہیں تم پر جس چیز پر تم آپس میں راضی ہو

بِهٖ مِنۡۢ بَعۡدِ الۡفَرِيۡضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۲۴﴾ وَمَنۡ

جاؤ ۴۹ مقرر کیے ہوئے مہر کے بعد بے شک اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے اور جو

لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ مِنۡكُمۡ طَوۡلًا اَنۡ يَّنۡكِحَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ فَمِنۡ

نہ رکھتا ہو ۵۰ تم میں سے اس کی طاقت کہ نکاح کرے آزاد مسلمان عورتوں سے تو وہ

مَّا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ مِّنۡ فَتَيٰتِكُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِاِيۡمَانِكُمۡ ؕ

نکاح کرے جو تمہارے قبضہ میں ہیں تمہاری کنیزیں جو مسلمان ہیں اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے تمہارے ایمان (کی کیفیت) کو

بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَانۡكِحُوۡهُنَّ بِاِذۡنِ اَهۡلِهِنَّ وَاٰتُوۡهُنَّ

بعض تمہارا ۵۱ بعض (کی جنس) سے ہے تو نکاح کر لو ان سے ان کے سرپرستوں کی اجازت سے اور دو ان کو

اُجُوۡرَهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ مُحۡصَنٰتٍ غَيۡرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ

مہر ان کے دستور کے موافق (تاکہ نکاح سے) وہ پاکدامن بن جائیں نہ (اعلانیہ) زنا کار اور نہ بنانے والی ہوں

۴۹ ہاں اگر بیوی اپنی خوشی سے سارا مہر یا اس کا کچھ حصہ بخش دے تو پھر کوئی حرج نہیں۔

۵۰ عام طور پر آزاد عورت کا مہر اور اس کا نفقہ کنیزوں کے مہر اور نفقہ سے کہیں زیادہ ہوا کرتا ہے بعض اوقات ایک شخص آزاد عورت کے اخراجات برداشت کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اور اس کو یارائے صبر بھی نہیں۔ اس کے گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں قرآن حکیم نے اسے اجازت دی ہے کہ وہ کسی کی کنیز سے نکاح کر لے۔ امام شافعی وغیرہ کے نزدیک اس کنیز کا مسلمان ہونا ضروری ہے اور امام صاحب کے نزدیک مستحب ہے۔ طول کا معنی ہے السعة والغنٰی (القرطبی)

۵۱ عرب میں باندیوں کے ساتھ نکاح کرنا بہت معیوب سمجھا جاتا اور ان کے شکم سے جو اولاد ہوتی اس کو "ھجین" کہا جاتا۔ یہ بتا کر کہ تم سب ایک آدم کی اولاد ہو اس خیال کی تردید کر دی۔

اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ

پوشیدہ یار ۵۲ اور جب وہ نکاح سے محفوظ ہوجائیں پھر اگر وہ ارتکاب کریں بدکاری کا تو ان پر ۵۳

نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ

اس سزا کا نصف ہے جو آزاد عورتوں کے لیے ہے یہ (لونڈیوں سے نکاح کی اجازت)

الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾

اس کے لیے ہے جسے خطرہ ہو بدکاری میں مبتلا ہونے کا تم سے اور تمہارا صبر کرنا بہتر ہے تمہارے لیے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے

۵۲ اخدان جمع ہے اس کا واحد خِدْنٌ اور خدین ہے۔ خدن اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ پوشیدہ بُرے تعلقات ہوں اس آیت میں کھلے اور چوری چھپے زنا دونوں سے منع کر دیا۔

۵۳ ان دو تین آیتوں میں محصنات اور محصنین کے الفاظ کا کئی بار تکرار ہوا ہے لیکن کسی جگہ اس کا معنی شادی شدہ کہیں پاکباز کہیں آزاد اور کہیں کنوارا کیا گیا ہے جس سے اگر کسی نوآموز کے ذہن میں تردد پیدا ہوجائے تو کچھ بعید نہیں کہ ایک لفظ ہے اور قدم قدم پر اس کے معانی بدلتے چلے جا رہے ہیں۔ اس لیے اس تردد کے ازالہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان الفاظ کی تحقیق کی جائے ان الفاظ کا ماخذ احصان ہے۔ اس کا لغوی معنی روکنا اور حفاظت کرنا ہے اسی لیے قلعہ کو حصن کہتے ہیں کیونکہ وہ دشمن کے حملہ سے محفوظ رکھتا ہے۔ اور مضبوط زرہ کو درع حصینۃ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی حریف کے وار سے جسم کی حفاظت کرتی ہے اسی مناسبت سے جو مرد یا عورت بدکاری سے اپنی حفاظت کرے اُسے بھی محصن اور محصنۃ کہتے ہیں۔ اس حفاظت کے متعدد اسباب ہیں اسلام، آزادی، طبعی عفت، بکارت اور زواج۔ ان میں سے ہر ایک چیز انسان کو بدکاری سے روکنے والی ہے۔ اس لیے موقع اور محل کی مناسبت سے اس لفظ کا معنی متعین کیا جائے گا خصوصاً معنی کا وہ تعین جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے وہ قطعی ہوگا اس میں رد و بدل کی گنجائش نہیں۔ یہاں محصنات کا معنی آزاد باکرہ لڑکیاں ہیں اور یہاں محصنات کا یہ معنی حضور کریم ﷺ کا متعین کردہ ہے کیونکہ سنت نبوی ﷺ کے مطابق انھیں کی سزا سو دُرّے ہے جس کا نصف پچاس دُرّے مسلمان لونڈی کی سزا ہے دُوسرے قوانین میں مراعات اور گنجائشیں ان لوگوں کے لیے مخصوص ہیں جو صاحب جاہ و ثروت ہوں اور سوسائٹی میں کوئی بلند مقام رکھتے ہوں لیکن اس دین فطرت میں ان مراتب کو ملحوظ نہیں رکھا گیا بلکہ انسان کی فطری کمزوریوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ جہاں پھسلنے کے امکانات زیادہ اور بچنے کے وسائل کم ہیں۔ وہاں سزائیں تخفیف کر دی گئیں۔ غلاموں، باندیوں، غیر شادی شدہ اور شادی شدہ مردوں اور عورتوں کی سزاؤں میں کمی بیشی کا یہی راز ہے (جرم زنا کی سزا پر تفصیلی بحث سورہ النور میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ)

يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ

چاہتا ہے اللہ تعالیٰ ۵۴ کہ کھول کر بیان کر دے (اپنے احکام) تمہارے لیے اور چلائے تم کو ان (کامیاب لوگوں) کی راہوں پر جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں

وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾ وَاللّٰهُ يُرِيدُ أَن يَتُوبَ

اور اپنی رحمت سے توجہ فرمائے تم پر اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنی رحمت سے توجہ فرمائے

عَلَيْكُمْ ۚ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَن تَمِيلُوا مَيْلًا

تم پر اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو پیروی کر رہے ہیں اپنی خواہشوں کی کہ تم (حق سے) بالکل منہ

عَظِيمًا ﴿٢٧﴾ يُرِيدُ اللّٰهُ أَن يُخَفِّفَ عَنكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْإِنسَانُ

موڑ لو ۵۵ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہلکا کرے ۵۶ تم سے (پابندیوں کا بوجھ) اور پیدا کیا گیا ہے انسان

۵۴ سابقہ آیات میں کثیر التعداد احکام بیان کیے گئے جن کی پابندی ان لوگوں کے لیے بڑی دشوار تھی اس لیے تاکیدی طور پر یہ فرما دیا کہ ہم نے ان احکام کی پابندی تم پر بلاوجہ فرض نہیں کی بلکہ مقصد یہ ہے کہ تمہیں وہ راستہ دکھا دیں جن پر تم سے پہلے انبیاء و صلحاء گامزن رہے اور دارین کی سعادتوں سے بہرہ اندوز ہوئے اس لیے ان احکام کی پیروی میں تمہاری اپنی سعادت اور بھلائی ہے۔

۵۵ ان گوناگوں اصلاحات نے عرب کے پرانے طرزِ تمدن و معاشرت میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ اب لڑکیوں کو بھی اپنے بھائیوں کی طرح ورثہ ملنے لگا تھا۔ عورت اپنے خاوند کے مرجانے کے بعد اپنے سوتیلے بیٹے کے رحم و کرم پر نہ چھوڑ دی گئی تھی بلکہ عدت گزرنے کے بعد اسے اختیار تھا کہ جس سے چاہے نکاح کرے سوتیلی ماں سے نکاح کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ زنا کو جرم قرار دے دیا گیا تھا اور اس کے لیے سنگین سزا مقرر کر دی گئی تھی۔ اسی طرح متعدد ایسے قوانین نافذ کر دیئے گئے تھے جو ان کے قدیم رسم و رواج کے سراسر خلاف تھے۔ ایک طبقہ اپنی دیرینہ جہالت سے اندھی عقیدت کے باعث ان اصلاحات پر آتش زیر پا ہو گیا۔ اور وہ لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے کے لیے ان قوانین کا سہارا لینے لگا۔ اس کے علاوہ یہودی بھی یہ گوارا نہ کر سکتے تھے کہ ان کے نافذ کردہ من گھڑت قوانین میں کسی قسم کا ردوبدل کیا جائے کیونکہ اس میں ان کی علمی برتری کی ہتک تھی اور منافقین کا تو محبوب مشغلہ ہی یہ تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اسلام کی تعلیمات کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کی جائیں۔ یہ سب لوگ مسلمانوں کو احکامِ الٰہی سے برگشتہ کرنے کے لیے اپنے اپنے مخصوص حیلے اختیار کرتے اللہ تعالیٰ اس آیت میں مسلمانوں کو ان کے مکر و فریب سے ہوشیار رہنے کی تاکید فرما رہے ہیں۔

۵۶ علیم و حکیم خدا جو تمہارا اور تمہاری صلاحیتوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اسے تمہاری فطری کمزوریوں کا خوب علم ہے اس لیے احکامِ شرعیہ میں ایسی سختی نہیں رکھی گئی جس کو تم برداشت نہ کر سکو۔ یہ بات کسی ایک قانون سے مختص نہیں بلکہ شریعت اسلامیہ کا ہر

ضَعِيفًا ﴿٢٨﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ

کمزور اے ایمان والو نہ کھاؤ اپنے مال آپس میں

بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَ

ناجائز طریقہ سے ۵۷ مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری باہمی رضامندی سے اور

لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿٢٩﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ

نہ ہلاک کرو اپنے آپ کو ۵۸ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا ہے اور جو شخص کرے گا

ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ

یوں ، سرکشی اور ظلم سے تو ڈال دیں گے ہم اُسے آگ میں اور یہ

قانُون اِس حقیقت کا آئینہ دار ہے۔

۵۷ کسبِ حلال پر قرآن نے جتنا زور دیا ہے وُہ محتاجِ بیان نہیں۔ ایسے موقعوں پر قرآن کا اندازِ بیان بڑا اثر انگیز ہُوا کرتا ہے یہ نہیں فرمایا کہ دُوسروں کے مال ناجائز طریقوں سے مت کھاؤ بلکہ فرمایا اپنے مال باطل طریقوں سے مت کھاؤ۔ اس سے یہ حقیقت واضح کرنا مطلوب ہے کہ اُمّت کے کسی فرد کا مال پرایا مال نہیں بلکہ اپنا ہی مال ہے۔ اس میں ناجائز تصرّف کرنا دھوکا فریب سے اس کو ہڑپ کرنا اپنے آپ سے ہی دھوکہ کرنا ہے۔ ہاں اگر تم آپس میں تجارت کرو اور تجارت میں کسی کی سادہ لوحی یا مجبُوری سے ناروا فائدہ نہ اُٹھایا گیا ہو بلکہ فریقین نے راضی خوشی سے لین دین کیا ہو۔ اور اِس طرح تمہیں نفع حاصل ہو تو یہ نفع حلال ہے۔ عَنْ تَرَاضٍ کے کلمات پر مزید غور فرمائیے۔ اِسلام جس صاف سُتھری تجارت کی اجازت دیتا ہے اس کے خدّوخال آپ پر واضح ہو جائیں گے۔

۵۸ اِس آیت میں خودکُشی کی ممانعت بھی آگئی۔ اور کِسی مُسلمان بھائی کو بلاوجہ قتل کرنے سے بھی روک دیا گیا۔ انفسکم کہہ کر بتا دیا کہ اگر تم کِسی مسلمان بھائی کو قتل کرو گے تو اِس کا نقصان تمہیں ہی پہنچے گا۔ تمہاری ہی ایک مومن بہن بیوہ ہوگی۔ تمہاری ہی مِلّت کے معصُوم بچّے یتیم ہوں گے۔ تمہارے مُسلم معاشرہ کا ہی ایک گھر غم واندوہ کے اندھیروں میں ڈُوب جائے گا۔ علّامہ بیضاوی علیہ الرحمۃ نے اس کا ایک اور لطیف معنی بھی کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ لاتقتلوا انفسکم باقتراف ما یذللھا و یردیھا فانہ القتل الحقیقی للنفس یعنی ایسی مذمُوم حرکتیں اور ذلیل اعمال مت کرو جو لوگوں کی نِگاہ میں تمہیں ذلیل و رُسوا کر دیں۔ کیونکہ یہ ذِلّت و رُسوائی ہی تو نفس کی حقیقی ہلاکت و تباہی ہے۔ سُبحان اللہ! کیا لطیف بات کہی ہے۔

عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ

اللہ پر بالکل آسان ہے ۔ اگر تم بچتے ۵۹ رہو گے ان بڑے بڑے کاموں سے روکا گیا ہے تمھیں جن سے تو ہم محو کر دیں گے

عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا

تمھارے (نامۂ اعمال) سے تمھاری برائیاں اور ہم داخل کریں گے تمھیں عزت کی جگہ میں ۔ اور نہ آرزو کرو اس چیز کی،

۵۹ے یہاں تین چیزیں غور طلب ہیں :۔

ا۔ اجتناب کا کیا معنی ہے ؟

ب۔ گناہِ کبیرہ کسے کہتے ہیں ؟

ج۔ تکفیرِ سیئات کا کیا مطلب ہے ؟

ا۔ کسی ایسے کام کو جس کے دواعی اور اسباب موجود ہوں اسے اپنے ارادہ اور مرضی سے نہ کرنے کو اجتناب کہا جاتا ہے۔

ب۔ گناہِ کبیرہ کے متعلق علماء سے کئی اقوال منقول ہیں لیکن علامہ بیضاوی کا پسندیدہ قول یہ ہے کہ ہر وہ فعل جس کے لیے شارع نے کوئی حد مقرر کی ہو یا اس پر عذاب کی دھمکی دی ہو وہ گناہِ کبیرہ ہے۔ والاقرب ان الکبیرۃ کل ذنب رتب الشارع علیہ حدا اوصرح بالوعید فیہ۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مندرجہ ذیل گناہوں کو کبیرہ شمار کیا ہے :۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرانا۔ (۲) قتل بے گناہ (۳) پاکباز عورت پر بہتان (۴) یتیم کا مال کھانا۔ (۵) زنا (۶) میدانِ جہاد سے فرار (۷) اور والدین کی نافرمانی۔ اس شمار سے مقصود حصر نہیں ہے احادیث میں ان کے علاوہ کئی اور امور کو بھی کبیرہ کہا گیا ہے۔

ج۔ اب رہا تکفیرِ سیئات کا مسئلہ۔ اس کے متعلق عام مفسرین نے تو یہی فرمایا ہے کہ نکفر کا معنی نمحو (مٹا دینا) اور نغفر (بخش دینا) ہے لیکن حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب انسان گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس سے اس کی پاکیزہ اور معصوم فطرت متاثر ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ گناہوں سے اس کی نفرت ان سے انس میں تبدیل ہو جاتی ہے لیکن جب کوئی شخص بڑے بڑے گناہوں سے بچنے کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے اور ساری آسانیوں بلکہ اشتعال انگیزیوں کے باوجود وہ اپنا دامن بچانے کی سعی کرتا ہے تو اس کشمکش سے اس کے دل کے آئینہ سے زنگار دور ہونے لگتا ہے طبیعت پھر اپنی کھوئی ہوئی صحت واپس لے لیتی ہے گناہوں سے پھر اس کو نفرت ہونے لگتی ہے اسی حالت کو "تکفیرِ سیئات" کی اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (المنار)

مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ

بزرگی دی ہے اللہ نے جس سے تمہارے بعض کو بعض پر ۶۰؎ مردوں کے لیے حصّہ ہے

مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَ سْـَٔلُوا اللّٰهَ

اُس سے جو انھوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے حصّہ ہے اس سے جو انھوں نے کمایا اور مانگتے رہو اللہ تعالےٰ سے ۶۱؎

۶۰؎ بعض انسان دُوسرے انسانوں سے باعتبارِ صحت، شکل وصُورت، قوّت وتوانائی، ذہانت وفطانت، حسب ونسب اور جاہ ومنزلت برتر اور افضل ہوا کرتے ہیں اس لیے اُن جیسا بننے کی حسرت سے اپنی زندگی کو تلخ نہ بنالو۔ یہ امُور نہ تو انسان کے لیے حقیقی شرف وعزّت کا معیار ہیں اور نہ انھیں قربِ الٰہی میں کچھ دخل ہے۔ عزّت وشرف کا حقیقی معیار اور قربِ الٰہی کا صحیح راستہ تو تمھاری ذاتی جدوجہد میں مضمر ہے۔ اگر آپ نیک عمل کریں گے تو تمھیں قربِ الٰہی نصیب ہوگا قطع نظر اس سے کہ تمھاری رنگت کیا ہے۔ تمھاری جسمانی قوت اور ذہانت کا معیار کیا ہے اور تم کس خاندان کے چشم وچراغ ہو تم مرد ہو یا عورت اور تمھارے چہرے کی دلکشی تمھارے حسب ونسب کی برتری یا کوئی دُوسری خوبی تمھیں خالق ومخلوق کی نگاہوں میں کوئی عزّت نہیں بخش سکے گی اس لیے کرنے کا کام تو یہ ہے کہ اپنے حسنِ عمل سے اپنی برتری ثابت کرو۔ دُوسروں کے کمالات دیکھ کر ان جیسا بننے کے فقط خواب دیکھتے رہنا تو ایک مومن کے شایانِ شان نہیں۔ یہ عادت تو انسان میں حسد اور عناد کے جذبات کو اُبھارتی ہے۔ علامہ بیضاویؒ نے کیا خوب لکھا ہے ای لکل من الرجال والنساء فضل ونصیب بسبب ما اکتسب ومن اجله فاطلبو الفضل بالعمل لا بالحسد والتمنی یعنی ہر مرد اور ہر عورت کو بلا امتیاز اس کی جدوجہد کا ثمر ملے گا۔ اس لیے اگر تم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے طلبگار ہو تو عمل سے طلب کرو کسی سے حسد کرنا یا صرف اس جیسا بننے کی خواہش ہی کرتے رہنے سے کیا حاصل۔ عورتوں کے دلوں میں عام طور پر یہ حسرت ہوتی ہے کہ کاش وُہ مرد ہوتیں۔ اس کا بھی ازالہ فرما دیا کہ تکوینی مصلحتوں کے پیشِ نظر کسی کو مرد اور کسی کو عورت ضرور ہونا تھا اس لیے اس خیالِ خام کو اپنے دلوں سے نکال دو حصُولِ کمال اور قربِ الٰہی کے دروازے تمھارے لیے بھی کھُلے ہُوئے ہیں آگے بڑھو اور اپنے حسنِ کردار اور خوبیِ عمل سے بلند سے بلند مقام حاصل کرلو۔

نیز اس آیت سے یہ بھی بتا دیا کہ دولت کمانے کا حق جس طرح مرد کو ہے اسی طرح عورت کو بھی ہے۔ مرد بھی اپنی کمائی ہوئی دولت کا مالک ہوتا ہے اس میں اپنی مرضی سے تصرّف کرسکتا ہے اور اس سے استفادہ کرسکتا ہے اسی طرح عورت کو بھی یہ حقوق حاصل ہیں۔ اس ارشادِ گرامی سے مرد وزن میں جو بے جا تفریق صدیوں سے قائم تھی اس کا قلع قمع کردیا۔

۶۱؎ صرف خیالی پلاؤ پکانے اور حسد کرنے کی عادت کو ترک کردو اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں دامن پھیلا دو۔ وُہ اپنی جُود وسخا سے تمھیں سب کچھ عطا فرمانے پر قادر ہے اس کے خزانے ختم ہونے والے نہیں۔ وُہ کثرتِ سوال سے اُکتا نہیں جاتا بلکہ خوش ہوتا ہے

مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۳۲﴾ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا

اس کے فضل (وکرم) کو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اور ہر ایک کے لیے بنا دیئے ہیں

مَوَالِیَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُكُمْ

ہم نے وارث اس مال سے جو چھوڑ جائیں ماں باپ اور قریبی رشتہ دار ۶۲ اور وہ لوگ جن سے بندھ چکا ہے تمہارا عہد و پیمان

فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا ﴿۳۳﴾

تو دو انھیں ان کا حصّہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرمانے والا ہے

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی

مرد محافظ و نگران ہیں عورتوں پر اس وجہ سے کہ فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ نے مردوں کو

بَعْضٍ وَّبِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ

عورتوں پر ۶۳ اور اس وجہ سے کہ مرد خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں سے (عورتوں کی ضرورت و آرام کے لیے) تو نیک عورتیں ۶۴ اطاعت گزار ہوتی ہیں حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں

حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشادِ گرامی ہے سلوا اللہ من فضلہ فانہ یحب ان یسأل وافضل العبادۃ انتظار الفرج یعنی اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل وکرم کا سوال کیا کرو وہ اس کو دوست رکھتا ہے اور بہترین عبادت مصیبت کے دور ہونے کے لیے منتظر رہنا ہے۔

۶۲ — عہدِ جہالت کی ایک رسم یہ بھی تھی کہ جن لوگوں کی آپس میں دوستی ہوتی تھی یا جس کو وہ اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا کرتے وہ بھی ان کی وراثت میں حصّہ دار بن جاتا۔ اس آیت میں وضاحت فرما دی کہ وراثت کے حقدار تو وہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے وارث ٹھیرایا ہے۔ جن کے ساتھ ان کا معاہدہ ہوا کرتا ان کو پہلے ۱/۶ حصّہ دیا جاتا۔ بعد میں اولوالارحام کی آیت سے یہ بھی منسوخ ہو گیا۔

۶۳ — کسی چیز کی ضروریات کو مہیا کرنے والے، اس کی نگہبانی اور حفاظت کرنے والے اور اس کی اصلاح و درستگی کے ذمہ دار کو عربی میں قَوَّام کہا جاتا ہے۔ جیسے ہر فوج کا ایک کمانڈر اور ہر مملکت کا ایک فرماں روا ہونا ضروری ہے جو نظام قائم رکھے اور فوج اور رعایا اس کے حکم کی تعمیل کرے۔ اسی طرح گھر کی ریاست کا بھی ایک حاکمِ اعلیٰ ہونا چاہیے جو گھر کی تمام ضروریات کا کفیل اور اس کی خوشحالی کا ذمّہ دار ہو اور اس کے احکام کی اطاعت کی جائے۔ ورنہ گھر کی یہ مختصر مگر اہم ریاست کا سکون و اطمینان برباد ہو کر رہ جائے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ذمّہ داری کس کو سونپی جائے اور اس بارِ گراں کو اٹھانے کی بہترین صلاحیت کس

لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ

(مردوں کی) غیر حاضری میں اللہ کی حفاظت سے اور وُہ عورتیں ۶۵ اندیشہ ہو تمھیں جن کی نافرمانی کا تو (پہلے نرمی سے) انھیں سمجھاؤ

میں ہے اِس کے وہی اُمیدوار ہیں ماں اور باپ قرآنِ حکیم نے باپ کو اس ذمّہ داری کا اہل قرار دیا ہے اور ساتھ ہی وجہ بھی بتادی ہے کہ اس میں دو خوبیاں ہیں ایک وہبی ہے اور دُوسری کسبی۔ انھیں کے باعث وُہ گھر کی مملکت کا رئیس مقرر کیا گیا ہے۔ پہلی خوبی تو یہ ہے جس سے کوئی اِنکار نہیں کرسکتا کہ مرد اپنی جسمانی قوّت، ذہنی برتری، معاملہ فہمی اور دُور اندیشی میں بلاشبہ عورت سے بڑھا ہوا ہے۔ اس چیز کو قرآن نے یُوں اپنے مختصر الفاظ میں بیان فرمایا بما فضل الله بعضهم علی بعض۔ اور مرد کی دُوسری خوبی یہ ہے کہ بیوی بچے کے جُملہ اخراجات اور ان کے آرام و آسائش اور ان کی حفاظت و صیانت کی تمام تر ذِمّہ داری اس پر عائد ہے۔ اس کا قرآن کریم نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا۔ وبما انفقوا من اموالهم۔ اِس لیے اپنی فطری اور کسبی برتری کے باعث مرد ہی اِس امر کا مستحق ہے کہ وُہ گھر کی ریاست کا امیر ہو۔ کوئی کج فہم یہ نہ سمجھے کہ عورت کے گلے میں مرد کی غلامی کا طوق ڈالا جا رہا ہے نہیں ان انتظامی امور کے علاوہ عورت کے اپنے حقوق ہیں جو مرد پر ایسے ہی واجب ہیں جیسے مرد کے حقوق عورت کے ذِمّہ واجب ہیں۔ لهن مثل الذی علیهن۔ اور قربِ الٰہی کے دروازے دونوں صنفوں کے لیے برابر کُشادہ ہیں اس لیے یہاں عورت کی غلامی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت کو جو مقام اِسلام نے معاشرہ میں بخشا ہے اس کی نظیر نہیں ویسے کوئی آنکھیں بند رکھنے پر ہی اُدھار کھائے بیٹھا ہو تو چشمۂ آفتاب راچہ گناہ۔

۶۴ یہاں سے نیک عورتوں کی صفات کا بیان ہے۔ اِس ارشادِ ربّانی کی مزید وضاحت حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے اس فرمان سے ہوتی ہے خیر النساء امرأة اذا نظرت الیها سرتك واذا امرتها اطاعتك واذا غبت عنها حفظتك فی نفسها ومالك یعنی بہترین بیوی وُہ ہے جسے جب تو دیکھے تو تُو مسُرور ہو جائے۔ اُسے حکم کرے تو وُہ تیری اطاعت کرے اور اگر تو کہیں باہر جائے تو وُہ تیری غیر حاضری میں اپنی عصمت کی اور تیرے مال کی حفاظت کرے۔ (ابن جریر عن ابی ہریرہ)۔ ایک مُسلمان خاتون کو جن خُوبیوں سے آراستہ ہونا چاہیئے اور جن پاکیزہ صفات سے متصف ہونا چاہیئے ان کا ذِکر کتنے دلنشین کلمات میں کیا گیا ہے۔ بیوی کا اِس سے بلند معیار تصوّر ہی نہیں کیا جاسکتا۔ خود سوچیئے اِسلام ایک بیوی سے کیا توقع رکھتا ہے اور اس طرح اس کے مقام کو کتنا بلند کر دیتا ہے۔ اور اس مرد سے بھی زیادہ کوئی خوش نصیب ہوسکتا ہے جس کی رفیقۂ حیات اِن خوبیوں کی مالک ہو۔

۶۵ لیکن پانچوں اُنگلیاں برابر نہیں ہوا کرتیں۔ اچھی خواتین کے ساتھ ساتھ ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں جو تُند مزاج اور کج سرشت ہوا کرتی ہیں۔ ان کی اِصلاح کا طریقہ تعلیم کیا جارہا ہے۔ عورت کے ازراہِ غرور و نفرت خاوند کی اطاعت سے سرتابی کرنے کو "نشوز" کہتے ہیں۔ خوف سے مُراد وہم و گمان نہیں بلکہ علم و یقین ہے (قرطبی) یعنی اگر تمھیں ان کی نافرمانی کا پُورا علم ہو جائے تو پہلے ہی غصّہ سے بے قابو ہو کر انتہائی اقدام نہ کرو۔ بلکہ پہلے انھیں نرمی سے سمجھاؤ۔ اور اگر فہمائش مؤثر ثابت نہ ہو تو پھر ان سے الگ رات بسر کیا

وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا

اور (پھر) الگ کر دو انھیں خواب گاہوں سے اور (پھر بھی باز نہ آئیں تو) مارو انھیں پھر اگر وہ اطاعت کرنے لگیں تمھاری تو نہ تلاش کرو

عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ

ان پر (ظلم کرنے کی) راہ ۶۶ یقیناً اللہ تعالیٰ (عظمت و کبریائی میں) سب سے بالا سب سے بڑا ہے اور اگر خوف کرو تم ناچاقی کا

بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ

ان کے درمیان ۶۷ تو مقرر کرو ایک پنچ مرد کے کنبہ سے اور ایک پنچ عورت کے کنبہ سے اگر وہ

يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

دونوں (پنچ) ارادہ کریں گے صلح کرانے کا تو موافقت پیدا کر دے گا اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے درمیان بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہر بات سے خبردار ہے

کرو اور محبت بھری باتیں کرنا ترک کر دو۔ وہ عورت جس میں شرافت کی حس ابھی زندہ ہے وہ اس سرزنش سے ضرور اپنی اصلاح کر لے گی۔ لیکن اگر یہ طریقہ کار بھی مفید ثابت نہ ہو تو پھر تم اس کو مار بھی سکتے ہو لیکن مار ایسی سخت نہ ہو جس سے جسم پر چوٹ آ جائے۔ والضرب فی ھذہ الایۃ ضرب الادب غیر المبرح (قرطبی) اور حضرت ابن عباس سے تو یہ تصریح مروی ہے کہ اگر مارنے کی نوبت آئے تو مسواک یا اس قسم کی کسی ہلکی پھلکی چیز سے مارے۔ آج کل جہلاء اپنی بیویوں کو بھینسوں کی طرح پیٹتے ہیں اس کی اجازت قطعاً اسلام نے نہیں دی۔

۶۶ اگر عورت اپنی سرکشی سے باز آ جائے اور اپنے شوہر کی فرمانبردار بن جائے تو پھر شوہر پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے پہلے رویہ کو یکسر بدل دے اور اس پر دست درازی سے کلیۃً باز آ جائے۔ یہ حکم اس خدا کا ہے جو سب سے بالا اور سب سے بڑا ہے اور اس کے حکم کی سرتابی کے نتائج بڑے المناک ہیں۔

۶۷ لیکن اگر آپس کی کوششیں اصلاح حال کے لیے مفید ثابت نہ ہوں اور ایسے آثار رونما ہونے لگیں کہ اگر صورت حال پر قابو نہ پایا گیا تو معاملہ طلاق پر جا ختم ہو گا تو اس وقت یا تو میاں بیوی اپنی اپنی طرف سے ایک ایک ثالث مقرر کریں جو ان کی شکایات سن کر ان کا باہمی تصفیہ کر دیں یا دونوں کے خاندان ثالث مقرر کریں اور اگر معاملہ عدالت تک پہنچ گیا ہو تو پھر حاکم کو چاہیے کہ جلد بازی سے ان میں تفریق نہ کر دے بلکہ حکم کے ذریعہ ان کی مصالحت کی بھرپور کوشش کرے اور اگر ان حکموں نے خلوص نیت سے اصلاح کی کوشش کی تو توفیق الٰہی ضرور ان کے شامل حال ہو گی۔ بعض مفسرین کے نزدیک ان یریدا اصلاحا کے فاعل میاں بیوی ہیں۔ یعنی اگر ان کے دلوں میں مصالحت کی خواہش ہوئی تو اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی صورت ضرور پیدا فرما دے گا۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا

اور عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی ۶۸؎ اور نہ شریک بناؤ اس کے ساتھ کسی کو اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو

وَّ بِذِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى

نیز رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور پڑوسی جو رشتہ دار ہے

وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ وَ مَا مَلَكَتْ

اور پڑوسی جو رشتہ دار نہیں اور ہم مجلس اور مسافر اور جو (لونڈی غلام)

اَیْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ﴿۳۶﴾ الَّذِیْنَ

تمہارے قبضہ میں ہیں (ان سب سے حسن سلوک کرو) بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اس کو جو مغرور ہو فخر کرنے والا ہو ۶۹؎ جو خود بھی

یَبْخَلُوْنَ وَ یَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ

بخل کرتے ہیں اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو بھی بخل کرنے کا اور چھپاتے ہیں ۷۰؎ جو عطا فرمایا ہے انھیں

۶۸؎ پہلے میاں بیوی کے حقوق کا ذکر ہوا۔ آپس میں حسنِ سلوک اور حسنِ معاشرت کی تاکیدیں ہوئیں اصلاحِ حال کی تدبیریں بتائی گئیں۔ اب مخاطب کو یہ یاد دلایا جا رہا ہے کہ تیرا تعلق صرف گھر اور گھر والی سے ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ تیرا رشتہ اپنے خالق سے بھی ہے اور اس کی مخلوق سے بھی۔ ان کے حقوق کی ادائیگی بھی تم پر لازم ہے۔ اپنے خالق کا حق تو تجھ پر یہ ہے کہ اس کی یاد، اس کے ذکر اور اس کی عبادت میں سرشار رہے۔ اور کسی کو کسی حیثیت سے بھی اس کا شریک نہ بنائے نہ ذات میں نہ صفات میں۔ اور اس کی مخلوق کا تجھ پر یہ حق ہے کہ سب کے ساتھ احسان اور مروّت کا برتاؤ کرے کسی کو ضرر اور دُکھ پہنچانے کا تو خیال تک بھی تیرے دل میں نہ گزرے ترتیبِ بیان مراتب کی ترتیب پر دلالت کرتی ہے۔ کاش ہم تعلیماتِ قرآنی پر عمل کرنے کی سعی کریں۔

۶۹؎ مختال مغرور و متکبر کو کہتے ہیں اور فخور اس کو کہتے ہیں جو اپنی تعریف و ثنا میں ہی رطب اللسان رہے اور اپنی خوبیاں اور کمالات ہی بیان کرتا رہے۔ آخر آیت میں ان دو صفات کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ ایسا انسان ہی کسی کے ساتھ مہربانی اور شفقت سے پیش آنے میں اپنی کسرِ شان سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں سرِ نیاز خم کرنے کے شوق سے محروم رہتا ہے۔

۷۰؎ اس میں خدا کے دیئے ہوئے مال کو بھی اہلِ ضرورت سے پوشیدہ رکھنے کی مذمت ہے نیز وہ صاحبِ علم جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی سمجھ عطا فرمائی ہے اور وہ لوگوں کو فیض نہیں پہنچاتا اور ان کے کانوں تک پیغامِ حق پہنچانے میں بخل سے کام لیتا ہے

اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ﴿۳۷﴾

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل (وکرم) سے اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب

وَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

اور وُہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لیے اور نہیں ایمان رکھتے

بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ مَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا

اللہ پر اور نہ روزِ قیامت پر اور وُہ (بدقسمت) ہو جائے شیطان جس کا ساتھی اُسے

فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾ وَ مَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ

پس وُہ بہت بُرا ساتھی ہے اور کیا نقصان ہوتا ان کا اگر ایمان لاتے اللہ پر اور روزِ آخرت پر

وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ

اور خرچ کرتے اس سے جو دیا ہے انھیں اللہ تعالیٰ نے اور اللہ تعالیٰ اُن سے خُوب واقف ہے بے شک اللہ تعالیٰ

لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَ يُؤْتِ

ظلم نہیں کرتا ذرّہ برابر بھی (بلکہ) اگر ہو معمولی سی نیکی تو دوگنا کر دیتا ہے اسے اور دیتا ہے

اس کا بھی یہی حال ہے۔

یہاں ان بدنصیبوں کا ذِکر کیا جارہا ہے جن سے اللہ تعالیٰ محبّت نہیں کرتا۔ بلاشبہُ جو لوگ غرُور و فخر کی بیماری میں مُبتلا ہوں جن کو دولت اِتنی پیاری ہو کہ وُہ ایک دمڑی تک راہِ خُدا میں خرچ کرنے کے لیے تیار نہ ہوں اور دُوسرے لوگوں کو بھی راہِ حق میں مال خرچ کرنے سے روکیں اور اللہ تعالیٰ کی دی ہُوئی نعمتوں کو چھپائے رکھیں وُہ اِس قابل کہاں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبّت کرے۔ وُہ رُسوا کُن عذاب کے مستحق ہیں جو ان کے لیے بالکل تیار ہے۔

اُسے عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لیے مال خرچ کرنے میں بُخل سے کام لیتے ہیں وُہ اپنی نام و نمود کے لیے، حکّام وقت کو خوش کرنے کے لیے اور لوگوں کے دِلوں پر اپنی فیاضی کا سکّہ بٹھانے کے لیے بے دریغ دولت خرچ کرتے ہیں حقیقت میں نہ اللہ پر ان کا ایمان ہوتا ہے اور نہ قیامت پر انھیں یقین ہوتا ہے۔ اُن کا دوست اور ساتھی شیطان ہوتا ہے

مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ

اپنے پاس سے اجر عظیم ۷۲؎ تو کیا حال ہوگا (ان نافرمانوں کا) جب ہم لے آئیں گے ہر اُمّت سے

بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ

ایک گواہ ۷۳؎ اور (اے حبیب!) ہم لے آئیں گے آپ کو ان سب پر گواہ اُس روز تمنا کریں گے وُہ جنھوں نے

كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ

کُفر کیا اور نافرمانی کی رسُول کی ۷۴؎ کہ کاش! (انھیں نابود کر کے) ہموار کر دی جاتی ان پر زمین اور نہ چھپا سکیں گے

جو اس ازلی بدخواہ کو اپنا اصلاح کار بنالے اس سے زیادہ بدقسمت کون ہوسکتا ہے شیطان تو اُسے ہر نیک کام سے روکے گا اس سے بدترین ساتھی اور ہم سفر کوئی نہیں ہوسکتا۔

۷۲؎ یہ غفلت شعار، کوتاہ اندیش اگر اپنے خدا پر ایمان لے آتے اور قیامت پر یقین کرتے تو راہِ حق میں مال خرچ کرنے میں ہرگز بُخل نہ کرتے بلکہ بڑی دریا دلی سے غریبوں مسکینوں کی امداد کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے مال میں برکت دیتا۔ جتنا خرچ کرتے اس سے کئی گنا اس دُنیا میں وُہ انھیں عطا فرماتا اور اس کے علاوہ جو اجرِ عظیم اُنھیں بارگاہِ الٰہی سے ملتا اس کا تو وُہ اندازہ بھی نہیں کرسکتے لیکن شیطان کی سنگت نے اُنھیں سُود فراموش اور زیاں کار بنا دیا ہے۔

۷۳؎ قیامت کے دن تمام انبیاء اپنی اپنی اُمّتوں کے احوال و اعمال پر شہادت دیں گے اور حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم انبیائے کرام کی شہادت کے درست ہونے کی گواہی دیں گے۔ اور ھٰؤلاء کا مشارٌ الیہ اُمّتِ مصطفویہ کو بھی قرار دیا گیا ہے یعنی حضور علیہ السّلام اپنی اُمّت کے احوال پر گواہی دیں گے۔ وقیل الاشارۃ الی جمیع امتہ۔ علامہ قرطبی نے اس قول کی تائید کے لیے حضرت سعید بن مسیّب کا یہ قول نقل کیا ہے۔ لیس من یوم الا تعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم امتہ غدوۃ وعشیۃ فیعرفھم بسیماھم واعمالھم فلذلک یشھد علیھم (القرطبی) یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام پر ہر صبح و شام حضور کی اُمّت پیش کی جاتی ہے۔ حضور اپنے ہر اُمّتی کا چہرہ اور اس کے اعمال کو پہچانتے ہیں۔ اسی علمِ کامل کے باعث حضور قیامت کے روز سب کے گواہ ہوں گے۔ یہ مضمون دُوسرے سیپارہ کی دُوسری آیت کے ضمن میں مفصّل گزرا ہے۔ ملاحظہ فرماویں۔

۷۴؎ کاش اس آیت کو وُہ لوگ بھی پڑھیں جو بڑے طمطراق سے اطاعتِ رسُول کا اِنکار کرتے ہیں تو انھیں پتہ چلے کہ رسُول کے نافرمانوں اور اس کی سُنّت سے سرکشی کرنے والوں کی قیامت کے دن کیا حالت ہوگی۔

وقف النبی علیہ السلام

اللّٰہَ حَدِیْثًا۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ

اللہ سے کوئی بات اے ایمان والو! ۷۵؎ نہ قریب جاؤ نماز کے جب کہ تم

سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ

نشہ کی حالت میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو (زبان سے) کہتے ہو ۷۶؎ اور نہ جنابت ۷۷؎ کی حالت میں مگر یہ کہ تم سفر ۷۸؎ کر رہے ہو

۷۵؎ عرب میں شراب کا استعمال عام تھا۔ اگر اسے یک لخت حرام کر دیا جاتا تو مسلمان بڑی مشکل میں مبتلا ہو جاتے اس لیے حکیم و علیم خدا نے اس کی حرمت کے احکام تدریجاً نازل فرمائے۔ ابتدا میں تو صرف اتنا اشارہ کر دیا کہ یہ مضر اور نقصان دہ چیز ہے۔ اس سے بعض لطیف طبائع نے شراب چھوڑ دی۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اوقاتِ نماز میں شراب کی ممانعت کر دی گئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ دن میں شراب کا استعمال بند ہو گیا۔ عشاء کی نماز کے بعد ہی لوگ اس سے شوق کرتے۔ کچھ مدت بعد شراب کی قطعی حرمت کا حکم نازل ہوا۔ اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک روز حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف کے ہاں کئی صحابہ مدعو تھے۔ کھانے کے بعد دورِ شراب چلا۔ جب وہ اس کے نشہ سے جھوم رہے تھے تو مغرب کی نماز کا وقت آگیا۔ ایک صاحب امامت کے لیے آگے بڑھے اور اتفاق سے سورۃ الکافرون پڑھنا شروع کر دی۔ اور بے ہوشی میں لا اعبد ما تعبدون کی جگہ اعبد ما تعبدون پڑھ گئے۔ جس سے معنی بالکل بدل گیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور نشہ کی حالت میں نماز ادا کرنے سے روک دیا گیا۔ اس سے پہلی آیت میں قیامت کے روز بارگاہِ الٰہی میں حاضری کا ذکر گزرا۔ اس آیت میں بارگاہِ الٰہی میں حاضری کے آداب سکھاتے جا رہے ہیں تاکہ قیامت کی حاضری آسان ہو۔ بتایا کہ باادب و ہوشیار ہو کر اس احکم الحاکمین کی خدمت میں حاضر ہو۔ مدہوشی کی حالت میں حاضری آدابِ شاہانہ کے خلاف ہے۔ آیت کے دوسرے حصّہ میں بتایا کہ دل کے حضور کے ساتھ ساتھ جسم کی طہارت و نظافت بھی لازمی ہے۔

۷۶؎ حدیث پاک میں ہے کہ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ اگر نماز پڑھتے وقت تم پر نیند کا غلبہ ہو جائے تو نماز چھوڑ دو اور جا کر سو رہو۔ اور نیند پوری کرنے کے بعد جب ہوش و حواس درست ہو جائیں تو نماز ادا کرو۔ اذا نعس احدکم وھو یصلی فلینصرف فلینم حتی یعلم ما یقول (بخاری عن انس)

۷۷؎ بیوی سے صحبت کرنے سے یا حالتِ نیند میں انزال ہو جانے سے انسان جنبی ہو جاتا ہے۔ اس کی طہارت صرف وضو سے نہیں ہوتی بلکہ غسل فرض ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس حالت میں انسان کے جسم کے سارے اعصاب پر ایک درماندگی اور افسردگی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جس سے کسی کام میں جی نہیں لگتا۔ لیکن جب پانی کے ٹھنڈے چھینٹے پڑتے ہیں تو نشاط و سرور کی رَو سارے جسم میں دوڑ جاتی ہے اور افسردگی اور درماندگی شگفتگی سے بدل جاتی ہے۔ انسان ایک نئی تازگی محسوس کرنے لگتا ہے۔ نماز سے پہلے غسل کا حکم اسی لیے دیا گیا ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں یہ حاضری ایسی

حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ

یہاں تک کہ تم غسل کر لو اور اگر ہو تم بیمار ۷۹ یا سفر میں یا آئے کوئی

مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً

تم میں سے قضائے حاجت سے یا ہاتھ لگایا ہو تم نے (اپنی) عورتوں کو پھر نہ پاؤ تم پانی تو (اس صورت میں)

فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَیْدِیْكُمْ ؕ اِنَّ

تیمّم کر لو ۸۰ پاک مٹی سے اور (اس کا طریقہ یہ ہے کہ) ہاتھ پھیرو اپنے چہروں پر اور اپنے بازوؤں پر بے شک

حالت میں ہو جب تم تر و تازہ اور شگفتہ خاطر ہو۔

۷۸ ان الفاظ کا معنی سمجھنے کے لیے ہمیں لفظ الصلوٰۃ پر جو ابتدائے آیت میں گزرا از سرِ نو غور کرنا چاہیئے کہ بعض علماء کے نزدیک جن میں امام شافعیؒ بھی ہیں الصلوٰۃ سے مُراد مسجد ہے۔ اِس صُورت میں آیت کا معنی یہ ہو گا کہ جنابت کی حالت میں مسجدوں میں نہ جاؤ۔ ہاں اگر مجبوراً گزرنا پڑے اور دُوسرا کوئی راستہ نہ ہو تو صرف گزرنے کی اجازت ہے لیکن وہاں ٹھیرو نہیں۔ اور بعض علماء نے صلوٰۃ سے مُراد نماز ہی لی ہے۔ تو اس صُورت میں معنی یہ ہو گا کہ سفر کی حالت میں جنبی کو اجازت ہے کہ وُہ تیمّم کر کے غسل کے بغیر نماز پڑھ لے۔ جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

۷۹ اِس آیت میں ان صورتوں کا بیان ہو رہا ہے جن میں تیمّم کی اجازت ہے۔ پہلی صُورت بیماری۔ اگر انسان بیمار ہو اور اُسے یہ اندیشہ ہو کہ اگر میں نے غسل کیا یا وضو کیا تو میری بیماری میں اضافہ ہو جائے گا تو تیمّم کر لے۔ دُوسری صورت سفر۔ اگر مُسافر ہے اور غسل کی ضرورت پڑ گئی اور پانی کا ملنا دُشوار ہے تو تیمّم کر لے۔ یہ تیمّم کی اجازت دونوں حالتوں میں ہے وضو کے لیے بھی اور غسل کے لیے بھی۔ قضائے حاجت کے لیے جاء من الغائط کے الفاظ اور صحبت کے لیے لٰمستم النساء کے کلمات کتنے لطیف ہیں۔ نازک سے نازک طبع پر بھی گراں نہیں گزرتے۔ یہی حُسنِ تعبیر تو اِس کلامِ خُداوندی کا اعجاز ہے۔

۸۰ اب یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ تیمّم کس چیز سے ہو سکتا ہے اور اس کی صُورت کیا ہے۔ دونوں چیزیں اس آیت میں مذکور ہیں۔ پہلی چیز کے متعلق تو فرمایا کہ صعید طیب سے کرو۔ صعید کا معنی ہے "وجہ الارض کان علیہ التراب اولم یکن" زمین کی بالائی سطح خواہ اس پر گرد ہو یا نہ ہو۔ امام صاحبؒ کے نزدیک مٹی اور مٹی کی جنس کی سب چیزوں مثلاً پتھر، ریت وغیرہ سے بھی تیمّم جائز ہے بشرطیکہ وُہ پاک ہوں۔ وضو اور غسل کا بدل تیمّم کیونکر ہوا۔ اور مٹی کے ساتھ تیمّم کرنے کا حکم دینے میں کیا حکمتیں ہیں اس پر حکمائے اسلام نے سیر حاصل بحث کی ہے جس کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں (اس کے لیے المنار ملاحظہ ہو) تیمّم کرنے

اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا

اللہ تعالیٰ ۸۱؎ معاف فرمانے والا بڑا بخشنے والا ہے کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جنھیں دیا گیا حصّہ

مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا

کتاب سے وہ مول لے رہے ہیں گمراہی کو اور (یہ بھی) چاہتے ہیں کہ بہک جاؤ تم بھی

السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۡ وَّ

راہِ راست سے ۸۲؎ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور کافی ہے (تمہارے لیے) اللہ حمایتی اور

كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ

کافی ہے (تمہارے لیے) اللہ تعالیٰ مددگار کچھ لوگ جو یہودی ہیں ۸۳؎ پھیر دیتے ہیں (اللہ کے کلام کو

کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تیمم کی نیت کرے۔ اس کے بعد دونوں ہاتھ زمین پر مارے۔ اگر ان کے ساتھ غبار بہت لگ گیا ہو تو پھونک سے کم کر دے۔ اس کے بعد اپنے چہرہ پر ملے۔ دوبارہ پھر اسی طرح زمین پر دونوں ہاتھ مار کر دونوں بازوؤں کی کہنیوں تک ملے۔ تیمّم سے بھی ایسی کامل طہارت ہوتی ہے جیسے وضو سے۔ اگر امام نے تیمّم کیا ہو تو وضو کرنے والے مقتدی کی نماز اس کے پیچھے دُرست ہے۔ تیمّم سے جتنی نمازیں چاہے پڑھ سکتا ہے۔ تفصیلی احکام کے لیے کُتبِ فقہ کا مطالعہ فرمائیے۔

۸۱؎ حکمِ تیمّم سے بندوں کے ساتھ جو نرمی کی گئی ہے وُہ ان دو صفات کا بہترین مظہر ہے۔

۸۲؎ یہود و نصاریٰ کو آسمانی کتب سے بہرہ ور کیا گیا تھا لیکن اُنہوں نے اِس نعمت کی قدر نہ کی اور مال و جاہ حاصل کرنے کی خاطر احکامِ الٰہیہ کو نظر انداز کر دیا جو اُن کی سعادت و فلاح کے ضامن تھے لیکن وُہ اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ تمھیں بھی گمراہ کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ بظاہر تمھارے خیر خواہ اور دوست بنے ہُوئے ہیں درحقیقت یہ تمھارے بدترین دُشمن ہیں جو تمھیں راہِ حق سے بہکا دینا چاہتے ہیں ان سے خبردار رہو۔ ان کے دامِ فریب میں پھنس کر خداوندکریم کے نافرمان نہ بنو۔ اسی کو اپنا دوست اور مددگار بناؤ۔ اس کے احکام کی پیروی کرو۔ اگر تمھیں اس کی دوستی اور نصرت نصیب ہوگئی تو پھر کوئی دُشمن تمھیں گزند نہیں پہنچا سکے گا۔

۸۳؎ بیباکی اور گستاخی، تصنّع اور تملّق اور کلامِ الٰہی میں اپنی مرضی کے مُطابق کانٹ چھانٹ اور احکامِ خداوندی کی من مانی تاویلیں یہود کی خصوصیات بن کر رہ گئی تھیں۔ جنابِ رسالت مآب کی تعریف و توصیف جس سے تورات کے صفحات مزیّن تھے جان بوجھ کر وُہ ان کا انکار کرتے اور ان کے من گھڑت معانی بیان کرتے۔ گفتگو کے وقت بارگاہِ نبوّت میں بڑی دریدہ دہنی سے کام لیتے۔

عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ

اس کی اصلی جگہوں سے اور کہتے ہیں ہم نے سُنا اور ہم نے نافرمانی کی اور (کہتے ہیں) سُنو تم نہ

مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ

سُنائے جاؤ اور (کہتے ہیں) "رَاعِنَا" بَل دیتے ہُوئے اپنی زبانوں کو اور طعنہ زنی کرتے ہُوئے دین میں اور اگر

اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا

وُہ (یُوں) کہتے ہم نے (آپ کا ارشاد) سُنا اور (اسے) مان لیا اور (ہماری عرض) سُنئے اور نگاہ (کرم) فرمایئے ہم پر تو ہوتا بہت بہتر

لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ

ان کے لیے اور بہت درست لیکن (اپنی رحمت سے) دُور کر دیا ۸۴؎ انھیں اللہ نے بوجہ ان کے کفر کے پس نہیں ایمان لائیں گے

اِلَّا قَلِيْلًا ۝٤٦ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا

مگر تھوڑے سے اے وُہ لوگو جنھیں دی گئی کتاب! ایمان لاؤ اس کتاب پر جو نازل فرمائی ہم نے تاکہ تصدیق کرے

طبعی خبّث کے باعث ذو معنی کلمات استعمال کرتے جن میں مدح و ذم کے دونوں پہلو ہوتے اور اپنی زبانوں کو بل دے کر ان کا ایسا تلفّظ کرتے جس سے ذم کا پہلو زیادہ نمایاں ہوتا۔ اور اگر ٹوکا جاتا تو فوراً کہہ دیتے کہ نہیں صاحب ہمارا مدّعا یہ تھا۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اگر کوئی حکم فرماتے تو سمعنا بلند آواز سے کہتے اور اسی سانس میں چُپکے سے وعصینا بھی کہہ جاتے۔ غیر مسمع کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ دُعا کے لیے بھی یعنی کوئی ناگوار بات آپ کو نہ سُننی پڑے اور بد دُعا کے لیے بھی کہ آپ کچھ نہ سُن سکیں اور وُہ یہ کلمہ بولتے وقت دُوسرا معنی مُراد لیتے۔ راعنا کہتے وقت زبان کو لچک دیتے تاکہ راعینا ہو جاتے۔ اِس لفظ کے متعلق پہلے ذکر گزر چکا ہے۔ یہ ان کے اطوار تھے۔ یہ اُن کا رویّہ تھا اُس فخرِ عالم و عالمیاں کے ساتھ جس کے دربار میں فرشتے بھی حاضر ہوتے تو تصویرِ ادب بن کر۔

۸۴؎ بارگاہِ رسالت میں بے باکی کرنے والوں کی سزا ہی یہ ہے کہ وُہ درِ رحمت سے دُور کر دیئے جاتے ہیں۔ ہدایت کی توفیق اُن کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ حق شناسی کی قوّت اُن سے چھین لی جاتی ہے۔ یہی سزا یہُود کو دی گئی۔ اور قیامت تک ایسے بے باکوں کو یہی سزا دی جائے گی۔

لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ

اس کتاب کی جو تمھارے پاس ہے (ایمان لاؤ) اس سے پہلے کہ ہم مسخ کر دیں چہرے ۸۵؎ پھر پھیر دیں انھیں پشتوں کی طرف

اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝۴۷

یا لعنت کریں اُن پر جس طرح ہم نے لعنت کی سبت والوں پر اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ

بے شک اللہ تعالیٰ ۸۶؎ نہیں بخشتا اس بات کو کہ شرک کیا جائے اس کے ساتھ اور بخش دیتا ہے جو اس کے علاوہ ہے جس کو

يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝۴۸ اَلَمْ

چاہتا ہے اور جو شریک ٹھیراتا ہے اللہ کے ساتھ وُہ اِرتکاب کرتا ہے گناہ عظیم کا کیا نہیں

۸۵؎ کسی چیز کا نام ونشان مٹا دینے کو عربی میں طمس کہتے ہیں۔ اور چہرہ کا حُلیہ بگاڑ دینا اس کے نقش ونگار کو خراب کر دینا "طمس الوجہ" کہلاتا ہے۔ یہ اس کا لغوی معنی ہے۔ اور اہلِ زبان صلاحیتوں کے مسخ ہو جانے کے لیے بھی طمس کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ علّامہ بیضاوی، قرطبی اور دُوسرے جلیل القدر مفسّرین نے اس کا یہ مفہوم بھی بیان کیا ہے یعنی یہود جن پر اسلام اور پیغمبر اسلام کی صداقت روزِ روشن کی طرح عیاں تھی اور پھر بھی وُہ انکار پر مُصر تھے اُنھیں تنبیہ کی جارہی ہے کہ باز آجاؤ۔ یہ ضد اچھی نہیں۔ اور اگر تم حق کے سامنے جُھک نہ گئے۔ تو یاد رکھو حق پذیری کی صلاحیت سے ہی محرُوم کر دیئے جاؤ گے تمھاری آنکھیں دیکھ تو رہی ہوں گی لیکن حق کو پہچان نہیں سکیں گی۔ تمھارے کان سُن تو رہے ہوں گے لیکن حق بات کو نہیں سُنیں گے بیضاوی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ من قبل ان نطمس وجوھا بان نعمی الابصار عن الاعتبار ونصم الآذان عن الاصغاء الی الحق بالطبع ونردھا من الھدایۃ الی الضلالۃ۔ بعض علماء نے وجُوہ کا معنی چہروں کی بجائے رؤساء کیا ہے یعنی ہم تمھارے سرداروں کے چہرے بگاڑ دیں گے یعنی اب اُن کے چہروں پر جو رونق اور تروتازگی ہے وُہ چھین لی جائے گی۔ ان کے چہرے بے نُور اور بے رونق ہو کر رہ جائیں گے جس پر نامُرادی اور ناکامی کی گرد پڑ رہی ہو گی۔ اور نردھا کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اُنھیں مدینہ طیّبہ سے جلاوطن کر کے پھر سینا کے بے آب وگیاہ صحرا میں لوٹا دیا جائے گا۔

۸۶؎ علّامہ ابُو عبداللہ الانصاری القرطبی نے اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں شرک کے متعلق بہترین بحث کی ہے جس کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین کرتا ہُوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ شرک کے تین مرتبے ہیں اور تینوں حرام ہیں:۔ (۱) اصلہ اعتقاد

تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَ

دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جو پاکباز بتلاتے ہیں اپنے آپ کو ۸۷ بلکہ (یہ تو) اللہ کی شان ہے کہ پاکباز بنا دے جسے چاہے اور

شریك لله فی الوهیته وهو الشرك الاعظم وهو شرك الجاهلیة۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی انسان، جن، شجر و حجر کو اِلٰہ یقین کرنا یہی شرکِ اعظم ہے اور عہدِ جاہلیت کے مشرکین یہی شرک کیا کرتے تھے (جیسے سورہ الصّٰفّٰت میں ان کے متعلق ہے واذا قیل لهم لا اله الا الله یستکبرون ویقولون ءانا لتارکوا الهتنا لشاعر مجنون۔ جب انہیں یہ بتایا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی خدا نہیں تو تکبّر کرتے اور کہتے کیا اِس شاعرِ دیوانہ کے کہنے پر ہم اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں) (۲) ویلیه فی الرتبة اعتقاد شریك لله تعالیٰ فی الفعل وهو من قال ان موجودا ما غیر الله تعالیٰ یستقل باحداث فعل وایجاده وان لم یعتقد کونه الٰها۔ یعنی شرک کا دُوسرا درجہ یہ ہے کہ کسی کے متعلق یہ اِعتقاد رکھا جائے کہ وُہ مستقل طور پر اور بالذّات اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی کام کر سکتا ہے اگرچہ اس شخص کو اِلٰہ نہ مانتا ہو۔ (۳) ویلی هذه الرتبة الشرك فی العبادة وهو الریاء (۵: ۱۸۱) یعنی کسی کو عبادت میں شریک کرنا اور یہ ریا ہے اور یہ بھی شرک کی ایک قسم ہے۔ اب آپ اِنصاف فرمائیے کہ کوئی مُسلمان کسی کے متعلّق خواہ ذاتِ پاک مُصطفٰے علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثنا ہی ہو یہ اِعتقاد رکھتا ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر وُہ صاحبان جو مسلمانوں کو مشرک ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں اور وُہ تمام آیات جو مُشرکینِ مکّہ اور کُفّارِ عرب کے حق میں نازل ہُوئیں جن کے شرک کی کیفیت اُوپر مذکور ہوئی سمجھے بے سمجھے مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں کیا انھیں خدا کا خوف نہیں۔ وُہ ڈریں کہیں ان کا شمار یحرّفون الکلم عن مواضعه کے زُمرہ میں نہ ہو۔

شرک کی حقیقت سمجھ لینے کے بعد اب اِس پر غور فرمائیے کہ شرک کیوں ظُلمِ عظیم ہے۔ اور کیوں اِس جُرم کی بخشش نہیں ہو گی شرک اُس قادرِ مُطلق اور شہنشاہِ کائنات کے خلاف بغاوت ہے اِس کی بادشاہی اور فرمانروائی میں کسی کو شریک کرنا اس کو حاکمِ اعلیٰ اور آمرِ مُطلق تسلیم کرنے کے منافی ہے۔ ظاہری حکومتیں سنگین سے سنگین جُرم کرنے والے کے لیے عفو و درگزر کا دروازہ کھُلا رکھتی ہیں لیکن علَمِ بغاوت بلند کرنے والا گردن زدنی ہوا کرتا ہے۔ اگر کسی دُنیوی حکمران کی حکومت کو تسلیم کرنے سے اِنکار اتنا بڑا جُرم ہے تو آپ خود اندازہ لگائیں کہ اُس حقیقی بادشاہ جو مالک بھی ہے اور خالق بھی، میرا بھی اور تیرا بھی، بلندی کا بھی اور پستی کا بھی، اس کی اُلوہیت کا جو اِنکار کرے یا اُس جیسا کسی کو سمجھے اس سے بڑا جُرم بھی کوئی اور ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ اس وقت جب اسی حالتِ کُفر و شرک پر موت آ جائے۔ اور اگر وُہ شرک سے تائب ہو جائے اور توحید کو دِل و جان سے تسلیم کر لے تو اس کی توبہ قبول ہو گی اِس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گنہگار مومن جو اپنے گناہوں سے توبہ کیے بغیر مر جائے اللہ تعالےٰ چاہے تو اپنی رحمت سے اس کو بھی بخش دے۔

۸۷ یہود اپنی اِعتقادی، اخلاقی اور عملی گوناگوں خرابیوں کے باوجود اپنے آپ کو مقدّس اور پاکباز یقین کیا کرتے اور کہا کرتے کہ نحن ابناؤ الله واحباؤه۔ ہم اللہ کے فرزند اور اس کے لاڈلے ہیں۔ جنّت ہماری جاگیر ہے جو جی میں آئے کرتے رہیں ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یُونہی شیخی بگھارنے اور اپنے تقدّس و پاکبازی کے قصیدے پڑھنے سے کچھ نہیں بنے گا۔ پاک و

لَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

وہ نہیں ظلم کیے جائیں گے کھجور کی گٹھلی کے ریشہ کے برابر۔ دیکھیے کیسے گھڑتے ہیں اللہ پر جھوٹ

وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا

اور کافی ہے (انھیں رسوا کرنے کے لیے) یہ کھلا گناہ کیا نہیں دیکھا تم نے اُن لوگوں کی طرف جنھیں دیا گیا حصہ

مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ

کتاب سے وہ (اب) اعتقاد رکھنے لگے ہیں جبت اور طاغوت پر ۸۸؎ اور کہتے ہیں ان کے بارے میں جنھوں نے

كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ

کفر کیا کہ یہ کافر زیادہ ہدایت یافتہ ہیں ان سے جو ایمان لائے ہیں ۸۹؎ یہی وہ (بدنصیب) ہیں

مقدس تو وہ ہے جو بارگاہِ خداوندی میں مقدس ہے۔ فتیلا: مایکون فی شق النواۃ...... یضرب بہ المثل فی الشئ الحقیر (مفردات)

۸۸؎ جبت لغت میں ایسی چیز کو کہتے ہیں جو بیکار محض ہو الذی لاخیر فیہ۔ اس کا اطلاق جادو، جادوگر، جوتش، رمل اور فال گری وغیرہ خرافات پر ہوتا ہے۔ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے "الطرق والطیرۃ والعیافۃ من الجبت" (قرطبی عن ابی داؤد)

کنکریاں پھینک کر فال پکڑنے کو طرق کہتے ہیں اور الطیرۃ کا معنی بدشگونی ہے اور العیافۃ پرندوں کے ناموں، آوازوں اور ان کے گزرنے سے فال پکڑنے کو کہا جاتا ہے (حاشیہ قرطبی) یہ سب اوہام پرستی کی اقسام ہیں۔ صاحب المنار لکھتے ہیں فالمعنی الجامع للجبت ھو الدجل والاوھام والخرافات یعنی مکر و فریب، وہم پرستی اور خرافات کو جبت کہا جاتا ہے اور طاغوت کی تعریف ادب و لغت کے امام جوہری نے یہ کی ہے۔ والطاغوت الکاھن والشیطان وکل راس فی الضلال۔ یعنی طاغوت کا اطلاق کاہن اور شیطان پر بھی ہوتا ہے اور اس شخص کو بھی طاغوت کہتے ہیں جو کسی گمراہی کا سرغنہ ہو۔ مزید وضاحت سورۃ بقرہ کی آیت ۲۵۶ کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمایئے)

۸۹؎ جنگِ اُحد کے بعد یہود کے دو سرغنے کعب بن اشرف اور حُیَیّ بن اخطب چند اور یہودیوں کے ہمراہ مکہ گئے تاکہ کفار کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اُکسائیں۔ ابوسفیان نے اُن سے پوچھا کہ ہم تو اَن پڑھ ہیں اور آپ لوگ اہل علم اور صاحب کتاب ہیں ہمیں یہ تو بتاؤ کہ راستی پر کون ہے ہم یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ جانتے ہوئے کہ شرک محض کو توحید خالص سے کیا نسبت ہو سکتی ہے پوری بے باکی سے کفارِ مکہ کو خوش کرنے کے لیے جواب دیا کہ اُن سے کہیں زیادہ تم ہدایت پر ہو۔ جانتے بوجھتے سفید جھوٹ!

الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝۵۲ۭ

جن پر لعنت کی ہے اللہ تعالیٰ نے اور جس پر لعنت بھیجے اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کا کوئی مددگار

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ۝۵۳ۙ

کیا ۹۰ ان کے لیے کوئی حصہ ہے حکومت میں اگر ایسا ہوتا تو نہ دیتے یہ لوگوں کو تل برابر

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰي مَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ

کیا حسد کرتے ہیں ۹۱ لوگوں سے اُس نعمت پر جو عطا فرمائی ہے انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے (وہ حسد کی

اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰھُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝۵۴

آگ میں جلا کریں) ہم نے تو مرحمت فرمادی ہے ابراہیمؑ کے گھرانے کو کتاب اور حکمت اور عنایت فرمادی ہے اُنھیں عظیم الشان سلطنت

فَمِنْھُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْھُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ

تو اُن سے کوئی ایمان لاتے اس کے ساتھ اور کسی نے منہ پھیر لیا اس سے اور کافی ہے (انھیں جلانے کے لیے)

سَعِيْرًا ۝۵۵ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا

جہنم کی دہکتی ہوئی آگ۔ بے شک جنھوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا ہم ڈال دیں گے اُنھیں آگ میں جب کبھی

اخلاقی پستی ملاحظہ ہو۔ ایسوں پر لعنت نہ برسے گی تو کیا رحمت کے پھول برسیں گے۔

۹۰ یہ تو خیر ہوئی کہ اُنھیں اختیار و اقتدار میسّر نہیں۔ اگر کوئی خطّہ زمین اُن کے زیرِ نگیں ہوتا تو فرطِ بُخل سے یہ کسی کو پھوٹی کوڑی بھی نہ دیتے۔

۹۱ حسد کی تعریف یہ کی گئی ہے الحسد تمنی زوال النعمۃ عن صاحبہا المستحق بہا یعنی ایسے شخص سے نعمت کے زوال کی آرزو جو اس نعمت کا صحیح مستحق ہو۔ اس آیت میں بتایا گیا کہ یہودیوں کی یہ اسلام دُشمنی محض حسد کی وجہ سے تھی ورنہ یہ مرقعِ حسن و خوبی بھی تو خاندانِ ابراہیمی کا چشم و چراغ ہے۔ اور حضرت ابراہیمؑ کے خاندان کو تو اس کے رب نے نبوّت، کتاب، حکمت اور وسیع سلطنت سے سرفراز فرمایا۔ اگر اس کے ایک فرزند کو یہ نعمتیں پھر بخشی گئی ہیں تو حیرت و افسوس کیوں ہو۔ نقیر۔ کھجور کی گٹھلی پر باریک سا جو نقطہ ہوتا ہے اس کو نقیر کہتے ہیں مُراد ہے حقیر ترین چیز۔

نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ

پک جائیں گی ان کی کھالیں تو بدل کر دے دیں گے ہم انھیں کھالیں دوسری تاکہ وہ (مسلسل) چکھتے رہیں عذاب کو

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کیے

سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

عنقریب ہم داخل کریں گے انھیں باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں

اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾

تا ابد۔ اُن کے لیے ان باغوں میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور ہم داخل کریں گے انھیں گھنے سایہ میں

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ

بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے تمھیں کہ (اُن کے) سپرد کرو ۹۲ امانتوں کو جو ان کے اہل ہیں اور جب بھی فیصلہ کرو ۹۳

۹۲ علامہ قرطبی لکھتے ہیں ھذہ الآیۃ من امھات الاحکام تضمنت جمیع الدین والشرع یعنی یہ آیت قرآن کریم کے اہم ترین احکام سے ہے اس کے ضمن میں دین اور شریعت کی تمام تفصیلات سمیٹ کر رکھ دی گئی ہیں۔ اور قرطبی کا یہ کہنا بالکل بجا ہے۔ کیونکہ اداۓ امانت سے مراد یہاں صرف یہی نہیں کہ آپ کسی شخص کے پاس کوئی چیز رکھیں اور وہ آپ کو جوں کی توں واپس کر دے بلکہ اس کا مفہوم وسیع تر ہے۔ عبادات بھی امانت ہیں۔ ان کو صحیح وقت پر اخلاص نیت سے شرائط وقیود کی پابندی کے ساتھ ادا کرنا اس امر کی تعمیل ہے۔ اگر آپ کو اقتدار و حکومت حاصل ہے تو غریب و امیر، قوی و ضعیف میں مساوات قائم کرنا، عدل کے ترازو کو تمام مخالف رجحانات کے باوجود برابر رکھنا، حکومت کے عہدوں پر تقرر کے لیے کنبہ پروری اور دوست نوازی کی بجائے صرف اہلیت و قابلیت کو معیار قرار دینا بھی اس حکم کی تعمیل میں داخل ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ والاظھر فی الآیۃ انھا عامۃ فی جمیع الناس فھی تتناول الولاۃ فیما الیھم من الامانات فی قسمۃ الاموال ورد الظلامات والعدل فی الحکومات۔

۹۳ عام لوگوں کے علاوہ اس حکم کے خصوصی مخاطب اُمراء اور حکام ہیں۔ اور اگر نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد پیش نظر ہو تو پھر ہر شخص اس آیت کا خصوصی مخاطب ہے۔ ارشاد ہے۔ کلکم راع وھو مسئول عن رعیتہ فالامام راع وھو مسئول عن رعیتہ والرجل راع علی اھلہ وھو مسئول عنھم والمرأۃ راعیۃ علی بیت زوجھا وھی مسئولۃ عنھا تم میں سے ہر شخص اپنے مرتبہ

علی اھلہ وھو مسئول عنھم والمرأۃ راعیۃ علی بیت زوجھا وھی مسئولۃ عنھا

بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ

لوگوں کے درمیان تو فیصلہ کرو انصاف سے بے شک اللہ تعالیٰ بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے تمہیں

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ

بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا ہر چیز دیکھنے والا ہے اے ایمان والو! ۹۴ اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی

وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ

اور اطاعت کرو (اپنے ذی شان) رسول کی اور حاکموں کی جو تم میں سے ہوں پھر اگر جھگڑنے لگو تم کسی

شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

چیز میں تو لوٹا دو اسے اللہ اور (اپنے) رسول (کے فرمان) کی طرف اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى

اور روزِ قیامت پر یہی بہتر ہے اور بہت اچھا ہے اس کا انجام کیا نہیں دیکھا آپ نے ان کی طرف

کے لحاظ سے پاسبان ہے اور جوابدہ ہے امام اور خلیفہ بھی راعی ہے اس سے اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔ خاوند اپنے گھر والوں کا رئیس ہے۔ اور بیوی اپنے خاوند کے گھر کی نگران ہے۔ ہر ایک سے اس کی حیثیت کے مطابق سوال کیا جائے گا۔

۹۴ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم کی اطاعت کے علاوہ مسلمان امراء اور حکام کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دارِ فانی میں زیادہ دیر اقامت گزیں نہیں ہونا تھا اور حضورؐ کے بعد امورِ مملکت کی ذمہ داری خلفاء اور امراء نے سنبھالنی تھی اس لیے ان کی اطاعت کرنے کے متعلق بھی تاکید فرمائی۔ لیکن اطاعتِ رسولؐ اور اطاعتِ امیر میں ایک بیّن فرق ہے۔ نبی معصوم ہوتا ہے۔ جملہ امور میں خصوصاً احکامِ شرعی کی تبلیغ میں اس سے خطا نہیں ہو سکتی اس لیے اس کی اطاعت کا جہاں حکم دیا غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا۔ مثلاً ما آتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔ جو کچھ تمہیں رسولؐ دے لے لو اور جس سے روکے رک جاؤ۔ رسول کا ہر حکم واجب التسلیم اور اٹل ہے اس میں کسی کو مجالِ قیل و قال نہیں خلیفہ کا معصوم ہونا ضروری نہیں۔ اس سے غلطی بھی ہو سکتی ہے اس لیے اس کی مشروط اطاعت کا حکم دیا کہ اس کے حکم کو خدا اور رسول کے فرمان کی روشنی میں پرکھو۔ اگر اس کے مطابق ہے تو اس پر عمل کرو ورنہ وہ قابلِ عمل نہیں۔ حضور کریمؐ کا ارشاد ہے۔ لا طاعۃ للمخلوق فی معصیۃ اللہ۔ اس لیے حاکمِ وقت کی

الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ

جو ۹۵ دعویٰ تو کرتے ہیں کہ وُہ ایمان لائے اس (کتاب) کے ساتھ جو اُتاری گئی آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ

قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا

سے پہلے (اس کے باوجود) چاہتے ہیں کہ فیصلہ کرانے کے لیے (اپنے مقدمات) طاغوت ۹۶ کے پاس لے جائیں حالانکہ انھیں حکم دیا گیا

اطاعت کا حکم فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر تمھارے درمیان تنازع رُونما ہو جائے تو اُسے لوٹا دو اللہ اور اُس کے رسُول کی طرف یعنی اس حکم کا قرآن و سُنّت کی روشنی میں جائزہ لو۔ اگر اس کے مُطابق ہے تو اس پر عمل کرو ورنہ تم پر اس کی اطاعت فرض نہیں۔

۹۵ ان آیات کے شانِ نزُول کے متعلق علماء تفسیر و حدیث نے یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ ایک یہودی اور ایک مُنافق کے درمیان جو اپنے آپ کو مُسلمان ظاہر کیا کرتا تھا تنازعہ ہو گیا۔ یہودی حق پر تھا۔ اس نے اس بظاہر مُسلمان کو رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلّم کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے کہا۔ اُس منافق کے دِل میں چور تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ وہاں تو نہ سفارش چلے گی اور نہ رشوت سے کام بنے گا۔ اس لیے اس نے کہا کہ تمھارے عالم کعب بن اشرف کے پاس چلتے ہیں۔ یہودی اِس بات پر رضامند نہ ہوا۔ چُنانچہ چار و ناچار حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہودی حق پر تھا فیصلہ بھی اسی کے حق میں ہوا۔ منافق کو پسند نہ آیا تو وُہ یہودی کو لے کر حضرت صدیق کے پاس گیا۔ وہاں سے بھی وُہی حکم ملا۔ لیکن اس کو بھی تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ آخر دل میں سوچا کہ میں بظاہر تو مُسلمان ہُوں اور یہ یہودی ہے عمرؓ کے پاس چلیں وُہ یقیناً میرے اسلام کا پاس کرتے ہُوئے میرے حق میں فیصلہ دیں گے۔ چنانچہ اس نے یہودی کو بھی اس پر رضامند کر لیا۔ جب وہاں پہنچے تو یہودی نے عرض کی کہ پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلّم اور حضرت ابُوبکرؓ اس مقدمہ کا فیصلہ میرے حق میں کر چکے ہیں اب یہ مجھے آپ کے پاس لایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ رویدا کما حتی اخرج الیکما میرے واپس آنے تک ٹھہرو۔ چنانچہ آپ گھر تشریف لے گئے۔ تلوار بے نیام کیے واپس آئے اور اس منافق کا سر قلم کر دیا اور فرمایا ھکذا اقضی علی من لم یرض بقضاء اللہ و قضاء رسولہ ونزلت الآیۃ وقال رسول اللہ انت الفاروق (قرطبی) یعنی جو اللہ اور اس کے رسُول کے فیصلہ کو تسلیم نہیں کرتا میں اُس کا یوں فیصلہ کیا کرتا ہُوں اِس پر یہ آیت نازل ہُوئی اور حضور نے اس دِن حضرت عمرؓ کو الفارُوق (حق و باطل میں فرق کرنے والا) کے لقب سے سرفراز فرمایا۔

۹۶ طاغُوت پر حاشیہ گزر چکا۔ یہاں طاغوت سے مُراد وُہ حاکم اور عدالت ہے جو احکامِ الٰہی کے خلاف مقدمات کا فیصلہ کیا کرے۔

اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِهٖ ؕ وَيُرِيۡدُ الشَّيۡطٰنُ اَنۡ يُّضِلَّهُمۡ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا ۝۶۰

تھا کہ انکار کریں طاغوت کا اور چاہتا ہے شیطان کہ بہکا دے انھیں بہت دُور تک

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰى مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوۡلِ رَاَيۡتَ

اور جب کہا جائے انھیں کہ آؤ ۹۷ اس (کتاب) کی طرف جو اُتاری ہے اللہ نے اور (آؤ) رسُول (پاک) کی طرف تو آپ

الۡمُنٰفِقِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡكَ صُدُوۡدًا ۚ ۝۶۱ فَكَيۡفَ اِذَاۤ اَصَابَتۡهُمۡ

دیکھیں گے مُنافقوں کو کہ منہ موڑ لیتے ہیں آپ سے رُوگردانی کرتے ہُوئے پس کیا حال ہوتا ہے جب پہنچتی ہے انھیں

مُّصِيۡبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ جَآءُوۡكَ يَحۡلِفُوۡنَ ۖۗ بِاللّٰهِ

مُصیبت ۹۸ بوجہ ان (کرتوتوں) کے جو آگے بھیجے ہیں ان کے ہاتھوں نے پھر حاضر ہوتے ہیں آپ کے پاس قسمیں اُٹھاتے ہیں اللہ کی (کہتے ہیں کہ) نہیں

اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡسَانًا وَّتَوۡفِيۡقًا ۝۶۲ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُ اللّٰهُ مَا

نہیں قصد کیا تھا ہم نے مگر بھلائی اور باہمی مصالحت کا یہ لوگ ہیں خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ ۹۹ جو کچھ

۹۷ اس سے معلوم ہوا کہ مُنافقین کی یہ عادت تھی کہ جس مقدمہ کے متعلق انھیں یہ یقین ہوتا کہ فیصلہ اُن کے حق میں ہوگا اس کے تصفیہ کے لیے تو بارگاہِ نبوّت میں حاضر ہوتے اور جس کے متعلق یہ خیال ہوتا کہ ہم جھوٹے ہیں اس کے لیے ایسے حاکم کے پاس جاتے جہاں اُنھیں معلوم ہوتا کہ ہم اپنے اثر و رسُوخ یا رشوت سے اپنے حق میں فیصلہ کرا لیں گے۔ آج بھی بعض لوگ ایسے امُور میں تو شریعت کے مُطابق فیصلہ کرانے پر بڑے مُصر ہوتے ہیں جہاں انھیں فائدہ کی توقع ہو اور جہاں یہ خیال ہو کہ شریعت کا قانون ان کے خلاف ہے تو اس وقت دُوسرے قوانین اور رسم و رواج وغیرہ کی آڑ لیتے ہیں اور شریعت کے قریب بھی نہیں پھٹکتے آپ خود سوچیں کہ اُن کے درمیان اور عہدِ رسالت کے مُنافقین کے درمیان پھر کیا فرق ہوا۔

۹۸ یعنی جب ان کے نفاق کا پردہ چاک ہو جاتا ہے تو پھر جھُوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنے مُسلمان ہونے کا یقین دلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو فلاں شخص کے پاس اس لیے گئے تھے کہ وُہ ہمارے درمیان مصالحت کرا دے ورنہ فیصلہ تو وہی ہم نے تسلیم کر لیا تھا جو اللہ کے رسُول مقبُول نے فرمایا تھا۔

۹۹ وُہ لاکھ جھُوٹی قسمیں کھائیں اللہ تعالیٰ اُن کے دِلوں میں جو پوشیدہ ہے اُس سے خُوب واقف ہے۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ ۗ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ

ان کے دلوں میں ہے (اے حبیبؐ!) چشم پوشی فرمایئے ان سے اور نصیحت کرتے رہیئے انھیں اور کہیئے انھیں ۱۰۰؎ تنہائی میں

قَوْلًۢا بَلِیْغًا ۝۶۳ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

ایسی بات جو مؤثر ہو اور نہیں بھیجا ہم نے ۱۰۱؎ کوئی رسول مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے اذن سے

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ

اور اگر یہ لوگ ۱۰۲؎ جب ظلم کر بیٹھے تھے اپنے آپ پر حاضر ہوتے آپ کے پاس اور مغفرت طلب کرتے اللہ تعالیٰ سے

۱۰۰؎ اس صریح سرکشی کے بعد بھی مولائے کریم اپنے محبوبؐ کریم کو ان سے مواخذہ نہ کرنے اور ان کی اصلاح و ہدایت کے لیے کوشاں رہنے کی تلقین فرما رہا ہے۔ اسی کے متعلق تو حضورؐ نے فرمایا اَدَّبَنِیْ ربی فاحسن تادیبی میرے ربّ نے مجھے آداب و اخلاق کی تعلیم دی ہے اور خوب دی ہے۔

۱۰۱؎ چند لفظوں میں ایک طویل بحث کو سمو کر رکھ دیا۔ اللہ کی اطاعت ہر مؤمن پر فرض ہے۔ اور اللہ کی اطاعت یہ بھی ہے کہ اس کا یہ حکم بھی مانا جائے کہ میرے رسولؐ کی بھی اطاعت کرو۔ جو رسولؐ کی اطاعت سے انکار کرتا ہے اس نے گویا اللہ کے حکم سے سرتابی کی۔ تو رسول کی نافرمانی کر کے اُس نے صرف رسول کی ہی نافرمانی نہیں کی بلکہ اللہ کی بھی نافرمانی کی ہے جس کا یہ حکم اس نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے کہ میرے رسول کی اطاعت کرو۔ وُہ فرقہ جو حضور رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے اتّباع کو غیر ضروری بلکہ اُمّت کے لیے مُضر اور نقصان دِہ سمجھتا ہے وُہ اِس آیت کو کیوں نہیں پڑھتا اور اگر پڑھتا ہے تو اسے کیوں واجب الاتباع یقین نہیں کرتا۔

۱۰۲؎ یعنی اے رحمتِ مجسّمؐ! اگر یہ دُنیا بھر کے قصُور کر کے اور اپنی جانوں پر طرح طرح کے ظلم توڑنے کے بعد بھی نادم و تائب ہو کر تیرے حضور میں حاضر ہوں تو ان پر اپنا درِ کرم باز رکھ۔ جب ان کی شفاعت و بخشش و رُستگاری کے لیے تیرا ہاتھ میری بارگاہِ جُود و عطاء میں اُٹھے گا تو خواہ وُہ کتنے گنہ گار رُوسیاہ اور بدکار کیوں نہ ہوں تیرے رب کی رحمت ان کو مایُوس نہیں کرے گی بلکہ ان کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور ان بیگانوں کو اپنا بنا لیا جائے گا۔ حضورِ اکرم شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی یہ برکت حضورؐ کی ظاہری زندگی تک محدُود نہ تھی بلکہ تا ابد ہے۔ اہلِ دل اور اہلِ نظر ہر لمحہ اور ہر آن اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ حضرت سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے وصال کے تین روز بعد ایک اعرابی ہمارے پاس آیا اور (فرطِ رنج و غم سے) مزارِ پُرانوار پر گر پڑا اور خاکِ پاک کو اپنے سر پر ڈالا۔ اور عرض کرنے لگا اے اللہ کے رسولؐ! جو آپ نے فرمایا ہم نے سُنا، جو آپ نے اپنے رب سے سیکھا وُہ ہم نے آپ سے سیکھا اور اسی میں یہ آیت بھی تھی وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا الخ میں نے

وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿٦٤﴾ فَلَا

نیز مغفرت طلب کرتا ان کے لیے رسول (کریم) بھی تو وہ ضرور پاتے اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول فرمانے والا نہایت رحم کرنے والا ہیں

وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

(اے مصطفیٰ) تیرے رب کی قسم یہ ۱۰۳ لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ حاکم بنائیں آپ کو ہر اس جھگڑے میں جو پھوٹ پڑا ان کے درمیان

ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا

پھر نہ پائیں ۱۰۴ اپنے نفسوں میں تنگی اس سے جو فیصلہ آپ نے کیا اور تسلیم کر لیں

تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ

دل و جان سے اور اگر ہم فرض کر دیتے ان پر ۱۰۵ کہ قتل کرو اپنے آپ کو یا

اپنی جان پر بڑے بڑے ستم کیے ہیں اب تیری بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔ اے سراپا شفقت و رحمت! میری مغفرت کے لیے دعا فرمایئے فنودی من القبر انه قد غفرلك (القرطبی) تو مرقدِ منوّر سے آواز آئی تجھے بخش دیا گیا۔

۱۰۳ رسولِ کریمؐ کی غیر مشروط اطاعت و اتباع کو پھر نہایت واضح، مؤکّد اور مؤثر پیرایہ میں بیان فرمایا جا رہا ہے واؤ قسم کے لیے ہے نفیِ ایمان پر دلالت کرنے کے لیے لا نفی کو دو بار ذکر کیا ہے۔ ایک بار قسم سے پہلے اور دوسری مرتبہ قسم کے بعد۔ یعنی تیرے ربِّ جلیل کی قسم وہ ہرگز ہرگز ایماندار نہیں ہو سکتے۔ اگر ایک لائے نفی پر اکتفا کیا جاتا تو عبارت لغوی لحاظ سے تو درست ہوتی لیکن یہ زورِ بیان مفقود ہوتا۔ امام ابن جریر وغیرہ کا قول ہے کہ اس آیت کا تعلق بھی اسی سابقہ واقعہ سے ہے اور یہ حکم بھی حضورؐ کی ظاہری حیات تک نہیں بلکہ قیامت تک کے لیے ہے۔ ہر شخص کے لیے ہے اور یہی ایمان کی اساس ہے۔ جو شخص اطاعتِ رسولؐ سے سرتابی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے متعلق قسم سے مؤکّد کر کے اپنا فیصلہ یہ دیتا ہے کہ وہ مومن نہیں وہاں تو وہی اطاعت قبول ہے جو اس کے رسولؐ کی اتّباع و پیروی میں ہو اور وہی مطیع ہو گا جو مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی غلامی کا طوق زیبِ گلو کیے حاضر ہو گا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

۱۰۴ اس جملہ نے تو یہاں تک تصریح کر دی کہ ظاہری انقیاد و تسلیم کافی نہیں بلکہ مومن وہ ہو گا جو دل کی گہرائیوں میں بھی فرمانِ رسولؐ کے خلاف کوئی گرانی اور گھٹن محسوس نہ کرے۔

۱۰۵ علیھم کی ضمیر کا مرجع منافقین ہیں (ابن عبّاس) جن کا ذکر سابقہ آیات میں چلا آ رہا ہے یعنی جب معمولی سی آزمائش آتی ہے تو ان کے ایمان کی قلعی کھل جاتی ہے اگر ان کا شدید قسم کا امتحان لیا جاتا تو گنتی کے چند آدمیوں کے علاوہ سب فیل ہو جاتے

اُخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ

نکل جاؤ اپنے گھروں سے تو نہ بجا لاتے اس کو مگر چند آدمی ان میں سے اور اگر وُہ کرتے

فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝۶۶

۱۰۶؎ جس کی انھیں نصیحت کی گئی تھی تو ہوتا بہتر اُن کے لیے اور (اس طرح سختی سے (اللہ کے احکام پر) ثابت قدم ہو

وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۶۷ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا

جاتے تو اس وقت ہم بھی عطا فرماتے انھیں اپنے پاس سے اجر عظیم اور ضرور پہنچاتے انھیں سیدھے

مُّسْتَقِيْمًا ۝۶۸ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ

راستہ تک ۱۰۷؎ اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور (اس کے) رسُولؐ کی تو وُہ ۱۰۸؎ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر

اور صحابہ کرامؓ نے جب یہ آیت سُنی تو بول اُٹھے لو فعل ربنا لفعلنا اگر ہمارے رب نے ہمیں یہ حکم دیا تو ہم تعمیلِ حکم کریں گے۔ حضورؐ نے جب اپنے صحابہؓ کا یہ جواب سُنا تو اس کی تصدیق کرتے ہُوئے فرمایا الایمان اثبت فی قلوب اهله من الجبال الرواسی اہلِ ایمان کے دلوں میں ایمان مستحکم پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبُوطی سے جاگزیں ہے۔

۱۰۶؎ مُنافقین کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ تمھارے لیے یہ کتنا بہتر ہوتا کہ تم یکسُوئی سے میرے رسُولؐ کا دامن پکڑ لیتے۔ تمھاری دُنیا بھی سنور جاتی اور آخرت بھی۔ اور اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا کہ تذبذب کی یہ کیفیت جس سے تم دوچار ہو، کبھی اِسلام کی طرف لپکتے ہو اور کبھی کفر کے ساتھ چمٹتے ہو یہ ختم ہو جاتی۔ تمھارے دِلوں کی بے یقینی یقین سے اور تمھارے رُوحوں کی بے چینی اطمینان سے بدل جاتی اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس شخص کے کرب والم کی کیا کیفیت ہوتی ہے جو تذبذب و بے یقینی کی موجوں کے تھپیڑے کھا رہا ہو اور اس کے سفینۂ حیات کی کوئی متعیّن منزل نہ ہو۔ واشد تثبیتا کیا حکیمانہ اور پیارا جملہ ہے۔

۱۰۷؎ کیا خوب لکھا ہے علّامہ بیضاوی نے۔ فرماتے ہیں۔ یصلون بسلوکه جناب القدس ویفتح علیهم ابواب الغیب قال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم من عمل بما علم ورثه الله علم ما لم یعلم۔ یعنی اطاعتِ رسُول کی برکت سے انھیں وُہ رستہ مل جائے گا جو اُنھیں حریمِ قدس تک پہنچا دے گا اور ان پر غیب کے دروازے کھُل جائیں گے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد ہے جو اپنے عِلم کے مُطابق عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے وُہ علوم القا کرتا ہے جن کو وُہ نہیں جانتا۔

۱۰۸؎ پہلے مذبذب لوگوں کو اطاعت کی ترغیب دی گئی۔ اب ان خوش نصیبوں کی خوش بختی کا ذِکر کیا جا رہا ہے جنھیں اللہ اور اس کے رسُولؐ کی اطاعت کا شرف نصیب ہوا۔ صِدّیق۔ فِعّیل کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اِس کا لغوی معنی

اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّهَدَآءِ

اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء

المبالغ فی الصدق نہایت راست باز اور راست گفتار ہے۔ اور مقاماتِ قربِ الٰہی میں سے ایک مقام کا نام بھی ہے۔ الشیخ محمد عبدہٗ لکھتے ہیں ھم الذین زکت فطرتھم واعتدلت امزجتھم وصفت سرائرھم حتی انھم یمیزون بین الحق والباطل والخیر والشر بمجرد عروضه یعنی صدیقین وُہ لوگ ہیں جن کی فطرت اور جن کا باطن ہر گرد و غبار سے یُوں پاک صاف ہوتا ہے کہ جب ان پر حق پیش کیا جاتا ہے تو بے ساختہ اس کو قبول کر لیتے ہیں۔ خیر و شر کے درمیان انھیں التباس نہیں ہوتا بلکہ جیسے نگاہ سیاہ و سپید کے درمیان بے تکلف امتیاز کر لیتی ہے اسی طرح وُہ حق و باطل اور خیر و شر میں امتیاز کر لیتے ہیں۔ یہ صدّیقیّت کا مرتبہ حضورؐ کے کئی جلیل القدر صحابہ کو حاصل تھا۔ اور صدیق اکبر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ جن کی زندگی کا ہر لمحہ اسی صدّیقیّتِ کبریٰ کا مظہرِ اتم ہے۔ ایمان لانے کی دعوت دی گئی تو ادنیٰ جھجک کے بغیر اسے قبول کیا۔ معراج کی خبر سُنی تو دل و جان سے اسے حق تسلیم کیا۔ صلح حدیبیہ کی شرائط پر ایک یہ ہستی تھی جسے کوئی تردّد نہ تھا اور خلافت کے اڑھائی سال کے عرصہ میں تو سبحان اللہ! صدیقیت کی نُور افشانیاں اور ضیاء پاشیاں عین شباب پر تھیں۔ جو قدم اٹھایا اکابر صحابہ بھی پریشان ہو گئے لیکن ہر قدم دُرست نکلا۔ ہر تدبیر ہم آہنگ تقدیر ثابت ہُوئی۔ ایک ایک واقعہ کو دیکھئے بخدا یُوں محسُوس ہوتا ہے کہ صدّیقیّت کا نور تمام حجابات کو چیر کر بطنِ غیب کے حالات کو بے حجاب دیکھ رہا ہے۔

الشھداء: امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ الشھید فعیل بمعنی الفاعل وھو الذی یشھد بصحة دین اللہ تارة بالحجة والبیان واخری بالسیف والسنان ویقال للمقتول فی سبیل اللہ شھید من حیث انه بذل نفسه فی دین اللہ وشھادته له بانه الحق وماسواہ الباطل (کبیر)

شہید کا وزن فعیل بمعنی فاعل ہے۔ وُہ شخص جو کبھی نورِ برہان اور قوّتِ بیان سے اور کبھی شمشیر و سنان سے دینِ الٰہی کی حقّانیّت کی شہادت دے وُہ شہید کہلاتا ہے اور راہِ خدا میں قتل ہونے والے کو اسی مناسبت سے شہید کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی جان قربان کر کے دین کی حقّانیّت کی گواہی دی۔ اس کے معاً بعد امام رازی لکھتے ہیں کہ وُہی افراد جو دُنیا میں دین کی صداقت کے شاہد رہے وُہی قیامت کے روز لتکونوا شھداء علی الناس کے مصداق ہوں گے۔ اللھم اجعلنا منھم۔

الصالحون: امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ والصالح ھو الذی یکون صالحا فی اعتقادہ وفی عمله جو عقائد و اعمال دونوں کے لحاظ سے صالح ہو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُولؐ کی اطاعت کا یہ کتنا شیریں ثمر ہے۔

وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ

اور صالحین اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی ۱۰۹ یہ (محض) فضل ہے اللہ تعالیٰ

اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ

کا ۱۱۰ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا اے ایمان والو! ہوشیار رہو ۱۱۱

۱۰۹ حَسُنَ بمعنی مَا اَحْسَنَ تعجب کے لیے ہے بظاہر حسن اولٰئک رفقاء چاہیئے لیکن عُلماء نے اس کے دو جواب دیئے ہیں ایک تو یہ ہے کہ تقدیر کلام یہ ہے حسن کل واحد منھم رفیقا اور دُوسرا جواب جو زیادہ واضح ہے یہ ہے کہ رفیق بُرید وغیرہ الفاظ واحد، جمع اور جنس سب معانی کے لیے استعمال ہوتے ہیں اس لیے یہاں رفیق بمعنی رفقاء ہے۔ اس آیت کا شانِ نزول یُوں بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے عاشق زار حضرت ثوبان رضی حاضر ہُوئے تو ان کا چہرہ اُترا ہوا اور رنگ اُڑا ہوا دیکھ کر حضور نے وجہ پُوچھی تو دردمند عاشق نے عرض کی یارسُول اللہ! نہ کوئی جسمانی تکلیف ہے اور نہ کہیں درد ہے۔ بات یہ ہے کہ رُخ انور جب آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے تو دل بے تاب ہو جاتا ہے۔ فوراً زیارت سے اس کو تسلّی دیتا ہُوں۔ اب رہ رہ کر مجھے یہ خیال ستا رہا ہے کہ جنّت میں حضور کا مقام بلند کہاں ہوگا اور یہ مسکین کس گوشہ میں پڑا ہوگا۔ اگر رُوئے تاباں کی زیارت نہ ہُوئی تو میرے لیے جنّت کی ساری لذتیں ختم ہو جائیں گی۔ فراق وہجر کا یہ جانکاہ صدمہ تو اس دل ناتواں سے برداشت نہ ہو سکے گا۔ حضور یہ ماجرا سُن کر خاموش ہو گئے یہاں تک کہ جبریل امین ؑ یہ مژدہ لے کر تشریف لائے کہ ہم اطاعت گزار عشاق کو جنّت میں جُدائی کا صدمہ نہیں پہنچائیں گے بلکہ ان کو اپنے محبوب کی معیّت و وصال میسّر ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ عشقِ مصطفوی میں صرف ثوبان کی یہ کیفیت نہ تھی بلکہ سب کا تقریباً یہی حال تھا۔ چنانچہ علّامہ قرطبی اور دیگر مفسّرین جنھوں نے یہ روایت لکھی ہے انھوں نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ جملہ صحابہ کے شکوۂ فراق پر یہ آیت نازل ہُوئی۔ اللھم ارزقنا حبک وحب حبیبک المصطفٰی وانت ذوالفضل العظیم۔

۱۱۰ اعمالِ صالحہ پر اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا گیا ہے جو یقیناً پُورا ہوگا جنّت، جنّت کی بے پایاں نعمتیں، کیف بار اور سرور آگیں لذّتیں، حُور وقصور، ان کے علاوہ دیگر بے شمار انعام واکرام ان اعمالِ صالحہ کا اجر ہوں گے لیکن اپنے محبوب بندوں کی معیّت خصوصاً اپنے حبیب مکرّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی بارگاہ اقدس میں شرفِ باریابی کی سعادت بطور اجر وثواب نہیں ہوگی بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور شانِ جُود وعطا کی جلوہ گری ہوگی۔ اس کی لطافتوں سے وُہی بہرہ ور ہو سکتے ہیں جن کو دردِ محبّت اور سوزِ عشق کے انعام سے سرفراز کیا گیا ہے۔

۱۱۱ حِذْرٌ وحَذَرٌ ایک ہی معنی ہے۔ یقال اخذ حذرہ اذا تیقظ واحترز من المخوف۔ کسی خوفناک چیز سے ہوشیار اور چوکنّا ہو جانا۔ مسلمانوں کو پہلے اطاعتِ خُدا اور رسُول کا حکم دیا اب دینِ حق کی سربلندی کے لیے جہاد کی تلقین کی جا رہی

فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ

پھر (وقت آجائے تو) نکلو ٹولیاں بن کر یا نکلو سب مل کر اور بے شک تم میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو ضرور[۱۱۲] دیر

فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ

لگائیں گے پھر اگر پہنچے تمھیں کوئی مصیبت تو وُہ کہے احسان فرمایا ہے اللہ نے مجھ پر کہ میں نہیں

اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ

تھا ان کے ہمراہ (جنگ میں) حاضر اور اگر ملے تمھیں فضل (فتح اور مالِ غنیمت) اللہ کی مہربانی سے

لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ

تو ضرور کہے جیسے نہیں تھی تمھارے درمیان اور اس کے درمیان کوئی دوستی کاش میں بھی ہوتا اُن

مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ

کے ہمراہ تو حاصل کرتا بڑی کامیابی پس چاہیئے کہ لڑا کریں اللہ کی راہ میں (صرف) وُہ لوگ جنھوں نے

ہے۔ اور پُوری طرح تیاری کرنے اور دُشمن کی عیّارانہ چالوں سے ہوشیار اور چوکنّا رہنے کی ہدایت کی جارہی ہے۔ ثبات کا واحد ثُبَةٌ ہے اس کا معنی گروہ ہے۔

۱۱۲؎ مُنافقوں کا مُسلمانوں کے ساتھ جو برتاؤ تھا اس کا ذِکر کیا جارہا ہے کہ مُسلمان میدانِ جہاد کا رُخ کریں تو یہ مختلف حیلوں بہانوں سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اگر میدانِ جنگ میں مُسلمانوں کو مُصیبت یعنی تکلیف اور شکست ہو تو بغلیں بجاتے ہیں اور اپنے پیچھے رہ جانے کو اللہ کا فضل شمار کرتے ہیں حالانکہ یہ عین اُس کی ناراضگی کا نتیجہ ہے کہ انھیں شہادت کی سعادت اور جہاد کے ثواب سے محرُوم رکھا۔ اور اگر مُسلمانوں کو فتح ہو تو انھیں سانپ سُونگھ جاتا ہے اور ان کے دلوں میں حسرت وپشیمانی کی آگ سُلگنے لگتی ہے۔ یہ پشیمانی اگر ثوابِ جہاد سے محرُومی کے باعث ہوتی تو کوئی بات بھی تھی لیکن اُن کی ندامت وپشیمانی تو فقط اِس لیے ہے کہ انھیں اب مالِ غنیمت سے حِصّہ نہیں مِلے گا۔ کان لم تکن کا جُملہ ان کی ذہنیّت کو خُوب واضح کر رہا ہے۔

يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ

بیچ دی ہے دُنیا کی زندگی ۱۱۳ آخرت کے عوض اور جو شخص لڑے ۱۱۴ اللہ کی راہ

اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾ وَ

میں پھر (خواہ) مارا جائے یا غالب آئے تو (دونوں حالتوں میں) ہم دیں گے اسے اجرِ عظیم اور

مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ

کیا ہو گیا ہے تمھیں کہ جنگ نہیں کرتے ہو ۱۱۵ راہِ خدا میں حالانکہ کئی بے بس

۱۱۳ شرا، خریدنے اور بیچنے دونوں معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ یہاں دُوسرے معنی میں مستعمل ہوا ہے مقصد یہ ہے کہ اِس فدائیت اور جاں نثاری کے میدان میں وُہی قدم رکھے جو پہلے اپنی زندگی اور اس کی دِل بستگیوں کا سَودا اپنے رب کے ساتھ کر چکا ہو۔ وُہ لوگ جو دُنیا اور دُنیاوی جاہ وجلال کے متلاشی ہیں وُہ کسی اَور منڈی کا رُخ کریں مسلمانوں کی صفوں میں اور اِسلام کے پرچم کے نیچے ایسے دُوں ہمّت اور دُنیا طلب لوگوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔

۱۱۴ نیّت میں اخلاص ہو، مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور دین کی سربلندی ہو تو پھر کامیابی کا یہ معیار نہیں کہ خیر وعافیت سے مالِ غنیمت کے انبار سمیٹے ہُوئے واپس آئے تو کامیاب ورنہ ناکام نہیں وُہ شخص ہر حالت میں کامیاب ہے سلامتی سے گھر واپس آئے تو، جامِ شہادت نوش کرے تو، علّامہ مرحوم نے کیا خُوب ترجمانی کی ہے ؎

برتر از اندیشۂ سُود و زیاں ہے زِندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی

۱۱۵ مکّہ میں کئی مرد، عورتیں اور بچّے ایسے تھے جو اِسلام قبول کر چکے تھے لیکن کُفّارِ مکّہ نے اُن کا ناک میں دم کیا ہُوا تھا۔ نہ وُہ ہجرت کر سکتے اور نہ انھیں امن و سلامتی میسّر تھی۔ وُہ خدا نا ترسوں کے مظالم برداشت کرتے اور اللہ کے حضور میں دعائیں مانگتے کہ اَے غریبوں کے فریاد رس اَور بے کسوں کے حامی! ہم ناتوانوں پر رحم فرما اور ہمیں ان ظالموں کے چنگل سے چھُڑا۔ اللہ تعالیٰ اِس آیت میں مُسلمانوں کو اپنے مظلوم بھائیوں، بہنوں کی اِمداد کی ترغیب دے رہا ہے۔ چنانچہ وُہ دن آیا جب نبیِ رحمت اپنے ہمراہ دس ہزار مُسلمانوں کو لیے مکّہ پر حملہ آور ہوا۔ اُس روز مکّہ نے اپنے بند دروازے کھول دیئے اور اس کے مغرور و متکبّر سرداروں نے اپنی گردنیں خم کر دیں اَور ان مظلوموں نے آزادی کا سانس لیا۔ یہ حکم اب بھی بدستور ہے۔ جس خِطّۂ زمین میں مُسلمانوں پر کفّار مظالم توڑ رہے ہوں تو دُوسرے مُسلمانوں پر فرض ہے کہ وُہ ان کو نجات دلائیں۔ وما لکم میں اِستفہام تحریض کے لیے ہے یعنی جہاد پر برانگیختہ کرنے کے لیے۔

الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا

مرد اور عورتیں اور بچے ایسے بھی ہیں جو (ظلم سے تنگ آکر) عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب! نکال

مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ

ہمیں اس بستی سے ظالم ہیں جس کے رہنے والے اور بنا دے ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی دوست

وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿٧٥﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ

اور بنا دے ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی مددگار جو ایمان لائے ہیں وہ جنگ کرتے ہیں ١١٦

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ

اللہ کی راہ میں اور جو کافر ہیں وہ جنگ کرتے ہیں طاغوت کی راہ میں

فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿٧٦﴾ ع

تو (اے ایمان والو) لڑو شیطان کے حامیوں سے بے شک شیطان کا فریب کمزور ہے ١١٧

١١٦ عمل ایک ہی ہوتا ہے لیکن مقاصد کے اختلاف کے باعث وہ لائقِ تحسین یا قابلِ نفرین ہو جاتا ہے۔ جنگ کی اجازت اسلام نے بھی دی۔ اور دوسری قومیں بھی لڑائی کیا کرتی ہیں۔ دونوں جنگوں میں خون کے دریا بہتے ہیں۔ کشتوں کے پشتے لگتے ہیں زخمیوں کی چیخ و پکار سے فضا سوگوار ہو جاتی ہے لیکن پھر بھی اسلام کی جنگ اور دوسری جنگوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مومن کی جنگ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے، عدل و انصاف، مساوات و حریت، نیکی و تقویٰ کی اقدار کو زندہ کرنے کے لیے ہوتی ہے اور غیر مومن کی جنگ کے پسِ پردہ صرف مادی فوائد کارفرما ہوتے ہیں کسی ملک پر قبضہ، کسی قوم کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنا، اپنے لیے تجارت کی منڈیاں قائم کرنا، مفتوحہ ممالک کی معدنیات اور قدرتی ذخائر سے فائدہ اٹھانا ہوتا ہے۔ ان تمام چیزوں کو طاغوت (یعنی باطل) کے ایک لفظ سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ ان مقاصد کے لیے جو جنگ لڑی جائے گی خواہ لڑنے والوں کے سر پر ہلالی پرچم لہرا رہا ہو اور غلغلہ ہائے تکبیر سے ساری فضا تھرا رہی ہو وہ جنگ فی سبیل اللہ نہیں ہوگی۔

١١٧ اے اہلِ ایمان! باطل کو نیست و نابود کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دو۔ تم حق کے علم بردار ہو۔ حق کو فتح اور غلبہ نصیب ہوگا تو انسانیت کے چمن میں بہار آجائے گی۔ اعلیٰ اخلاقی قدروں کی بالادستی قائم ہوگی۔ نیکی کی روشنی اور مہک ہر سو پھیل جائے گی۔ امن و عافیت کا دور دورہ ہوگا۔ باطل کے سربراہوں کی فتنہ سامانیوں سے خوفزدہ اور دل گرفتہ ہونے

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

کیا نہیں دیکھا آپ نے اُن لوگوں کی طرف جنھیں جب کہا گیا ۱۱۸ کہ روکو اپنے ہاتھوں کو اور قائم کرو نماز

وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ

اور ادا کرو زکوٰۃ (ان باتوں کو تو مان لیا) پھر جب فرض کیا گیا ان پر جہاد تب ایک گروہ ان میں سے

يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَ قَالُوْا رَبَّنَا

ڈرنے لگ گیا لوگوں سے جیسے ڈرا جاتا ہے خدا سے یا اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے اے ہمارے

لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ

پروردگار! کیوں فرض کر دیا تو نے ہم پر جہاد (اور) کیوں نہ مہلت دی تو نے ہمیں تھوڑی مدت تک

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫ وَ

(اے ترجمانِ حقیقت انھیں) کہو دُنیا کا سامان ۱۱۹ بہت قلیل ہے اور آخرت زیادہ بہتر ہے اس کے لیے جو تقویٰ اختیار کیے ہے اور

کی قطعاً ضرورت نہیں۔ تمھارے نعرۂ اللہ اکبر سے اہلِ طاغوت کے قلعے لرز جائیں گے۔ تمھارے ایک حملہ کی دیر ہے ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا۔ شیطان کا مکر و فریب بہت کمزور ہے۔

۱۱۸ علامہ قرطبی نے تصریح کی ہے کہ یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی کہ جب تک نماز و روزہ کا حکم تھا اس وقت تک تو پکے مومن بنے رہے۔ اب جب اسلام کی سربلندی کے لیے سر کٹانے کا موقع آیا تو اوسان خطا ہونے لگے۔ قلت وھذا اشبہ بسیاق الآیۃ۔ علامہ مذکور فرماتے ہیں کہ ربنا لم کتبت الخ کا جملہ صحابہ کرام کی زبان سے نہیں نکل سکتا۔ وُہ تو اس دارِ فنا کو الوداع کہہ کر آخرت کی ابدی نعمتوں سے ہمکنار ہونے کے لیے ہر وقت بے تاب رہا کرتے تھے۔ ومعاذ اللہ ان یصدر ھذا القول من صحابی کریم الخ (قرطبی) پناہ بخدا کسی پاکباز صحابی کی زبان سے یہ جملہ صادر نہیں ہو سکتا۔

۱۱۹ یعنی اس ناپائیدار زندگی اور اس کی فنا پذیر آسائشوں کے لیے ابدی زندگی اور اس کے لازوال انعامات کو کیوں نظر انداز کرتے ہو۔ حضور کریم کا ارشاد ہے مثلی ومثل الدنیا کراکب قال قیلولۃ تحت شجرۃ ثم راح وترکھا۔ یعنی میری اور اس دُنیا کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کوئی سوار راستے میں کسی درخت کے نیچے دوپہر کے وقت آرام کرنے کے لیے ٹھہرتا ہے

لَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ

نہیں ظلم کیا جائے گا تم پر کھجور کی گٹھلی کے ریشہ کے برابر۔ جہاں کہیں تم ہو گے آلے گی تمھیں موت ۱۲۰؎ اگرچہ (پناہ گزیں) ہو

فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ

تم مضبوط قلعوں میں اور اگر پہنچے انھیں کوئی بھلائی تو کہتے ہیں ۱۲۱؎ یہ اللہ کی

عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ

طرف سے ہے اور اگر پہنچے انھیں کوئی تکلیف تو کہتے ہیں یہ آپ کی طرف سے ہے

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ

(اے میرے رسول) آپ فرمایئے سب اللہ کی طرف سے ہے تو کیا ہو گیا ہے اس قوم کو بات سمجھنے کے

اور پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔

۱۲۰؎ بُروج کا واحد بُرج ہے۔ وُہ بلند عمارت جو دُور سے نمایاں ہو یعنی قلعہ یا قصر۔ مشیّدہ کا معنی مضبُوط بھی ہے اور بلند بھی۔ بتانا یہ ہے کہ موت سے خوفزدہ ہو کر نامردی اور بُزدِلی دکھانا عقلمندی نہیں۔ تم اپنے بچاؤ کے ہزاروں سامان کر لو موت آ کر رہے گی۔

۱۲۱؎ مُنافقین ہی کا ذِکر چلا آ رہا ہے یعنی اُن کا شیوہ یہ ہے کہ اگر جنگ میں فتح ہو یا عام حالات خوشگوار ہوں تو کہتے ہیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے۔ اور اگر اُن کی اپنی کمزوری سے پسپائی ہو یا غلّہ گراں ہو جائے یا باغات اچھی طرح نہ پھلیں تو اس وقت سارا الزام اللہ کے رسُول پر دھرتے ہیں کہ ان کی بے تدبیری کی وجہ سے پسپائی ہوئی ہے یا ان کے اور ان کے صحابہ کے ایسے سبز قدم آئے ہیں کہ ہر چیز سے برکت ہی اُٹھ گئی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں اَے عقل کے اندھو! ہر کام کا فاعلِ حقیقی اور مسبّب الاسباب تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تم میرے محبُوب پر کیوں اِلزام لگاتے ہو۔ مولینا دریا آبادی نے یہاں خوب لکھا ہے کہ "منافقین کا یہ من عند اللہ کہنا بھی بطور حمد نہ تھا بلکہ بطور محاورۂ زبان تھا جیسے اُردو میں لوگ کہہ اُٹھتے ہیں کہ یہ تو تقدیری امور ہیں۔" (تفسیر ماجدی)

يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿٧٨﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ

قریب ہی نہیں جاتے جو پہنچے آپ کو ۱۲۲ بھلائی سو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو

اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ

پہنچے آپ کو تکلیف سو وہ آپ کی طرف سے ہے اور بھیجا ہے ہم نے آپ کو سب لوگوں کی طرف ۱۲۳ رسول بنا کر

۱۲۲ے یہاں خطاب نوعِ انسانی کے ہر فرد کو ہے یا خطاب حضور نبی کریم ؑ کو ہے اور مُراد آپ کی اُمّت ہے پہلی آیت میں فرمایا کل من عند اللہ یعنی ہر چیز سُکھ اور دُکھ، آرام اور تکلیف، خوشحالی اور تنگی سب اللہ کی طرف سے ہے اور یہاں یہ ارشاد ہے کہ سُکھ آرام اور خوشحالی تو محض اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے اور دُکھ، تکلیف اور تنگی وغیرہ انسان کی اپنی طرف سے ہے۔ بظاہر ان آیتوں میں تضاد کا گمان ہوتا ہے اس لیے دو مختصر سے فقروں میں علامہ بیضاوی نے اس کا جواب دے دیا فرماتے ہیں۔ کل من عند اللہ ایجادا و ایصالا غیران الحسنۃ احسان و امتحان والسیئۃ مجازاۃ و انتقام۔ یعنی ہر کام کا مُوجدِ حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن آرام و خوشحالی کا باعث اُس کا احسان ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنے بندہ کا امتحان بھی لیا جائے کہ وُہ اس انعام پر کیسے شکر ادا کرتا ہے۔ اور تکلیف و رنج کا باعث انسان کی اپنی کوتاہیاں اور غفلتیں ہوا کرتی ہیں۔ اس کی واضح مثال آپ کو غزوۂ اُحد میں ملے گی۔ جب ہزیمت سے مُسلمانوں کو دوچار ہونا پڑا اگرچہ اس کا مُوجد تو رب تعالیٰ ہی تھا لیکن پہاڑی درّہ پر متعین دستہ کی جلد بازی اس کا سبب بنی تھی۔ دُوسرے بیجوں کی طرح انسان کے اعمال بھی اپنے مخصُوص برگ و بار رکھتے ہیں۔ انسان کو ہر کام کرتے وقت اس کے مآل و انجام پر بھی نگاہ رکھنی چاہیئے۔

۱۲۳ے الناس پر الف لام استغراق کے لیے ہے یعنی ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے اور ہر زمانہ کے انسانوں کے لیے رسُول بنا کر بھیجا ہے۔ کوئی رنگت، کوئی زبان، کوئی قومیّت اور کوئی وطن اس سے مستثنےٰ نہیں۔ سب کے لیے آپ ہی ہادی اور مرشد ہیں۔ جب یہ بات واضح ہو گئی کہ حضور ؐ سب کے رسُول ہیں۔ اور رسُول کی تشریف آوری کی غایت ابھی بتائی جا چکی ہے کہ الا لیطاع باذن اللہ کہ اس کی اطاعت کی جائے تو اب کون ہے جو حضور ؐ کو اپنا رسُول تو تسلیم کرے اور آپ کی اطاعت سے منحرف ہو۔ اور آیاتِ بیّنات میں دُور از کار تاویلات کرتا رہے۔ یہ تو یہوُد کا شیوہ تھا کہ بعض آیاتِ تورات جو اُن کی ہوائے نفس کے مطابق ہوتی تھیں انھیں مان لیا کرتے اور دُوسری آیات کا حسب منشا مطلب گھڑ لیتے۔ بہر حال یہ امر واضح ہے کہ قرآن نے سنتِ مُصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ اسنی الصلوات واحسن التحیات کی بے چُون و چرا اطاعت کو بار بار اتنا دُہرایا ہے کہ قرآن کو اللہ کی کتاب یقین کرنے والے کے لیے سُنّتِ نبوی سے انحراف کے سارے دروازے بند کر دیئے ہیں۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝٧٩ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ

اور کافی ہے [124] اللہ تعالیٰ (آپ کی رسالت کا) گواہ جس نے اطاعت کی رسول کی [125] تو یقیناً اس نے اطاعت کی اللہ کی

وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝٨٠ ۭ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ

اور جس نے منہ پھیرا تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو اُن کا پاسبان بنا کر اور کہتے ہیں ہم نے حکم مان لیا [126]

فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ

اور جب باہر نکلتے ہیں آپ کے پاس سے تو رات بھر مشورہ کرتا ہے ایک گروہ ان میں سے اس کے برعکس جو آپ نے

تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى

فرمایا اور اللہ تعالیٰ لکھ رہا ہے جو وہ راتوں کو سوچا کرتے ہیں پس رُخ (انور) موڑ لیجیے ان سے اور بھروسہ کیجیے

اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝٨١ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ

اللہ پر اور کافی ہے [127] اللہ تعالیٰ (آپ کا) کارساز تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں؟ [128] اور (اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ)

---

[124] اے حبیب! اس حقیقت کی صداقت پر خود خدا گواہ ہے کہ تو اُس کی ساری کائنات کا ہادی و مرشد ہے! اور ایسے گواہ کی شہادت کے بعد دُنیا بھر کے منکرین کا انکار پرِکاہ کی وقعت نہیں رکھتا۔ ناگفتہ بہ حالات میں اسلام کا غالب آنا اور دُشمنانِ اسلام کا ہی کچھ مدت بعد اس کی ناموس و عظمت کے لیے اپنی جانیں قربان کرنا اللہ کے گواہ ہونے کی سب سے روشن دلیل ہے۔

[125] کتنا کھول کر بتا دیا کہ اللہ کا مطیع وُہی ہے جو اس کے رسُول کا مطیع ہو۔ لاکھ کوئی دعویٰ کرے اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ قرآن کا وُہ جھُوٹا ہے جب تک اللہ کے رسُولِ کریم کی سُنّت کا پابند نہ ہو۔

[126] منافقوں کا رویّہ یہ تھا کہ بظاہر تو اطاعت و تسلیم کا اقرار کرتے اور درپردہ سازشوں کے جال بُنا کرتے۔

[127] اللہ تعالیٰ کی کارسازی کا کرشمہ دُنیا بھر نے دیکھا کہ دُشمنوں کی ساری سازشیں تارِ عنکبوُت سے بھی زیادہ کمزور ثابت ہوئیں اور جو فتنہ اور شورش اُنھوں نے رسُولِ کریمؐ کو ناکام کرنے کے لیے برپا کی وُہ خود اُن کی ہلاکت و رُسوائی کا باعث بنی۔

[128] مُنافق جن کے طرزِ عمل اور دو رُخی پالیسی کا ذکر چلا آرہا ہے نہ وُہ سچّے دِل سے حضوُرؐ کی رسالت کے قائل تھے اور نہ ہی قرآن کو کتاب اللہ یقین کرتے تھے۔ اِسی لیے تو وُہ اس مخمصہ میں گرفتار تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر انھوں نے قرآن میں غور و فکر کیا ہوتا تو ان پر عیاں ہو جاتا کہ یہ کسی انسان کا نہیں بلکہ ربّ العزّت کا کلام ہے۔ اِس طرح وُہ اس تذبذب سے

مِنۡ عِنۡدِ غَيۡرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوۡا فِيۡهِ اخۡتِلَافًا كَثِيۡرًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَا جَآءَهُمۡ

اگر وُہ غیر اللہ کی طرف سے (بھیجا گیا) ہوتا تو ضرور پاتے اس میں اختلاف کثیر ۱۲۹؎ اور جب آتی ہے ان کے

اَمۡرٌ مِّنَ الۡاَمۡنِ اَوِ الۡخَوۡفِ اَذَاعُوۡا بِهٖ ؕ وَلَوۡ رَدُّوۡهُ اِلَى الرَّسُوۡلِ

پاس کوئی بات اطمینان یا خوف کی ۱۳۰؎ تو چرچا کرنے لگتے ہیں اس کا۔ اور اگر لَوٹا دیتے اُسے رسُول (کریم) کی طرف

نجات حاصل کرلیتے۔

۱۲۹؎ یہ کتاب جو تئیس ۲۳ سال کے عرصۂ دراز میں نازل ہُوئی اِس میں تضاد و اختلاف کی بُو تک نہیں۔ یہ وُہ ہنگامہ خیز اور پُرآشوب عرصہ ہے جس میں داعیٔ اسلام، اس کے ماننے والوں اور خود اس دعوت کو شدید قسم کے مختلف مرحلوں سے گزرنا پڑا۔ ظلم و ستم کے پہاڑ بھی توڑے گئے۔ اور عقیدت و محبّت کے پھُول بھی برسائے گئے۔ ایسے حالات بھی رُونما ہوئے کہ ظاہر بیں نگاہوں کو یقین ہونے لگا کہ چراغِ حق ابھی بُجھا چاہتا ہے۔ اور ایسا دَور بھی آیا کہ اس چراغ کو پھُونکیں مار مار کر بُجھانے والے پروانہ وار اس پر تصدّق ہونے لگے۔ صُلح بھی اور جنگ بھی، فتح بھی اور پسپائی بھی، خوف بھی اور امن بھی ہر قِسم کے حالات رُونپذیر ہُوئے۔ ان گوناگوں اور بُوقلموں اَدوار میں ایک کتاب نازل ہوتی ہے اور اس میں ایک ایسی آیت کی بھی نشان دہی نہیں کی جاسکتی جس سے اِسلام کے اصولوں میں تضاد کا شائبہ تک ہو۔ علّامہ بیضاوی رحؒ نے ایک جُملہ میں سب کچھ بیان کرکے رکھ دیا۔ من تناقض المعنی وتفاوت النظم یعنی اس کی کوئی آیت نہ معنوی لحاظ سے دُوسری آیت کے خلاف ہے اور نہ فصاحت و بلاغت کے اِعتبار سے کوئی حِصّہ دُوسرے حصّہ سے فروتر ہے۔ معانی و حقائق کا سمندر ہے جس کی لہروں میں آویزش نہیں۔ جس کی ہر موج اور ہر قطرہ گُل کا رنگ و بُو لیے ہے۔ اس سے بڑھ کر اس کے کلامِ الٰہی ہونے کی اَور کیا دلیل ہوسکتی ہے۔

۱۳۰؎ مُسلمان جب ہجرت کرکے مدینہ منوّرہ پہنچے تو کفّار کے ساتھ جنگوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ایک جنگ کے بعد دُوسری جنگ کی تیاری، ایک یورش کے بعد دُوسری یورش کا اندیشہ تھا مسلمان مسلسل ایسے حالات میں زندگی بسر کررہے تھے جنھیں بجا طور پر زمانۂ جنگ کہا جاسکتا ہے۔ ہر دِن ہر لحظہ حملہ ہوسکتا تھا۔ ایسے ہنگامی حالات میں غلط افواہوں اور بے بُنیاد خبروں کا پھیلنا ایک قدرتی امر ہُوا کرتا ہے۔ اگر اِن افواہوں کو روکا نہ جائے تو صُورتِ حال بڑی سنگین ہوسکتی ہے مُسلمان معاشرہ میں بھی کئی ایسے کمزور دل اور بعض بیمار دِل افراد تھے کہ کوئی بات کانوں تک پہنچی اور اُسے سارے شہر میں مشہُور کردیا جس سے طرح طرح کے نقصانات کا اندیشہ تھا۔ اس لیے اس سے روک دیا گیا اور ہدایت کردی گئی کہ اگر ایسی کوئی بات ہو تو بارگاہِ رسالت میں عرض کرو یا تم میں جو صاحبِ عقل و دانش ہیں وُہ اس کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد اس کے متعلق مناسب اقدام کریں۔ جب عام دُنیوی اور سیاسی اُمور میں عوام کو ان چیزوں میں دخل اندازی اور خود سری سے روک دیا گیا ہے تو آپ خود

وَ اِلٰٓى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْؕ

اور با اقتدار لوگوں کی طرف اپنی جماعت سے تو جان لیتے اس خبر (کی حقیقت) کو وہ لوگ جو نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں بات کا ان میں سے

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطٰنَ اِلَّا

اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور (نہ ہوتی) اس کی رحمت تو ضرور تم اتباع کرنے لگتے شیطان کا سوائے

قَلِیْلًا ۝۸۳ فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَ حَرِّضِ

چند آدمیوں کے تو (اے محبوب!) جہاد کرو ۱۳۱؎ اللہ کی راہ میں نہ تکلیف دی جائے گی آپ کو سوائے اپنی ذات کے اور ابھاریں آپ

الْمُؤْمِنِیْنَۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْاؕ وَ اللّٰهُ

ایمان والوں کو (جہاد پر) عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ روک دے زور اُن لوگوں کا جو کفر کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ

اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِیْلًا ۝۸۴ مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنْ

کی گرفت بہت سخت ہے نیز وہ سزا دینے میں بہت سخت ہے جو کرے گا سفارش اچھی ۱۳۲؎ ہوگا

سوچیں کہ امورِ دینیہ میں یہ بدنظمی کب برداشت کی جا سکتی ہے کہ ہر کہ و مہ مفتی بنا پھرے اور قرآن و سنّت کو اپنی رائے سے ہم آہنگ کرتا رہے مسلمانوں کا فرض ہے کہ حرص و ہویٰ کے بندوں کی تقلید نہ شروع کر دیا کریں اور دینی امور میں فقط ان علماء کی طرف متوجہ ہوں جن کا علم و فضل، زہد و تقویٰ اور دینی بصیرت مسلّمہ اور جن کی سیرت بے داغ ہو۔

۱۳۱؎ اللہ تعالیٰ اپنے رسولِ کریم ﷺ کو حکم دے رہے ہیں کہ جب باطل حق سے برسرِ پیکار ہو تو آگے بڑھو خواہ آپ تنہا ہی کیوں نہ ہوں چنانچہ حضور کریم ﷺ کے یہ الفاظ اسی حکم کی تعمیل معلوم ہوتے ہیں۔ واللہ لاقاتلنھم حتی تنفرد سالفتی۔ یعنی بخدا میں کفّار سے ضرور لڑوں گا خواہ میری گردن جدا ہی ہو جائے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کارِ خیر میں اس کا کوئی معاون بھی نہ ہو تو اسے اکیلے اس کام کو شروع کر دینا چاہیئے۔ ساتھیوں کا نہ ہونا کوئی عذر نہیں ہے۔

۱۳۲؎ امام راغب یہاں شفاعت کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ای من انضم الی غیرہ وعاونہٗ وصار شفیعا فی الخیر والشر فعاونہ وقواہ وشارکہ فی نفعہ وضرہ۔ یعنی کسی اچھے یا بُرے کام میں کسی کے ساتھ اس طرح شریک ہو جانا کہ اس کی اعانت اور تقویّت پر اپنا پورا زور صرف کر دے اور اس کام کے نتائج میں بھی اپنے آپ کو برابر شریک سمجھے۔ اس توضیح کے پیشِ نظر آیت کا یہ مفہوم ہوگا کہ جو شخص حق و صداقت کے علم بردار کے ساتھ اپنی قسمت

لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ

اس کا حصّہ اس میں سے اور جو کرے گا سفارش بُری تو ہوگا اس کے لیے بوجھ

مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۝۸۵ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا

اس سے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور جب سلام دیا جائے تمھیں کسی لفظ دُعا سے ۱۳۳؎ تو سلام دو

بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ۝۸۶

تم ایسے لفظ سے جو بہتر ہو اس سے یا (کم ازکم) دوہرا دو وُہی لفظ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ

اللہ، نہیں کوئی معبود بغیر اس کے وُہ ضرور جمع کرے گا تمھیں قیامت کے دن نہیں ذرا شک اس (کے آنے) میں

وابستہ کر دیتا ہے اور اپنا تن من دھن اس مقصد کو کامیاب کرنے کے لیے وقف کر دیتا ہے وُہ ضرور اپنے قائد کی طرح اجرِ عظیم کا مستحق ہوگا۔ اسی طرح جس نے اپنی صلاحیتوں اور وسائل کو باطل کے سرغنوں کے حوالہ کر دیا اور فسق و فجور کو فروغ دینے میں ان کا ہاتھ بٹاتا رہا تو وُہ بھی اس گناہ میں برابر کا شریک ہوگا۔ اس آیت کا یہ مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ کسی مشکل میں کسی بھائی کی امداد کرنا اس کے حقوق کی بازیابی کی سعی کرنا، اس کو نفع پہنچانا اور اس سے کسی تکلیف کو دُور کرنے میں کوشاں ہونا بشرطیکہ اس سے کسی غیر کی حق تلفی نہ ہو تو یہ اچھی سفارش ہے اور اس پر سفارش کرنے والے کو اجر ملے گا۔ اور اگر ایسی سفارش کی جس سے کسی کی حق تلفی ہوئی یا کسی پر ظلم ہوا تو یہ بُری سفارش ہے اور سفارش کرنے والا گنہگار ہوگا۔

۱۳۳؎ تحیۃ باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اس کا اصلی معنی زندگی کی درازی کی دُعا دینا ہے۔ واصل التحیۃ الدعاء بالحیاۃ (قرطبی) اور اس کا معنی ملک بھی ہے التحیات للہ میں یہی معنی ملحوظ ہے۔ جمہور مفسّرین کے نزدیک یہاں تحیۃ سے مراد سلام کہنا ہے۔ سلام دینا حضور کریم کی پسندیدہ سنّت ہے لیکن اس کا جواب دینا فرض ہے۔ سلام کا جواب دینے کے قرآن حکیم نے دو طریقے سکھائے ہیں یا تو وہی الفاظ دُہرا دو جن سے تمھیں سلام کہا گیا ہے یا ایسے الفاظ کا اضافہ کرو جو محبّت و تکریم پر دلالت کرتے ہوں۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ اگر کوئی السّلام علیکم کہے تو جواب میں وعلیکم السّلام ورحمۃ اللہ کہو۔ اور اگر کوئی السّلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو تم وعلیکم السّلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ سے جواب دو۔ باہمی محبّت و پیار کے جذبات کو تر و تازہ کرنے کا یہ بڑا ہی مؤثر طریقہ ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد گرامی ہے لاتدخلون الجنۃ حتی تؤمنوا ولاتؤمنون حتی تحابوا اولا ادلکم علی شئ اذا فعلتموہ تحاببتم افشوا السلام بینکم۔ جب تک ایمان نہیں لاؤ گے جنّت میں داخل نہ

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ﴿۸۷﴾ فَمَا لَكُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ

اور کون زیادہ سچّا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کہنے میں سو کیا ہوگیا ہے تمھیں کہ منافقوں کے بارے میں ۱۳۴ے

فِئَتَیْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ

(تم) دو گروہ بن گئے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اَوندھا کر دیا ہے انھیں بوجہ اُن کرتوتوں کے جو انھوں نے کیے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اُسے راہ دکھاؤ

اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا

جسے گمراہ کر دیا اللہ نے اور جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کے لیے (ہدایت کا) راستہ وہ دوست رکھتے ہیں

لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ

اگر تم بھی کفر کرنے لگو جیسے انھوں نے کفر کیا تاکہ تم سب یکساں ہو جاؤ ۱۳۵ے پس نہ بناؤ تم ان سے

ہو سکو گے اور جب تک آپس میں محبّت نہ کرو گے تو ایمان نصیب نہ ہوگا۔ کیا میں تمھیں ایسی چیز بتاؤں جس پر عمل کرو تو آپس میں محبّت و پیار پیدا ہو جائے؟ (خود ہی فرمایا) ایک دوسرے کو السّلام علیکم کہا کرو۔" دُنیا میں جتنے آدابِ مُلاقات رائج ہیں سب کو دیکھو مُلاقات کا وہ طریقہ جو آپ کو قرآن نے سکھایا ہے اس کا جواب نظر نہ آئے گا۔ حضرت ابنِ عبّاسؓ فرماتے ہیں اگر غیر مُسلم سلام دے تو اُس کے وُہی الفاظ جواب میں دُہرادو۔ ردوھا مثل ما سلم علیکم علی غیر اھل دینکم" (تفسیر ماجدی)

۱۳۴ے بعض لوگ اِسلام تو قبول کر لیتے لیکن بال بچّوں کی محبّت، مال و جائداد کا پیار اور وطن کی کشش انھیں ہجرت کرنے کی اجازت نہ دیتی اور اِس طرح قبولِ اِسلام کے بعد بھی انھیں مشرکوں کی معاندانہ سرگرمیوں میں شریک ہونا پڑتا اور بعض جو ہجرت کرکے مدینہ آ بھی جاتے لیکن وہاں کا نظامِ حیات، اخلاقی پابندیاں اور ان پر دُشمن کے حملوں کا خطرہ انھیں وہاں قیام نہ کرنے دیتا اور وہ آب و ہوا کی ناموافقت کا عُذر کرکے واپس لوٹ آتے۔ اِس قسم کے لوگوں کے متعلق مُسلمانوں کی آرا مختلف تھیں بعض انھیں مُسلمان اور دُوسرے اُنھیں خارج از اِسلام خیال کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم ان کے متعلق مختلف الرّائے کیوں ہو یہ تو اپنی بداعمالیوں کے باعث جدھر سے آئے تھے اُدھر ہی لوٹا دیئے گئے۔ ارکس اور انکس دونوں ہم معنی ہیں۔ کسائیؒ کہتے ہیں الرکس والنکس قلب الشیٔ علی راسه والمرکوس المنکوس (القرطبی) رکس اور نکس دونوں کا معنی کسی چیز کو سر کے بل اوندھا گرا دینا ہے۔ ارکس کا یہ لفظ یہاں کتنا موزوں ہے۔ بما کسبُوا نے واضح کر دیا کہ ان کا جادۂ حق سے منحرف ہونا ان کی اپنی غلط کاریوں کا طبعی ثمر ہے۔

۱۳۵ے یعنی تم تو ان کے مُسلمان ہونے کے متعلق آپس میں بحث کر رہے ہو اور ان کے کفر و فسوق کا یہ حال ہے کہ وہ تمھیں بھی

اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ

اپنے دوست یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اللہ کی راہ میں پس اگر وہ (ہجرت سے) منہ موڑیں تو پکڑ لو انھیں

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۠ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّ

اور قتل کرو انھیں جہاں کہیں پاؤ ان کو اور نہ بناؤ ان سے (کسی کو) اپنا دوست اور

لَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ

نہ مددگار مگر ان کو (قتل نہ کرو) جو تعلق رکھتے ہیں اس قوم سے کہ تمھارے درمیان اور ان کے درمیان

مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا

معاہدہ ہے ۱۳۶ یا آگئے ہوں تمھارے پاس اس حال میں کہ تنگ ہو چکے ہوں ان کے سینے کہ جنگ کریں تم سے یا جنگ کریں

قَوْمَهُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ

اپنی قوم سے اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو مسلّط کر دیتا انھیں تم پر تو وہ ضرور لڑتے تم سے پھر اگر

اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ

وہ کنارہ کر لیں تم سے اور نہ جنگ کریں تمھارے ساتھ اور بھیجیں تمھاری طرف صلح (کا پیغام) تو نہیں بنائی

دولتِ ایمان سے محروم کر کے اپنے ساتھ ملانے کی تدبیر سوچ رہے ہیں۔ اِس لیے جب تک ہجرت کر کے تمھارے ہاں قیام نہ کریں اور اپنی قسمت تمھارے ساتھ وابستہ نہ کر دیں اس وقت تک تم ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم نہ کرو۔

۱۳۶ یہ لوگ جو تمھارے اُن دشمنوں سے جا ملے ہیں جن کے ساتھ تمھاری جنگ شروع ہے تو اُن کو مت جانے دو جہاں ملیں قتل کر ڈالو لیکن اگر وہ کسی ایسے قبیلہ کی پناہ اختیار کر لیں جن کے ساتھ تمھارا معاہدہ ہو چکا ہے تو پھر اُنھیں کچھ نہ کہو۔ اور اگر وہ تمھارے پاس حاضر ہو کر یقین دلا دیں کہ نہ وہ تمھارے ساتھ جنگ کریں گے اور نہ تمھارے معاون بن کر اپنی قوم کے خلاف لڑیں گے تو بھی ان سے تعرض نہ کرو۔ اس آیت سے صاف واضح ہو گیا کہ آیتِ سابقہ میں ان کے قتل کرنے کا حکم صرف اس وقت ہے جب وہ ہمارے خلاف لڑ رہے ہوں۔ اور جب وہ جنگ سے باز آجائیں تو اس وقت حکم یہ ہے کہ تم بھی ان کے قتل سے ہاتھ روک لو۔

اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُونَ اٰخَرِينَ يُرِيدُونَ اَنْ

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان پر (زیادتی کرنے کی) راہ[۱۳۷] تم پاؤ گے چند اور لوگ جو چاہتے ہیں کہ

يَّاْمَنُوكُمْ وَيَاْمَنُوا قَوْمَهُمْ ۭ كُلَّمَا رُدُّوٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوا فِيهَا ۚ

امن میں رہیں تم سے بھی اور امن میں رہیں اپنی قوم سے (لیکن) جب کبھی پھیرے جاتے ہیں فتنہ کی طرف تو منہ کے بل گر پڑتے ہیں اس میں[۱۳۸]

فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوٓا اَيْدِيَهُمْ

سو اگر نہ کنارہ کریں تم سے یا نہ بھیجیں تمہاری طرف صلح (کا پیغام) اور نہ روک لیں اپنے ہاتھ

فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۭ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ

تو پکڑ لو انھیں اور قتل کرو انھیں جہاں تم پاؤ انھیں اور یہی لوگ ہیں کہ دیا ہے ہم نے تمھیں

عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِينًا ﴿۹۱﴾ ع وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا

ان پر کھلا اختیار[۱۳۹] اور نہیں (جائز) کسی مومن کے لیے کہ قتل کرے[۱۴۰] کسی مومن کو مگر

۱۳۷ اس آیت نے مزید وضاحت کر دی کہ قابل گردن زدنی وہی لوگ ہیں جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے آمادہ ہوں۔

۱۳۸ یعنی غیر جانبداری کے ان بلند بانگ دعووں کے باوجود جب کبھی موقعہ ملے اور ان کی قوم انھیں مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے کہے تو پھر انھیں اپنی غیر جانبداری کا خیال نہیں رہتا اور فوراً مسلح ہو کر کفار کی صفوں میں آکھڑے ہوتے ہیں۔

۱۳۹ اگر وہ اپنی امن پسندی کا کوئی ثبوت بہم نہ پہنچائیں۔ تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے کنارہ کش بھی نہ ہوں۔ تمھیں صلح کا پیغام بھی نہ بھیجیں اور جب موقع ملے تم پر دستِ تعدی دراز کرنے سے باز بھی نہ آئیں تو پھر تم بھی ان کا ذرا لحاظ نہ کرو اور جہاں قابو میں آئیں بلا تامل ان کو موت کے گھاٹ اتار دو۔

۱۴۰ مفسرین نے ماکان لمومن کا معنی کیا ہے ماصح لمومن ولیس من شانہ۔ مومن کے لیے یہ درست اور جائز نہیں اور مومن کے شایانِ شان نہیں کہ وہ اس فعلِ شنیع کا بسلامتی ہوش و حواس ارتکاب کرے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ بے ارادہ اور نادانستہ اس سے یہ جرم سرزد ہو۔ اس اسلوبِ بیان سے واضح ہو گیا کہ یہ جرم معمولی قسم کا نہیں بلکہ نہایت سنگین اور بہت ہی گھناؤنا ہے کسی ایماندار سے اس کا صدور حد درجہ قبیح ہے۔

اَلْخَطَاُ اِذَا لَمْ يُصْنَعْ عَنْ تَعَمُّدٍ یعنی اگر قصد و ارادہ کے بغیر کوئی کام ہو جائے تو اسے خطا کہتے ہیں اس کی مختلف

خَطَأً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ

غلطی سے اور جس نے قتل کیا کسی مومن کو غلطی سے تو (اس کی سزا یہ ہے کہ) آزاد کرے مسلمان غلام اور خوں بہا

مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ

ادا کرے مقتول کے گھر والوں کو مگر یہ کہ وُہ خود ہی (خوں بہا) معاف کردیں پھر اگر ہو (مقتول)[۱۴۱] اس قوم سے جو دُشمن ہے

لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۗ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ

تمھاری لیکن وُہ (مقتول) خود مومن ہو تو (قاتل) آزاد کرے ایک مُسلمان غلام اور اگر مقتول اس قوم سے ہو کہ ہو چکا ہے

صُورتیں ہیں۔ کفّار کے ساتھ جنگ جاری تھی۔ گولیاں برس رہی تھیں۔ اتفاقاً اس کی گولی سے کوئی مُسلمان مارا گیا۔ یا نشانہ لگایا تھا شکار کو اور جا لگا کسی اِنسان کو، یہ سب قتل خطا کی صورتیں ہیں۔ یربطھا عدم القصد۔ تمام میں قدر مشترک قصد کا نہ ہونا ہے۔ اِس آیتِ کریمہ میں قتلِ خطا کی تین صورتیں اور ان کے احکام بتائے گئے ہیں۔ پہلی صورت تو یہ ہے کہ مقتول مُسلمان ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ قاتل ایک مُسلمان غلام کو آزاد کرے اور اس کے ورثاء کو دِیت ادا کرے۔ اس کی مقدار اللہ کے رسُول ﷺ نے سَو اُونٹ مقرر فرمائی ہے اور یہی مِقدار ہر زمانہ کے لیے ہے۔ دیۃ الحر المسلم مأۃ ابل فی کل زمان (قرطبی) ہاں اگر کوئی شخص اُونٹ نہ ادا کر سکتا ہو تو ہر زمانہ میں سو اُونٹوں کی قیمت کے برابر نقد روپیہ دے سکتا ہے اونٹوں کی قیمتوں میں کمی بیشی سے روپیہ میں کمی بیشی ہو سکتی ہے بہرحال دیت سو اُونٹ ہی ہوگی۔ البتہ اگر مقتول کے وارث دیت بخش دیں تو وُہ بخش سکتے ہیں شریعتِ اِسلامیہ نے دیت کے لیے روپیہ کی کوئی مِقدار مقرر نہیں کی۔ کیونکہ روپیہ کی قیمت یعنی قوتِ خرید گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ اگر روپیہ کی قوتِ خرید گھٹ جائے تو اِنسانی جان کی قدر و منزلت بھی گر جائے گی جو کسی طرح بھی قرینِ انصاف نہیں۔ اس لیے شریعت نے خُوں بہا ایک سو اُونٹ مقرر کیے ہیں تاکہ اِنسانی جان کی قدر و منزلت گرنے نہ پائے اور تمام حالات میں اِنصاف کے تقاضے پُورے ہوتے رہیں۔ یہی حکمتیں ہیں جو ہر حُکمِ شرعی میں جلوہ نما ہیں۔ اور اہلِ نظر کو بتا رہی ہوتی ہیں کہ یہ شریعت اِنسانی عقل کی تراشیدہ نہیں بلکہ علیم و حکیم رب کی فرستادہ ہے۔

۱۴۱؎ قتلِ خطا کی دُوسری صُورت یہ ہے کہ مقتول ہو تو مُسلمان لیکن اس کی بُود و باش کفّار میں ہو۔ اس صُورت میں صرف ایک مُسلمان غلام آزاد کر دے۔ اس پر دیت لازم نہ ہوگی۔ اور وُہ اِس لیے کہ اس کے سب وارث کافر ہیں اور مُسلمانوں سے برسرِ پیکار ہیں۔ ان کو دیت ادا کرنا توان کو تقویّت دینا ہے جو کسی طرح قرینِ عقل نہیں۔

بَیْنَکُمْ وَ بَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ فَدِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖ وَ تَحْرِیْرُ

تمہارے درمیان اور ان کے درمیان معاہدہ تو (قاتل) خوں بہا دے دے ۱۴۲؎ اس کے گھر والوں کو اور آزاد کرے

رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍۚ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ٘

ایک مسلمان غلام تو جو شخص غلام نہ پا سکے ۱۴۳؎ تو روزے رکھے دو ماہ لگاتار (اس گناہ کی)

تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا (۹۲) وَ مَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا

توبہ اللہ کی طرف سے (یہی مقرر ہے) اور ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا اور جو شخص قتل کرے کسی مومن کو

مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِیْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ

جان بوجھ کر ۱۴۴؎ تو اس کی سزا جہنم ہے ہمیشہ رہے گا اس میں اور غضبناک ہو گا اللہ تعالیٰ اس پر اور

۱۴۲؎ اگر مقتول اُس قوم کا فرد ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے خواہ وُہ مسلمان ہو یا کافر۔ اس صُورت میں قاتل مسلمان غلام آزاد کرے اور مقتول کے ورثاء کو دیت ادا کرے۔ ذمّی یعنی اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا کا بھی یہی حکم ہے۔ مسلم، کافر، مجوسی وغیرہ سب کی دیت یکساں ہے یعنی سو اُونٹ وبہ قال ابو حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ۔

۱۴۳؎ اگر کوئی شخص غلام خریدنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو یا غلام دستیاب ہی نہ ہو سکتے ہوں تو پھر دو ماہ لگاتار روزے رکھے۔ اگر اس نے عذر شرعی مثلاً حیض، بیماری کے سوا ناغہ کیا تو پھر از سرِ نو شروع کرنے ہوں گے۔ احناف کے نزدیک بیماری عُذر نہیں ہے۔

۱۴۴؎ پہلے قتلِ خطا کا ذکر تھا اب قتلِ عمد کا بیان ہے۔ قرآنِ حکیم اور ارشاداتِ نبویہ اس جُرم کے عظیم ترین ہونے پر شاہد ہیں قرآن کریم کی یہی آیت انسان غور سے پڑھے اور اس میں قاتل کی جو سزا بیان کی گئی ہے اس پر نگاہ ڈالے تو رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ قتل المومن اعظم عند اللہ من زوال الدنیا کہ دُنیا کے فنا ہونے سے بھی بے گناہ مومن کا قتل اللہ تعالیٰ کے نزدیک شدید ترین ہے۔ معتزلہ کے نزدیک قاتل عمد کی توبہ قابلِ قبول نہیں لیکن اہلِ سنت کی یہ رائے ہے کہ سچے دل سے توبہ کرنے والے کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ اور یہ وعید ان کے لیے ہے جو توبہ نہیں کرتے۔ اور حضرت ابن عبّاس رضؓ سے قتلِ عمد کی جو تفسیر منقول ہے اس کے پیشِ نظر تو یہ اُلجھن پیدا ہی نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا متعمدا مستحلا مقتلہ یعنی جو دانستہ اور مسلمان کے قتل کو حلال سمجھتے ہوئے قتل کرتا ہے اس کی یہ سزا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

لَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا ﴿۹۳﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ

اپنی رحمت سے دُور کردے گا اسے اور تیار کر رکھا ہے اس نے اس کے لیے عذاب عظیم اے اہل ایمان جب تم سفر پر نکلو ۱۴۵

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ

اللہ کی راہ میں (جہاد کے لیے) تو خوب تحقیق کر لو اور نہ کہو اسے جو بھیجتا ہے تم پر سلام

لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ

کہ تم مومن نہیں ہو تم تلاش کرتے ہو سامان دُنیوی زندگی کا پس اللہ کے پاس بہت غنیمتیں ہیں

كَثِیْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فَتَبَیَّنُوْا ؕ اِنَّ

(وُہ تمھیں غنی کردے گا) ایسے ہی (کافر) تم بھی تھے ۱۴۶ اس سے پہلے پھر احسان فرمایا اللہ نے تم پر تو خوب تحقیق کر لیا کرو یقیناً

اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۹۴﴾ لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ

اللہ تعالیٰ اس سے جو کچھ تم کرتے ہو خبردار ہے نہیں برابر ہو سکتے (گھروں میں) بیٹھنے والے

۱۴۵ واقعہ یُوں ہُوا کہ حضرت اسامہؓ کی قیادت میں حضورؐ نے ایک سریہ روانہ فرمایا۔ کفّار کو جب لشکرِ اسلام کی آمد کی خبر ملی تو وُہ بھاگ گئے لیکن مرداس نامی ایک شخص جو مسلمان ہو چکا تھا وُہ اپنے مال مویشی کے ساتھ ٹھیرا رہا جب مسلمان وہاں پہنچے اور نعرہ تکبیر بلند کیا تو اس نے بھی جواب میں اللہ اکبر کہا اور کلمہ شہادت پڑھتا ہُوا نیچے اُتر آیا اور انھیں السلام علیکم کہا لیکن حضرت اسامہؓ نے اس کی پرواہ نہ کی اسے قتل کر دیا اور اس کا ریوڑ ہانک کر مدینہ طیّبہ لے آئے اور بارگاہِ رسالت میں سارا ماجرا بیان کیا حضورؐ بہت رنجیدہ خاطر ہُوئے اس وقت یہ آیت نازل ہُوئی۔ آیتِ سابقہ میں مسلمانوں کو حالتِ امن میں مُسلمان اور غیر مسلمان کو قتل کرنے سے منع کیا اس آیت میں حالتِ جنگ میں بھی بلا وجہ قتل وغارت سے روک دیا جب تک تمھیں یقین نہ ہو جائے کہ یہ محارب کافر ہے اس وقت تک ہاتھ نہ اُٹھاؤ اور اگر کوئی عین اس وقت بھی اظہارِ اسلام کرے تو مالِ غنیمت کے حصُول کے لیے اس کی شہادت رد نہ کردو۔ اس فنا پذیر دولت کی خاطر تم ایک مومن کی شہادت ایمان رد کر رہے ہو۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ رزق کی کُنجیاں اللہ کے ہاتھ میں ہیں اگر تم اس کے حکم کی تعمیل کرو گے تو وُہ دُوسرے ذریعہ سے تم پر رزق کے دروازے کھول دے گا۔

۱۴۶ یعنی ابتدا میں تمھاری بھی زبانی شہادتِ اسلام پر اعتبار کر لیا گیا تھا اب تم دُوسروں کی زبانی شہادت کو کیوں صحیح تسلیم نہیں کرتے "فتبینوا" کا لفظ آیت میں دو بار آیا ہے جو قتل میں انتہائی احتیاط برتنے کی تاکید کر رہا ہے۔

الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

مسلمان سوائے معذوروں کے ۱۴۷ اور جہاد کرنے والے اللہ کی راہ میں

بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ

اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے ۔بزرگی دی ہے اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو اپنے مالوں اور

اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ

اپنی جانوں سے (گھروں میں) بیٹھ رہنے والوں پر درجہ میں اور سب سے وعدہ فرمایا ہے اللہ نے بھلائی کا لیکن

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ

فضیلت دی ہے اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر اجرِ عظیم سے (ان کے لیے) بلند درجے ہیں

مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ؑ اِنَّ الَّذِيْنَ

اللہ (کی جناب) سے اور (نوید) بخشش اور رحمت ہے اور ہے اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا بے شک وہ لوگ کہ

تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا

قبض کیا اُن (کی رُوحوں) کو فرشتوں نے ۱۴۸ اس حال میں کہ وُہ ظلم توڑ رہے تھے اپنی جانوں پر فرشتوں نے انھیں کہا تم کس شغل میں تھے (معذرت کرتے ہوئے) انھوں نے

۱۴۷ اِس سے مُراد وُہ لوگ ہیں جو بیماری یا کسی حقیقی مجبوری کی وجہ سے جہاد میں شرکت سے قاصر ہیں۔ قال العلماء: اھل الضرر اھل الاعذار اور یہ چیز محتاجِ بیان نہیں کہ جو لوگ ہر وقت سر بکف اللہ و رسول ؐ کے نام پر قربان ہونے کے لیے تیار ہوں اللہ تعالےٰ کے قُرب میں ان کا وُہ لوگ مقابلہ کیونکر کر سکتے ہیں جو اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھے ہوں اور اپنے دُنیاوی کاروبار میں ہر وقت مشغول ہوں۔

۱۴۸ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم جب ہجرت کر کے مدینہ طیّبہ تشریف فرما ہُوئے تو بعض مُسلمان اپنے عزیز و اقارب اور مال و جائداد وغیرہ کی وجہ سے مکّہ ہی میں رہ گئے۔ اور اس وقت جب کہ ہجرت فرض تھی ہجرت نہ کی۔ مرتے وقت فرشتوں سے جو اُن کا مکالمہ ہوگا اس کا ذِکر ہو رہا ہے۔ اس وقت ہجرت کے فرض ہونے کے دو سبب تھے۔ ایک تو مکّہ کی فضا ایسی ناسازگار تھی کہ کھُلم کھُلا شرک ہو رہا تھا۔ فسق و فجور کا بازار گرم تھا۔ عقیدۂ اسلامی کا اظہار اور عبادات کی بجا آوری از حد مشکل تھی اِن حالات

مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْۤا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً

کہا ہم تو بے بس تھے زمین میں فرشتوں نے کہا کیا نہیں تھی اللہ کی زمین کشادہ

فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾

تاکہ تم ہجرت کرتے اس میں یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور جہنم بہت بری پلٹ کر آنے کی جگہ ہے

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

مگر واقعی کمزور و بے بس مرد اور عورتیں اور بچے ۱۴۹ جو نہیں کر سکتے تھے

حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ

(ہجرت کی) کوئی تدبیر اور نہیں جانتے تھے (وہاں سے نکلنے کا) کوئی راستہ تو یہ لوگ ہیں جن کے بارے میں امید کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ درگزر

عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

فرمائے گا ان سے اور اللہ تعالیٰ درگزر فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے اور جو شخص ہجرت کرے گا اللہ کی راہ میں

يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ

پائے گا زمین میں پناہ کے لیے ۱۵۰ بہت جگہ اور کشادہ روزی اور جو شخص نکلے اپنے گھر سے

میں ایمان کے ضائع ہونے کا قوی اندیشہ تھا اس لیے ضروری تھا کہ جسے اپنا ایمان عزیز ہے وہ وہاں سے ہجرت کر جائے۔ اس کے علاوہ مدینہ طیبہ پر کفار ہر وقت حملہ آور ہوتے رہتے تھے۔ وہاں کے مسلمانوں کو شدید ضرورت تھی کہ ان کے دینی بھائی ان کے ساتھ آملیں اور ایسے مشکل اور نازک وقت میں ان کی تقویت کا باعث بنیں۔

۱۴۹؎ سابقہ آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہوا جنھوں نے طاقت رکھنے کے باوجود ہجرت نہ کی اور کفار کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرنے پر رضامند ہو گئے اب ان لوگوں کا ذکر ہے جو حقیقتاً معذور تھے۔

۱۵۰؎ صاحب کشاف نے مراغم کا معنی یہ بیان کیا ہے۔ مراغما: مهاجرا وطريقا يراغم بسلوكه قومه اويفارقهم على رغم انوفهم۔ (کشاف) یعنی مراغم کا معنی ہجرت گاہ یا ہجرت کا راستہ ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ کافر جو ہجرت کرنے سے اسے بزور روک رہے تھے ان کی ناک کو خاک میں ملا کر اس نے ہجرت کی۔ اپنا وطن، اپنے احباب وغیرہ چھوڑ کر غریب الوطنی

مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ

ہجرت کرکے اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف پھر آلے اس کو (راہ میں) موت تو ثابت ہوگیا اس کا اجر

عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝١٠٠ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ

اللہ کے ذمّہ ۱۵۱؎ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور جب تم سفر کرو ۱۵۲؎ زمین میں

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ

تو نہیں تم پر کچھ حرج اگر تم قصر کرو نماز میں اگر ڈرو تم

اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝١٠١

اس بات سے کہ تکلیف پہنچائیں گے تمھیں کافر بے شک کافر تو تمھارے کھُلے دُشمن ہیں

کی تکلیفوں کو قبول کرنا بڑی مشکل بات تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں گھربار چھوڑنے والوں کو خوشخبری دے رہے ہیں کہ گھبراؤ نہیں تمھیں بہترین رہنے کی جگہ اور فراخ روزی دیں گے۔

۱۵۱؎ بعض صحابہ ہجرت کے ارادہ سے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے راستہ میں ہی موت کا پیغام آگیا۔ ان کے متعلق ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ضرور اجر وثواب عطا فرمائے گا۔

۱۵۲؎ اس آیت کریمہ میں نماز کے قصر کرنے کا ذکر ہے۔ قصر کے یہ معنی ہیں کہ جن نمازوں میں فرضوں کی چار رکعت پڑھی جاتی ہیں ان میں بجائے چار کے دو رکعت پڑھنا۔ اس آیت میں اس کی اجازت دی جارہی ہے۔ اگرچہ آیت میں قصر کے لیے خوفِ کفّار بطور شرط مذکور ہے لیکن خوفِ کفّار کا ذکر بطور حقیقتِ حال کے تھا یعنی اس وقت مسلمانوں کے تمام سفر کفّار کے خوف سے گھرے ہوئے تھے۔ ورنہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنے تمام سفروں میں قصر فرمایا۔ یعلی بن امیّہ نے حضرت عُمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم تو امن میں ہیں پھر ہم قصر کیوں کرتے ہیں۔ فرمایا اس کا مجھے بھی تعجب ہوا تھا تو میں نے سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے دریافت کیا تو حضور نے فرمایا۔ "تلك صدقة تصدق الله بها عليكم فاقبلوا صدقته" تمھارے لیے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدقہ ہے تم اس کا صدقہ قبول کرو۔

مسئلہ۔ جس سفر میں قصر کیا جاتا ہے اس کی ادنیٰ مقدار اتنی ہے جتنی تین رات دن میں پیدل یا اُونٹ کی متوسط رفتار سے طے کی جاسکتی ہے۔ اس کی مقدار خشکی اور دریا اور پہاڑوں میں مختلف ہوجاتی ہے۔ اکثر فقہاء نے میدانی علاقہ کے لیے چھتیس کوس یا چوّن میل مقرر فرمائی ہے دوران سفر اگر کسی جگہ چودہ روز تک قیام کرنا ہو تو قصر کرتا رہے اس سے زیادہ ٹھیرے تو پھر پوری نماز ادا کرے۔

وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَوٰةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم

اور (اے حبیب!) جب آپ ان میں موجود ہوں اور قائم کریں آپ ان کے لیے نماز تو چاہیئے کہ کھڑا ہو ایک گروہ ان سے ۱۵۳

مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا أَسْلِحَتَهُمْ ۚ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَآئِكُمْ

آپ کے ساتھ اور وہ پکڑ رکھیں اپنے ہتھیار پس جب سجدہ کر چکیں تو وہ ہو جائیں تمہارے پیچھے

وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا

اور آ جائے دوسرا گروہ جس نے (ابھی) نماز نہیں پڑھی پس (اب) وہ نماز پڑھیں آپ کے ساتھ اور لیے رہیں

حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۗ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ

اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار تمنا کرتے ہیں کافر اگر تم غافل ہو جاؤ

أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَاحِدَةً ۚ وَ

اپنے اسلحہ سے اور اپنے ساز و سامان سے تو وہ لوٹ پڑیں تم پر یک بارگی اور

۱۵۳ نمازِ خوف کا مختصر طریقہ یہ ہے کہ پہلی جماعت اِمام کے ساتھ ایک رکعت پوری کر کے دشمن کے مقابل جائے اور دوسری جماعت جو دشمن کے مقابل کھڑی تھی وہ آ کر امام کے ساتھ دوسری رکعت پڑھے پھر فقط اِمام سلام پھیرے اور پہلی جماعت آ کر دوسری رکعت بغیر قرأت کے پڑھے اور سلام پھیر دے اور دشمن کے مقابل چلی جائے۔ پھر دوسری جماعت اپنی جگہ آ کر ایک رکعت جو باقی رہی تھی اس کو قرأت کے ساتھ پورا کر کے سلام پھیرے کیونکہ یہ لوگ مسبوق ہیں اور پہلی لاحق۔ حضرت ابنِ مسعودؓ سے سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کا اِس طرح نمازِ خوف ادا فرمانا مروی ہے۔ حضورؐ کے بعد بھی صحابہ نمازِ خوف پڑھتے رہے ہیں حالتِ خوف میں دشمن کے مقابل اِس اِہتمام سے نماز ادا کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کس قدر ضروری ہے (خزائن العرفان؛ حضرت صدر الافاضل مرادآبادی قدس سرّہ) یہ اہتمام اس وقت ضروری ہے جب ساری فوج ایک ہی اِمام کی اقتدا میں نماز ادا کرنا چاہتی ہو جیسے عہدِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلّم میں۔ اور جہاں ایسا نہ ہو اور لوگ الگ الگ اِماموں کے پیچھے نماز ادا کرنے پر معترض نہ ہوں تو پھر ایک جماعت اپنے اِمام کے پیچھے پوری نماز ادا کر لے اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل ڈٹی رہے جب پہلی جماعت فارغ ہو کر مورچے سنبھال لے تو پھر دوسری جماعت آ کر اپنے اِمام کی اقتدا میں نماز ادا کرے نیز یہ حکم اُس وقت کا ہے جب صفیں تو آراستہ ہوں اور لڑائی شروع نہ ہوئی ہو۔ اگر معرکہ جنگ جاری ہے اور مسلمان دشمنوں سے گتھم گتھا ہو

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى

نہیں کوئی حرج تم پر اگر ہو تمھیں تکلیف بارش کی وجہ سے یا ہو تم بیمار

اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ

تو اُتار دو اپنے ہتھیار مگر (دشمن کی نقل وحرکت سے) ہوشیار رہو بے شک اللہ نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے

عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا

عذاب رُسوا کرنے والا جب تم ادا کر چکو نماز ۱۵۴ے تو ذِکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے

وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ

اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے) پھر جب ۱۵۵ے مطمئن ہو جاؤ (دشمن کی طرف سے) تو ادا کرو نماز (حسبِ دستور) بے شک نماز

كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ

۱۵۶ے مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے اپنے اپنے مقررہ وقت پر اور نہ کمزوری دکھاؤ (دشمن) قوم کی تلاش میں ۱۵۷ے

چکے ہیں تو اُس وقت جماعت کا اہتمام ضروری نہیں۔ جیسے بن آئے خواہ فقط اشاروں سے ہی نماز ادا کرلیں اور اگر اتنی بھی فرصت نہ ہو تو بے شک اس وقت نماز کو ملتوی کردیں اور جب فراغت ہو تو ادا کریں جیسے غزوۂ خندق کے روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے چار نمازیں بعد میں ادا فرمائی تھیں۔

۱۵۴ے نمازِ خوف کا طریقہ تعلیم کرنے کے ساتھ یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگرچہ خوف کی حالت میں تم نماز کو اس کی اصلی ہیئت کے مطابق سکون وطمانینت سے ادا نہیں کر سکتے تو اپنی زبان و دِل کو تم جس حالت میں بھی ہو ذِکرِ الٰہی میں مصروف رکھو۔ تاکہ اس کی یاد میں غفلت نہ آنے پائے۔ اور جنگ کی حالت میں کثرت سے ذِکرِ الٰہی کرنے کی تاکید تو دُوسری متعدّد آیتوں میں آتی ہے مثلاً اذا لقیتم فئة فاثبتوا واذکروا اللّٰه کثیرا۔ جب دُشمن سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

۱۵۵ے اور جب خوف دُور ہو جائے تو پھر نماز کو اس کی اصلی ہیئت کے مطابق ادا کرو۔

۱۵۶ے نماز کے متعلق یہاں دو خصوصیّتوں کا ذِکر فرمایا کتابا اور موقوتا۔ کتاب کا مطلب تو یہ ہے کہ نماز کی ادائیگی تم پر فرض ہے تمھاری مرضی پر اس کا انحصار نہیں کہ موج میں آئے تو ادا کرلی اور موج میں نہ ہوئے تو چھوڑ دی۔ بلکہ مالک الملک شہنشاہِ دوجہاں کا تاکیدی حکم ہے اور اس کی ادائیگی تم پر فرض ہے موقوتا کا معنی ہے کہ اس کی ادائیگی کے لیے اوقات

إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ

اگر تمھیں دُکھ پہنچتا ہے تو انھیں بھی دُکھ پہنچتا ہے جیسے تھیں دُکھ پہنچتا ہے اور تم تو اُمید رکھتے ہو

اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٠٤﴾ إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ

اللہ تعالیٰ سے اس (ثواب) کی جس کی وُہ اُمید نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے بے شک ہم نے نازل کی ہے آپ کی طرف

الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن

یہ کتاب ۱۵۸؎ حق کے ساتھ تاکہ فیصلہ کریں آپ لوگوں میں اس کے مطابق جو دکھا دیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے اور نہ بنیئے ۱۵۹؎

مقرر ہیں۔ والمعنی عند اھل اللغة مفروض لوقتہٖ بعینہ یقال وَقَتَه فھو موقوت ووقّتہٗ فھو موقّتٌ (قرطبی) اِس لیے ہر نماز کو اپنے وقت پر ادا کرنا فرض ہے یہ نہیں کہ جب جی چاہا اُٹھ کھڑے ہُوئے اور دو تین ایک ساتھ پڑھ ڈالیں۔ایک فرقہ ایسا بھی ہے جو ظہر اور عصر کی نماز اور مغرب اور عشاء کی نماز ہمیشہ مِلا کر پڑھتا ہے پہلی دو نمازوں کا نام ظہرین اور دُوسری دو نمازوں کا نام مغربین رکھ دیا ہے۔اُنھیں چاہیئے کہ خُدا سے ڈریں۔ اس آیت میں غور کریں اور ہر نماز کو اللہ تعالےٰ کے رسُول ﷺ کے مقرر کردہ اوقات میں ادا کیا کریں۔ اِتنے اہم فریضہ کی ادائیگی میں اپنی مرضی اور منشاء سے کام لینا ان کے لیے روزِ قیامت پشیمانی کا باعث ہو گا۔

۱۵۷؎ دُشمن کے تعاقب میں سُستی نہ کرو۔ مانا کہ تمھیں اس سے بڑی تکلیف ہوتی ہے لیکن تمھارے دُشمن جو کُفر و شرک کو سر بلند کرنے کے لیے لڑ رہے ہیں انھیں بھی تو اسی طرح تکلیف و اذیّت پہنچتی ہے۔ اگر وُہ باطل کے لیے تمام سختیاں خوشی سے برداشت کر رہے ہیں تو تم حق کو فتحیاب کرنے کے لیے ان سے پیچھے کیوں رہتے ہو۔ تمھیں تو یہ اُمید ہے کہ اس جدّ و جہد سے اللہ تعالیٰ تم پر راضی ہو گا اور ان کے پیشِ نظر کوئی ایسا اعلیٰ اور پاکیزہ مقصد بھی نہیں۔ تو پھر تمھارا سُست و کاہل ہونا بہت تعجّب خیز اور حیرت افزا ہے۔

۱۵۸؎ یہ چند آیات ایک واقعہ کے متعلق نازل ہوئیں جو عہدِ رسالت میں وقوع پذیر ہُوا تھا۔ انصار کے بنی ظفر قبیلہ کے ایک شخص مسمّی طعمہ بن اُبَیرق نے اپنے ہمسایہ قتادہ رضی اللہ عنہ بن نعمان کے مکان میں نقب لگا کر کچھ زرہیں اور آٹا کی بوری چرالی اور ایک یہودی زید بن سمین کے ہاں جا کر رکھ آیا۔ صبح ہوئی اور حضرت قتادہ کو جب چوری کا پتہ چلا تو انھوں نے اپنے پڑوسی طعمہ سے دریافت کیا اس نے صاف انکار کر دیا اور قسم اُٹھائی کہ مجھے اس کے متعلق علم تک نہیں۔ اتفاق یہ ہُوا کہ آٹے کی بوری میں سُوراخ تھا جس سے آٹا گرتا گیا۔ اُنھوں نے اس گرے ہُوئے آٹے کے نشانات کا پیچھا کیا۔ چنانچہ وُہ یہودی کے مکان تک پہنچ گئے۔ تلاش کرنے پر مال مسرُوقہ برآمد ہو گیا۔ اُس یہودی نے کہا کہ میں چور نہیں بلکہ میرے پاس طعمہ یہ چیزیں رکھ گیا ہے

لِّلۡخَآئِنِيۡنَ خَصِيۡمًا ﴿۱۰۵﴾ وَّاسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا

بد دیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے ۱۶۰ اور مغفرت طلب کیجئے اللہ سے ۱۶۱ بے شک اللہ تعالیٰ غفور

کئی یہودیوں نے اس کی تصدیق کی طعمہ کے قبیلہ والوں نے کہا چلو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں چلیں۔ چنانچہ سب حاضر ہوئے۔ بنو ظفر کو اب علم ہو چکا تھا کہ چور یہودی نہیں بلکہ طعمہ ہے لیکن اپنی بدنامی کے خوف سے وہ طعمہ کو ہر طریقہ سے بری ثابت کرنا چاہتے تھے اس لیے اس کی حمایت میں بڑی سرگرمی دکھانے لگے۔ حتیٰ کہ حضورؐ کی جناب میں بھی عرض کرنے لگے کہ اگر فیصلہ طعمہ کے خلاف ہوا تو بے چارا ہلاک ہو جائے گا اور ذلت و رسوائی کی کوئی حد نہ رہے گی۔ اور یہودی جو اللہ اور اس کے رسولؐ کا دشمن ہے وہ صاف بری ہو جائے گا حضورؐ کو بھی خیال گزرا کہ بنو ظفر جو مسلمان ہیں سچے ہوں گے۔ چنانچہ کوئی فیصلہ صادر ہونے سے پہلے وحی الٰہی پہنچ گئی جس سے حقیقت حال آشکارا ہو گئی۔ ارشادِ ربّانی ہوا ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ اُتاری ہے تاکہ آپ اس علمِ یقینی کے مطابق فیصلہ صادر فرمایا کریں جو آپ کو اپنے رب کی طرف سے عطا فرمایا گیا ہے چنانچہ الشیخ رشید رضا لکھتے ہیں وتسمية اعلامه تعالى لنبيه بالاحكام اراءة يشعر بان علمه عليه السلام بها يقيني كالعلم بما يراه بعينه فى الجلاء والوضوح (المنار) یعنی احکام کے متعلق جو علم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عطا فرمایا اس کی تعبیر اراءة (دکھا دینا) سے کی ہے تاکہ یہ پتہ چل جائے کہ اس علم میں ظن و گمان کا احتمال نہیں رہا بلکہ ایسا یقینی اور قطعی ہے جیسے کسی چیز کا آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا جاتا ہے۔ اب آپ خود انصاف فرماویں کہ جس ذاتِ قدسی صفات کے سامنے آنے والے ہر حجاب کو اُٹھانے والا اللہ تعالیٰ ہو اُس کے علمِ وسیع پر ہم ایسوں کو زیب دیتا ہے کہ اعتراض کرتے پھریں۔

۱۵۹ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو منع فرمایا جا رہا ہے کہ آپ خائنوں کی طرفداری نہ کیا کریں۔ کیونکہ آپ کی ذات سے عدل و انصاف کی ساری عظمتیں وابستہ ہیں۔ انصاف کرتے وقت یہ دیکھنا کہ مسلمان کون ہے اور یہودی کون ہے آپ کی شان سے بہت فروتر ہے لیکن اس نہی سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ معاذ اللہ حضورؐ نے خائنوں کی طرفداری کی تھی اس لیے آپ کو منع کیا گیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ جیسے پہلے آپ نے طرفداری نہیں کی ویسے آئندہ بھی طرفداری نہ کریں چنانچہ مولانا تھانوی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں "پس آپ کی حالت اور نہی کے مجموعہ سے حاصل یہ ہو گا کہ جیسے اب تک طرفداری نہیں کی آئندہ بھی نہ کیجئے۔ اور یہ انتظامات بھی مکمل عصمتِ نبویہ کے ہیں" (بیان القرآن)

۱۶۰ اگرچہ خائن اور چور ایک تھا لیکن کیونکہ اس کا قبیلہ بنو ظفر اس کی حمایت میں کھڑا ہو گیا تھا اس لیے سارے قبیلہ کو خائن کہا گیا معلوم ہوا کہ خائن کی اعانت سے بھی آدمی کا شمار خائنوں میں ہو جاتا ہے۔ طعمہ کا انجام یہ ہوا کہ وہ وہاں سے بھاگ کر مکہ آ گیا۔ ایک رات وہاں بھی نقب لگا رہا تھا کہ دیوار گر پڑی اور وہ اس کے نیچے دب کر ہلاک ہو گیا۔

۱۶۱ کس کے لیے استغفار کرنے کا حکم ہو رہا ہے؟ امام رازیؒ نے یہاں تین وجوہات بیان فرمائی ہیں:-

(۱) طعمہ کے مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کی نصرت کا جو (ہلکا سا) خیال خاطر مبارک میں گزرا تھا اس سے طلب مغفرت کا

رَّحِیْمًا ﴿۱۰۶﴾ وَ لَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

رحیم ہے اور مت جھگڑیں آپ اُن کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنے آپ سے ۱۶۲ بے شک اللہ تعالیٰ

لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِیْمًا ﴿۱۰۷﴾ یَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ

نہیں دوست رکھتا اسے جو بڑا بددیانت (اور) بدکار ہے وُہ چھپا سکتے ہیں (اپنے ارادے) لوگوں سے ۱۶۳ لیکن

لَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَا لَا یَرْضٰی

نہیں چھپا سکتے اللہ تعالیٰ سے اور وُہ تو (اس وقت بھی) ان کے ۱۶۴ ساتھ ہوتا ہے جب راتوں کو مشورہ کرتے ہیں ایسی باتوں کا

حُکم مِل رہا ہے۔ (۲) طعمہ کی قوم بنی ظفر کی شہادت کے باعث یہُودی کو مُجرم ٹھیرانے کا جو واہمہ سا ہوا تھا اس کے متعلق استغفار کا حکم ہوا۔ اِمام فرماتے ہیں کہ اگر یہ وجُوہات ہوں تو آپ کا یہ خیال حسنات الابرار سیئات المقربین کی قسم سے ہے کہ آپ کا مقام اِتنا ارفع اور اِتنا بلند ہے کہ ایسا واہمہ بھی اس کو زیبا نہیں اور تیسری وجہ امام رازیؒ نے یہ ذِکر کی ہے واستغفر لاولئك الذین یذبون عن طعمة ویریدون ان یظهروا براءته کہ آپ ان لوگوں کے لِیے مغفرت طلب کیجیے جن سے طعمہ کی اعانت سرزد ہوُئی ہے آخر وُہ بھی مُسلمان ہیں اور آپ کے غُلام!

۱۶۲ صاحبِ کشاف لِکھتے ہیں جعلت معصیة العصاة خیانة منهم لانفسهم لان الضرر راجع الیهم یعنی کیونکہ ان کی خیانت کا وبال انھیں پر لوٹ کر پڑنے والا ہے۔ اِس لِیے گویا وُہ کِسی دُوسرے کے ساتھ خیانت نہیں کر رہے بلکہ اپنے آپ سے خیانت کر رہے ہیں۔ مولینا مودُودی نے یہاں ایک نہایت لطیف نکتہ بیان فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں جو شخص دُوسرے کے ساتھ خیانت کرتا ہے وُہ دراصل سب سے پہلے خود اپنے نفس کے ساتھ خیانت کرتا ہے۔ کیونکہ دل اور دماغ کی جو قوتیں اس کے پاس بطور امانت ہیں ان پر بے جا تصرّف کر کے وُہ انھیں مجبُور کرتا ہے کہ خیانت میں اس کا ساتھ دیں۔ اور اپنے ضمیر کو جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے اخلاق کا محافظ بنایا تھا اس حد تک دبا دیتا ہے کہ وُہ اس خیانت کاری میں سدِّراہ بننے کے قابل نہیں رہتا۔ جب اِنسان اپنے اندر اس ظالمانہ دست بُرد کو پایۂ تکمیل تک پہنچا لیتا ہے تب کہیں باہر اس سے خیانت و معصیت کے افعال صادر ہوتے ہیں۔ (تفہیمُ القرآن)

۱۶۳ اس میں بنوظفر کو سرزنش کی جا رہی ہے۔

۱۶۴ اللہ تعالیٰ کا بندے کے ساتھ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی ذات وہاں موجُود ہوتی ہے۔ کیونکہ کسی مکان میں پایا جانا جسم کی صِفت ہے اور ذاتِ الٰہی اس سے منزّہ اور پاک ہے۔ اہل سُنّت کے نزدیک معیّت کا معنی ہے ای بالعلم والرؤیة والسمع یعنی اپنے عِلم سے وُہ اپنے بندے کے ساتھ ہے اُس کو اور اُس کی ہر حرکت کو دیکھتا ہے

مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۝۱۰۸ هٰۤاَنْتُمْ

جو پسند نہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ جو کچھ وُہ کرتے ہیں اسے گھیرے ہُوئے ہے سُنتے ہو !

هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ

تم وُہ لوگ ہو کہ جھگڑتے ہو ان کی طرف سے دُنیا کی زندگی میں ۱۶۵ پس کون جھگڑے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ

عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝۱۰۹ وَمَنْ يَّعْمَلْ

ان کی طرف سے قیامت کے دن یا کون ہو گا (اس روز) ان کا وکیل اور جو شخص کر بیٹھے

اوراس کی ہر بات کو سُنتا ہے۔صاحبِ کشاف لکھتے ہیں:" یہ آیت ان لوگوں کو اپنا ماتم کرنے کے لیے کافی ہے جو یہ ایمان رکھتے ہُوئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہیں اس کے درمیان اور ہمارے درمیان کوئی حجاب بھی نہیں اور وُہ ہمارے کسی عمل سے غافل بھی نہیں اور پھر وُہ اس سے نہیں شرماتے۔ اور نہ اس سے ڈرتے ہیں" اگر ہم کسی آدمی کی موجودگی میں کوئی بُری حرکت کرنے کی جرأت نہیں کرتے تو کیا یہ وقاحت و بے حیائی کی حد نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہم بے جھجک گناہ پر گناہ اور قصور پر قصور کرتے چلے جائیں۔

۱۶۵ قرابت یا دوستانہ تعلقات کی بنا پر لوگ مجرم کی اعانت کرنے سے باز نہیں آتے بلکہ بسا اوقات وُہ اسے اپنی ذاتی یا قبیلہ کی عزّت کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ ہر ممکن حیلہ سے اسے بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔جس طرح بنو ظفر کا طرزِ عمل آپ سُن چکے ہیں۔ ایسے لوگوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اس دُنیا میں تو تم جھوٹی قسمیں کھا کر اور جھوٹی گواہیاں دے کر ان کو بے گناہ ثابت کر لوگے ذرا یہ تو بتاؤ کہ قیامت کے روز ان کی صفائی کس منہ سے پیش کرو گے۔ اس مجرم دوست اور گنہ گار رشتہ دار کو خداوند ذوالجلال کی گرفت سے کیونکر بچاؤ گے۔ کس میں یہ دم خم ہے کہ اس کا وکیل بن کر بارگاہِ الٰہی میں پیش ہو اور اس کو رہا کرا سکے۔

اِن آیات میں اُمّتِ مُسلمہ کی تربیت کی جا رہی ہے اور ان کو یہ سبق ذہن نشین کرایا جا رہا ہے کہ وُہ گناہ اور گنہگار کے خلاف متحدہ محاذ قائم کریں تاکہ اسلامی معاشرہ گناہوں کی آلائش و عفونت اور گنہگاروں کی فساد انگیزیوں سے پاک ہو جائے۔ جرم کسی سے سرزد ہو اس کو اس کی سزا بھگتنے دی جائے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اگر لوگ مجرموں کی پشت پناہی کرنا ترک کر دیں اور قانون کی تنفیذ میں آڑے نہ بنیں تو جرائم کا استیصال کرنے میں زیادہ دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ مُسلمان جو یوم الحساب پر یقین رکھتے ہیں ان کے لیے تو کسی حالت میں جائز نہیں کہ وُہ گناہوں کے خلاف جہاد کرنے کے بجائے گنہگار کی اعانت کرنے لگیں اور اس طرح بُرائیوں کے فروغ کا باعث بنیں۔

سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾

بُرا کام یا ظلم کرے اپنے آپ پر پھر مغفرت مانگے اللہ تعالیٰ سے تو پائے گا اللہ تعالیٰ کو بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ۱۶۶

وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا

اور جو کمائے گناہ کو تو وُہ کماتا ہے اُسے اپنے لیے ۱۶۷ اور اللہ تعالیٰ علیم (و)

حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ

حکیم ہے اور جو شخص کمائے کوئی خطا ۱۶۸ یا گناہ پھر تہمت لگائے اس سے کسی بے گناہ کو تو اس نے

احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ ع وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ

اُٹھالیا (بوجھ) بہتان کا اور کھلے گناہ کا اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل آپ پر ۱۶۹ اور اس کی رحمت

۱۶۶ گناہ کا سرزد ہو جانا بعید از امکان نہیں۔ بسا اوقات انسان جذبات سے مغلوب ہو کر یا نادانی اور ناسمجھی سے غلطی کر بیٹھتا ہے۔ اب اس کے لیے یہ ہرگز روا نہیں کہ وُہ اپنے گناہ پر پردہ ڈالنے کی کوشش شروع کر دے۔ اس کے لیے مُناسب یہ ہے کہ اپنے غفور و رحیم خدا کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے قصور کا اعتراف کرے۔ اس پر صدقِ دل سے ندامت و شرمندگی کا اظہار کرے اور پختہ وعدہ کرے کہ آئندہ وُہ ایسی ناشائستہ حرکت ہرگز نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے دامنِ رحمت میں پناہ دے گا اور اس کے گناہوں کو بخش دے گا۔

۱۶۷ بدکار مجرم درحقیقت اپنا ستیاناس کر رہا ہے دُوسروں کو تو اذیّت یا نقصان بعد میں پہنچے گا اس کی تباہی و بربادی کا سامان پہلے ہو جائے گا۔ جس شخص کو اپنا مفاد عزیز ہو اور جو اپنی سلامتی کا خواہاں ہو اسے تو گناہوں کے قریب بھی نہیں پھٹکنا چاہیئے۔

۱۶۸ گنُاہ سرزد ہونے کے بعد چاہیئے تو یہ کہ انسان اس پر نادم و شرمسار ہو کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں مغفرت کا طالب ہو لیکن جو شخص گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور پھر اس پر نادم ہونے کے بجائے اپنی برأت ثابت کرنے کے لیے اس گناہ کا الزام کسی بے گناہ پر تھوپتا ہے تو اس سے بڑھ کر کمینہ اور دُوں فطرت کون ہو سکتا ہے۔ ایسے شخص نے اپنے آپ کو دوہرے گناہ کا مجرم بنا دیا ہے ایک گناہ دُوسرا بہتان۔ اسے سزا بھی اَب دوہری ملے گی۔

۱۶۹ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پر اپنے فضل و کرم اور عنایاتِ بے پایاں کا ذکر فرماتے ہیں کہ اے میرے محبوب بندے اس خاص واقعہ میں اگر ہمیشہ کی طرح اللہ کا فضل و احسان تیرے شاملِ حال نہ ہوتا تو اُنھوں نے تو ایک غلط فیصلہ آپ سے کرانے کا ارادہ

لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ

تو تہیہ کر لیا تھا ایک گروہ نے اُن سے کہ غلطی میں ڈال دیں آپ کو اور نہیں غلطی میں ڈال رہے مگر اپنے آپ کو

وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

اور نہیں ضرر پہنچا سکتے آپ کو کچھ بھی اور اتاری ہے اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت ۱۷۷

کر ہی لیا تھا لیکن جب فضلِ خداوندی تجھ پر سایہ فگن اور عصمتِ ربّانی تیری دستگیر ہے تو وہ تجھے کیسے غلط راہ پر ڈال سکتے ہیں ہاں اُنھوں نے ایسا خیال کر کے اپنا ہی کچھ بگاڑا ہے۔

۱۷۷ عنایاتِ ربّانی میں سے خاص خاص عنایات کا ذکر فرما دیا کہ آپ کو کتاب و حکمت دی اور آپ کو جملہ اُن امُور کا علم عطا فرمایا جن کا پہلے آپ کو علم نہ تھا۔ آیت کے اس حصّہ کی جو تفسیر امام المفسّرین ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اسی کے لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں: ومن فضل اللہ علیك یا محمّد مع سائر ما تفضل به علیك من نعمه انه انزل علیك الکتاب وھو القرآن الذی فیه بیان کل شیئ وھدی وموعظة والحکمة یعنی وانزل علیك مع الکتاب الحکمة وھی ما کان فی الکتاب مجملا ذکرہ من حلاله وحرامه وامرہ ونھیه واحکامه ووعدہ ووعیدہ وعلمك مالم تکن تعلم من خبر الاولین والآخرین وما کان وما ھو کائن (تفسیر ابن جریر ۱۷۵/۵) یعنی اے مصطفےٰ اللہ تعالےٰ نے اپنے بے پایاں احسانات سے آپ پر یہ بھی خاص احسان فرمایا کہ آپ کو قرآن جیسی کتاب سے نوازا جس میں ہر چیز کا بیان ہے نیز اس میں ہدایت کا نور بھی ہے اور پند و نصیحت بھی ایسی جامع کتاب کے ساتھ حکمت یعنی قرآن کے حلال و حرام، اوامر و نواہی وغیرہ کے اجمال کی تفصیل بھی نازل کی۔ نیز آپ کو ان امُور کا علم عطا فرمایا جن کا پہلے آپ کو علم نہ تھا یعنی گزرے ہوئے اور آنے والے لوگوں کی خبروں کا علم جو کچھ ہو چکا (ما کان) اور جو کچھ ہونے والا (وما ھو کائن) ہے اس کا علم بھی عنایت فرمایا۔ امام ابن جریر کے یہ الفاظ کہ اللہ نے اپنے نبی کریم کو علم ما کان وما ھو کائن عطا فرمایا تھا۔ بعینہٖ یہی الفاظ امام مُسلمؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو زید عمرو بن اخطب سے روایت کیے ہیں۔ پوری حدیث بمعہ ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے:۔

حدثنی ابو زید قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الفجر وصعد المنبر فخطبنا حتی حضرت الظھر فنزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت العصر ثم نزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی غربت الشمس فَاَخْبَرَنَا بِمَا کَانَ وَبِمَا ھُوَ کَائِنٌ فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا۔

ترجمہ۔ ابو زید (عمرو بن اخطب) فرماتے ہیں کہ حضورؐ نبی کریمؐ نے صبح کی نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطبہ ارشاد فرماتے رہے یہاں تک کہ نمازِ ظہر کا وقت ہو گیا۔ حضورؐ منبر سے اُترے، نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

اور سکھا دیا آپ کو جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے ۱۷۱

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ

نہیں کوئی بھلائی ان کی اکثر سرگوشیوں میں ۱۷۲ بجز ان لوگوں کے جو حکم دیں صدقہ دینے کا یا نیک کام کا

ہو کر خطبہ شروع کیا یہاں تک کہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا حضور نیچے تشریف لائے اور عصر کی نماز پڑھائی پھر منبر پر جلوہ فروز ہو کر اپنا خطبہ جاری فرمایا اور یہ خطبہ غروب آفتاب تک جاری رہا۔ اس طویل خطبہ میں (جو صبح سے شام تک جاری رہا) حضور نے ہمیں (ماکان) جو کچھ پہلے گزر چکا تھا کی بھی خبر دی اور (ماھو کائن) جو کچھ ہونے والا تھا اس کی بھی خبر دی ہم میں سے بڑا عالم وہ ہے جسے یہ خطبہ زیادہ یاد ہے۔ (مسلم صفحہ ۲۹۰۔ جلد ۲ مطبوعہ اصح المطابع کراچی)

اس کے علاوہ بے شمار صحیح احادیث ہیں جن سے حضور پرنور کے علم وسیع کا پتہ چلتا ہے۔ امام بوصیری نے شاعرانہ مبالغہ سے کام نہیں لیا تھا بلکہ حقیقت کا اظہار فرمایا تھا جب انہوں نے اپنے مشہور قصیدہ میں بارگاہِ رسالت میں عرض کی تھی

وان من جودك الدنيا وضرتها ومن علومك علم اللوح والقلم

(اے نبی رحمت! دنیا اور آخرت آپ ہی کی سخاوت سے ہے۔ اور لوح وقلم کا علم آپ کے علم کے بحر بیکراں کا ایک حصہ ہے)

اللہ تعالیٰ کا علم، ماکان ومایکون کے علم میں منحصر نہیں تا کہ مساوات کا شبہ ہو۔ بلکہ اس علم کو تو علم الٰہی سے اتنی نسبت بھی نہیں جو قطرے کو سمندر سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم حبیب معظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جن بے پایاں علوم سے نوازا اور اسرار ومعارف کے جن خزانوں سے آپ کے سینہ کو لبریز فرمایا ان کا ذکر قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آپ کو ملے گا۔ جن کے پڑھنے اور سمجھنے سے آپ کے دل کو اطمینان نصیب ہو گا۔ خصوصاً سورہ النمل کی آیت ۶۵ ضیاء القرآن جلد سوم اور سورہ الم نشرح کی پہلی آیت ضیاء القرآن جلد پنجم کا مطالعہ فرمائیے۔

۱۷۱ کتنا پیارا جملہ ہے۔ جس ذات اقدس واطہر پر اللہ کا فضل ہو اور فضل بھی تھوڑا سا نہیں، محدود سا نہیں بلکہ فضل عظیم ہو تو اس کے علوم ومعارف کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

۱۷۲ علامہ قرطبی لفظ نجویٰ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ لفظ نجوت الشیئ انجوہ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کو خالص اور منفرد کر لینا۔ اسی مناسبت سے دو آدمی جو دوسرے لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر باتیں کرتے ہیں اس کو نجویٰ کہتے ہیں۔ یہ مصدر ہے اور سرگوشی کرنے والی جماعت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے (واذ ھم نجوی)

اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ

یا صلح کرانے کا لوگوں میں اور جو شخص کرے یہ کام ۱۷۳؎ اللہ تعالیٰ کی رضامندیاں

اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ

حاصل کرنے کے لیے تو ہم عطا فرمائیں گے اسے اجرِ عظیم اور جو شخص مخالفت کرے ۱۷۴؎ (اللہ کے) رسولؐ کی اس کے

بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ

بعد کہ روشن ہوگئی اس کے لیے ہدایت کی راہ اور چلے اس راہ پر جو الگ ہے مسلمانوں کی راہ سے تو ہم پھرنے دیں گے

مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ؑ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ

اُسے جدھر وُہ خود پھرا ہے ۱۷۵؎ اور ڈال دیں گے اُسے جہنم میں اور یہ بہت بُری پلٹنے کی جگہ ہے بے شک اللہ تعالےٰ نہیں بخشتا اس (جرمِ عظیم) کو

ع ۱۷ / ۱۴

اِس آیت میں ارشاد ہو رہا ہے کہ ان کے جو اکثر خفیہ اجلاس ہوتے رہتے ہیں اور ان میں بڑی رازدارانہ باتیں ہوتی ہیں یہ سب تضیع اوقات ہے۔ باہمی گفتگو تو وُہ اچھی ہے جس میں ان معاملات پر غور کیا جائے کہ کسی ضرورت مند کی کیسے حاجت روائی کی جائے، اصلاحی منصوبوں اور نیکی کے کاموں کو کیسے عملی جامہ پہنایا جائے۔ لوگوں میں فتنہ و فساد کی جو آگ بھڑک رہی ہے اُسے کیسے فرو کیا جائے معرُوف کا لفظ ہر نیکی کو شامل ہے۔ دو ناراض آدمیوں میں صلح کرانا اگرچہ معرُوف کے ضمن میں بھی آگیا تھا لیکن اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کو مستقلاً علیحدہ ذکر فرمایا۔

۱۷۳؎ یعنی اِس ساری تگ و دو کے پیشِ نظر دُنیاوی عزّ و جاہ اور چودھراہٹ کا حصول نہ ہو بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہو۔ تو اسے اجرِ عظیم کی بشارت ہے۔

۱۷۴؎ المشاقّة: المعاداة (قرطبی) مشاقت کا معنی عداوت و مخالفت ہے۔ یہ دو آیتیں بھی سابقہ چور طعمہ بن اُبیرق کے متعلق ہی نازل ہُوئیں لیکن ان کا مفہوم عام ہے۔ طعمہ کا انجام آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔

۱۷۵؎ علاّمہ بیضاوی اِس جُملہ کا معنی لکھتے ہیں۔ نجعله واليا لما تولى من الضلال ونخلى بينه وبين ما اختاره۔ جس کُفر و گمراہی کی طرف وُہ دانستہ پھر گیا ہے ہم اس میں حائل نہ ہوں گے اور اسے ادھر ہی پھرنے دیں گے۔ یہی معنی زیادہ موزُوں معلوم ہوتا ہے۔ اس بدنصیب کا کیا حال ہو گا رحمت و توفیقِ الٰہی نے جس کی دستگیری چھوڑ دی ہو۔ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی مخالفت اور اجماعِ اُمّت کی مخالفت سے انسان توفیقِ الٰہی سے محرُوم ہو جاتا ہے اور شیطان کے ہاتھ میں محض ایک کھلونا بن کر رہ جاتا ہے اور وُہ جیسے چاہتا ہے اُسے تگنی کا ناچ نچاتا ہے۔

اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ

کہ شریک ٹھیرایا جائے اس کے ساتھ اور بخش دیتا ہے اس کے ماسوا جتنے جرم ہوں جس کے لیے چاہتا ہے اور جو شریک ٹھیرائے (کسی کو)

بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۱۱۶ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ

اللہ کے ساتھ تو وُہ گمراہ ہوا اور گمراہی میں دُور نکل گیا نہیں عبادت کرتے یہ مشرک اللہ کے سوا

اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝۱۱۷ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ

مگر دیویوں کی ۱۷۷ اور نہیں عبادت کرتے مگر شیطان سرکش کی ۱۷۸ لعنت کی ہے اس پر اللہ نے اور اس نے کہا تھا

۱۷۶ اس کے لیے آیت نمبر ۴۸ کا حاشیہ ملاحظہ فرمایا جائے۔

۱۷۷ پہلے شرک کے متعلق مکرّر تصریح کی کہ یہ جرم قابلِ عفو نہیں۔ اب مشرکین کی حماقت اور سفاہت کا بیان ہو رہا ہے کہ وُہ اگر خدا کا شریک ٹھیراتے ہیں تو کس کو؟ ان لکڑی اور پتھر کے بنے ہُوئے بُتوں کو۔ ان کے معبُودوں کو اناث (عورتیں) کہا گیا ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان کے بیشتر معبُودوں کے نام عورتوں کے سے تھے جیسے لات، منات، عزیٰ وغیرہ۔ دُوسری وجہ یہ ہے کہ ہر قبیلہ جس بُت کی پرستش کیا کرتا تھا اسے انثیٰ بنی فلاں کہا جاتا تھا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ کیونکہ وُہ بے جان مُورتیاں تھیں اس لیے انھیں اناث سے تعبیر کیا گیا۔ کیونکہ مؤنّث بھی انفعال پذیر ہُوا کرتی ہے یعنی دُوسرے کا اثر قبول کرتی ہے اور کسی میں اثر نہیں کرتی اسی طرح یہ لکڑی پتھر وغیرہ بھی مؤنّث کی طرح صرف منفعل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں فاعل نہیں ہوتے اس لیے انھیں اناث کہا گیا۔ (بیضاوی) لفظ یدعون کا معنی ابن جریر، زمخشری، بیضاوی، قرطبی وغیرہم نے یعبدون (عبادت کرتے ہیں) کیا ہے اور مولانا تھانوی نے اس آیت کا ترجمہ یُوں کیا ہے "یہ لوگ خدا تعالےٰ کو چھوڑ کر صرف چند زنانی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں اور صرف شیطان کی عبادت کرتے ہیں" (بیان القرآن) تفہیم القرآن میں اس کا ترجمہ یُوں درج ہے "وُہ اللہ کو چھوڑ کر دیویوں کو معبُود بناتے ہیں وہ اس باغی شیطان کو معبُود بناتے ہیں"

۱۷۸ المرید العاتی المتمرّد یعنی نافرمان اور سرکش کو مَرِید کہتے ہیں۔ مشرکین شیطان کی بلاواسطہ تو عبادت نہیں کیا کرتے تھے لیکن جب اُنھوں نے شیطان کے بہلانے پھسلانے سے اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت چھوڑ کر ان دیویوں کی عبادت شروع کر دی تو گویا اُنھوں نے اپنے نفسوں کی باگ ڈور شیطان کے ہاتھ میں دے دی اور اس کی اطاعتِ کاملہ پر راضی ہوگئے تھے اس لیے گویا وُہ دُوسرے معنوں میں شیطان ہی کی پُوجا کیا کرتے تھے۔ دیکھئے اوّل تو اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کو معبُود بنانا، اس سے بڑھ کر ضلالت کیا ہو سکتی ہے پھر بنایا تو کن کو؟ پتھروں کو جن میں کسی قسم کی حس و حرکت بھی نہیں اور عورتوں کے نام سے موسُوم ہیں۔ اور کس کے بتلانے سے؟ شیطان مردُود و ملعُون خداوندی کے بہکانے سے۔ کیا اس ضلالت

لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَ

کہ میں ضرور لوں گا تیرے بندوں سے (اپنا) حصہ مقرر ۱۷۹؎ اور میں ضرور انھیں گمراہ کروں گا اور

لَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ

میں ضرور انھیں ۱۸۰؎ جھوٹی امیدوں میں رکھوں گا اور میں ضرور حکم دوں گا انھیں ۱۸۱؎ پس وہ ضرور چیریں گے جانوروں کے کان اور میں

فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ

انھیں حکم دوں گا تو وہ ضرور بدل ڈالیں گے اللہ کی مخلوق کو ۱۸۲؎ اور جو شخص بنالے شیطان کو (اپنا) دوست اللہ کو چھوڑ کر

اور جہالت کی نظیر مل سکتی ہے (حاشیہ محمود الحسن صاحب)

۱۷۹؎ جب آدم کو سجدہ نہ کرنے کے باعث شیطان راندۂ درگاہِ رحمت ہوگیا تو اس نے اسی وقت دل میں اولادِ آدم کو گمراہ کرنے کی ٹھان لی اور صاف صاف اس کا اظہار بھی کر دیا جس کا بیان اس آیت میں موجود ہے۔

۱۸۰؎ امنیة۔ جھوٹی اُمید کو کہا جاتا ہے۔ شیطان متاعِ ایمان کو لوٹنے کے لیے انسان کے سامنے کس طرح اُمیدوں کے محلات تعمیر کرتا ہے کس طرح وہ خواہشات کی حسین وجمیل دنیا آنکھوں کے سامنے لاکھڑی کرتا ہے۔ کس طرح جاہ ومنصب کے زرتار جال بُن کر طائرِ عقل کو پھنساتا ہے یہ بات کسی توضیح کی محتاج نہیں۔ اور اس کی مہارت کی داد دیجئے کہ وہ امیدوں اور توقعات کے سنہرے جال ایک ہی شکل کے تیار نہیں کرتا بلکہ جس اُمید سے وہ کسی کو زیادہ فریب دے سکتا ہے اس کے لیے اسی قسم کا جال بُنتا ہے۔ وادعو کلا منهم الی ما يميل طبعه اليه فاصده بذالك عن الطاعة (روح) یعنی میں ہر شخص کو اس کی دعوت دوں گا جس کی طرف اس کی طبیعت مائل ہوتی ہے۔ اس طرح میں اُسے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے روک دوں گا۔

۱۸۱؎ کفارِ عرب اس اُونٹنی کو جو پانچ بچے جنتی اور پانچواں نر ہوتا اُس کے کان چھید کر بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے اور اس سے کسی قسم کا کام نہ لیتے۔

۱۸۲؎ تغییرِ خلق سے مراد کسی جانور کے کان کاٹ دینا، کسی مرد کو خصّی کر دینا، عورتوں کا بال کٹا کر اپنی انوثیت کو بگاڑ کر مردوں کی مشابہت اختیار کرنا، مردوں کا داڑھی منڈانا وغیرہ اعمال ہیں بعض علمائے کرام نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ جس مقصد کے لیے کسی چیز کی تخلیق اس کے خالق نے فرمائی ہے اس کے خلاف اس کو استعمال کرنا مثلاً سورج، دریا اور پتھر وغیرہ جو انسان کی خدمت گذاری کے لیے پیدا کیے گئے ہیں ان کو اپنا معبود بنا لینا بھی تغییرِ خلق میں داخل ہے صاحب کشاف نے اس کی تشریح کی "فطرة الله التی هی دين الاسلام" یعنی تغییر خلق سے مراد دینِ اسلام جو دینِ فطرت

اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿١١٩﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۖ وَمَا

تو نقصان اُٹھایا اس نے کھلا نقصان شیطان (جھوٹے) وعدے ۱۸۳ کرتا ہے اُن سے اور (غلط) اُمیدیں

يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿١٢٠﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا

دلاتا ہے اِنھیں اور نہیں وعدہ کرتا ان سے شیطان مگر فریب کا یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے ۱۸۴ اور نہ

يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿١٢١﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

پائیں گے اس سے بچ نکلنے کی جگہ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے

سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

داخل کریں گے ہم انھیں ان باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں ہمیشہ ہمیشہ اس میں

اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿١٢٢﴾ لَيْسَ

رہیں گے (یہ) اللہ کا سچّا وعدہ ہے ۱۸۵ اور کون زیادہ سچّا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کرنے میں (نجات کا انحصار) نہ

ہے اس میں ردّوبدل اور کانٹ چھانٹ کرنا اور اس کا حلیہ کچھ سے کچھ کر دینا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قرآن حکیم کا یہ لفظ ان تمام معانی پر مشتمل ہے۔ ہر ایک نے اپنی فکر کے مطابق اس سے استفادہ کیا ہے۔

۱۸۳ یعنی شیطان کا تو کام ہی صرف وعدے کرنا اور اُمیدوں کے سبز باغ دکھانا ہے۔ اس کے بازار کی ساری رونقیں اور اس کی جنسِ عصیاں کی بڑھتی ہوئی مانگ کا سارا دارومدار انھیں کبھی نہ پُورے ہونے والے وعدوں اور کبھی نہ برآنے والی اُمیدوں پر ہے۔ ان آیات کے نزول کا مقصد بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ نیکی کی جو صلاحیتیں ہم میں موجود ہیں ان کو خوابِ غفلت سے جھنجھوڑا جائے اور ہمیں غیرت دلائی جائے کہ یہ شیطان آنکھیں بند کیے جس کی ہر بات مانتے چلے جا رہے ہو یہ وُہی تو ہے جو تمھارا روزِ ازل کا دُشمن ہے اور اس نے تمھیں اسی دن اپنا نخچیرِ زبوں بنانے کا اعلان کیا تھا۔ وُہ تمھاری متاعِ عقل و دیں لوٹتا چلا جا رہا ہے! اور تم ہو کہ اپنے ربِ کریم کی طرف سے منہ موڑ کر اپنے اُس کھلے دُشمن کے پیچھے سرپٹ دوڑتے چلے جا رہے ہو اور یہ دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے کہ وُہ خُلدِ بریں سے نکال کر تمھیں سرابِ وہم و گمان کی طرف لیے جا رہا ہے۔ اگر انسان کا ذوقِ سلیم بے حس نہ ہو چکا ہو تو خیر و تقویٰ کے جذبات کو سرگرمِ عمل کرنے کا یہ کتنا مؤثر اسلوب ہے۔

۱۸۴ جو ایسی دل ہلا دینے والی تنبیہات کے باوجُود بھی شیطان کے چنگل سے رہائی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے ان کا انجام ملاحظہ ہو۔

بِاَمَانِیِّكُمْ وَ لَاۤ اَمَانِیِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ ۙ وَ

تمھاری جھوٹی اُمیدوں پر ہے اور نہ ۱۸۶؎ اہل کتاب کی جھوٹی اُمیدوں پر (بلکہ) جو عمل کرے گا بُرے اُسے سزا ملے گی اس کی اور

لَا یَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَ مَنْ یَّعْمَلْ

نہ پائے گا اپنے لیے اللہ کے بغیر کوئی دوست اور نہ مددگار اور جس نے عمل کیے

مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ

اچھے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وُہ مومن ہو ۱۸۷؎ سو وُہی لوگ داخل ہوں گے

۱۸۵؎ شیطان کے سارے وعدے تو جھوٹے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا ہے وُہ یقیناً اُسے پُورا فرمائے گا۔

۱۸۶؎ یعنی اللہ کی جانب سے جس اجرِ عظیم اور جنت الخلد کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے اس کے تم اس طرح مستحق نہیں بن سکتے کہ کرو کچھ نہیں اور سمجھو یہ کہ سب کچھ ہمارے لیے وقف ہے۔ ایسا نہیں بلکہ یہ تو اس کو ملے گا جو سچا مومن بھی ہو اور اس کے اعمال بھی اچھے ہوں۔ کیا صاف صاف بتا دیا تاکہ کوئی کسی دھوکہ میں مبتلا ہو کر ان فرصت کے لمحات کو ضائع ہی نہ کر دے۔ اب بھی اگر کوئی عمل صالح کی اہمیت کا اعتراف نہیں کرتا تو اسے خود فریب نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے۔ مسلمانوں کے ساتھ اہل کتاب کے ذکر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کے سامنے ایک ایسی قوم کی زندہ مثال پیش کی جا رہی ہے جو صرف توقعات اور امیدوں کی آغوش کی پروردہ تھی۔ یہی ڈینگیں مارتے رہے کہ نحن ابناؤ اللہ واحباءہ اور ہمیں دوزخ کی آگ نہیں جلائے گی اور ہم افضل ترین امم ہیں اور زندگی کے وہ سنہری لمحات ضائع کر دیئے یعنی حضور رحمۃ للعالمین کے حلقۂ غلامی کے شرف سے محروم رہ گئے۔ آفتابِ ہدایت طلوع ہوا زمین کے دُور افتادہ تاریک ترین گوشے بھی جگمگا اُٹھے لیکن ان بیہوشوں کو ہوش نہ آیا۔ اپنی برتری کے نشہ میں آنکھیں بند ہی رہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عزت وعظمت کے تخت سے نیچے پھینک دیئے گئے۔ غلامانِ مصطفےٰ علیہ اجمل الصلوٰۃ واطیب الثناء کو بھی بتایا جا رہا ہے کہ تم ان کے نقشِ قدم پر نہ چلنا تمھارا بھی کہیں یہی حسرت ناک انجام نہ ہو۔ کاش اپنے آپ کو عاشقانِ رسول کہلانے والے اس آیت کو بار بار پڑھیں۔ دعویٰ عشق ومحبت اور محبوب کی اطاعت میں سُستی اور کاہلی! ذرا غور کرو کتنی بے جوڑ سی بات ہے۔

۱۸۷؎ یہاں اس بات کو واضح کر دیا کہ اعمالِ صالحہ کی قبولیت کے لیے ایمان کا ہونا شرطِ اوّلین ہے۔ آپ خود دیکھئے ایک آدمی ایک قطعۂ زمین کو ہموار کرتا ہے۔ اس سے جڑی بوٹی اُکھاڑ کر باہر پھینکتا ہے۔ پھر اس کی آبپاشی کرتا ہے اور رات دن اس کی نگرانی میں مصروف رہتا ہے لیکن اس میں بیج نہیں ڈالتا۔ تو کیا اس کی طویل محنت ومشقت کا کوئی نتیجہ برآمد ہو گا جب بیج ہی نہیں تو ساری محنت رائیگاں جائے گی۔ اسی طرح اگر ایمان کا تخم نہیں تو دُنیا جہان کی ساری نیکیاں بے ثمر ہوں گی۔ اور

الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ

جنت میں اور نہ ظلم کیے جائیں گے تل بھر اور کون بہتر ہے دینی لحاظ سے اس شخص سے جس نے جھکا دیا ہو

وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَاتَّخَذَ

اپنا چہرہ اللہ کے لیے اور وُہ ۱۸۸ احسان کرنے والا ہو اور پیروی کی ملتِ ابراہیم کی اس حال میں کہ وہ ہر باطل سے منہ موڑنے ہوئے ہو اور بنا لیا ہے

اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ

اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو خلیل ۱۸۹ اور اللہ کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَاۗءِ ۭ قُلِ

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گھیرے میں لینے والا ہے اور فتویٰ پوچھتے ہیں آپ سے عورتوں کے بارے میں۔ آپ فرمائیے

اگر ذرا دقّتِ نظر سے کام لیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ عمل صالح ہو ہی نہیں سکتا جب تک عامل میں صفتِ ایمان موجود نہ ہو کیونکہ ایمان کے بغیر ہر عمل کے پیچھے کوئی پست جذبہ کارفرما ہو گا مثلاً دُنیاوی منفعت، شہرت، ذکرِ دوام وغیرہ وغیرہ۔ تو جس عمل کا محرّک ایسی پست چیز ہو وہ عمل صالح نہیں کہلا سکتا۔ صرف ایمان ہی وُہ قوت ہے جو ہر عمل کا رُخ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی طرف موڑ دیتی ہے۔ اسی نسبت کی برکت سے انسان کا ہر عمل صالح بن جاتا ہے۔ اس پر جو نتائج مرتب ہوتے ہیں ان سے عامل کی زندگی کو بھی چار چاند لگ جاتے ہیں اور اس کی قوم اور ملک کو بھی عزّت و ناموری حاصل ہوتی ہے۔

۱۸۸ جو سرتاپا اطاعت ہی اطاعت ہو۔ اور محسن کا مطلب یہ ہے آتٍ بالحسنات تارك للسيّئات یعنی اس سے نیکی ہی نیکی صادر ہو برائی کا اس سے ظہور نہ ہو۔ حنیف۔ ہر طرف سے منہ موڑ کر جو اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہونے والا ہو۔ اس کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔

۱۸۹ لفظ خلیل کی تحقیق کرتے ہُوئے صاحب المنار لکھتے ہیں۔ يطلق الخليل بمعنى الحبيب او المحب لمن يحبه اذا كانت هذه المحبة خالصة من كل شائبة بحيث لم تدع فى قلب صاحبها موضعا لحب آخر وهو من الخلة اى المحبة والمودة التى تتخلل النفس وتمازجها كما قال الشاعر:

قد تخللت مسلك الروح منى وبه سمى الخليل خليلا

یعنی خلیل کا لفظ اس حبیب اور محبّ پر بولا جاتا ہے جس کے دل میں اپنے محبوب کی محبّت یُوں بس جائے کہ کسی غیر کی محبّت کی گنجائش تک نہ رہے۔ خلّۃ اس محبّت کو کہتے ہیں جو نفس میں رچ جائے۔ جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔ اے محبوب!

اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ فِىْ يَتٰمَى

اللہ تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے تمھیں ان کے بارے میں ۱۹۰ اور وہ آیتیں جو پڑھی جاتی ہیں تم پر اس کتاب (قرآن ہیں (ان میں احکام ہیں) ان یتیم

النِّسَآءِ الّٰتِىْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ

بچیوں کے متعلق جنھیں تم نہیں دیتے ہو جو (حق) مقرر کیا گیا ہے ان کے لیے اور خواہش کرتے ہوئے ۱۹۱ کہ خود

تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا

نکاح کرلو ان کے ساتھ (ان کا مال دبوچنے کے لیے) اور (قرآن میں احکام ہیں) کمزور بچوں کے متعلق اور (وہ یہ) کہ قائم رہو

جہاں جہاں میری رُوح ہے تیرا عشق وہاں سما گیا ہے اسی وجہ سے تو خلیل کو خلیل کہا جاتا ہے۔ صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں کہ محبت کا جو مقام محبوبِ ربّ العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو عطا فرمایا گیا ہے وہ اتنا بلند ہے کہ حضرت خلیل کا طائرِ آرزو بھی وہاں پر نہیں مار سکتا۔ وان من مراتب المحبة مالم تبلغه امنية الخليل عليه السّلام وهي المرتبة الثابتة له صلى الله تعالى عليه وآله وسلم (رُوح المعانی)

۱۹۰ے عرب عورتوں اور یتیم بچوں کے ساتھ جو سلوک کرتے تھے یعنی نہ میراث میں حصہ، نہ اپنی شادی کے معاملہ میں کچھ اختیار اور شادی کرنے کے بعد ان کے حقوق سے سراسر تجاہل وغیرہ اور اسلام نے اس صورتِ حال میں جو اصلاحات کیں ان کا ذکر اس سُورۃ کی ابتدا میں بھی ہو چکا ہے۔ انہی کے متعلق لوگ طرح طرح کے سوالات کرتے۔ اب مزید انھیں تاکید کی جا رہی ہے کہ جو تمھیں اللہ کی طرف سے حکم ملا ہے اس کی بلا چون وچرا تعمیل کرو۔ اور ان کے جو حقوق مقرر کیے گئے ہیں ان کی ادائیگی میں سستی نہ کرو۔

۱۹۱ے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ زمانہ جہالت میں اگر کوئی بچی یتیم رہ جاتی تو اگر وہ صاحبِ حسن و مال ہوتی تو اس کا ولی اس کے ساتھ خود نکاح کر لیتا لیکن اس کے حقوق کی ادائیگی کا خیال تک نہ کیا جاتا۔ اور اگر وہ صاحبِ مال تو ہوتی لیکن قبول صُورت نہ ہوتی تو پھر سرے سے اس کی کسی سے شادی ہی نہ کی جاتی تاکہ اس کے حقُوق کا مطالبہ کرنے والا ہی کوئی نہ ہو اور وہ خود ہی اس کے مال کو ہضم کر جائے۔ اور اگر وہ نہ خوبصورت ہوتی اور نہ مالدار تو پھر اس کو اپنی مرضی سے کسی کے پلّے باندھ دیا جاتا اور اس کا مہر وغیرہ ولی خود وصول کر لیتا۔ ان تمام چیزوں کی ممانعت کر دی گئی۔ ترغبون کا کوئی صلہ عن یا الی ذکر نہ کرنے میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ عبارت تمام صورتوں پر حاوی رہے اور حسبِ حال صلہ مقدّر مان لیا جائے۔ آیت کا مدعا یہ ہے کہ یتیم بچیوں کے جن حقوق کا پہلے ذکر ہو چکا ہے وہ ہر وقت اور ہر حالت میں مدِّنظر رہیں۔

لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ

یتیموں کے معاملہ میں انصاف پر ۱۹۲ اور جو کرو گے بھلائی (کے کاموں) سے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو خوب

عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا

جاننے والا ہے ۱۹۳ اور اگر کوئی عورت خوف کرے ۱۹۴ اپنے خاوند سے (اس کی) زیادتی یا رُوگردانی کی وجہ سے

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ

تو نہیں کوئی حرج ان دونوں پر کہ صلح کر لیں آپس میں اور صلح ہی (دونوں کے لیے) بہتر ہے

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

اور موجود رکھا گیا ہے نفسوں میں بخل ۱۹۵ اور اگر تم احسان کرو اور متقی بنو ۱۹۶ تو بے شک اللہ تعالیٰ

۱۹۲ یتیم بچیوں کی طرح یتیم بچوں کے ساتھ بھی بے انصافی نہ کرو۔ ان کو ضعیف و کمزور سمجھ کر ان کے اموال غصب نہ کر لو اور ان کے حقوق تلف مت کرو۔ وُہ بے چارے تو تمہارے مظالم پر صدائے احتجاج بلند کرنے سے بھی قاصر ہیں لیکن ان کا خدا تو قادر و توانا ہے اس کی گرفت اور عذاب سے تمھیں کون بچائے گا۔

۱۹۳ آخر میں فرمادیا کہ اگر تم یتیم بچوں اور بچیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو گے۔ اُن کے اموال اور حقوق کی حفاظت کرو گے۔ ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرو گے تو وُہ اگرچہ تمھیں ان احسانات کا بدلہ دینے سے قاصر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ تمھیں ضرور اجر عطا فرمائے گا۔ وہ تمہارے جملہ احسانات کو خوب جانتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ وُہ تمھیں ان نیک خدمات کا اپنے شایانِ شان صلہ نہ دے۔

۱۹۴ بعض اوقات بیوی دائم المریض یا بانجھ ہوتی ہے، اس کی شکل و صورت غیر پسندیدہ یا اس کا مزاج تند و تیز ہوتا ہے یا کبر سنی کی وجہ سے مرغوبِ خاطر نہیں رہتی اور مرد چاہتا ہے کہ اسے طلاق دے دے اور کسی دُوسری عورت سے شادی کرلے یا کسی کی دو بیویاں ہیں ان میں سے ایک مذکورہ بالا وجُوہات کے باعث اب اس کے لیے وبالِ جان بن گئی ہے اور وُہ اسے طلاق دینے کا ارادہ کر رہا ہے تو ایسے موقعوں کے لیے عورت کو بتایا جا رہا ہے کہ اگر وُہ اپنے خاوند کے ساتھ رہنے کو اس کی جدائی پر ترجیح دیتی ہے تو اسے اجازت ہے کہ وُہ اپنا مہر معاف یا کم کر کے، اپنے حقوقِ زوجیت سے دُوسری بیوی کے حق میں دست بردار ہو کر یا اپنے نفقہ کے بار کو ہلکا کر کے خاوند کے ساتھ مصالحت کر لے تا کہ وُہ اسے طلاق نہ دے قرآن فرماتا ہے کہ جدائی اور افتراق سے بہرحال صلح ہی بہتر ہے۔

كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٢٨﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيعُوٓا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ

جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے اور تم ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ پورا پورا انصاف کرو اپنی بیویوں

النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا

کے درمیان اگرچہ تم اس کے بڑے خواہشمند بھی ہو ١٩٧ تو یہ نہ کرو کہ جھک جاؤ (ایک بیوی کی طرف) بالکل اور چھوڑ دو دوسری کو جیسے

كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٢٩﴾

وہ (درمیان میں) لٹک رہی ہو۔ اور اگر تم درست کرلو (اپنا رویہ) اور پرہیزگار بن جاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے

وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِنْ سَعَتِهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا

اور اگر دونوں (میاں بیوی) جدا ہو جائیں تو غنی کر دے گا اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنی وسیع بخشش سے۔ اور اللہ تعالیٰ وسیع بخشش والا

حَكِيمًا ﴿١٣٠﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا

حکمت والا ہے ١٩٨ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور بے شک ہم نے حکم دیا

١٩٥ یعنی ہر شخص مرد ہو یا عورت اپنے فائدہ سے دست بردار ہونے میں بہت بخیل ہے وہ اس کو بخوشی گوارا کرنے کے لیے بہت کم ہی آمادہ ہوا کرتا ہے۔

١٩٦ مردوں کو ہی ترغیب دی جارہی ہے کہ وہ احسان اور عالی ظرفی سے کام لیں اور اپنی نامرغوب بیوی کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کریں اور اس کے حقوق کی پاسداری میں اللہ سے ڈرتے رہیں

١٩٧ یعنی جب بیویاں ایک سے زائد ہوں تو وہ ہر حیثیت سے آپس میں مساوی نہیں ہوا کرتیں شکل و صورت صحت و بیماری خوش خلقی و بد خلقی کئی قسم کا باہمی تفاوت پایا جاتا ہے۔ جن کی وجہ سے دلی محبت و انس یکساں نہیں ہوتا۔ اس فطری چیز کا اعتراف کرتے ہوئے جو انسان کے بس سے باہر ہے اسے حکم دیا کہ ایسا نہ کرے کہ ایک بیوی میں ہی کھو کر رہ جائے اور دوسری کے تمام حقوق نظر انداز کردے اور اسے معلق بنا کر رکھ دے بلکہ اس کی باری کے دن اور نفقہ وغیرہ میں مساوات ملحوظ رکھے کیونکہ اگر دل کا میلان تمہارے اختیار میں نہیں تو یہ امور تو تمہارے اختیار میں ہیں۔

١٩٨ اگر صلح کی ہر تدبیر ناکام ثابت ہو اور طلاق ناگزیر ہو جائے تو پھر زیادہ غمگین ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہت کریم ہے۔ وہ ایسی صورت پیدا کردے گا جس میں دونوں کی طمانیت اور خوشحالی کا سامان مہیا ہو جائے گا۔ خاوند کو ایسی بیوی

الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۗ وَإِنْ

ان لوگوں کو جنھیں دی گئی کتاب ۱۹۹ تم سے پہلے اور (حکم دیا) تمھیں بھی کہ ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور اگر

تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ

کفر کرو ۲۰۰ تو بے شک اللہ کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور

غَنِيًّا حَمِيدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَكَفٰى

ہر تعریف کا مستحق ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے

دے دے گا جو اس کے لیے قرۃ العین ہوگی اور اس مطلقہ عورت کو ایسا خاوند عطا فرمائے گا جو اس سے محبت کرے گا اور اس کے آرام کا خیال رکھے گا۔

۱۹۹ جو کتابیں مختلف زمانوں میں انبیاء و رسل پر نازل ہوئیں اور یہ کتاب جو تمھاری ہدایت کے لیے اُتاری گئی ہے، ان سب میں تمام اُمتوں کو تقویٰ کا ہی حکم دیا گیا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو اس میں شک ہی نہیں رہتا کہ دینِ الٰہی کا دار و مدار ہی تقویٰ پر ہے۔ دل میں خوفِ خدا پیدا ہو گیا تو انسان کا ظاہر و باطن سنور گیا اور اگر دل خوفِ خدا سے ہی آشنا نہیں تو پھر زبان سے پارسائی کے ہزاروں دعوے کیے جائیں نفس اصلاح پذیر نہیں ہو سکتا ؎

خرد نے کہہ بھی دیا لاالٰہ تو کیا حاصل ۔۔۔ دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

وقال بعض العارفین ھذہ الآیۃ رحی آی القرآن لان جمیعہ یدور علیھا (قرطبی) یعنی کاملینِ اُمت نے اس آیت کو سارے قرآن کا محور قرار دیا ہے۔

۲۰۰ اہلِ عرب مدت ہائے دراز سے جس رسم و رواج کے پابند چلے آتے تھے ان سے کنارہ کش ہو جانا اور بالکل نئے قواعد و ضوابط کا پابند ہو جانا کوئی آسان کام نہ تھا اس لیے اللہ تعالیٰ بار بار اپنے مالک الملک ہونے، زمین و آسمان کی ہر چیز پر قدرتِ کاملہ رکھنے اور کسی کا محتاج نہ ہونے کا ذکر فرما کر انھیں تنبیہ فرما رہے ہیں کہ ان قواعد و ضوابط کی پابندی میں تمھارا ہی دُنیا و دین کا فائدہ ہے اگر تم ان سے سرتابی کر کے اپنی جاہلانہ رسوم کی پابندی کرو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے۔ پادری صاحبان بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ اسلام نے انسان کی اصلاح کے لیے دوزخ کی آگ اور عذاب کا سہارا لیا ہے جب کہ عیسائیت کا انحصار محض محبتِ الٰہی پر ہے۔ افسوس! بائیبل ان کے اس دعوی کی تصدیق نہیں کرتی۔ ملاحظہ ہو "جو بدن کو قتل کرتے ہیں اور روح کو قتل نہیں کر سکتے ان سے نہ ڈرو بلکہ اسی سے ڈرو جو روح اور بدن دونوں کو جہنم میں ہلاک کر سکتا ہے۔ (متی ۱۰:۲۸) اس سے ڈرو جس کو اختیار ہے کہ قتل کرنے کے بعد جہنم میں ڈالے۔ ہاں میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی سے ڈرو۔ (لوقا ۱۲:۵)

بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٣٢﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ط

اللہ تعالیٰ کارساز اگر چاہے تو لے جائے تمھیں ۲۰۱ اے لوگو اور لے آئے دُوسروں کو

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿١٣٣﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا

اور اللہ تعالیٰ اس بات پر پوری قدرت رکھتا ہے جو شخص ارادہ کرتا ہو صرف ثوابِ دنیا کا (تو یہ اس کی اپنی کم نظری ہے ۲۰۲)

فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ط وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿١٣٤﴾ ع

اللہ کے پاس تو دُنیا و آخرت (دونوں) کا ثواب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر بات سُننے والا ہر چیز دیکھنے والا ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ

اے ایمان والو! ۲۰۳ ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے انصاف پر گواہی دینے والے محض اللہ کے لیے

۲۰۱ یہ خیال تم اپنے دل سے نکال دو کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو اگر تم نے چھوڑ دیا تو یہ ختم ہو جائے گا یا بزمِ ہستی کی ساری رونقیں تمھارے دم قدم سے ہیں۔ اگر تم نہ رہے تو یہ بزم بے رونق ہو جائے گی نہیں۔ اگر تم نے اس زرّیں موقع سے فائدہ نہ اٹھایا اور اللہ کے دین کی رسّی کو مضبوطی سے نہ پکڑا اور اس کے رسُول کے دامن کو نہ تھاما تو وہ تمھیں اس مقامِ شرف سے ہٹا کر کسی دُوسری قوم کو اپنی نوازشات کے لیے منتخب کرلے گا۔ کیا تمھیں خبر نہیں کہ تم سے پہلے بھی کئی اُمتوں نے سرکشی کا راستہ اختیار کیا تو اُنھیں بیخ و بُن سے اکھاڑ دیا گیا۔ ان کے مِٹ جانے سے اللہ کی بادشاہی میں کیا کوئی زوال آیا؟ اسی طرح اگر تم بھی نظرِ رحمت سے گرا دیئے گئے تو کوئی اور آگے بڑھ کر اس تاجِ کرامت کو اپنے سر پر رکھ لے گا۔

۲۰۲ انسان کی اپنی کوتاہ نظری اور کم ہمّتی ہے کہ وُہ بارگاہِ ربّ العٰلمین سے صرف دولت، شہرت، عزّت، وجاہت کا ہی سوال کرکے رہ جاتے۔ ورنہ اس کریم، رحیم اور وہاب کی جناب سے تو جو مانگا جائے وُہ ملتا ہے۔ انسان فقط فنا ہونے والی نعمتوں کے سوال پر کیوں اکتفا کرے۔ کیوں نہ اس کی محبت کا جامِ رنگیں مانگے اور اس کی رضا کے لیے دامنِ طلب پھیلائے۔ جب دینے والا بخیل نہیں تو مانگنے والا مانگنے میں کیوں بُخل کرے ؎

تُو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی تھا

۲۰۳ قوّام مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس سے مراد کثرتِ عددی نہیں بلکہ اس سے ثبات اور استحکام فی الشہادۃ کی تاکید مقصود ہے یعنی جب شہادت دو تو خوب مستحکم ہو کر۔ پہلے زوجین، یتیم بچّوں بچّیوں کے حقوق کا ذکر چلا آیا ہے اس میں کبھی عدالت تک جانے کی نوبت آجاتی ہے۔ وہاں فیصلہ گواہوں کی گواہی سے کیا جاتا ہے۔ اگر گواہ سچّی گواہی نہ دے تو حق دار کی

وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا

چاہے گواہی دینا پڑے تمھیں اپنے نفسوں کے خلاف یا اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف۔ (جس کے خلاف گواہی دی جارہی ہے)

اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ

وہ دولت مند ہو یا فقیر۔ پس اللہ زیادہ خیر خواہ ہے دونوں کا۔ تو نہ پیروی کرو خواہش نفس کی اِنصاف کرنے میں

وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

اور اگر تم ہیر پھیر کرو ۲۰۴؎ یا منہ موڑو تو بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ

اَے ایمان والو! ۲۰۵؎ اِیمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر اور اس کتاب پر جو

حق تلفی ہو جاتی ہے اور ظلم جس کے انسداد کے لیے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا ہے اس کو اُلٹا قانون کا سہارا مِل جاتا ہے اس لیے گواہوں کو سچّی سچّی گواہی دینے کا حکم دیا جارہا ہے اور ان تمام اُمور کو جو سچّی گواہی دینے سے اِنسان کو روکتے ہیں مثلاً اپنا ذاتی فائدہ، ماں باپ کا پاس، قریبی رشتہ داروں کی رعایت وغیرہ کو ذِکر کر کے ان کو خاطر میں نہ لانے کی تاکید کی جارہی ہے مندرجہ بالا موانع کے علاوہ کبھی یہ خیال اِنسان کو حق کے اظہار سے روک دیتا ہے کہ جس کے خلاف میں گواہی دے رہا ہوں وُہ امیر کبیر ہے۔ اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ کسی مسکین کی مسکنت اور غربت کا اِحساس اِنسان کے دل میں رحم و شفقت کے جذبات اُبھار دیتا ہے اور اس غریب کے خلاف سچی بات کہنے سے اِس لیے ہچکچاتا ہے کہ اس سے اس غریب کو نقصان نہ پہنچے۔ اِنسانی نفسیات کا کتنا دقیق محاسبہ ہے۔ فرمایا عدالت میں کھڑے ہو کر ان اِحساسات کو بالکل دِل سے نکال دو اور بڑی سچائی کے ساتھ گواہی دو۔ "فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا" کتنا پیارا جُملہ ہے یعنی تم کسی کی خیر خواہی بھلا کیا کرو گے۔ تم اپنے رب کا حکم مانو۔ تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ خود ان (غریب و امیر) کا خیر خواہ ہے۔ اِس آیت کی ابتداء میں دو لفظ "شُهَدَآءَ لِلّٰهِ" کِتنے پُر شکوہ اور اثر آفرین ہیں یعنی یہ نہ سمجھو کہ تم کِسی اِنسان کے لیے گواہی دے رہے ہو اور جو تمھارے دل میں آئے کہہ دیا تو کوئی تمھارا کیا لگاڑ لے گا۔ نہیں یہ گواہی کسی اِنسان کے لیے نہیں بلکہ اللہ ذو المجد والعلیٰ کے لیے ہے۔ اب سوچ لو کیا تم اس کو ناراض کرنے کی ہمّت رکھتے ہو۔ سُبحان اللہ! کیا جلال و شکوہ ہے کلامِ احکم الحاکمین میں۔

۲۰۴؎ یعنی سچّی گواہی دیتے دیتے ہیر پھیر کر دیا۔ جو بات غیر اہم تھی اس پر بڑا زور دیا اور جو اہم بات ہُوئی اس کو پی گئے۔

۲۰۵؎ یعنی اَے اِیمان والو! اپنے اِیمان پر ثابت قدم رہو۔ ومعنی آمنوا اثبتوا علی الایمان ودوموا علیہ (کشاف)

نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ

نازل فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی اس سے پہلے اور جو

یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ

کفر کرے اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روز آخرت کے ساتھ تو وہ

ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ

گمراہ ہوا اور گمراہی میں دور نکل گیا بے شک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے ۲۰۶ پھر

اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ

ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر بڑھتے گئے کفر میں نہیں ہے سنت الٰہی ان کے متعلق کہ بخش دے انہیں

وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا ﴿۱۳۷﴾ؕ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا

اور (یہ) کہ پہنچائے انہیں راہِ (راست) تک خوشخبری سنا دو منافقوں کو ۲۰۷ کہ بلاشبہ ان کے لیے دردناک عذاب

اسلام قبول کرنے کے بعد بھی انسان کو کتنے ہی کٹھن مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ مومن تو وہی ہے جو بڑی پامردی سے کسی خطرہ، کسی وسوسہ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے جادۂ زیست پر قدم بڑھاتا چلا جائے۔ اس آیت کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے۔ اے ایمان کا دعوے کرنے والو! اپنے حسنِ عمل سے اس کی تصدیق کرو۔

۲۰۶ے جو لوگ اتنے ڈھلمل یقین ہوں کہ اسلام کی کوئی کامیابی دیکھی تو مسلمان ہو گئے ذرا شدت کا زمانہ آیا تو جھٹ کفر اختیار کر لیا۔ پھر کوئی معجزہ دیکھا یا مسلمانوں کے غالب آنے کے آثار نمایاں ہوئے تو پھر اسلام قبول کر لیا پھر کسی شیطان نے وسوسہ ڈالا یا مسلمان کسی آزمائش میں مبتلا ہو گئے تو اسلام سے رشتہ توڑ کر کفر سے ناطہ جوڑ لیا۔ ایسے مجرم ناقابلِ عفو ہیں اور توفیق خداوندی ان لوگوں کی دستگیری کرنے کے لیے بے چین نہیں جو گمراہی کے گڑھے میں گرنے کی قسم کھائے بیٹھے ہوں۔ روی عن ابن عباس ان الاٰیۃ فی المرتدین (بحر)

۲۰۷ے بشارت کا عام استعمال تو خوشخبری کے معنی میں ہوتا ہے اور اس عذاب الیم کی خبر کو بشارت سے تعبیر کرنا بطور طنز ہے۔ اور علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ہر اس اچھی یا بری خبر کو بشارت کہتے ہیں جس کے سننے کے بعد اس کے اثرات چہرہ پر نمایاں ہو جائیں۔ التبشیر الاخبار بما یظہر اثرہ علی البشرۃ (قرطبی)

اَلِيْمًا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ

ہے وہ منافق جو بناتے ہیں کافروں کو (اپنا) دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر

اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ

کیا وہ تلاش کرتے ہیں ان کے پاس عزت؟ تو (وہ سن لیں) عزت تو صرف اللہ کے لیے ہے سب کی سب ۲۰۸ اور تحقیق اتارا

عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ

ہے اللہ تعالیٰ نے تم پر (یہ حکم) کتاب میں کہ جب تم سنو اللہ کی آیتوں کو کہ انکار کیا جارہا ہے ان کا ۲۰۹ اور مذاق اڑایا

بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ

جارہا ہے ان کا تو مت بیٹھو ان (کفر و استہزا کرنے والوں) کے ساتھ یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں کسی دوسری بات میں

اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِىْ جَهَنَّمَ

ورنہ تم بھی انھیں کی طرح ہو گے بے شک اللہ تعالیٰ اکٹھا کرنے والا ہے سب منافقوں اور سب کافروں کو جہنم میں

۲۰۸ منافقین کفار کے ساتھ محبت کی پینگیں اس لیے بڑھاتے تھے کہ وہ دیکھتے تھے کہ ان مسلمانوں کے پاس کیا رکھا ہے۔ نہ دولت، نہ شوکت اور ہر لحظہ دشمن کے حملوں کے سیلاب میں بہ جانے کا خدشہ اور کافروں کے پاس دولت و ثروت کے علاوہ قوت و شوکت بھی ہے۔ اُن سے روابط پیدا کر کے ہم عزت حاصل کر سکتے ہیں۔ انھیں بتایا جارہا ہے کہ یہ سب تمھاری خام خیالیاں ہیں۔ عزت عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ رب العزت ہے۔ ابھی چند دنوں میں تمھیں پتہ چل جائے گا کہ کس کا آفتاب اقبال دنیا بھر کو منور کرتا ہے اور کن کے قدموں میں دولت لونڈی بن کر حاضر ہوتی ہے۔

۲۰۹ ایسی مجالس میں جن میں کتاب الٰہی کا انکار کیا جائے اور اس کی آیتوں کا مذاق اڑایا جائے شرکت کرنے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ اسی حکم کی یاد تازہ کرائی جارہی ہے کہ جو شخص ایسی مجلسوں میں شرکت کرتا ہے وہ بھی گناہ میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔ تمام گمراہ فرقوں کی مجلسوں اور جلسوں میں جا کر بیٹھنے کا یہی حکم ہے کیونکہ صحبت کا اثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

جَمِيعًا ۝١٤٠ الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللَّهِ

وُہ جو ۲۱۰ انتظار کر رہے ہیں تمہارے (انجام) کا ۔ تو اگر ہو جائے تمہیں فتح اللہ کی طرف سے

قَالُوا أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ وَإِن كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ

(تو) کہتے ہیں کیا نہیں تھے ہم بھی تمہارے ساتھ اور اگر ہو کافروں کے لیے کچھ حصّہ (کامیابی سے) کہتے ہیں کیا نہیں

نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُم مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ

غالب آگئے تھے ہم تم پر اور (اس کے باوجود) کیا نہیں بچایا تھا ہم نے تم کو مومنوں سے پس (اے اہلِ نفاق!) اللہ فیصلہ کرے گا

يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ۝١٤١

تمہارے درمیان قیامت کے دن ۔ اور ہرگز نہیں بنائے گا ۲۱۱ اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے مسلمانوں پر (غالب آنے کا) راستہ

ع ۱۷

۲۱۰ منافقین کی دو رُخی روش کو بے نقاب کیا جا رہا ہے یعنی اُن کا کوئی دین نہیں کوئی عقیدہ نہیں جس کے لیے جینے اور مرنے کی تڑپ ان کے دلوں میں موجود ہو۔ ان کا دین، ان کا کعبۂ مقصود صرف عروسِ دولت ہے۔ اپنا عہد و پیمان توڑنا پڑے، اپنے ضمیر کو کچلنا پڑے پرواہ نہیں دولت مل جائے۔ حق و باطل میں جو کشمکش جاری ہے اس میں وُہ کسی ایک کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ نہیں کرتے بلکہ اس تاڑ میں رہتے ہیں کہ پلّہ کس کا بھاری رہتا ہے اور مالِ غنیمت پر قابض کون ہوتا ہے۔ میدانِ جنگ کسی کے ہاتھ رہے وُہ اسی کے پاس جا کر اپنی دوستی کا حق جتلا کر مالِ غنیمت میں اپنے حصّہ کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں۔ شاید دُنیا کے پرستاروں کا ازل سے یہی شیوہ ہے اور ابد تک یہی شیوہ رہے گا مُسلمان ہونے میں ترقی کے امکانات دکھائی دیئے تو حضرت پکّے مُسلمان ہیں۔ اور اگر وزارتیں اور عہدے، خطابات اور جاگیریں کفر کے تصرّف میں دیکھیں تو تسبیح و سجّادہ کو دُور سے سلام کیا، قشقہ لگایا، زُنّار پہنا اور باطل و کفر کی خدمت میں جاں نثار اور وفادار غلاموں کی طرح حاضر ہو گئے۔

۲۱۱ اس کے متعلق علامہ قرطبی نے تفصیلی بحث کی ہے اور سب سے پسندیدہ قول یہ ہے کہ اگر مُسلمان اللہ کی نافرمانی کر کے اور سُنن الٰہیہ سے آنکھیں بند کر کے اپنی شکست کے اسباب خود مہیّا نہ کریں تو کوئی طاغوتی طاقت ان کو شکست نہیں دے سکتی۔ جہاں کہیں اور جب کبھی بھی مُسلمانوں کو ہزیمت ہوئی ہے اپنے ہاتھوں ہوئی ہے۔ اگر وُہ احکامِ الٰہی کے صحیح معنوں میں پابند ہوں۔ دُشمن سے نبرد آزما ہونے کے لیے جس اتفاق و اتحاد کا انھیں حکم دیا گیا ہے اور تمام ممکن وسائل سے جنگ کے لیے مستعد ہونے کا ارشاد ہوا ہے۔ اگر وُہ اس کو ملحوظ رکھیں تو دُنیا کی کوئی

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى

بے شک منافق (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ سزا دینے والا ہے انھیں (اس دھوکہ بازی کی) اور جب

الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ

کھڑے ہوتے ہیں نماز کی طرف ۲۱۲ تو کھڑے ہوتے ہیں کاہل بن کر (وہ بھی عبادت کی نیّت سے نہیں بلکہ) لوگوں کو دکھانے کے لیے اور

إِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى

نہیں ذکر کرتے اللہ تعالیٰ کا مگر تھوڑی دیر۔ ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں کفر و ایمان کے درمیان نہ ادھر کے اور نہ ادھر

هٰٓؤُلَآءِ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ يٰٓأَيُّهَا

کے ۲۱۳ اور جس کو گمراہ کر دے ۲۱۴ اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کے لیے ہدایت کا راستہ اے

طاقت انھیں مغلوب نہیں کر سکتی۔ ان اللہ سبحانہ لایجعل للکٰفرین علی المومنین سبیلا الا ان یتواصوا بالباطل ولا یتناھوا عن المنکر ویتقاعدوا عن التوبۃ فیکون تسلیط العدو من قبلھم۔ قال ابن العربی ھذا نفیس جدا (القرطبی) بعض علماء نے سبیل سے مراد دلیل لی ہے یعنی دلیل و برہان کے میدان میں کافر کبھی مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکتے۔

۲۱۲ے بیچارے منافقوں کی جان عجیب عذاب میں گرفتار تھی۔ جب دِل ایمان سے خالی ہو تو نماز کون پڑھے۔ لیکن اُنھیں مجبُوری یہ تھی کہ اِسلام کا یہ ظاہری لباس جو اُنھوں نے پہن رکھا تھا اگر وہ نماز نہیں ادا کرتے اور جماعت میں شریک نہیں ہوتے تو تار تار ہو تا ہے۔ اور ان کا نفاق بالکل عیاں ہو جاتا ہے اِس لِیے انھیں بادِل نخواستہ جماعت میں شریک ہونا پڑتا تھا۔ اور اس میں بھی للّٰہیت کی بُو تک نہ تھی بس لوگوں کو بتانے کے لِیے کہ وُہ مسلمان ہیں اُنھوں نے یہ سوانگ رچا رکھا تھا۔ اور وہ جذب وکیف اور ذوق وشوق جو مُسلمانوں کو یادِ الٰہی میں نصیب تھا ان کو تو اس کی ہوا تک بھی نہ لگی تھی۔ اِمام نے سلام پھیرا اور یہ جُوتیاں ہاتھ میں لِیے مسجد سے بھاگے۔ معلوم ہوا نماز سے فارغ ہو کر ذِکرِ الٰہی میں مشغول رہنا، کلمہ شریف و درُود شریف پڑھنا، تلاوتِ قرآن مجید کرنا یہ وُہ چیزیں تھیں جو مُسلمانوں کو منافقوں سے ممتاز کرتی تھیں۔ ہمارے ہاں چشم بد دُور! اب ایسوں کی کمی نہیں جو نماز کے بعد کلمہ یا درُود شریف پڑھنے والوں پر بدعتی ہونے کا الزام لگانے میں کسی نرمی کے روادار نہیں۔ اللہ سمجھ دے۔

۲۱۳ے یعنی نہ زمرۂ مومنین میں اور نہ گروہ کفّار میں۔ کہیں کے بھی نہیں۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ

ایمان والو! نہ بناؤ ۲۱۵ کافروں کو اپنا دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر

اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ

کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ بنا دو اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے خلاف واضح دلیل ۲۱۶ بے شک منافق

فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ

سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے دوزخ (کے طبقوں) سے ۲۱۷ اور ہرگز نہ پائے گا تو ان کا کوئی مددگار مگر وہ لوگ جنھوں نے

تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ

توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی اور مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ کا (دامنِ رحمت) اور خالص کر لیا اپنا دین اللہ کے لیے تو یہ لوگ

۲۱۴ ومن یضلل الخ کا یہی معنی ہے کہ جب اُنھوں نے ہدایت کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا۔ ایک بار نہیں بلکہ بار بار اور کفر و ضلالت کی راہ اپنے لیے منتخب کر لی تو سنتِ الٰہی کے مطابق ایجاد ضلالت کر دی گئی۔

۲۱۵ اولیاء ولی کی جمع ہے ولی کا معنی ہے دوست، ہمراز، مددگار۔ ای لاتجعلوا الکافرین خاصتکم وبطانتکم (قرطبی) اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

۲۱۶ یعنی کفار کے ساتھ اس قسم کے قریبی مراسم اور پختہ تعلقات منافقت کی کھلی ہوئی دلیل ہیں۔ اس کے بعد اگر تم پر اللہ تعالیٰ کی گرفت آئے تو تم کو شکوہ کا موقع نہ رہے گا کہ اجی ہم تو مسلمان تھے کیونکہ تم نے کفار کے ساتھ دوستی قائم کر کے اپنے منافق ہونے کا ناقابلِ تردید ثبوت مہیّا کر دیا ہے۔

۲۱۷ الدَّرْك اور الدَّرَك دونوں لغتیں ہیں۔ بلندی کی طرف جو یکے بعد دیگرے درجے ہوتے ہیں انھیں اہلِ عرب درجات کہتے ہیں۔ اور پستی کی طرف یکے بعد دیگرے جو درجے ہوتے ہیں انھیں درکات کہتے ہیں۔ جہنّم کے مختلف طبقات کے علی السبیل التنزل یہ نام ہیں۔ ۱۔ جہنّم۔ ۲۔ لظیٰ۔ ۳۔ حُطمہ۔ ۴۔ سعیر۔ ۵۔ سقر۔ ۶۔ جحیم۔ ۷۔ ہاویہ سب سے نیچے۔ منافقوں کا یہی ٹھکانا ہے۔ (قرطبی) اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے طفیل دوزخ کی لُو سے بھی ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔

مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا

ایمان والوں کے ساتھ ہیں ۲۱۸ اور عطا فرمائے گا اللہ تعالیٰ مومنوں کو اجر عظیم کیا

يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

کرے گا اللہ تعالیٰ تمھیں عذاب دے کر اگر تم شکر کرنے لگو اور ایمان لے آؤ ۲۱۹ اور اللہ تعالیٰ بڑا قدردان ہے، سب کچھ جاننے والا ہے

۲۱۸ سبحان اللہ! کیا ٹھکانا ہے اُس کے عفو و درگزر کا، کیا حد ہے اس کے جُود و کرم کی۔ منافقین نے انتہا کر دی اللہ کے حبیب کو اذیت پہنچانے، شمعِ اسلام کو بُجھانے، کفر کو غالب و منصور کرنے اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنے میں۔ اور اس طرح اپنے ہاتھوں اپنی زندگی کے اُفق کو تیرہ و تار کر دیا۔ اس کے باوجود کریم و رحیم خدا۔ محمد رحمۃ للعالمین کا خدا انھیں بتا رہا ہے کہ دیکھو ادھر دیکھو! توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ سچے دل سے تائب ہو جاؤ۔ معاف کر دیئے جائیں گے تمھارے گناہ اور تمھیں ابوبکرؓ و عمرؓ اور حمزہؓ و علیؓ کی معیت و سنگت نصیب ہو گی۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ واقعی اسلام کا خدا رب العالمین ہے اور اس کا پیغمبر رحمۃ للعالمین ہے اور یہ دین۔ دینِ انسانیت ہے۔

۲۱۹ اگر تم راہِ راست اختیار کر لو اور ضلالت و گمراہی سے باز آ جاؤ تو اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمھیں خواہ مخواہ عذاب دیتا رہے وُہ ایسا نہیں بلکہ وُہ شاکر ہے۔ جو بندہ حسنِ نیت سے نیک عمل کرتا ہے وُہ اپنے غایت کرم سے اُسے قبول فرماتا ہے اس سے کچھ مخفی نہیں۔ وُہ سب کچھ جاننے والا ہے۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَ

نہیں پسند کرتا اللہ تعالیٰ کہ برملا کہی جائے بُری بات مگر (اس سے) جس پر ظلم ہوا ۲۲۰ اور

كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ

اللہ تعالیٰ خوب سُننے والا خوب جاننے والا ہے ۲۲۱ اگر تم ظاہر کرو کوئی نیکی یا پوشیدہ رکھو اسے یا

تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

درگزر کرو (کسی کی) بُرائی سے تو بے شک اللہ تعالیٰ درگزر فرمانے والا قدرت والا ہے ۲۲۲ بے شک جو لوگ

۲۲۰ بعض لوگوں کا مشغلہ ہی دُوسروں کی عیب جوئی ہوتا ہے کسی کے حقیقی یا فرضی عیوب کو اُچھالنے اور اُن کی تشہیر کرنے میں اُنھیں خاص لُطف آتا ہے۔ اور بعض مُنہ پھٹ ایسے ہوتے ہیں کہ چلتے چلتے کسی کی پگڑی اچھال دی۔ دو چار بے نقط سُنا کر اپنی بڑائی کی تسکین کرلی۔ ایسے لوگ جس دِل آزاری کا باعث بنتے ہیں اور باہمی محبّت و پیار کو جتنا نقصان پہنچاتے ہیں اس کا اندازہ ہر اس شخص کو اچھی طرح ہے جس کو اس قماش کے لوگوں سے واسطہ پڑا ہو۔ اِسلام جو مُسلمانوں کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح یکجان دیکھنا چاہتا ہے وُہ ان یاوہ گوئیوں کو کب برداشت کرسکتا ہے۔ اِس لِیے اس آیت میں واضح ہدایت فرمادی کہ ایسی باتیں اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں ان سے باز آجاؤ۔ کسی کی پس پُشت غیبت کسی کی منہ پر توہین اور ہتک عزّت سب کی ممانعت کردی گئی۔ ہاں وُہ شخص جس پر واقعی ظلم ہوا ہو اس کی حق تلفی کی گئی ہو اُسے رُخصت ہے کہ وُہ ظالم کے ظلم کا برملا اظہار کرے اور اپنی مظلُومیّت کی داستان بے دھڑک سُنائے۔

۲۲۱ اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا ظالم و مظلوم دونوں کو احساس دلایا جارہا ہے۔ ظالم یہ نہ سمجھے کہ اس کے مظالم کا کسی کو علم ہی نہیں یا دُنیا کی کوئی طاقت اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ظالم کے کرتوتوں سے واقف ہے۔ اور اگر دُنیا کی کوئی عدالت اسے سزا نہیں دے سکتی تو اللہ تعالیٰ کی عدالت سے اسے سزا مل کر رہے گی۔ اور مظلوم کو تسلی دی جارہی ہے کہ اگر کوئی دُوسرا تمھاری دادرسی نہیں کرتا تو صبر کرو اللہ تعالیٰ تیرا فریادرس ہے تیری مظلومیّت اور بےکسی کا اُسے خُوب علم ہے۔

۲۲۲ بُرائی کے اِظہار سے منع کیا اور نیکی کے متعلق اجازت دی کہ چاہے اُسے ظاہر کرو یا پنہاں رکھو۔ آخر میں مظلوم کو فرمایا کہ تمھارے لیے بہتر یہ ہے کہ تم بھی زیادتی کرنے والے اِنسان سے درگزر کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ قدرت کاملہ کے باوجود غلط کاروں اور مجرموں کو معاف کردیا کرتا ہے۔ تو بھی اگر اپنے آپ کو صفاتِ الٰہی اور اخلاقِ ربّانی سے متّصف کرنے کے لیے یہ غصّہ پی جائے تو تیرے لیے بہت مناسب ہے۔ پہلا حکم رُخصت ہے اور عوام کے لیے ہے جن کی اخلاقی حالت اِتنی بلند نہیں ہوتی کہ وُہ اس وقت ضبط سے کام لے سکیں جب کہ جذبات مشتعل ہوتے ہیں اور دوسرا حکم عزیمت ہے اور خواص کے لیے ہے۔

يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ

کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ ۲۲۳ اور چاہتے ہیں کہ فرق کریں ۲۲۴ اللہ اور اس کے

رُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ يُرِيْدُوْنَ

رسولوں کے درمیان اور کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں بعض رسولوں پر اور ہم کفر کرتے ہیں بعض کے ساتھ اور چاہتے ہیں ۲۲۵

۲۲۳ مشرکین و منافقین کی خصلتوں کے ذکر کے بعد اب کفار کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔ کفار کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو اللہ کو مانتے ہیں لیکن نبوت و رسالت کے قائل نہیں۔ ایک وہ جو بعض انبیاء کی نبوت کو مانتے ہیں اور بعض کی رسالت کا انکار کرتے ہیں مثلاً یہودی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانتے تھے لیکن حضرت مسیح اور خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کا اقرار نہیں کرتے۔ اسی طرح عیسائی۔ ان سب کے متعلق فرمایا کہ وہ پکے کافر ہیں۔ اب یہ امر غور طلب ہے کہ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور انبیاء کے ساتھ کفر کرتا ہے اسے پکا کافر کیوں کہا گیا؟ اس لیے کہ جو سلسلۂ وحی و نبوت کو تسلیم نہیں کرتا نہ اسے اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمال کا صحیح علم ہوتا ہے اور نہ اُسے عبادت کا وہ طریقہ معلوم ہو سکتا ہے جو قربِ الٰہی کا باعث ہو۔ جب اللہ تعالیٰ کی صفاتِ تقدس و کمال کو نہ پہچانا اور اس کی عبادت کے صحیح طریقوں کو نہ جانا تو اللہ کو کیا پہچانا۔ آپ ان قوموں کے رسومِ عبادت کو دیکھئے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں لیکن کسی نبی کے پیروکار نہیں۔ آپ حیران ہو کر رہ جائیں گے۔ اسی طرح فلاسفہ قدیم و جدید نے جن صفاتِ الٰہیہ کا اثبات کیا ہے وہ بھی انسان کے لیے کچھ کم پریشان کن نہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جو بعض انبیاء کی نبوت کو تسلیم کرتے ہیں اور جن دلائل و براہین اور معجزات کی وجہ سے انھوں نے ان بعض کی نبوت کا اقرار کیا۔ اب جب ان سے بھی محکم تر دلائل و براہین اور روشن تر معجزات ایک دوسری ہستی میں پائے جاتے ہیں تو وہ اس کی نبوت پر کیوں ایمان نہیں لاتے۔ ان کا یہ ایمان نہ لانا پہلے انبیاء کے انکار کے مترادف ہے اور خصوصاً ذاتِ پاک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کا انکار کرنا جن کی آمد کی بشارت اور ان پر ایمان لانے کی تاکید ہر زمانے کے نبی نے فرمائی صرف آپ کا انکار نہیں بلکہ تمام سابقہ انبیاء و مرسلین کی تکذیب ہے۔

۲۲۴ اللہ اور رسولوں کے درمیان فرق کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ پر تو ایمان لے آتے اور وحی و رسالت کا سرے سے انکار کر دیا۔ اس انکار میں ان کی انانیت اور خود بینی جھلک رہی ہوتی ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انبیاء کی تعلیمات تو ناقص و ناکافی ہیں۔ اس لیے ان کی عقلی موشگافیوں کی ضرورت ہے۔ اب وہ لوگ جو اللہ کی اطاعت کے تو قائل ہیں لیکن اللہ کے رسول کی اطاعت سے گریزاں ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا حکم بھی دیا ہے وہ ذرا غور کریں کہ وہ بھی کہیں اللہ اور اس کے رسول میں تفریق کے مرتکب تو نہیں ہو رہے۔

۲۲۵ اسلام اور کفر کی معجونِ مرکب بنانے کا خیال بہت پرانا ہے ان لوگوں کے علاوہ جن کا ذکر اس آیت میں ہو رہا ہے

اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ

کہ اختیار کرلیں کفر و ایمان کے درمیان کوئی (تیسری) راہ یہی لوگ کافر ہیں

حَقًّا ۚ وَ اَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ﴿۱۵۱﴾ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ

حقیقت میں اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے عذاب رسوا کرنے والا اور جو لوگ ایمان لائے ۲۲۶ اللہ تعالیٰ

وَ رُسُلِہٖ وَ لَمۡ یُفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ اُولٰٓئِکَ سَوۡفَ یُؤۡتِیۡہِمۡ

اور اس کے (تمام) رسولوں کے ساتھ اور نہیں فرق کیا انھوں نے کسی میں اُن سے یہی لوگ ہیں دے گا انھیں اللہ تعالیٰ

اُجُوۡرَہُمۡ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۱۵۲﴾ یَسۡـَٔلُکَ اَہۡلُ الۡکِتٰبِ

ان کے اجر اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے مطالبہ کرتے ہیں آپ سے اہل کتاب

اَنۡ تُنَزِّلَ عَلَیۡہِمۡ کِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدۡ سَاَلُوۡا مُوۡسٰۤی اَکۡبَرَ

کہ آپ اتروا دیں ان پر کتاب آسمان سے ۲۲۷ سو وہ تو سوال کر چکے ہیں موسیٰ (علیہ السلام) سے اس سے

مِنۡ ذٰلِکَ فَقَالُوۡۤا اَرِنَا اللّٰہَ جَہۡرَۃً فَاَخَذَتۡہُمُ الصّٰعِقَۃُ بِظُلۡمِہِمۡ ۚ

بھی بڑی بات کا اُنھوں نے کہا تھا اے موسیٰ! دکھاؤ ہمیں اللہ کھلم کھلا تو پکڑ لیا تھا انھیں بجلی کی کڑک نے بسبب ان کے ظلم کے

ہماری اپنی تاریخ بھی ان نوادرِ روزگار ہستیوں سے خالی نہیں۔ اکبر اور داراشکوہ کے بعد آج بھی تو کئی افراد موجود ہیں۔

۲۲۶ یعنی جو لوگ اللہ پر اس کی تمام صفاتِ تقدس و کمال پر اور بلا استثناء اس کے تمام رسولوں پر ایمان لاتے ہیں ان کے اجرِ عظیم کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ اور سوف تاکیدِ مضمون کے لیے ہے۔

۲۲۷ کعب بن اشرف چند اور یہودیوں کو ہمراہ لے کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا۔ اور آکر کہنے لگا کہ ہم آپ پر ایمان لانے کے لیے تیار ہیں بس آپ ہماری ایک چھوٹی سی شرط پوری کر دیجئے۔ جیسے ہمارے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام پر لکھی لکھائی تورات آسمان سے اُتری تھی آپ ایسی ہی کوئی کتاب اتروا دیں تو ہم آج ہی کلمہ پڑھ لیں گے۔ یہود کا یہ مطالبہ محض حجت بازی کے لیے تھا۔ جس کے وہ عرصہ دراز سے خوگر تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے تعجب کو دور کرنے کے لیے فرماتے ہیں کہ آپ اس پر حیران ہیں یہ اپنے پیغمبر سے تو اس سے بھی بڑی اور انوکھی فرمائش کر چکے ہیں ان سے تو اُنھوں نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ

ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ

پھر بنا لیا اُنھوں نے بچھڑے کو (اپنا معبود) ۲۲۸ اس کے بعد کہ آچکی تھیں ان کے پاس کھلی دلیلیں پھر بھی ہم نے بخش دیا ان

ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ

کا یہ (سنگین) جرم ۲۲۹ اور ہم نے عطا فرمایا موسیٰ ؑ کو واضح غلبہ ۲۳۰ اور ہم نے بلند کیا ان کے اُوپر طور کو

بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ

ان سے پختہ وعدہ لینے کے لیے اور ہم نے فرمایا انھیں کہ داخل ہو جاؤ اس دروازہ سے سجدہ کرتے ہوئے اور ہم نے فرمایا انھیں

لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾ فَبِمَا

کہ حد سے نہ بڑھنا سبت میں اور ہم نے لیا تھا اُن سے پختہ وعدہ (ان پر پھٹکار کی)

نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ

وجہ یہ تھی کہ انھوں نے توڑ دیا اپنے وعدہ کو ۲۳۱ اور انھوں نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا اور انھوں نے قتل کیا انبیاء کو ناحق

ہمیں خدا کا بے پردہ دیدار کرا دو تب ایمان لائیں گے۔ اس گستاخی کی سزا انھیں یہ دی گئی کہ بجلی کی کڑک نے انھیں آلیا۔

۲۲۸ ان کے حجت باز ہونے کا دُوسرا واقعہ بیان فرمایا کہ مُوسیٰ علیہ السّلام کی صداقت کے روشن معجزات آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے بعد جب سامری نے بچھڑا بنا کر انھیں کہا کہ تمھارا اصلی خُدا تو یہ ہے عقل کے دشمن اس مُورت کی پرستش میں لگ گئے اور انھیں اتنا بھی یاد نہ رہا کہ کس ذات نے ان کے لیے سمندر میں خشک راستے بنا کر انھیں فرعون کی گرفت سے بچا لیا اور ان کے دُشمن کو ان کی آنکھوں کے سامنے غرق کر دیا جو اتنے کودن ہوں وُہ اگر ایسے نامعقول مطالبات کریں تو اس میں حیرت کیا ہے۔ نیز جو تورات لکھی لکھائی ان پر اتاری گئی تھی اس کو انھوں نے کب مانا تھا کہ اب اگر کوئی ایسا صحیفہ آسمان سے اُتارا جاتا تو ان کے ایمان لانے کی توقع کی جاتی۔

۲۲۹ یعنی اس شرک قبیح کے بعد بھی ہم نے ان کو معاف فرما دیا۔

۲۳۰ روشن معجزات اور واضح دلائل یا رُعب و دبدبہ۔

۲۳۱ باسببیت کے معنی پر دلالت کرتا ہے ما زائدہ ہے اور تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ اور تقدیر عبارت یُوں ہے فبنقضھم میثاقھم لعنّاھم (قرطبی) یعنی انھوں نے پختہ وعدہ کیا کہ ہماری اطاعت و فرماں برداری کریں گے لیکن اس کے بعد

حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ

اور اُنھوں نے یہ (گستاخانہ) بات کہی کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہیں (یوں نہیں) بلکہ مُہر لگا دی اللہ نے اُن کے دلوں پر ٢٣٢

فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا

بوجہ ان کے کفر کے سو وُہ ایمان نہیں لائیں گے مگر تھوڑی سی تعداد۔ اور ان کے کفر کے باعث اور ٢٣٣ مریمؑ پر بُہتان عظیم

عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ

باندھنے کے باعث اور ان کے اِس قول سے کہ ہم نے قتل کر دیا ہے مسیح عیسٰیؑ فرزند مریم کو جو اللہ کا رسول

اس کو توڑ دیا۔ اِس وجہ سے ہم نے اُن پر پھٹکار کی اور انھیں اپنے درِ رحمت سے دُور کر دیا۔

٢٣٢ پہلے کی طرح یہاں بھی اِس امر کی تصریح کر دی کہ انسان جب پے در پے گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا آئینۂ دِل زنگ آلود ہو جاتا ہے اُس کی نگاہِ حق بیں بے نور ہو جاتی ہے اور اس میں حق قبول کرنے کی استعداد دم توڑ دیتی ہے یہود کے فردِ جرم کی اس طویل فہرست پر حواشی سورۂ بقرہ میں گزر چکے ہیں۔

٢٣٣ یہودیوں کے جرائم کا تذکرہ پہلے سُورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ یہاں ان جرائم کے علاوہ چند ایسے شدید قسم کے جرائم کا اضافہ کیا جا رہا ہے جن کا ذکر پہلے نہیں آیا۔ (۱) حضرتِ مریم پر بہتان: جب حضرت مریم کو حضرت مسیح کی بشارت دی گئی تو آپ کنواری تھیں۔ وضع کا وقت قریب آیا تو آپ باہر ویرانے میں چلی گئیں۔ بچہ پیدا ہُوا تو وُہ لوگوں کے طعنوں کا خیال کر کے گھبرائیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہُوا کہ جب کوئی تم پر زبانِ طعن دراز کرے تو خود چُپ رہنا اور اس بچّے کی طرف اشارہ کر دینا۔ چنانچہ جب آپ واپس یروشلم پہنچیں لوگوں نے ان کی گود میں بچّہ دیکھ کر انھیں مطعون کرنا شروع کیا۔ ایک کنواری لڑکی کی گود میں بچہ دیکھنے سے اس کے اخلاق کے متعلق شکوک کا پیدا ہو جانا ایک طبعی امر تھا۔ حضرت مریم نے حسب ارشادِ الٰہی بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔ کہ اس سے دریافت کرو۔ کہنے لگے۔ کیف نکلم من کان فی المھد صبیا۔ ہم کیوں کر اس بچّے سے بات کر سکتے ہیں جو ابھی پنگھوڑے میں ہے۔ اس وقت وُہ معصوم بچّہ جس کی عُمر چند گھنٹوں سے زیادہ نہ تھی فصیح زبان میں گویا ہُوا۔ قال انی عبد اللہ آتٰنی الکتاب وجعلنی نبیا۔ کہ میں اللہ کا بندہ ہُوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔ اس روشن معجزہ اور ناقابلِ تردید دلیل کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لینے کے بعد انھیں حضرت مریم کی طہارت کا یقین آنا چاہیئے تھا۔ آخر وُہ اہلِ کتاب تھے اور نبوت، وحی اور معجزات پر ان کا ایمان تھا لیکن یوں جان لینے کے بعد پھر ان کا اس تقدّس مآب خاتون پر یہ تہمت لگانا بُہتانِ عظیم نہیں تو اور کیا ہے۔ والبھتان العظیم رمیھم مریم بالزنا مع رؤیتھم الآیۃ فی کلام عیسٰی علیہ السلام فی المھد ووصف بالعظیم لانھم تمادوا علیہ بعد ظھور

اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۗ وَاِنَّ

ہے ۲۳۴ حالانکہ نہ اُنھوں نے قتل کیا اور نہ اُسے سُولی چڑھا سکے ۲۳۵ بلکہ مشتبہ ہوگئی ان کے لیے (حقیقت) ۲۳۶ اور یقیناً

الآیۃ وقیام المعجزۃ بالبراءۃ (بحر)

۲۳۴ دُوسرا جرم جس کا یہاں پہلی دفعہ ذکر ہو رہا ہے ان کا یہ دعویٰ کہ ہم نے اللہ کے رسُول مسیح کو قتل کر دیا مفسّرین کرام نے لکھّا ہے کہ جب وُہ آپ کو رسُول مانتے تھے تو پھر قتل کیوں کیا؟ اِس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔ (ا) اُنھوں نے یہ الفاظ بطور تمسخر بڑھائے تھے۔ وُہ آپ کو رسُول مانتے نہیں تھے یا یہ کہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰیؑ کی شان و توقیر بیان کرنے کے لیے بڑھائے ہیں۔ لیکن اگر یہُود کی گزشتہ تاریخ کو دیکھا جائے تو یہ کچھ بعید بھی معلوم نہیں ہوتا کہ آپ کو رسُول اللہ مانتے ہوئے اُنھوں نے آپ کو قتل کرنے کی ٹھانی ہو۔ حضرت زکریا اور یرمیا علیہما السّلام کو نبی مانتے تھے لیکن جب ان بزرگواروں نے انھیں ان کی بداخلاقیوں پر ٹوکا تو انھیں اپنے ہاتھوں شہید کر دیا۔ بہرحال اُن کا یہ دعویٰ کرنا کہ ہم نے مسیح کو قتل کر دیا (اگرچہ اس کی تغلیط آگے آ رہی ہے) اور پھر اس پر ان کا اِترانا اور فخر کرنا اس سے بڑھ کر ان کے کفر کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

۲۳۵ عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح کے دُشمن یہُود بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو قتل کر دیا اور سُولی دے دیا اور آپ کے ماننے والے اور پرستار بھی یہی یقین رکھتے ہیں کہ یہُود نے حضرت مسیح کو سُولی دے دیا۔ گویا بیٹا سُولی پر لٹکتے ہُوئے ایلی! ایلی! تم نے مجھے کیوں چھوڑ دیا فریاد کرتا رہا اور باپ نے اس کی کچھ مدد نہ کی۔ جب دُشمن اور دوست سب اِس بات پر متفق ہو چکے تھے تو قرآن نے آ کر حضرت مسیح کی عظمت و جلالتِ شان سے پردہ اُٹھایا اور صاف الفاظ میں اعلان کیا کہ یہُودی اپنی سازش میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جس اللہ کے رسُول کو اپنے اللہ کا پیغام سُنانے کے باعث اُنھوں نے قتل کرنے کی سرتوڑ کوشش کی اللہ ربُّ العزّت نے اُن کی اس ناپاک سازش کو ناکام بنا دیا۔ اور اپنے رسُول کا بال بھی بیکا نہ ہونے دیا۔ دونوں چیزوں کی نفی کر دی یعنی یہُودی نہ آپ کو قتل کر سکے اور نہ سُولی پر چڑھا کر تذلیل کر سکے۔ جیسے مختلف انجیلوں میں مذکُور ہے۔ مرزائیوں کی لاہوری پارٹی کے امیر مولوی محمد علی نے اپنے انگریزی ترجمۂ قرآن میں اِس جگہ توضیحی نوٹ لکھّا ہے اس میں اس بات کی بڑی زحمت اُٹھائی ہے کہ آیاتِ قرآن کو انجیلوں میں بیان کردہ حکایت پر منطبق کریں۔ چنانچہ وہ ان تمام تفصیلات کو جو انجیلوں میں موجُود ہیں بڑی فراخدلی سے تسلیم کرتے چلے جاتے ہیں کہ حضرت مسیح کو سُولی دیا گیا۔ چنانچہ وُہ نیم جان ہو کر دُوسرے دو مجرموں کی طرح نیچے گر پڑے۔ آپ کے پہلو میں ضربیں لگا لگا کر چھلنی کر دیا گیا اور خُون کے فوّارے بہ نکلے وغیرہ۔ پھر آخر میں نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ قرآن اِن چیزوں کا اِنکار نہیں کرتا کیونکہ قرآن نے بھی سُولی پر مرنے کی نفی کی ہے لیکن اگر وُہ ذرا سا تامّل کرتے تو قرآن کا ایک لفظ ہی ان کو اس زحمتِ لاطائل سے بچا لیتا۔ وہاں دونوں چیزوں کی نفی ہے مرنے کی بھی اور سُولی پر چڑھائے جانے کی بھی۔ کیونکہ صَلَبَ کا معنی ہے الصلب ھو

الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ

جنھوں نے اختلاف کیا ان کے بارے میں وُہ بھی شک و شبہ میں ہیں ان کے متعلق ۲۳۷ نہیں ان کے پاس اس امر کا کوئی صحیح علم

تعلیق الانسان للقتل کسی انسان کو لٹکا دینا تاکہ وُہ مرجائے۔ مرجانا صلب کے معنی موضوع لہ میں داخل نہیں بلکہ اس فعل کا مقصد ہے۔ اور مقصد و غایت مفہوم کو مستلزم ہو تو ہو لیکن معنی میں داخل نہیں ہوا کرتا۔ اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہود اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ آپ کو پکڑا بھی گیا۔ آپ کے منہ پر تھوکا بھی گیا۔ کانٹوں کا تاج بھی پہنایا گیا اور پھر سُولی بھی چڑھا دیا گیا۔ گویا اپنی طرف سے اُنھوں نے اس منحوس منصوبہ کو عملی جامہ پہنا دیا۔ اب یہ اور بات ہے کہ مسیح توقع سے زیادہ سخت جان ثابت ہُوئے اور بچ گئے۔ یہود کا مقصد تو پُورا ہو گیا۔ اُنھوں نے آپ کی تذلیل و تحقیر اور اذیّت رسانی کے سارے ارمان پُورے کر لیے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کی ناپاک سازشوں کو ناکام کر دیا اور اپنے برگزیدہ بندے اور جلیل القدر رسُول کی توہین کرنے کا انھیں قطعاً موقع نہیں دیا اور یہی قرآن کا واضح اعلان ہے۔

۲۳۶ے تفاسیر میں اگرچہ ایسی روایات کثرت سے مندرج ہیں جن میں حضرت مسیح علیہ السّلام کو گرفتار کرنے اور آپ کے بچ جانے اور کسی دُوسرے انسان کو سُولی چڑھائے جانے کی تفصیلات موجُود ہیں لیکن محقّق علمائے تفسیر نے صراحت کر دی ہے کہ کوئی روایت بھی یقینی نہیں۔ اور حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے اس کے متعلّق کوئی صحیح حدیث مروی نہیں۔ واختلف الرواۃ فی کیفیۃ القتل والصلب ولم یثبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک شئ (بحر المحیط) بہرحال اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں نے فلسطین کے رُومی گورنر پیلاطس کی عدالت میں آپ کے خلاف مقدمہ دائر کیا اور آپ پر یہ الزام لگایا کہ آپ دینِ مُوسوی میں تحریف کرتے ہیں اور جھُوٹی شہادتیں پیش کر کے اسے مجبُور کیا کہ آپ کو پھانسی کی سزا دے۔ اور جب اسے پس و پیش کرتے دیکھا تو اس کو فتنہ و بغاوت کی دھمکی دی انجیل کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے "جب پیلاطس نے دیکھا کہ کچھُ نہیں بن پڑتا بلکہ اُلٹا بلوہ ہوا جاتا ہے تو پانی لے لے کر لوگوں کے رُوبرُو اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا میں راست باز کے خون سے بری ہُوں تم جانو! سب لوگوں نے کہا اس کا خُون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر" انجیل متی۔ تو جب پیلاطس نے ان کے دباؤ کے زیرِ اثر آپ کو بے گناہ اور معصُوم یقین کرتے ہُوئے سُولی دینے کا حکم دے دیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ غالبہ اور حکمتِ کاملہ سے عیسٰی علیہ السّلام کو تو بچا لیا اور ایک منافق کی شکل کو آپ کے مشابہ کر دیا اور یہودی اسی کو مسیح سمجھ کر پکڑ لے گئے اور اُسے پھانسی دے دیا۔ اغلباً وُہ منافق یہوداہ تھا جو آپ کا حواری تھا۔ اور جب یہُودیوں نے اسے تیس روپیہ کا لالچ دیا تو اس نے اپنے پیغمبر کی مخبری کی اور آپ کو گرفتار کرانے کی کوشش میں یہود کا ساتھ دیا۔

۲۳۷ے اِس بارے میں نصاریٰ کے مختلف اقوال کی تو حد ہی نہیں۔ امام رازیؒ نے تین مشہُور فرقوں کی آراء نقل کی ہیں۔

اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿١٥٧﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ

بجز اس کے کہ وُہ پیروی کرتے ہیں گمان کی اور نہیں قتل کیا اُنھوں نے اُسے یقیناً ٢٣٨ بلکہ اُٹھا لیا ہے اُسے اللہ نے اپنی طرف ٢٣٩

ا۔نسطوریہ۔ ۲۔ ملکانیہ۔ ۳۔ یعقوبیہ۔ نسطوریہ فرقہ کا یہ قول ہے کہ مسیح کا ناسُوت تو مصلوب ہوا لیکن ان کا لاہوت مصلوب نہیں ہوا۔ ملکانیہ کا خیال ہے کہ لاہُوت بھی مصلُوب ہوا لیکن بالذّات نہیں بلکہ بواسطۂ ناسُوت اور یعقوبیہ کا نظریہ یہ ہے کہ ناسُوت اور لاہُوت دونوں کو سُولی دی گئی۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ ان کی یہ آرا کسی دلیل پر مبنی نہیں بلکہ سب کچھ ظن و گمان کی نقش آرائیاں ہیں۔

٢٣٨ مسیح کے نام سے واقف جتنی قومیں جہاں کہیں بستی تھیں سب اس غلط فہمی کا شکار تھیں کہ آپ کو سُولی دیا گیا۔ اس عالمی غلط فہمی کا ازالہ اور حضرت مسیح علیہ السّلام کی عظمت کا اعلان اگر قرآن حکیم نہ کرتا تو اور کون کرتا۔ اس لیے بار بار اس حقیقت کو دُہرایا جا رہا ہے۔

٢٣٩ حضرت مسیح کے بارے میں پھیلے ہُوئے تمام نظریات کا بطلان کر کے اب قرآن خود بتاتا ہے کہ وُہ کہاں گئے۔ فرمایا اُنھیں اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف اُٹھا لیا۔ اب قدرۃً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کہاں اُٹھا لیا۔ کہیں وُہ خود بیٹھا تو ہے نہیں کہ وہاں بُلا لیا ہو تو اس کا صاف جواب یہ ہے کہ آسمان پر۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی حدیث معراج میں اس کی تصریح موجُود ہے۔ کیونکہ رفع کا معنی بلند کرنا ہے۔ اگر کسی چیز کو نیچی جگہ سے اُٹھا کر بلند جگہ پر رکھ دیا جائے یا کسی کا مرتبہ اور شان بلند کر دی جائے تو وہاں رفع کا لفظ مستعمل ہوتا ہے اور اگر دونوں چیزیں اکٹھی ہو جائیں یعنی بلندیٔ مقام اور بلندیٔ شان تو رفع کا استعمال کیوں دل میں کھٹکے۔ بات اتنی سی تھی۔ بالکل مختصر اور دو ٹوک۔ کہ یہودیوں کا دعویٰ اور عیسائیوں کا عقیدہ کہ حضرت مسیح کو سُولی دے دیا گیا دونوں غلط ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں اپنی طرف اُٹھا لیا اور حدیث رسُولؐ نے بتا دیا کہ آپ کو آسمان پر اُٹھا لیا گیا۔ لیکن انسان کی کج بحثی یا نُدرت آفرینی کا کیا علاج جب تک سیدھی اور صاف بات میں اپنی بیخ نہ لگا لے حضرت کو قرار نہیں آتا۔ جناب مرزا صاحب آنجہانی تشریف لائے اور اپنے نبی اور مسیح ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اور اپنی نبوّت کے ثبوت کے لیے وفاتِ مسیح کو بطور اساس قرار دیا حالانکہ ختم نبوّت کے مسئلہ کو حیاتِ مسیح کے ساتھ دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ اگر بفرضِ محال حیاتِ مسیح ثابت نہ ہو سکے تو بھی حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد کسی کا کسی قسم کی نبوّت کا دعویٰ کرنا آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ کا صریح انکار اور کفر ہے۔ مزید برآں مرزا صاحب کا مسیح موعُود ہونے کا دعویٰ اور استدلال بھی کچھ کم دلچسپ نہیں۔ آپ مسیح کیوں ہیں؟ اس لیے کہ احادیث میں موجُود ہے کہ حضرت مسیح آئیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا کوئی فرمان غلط نہیں ہو سکتا۔ اور اگر پوچھا جائے کہ جناب اِن احادیث میں مسیح کی آمد کا ذکر ہے ان میں تو مسیح کا نام، ولدیّت، محلِّ نزوُل اور جو جو کارہائے نمایاں آپ انجام دیں گے ان سب کا تفصیلی ذکر ہے اور حُسنِ اتفاق کہ آپ میں ان تفصیلات میں سے کوئی ایک چیز بھی تو نہیں پائی جاتی تو پھر آپ وُہ مسیح کیوں کر ہُوئے

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۱۵۸﴾ وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ إِلَّا

اور ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا۔ اور کوئی ایسا نہیں ہوگا اہل کتاب سے مگر ۲۴۰

جس کی آمد کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ (ان احادیث کثیرہ میں سے ایک حدیث کا ذکر ابھی آ رہا ہے) تو پھر انھیں احادیث پر اعتراضات کی بوچھاڑ اور جب اس میں بھی کامیابی نظر نہیں آتی تو پھر تاویلات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اگر بنی اسرائیل کے دانشوروں نے بچھڑے کو خدا مان لیا تھا تو آج اگر کوئی مرزا صاحب کو نبی یا مسیح موعود مان لے تو کیا تعجب ہے؟ حیاتِ مسیح علیہ السلام کی تفصیلی بحث سورہ الاحزاب کی اکتالیسویں آیت کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیے۔ ضیاء القرآن جلد چہارم

۲۴۰ قبل موتہ کی ضمیر کا مرجع کون ہے؟ بعض نے کہا اس کا مرجع کتابی ہے یعنی ہر اہل کتاب پر مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ کا مقامِ نبوت و عبدیت منکشف ہو جاتا ہے اور وہ اس پر ایمان لے آتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول اور اس کے بندے ہیں۔ لیکن امام المفسرین ابن جریر۔ امام ابن حیان الاندلسی اور علامہ ابی عبداللہ القرطبی اپنی تفاسیر میں اس قول کو ترجیح دیتے ہیں کہ مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات ہے یعنی آپ وفات سے پہلے زمین پر نزول فرمائیں گے اور اس زمانہ میں جتنے اہل کتاب ہوں گے آپ پر ایمان لا کر دینِ اسلام میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ ابن حیان کی عبارت ہے۔ والظاھر ان الضمیرین فی بہ وموتہ عائد ان علی عیسیٰ وھو سیاق الکلام (بحر محیط) اور امام ابن جریر فرماتے ہیں: واولی الاقوال بالصحۃ والصواب قول من قال تاویل ذلک ان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بعیسیٰ قبل موت عیسیٰ۔

ترجمہ۔ تمام اقوال سے زیادہ صحیح اور درست قول یہ ہے کہ بہ اور موتہ کی ضمیروں کا مرجع عیسیٰ ہے یعنی تمام کتابی عیسیٰ کے مرنے سے پہلے عیسیٰ پر ایمان لے آئیں گے۔

اور علامہ قرطبی یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں وقالہ قتادۃ وابن زید وغیرھما واختارہ الطبری و نحوہ عن الضحاک وعن سعید بن جبیر۔ ترجمہ۔ کہ حضرات قتادہ، ابن زید وغیرہما کا یہی قول ہے ضحاک، سعید بن جبیر اور امام طبری نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

اور اس قول کی وجہ ترجیح یہ حدیث بیان کرتے ہیں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لینزلن ابن مریم حکما عدلا فلیقتلن الدجال ولیقتلن الخنزیر و لیکسرن الصلیب وتکون السجدۃ واحدۃ للہ رب العلمین ثم قال ابوھریرۃ اقرؤوا ان شئتم و ان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ قال ابوھریرۃ قبل موت عیسیٰ علیہ السلام یعیدھا ثلاث مرات۔

ترجمہ "حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابن مریم ایک عادل حاکم کی حیثیت سے تم میں ضرور

لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ

وہ ضرور ایمان لائے گا مسیح پر ان کی موت سے پہلے اور قیامت کے دن وہ ہوں گے ان پر

شَهِيْدًا ﴿١٥٩﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ

گواہ ٢٤١ سو بوجہ ظلم ڈھانے یہود کے ٢٤٢ ہم نے حرام کر دیں اُن پر

طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾

وُہ پاکیزہ چیزیں جو حلال کی گئی تھیں ان کے لیے اور بوجہ روکنے یہود کے ٢٤٣ اللہ کے راستے سے بہت لوگوں کو

اُتریں گے وُہ دجّال اور خنزیر کو قتل کریں گے صلیب کو توڑیں گے اور سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کو کیا جائے گا جو پروردگارِ عالم ہے۔ پھر حضرت ابُوہریرۃؓ نے کہا کہ اگر دلیل کی ضرورت ہو تو یہ آیت پڑھو۔ وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته۔ ابوہریرۃؓ نے فرمایا موتہ کی ضمیر عیسیٰ علیہ السّلام کی طرف لوٹتی ہے۔ آپ نے یہ بات تین بار کہی" یہ حدیث ان کثیر التعداد احادیث میں سے ایک ہے جن میں آنے والے مسیح کی ولدیّت، ان کی صفات اور ان کے کارہائے نمایاں کا تذکرہ ہے۔ اِنصاف سے کہیئے کیا جناب مرزا صاحب میں ان میں سے کوئی ایک بات بھی پائی جاتی ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر وُہ مسیح موعود (یعنی وُہ مسیح جس کی آمد کا وعدہ کیا گیا ہے) کیوں کر بن سکتے ہیں؟

٢٤١ یعنی آپ یہودیوں اور عیسائیوں کی بداعمالیوں پر شہادت دیں گے۔

٢٤٢ فبما نقضهم کا بدل ہے۔ ابھی ذکر یہود کی نافرمانیوں کا چلا آرہا ہے انھیں عصیاں شعاریوں کے باعث اللہ تعالیٰ نے کئی ایک حلال و پاکیزہ اشیاء کو بطور سزا اُن پر حرام فرمایا۔ جن کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔

٢٤٣ یہ کوئی معمولی جُرم نہیں کہ انسان خود اطاعتِ خداوندی سے محرُوم رہے لیکن جو شخص دُوسروں کے لیے ہدایت کا راستہ بند کرتا ہے اور دعوتِ حق قبول کرنے سے روکتا ہے اس سے بڑھ کر اور کون مجرم ہوگا۔ دین سے روکنے کی ایک صُورت تو یہ ہے کہ اِنسان زبان اور قوّت سے لوگوں کو سچّا دین قبول کرنے سے روکے۔ اس کے علاوہ ایک دُوسری صُورت بھی ہے جو زیادہ خطرناک ہے وُہ یہ کہ اِنسان دینِ حق کو قبول تو کرلے لیکن اس کے احکام، اس کے ضابطۂ اخلاق اور اس کے قواعدِ معاشرت وغیرہ پر عمل کرکے اپنی حالت کو نہ سنوارے تو دُوسری قومیں خود بخود اس دین سے متنفر ہوجائیں گی کہ جب اس کے قدیم ماننے والے کسی حیثیّت سے بھی دُوسری قوموں سے بلند اور بہتر نہیں تو پھر اس دین کو کیوں قبول کیا جائے۔ کیا ہم مسلمان کہلانے والے اپنی زشتیِ اعمال سے دُوسری قوموں کے لیے اِسلام قبول کرنے میں حجاب اور رُکاوٹ تو نہیں؟ یہ غور طلب مسئلہ ہے۔

وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ

اور بوجہ ان کے سُود لینے کے ۲۴۴ حالانکہ منع کیے گئے تھے اس سے اور بوجہ ان کے کھانے کے لوگوں کے مال

بِالْبَاطِلِ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾ لٰكِنِ

ناحق اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لیے ان میں سے عذاب دردناک لیکن

الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ

جو پختہ ہیں ۲۴۵ علم میں ان سے (وُہ بھی) اور (جو) مسلمان ہیں ایمان لاتے ہیں اس پر جو اُتارا گیا

اِلَيْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ الْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَ الْمُؤْتُوْنَ

آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے اور صحیح ادا کرنے والے ۲۴۶ نماز کے اور دینے والے

الزَّكٰوةَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ

زکوٰۃ کے اور ایمان لانے والے اللہ اور روزِ آخرت کے ساتھ یہی ہیں جنھیں عنقریب ہم دیں گے

۲۴۴ے اگرچہ آج یہود دُنیا میں سب سے بڑی سُود خور قوم ہے اور دولت جمع کرنے میں ہر حیلہ وفریب سے کام لینے میں ضرب المثل ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے دین نے ان کو ایسے قبائح کی اجازت دی۔ اِس لیے قرآن نے بتایا کہ ان باتوں سے انھیں منع کیا گیا تھا لیکن باز نہ آئے۔ ان کی تورات میں اب بھی ایسی واضح آیات موجود ہیں جن میں انھیں سُود لینے سے روکا گیا ہے۔ "اگر تو میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو جو تیرے پاس رہتا ہو کچھ قرض دے تو اس سے قرضخواہ کی طرح سلوک نہ کرنا اور نہ اس سے سُود لینا۔ (خروج ۲۲ : ۲۵)

۲۴۵ے یہود کی کثرتِ غالبہ اگرچہ ہدایت آسمانی کو عملی طور پر چھوڑ چکی تھی لیکن ان میں بھی خال خال ایسے علماء موجود تھے جن کی معلومات اپنے دین کے متعلق سطحی قسم کی نہ تھیں بلکہ ٹھوس قابلیّت کے مالک تھے جیسے عبد اللہ بن سلام وغیرہ اور اپنے علم کے مطابق عمل پیرا تھے یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ قرآن حکیم ان نفوسِ قدسیہ کا ذکر نہ فرماتا۔

۲۴۶ے اس کا عطف المومنون پر ہے۔ نحوی قاعدہ کے مطابق المقیمون ہونا چاہیئے اسے اپنے معطوف علیہ کے خلاف اعراب کیوں دیا گیا؟ اس کے متعلق علماء نے متعدد جواب دیئے لیکن سب سے بہتر توجیہ وُہ ہے جو سیبویہ نے کی۔ قال سیبویہ هذا باب ماینصب علی التعظیم: کہ مقیمین پر نصب تعظیم کی وجہ سے ہے وهذا اصح ماقیل فیه (قرطبی)

اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٦٢﴾ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ

اجرِ عظیم ۔ بے شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف ۲۴۷ جیسے وحی بھیجی ہم نے نوحؑ کی طرف

وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَ

اور ان نبیوں کی طرف جو نوحؑ کے بعد آئے اور (جیسے) وحی بھیجی ہم نے ابراہیمؑ ، اسمٰعیلؑ ،

اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَ

اِسحٰقؑ ، یعقوبؑ اور ان کے بیٹوں اور عیسٰیؑ ، ایوّبؑ ، یونسؑ ،

هٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ

ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف اور ہم نے عطا فرمائی داؤدؑ کو زبور اور (جیسے وحی بھیجی) دوسرے رسولوں پر جن کا حال بیان کر دیا ہے

۲۴۷ لغت عربی میں وحی کا معنی اشارہ کرنا ہے جیسے فاوحی الیھم ان سبحوا بکرۃ وعشیا حضرت زکریا نے انھیں اشارہ کیا کہ صبح وشام اللہ کی تسبیح کیا کریں اور اس کا اطلاق مختلف مفہوموں پر ہوتا رہتا ہے بطریقِ الہام کسی چیز کو دل میں ڈال دینے کو بھی وحی کہتے ہیں جیسے واوحینا الی ام موسٰی نیز اپنے طبعی اور غریزی فرائض کی انجام دہی کے لیے جو ہدایت کسی کو فطری طور پر اپنے خالق کی طرف سے ہوتی ہے اُسے بھی وحی کہا جاتا ہے جیسے واوحٰی ربك الی النحل ۔ اور کسی کو پُراسرار طریقہ سے کسی امر کی تعلیم دینے کو بھی وحی کہتے ہیں ۔ جیسے شیاطین الانس والجن یوحی بعضہم الی بعض ۔ اور انبیاء کی طرف اللہ تعالٰی کی جانب سے جو وحی کی جاتی ہے اس کا مفہوم یہ ہے وحی اللہ الی انبیائہ ھو ما یلقیہ الیھم من العلم الضروری الذی یخفیہ عن غیرھم بعد ان یکون اعد ارواحھم لیلقیہ بواسطۃ الملك او بغیر واسطۃ (المنار) ترجمہ ۔ اس علمِ یقینی اور قطعی کو وحی کہتے ہیں جو اللہ تعالٰی دُوسرے لوگوں سے پنہاں اپنے انبیاء کے دلوں میں القاء فرماتا ہے ۔ جن کے ارواحِ طیبہ کو اُس نے پہلے سے اِس علم کو قبول کرنے کے لیے تیاّر کیا ہوتا ہے ۔ یہ القاء کبھی فرشتہ کے واسطہ سے ہوتا ہے اور کبھی بلا واسطہ براہِ راست ۔ وحی کی حقیقت ذہن نشین کر لینے کے بعد اب آیت پر غور فرمائیے ۔ حضور نبی کریمؐ کی نبوّت کو یہود بڑے شک کی نگاہ سے دیکھتے اور بہت حیران ہوتے تھے کہ یہ کیونکر نبی ہو گئے ۔ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ آپ سے پہلے اور انبیاء بھی مبعوث ہوئے اور اُن پر اللہ کی وحی نازل ہُوئی ہے اور جب وہ ان کی نبوّت اور ان پر نزولِ وحی کو تسلیم کرتے ہیں تو آپ کو کیوں نبی نہیں مانتے ۔ چند انبیاء کے اسماء گرامی ذکر کر دیئے تاکہ اُنھیں مجالِ انکار نہ رہے ۔

عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ

ہم نے آپ سے اس سے پہلے اور ان رسولوں پر بھی جن کا ذکر ہم نے اب تک آپ سے نہیں کیا ۲۴۸ اور کلام فرمایا اللہ نے

مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ

موسیٰ سے خاص کلام ۲۴۹ (بھیجے ہم نے یہ سارے) رسول خوشخبری دینے کے لیے اور ڈرانے کے لیے تاکہ نہ رہے

لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾

لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر رسولوں کے (آنے کے) بعد ۲۵۰ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے (کوئی تسلیم نہ کرے تو اس کی مرضی)

۲۴۸ یہاں سے اس غلط فہمی کا ازالہ کرنا مقصود ہے کہ انبیاء صرف اتنے ہی ہوتے ہیں جن کے نام قرآن مجید میں موجود ہیں اس لیے فرمایا کہ بعض ایسے انبیاء بھی ہیں جن کا نام قرآن حکیم میں نہیں آیا۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ دوسرے انبیاء کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو بھی علم نہ تھا۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور کو سب انبیاء کا علم تھا۔ یہاں نفی زمانہ گزشتہ کی ہو رہی ہے۔ یہ اس کو مستلزم نہیں کہ آئندہ بھی نہ بتایا ہو۔ لان نفی قصهم من قبل لا یستلزم نفی قصهم مطلقا۔ (روح المعانی)

۲۴۹ مصدر کا ذکر تاکید اور رفع احتمال مجاز کے لیے ہے یعنی کوئی یہ نہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ کی گفتگو موسیٰ علیہ السّلام سے بھی بذریعہ فرشتہ ہوئی اور کلام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف مجازی ہے۔ بلکہ حقیقتہً اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کے بغیر کلام فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ جس بندے کو اپنے خاص فضل سے ممتاز کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ بے واسطہ گفتگو ہمارے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ہوئی لیکن موسیٰؑ سے وادیٔ ایمن میں اور مصطفیٰؐ سے بالائے عرش۔ بس وُہی فرق جو کلیم اور حبیب میں ہے۔ علامہ آلوسی بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی نبی کو جو معجزہ عطا ہوا وہ معجزہ اللہ تعالیٰ نے بمعہ زیادتی اپنے محبوب کو بھی مرحمت فرمایا۔ بل ما من ذرة نور شعت فی العلمین الا تصدقت بها شمس ذاته صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ولله سبحانه در البوصیری حیث یقول ؎

وکل آی اتی الرسل الکرام بها فانما اتصلت من نوره بهم (روح المعانی)

یعنی سارے جہانوں میں نور کی کوئی کرن جو کہیں چمک رہی ہے وُہ آفتاب محمدیؐ کا صدقہ ہے۔ اور علامہ بوصیری رحمہ اللہ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے کہ اللہ کے معزز و مکرم رسولوں کو جو معجزہ بھی ملا ہے وُہ درحقیقت آپ کے نور کا فیضان ہے۔

۲۵۰ یعنی ہم نے کثیر تعداد میں مختلف علاقوں اور مختلف وقتوں میں اس لیے نبی اور رسول مبعوث فرمائے تاکہ لوگوں کو اللہ کی معرفت اور اس تک پہنچنے کا راستہ بتائیں اور یوم حشر جب وُہ ہماری جناب میں پیش ہوں تو یہ عُذر نہ پیش کر سکیں کہ ہمیں ہماری گمراہی پر کیوں سزا دی جا رہی ہے۔ کیا کوئی ایسا پیغمبر آیا جس نے ہمیں حق کی دعوت دی اور ہم نے قبول نہ کی۔ جب ہمیں

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ

لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے اس کتاب کے ذریعہ جو اس نے آپ کی طرف اتاری کہ اس نے اُسے اتارا ہے اپنے علم سے اور فرشتے بھی ۲۵۱

يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ؕ ﴿١٦٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا

گواہی دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ تعالیٰ بطور گواہ بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اور روکا (دوسروں کو)

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿١٦٧﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اللہ کی راہ سے ۲۵۲ وہ گمراہ ہوئے اور گمراہی میں بہت دور نکل گئے بے شک جنھوں نے کفر کیا

وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿١٦٨﴾ لا

اور ظلم کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ بخش دے انھیں اور نہ یہ کہ دکھائے ۲۵۳ انھیں (سیدھی) راہ

اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

بجز جہنم کی راہ کے ہمیشہ رہیں گے اس میں ابد تک اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے

حق کی طرف بُلانے والا آپ نے بھیجا ہی نہیں تو پھر ہمیں آج کیوں عذاب دیا جا رہا ہے۔ ان کے اس عُذر کو دُور کرنے کے لیے انبیاء و رُسل مبعُوث کیے گئے۔

۲۵۱۔ جس ذات پاک نے آپ سے پہلے آنے والے پیغمبروں پر وحی نازل کی۔ اسی نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے دُوسرے لوگوں کی شہادت کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ خود اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ اس کی سچّائی کی گواہی دے رہا ہے کہ اسی نے اپنے کمالِ علم و حکمت سے اسے اُتارا ہے۔ اس کتاب کی ہر آیت ہر جُملہ بلکہ ہر کلمہ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کی جلوہ گاہ ہے۔ جو شخص تعصّب سے بالاتر ہو کر اس کا مطالعہ کرے گا وُہ بے ساختہ کہہ اُٹھے گا کہ یہ کتاب اللہ کی نازل کردہ ہے۔

۲۵۲۔ حضُور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے اَوصاف و کمالات جو تورات میں موجُود تھے ان کا اِنکار کر کے اُنھوں نے دُوسرے لوگوں کو بھی اِسلام قبول کرنے سے روک دیا۔ ای دین الاسلام بانکارھم نعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم۔

۲۵۳۔ کیونکہ انھوں نے خود قبُولِ حق کی اِستعداد کو ضائع کر دیا ہے اور اپنے اعمالِ سیّئہ سے اپنے آپ کو جہنّم کی سزا کا مُستحق بنا دیا ہے۔

يَسِيرًا ﴿١٦٩﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ

بالکل آسان ہے اے لوگو! تحقیق آگیا ہے تمھارے پاس رسُول حق کے ساتھ تمھارے رب کی طرف سے

فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

پس تم ایمان لاؤ یہ بہتر ہے تمھارے لیے اور اگر تم انکار کرو تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں

وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧٠﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا

اور زمین میں ہے اور ہے اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا اے اہل کتاب نہ غلو کرو ۲۵۴

فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى

اپنے دین میں اور نہ کہو اللہ تعالیٰ کے متعلق مگر سچی بات بے شک مسیح عیسیٰ

ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ

پسر مریم تو صرف اللہ کے رسُول ہیں اور اس کا کلمہ ۲۵۵ جسے اللہ نے پہنچایا تھا مریم کی طرف اور ایک رُوح تھی

۲۵۴ اس سے پہلے یہود کا ذکر تھا جنھوں نے حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے مقامِ بلند کو نہ پہچانا اور آپ کو نبی ماننا تو کجا ایک شریف آدمی بھی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ کی ذاتِ مقدّسہ اور آپ کی والدہ طاہرہ پر گندے سے گندے بہتان لگائے۔ یہاں تک کہ آپ کو قتل کرنے کی بھی مذموم کوشش کی جس میں وُہ ناکام رہے۔ ان کی تردید کے بعد رُوئے سخن دُوسری قوم کی طرف ہوتا ہے جنھوں نے حضرت مسیح کو یُوں بڑھایا کہ انھیں خُدا یا خُدا کا بیٹا ماننا شروع کر دیا۔ اب انھیں اس غلو سے روکا جا رہا ہے اور انھیں بتایا جا رہا ہے کہ وُہ خُدا نہیں، خُدا کے بیٹے نہیں بلکہ خُدا کے برگزیدہ رسُول اور مقبول بندے ہیں۔ غلو کا معنی ہے حد سے تجاوز کرنا الغلو التجاوز فی الحد (قرطبی) قرآنِ کریم میں حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے ذکر کے ساتھ کلمہ اور رُوح کے الفاظ کا ذکر اکثر ملتا ہے اس لیے ان کا صحیح مفہوم ذہن نشین کرنا از حد ضروری ہے تاکہ کسی کی وسوسہ اندازی سے انسان متاثر نہ ہو۔

۲۵۵ کلمہ کا لغوی معنی تو ہے ومانطق به الانسان جس کے ساتھ نطق کیا جائے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ عیسٰی علیہ السّلام پر اس کا اطلاق حقیقی معنی میں نہیں بلکہ مجازاً ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وجہِ مجاز کیا ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام پر کلمہ کے اطلاق کی وجہ یہ ہے کہ ہر مولُود کے دو سبب ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کی تخلیق سے

مِنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا

اس کی طرف سے ۲۵۶ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور نہ کہو ۲۵۷ تین (خدا ہیں) باز آجاؤ (ایسا کہنے سے) یہ بہتر ہے

متعلق ہوا اور وہ اپنی زبانِ قدرت سے "کُن" فرما کر اسے اذنِ ظہور دے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ مادۂ منویہ شکمِ مادر میں قرار پکڑے اور وقتِ معین گزرنے کے بعد اس کی ولادت ہو۔ پہلا سبب اگرچہ حقیقی ہے لیکن نگاہوں سے پوشیدہ ہے اس لیے اسے سببِ بعید کہہ لیجئے اور دوسرا سبب کیونکہ عادی اور عام ہے اور اسے ہر ایک جانتا ہے مومن ہو یا غیر مومن اس لیے اسے سببِ قریب کہہ لیجئے۔ اب یہاں دلائلِ قطعیہ سے ثابت ہے کہ سببِ قریب یعنی مادۂ منویہ موجود نہیں اس لیے ان پر سببِ بعید یعنی کلمۂ "کُن" کا اطلاق کر دیا اور آپ کو کلمۃ اللہ یا کلمۃ منہ کہہ دیا۔ اور عربی لغت میں سبب کا اطلاق مسبّب پر عام ہوتا رہتا ہے۔ جیسے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنے متعلق فرمایا۔ انا دعوۃ ابی ابراھیم یعنی میں اپنے پدرِ بزرگوار ابراہیم؈ کی دعا ہوں حالانکہ آپ دعا نہ تھے بلکہ دعا کا جواب تھے۔ دعاءِ ابراہیمی کیونکہ آپ کی تشریف آوری کا سبب بنی تھی اس لیے آپ پر دعا کا اطلاق کر دیا۔ نیز کلمہ کا لفظ بشارت اور آیت کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا رہتا ہے اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ آپ وہ بشارت ہیں جو حضرت مریم کو دی گئی یا آپ اللہ کی قدرت کی آیت (نشانیوں میں سے ایک روشن نشانی) ہیں۔

۲۵۶ روح کا معنی ہے مابہ الحیاۃ جس کے ساتھ زندگی قائم ہو۔ اور زندگی دو قسم کی ہوتی ہے۔ حسّی اور معنوی حسّی زندگی وہ ہے جس کے ذریعے چلنا پھرنا، بولنا، سننا اور سمجھنا اور یاد کرنا وغیرہ قسم کے افعال صادر ہوتے ہیں اور معنوی وہ ہے جس سے مکارمِ اخلاق رحم، سخاوت، محبّت وغیرہ کا ظہور ہوتا ہے۔ اسی لیے قرآنِ حکیم کو بھی کئی بار روح کہا گیا ہے کیونکہ وہ حیاتِ معنوی کا سبب ہے وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا۔ اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ پر روح یعنی قرآن نازل فرمایا۔ اور حضرت مسیح کیونکہ حیاتِ حسّی اور معنوی دونوں کے مظہرِ اتم تھے اس لیے آپ کو بطورِ مبالغہ روح یعنی سراپا روح کہہ دیا جیسے ہم کسی بہت خوب صورت انسان کو "حُسنِ مجسّم" کہہ دیتے ہیں۔

منہ۔ روح کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف جزئیّت کی نہیں بلکہ تشریف و تفضیل کی ہے اور یہ اضافت قرآن اور کلامِ عرب میں عام ہے مثلاً اللہ تعالیٰ شیطان کو فرماتے ہیں ان عبادی لیس لک علیھم سلطان یعنی میرے بندوں پر تو قابو نہیں پا سکتا۔ بندے تو سب اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں مومن ہوں یا کافر، نیک ہوں یا بد۔ لیکن اطاعت شعار بندوں کی اضافت اپنی طرف کی اور اُن کو اپنا مخصوص اور مخلص بندہ ہونے کا شرف و عزّت بخشی۔ یہاں بھی روح منہ یا روح اللہ کہہ کر اس خصوصی شرف و مقبولیّت کا اظہار مقصود ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو بارگاہِ الٰہی میں حاصل ہے منہ کے لفظ سے یہ کہنا کہ قرآن سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح اللہ کی جزء ہیں بالکل ناحق ہے۔ کیونکہ آپ اس طرح جزئیّت ثابت کرنے پر بضد ہوں تو پھر اس میں حضرت عیسیٰ؈ کی خصوصیّت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ قرآن میں حضرت

لَكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا

تمھارے لیے بے شک اللہ تو معبود واحد ہی ہے پاک ہے وہ اس سے کہ ہو اس کا کوئی لڑکا اسی کا (ملک) ہے

آدم علیہ السلام کے متعلق صاف موجود ہے کہ نفخت فیہ من روحی کہ میں نے اپنی روح آدم میں پھونک دی۔ صرف آدم نہیں بلکہ تمام اولادِ آدم کے متعلق ارشاد ہے ثم جعل نسلہ من سلالۃ من ماء مھین ثم سواہ و نفخ فیہ من روحہ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر بچۂ آدم کو مادۂ منویہ سے تخلیق کر کے اور اس کے اعضاء کو درست کر کے اس میں اپنی روح پھونکی۔ صرف آدم و بنی آدم ہی نہیں بلکہ کائنات کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کا جزو ماننا پڑے گا وسخر لکم ما فی السموات و ما فی الارض جمیعا منہ۔ اگر من روحی اور من روحہ اور منہ کے الفاظ سے کسی چیز کی جزئیت ثابت نہیں ہوتی تو پھر اگر وہی لفظ حضرت مسیح کے لیے استعمال ہوں تو ان سے جزئیت کیسے ثابت ہو سکتی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ انجیل میں اب بھی ایسی آیات موجود ہیں جن سے قرآن کے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ روح الامین کے پھونک مارنے سے آپ کی ولادت ہوئی۔ ملاحظہ ہو۔ اما ولادۃ یسوع المسیح فکانت ھکذا: لما کانت مریم امہ مخطوبۃ لیوسف قبل ان یجتمعا وجدت حبلی من الروح القدس۔ اس عربی عبارت کا ترجمہ اردو میں ملاحظہ ہو:۔

"اب یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوگئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی" (انجیل متی ۱:۱۸)

۲۵۷ے قرآن حکیم نے حضرت مسیح کی ہستی کے متعلق جو صدیوں سے ایک معمہ بن کر رہ گئی تھی صاف الفاظ میں صراحت کر دی کہ وہ مریم کے بیٹے اور اللہ کے رسول ہیں اور بن باپ اس کے کلمہ کن سے ان کی پیدائش ہوئی ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی مقرب روحوں میں سے ایک مقدس روح ہیں۔ اب ان الفاظ سے عیسائیوں کو ان کے غلط عقیدہ سے باز رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے اور اس کے کلامِ الٰہی ہونے کی ایک اور روشن دلیل ہے کہ ثلثۃ جو خبر ہے اس کو ذکر کیا اور اس کی مبتداء کو محذوف کر دیا۔ کیونکہ تثلیث میں تو عیسائیوں کے تقریباً تمام فرقے متحد ہیں لیکن ان کی تفصیل میں ان کا باہمی اتنا اختلاف اور تضاد ہے کہ یہ مسئلہ ان کے نزدیک بھی ایک چیستان بن کر رہ گیا ہے۔ اگر کوئی ایک مبتداء بیان کر دی جاتی تو تثلیث کی ایک صورت تو ممنوع ہو جاتی اور تثلیث کی دوسری اقسام کا حکم معلوم نہ ہو سکتا۔ اس لیے خبر کے ذکر پر اکتفاء کیا تاکہ موقع اور محل کے مطابق مبتداء مقدر مان لی جائے۔ یہاں یہ تو ممکن نہیں کہ عیسائیوں کے تمام فرقوں کا تثلیث کے بارے میں جو جو عقیدہ ہے ان سب کو بیان کروں لیکن ان کے چند اہم فرقوں کے نظریات بیان کرنے کی ضرور جسارت کروں گا۔

اس بات پر تو تقریباً سب عیسائی فرقے متفق الرائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بحیثیت جوہر ہونے کے واحد ہے۔ اور

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾

جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز

بحیثیت اقانیم تین ہے۔ وجود، علم اور حیات کو اقانیم کہتے ہیں (اقانیم کا واحد اقنوم ہے) جس کا معنی شخص اور اصل ہے۔ الاقنوم؛ الشخص، الاصل ج اقانیم والکلمة من الدخیل (المنجد) وجود کو باپ، علم کو بیٹا اور حیات کو روح القدس کہتے ہیں۔ ان کا اختلاف اس میں ہے کہ ان تین اقانیم کا تعلق جوہر (یعنی اللہ) سے کیسا ہے۔

۱۔ ایک فرقہ کا یہ مذہب ہے کہ یہ تین اقانیم اور جوہر قدیم الگ الگ ہیں اور ہر ایک ان میں سے خدا ہے۔ اور اقنوم ثانی (یعنی علم) حضرت مسیح کے جسم سے متحد ہو گیا جیسے شراب اور پانی ملنے کے بعد یک جان ہو جاتے ہیں اور مسیح بھی ازلی قدیم ہے۔ اور مریم نے ازلی قدیم کو جنا ہے۔

۲۔ ایک اور فرقہ یہ کہتا ہے کہ بیٹا یعنی مسیح کی دو حیثیتیں ہیں ایک لاہوتی اور ایک ناسوتی۔ اس حیثیت سے کہ وہ خدا کا بیٹا ہے۔ وہ خدائے کامل ہے اور اس حیثیت سے کہ اس کا ظہور اس جسد عنصری میں ہوا انسان کامل ہے۔ اس لیے یہ قدیم بھی ہے اور حادث بھی۔ اور قدیم وحادث کا یہ اتحاد نہ قدیم کی قدامت کو متاثر کرتا ہے اور نہ حادث کے حدوث کو۔

۳۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ کلمہ یعنی اقنوم ثانی گوشت اور خون میں بدل گیا اور خدا مسیح کی شکل میں رونما ہوا۔

۴۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ الٰہ قدیم کے جوہر اور انسان حادث کے جوہر میں یوں امتزاج ہوا جیسے نفس ناطقہ کا جسم کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ دونوں ایک چیز بن جاتے ہیں۔ اسی طرح جوہر قدیم اور جوہر حادث کے مجموعہ کا نام مسیح ہے اور وہی خدا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ اگرچہ خدا انسان نہ بن سکا لیکن انسان خدا بن گیا۔ جیسے اگر آگ کوئلہ نہیں بن سکتی تو کوئلہ تو آگ بن جاتا ہے۔

اس سلسلہ کو کہاں تک طول دیں مشتے نمونہ از خروارے بس ست۔ ان میں سے کوئی بات ایسی نہیں جسے عقل سمجھ سکے۔ بہرحال ایک چیز واضح ہو گئی کہ ان تمام اختلافات کے باوجود تثلیث کے عقیدہ پر سب متفق ہیں۔ گو عنوان جدا جدا ہیں لیکن معنون ایک ہی ہے۔ اور یہ ایک ایسا معمہ ہے جس کو حل کرنے کے لیے عیسائیت کے بڑے بڑے مدبروں اور دانشوروں نے سر توڑ کوشش کی لیکن نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ آخر ایک ہی چیز کو قدیم اور حادث، خدا اور بندہ اور لاہوت و ناسوت کا مجموعہ کیسے تصور کر لیا جائے۔ اگر تاریخ مذاہب عالم کا مطالعہ کیا جائے تو تثلیث کا عقیدہ تمام مشرکانہ مذاہب میں مشترک نظر آتا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں "تری مورتی" یعنی برہما، وشنو اور شیو کی عبادت کی جاتی ہے۔ جن کے لیے وہ ان تین حروف (ا۔و۔م) کو بطور رمز استعمال کرتے ہیں۔ چین میں "تاؤ" ایک ایسا خدا ہے جس کی تین اقانیم ہیں۔ مصر قدیمہ میں معبد منفیس کے قسیس ثالوث مقدس کی تعلیم دیتے تھے اور یہ بتاتے تھے کہ پہلے نے دوسرے کو اور دونوں

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ

ہرگز عار نہ سمجھے گا مسیح (علیہ السلام) کہ وُہ ۲۵۸ بندہ ہو اللہ کا اور نہ ہی مقرب فرشتے

الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ

(اس کو عار سمجھیں گے) اور جسے عار ہو اس کی بندگی سے اور وُہ تکبّر کرے تو اللہ جلد ہی جمع کرے گا

اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ

ان سب کو اپنے ہاں پھر جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو اللہ تعالیٰ پُورا پُورا دے گا انھیں

نے مل کر تیسرے کو پیدا کیا۔ اُن کے اعتقاد میں اقنوم ثانی کو کلمہ، نیز دُوسرا خُدا اور اللہ کا پلوٹھی کا بیٹا کہا جاتا بالکل ویسے جیسے اب عیسائی کلمہ کو ابن اللہ اور الٰہ مانتے ہیں) اور فارس میں بھی ایک ایسے الٰہ کی پرستش کی جاتی تھی جو مثلث الاقانیم تھا جن کے نام یہ تھے ازمرد، متزات اور اہرمن۔ متزات کو وُہ بھی ابن اللہ کہا کرتے۔ اور خود یورپ میں مسیحیت سے پہلے تثلیث کا عقیدہ رائج تھا۔ چنانچہ یُونانی ایک ایسے خُدا کے قائل تھے جس کی تین اقانیم تھیں۔ اور رُوم کے قدیم بُت پرست بھی تثلیث کے قائل تھے۔ اور اللہ، کلمہ اور رُوح پر ایمان رکھتے تھے۔ اِس مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ جب عیسائیت مشرقِ اوسط سے یورپ میں پہنچی اور قسطنطین شاہِ رُوم نے اسے قبول کیا تو وُہی تثلیث جو اہلِ یورپ کے عقیدہ میں غیر معلوم زمانہ سے چلی آرہی تھی منتقل ہو کر ایک ایسے دین میں آگئی جو سراسر توحیدِ خالص کا علم بردار تھا۔ انجیلِ مقدس کی یہ آیت اب بھی اعلان کر رہی ہے کہ اس دینِ حق کا اور اس کے پیغمبر کا دامن شرک کی ان آلودگیوں سے پاک ہے۔ حضرت مسیح علیہ السّلام فرماتے ہیں :۔

هذه هي الحياة الابدية ان يعرفوك انت الاله الحقيقي وحدك ويسوع المسيح الذى ارسلته۔ (انجیل یوحنا)

"ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وُہ تجھ خُدائے واحد اور برحق کو اور یسُوع مسیح کو جسے تُو نے بھیجا ہے جانیں"۔

(انجیل یوحنا باب ۱۷ : ۳)

۲۵۸ یعنی عیسیٰ علیہ السّلام کے لیے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعتراف اور اپنے بندہ ہونے کا اعتراف باعثِ ہزار فخر و نازش ہے وُہ بھلا کیوں اس کو عار سمجھیں۔ اور حقیقۃً یہی انسان کی سب سے بڑی سعادت ہے کہ اپنے معبودِ حقیقی کو پہچان لے اور اپنے گلے میں اس کی بندگی کا طوق ڈال کر اس کی جناب میں حاضر ہو۔ حضور رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسّلام جب معراج کی رات مقامِ قرب کی انتہا تک پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے پُوچھا بما اشرفك يا محمدؐ۔ اے سراپا ستائش و خُوبی! میں آج

أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكَفُوا

اُن کے اجر اور زیادہ بھی دے گا انھیں اپنے فضل (وکرم) سے ۔ لیکن جنھوں نے عار سمجھا (بندہ بننے کو)

وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٧٣﴾ وَلَا يَجِدُونَ لَهُم

اور تکبّر کیا تو عذاب دے گا انھیں دردناک عذاب اور نہ پائیں گے اپنے لیے

مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٧٤﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُم

اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار اے لوگو ! آ چکی ہے تمھارے

بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ﴿١٧٥﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ

پاس ایک (روشن) دلیل تمھارے پروردگار کی طرف سے اور ہم نے اُتارا ہے تمھاری طرف نور درخشاں تو جو لوگ

آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ

ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ (کی رسّی) کو تو عنقریب داخل کرے گا انھیں اپنی رحمت

وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿١٧٦﴾ يَسْتَفْتُونَكَ

اور فضل میں اور پہنچائے گا انھیں اپنی طرف لے جانے والی سیدھی راہ پر اے میرے رسُول) فتویٰ پوچھتے ہیں

قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ

آپ سے ۔ آپ فرمائیے اللہ تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے تمھیں کلالہ کی میراث) کے بارے میں ۲۵۹ اگر کوئی ایسا آدمی فوت ہو جائے نہ ہو جس کی کوئی اولاد

تجھے کس اعزاز سے مشرّف کروں تو حضورؐ نے عرض کی بنسبتی الیک بالعبودیة مجھے اپنا بندہ ہونے کا شرف عطا فرما۔ شاید یہی حکمت ہے کہ جس آیت میں معراج کا ذکر ہے وہاں حضور کے متعلق عبدہ کا لفظ مذکور ہے ۔ استنکف الرجل: استکبر واستنکف من کذا: امتنع انفة وحمیة واستکبارا (المنجد) یعنی تکبّر کرنا، ازراہِ نخوت وغرور کسی چیز سے رُک جانا۔

۲۵۹ کلالة اسے کہتے ہیں جس کے والدین بھی زندہ نہ ہوں اور اولاد لڑکی یا لڑکا بھی کوئی نہ ہو۔

وَلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ

اور اس کی ایک بہن ہو تو بہن کا نصف حصّہ ہے اس کے ترکہ سے ۲۶۰؎ اور وہ وارث ہو گا اپنی بہن کا اگر نہ ہو اس بہن

لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ

کی کوئی اولاد۔ پھر اگر دو بہنیں ہوں ۲۶۱؎ تو ان دونوں کو دو تہائی ملے گا اس سے جو اس نے چھوڑا اور اگر

كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ

وارث ہوں بہن بھائی مرد بھی اور عورتیں بھی ۲۶۲؎ تو مرد (بھائی) کا حصّہ دو عورتوں (بہنوں) کے حصّہ کے برابر ہے

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٧٦﴾ ع

صاف صاف بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لیے (اپنے) احکام ۲۶۳؎ تاکہ گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۲۶۴؎

۲۶۰؎ وہ بہن جو صرف ماں کی طرف سے ہو اس کا حکم پہلے گزر چکا۔ یہاں بہن سے مراد سگی اور باپ کی طرف سے جو بہن ہو اُس کا ذکر ہو رہا ہے ایسی بہن کو نصف ترکہ ملے گا۔ اور بقیہ نصف اگر کوئی عصبہ ہو یعنی چچا، چچا زاد بھائی وغیرہ تو ان کو ملے گا۔ ورنہ یہ نصف بھی بہن کی طرف لوٹ آئے گا۔

۲۶۱؎ اور بقیہ ثلث عصبہ کو ملے گا اور اگر عصبہ کوئی نہ ہو تو پھر یہ بھی ان کو ملے گا۔ دو یا دو سے زائد بہنوں کا یہی حکم ہے۔

۲۶۲؎ اگر کلالہ کے وارثوں میں بھائی اور بہن دونوں ہوں تو بھائی کو دو حصّے اور بہن کو ایک حصّہ ملے گا۔

۲۶۳؎ احکامِ میراث کو اتنی وضاحت اور تفصیل سے بیان کرنے کی غرض بتا دی کہ تم اپنی خود ساختہ مصلحتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہیں گمراہ نہ ہو جاؤ۔

۲۶۴؎ یہ نظام کسی ایسے قانون ساز کی تخلیق نہیں جس کی معلومات ادھوری اور ناقص ہوں۔ بلکہ اُس قادر و توانا ربُّ العزت کا مقرر فرمودہ ہے جو ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تعارف سورۃ المائدہ

اِس سُورۃ پاک کا نام "المائدۃ" ہے اور یہ مدنی ہے۔ کیونکہ ہجرت کے بعد جو سُورتیں نازل ہُوئیں خواہ وُہ مدینہ طیّبہ میں نازل ہُوئی ہوں یا مدینہ طیّبہ سے باہر حالت سفر میں یا حج و عمُرہ کے ایّام میں خاص مکّہ مکرّمہ میں سب کو مدنی کہا جاتا ہے۔ اس کی ایک سو بیس ۱۲۰ آیات اور سولہ رکُوع ہیں۔ اس کے حرُوف کی تعداد ۱۲۴۶۴ ہے۔

اس سُورۃ کی فقط ایک آیت الیوم اکملت لکم الخ کے متعلق تو یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ وُہ حجّۃ الوداع کے موقع پر میدانِ عرفات میں ۹۔ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ کو نازل ہُوئی۔ باقی آیات کی تاریخ نزُول کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن مختلف روایات میں غور و فکر کرنے سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ اِس کا نزُول صُلح حدیبیہ کے وقت سے شرُوع ہوا اور حجۃ الوداع کے موقعہ پر اِس کا اختتام ہوا۔

یہ چند سال اِسلامی تاریخ میں بڑی اہمیّت رکھتے ہیں۔ مدینہ کے اُفق پر خطرات کے جو سیاہ بادل ہر وقت منڈلایا کرتے تھے وُہ آہستہ آہستہ ناپید ہو رہے تھے۔ کفّار پر یہ حقیقت عیاں ہو چکی تھی کہ اِسلام ایک قوّت ہے اس کو مٹانا اب ان کے بس کی بات نہیں۔ یہُودیوں کا زور بھی اب ٹوٹ چکا تھا۔ مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں ان کی سب بستیاں گڑھیاں اور قلعے مُسلمانوں کے تصرّف میں تھے۔ غرضیکہ مظلُومیّت کی طویل اور تاریک رات اب ختم ہو رہی تھی اور آفتاب اِقبال طلُوع ہو رہا تھا۔ اِن بدلے ہُوئے حالات میں یہ سُورۃ نازل ہُوئی۔ اب ہمیں دیکھنا ہے کہ قرآنِ حکیم نے مُسلمانوں کو کیا ہدایات فرمائیں۔

۱ ۔ اِس سُورۃ کا آغاز تربیتِ اخلاق سے ہو رہا ہے اِس لیے پہلے اِسی عُنوان پر غور کریں۔ اِس سُورۃ میں مختلف اقسام کے اخلاقی سبق دیئے گئے ہیں جن کا تعلّق جس طرح ایک قوم کی اِنفرادی اور اِجتماعی زندگی سے ہے اسی طرح ان کا تعلق بین الاقوامی معاملات اور تعلّقات سے بھی ہے۔ سب سے پہلے یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ جو وعدہ کرو اس کو پُورا کرو۔ خواہ یہ وعدہ نجی کاروبار کے متعلق ہو اپنے حلیفوں سے ہو یا حریفوں سے ہو اور خواہ اپنے رب ذوالمجد والعلیٰ سے ہو۔ آج کل کی متمدّن قومیں یہ درست ہے کہ اپنے اِنفرادی وعدوں کی کسی حد تک پابندی کرتی ہیں لیکن سیاسی زندگی میں اپنے وعدوں کی جو مٹی پلید کرتی ہیں وُہ محتاجِ بیان نہیں مُسلمانوں کا رب اُنھیں حُکم دیتا ہے کہ جو وعدہ کرو اسے

پورا کرو خواہ وُہ وعدہ حدیبیہ کے میدان میں دشمنانِ اسلام سے ہی کیوں نہ کیا گیا ہو۔
اَب جب قوّت و اقتدار مسلمانوں کے پاس آرہا ہے تو ان کو صاف صاف اور کئی کئی بار حکم دیا کہ جب قضا کی کرسی پر بیٹھو تو یاد رہے عدل و انصاف تمہارا شعار ہو۔ فریق مقدمہ تمہارا دشمن ذاتی نہیں بلکہ دینی دشمن ہی کیوں نہ ہو عدل کا دامن تمہارے ہاتھوں سے چھوٹنے نہ پائے۔ نیز فرمایا کہ اقوامِ عالم سے تمہارے تعلّقات کی بنیاد یہ ہو کہ نیکی اور بھلائی کے ہر کام میں اُنھیں تمہاری معاونت حاصل ہو اور گناہ اور ظلم کے کسی کام میں تم اُن سے اشتراک نہ کرو۔ فرزندانِ آدم کا قصّہ بیان کر کے بتایا کہ حسد بہت بُری چیز ہے اس نے بھائی کو بھائی کا قاتل بنا دیا تم اس مذموم خصلت سے احتراز کرنا۔

۲۔ **آسمانی کتابیں**:۔ دُوسری اہم چیز جس کا ذکر اس سورۃ میں کیا گیا ہے وُہ یہ ہے کہ تورات انجیل اور قرآن الگ الگ نظریات کے علمبردار نہیں بلکہ یہ تینوں نہریں ایک ہی سر چشمۂ فیض سے پھوٹی ہیں۔ تورات کے متعلّق فرمایا کہ فیها هدی و نور۔ انجیل کے متعلق بھی بعینہٖ یہی الفاظ فرمائے کہ فيه هدی و نور اور قرآن کے متعلق تو بار بار یہی فرمایا گیا معلوم ہوا سب میں ہدایت ہے سب میں نور ہے۔ اور ہر ایک کتاب میں اپنے زمانہ کے مُطابق شریعت کا مکمّل ترین نظام اور اخلاقیات و معاملات کا واضح ضابطہ موجود تھا۔ اور ان سب کا جامع اور ان تمام بلند اخلاقی قدروں کا نقیب، محافظ اور نگہبان قرآن مجید ہے۔

۳۔ حاملانِ قرآن کو تنبیہ فرما دی کہ دیکھو! ہدایت و نور یہود کے پاس بھی آیا اور نصاریٰ کے پاس بھی۔ لیکن اُنھوں نے اس سے فائدہ نہ اُٹھایا۔ اَے غلامانِ مصطفےٰ! اب وُہی ہدایت و نور اپنی پُوری آب و تاب اور شوکت و جلال سے تمہارے مطلعِ حیات پر نمودار ہو رہا ہے۔ اور تمھیں اِس سے اِستفادہ کا موقع دیا جارہا ہے کہیں تم بھی اپنے پیش روؤں کی طرح اپنی خواہشات اور خود ساختہ مصلحتوں کی قربان گاہ پر اسے بھینٹ نہ چڑھا دینا۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کی پُوری پُوری تعمیل کرنا۔ کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کے مطابق فیصلے کرتا ہے وُہ منکرِ حق ہے۔ وُہ نافرمان ہے وُہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے۔ نیز فرمایا کہ یہود و نصاریٰ خود تو بھٹکے ہُوئے ہیں۔ وُہ تمھیں بھی جادۂ حق سے بہلانے پھسلانے کی اِنتہائی کوشش کریں گے۔ خبردار! ہوشیار! ان کے دامِ فریب میں نہ پھنس جانا۔ واحذرهم ان يفتنوك عن بعض ما انزل الله اليك۔

معلوم ہوتا ہے اہلِ حق کو حق سے برگشتہ کرنے کی جو کوشش اس وقت شروع ہوئی تھی وُہ بدستور جاری ہے اور پہلے کی نسبت زیادہ تندی اور تیزی سے اور اسی تحریک کے پیدا کردہ وُہ وسوسے ہیں جن کی وجہ سے اسلامی مملکتوں کے سربراہ اسلامی قانون کو اپنانے سے ہراساں ہیں۔ بات تو صرف اتنی ہے کہ جس طرح پوری یک جہتی کے ساتھ ایک بار اللہ اکبر کہہ کر ہم نے ان فرنگی آقاؤں کی ظاہری غلامی کے زنجیر توڑے ہیں۔ بس ایک بار اور جی کڑا کر کے اللہ اکبر کہیں اور ذہنی غلامی کا طلسم بھی توڑ کر رکھ دیں۔ قوتِ یقین اور ذوقِ عمل کا ایک معجزہ چند سال ہُوئے ہم نے اپنی آنکھوں سے

دیکھا ہے اور اقوامِ عالم کو دکھایا ہے۔ فقط ایک اور معجزہ نمائی کی ضرورت ہے۔ وادیٔ ایمن سے تو اب بھی یہ آواز دمادم آرہی ہے۔ لا تخف انک انت الاعلیٰ۔ گھبر انہیں تو ہی سرفراز و کامیاب ہے اور الق ما فی یمینک کا حکم مل رہا ہے لیکن ہم ہیں کہ ساحرِ فرنگ کی شعبدہ بازیوں سے دم بخود ہوئے بیٹھے ہیں۔

افحکم الجاھلیۃ یبغون (کیا تم جاہلیت کے قانون پر عمل کرنا چاہتے ہو؟) کی توبیخ سے یہ بتایا کہ اگر تمھاری غفلت کے باعث حق کا چراغ گل ہو گیا تو پھر "جاہلیت" کا اندھیرا چھا جائے گا۔ اور "جاہلیت" خواہ اس کے چہرہ کو علم و فن کی مشاطگی نے کسی دل آرام کی طرح بہت ہی دلکش و دلفریب بنا دیا ہو۔ اس کی رُوح ظالم ہے اس کی فطرت بے رحم ہے وُہ تمھاری ساری عزیز قدروں اور عقائد کو کچل دے گی روند ڈالے گی بلکہ خود تم سے روندوا ڈالے گی۔

۴۔ قرآن جو شریعت لے کر آیا اس کی کتنی جزئیات کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ حج کے آداب۔ شعائر اللہ کی تعظیم، شراب اور جوا کی قطعی ممانعت، وضو و تیمّم کے احکام، حلال و حرام اشیاء کا ذکر، پُرامن راستوں پر ڈاکہ زنی کرنے والوں اور چوری کرنے والوں کے لیے عبرتناک سزائیں وغیرہ۔ جن کا تفصیلی تذکرہ اپنے اپنے مقام پر آئے گا۔

۵۔ لات وہبل کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ ان کے اپنے ماننے والے ان سے بدظن ہو چکے تھے۔ اب صرف اتنی ہی دیر تھی کہ کوئی دھکا دے اور وُہ دھڑام سے منہ کے بل زمین پر گر پڑیں۔ لیکن شرک کی ایک اور قسم دنیا کے ایک وسیع حصّہ کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھی یعنی عیسائیوں کا عقیدۂ تثلیث۔ جس کی اشاعت کے لیے شاہی خزانوں کے منہ کھلے ہوئے تھے۔ جس کی حفاظت کے لیے بے شمار تلواریں بے نیام تھیں۔ اور جب کبھی کسی فکری بحران نے اسے دُود چراغ محفل بنانا چاہا تو علماء فلسفۂ یونان و رُوما کا حجاب اکبر تان کر کھڑے ہو جاتے۔ قرآن نے اس عقیدہ کا پہلے بھی محاسبہ کیا ہے۔ اور یہاں بھی بڑی بے تکلفی اور فطری سادگی سے اس کا تجزیہ کرتے ہوئے بتایا کہ عیسیٰؑ خدا نہیں ہو سکتا۔ جو ماں کے شکم سے پیدا ہو۔ جو اپنی بقا کے لیے کھانے پینے کا محتاج ہو وُہ بندہ ہو سکتا ہے مقبول ترین بندہ، محبوب ترین بندہ، لیکن خدا نہیں ہو سکتا۔ اور روزِ قیامت پیش آنے والے واقعات کو بیان کرتے ہوئے حضرت مسیح کی زبانی توحیدِ خالص کا اعلان کرا دیا۔

۶۔ اس سُورۃ کا طُرّۂ امتیاز وُہ آیت کریمہ ہے جو بتاریخ ۹۔ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ میدانِ عرفات میں رحمتِ عالمیاں، پیکرِ ہدایت، نورِ مجسّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم پر نازل ہوئی۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ دین کی تکمیل کا اعلان! اتمامِ نعمت کا مژدہ! اللہ اللہ! بلالؓ کی آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی ہوں گی۔ ابوبکرؓ کی جبینِ نیاز سجدہ میں جھک گئی ہوگی۔ عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ کے چہرے فرطِ مسرّت سے رشکِ مہِ تاباں بن گئے ہوں گے اور حمزہؓ، یاسرؓ، سمیّہؓ اور خبابؓ اپنے اپنے مزارات پُر انوار میں ربّ ذوالجلال کی حمد و ثنا معلوم نہیں کوثر و سلسبیل سے دُھلے ہوئے کن نورانی کلمات سے کرنے لگے ہوں گے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ جھوم اُٹھا

ہو گا۔ اللہ ربّ السّموات والارض کی ساری نوری مخلوقات اس کے حبیب، اس کے رسُول، اس کے صفی اور اس کے عبدہٗ محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم پر درُود وسلام کے پھُول نثار کر رہی ہو گی۔

فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین بجاہ سیّدی ومولائی وحبیبی محمّد الامین وآلہ الطیبین آمین آمین یارب العالمین۔

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّ عَشَرَ رُكُوْعًا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(سورۃ مائدہ مدنی ہے اس کی) اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے (آیتیں ۱۲۰ اور رکوع ۱۶ ہیں)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ

اے ایمان والو! پورا کرو (اپنے) عہدوں کو[1] حلال کیے گئے ہیں تمھارے لیے بے زبان

الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ

جانور[2] سوائے ان کے جن کا حکم پڑھ کر سنایا جائے گا تمھیں نہ حلال سمجھو شکار کو جب کہ تم احرام باندھے ہو[3]

[1] جس طرح وعدہ کیا گیا ہو اُسی کے مُطابق اس کو پُورا کرنے کو وفا۔ اور ایفاء کہتے ہیں۔ عقود عقد کی جمع ہے۔ اس کا لغوی معنی گرہ لگانا ہے۔ اب اس کا اطلاق اس پختہ وعدہ پر ہوتا ہے جو دو شخصوں کے درمیان طے پائے۔ یہاں عقود سے مُراد ہر قسم کے معاہدے ہیں خواہ وُہ اِنسان اور اس کے خالق کے درمیان ہوں یا انسان اور اِنسان کے درمیان ہوں۔ ان کا تعلق دینی احکام سے ہو یا دُنیوی معاملات سے۔ سب اس میں درج ہیں۔ اور سب کی پابندی کا ہمیں حکم دیا جا رہا ہے البتہ وُہ وعدہ جس کے پُورا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو اُس کا پُورا نہ کرنا ضروری ہے۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے عہد شکنی کو منافقت کی علامت قرار دیا ہے۔ اخلاق کا کتنا بہترین درس اِن دو لفظوں میں دِیا گیا۔ کاش! ہم سمجھیں اور عمل کریں۔

[2] احکامِ الٰہی کا ذِکر شروع ہو رہا ہے۔ جن کی تعمیل کا وعدہ ہر مُسلمان اِسلام قبول کرتے وقت اپنے ربّ سے کیا کرتا ہے۔ پہلا حکم یہ ہے کہ ان جانوروں کے علاوہ جن کا ذِکر آگے آرہا ہے دُوسرے مویشی تمھارے لیے حلال ہیں۔ مشرکینِ عرب نے اپنے باطل عقائد اور فاسد خیالات کی وجہ سے کئی مویشی اپنے اُوپر حرام کر رکھے تھے مثلاً بحیرہ وغیرہ۔ نیز کئی مویشی بطور سزا بنی اسرائیل پر حرام کر دیئے گئے تھے مُسلمانوں کو حکم دیا کہ یہ جانور تمھارے لیے حلال ہیں۔ بھیمۃ کا معنی علامہ راغب نے کیا ہے مالا نطق لہ یعنی بے زبان۔ ترجمہ میں مَیں نے یہی معنی اِختیار کیا ہے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ ہر چوپائے کو بہیمہ کہا جاتا ہے اسم لکل ذی اربع اس صورت میں اس کی اضافت انعام کی طرف اضافتِ بیانیہ ہوگی۔ بعض دیگر اہلِ علم کا خیال ہے کہ بہیمہ سے مُراد چرنے والے شکاری جانور ہیں مثلاً ہرن۔ نیل گائے وغیرہ۔

[3] دُوسرا حکم یہ دیا گیا کہ جب تم نے حج و عُمرہ کے لیے احرام باندھ لیا ہو تو پھر تمھارے لیے خشکی کا شکار ممنوع ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ① يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَآئِرَ

بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے جو چاہتا ہے ۴ اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو اللہ کی نشانیوں

اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّينَ

کی ۵ اور نہ عزت والے مہینہ کی اور نہ حرم کو بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ جن کے گلے میں پٹے ڈالے گئے ہیں اور نہ (بے حرمتی کرو) جو

۴ بیشتر احکام جو اس وقت نازل ہو رہے تھے وُہ عرب کے دیرینہ رسم و رواج اور اُن کے آبائی عقائد کے بالکل خلاف تھے۔ اس لیے احتمال تھا کہ سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو جائے کہ ایسا حکم کیوں دیا گیا۔ اسے کیوں حرام اور اُسے کیوں حلال کیا گیا وغیرہ وغیرہ اس لیے یہ فرما کر اُن تمام چہ میگوئیوں کا دروازہ ہی بند کر دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور وُہ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے۔ جب تم نے اس کا بندہ ہونے کا اعتراف کر لیا۔ اس کو علیم و حکیم تسلیم کر لیا اور اس کے احکام کی تعمیل کا وعدہ کر لیا تو اب قیل و قال کیسی یقین محکم سے ہر ارشاد کی پیروی کرتے جاؤ۔

۵ امام ابن جریرؒ شعائر کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ شعیرہ بروزن فعیلہ کی جمع ہے اس کا معنی ہے وُہ علامت جس سے کسی چیز کی پہچان ہو سکے۔ وشعائرہ التی جعلھا امارات بین الحق والباطل یعنی جن سے حق و باطل کی شناخت ہو سکے ان کو شعائر اللہ کہتے ہیں۔ اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن احکام کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کا طرۂ امتیاز مقرر فرمایا ہے ان کی پابندی کرو۔ جن حدود کو قائم کیا ہے ان سے تجاوز نہ کرو۔ جن چیزوں کے استعمال سے روکا ہے ان کے قریب مت جاؤ۔ ھدیٌ اُس قربانی کے جانور کو کہا جاتا ہے جو حرم شریف کی حدود میں ذبح کرنے کے لیے کوئی اپنے ہمراہ لے جاتے۔ قلائد یعنی ذوات قلائد: قربانی کے ان جانوروں کو کہا جاتا جو حرم کی حدود میں ذبح کرنے کے لیے کوئی اپنے ہمراہ لیے جا رہا ہو اور اُن کے گلے میں پٹے ڈال دیئے گئے ہوں۔ آمّین: قصد کرنے والے ارادہ کرنے والے لفظی تحقیق کے بعد اب اس آیت کا شانِ نزول ملاحظہ ہو۔ حطمہ بن ہند البکری بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور حضورؐ سے اسلام کی حقیقت کے متعلق دریافت کیا حضورؐ نے اسلام کی حقیقت اس کے سامنے پیش فرمائی۔ سن کر کہنے لگا مجھے سوچنے کا موقع دیجئے۔ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ مشورہ بھی کر لوں۔ اُمید ہے کہ ہم سب آپ کا دین قبول کر لیں گے اس کے حاضر خدمت ہونے سے پہلے ہی حضورؐ نے اپنے صحابہ کو بتا دیا تھا کہ آج تمہارے پاس قبیلہ ربیعہ کا ایک ایسا آدمی آرہا ہے جو شیطان کی زبان سے گفتگو کرے گا۔ اور جب وُہ جانے لگا تو حضورؐ نے فرمایا لقد دخل بوجہ کافر وخرج بعقب غادر: جب آیا تھا تو اس کے چہرے پر کفر کی نحوست برس رہی تھی اور اب جا رہا ہے تو اس کی پشت پر غدر کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ راستہ میں ایک جگہ مسلمانوں کے مویشی چر رہے تھے ان کو بھگا کر لے گیا دوسرے سال قربانی کے لیے وُہی مسلمانوں کے چرائے ہوئے مویشی لے کر ان کے گلے میں قلادے ڈال کر حج کے ارادہ سے روانہ ہوا۔

الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا

قصد کیے ہوئے ہیں بیتِ حرام کا طلب کرتے ہیں اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا اور جب

حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ

احرام کھول چکو تو شکار کر سکتے ہو اور ہرگز نہ اُکسائے تمھیں ٦ کسی قوم کا بغض بوجہ اس کے کہ انھوں

عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ

نے روکا تھا تمھیں مسجدِ حرام سے اس پر کہ تم زیادتی کرو اور ایک دوسرے کی مدد کرو ٧ نیکی اور

مسلمانوں کو علم ہوا تو انھوں نے اس پر حملہ کرنا چاہا تو فوراً یہ آیت نازل ہوئی یعنی اگرچہ وہ کافر ہے اور تمھارا مجرم بھی ہے۔ لیکن اب نکلا ہے میرے گھر کی نیت سے۔ قربانی کے جانوروں کے گلوں میں پٹے ڈال کر، اس سے تعرض نہ کرو (ابن جریر قرطبی) خدا پرستی کی کیا عمدہ تعلیم ہے۔ کوئی کسی رُوپ میں ہو لیکن جب اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو کر نکلے تو اس پر دست درازی نہ کرو۔ اس کی اب ہر چیز شعائر اللہ ہے۔

٦ جَرَمَ کا معنی برانگیختہ کرنا، کسی کام پر اُکسانا ہے۔ شنآن کے معنی بغض اور دشمنی کے ہیں۔ قریشِ مکہ کا دستور تھا کہ حج وعمرہ کے لیے کسی پر پابندی نہ تھی۔ جانی دشمن بھی حرم کا مہمان بن کر کیوں نہ آجائے اس کا احترام کیا جاتا اس کی خدمت کی جاتی۔ لیکن جب سنہ ٦ھ میں حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے چودہ سو صحابہ کے ہمراہ عمرہ کے ارادے سے آئے تو کفارِ مکہ نے داخل ہونے سے روک دیا اور ان تمام سابقہ روایات کو بالائے طاق رکھ دیا جو زائرین کعبہ کے لیے ان کے ہاں مروّج تھیں مسلمانوں کو کتنا صدمہ پہنچا ہوگا اور ان کے غصہ کی کیا کیفیت ہوگی اس کا اندازہ آپ آسانی سے لگا سکتے ہیں۔ عین ممکن تھا کہ مسلمان جوابی کاروائی کرتے اور ان مشرک قبائل کو مکہ آنے سے روک دیتے جن کے راستے مسلمانوں کے مقبوضہ علاقہ سے گزرتے تھے اس لیے ربّ جلیل نے انھیں حکم دیا کہ کفارِ مکہ کا اتنا شدید جرم بھی تمھیں کسی پر زیادتی کرنے پر آمادہ نہ کرے۔ تمھیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم کسی پر ظلم وتعدّی کرو۔ تمھاری شان سے یہ حرکت بہت فروتر ہے۔ یہ قرآن کی تعلیم ہے جہاں تصنّع نہیں ریا نہیں۔ دیکھئے قرآن اپنے ماننے والوں کی اخلاقی تربیت کن بلند اصولوں پر کر رہا ہے۔ یہاں ہوا کا رُخ دیکھ کر بات نہیں کی جاتی بلکہ ایسی بات کی جاتی ہے جو ہوا کا رُخ موڑ دے۔ عین اُس وقت مسلمانوں کو دشمن پر دست درازی سے منع فرمایا جب غصہ کی چنگاریاں چٹخ رہی تھیں اور انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے

٧ زندگی کا ایک اور زرّیں اصول سکھایا جا رہا ہے کہ تمھارے آپس کے تعلقات کی بنیاد اور اقوامِ عالم سے تمھارے تعلقات کی اساس یہ ہونی چاہیئے کہ ہر نیکی اور بھلائی کے کام میں اُنھیں تمھاری اعانت اور تعاون حاصل ہو اور ہر

التَّقْوٰى ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ

تقویٰ (کے کاموں) میں اور باہم مدد نہ کرو گناہ اور زیادتی پر اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک

اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ

اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے حرام کیے گئے ہیں تم پر ۸ مُردار ، خون ،

لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ

سُؤر کا گوشت اور جس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا جائے اور گلا گھونٹنے سے مرا ہوا چوٹ سے مرا ہوا،

وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَ النَّطِيْحَةُ وَ مَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۫ وَ

اُوپر سے نیچے گر کر مرا ہوا، سینگ لگنے سے مرا ہوا اور جسے کھایا ہو کسی درندے نے سوائے اس کے جسے تم ذبح کر لو اور (حرام ہے)

بُرائی اور گناہ کی تحریک میں تم ان سے الگ رہو۔ قرآن کا ہر حکم دِل نواز، اس کی ہر آیت اِنسانیت پرور اور اس کا ہر فرمان گمراہوں کے لیے روشنی کا مینار ہے لیکن ان کی برکات کا ظہور تو تب ہو جب ان کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ اور اس کو کلامِ الٰہی ماننے والی قوم ہی جب عملی طور پر اس سے رُوگرداں ہو تو اس کی مُضمر خوبیاں اور فائدے کیوں کر عیاں ہوں۔

۸ یہاں سے ان جانوروں کا ذِکر ہو رہا ہے جو حرام ہیں۔ (۱) میتہ: مُردار (۲) دم مسفوح: وُہ خون جو ذبح کے وقت بہتا ہے (۳) خنزیر (۴) ما اھل بہ: وُہ جانور جس پر ذبح کرتے وقت غیرِ خدا کا نام لیا جائے۔ جیسے مُشرکین کا طریقہ تھا کہ جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینے کی بجائے باسم اللّات والعزیٰ، لات اور عزیٰ کے نام سے ذبح کرتا ہُوں کہا کرتے۔ علامہ بیضاوی لکھتے ہیں۔ ای رفع الصوت لغیر اللہ بہ لقولھم باسم اللات والعزی عند ذبحہ۔ اس پر تفصیلی حاشیہ سُورۃ بقرہ کی آیت ۱۷۳ کے نیچے مُلاحظہ فرماویں۔ (۵) منخنقة۔ وُہ جانور جو گلا گھونٹنے سے مر جاتے۔ (۶) موقوذة۔ جسے پتھر یا لاٹھی کی پیہم ضربوں سے مار دیا گیا ہو (۷) متردیة۔ جو بلندی سے نیچے گر کر مر جاتے۔ (۸) نطیحة۔ جو جانور کسی جانور کے سینگ مارنے سے مر جاتے۔ (۹) جسے کوئی درندہ پھاڑ ڈالے الا ماذکیتم یعنی سابقہ جانور اگر زندہ ہوں اور انھیں ذبح کر لیا جاتے تو پھر اُن کا کھانا حلال ہے (۱۰) وماذبح علی النصب امام ابن جریر نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ نصب وُہ پتھر ہیں جن کی زمانہ جاہلیت میں پُوجا کی جاتی تھی اور ان کے لیے جانور ذبح کیے جاتے تھے۔ والنصب الحجارة کان اھل الجاھلیة یعبدونھا ویذبحون لھا (ابن جریر) اور اس سے مُراد ہر ایسی جگہ ہو سکتی ہے جو مشرکانہ رسُوم کی ادائیگی کے لیے مخصوص ہو۔

مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ

جو ذبح کیا گیا ہو تھانوں پر اور (یہ بھی حرام ہے) کہ تم تقسیم کرو جوئے کے تیروں سے یہ سب نافرمانی کے کام ہیں ۹

۹ مُشرکین کی یہ بھی ایک عادت تھی کہ جب کوئی کام کرنے لگتے تو کسی کپڑے وغیرہ میں تین تیر (جو اس مقصد کے لیے پہلے تیّار رکھے ہوتے) ڈالتے۔ ایک پر لِکھّا ہوتا امرنی ربی (میرے رب نے مجھے اس کا حکم دیا ہے) دُوسرے پر لکھا ہوتا منعنی ربی (مجھے میرے رب نے اس سے منع کیا ہے) اور تیسرا خالی ہوتا۔ آنکھیں بند کر کے ہاتھ ڈال کر نکالتے اور جو تیر نِکلتا اس کے مُطابق عمل کرتے۔ اِس فِعل سے اُنھیں روکا جا رہا ہے۔ کیونکہ جب کِسی چیز کے کرنے نہ کرنے کا فیصلہ کرنا ہو تو ان کو عقلِ خُدا داد سے کام لینا چاہیئے اور اس کے فوائد و نقصانات کا پوری سنجیدگی سے جائزہ لے کر کوئی فیصلہ کرنا چاہیئے۔ فہم و دانش کی نِعمت جو ہمیں عطا کی گئی ہے اس کی یہ کِتنی توہین ہے کہ ہم ایسے موقعوں پر اس سے کام نہ لیں بلکہ اِتفاقات پر اپنے اعمال کی بُنیاد رکھیں۔ چنانچہ تستقسموا کا معنی علامہ بیضاوی نے یہی کیا ہے۔ طلب معرفة ماقسم لهم دون مالم يقسم لهم بالازلام۔ اہلِ عرب کی دُوسری عادت یہ تھی کہ وُہ تیروں کے ذریعہ جوّا کھیلا کرتے۔ ان تیروں کی تعداد دس ہوا کرتی۔ سات پر کچھ نہ کچھ لکھا ہوتا اور تین خالی ہوتے۔ اِس فعلِ بد کو بھی ممنوع کیا گیا۔ کیونکہ انسان اِس طرح بھی دولت کمانے کے ایسے راستے تلاش کرنے کا خوگر ہو جاتا ہے جن میں نہ ذہنی کاوش کا کوئی دخل ہوتا ہے اور نہ جسمانی مشقّت کا۔ اس میں ہارنے والے کا مال بغیر اس کی رضامندی کے جیتنے والے کے پاس چلا جاتا ہے اور یہ ناجائز ذرائع سے دُوسروں کا مال ہڑپ کرنے کی ایک واضح صورت ہے جس سے اِسلام نے منع فرمایا ہے۔ چشم زدن میں امیر کبیر بن جانے کی ہوس میں لوگوں کو گھروں کی اینٹیں بیچتے دیکھا گیا ہے کئی خوشحال کُنبے چند دنوں میں غُربت اور افلاس کے گڑھے میں گرتے ہُوئے دیکھے گئے ہیں۔ جو چیز اِتنی خرابیوں کا باعث ہو اِسلام اُس کو کیسے گوارا کر سکتا ہے۔ ایک بات اور یہاں غور طلب ہے۔ اس وقت بھی کئی لوگ جوّا میں جیتی ہُوئی رقم کو اپنے اُوپر خرچ نہ کرتے بلکہ غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کی اس سے اعانت کیا کرتے۔ لیکن قرآن نے جوّا کو ممنوع کرتے وقت اِس صُورت کو مستثنےٰ نہیں کیا بلکہ جوّا کی دیگر صُورتوں کی طرح اِسے بھی حرام کر دیا۔ آج کل ہمارے ہاں جو یہ رسم قبولِ عام حاصل کر رہی ہے کہ کہیں طوفان یا سیلاب آیا یا کوئی دُوسری مُصیبت ٹوٹی تو مُصیبت زدگان کی اِمداد کے لِیے چندہ فراہم کرنے کے لِیے کہیں رقص و سرود کی محفلیں سجائی جاتی ہیں اور کہیں فلم ایکٹرسوں کے میچ کرائے جاتے ہیں ان کا حکم بھی اِس آیت سے واضح ہے۔ بجائے اس کے کہ قوم کے اِنسانی اور اِسلامی جذبات کو بیدار کیا جائے ہم ان کے شہوانی جذبات کو اُکسا کر دولت اکٹھی کرتے ہیں۔ خود سوچیئے ہم قوم کو کِس پستی کی طرف دھکیل رہے ہیں دُوسرا اللہ تعالےٰ کے غضب کا مقابلہ اس کی نافرمانی اور اس کی حدُود کو توڑ کر کرنا کیا ایک کلمہ گو کو زیب دیتا ہے؟

اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِیْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ

آج مایوس ہو گئے ہیں جنھوں نے کفر اختیار کیا تھا تمھارے دین سے ۱۰ سو نہ ڈرو تم اُن سے اور

اخْشَوْنِ ؕ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ

ڈرو مجھ سے آج میں نے مکمّل کر دیا ہے تمھارے لیے تمھارا دین ۱۱ اور پُوری کر دی ہے تم پر اپنی نعمت ۱۲

وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ

اور میں نے پسند کر لیا ہے تمھارے لیے اسلام کو بطور دین ۱۳ پس جو لاچار ہو جائے بھُوک میں درآں حالیکہ نہ

۱۰ الیوم سے مُراد یا تو ۹ ذی الحجہ کا خاص دن ہے اور یا الیوم زمانہ پر دلالت کرنے کے لیے ہے۔ یعنی اب کفّار کی قوت ٹُوٹ چکی ہے انھیں معلوم ہو گیا ہے کہ وُہ اَب تم کو نہیں مٹا سکتے۔ اب اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو اور اس کے کسی حکم کی تعمیل میں پس و پیش نہ کیا کرو۔

۱۱ جیسے پہلے عرض کیا جا چکا ہے یہ آیت ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ بمقام عرفات بروز جمعہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم پر نازل ہوئی۔ اِس میں بتایا گیا کہ جس دین کا داعی بنا کر آپ کو بھیجا گیا تھا آج وُہ ظاہری اور باطنی، صُوری اور معنوی ہر لحاظ سے پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ اس دین کے غلبہ اور فتح مندی کا جو وعدہ آپ سے کیا گیا تھا آج آپ نے اپنے غلاموں سمیت مشاہدہ کر لیا کہ وُہ پورا کر دیا گیا۔ نیز وُہ عقائد جن پر تمھاری نجات کا انحصار ہے وُہ مکمّل طور پر تمھیں سکھا دیئے گئے۔ شریعت و قانون کے وُہ بُنیادی قواعد تفصیلاً یا اصُولاً تم کو بتا دیئے گئے جو ہر زمانہ اور تمام حالات میں تمھارے لیے رَوشنی کا مینار ثابت ہوں گے۔ تمھیں ایسے اصولوں کی تعلیم بھی دے دی جن کی مدد سے تم ہر نئی مشکل کا حل اور ہر جدید مسئلہ کا جواب معلوم کر سکو گے۔

۱۲ یعنی قرآن جیسی کتاب ہدایت محمّد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء جیسا رسُول اور ہادی عطا فرمایا۔ ہدایت کی راہ تم پر روشن کر دی اور اس پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائی۔ بلکہ جہاں کُفر و شرک کی حکومت تھی وہاں آج اِسلام کا پرچم لہرا رہا ہے۔ جہاں لات و ہُبل کی پُوجا ہوا کرتی تھی وہاں اللہ وحدہٗ لا شریک کے حضور میں پیشانیاں محوِ سجُود ہیں۔

۱۳ دینِ اِسلام جو تمام سابقہ انبیاء اور رُسل کا دین تھا وُہی دین اپنی کامل صُورت میں تمھارے لیے پسند کر لیا گیا ہے اب اس میں اضافہ اور تبدیلی کی گنجائش نہیں۔ یہ آیت حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے خاتم الانبیا ہونے کی واضح دلیل ہے۔ کیونکہ جب دین مکمل ہو چکا اس کے احکام میں ردّ و بدل کی گنجائش نہ رہی تو پھر کسی دُوسرے نبی کے آنے کی بھی ضرورت نہ رہی۔

مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ

جھکنے والا ہو گناہ کی طرف ۱۴؎ تو یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے پوچھتے ہیں آپ سے کہ کیا کیا

اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ

حلال کیا گیا ہے ان کے لیے ۱۵؎ آپ فرمائیے حلال کی گئی ہیں تمھارے لیے پاک چیزیں اور (شکار) ان کا سکھایا ہے تم نے جنھیں ۱۶؎

مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ

شکاری جانوروں سے شکار پکڑنے کی تعلیم دیتے ہوئے تم سکھاتے ہو انھیں (وہ طریقہ) جو سکھایا ہے تمھیں اللہ تعالیٰ نے تو کھاؤ اس میں سے جسے

عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

پکڑ رکھیں تمھارے لیے اور لیا کرو اللہ کا نام اس جانور پر ۱۷؎ اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ

۱۴؎ مندرجہ بالا چیزوں کو حرام کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایسی حالت میں ہو کہ اسے کھانے کے لیے ان چیزوں کے علاوہ اور کوئی چیز میسر نہ ہو تو اس نے اگر اپنی جان بچانے کے لیے بقدر ضرورت ان میں سے کوئی چیز کھالی تو اس سے باز پرس نہ ہوگی۔

۱۵؎ جب حرام چیزوں کا ذکر ہو چکا تو بعض صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ تو ہوئیں حرام چیزیں اب یہ فرمائیے کہ حلال کون کون سی چیزیں ہیں۔ تو جواب دیا گیا کہ سب طیب اور پاکیزہ چیزیں حلال ہیں کیونکہ حلال کا دائرہ بہت وسیع تھا اور ان کو نام بنام ذکر کرنے میں دشواری تھی اس لیے ایک لفظ سے انھیں بیان فرما دیا۔ اب رہا یہ کہ طیبات کس کو کہتے ہیں تو اس کے متعلق علماء نے فرمایا جسے طبع سلیم پسند کرے اور حضورؐ کی حدیث سے اس کی مزید وضاحت ہو گئی۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر یعنی حضورؐ نے ہر داڑھ والے درندہ اور ہر پنجہ سے پکڑ کر کھانے والے پرندہ کو حرام فرمایا۔

۱۶؎ عدی بن حاتم اور زید الخیر نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ ہم کتّے اور باز کے ذریعہ شکار کرتے ہیں کیا یہ ہمارے لیے حلال ہے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ شکاری درندوں اور شکاری پرندوں کا ایک ہی حکم ہے۔

۱۷؎ آیت سے جو مستفاد ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے کتّا یا شکرہ وغیرہ کوئی شکاری جانور شکار پر چھوڑا تو اس کا شکار چند شرطوں سے حلال ہے:۔

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ

بہت تیز ہے حساب لینے میں ۔ آج حلال کر دی گئیں تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں ۔ اور کھانا اُن لوگوں کا جنھیں

اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ

دی گئی کتاب حلال ہے تمہارے لیے ۱۸ ۔ اور تمہارا کھانا حلال ہے ان کے لیے ۔ اور (حلال ہیں) پاک دامن

مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ

مومن عورتیں ۱۹ ۔ اور پاک دامن عورتیں اُن لوگوں کی جنھیں دی گئی کتاب ۔ تم سے

۱۔ شکاری جانور مسلمان کا ہو اور سکھایا ہوا ہو۔
۲۔ اس نے شکار کو زخم لگا کر مارا ہو۔
۳۔ شکاری جانور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چھوڑا گیا ہو۔
۴۔ اگر شکاری کے پاس شکار زندہ پہنچا ہو تو اسے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے۔ اگر ان شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی گئی تو حلال نہ ہوگا۔

مسئلہ۔ تیر سے شکار کرنے کا بھی یہی حکم ہے (خزائن العرفان حضرت صدر الافاضل مُراد آبادی قدس سرہ العزیز)

۱۸ یہاں طعام سے مُراد وُہ جانور ہیں جنھیں ذبح کیا جاتا ہے۔ یعنی وُہ جانور جسے کسی یہودی اور نصرانی نے ذبح کیا ہو اُس کا کھانا مُسلمان کے لیے حلال ہے اگر ذبح کے وقت اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا تو پھر تو سب ائمہ اس کے حلال ہونے پر متفق ہیں لیکن اگر وُہ عزیر اور مسیح علیہما السلام کا نام لے کر ذبح کریں تو پھر کیا حکم ہے۔ اس کے متعلق بہترین قول وُہ ہے جسے صاحب رُوح المعانی نے حسنؒ سے نقل کیا ہے کہ اگر تو خود سُنے کہ اس نے غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا ہے تو اُسے نہ کھا اور اگر تُو نے خود نہیں سُنا تو پھر حلال ہے۔ وقال الحسن اذا ذبح الیھودی والنصرانی فذکر اسم غیر اللہ تعالیٰ وانت تسمع فلا تاکل فاذا غاب عنك فکل فقد احل اللہ لك (روح المعانی) وقالت طائفۃ اذا سمعت الکتابی یسمی غیر اسم اللہ عزوجل فلا تاکل وقال بھذا من الصحابۃ علیؓ وعائشۃ وابن عمر وھو قول طاؤس والحسن (قرطبی)

۱۹ محصنٰت کا معنی ہے پاک دامن۔ یہاں مُسلمانوں کو ترغیب دلائی جا رہی ہے کہ اگر تم شادی کرنا چاہو تو حُسن و دولت کی وجہ سے شادی نہ کرو بلکہ عفت و پاکدامنی کے زیور سے جو مزیّن ہو اس کے ساتھ شادی کرو۔ یہی ایک ایسی محکم بُنیاد ہے جس پر گھر کی جو عمارت اُٹھائی جائے گی وُہ زندگی میں پیش آنے والے سارے حادثات اور طوفانوں کا مقابلہ کر سکے گی۔

قَبْلِكُمْ إِذَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَٰفِحِينَ

پہلے ۲۰ جب دے دو تم انھیں مہر اُن کے پاکباز بنتے ہوئے نہ بدکاری کرتے ہوئے

وَلَا مُتَّخِذِىٓ أَخْدَانٍ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِٱلْإِيمَٰنِ فَقَدْ حَبِطَ

اور نہ چوری چھپے آشنا بناتے ہوئے ۲۱ اور جو انکار کرتا ہے ایمان کا ۲۲ تو بس ضائع ہو گیا

عَمَلُهُۥ وَهُوَ فِى ٱلْءَاخِرَةِ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٥﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟

اس کا عمل اور وُہ آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں سے ہوگا اَے ایمان والو!

۲۰ پہلے یہ بتایا کہ اہلِ کتاب کا ذبیحہ تمھارے لیے حلال ہے۔ اب یہ بتایا جارہا ہے کہ ان کی نیک عورتوں سے بھی تم شادی کر سکتے ہو۔ بعض علماء کے نزدیک صرف ان کتابی عورتوں سے شادی کی اجازت ہے جو مملکتِ اسلامیہ کی رعایا ہوں۔ دارالحرب میں رہنے والی کتابی عورتوں سے اجازت نہیں۔ احناف کے نزدیک حرام تو نہیں لیکن مکروہ ضرور ہے لیکن بعض علماء نے ہر کتابی عورت سے نکاح کی اجازت دی خواہ وُہ مملکتِ اسلامیہ کی رعایا ہو یا دارالحرب کی باشندہ ہو۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ قرآن نے جو حلال فرمایا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی عورت کا صرف یہُودی یا نصرانی ہونا اس کی حرمت کا باعث نہیں۔ لیکن اگر اس کی وجہ سے اَور خرابیاں رُونما پذیر ہوتی ہوں تو پھر حرمت لغیرہ ثابت ہو جائے گی۔ یہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں نے ایسی عورتوں سے شادی کی ان کے گھروں میں وُہی طرزِ معاشرت داخل ہو گئی۔ وُہی بے پردگی، وُہی غیر مردوں سے عام اختلاط، اسلامی عبادات سے بے رغبتی اور اخلاق و آداب سے بے رُخی اور پھر یہی اثر ان کی اولاد میں بھی چلا جاتا ہے۔ تاریخ میں ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں کہ یہُودی و نصرانی عورتوں نے مسلمانوں کے ایسے ایسے راز اپنی قوم تک پہنچائے جس سے مُسلمانوں کو سخت نقصانات سے دوچار ہونا پڑا۔ اس لیے اگر ان وجُوہات کے باعث ایسی عورتوں سے نکاح کرنے پر پابندی لگا دی جائے تو عین حکمت ہے۔

۲۱ عورت اور مرد کے باہمی تعلق کی صرف ایک صُورت کو ہی اسلام نے جائز رکھا ہے وُہ یہ کہ اس کی بنیاد نکاحِ صحیح پر ہو۔ اس کے علاوہ محض شہوت رانی کے لیے جو تعلّقات قائم کیے جائیں گے خواہ وُہ کھُلم کھُلا ہوں یا چوری چھپے وُہ قطعاً حرام اور ممنُوع ہیں۔

۲۲ غیر عورتوں سے شادی کرنے میں یہ خدشہ تھا کہ کہیں اُن کے دامِ محبّت میں پھنس کر مُسلمان اپنا ایمان، اسلامی احکام اور اخلاقی قدروں کو پسِ پُشت نہ ڈال دیں۔ اس کے متعلق سرزنش فرما دی۔

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى

جب تم اُٹھو ٢٣ نماز ادا کرنے کے لیے تو (پہلے) دھولو ٢٤ اپنے چہرے اور اپنے بازُو کہنیوں

٢٣ اس سے پہلے کھانے پینے اور نکاح وغیرہ کے احکام بتائے جو حدثِ اصغر (بے وضو ہونا) اور حدثِ اکبر (جنابت) کا باعث ہوتے ہیں۔ اب یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ جب تم اپنے طبعی تقاضوں کو پورا کر چکو اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں آنا چاہو تو اس کے آداب کیا ہیں۔ حدثِ اصغر کے لیے وضو اور حدثِ اکبر کے لیے غسل کا حکم دیا۔ یہاں قمتم بمعنی اردتم ہے یعنی جب تم نماز کا ارادہ کرو تو وضو کرو۔ اختصار کے لیے ارادہ جو سبب ہے اس کو ذکر نہیں کیا اور قیام جو مسبّب ہے اس کو ذکر کر دیا اور یہ استعمال عام ہے جیسے اذا قرأت القران فاستعذ باللہ۔ اس کا معنی بھی یہی ہے کہ جب تم قرآن کی تلاوت کا ارادہ کرو تو پہلے اعوذ باللہ الخ پڑھ لیا کرو۔ بظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کیا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اور خلفاء راشدین کا عام معمول یہی تھا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے کئی بار ایک وضو سے متعدّد نمازیں ادا فرمائی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگرچہ افضل تو یہی ہے کہ ہر نماز تازہ وضو سے ادا کی جائے لیکن کئی نمازوں کا ایک وضو سے ادا کرنا جائز ہے۔ فتح مکّہ کے روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے پانچوں نمازیں ایک وضو سے ادا فرمائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ! آج تو حضور نے ایسا کام کیا ہے جو حضور نے پہلے کبھی نہیں کیا۔ جواب ملا عمداً فعلته۔ اے عمر! میں نے یہ کام (یعنی ایک وضو سے پانچ نمازیں) جان بوجھ کر کیا ہے تاکہ اُمّت کو یہ مسئلہ معلوم ہو جائے کہ ایک وضو سے متعدّد نمازیں پڑھنا درست ہے۔

٢٤ وضو کے فرائض چار ہیں جو اس آیت میں مذکور ہیں: (۱) مُنہ کا دھونا (۲) ہاتھوں کا کہنیوں سمیت دھونا۔ (۳) سر کا مسح کرنا (۴) اور ٹخنوں تک پاؤں کا دھونا۔ اس کے علاوہ وضو سے پہلے نیّت کرنا، بسم اللہ پڑھنا، پہلے ہاتھ صاف کرنا، کلّی کرنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈال کر صاف کرنا، مسح کے علاوہ ہر کام کو تین تین مرتبہ کرنا دائیں طرف سے شروع ہونا، کان کا مسح کرنا۔ یہ سب اعمال حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے معمول سے ثابت ہیں۔ فقہاء نے ان سے بعض کو سُنّت اور بعض کو مستحب فرمایا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے وضو کی کیفیّت اکثر صحابہ کرام سے مروی ہے۔ یہاں وُہ تفصیل جو حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بیان کی ہے اسی کے لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ ابو حیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو وضو کرتے دیکھا۔ آپ نے پہلے اپنے ہاتھوں کو خوب پاک صاف کیا۔ پھر تین مرتبہ کلّی کی۔ پھر تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا۔ پھر تین مرتبہ چہرہ مُبارک دھویا پھر بازوؤں کو تین تین مرتبہ دھویا۔ پھر ایک مرتبہ سر کا مسح کیا پھر ٹخنوں تک پاؤں دھوئے اور اس کے بعد فرمایا احببت ان اریکم کیف کان طھور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ترمذی و ابن ماجہ) کہ میں چاہتا تھا کہ تمہیں دکھاؤں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے وضو کا کیا طریقہ تھا۔

الۡمَرَافِقِ وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ وَاَرۡجُلَكُمۡ اِلَى الۡكَعۡبَيۡنِ‌ؕ وَاِنۡ

تک ۲۵ اور مسح کرو اپنے سروں پر ۲۶ اور دھولو اپنے پاؤں ٹخنوں تک ۲۷ اور اگر

كُنۡتُمۡ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوۡا‌ؕ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مَّرۡضَىٰۤ اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ اَوۡ

ہو تم جنبی تو (سارا بدن) پاک کر لو ۲۸ اور اگر ہو تم بیمار ۲۹ یا سفر پر یا

۲۵ الی بمعنی مع ہے یعنی ہاتھوں کو کہنیوں کے سمیت دھوؤ۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام جب وضو فرماتے تو کہنیوں کو بھی دھوتے عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا توضأ ادار الماء علی مرفقیہ (دارقطنی)

۲۶ مسح کہتے ہیں ہاتھ پانی سے تر کر کے پھیرنا۔ تمام سر کا مسح مستحب ہے اور سر کے چوتھے حصہ کے برابر مسح کرنا فرض ہے سُنّتِ نبوی ؐ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

۲۷ اس کا عطف ایدیکم پر ہے اور اس کا معنی ہے واغسلوا ارجلکم کہ اپنے پاؤں کو بھی دھوؤ۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم اپنے صحابہ کو پاؤں اچھی طرح دھونے کا حکم فرمایا کرتے۔ حضورؐ نے ایک قوم کو دیکھا کہ ان کی ایڑیاں خشک ہیں تو حضورؐ نے بلند آواز سے فرمایا۔ ویل للاعقاب من النار اسبغوا الوضوء۔ خشک رہ جانے والی ایڑیوں کو آگ جلائے گی۔ وضو عمدہ طریق سے کیا کرو تاکہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے۔ حاشیہ ۲۴ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضورؐ کے وضو کی کیفیت جو بیان کی گئی ہے اُس سے بھی معلوم ہوا کہ حضور پاؤں مُبارک دھویا کرتے تھے۔ سیّد شریف رضی نے امیر المومنین سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے وضو کی جو تفصیل بیان کی ہے اس سے بھی پاؤں کا دھونا ثابت ہے (نہج البلاغہ) اس کے بعد جھگڑے کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ (مزید تحقیق کے لیے رُوح المعانی کا مطالعہ فرمائیں)

کتب شیعہ میں پاؤں دھونے کی متعدّد روایات ائمہ سے منقول ہیں حضرت امام مُوسیٰ کاظم علیہ السّلام کے ایک عقیدتمند ابن یقطین نے وضو کی ترکیب کے متعلق استفسار کیا تو حضرت نے یہ جواب تحریر فرمایا۔ والذی اٰمرک بہ فی ذلک ان تمضمض ثلاثاً وتستنشق ثلاثا وتغسل وجھک ثلاثا وتخلل شعر لحیتک وتغسل یدیک الی المرفقین وتمسح رأسک کلّہ وتمسح ظاھر اذنیک وباطنھا وتغسل رجلیک الی الکعبین ثلاثا ولا تخالف ذلک الی غیرہ۔ ترجمہ: اس بارے میں میں تمھیں یہ حکم دیتا ہُوں کہ تین مرتبہ کلّی کرو، تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالو، تین مرتبہ اپنے چہرہ کو دھوؤ، اپنی ڈاڑھی کے بالوں کا خلال کرو، دونوں بازوؤں کو کہنیوں تک تین مرتبہ دھوؤ، اپنے پُورے سر کا مسح کرو، کانوں کے ظاہر و باطن کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک تین مرتبہ دھوؤ آخر میں فرمایا اس حکم کی خلاف ورزی نہ کرنا۔ (کشف الغمہ جلد ۲ ص ۲۴ ایران)

۲۸ پہلے حدثِ اصغر سے طہارت کا طریقہ بتایا اب حدثِ اکبر سے طہارت کا طریقہ سکھایا جا رہا ہے یعنی جب انسان جنبی ہو جائے تو اس وقت غسل کرے۔ اس کے متعلق حاشیہ سُورہ النساء میں گزر چکا ہے۔ آیت ۴۳

۲۹ اس کے متعلق حواشی بھی سُورہ النساء میں گزر چکے ہیں۔ آیت ۴۳

جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡكُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُوۡا

آئے کوئی تم میں سے قضاء حاجت کے بعد یا صحبت کی ہو تم نے عورتوں سے پھر نہ پاؤ تم

مَآءً فَتَيَمَّمُوۡا صَعِيۡدًا طَيِّبًا فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡهِكُمۡ وَاَيۡدِيۡكُمۡ

پانی تو تیمّم کرو پاک مٹی سے یعنی مسح کرلو اپنے چہروں اور اپنے بازوؤں پر

مِّنۡهُ ؕ مَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيَجۡعَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ حَرَجٍ وَّلٰـكِنۡ يُّرِيۡدُ

اس سے نہیں چاہتا اللہ تعالیٰ کہ رکھے تم پر کچھ تنگی [۳۰] بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے

لِيُطَهِّرَكُمۡ وَلِيُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ۝۶ وَ

کہ خوب پاک صاف کرے تمھیں اور پوری کردے اپنی نعمت تم پر [۳۱] تاکہ تم شکریہ ادا کرتے رہو اور

[۳۰] فقہ قرآنی کا یہ ایک بنیادی اصول ہے جس پر اسلامی شریعت کا قصرِ رفیع تعمیر ہوا ہے۔ ان احکام پر ہی نگاہ ڈالیئے۔ حدثِ اصغر (وضو کا ٹوٹنا) کے لیے غسل فرض نہیں کیا کیونکہ اس کا وقوع عام ہے اور اس میں دُشواری ہے۔ جنابت جو کبھی کبھی لاحق ہوتی ہے اس کے لیے غسل کو فرض فرمایا کیونکہ ظاہری صفائی اور اعصاب کی افسردگی اور طبیعت کی درماندگی کا اس سے بہتر اور آسان کوئی علاج نہیں۔ اس پر بھی پانی نہ ملے یا پانی کے استعمال سے بیماری کے بڑھنے کا خدشہ ہو تو تیمّم کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ناتوان بندوں کے لیے رعایت پر رعایت، آسانی پر آسانی کو ہر حکم میں پیشِ نظر رکھا ہے۔ فقہاء کرام نے اس آیتِ کریمہ سے جتنے مزید قواعد اور جزئیات کا استنباط فرمایا ہے وُہ فقہِ اسلامی کے نکتہ دانوں سے مخفی نہیں۔

[۳۱] احکامِ اسلامیہ کی اصلی رُوح تو عبادت ہے یعنی ہم ان کو اس لیے بجالاتے ہیں کہ یہ احکام خداوندی ہیں اور خداوندِ عالم کے ہر حکم کی اطاعت ہم پر فرض ہے۔ لیکن قرآن کریم جا بجا ان کے ظاہری فوائد اور رُوحانی منافع کو بیان فرما کر اس طرف بھی ہماری توجہ مبذول کرا دیتا ہے کہ ان احکام میں سراسر تمھاری بہبودی اور بہتری کو مدِّنظر رکھا گیا ہے۔ یہاں بھی اشارہ فرما دیا کہ وضو اور غسل و تیمّم سے مقصود تمھاری پاکیزگی اور طہارت ہے۔ اسلام نے رُوحانی طہارت کے لیے جسمانی پاکیزگی کو جتنا ضروری قرار دیا ہے وُہ ظاہر ہے یہ الگ بات ہے کہ آج ہمارے صُوفی اور امام گندگی میں اپنی مثال آپ ہوں۔

اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ

یاد رکھو اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اور اس کے وعدہ کو جو اُس نے پختہ لیا تھا تم سے ۳۲

اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

جب کہا تھا تم نے ہم نے سُن لیا اور مان لیا اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں

الصُّدُوْرِ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ

میں ہے اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے اللہ کے لیے گواہی دینے والے

بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ

انصاف کے ساتھ ۳۳ اور ہرگز نہ اُکسائے تمھیں کسی قوم کی عداوت اس پر کہ تم عدل نہ کرو

۳۲ ہر مسلمان جب دینِ اسلام کو قبول کرتا ہے تو وہ پہلے اقرار کرتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول کریم کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔ اور اسلام کی سربلندی کے لیے کسی جانی اور مالی قربانی سے دریغ نہ کروں گا۔ اللہ تعالےٰ اپنے مومن بندوں کو یاد کرا رہے ہیں کہ دیکھو ہم نے تم پر کتنا احسان فرمایا۔ تمھیں ہدایت کا راستہ دکھایا اور اس پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائی۔ اِس نعمت کو اور کامل اطاعت کے وعدہ کو ہمیشہ یاد رکھو۔ اور اِس یقین کو پختہ سے پختہ تر کرتے رہو کہ تمھاری کوئی بات تمھارے ہمہ بیں اور ہمہ داں رب سے پوشیدہ نہیں۔

۳۳ بعینہٖ یہی الفاظ سُورہ النساء میں گزر چکے ہیں اور ان کی لغوی تحقیق وہاں ملاحظہ فرمائی جائے (سُورہ النساء آیت ۱۳۵) اس کے دوبارہ نزول کی وجہ یہ ہے کہ مکّہ فتح ہونے والا ہے۔ مسلمانوں کے جان وایمان کے نہایت ظالم اور بے رحم دُشمن ان کے سامنے پیش ہونے والے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اسلام کے علم بردار جوشِ غضب میں ان پر زیادتی کرنے لگیں۔ اس لیے اُنھیں وقت سے پہلے ہی تنبیہ فرما دی کہ احکامِ الٰہی کی اطاعت میں تساہل نہ برتیں بلکہ قوّامین للہ یعنی اللہ کے ہر حکم کی اطاعت کے لیے مضبوطی سے کھڑے رہنے والے بن جائیں۔ کفّار مسلمانوں کے شہیدوں کے ناک کان کاٹ کر مثلہ کر دیا کرتے تھے۔ مسلمان عورتوں اور بچّوں کے قتل سے بھی نہیں شرماتے تھے۔ مسلمانوں کو ایسی تمام باتوں سے روک دیا گیا۔

اِعۡدِلُوۡا ۟ هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيۡرٌ

عدل کیا کرو ۳۴ یہی زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے ۳۵ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ خوب خبردار ہے

بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۝۸ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ

جو کچھ تم کرتے ہو وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے

لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ۝۹ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَاۤ

کہ ان کے لیے بخشش اور اجرِ عظیم ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو

اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَحِيۡمِ ۝۱۰ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ

وُہی لوگ دوزخی ہیں اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی

اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ هَمَّ قَوۡمٌ اَنۡ يَّبۡسُطُوۡۤا اِلَيۡكُمۡ اَيۡدِيَهُمۡ فَكَفَّ

نعمت جو تم پر ہوئی ۳۶ جب پختہ ارادہ کر لیا تھا ایک قوم نے کہ بڑھائیں تمھاری طرف اپنے ہاتھ تو اللہ نے روک دیا

۳۴ اب کیونکہ قوت و اقتدار مسلمانوں کے پاس آ رہا تھا اس لیے انھیں نہایت واضح طور پر حکم دیا کہ خبردار! کسی قیمت پر انصاف کا دامن تمھارے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ اور حق یہ ہے کہ کوئی قوم حکومت وسلطنت کے تخت کی مستحق اس وقت تک ہی رہتی ہے جب تک وُہ صفتِ عدل سے متصف ہو۔ جس قوم نے ظلم پر کمر باندھ لی وُہ آج نہیں تو کل ضرور اس نعمت سے محروم کر دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اسلامی مملکت کے بانیوں کو بھلا کیوں نہ واضح طور پر اور پُرزور طریقہ سے عدل کرنے کی ہدایت فرماتا۔

۳۵ یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے عذاب سے بچنے کا قریبی راستہ یہ ہے کہ انسان عدل وانصاف کو اپنا شعار بنائے رکھے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ جب کفار کے ساتھ عدل کرنے کا یہ تاکیدی حکم ہے تو مسلمانوں کے ساتھ عدل کرنے کی اہمیت محتاجِ بیان نہیں۔

۳۶ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ہمراہ یہود بنی نضیر کے پاس تشریف لے گئے اور انھیں فرمایا کہ ہمارے ایک آدمی نے دو آدمیوں کو غلط فہمی سے قتل کر دیا ہے اُن کے وارث دیت کا مطالبہ کرتے ہیں اس لیے تم لوگ حسبِ معاہدہ ان کی دیت میں اپنا حصہ دو۔ اُنھوں نے کہا آپ بیٹھیں کچھ کھا پی لیں پھر تعمیلِ حکم کریں گے۔ حضورؐ کو

اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١١﴾

ان کے ہاتھوں کو تم سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیئے ایمان والوں کو

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ

اور یقیناً لیا تھا اللہ تعالیٰ نے پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے اور ہم نے مقرر کیے ان میں سے

اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ

بارہ ۳۷ سردار اور فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم صحیح صحیح ادا کرتے رہے نماز

وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ

اور دیتے رہے زکوٰۃ اور ایمان لائے میرے رسولوں پر اور مدد کرتے رہے ان کی اور قرض دیتے رہے

بٹھا کر انھوں نے یہ سازش کی کہ دیوار کے اُوپر سے ایک بھاری پتھر لُڑھکا کر آپ کو شہید کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ان کے ناپاک ارادہ کی اطلاع دے دی اور حضورؐ فوراً اُٹھ کر تشریف لے گئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سلامتی کا احسان قیامت تک آنے والے سب غلامانِ مصطفےٰ پر ہے۔ اس لیے یہ آیت صرف صحابہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر مسلمان اس کا مخاطب ہے اور اس نعمتِ عظمیٰ کا عملی اعتراف مسلمان کا فرضِ اوّلین ہے۔

۳۷ نقیب اُس شخص کو کہتے ہیں جو کسی قوم کے صحیح حالات سے پوری طرح باخبر ہو اور ان کی بہتری اور برتری کا ذمّہ دار ہو۔ القائم بامورهم الذی ینقب عنها وعن مصالحهم (قرطبی) بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے ہر قبیلہ سے حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے ایک ایک آدمی مقرر کیا جو اُن کے احوال پر آگاہ ہو اور ان کو اطاعتِ الٰہی کی ترغیب دیتا رہے۔ لیلۃ العقبہ میں جب مدینہ کے ستّر مردوں اور دو عورتوں نے حضورؐ کے دستِ مبارک پر اسلام کی بیعت کی تو حضورؐ نے بھی ان میں سے بارہ آدمی منتخب فرمائے اور انھیں نقیب کا خطاب عطا فرمایا۔ عزرتم تعزیر کا معنی ہے النصرۃ مع التعظیم (مفردات) عزّت و احترام کی وجہ سے کسی کی امداد کرنا۔ مخلص اور جانباز کارکنوں کے لیے اس آیت میں تین انعامات کا مژدۂ جانفزا ہے۔ سب سے پہلے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی معیّت ان کے شاملِ حال ہوتی ہے وُہ انسان کتنا خوش بخت ہے جسے یہ سعادت نصیب ہو اور اس کی کامیابی کتنی یقینی ہے جس کے ہر کام میں امدادِ الٰہی شریک ہو۔ دُوسری بشارت یہ دی گئی کہ بشری تقاضوں اور طبعی کمزوریوں کی وجہ سے جو غلطیاں اس سے سرزد ہو جاتی ہیں ان کا اثر اس کے دل سے اور ان کا ذکر اس کے نامۂ اعمال سے محو کر دیا جاتا ہے۔ اور تیسری یہ کہ اس کی دائمی قرارگاہ

اللہَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ

اللہ کو قرض حسن تو میں ضرور دُور کر دوں گا تم سے تمھارے گناہ اور میں داخل کروں گا تمھیں

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ

باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں تو جس نے کفر کیا اس کے بعد تم میں سے

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ

تو یقیناً وُہ بھٹک گیا سیدھی راہ سے تو بوجہ ان کی عہد شکنی کے ہم نے

لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِیَةً ۚ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ

اپنی رحمت سے انھیں دُور کر دیا اور کر دیا ان کے دِلوں کو سخت ۳۸ے وُہ بدل دیتے ہیں (اللہ کے) کلام کو اپنی اصلی

جنّت ہوگی جہاں بہار ہے خزاں نہیں۔ جہاں راحت و شادمانی ہے رنج و غم کا گزر نہیں۔ کسی مخلص کی حوصلہ افزائی کے لیے اس سے زیادہ مؤثر اور کیا چیز ہوسکتی ہے۔

۳۸ے با سببیت کے لیے ہے اور ما لفظاً زائد اور معناً کلام میں قوّت و زور پیدا کرنے کے لیے ہے۔ لعنت کا معنی ہے درِ رحمت سے دُور ہٹا دینا واللعن الابعاد والطرد من الرحمۃ۔ اِس حقیقت کو قرآن نے بار بار واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پر پھٹکار اور ذِلّت و رُسوائی کا عذاب بِلا وجہ نہیں ہوتا۔ بلکہ انسان کی اپنی کوتاہیاں اور نافرمانیاں اس کا سبب ہوتی ہیں۔ قیامت کے دن جو سزا ملے گی وُہ تو ملے گی لیکن مسلسل سرتابی اور پیہم نافرمانی کی سزا جو اِس دُنیا میں ہی مِلتی ہے وہ بھی کچھ کم اہم نہیں۔ اس کی اچھی صلاحیتیں اور عمدہ قابلیتیں بے کار اور معطل ہوکر رہ جاتی ہیں۔ اِس حقیقت کو بار بار منکشف کرنے سے بنی اسرائیل کی تذلیل ہی مطلوب نہیں بلکہ حاملانِ قرآن کو عبرت دلانا بھی مقصُود ہے کہ ایسا نہ ہو کہ شامتِ اعمال سے تم بھی اپنی صلاحیتیں ضائع کر بیٹھو۔ تمھارے کان بھی حق سُننے سے بہرے ہوجائیں۔ تمھاری آنکھیں بھی ہدایت کی روشنی دیکھنے سے اندھی ہوجائیں۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی مسلسل نافرمانیوں کے باعث درگاہِ رحمت سے دُور ہٹا دیئے جاؤ اور تمھارے دِل بھی ایسے سخت ہوجائیں کہ کوئی پند و موعظت اور کوئی سرزنش سُود مند ثابت نہ ہو بلکہ قرآن جیسی دِل ہلا دینے والی کتاب بھی تمھارے دِلوں میں خوفِ الٰہی کا جذبہ پیدا نہ کرسکے۔ غور کیجئے کہیں خدانخواستہ ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر اس گرداب میں تو پھنسے ہُوئے نہیں ہیں۔

مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ

جگہوں سے ۳۹ اور انھوں نے بھُلا دیا بڑا حصہ ۴۰ جس کے ساتھ انھیں نصیحت کی گئی تھی اور ہمیشہ آپ آگاہ ہوتے

عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ ؕ

رہیں گے ان کی خیانت پر ۴۱ بجز چند آدمیوں کے ان سے ۴۲ تو معاف فرماتے رہیئے ان کو اور درگزر ۴۳ فرمائیے

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى

بے شک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو اور ان لوگوں سے جنھوں نے کہا ہم نصرانی ہیں ۴۴

۳۹ تحریف دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ الفاظ میں ہی ردّو بدل کر دیا۔ اصل عبارت کچھ تھی اس کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ دُوسری یہ کہ الفاظ میں تو قطع و برید نہ کی لیکن اس کا مفہوم غلط بیان کر دیا۔ یہود اپنی آسمانی کتاب میں دونوں طرح کی تحریف سے باز نہیں آتے تھے۔

۴۰ حظًّا کی تنکیر تعظیم کے لیے ہے یعنی اپنی کتاب کا بہت اہم حصہ فراموش کر دیا۔ ان کے انبیاء نے حضور رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کا جو بار بار انھیں حکم دیا تھا انھوں نے اُسے بھُلا دیا۔ حضورؐ کی تعریف و توصیف سے اُن کی کتابوں کے صفحات مزیّن تھے ان کو بھی فراموش کر دیا۔

۴۱ خائنۃ خیانت کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور لغت میں اسم فاعل بمعنی مصدر استعمال ہوتا رہتا ہے والخائنۃ الخیانۃ وھذا جائز فی اللغۃ (قرطبی) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ صفت ہو۔ اور اس کا موصوف طائفۃ محذوف ہو مقصد یہ ہے کہ خیانت اور غدر ان کی پُرانی عادت ہے۔ آپ کے ساتھ اُنھوں نے دوستی کے جو معاہدے کیے ہُوئے ہیں ان میں بھی وُہ مخلص نہیں اور آپ ان کی غدّاری اور خیانت پر آگاہ ہوتے رہیں گے۔

۴۲ یعنی ان کا بیشتر حصہ تو خیانت سے باز نہیں آئے گا لیکن ان میں مخلصین کی ایسی جماعت بھی ہے جو سچّے دل سے ایمان لے آتے ہیں جیسے عبد اللہ بن سلام وغیرہ

۴۳ یعنی وُہ ستاتے رہیں آپ معاف کرتے رہیں۔ وُہ آپ کے خلاف خطرناک سازشوں کے جال بُنتے رہیں آپ نظر انداز کرتے رہیں۔ وُہ اپنا کام کریں اور اے مجموعۂ ہر خُوبی و دلبری آپ اپنا کام کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک کو مکارمِ اخلاق کی کتنی بے نظیر تعلیم دی ہے۔ اسی لیے تو حضورؐ نے فرمایا ادبنی ربی فاحسن تادیبی یعنی میری تادیب و تربیت میرے ربّ نے فرمائی اور خُوب فرمائی۔

۴۴ جس طرح یہود نے کامل اطاعت کا وعدہ کر کے توڑ دیا اسی طرح جنھوں نے اپنے نبی کی دعوت پر خوشی سے

اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۪ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ

ہم نے لیا تھا پختہ وعدہ ان سے بھی ۔ سو انھوں نے بھی بھلا دیا بڑا حصہ جس کے ساتھ انھیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے بھڑکا دی

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ

ان کے درمیان عداوت اور بغض (کی آگ) روزِ قیامت تک ۴۵ اور آگاہ کر دے گا انھیں

نحن انصار اللہ کہہ کر دینِ الٰہی کی نُصرت و تائید کا پُرجوش وعدہ کیا تھا وُہ بھی ثابت قدم نہ رہے ۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کے بجائے تثلیث کے من گھڑت عقیدہ کو اپنا لیا ۔ حضرت مسیح نے حضورِ خاتم الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی آمد کی بشارت دی تھی اور آپ پر ایمان لانے کی بار بار دعوت دی تھی اسے بھی یکسر فراموش کر دیا ۔ حضرت مسیح دنیا سے رُخصت ہونے سے پہلے اپنے شاگردوں کو تسلّی دیتے ہُوئے فرماتے ہیں " اگر تم مجھ سے محبّت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وُہ تمھیں دُوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے گا " (یوحنا ۱۴: ۱۶) ۔ اب یہ ابد تک ساتھ رہنے والا مددگار بجز خاتم النبیّین کے اور کون ہے ؟ اسی کی تاکید ایک بار پھر حضرت مسیح کی زبان سے مُلاحظہ ہو :-

" میں تم سے سچ کہتا ہُوں کہ میرا جانا تمھارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وُہ مددگار (وکیل یا شفیع) تمھارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر میں جاؤں گا تو اسے تمھارے پاس بھیج دُوں گا اور وُہ آکر دُنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارہ میں قصور وار ٹھیرائے گا " (یوحنا ۱۶: ۷، ۸) ۔

" لیکن جب وُہ سچّائی کا رُوح آئے گا تو تم کو تمام سچّائی کی راہ دکھائے گا اس لیے کہ وُہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سُنے گا وُہی کہے گا اور تمھیں آئندہ کی خبریں دے گا (یوحنا ۱۶: ۱۳) انجیل کی یہ آیت تو اس آیت کا بالکل ترجمہ معلوم ہوتی ہے ۔ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ ۔

۴۵ اغراء کہتے ہیں کسی چیز کو کسی پر چسپاں کرنا مسلّط کر دینا ۔ الاغراء بالشیء الالصاق بہ من جھۃ التسلیط علیہ (قرطبی) یعنی جب اُنھوں نے ہدایت کی سیدھی راہ چھوڑ دی اور نفسانی خواہشات کی بھول بھلیوں میں پھنس گئے اور گمراہی کا اندھیرا چھا گیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اُن کی یک جہتی اور اتحاد ختم ہو گیا ۔ باہمی محبّت و پیار کی جگہ بغض و عناد نے لے لی اور وُہ ایک دُوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے ۔ ایک دین کے ماننے والے مختلف فرقوں اور ٹولیوں میں بٹ گئے ۔ ہر فرقہ دُوسرے فرقہ کو کافر اور مُلحد کہنے لگ گیا اور سیاسی طور پر ان کی رقابتوں نے انسانی خون کے دریا بہا دیئے ۔ ان کے سیاسی اختلافات ، رقابتوں اور عداوتوں کی شدّت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت پیش کیا جائے کہ اس ترقی یافتہ دَور میں بیس۲۰ سال کی قلیل مدّت میں اُنھوں نے ساری دُنیا کو دو عالمی جنگوں میں جھونک دیا ۔ کروڑوں

اللهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿١٤﴾ يَاهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ

اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کیا کرتے تھے اے اہل کتاب! بے شک آگیا ہے تمھارے پاس

رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتٰبِ

ہمارا رسول ۴۶ کھول کر بیان کرتا ہے تمھارے لیے بہت سی ایسی چیزیں جنھیں تم چھپایا کرتے تھے کتاب سے

وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِينٌ ﴿١٥﴾

اور درگزر فرماتا ہے بہت سی باتوں سے بے شک تشریف لایا ہے تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور ۴۷ اور ایک کتاب ظاہر کرنے والی

يَّهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ

دکھاتا ہے اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انھیں جو پیروی کرتے ہیں اس کی خوشنودی کی سلامتی کی راہیں ۴۸ اور نکالتا ہے انھیں

کی تعداد میں لوگ مارے گئے آبادیاں ویرانوں میں تبدیل ہوگئیں۔

۴۶ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی نبوّت اور علم کامل کی دلیل ہے۔ باوجود اُمّی ہونے کے آپ تورات اور انجیل کے ایسے مسائل اور احکام ظاہر فرمادیتے جنھیں علماء یہود و نصاریٰ ہمیشہ سے چھپائے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا رسول تمھاری ساری چھپی ہوئی باتوں کو ظاہر نہیں فرماتا بلکہ صرف اُنھیں اُمور کا ذکر کرتا ہے جن کے اظہار میں کوئی دینی فائدہ یا مصلحتِ عامہ ہو ویسے تمھاری دُوسری خباثتیں جن کے اظہار سے بجز تمھیں رُسوا کرنے کے اور کوئی فائدہ نہیں اُن سے اغماض فرماتا ہے۔

۴۷ امام المفسّرین ابن جریر لکھتے ہیں یعنی بالنور محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم الذی انار اللہ بہ الحق واظھر بہ الاسلام ومحق بہ الشرك فھو نور لمن استنار بہ (تفسیر ابن جریر) یعنی نور سے مُراد یہاں ذات پاک محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والثناء ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حق کو روشن کر دیا۔ اسلام کو ظاہر فرمایا شرک کو نیست و نابود کیا۔ حضور نور ہیں مگر اس کے لیے جو اس نور سے دِل کی آنکھوں کو روشن کرنا چاہے۔ اللہ تعالیٰ اس نورِ مجسّم کی تابانیوں اور درخشانیوں سے ہمارے آئینۂ دِل کو منوّر فرمائے اور اپنے محبوب کی غلامی اور محبّت کی سعادت سے بہرہ اندوز فرمائے آمین۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو نُور فرما رہا ہے تو کسی کو کیا اعتراض؟ کتابِ مُبین سے مُراد قرآن مجید ہے۔ یہ کہنا کہ "نور" سے بھی قرآن کریم مُراد ہے درست نہیں کیونکہ واوِ عاطفہ تغایُر پر دلالت کرتی ہے۔

۴۸ من اتبع رضوانہ سے اخلاصِ نیّت کی اہمیت کو واضح فرمایا یعنی نورِ محمّدی اور کتابِ مُبین سے اللہ تعالیٰ

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ

تاریکیوں سے ۴۹ اُجالے کی طرف اپنی توفیق سے اور دکھاتا ہے انھیں راہ

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٦﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ

راست یقیناً کفر کیا جنھوں نے کہا کہ اللہ تو مسیح ابن

انھیں کی دستگیری اور رہنمائی فرماتا ہے جن کے دلوں میں اس کی رضا کی سچی طلب ہو "سبل السّلام" کا معنی اکثر علماء نے "سلامتی کے راستے" ہی بتایا ہے جن پر چلنے سے انسان دُنیا و آخرت میں ناکامی سے بچ جاتا ہے اور لغزش اور بھٹک جانے کا خطرہ نہیں رہتا۔ لیکن صراطِ مستقیم جس کا ذکر آیت کے آخر میں آرہا ہے وُہ بھی تو سلامتی کا راستہ ہی ہے ایک چیز کو مکرّر ذکر کرنے کا کیا فائدہ۔ اِس لیے مجھے تو سبل السّلام کا وہی معنی زیادہ پسند ہے جو قرطبی نے امام حسن بصریؒ سے نقل کیا ہے کہ السلام: اللہ عزوجل اور علاّمہ بیضاویؒ نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے او سبل اللہ (بیضاوی) یعنی معرفتِ الٰہی کے وُہ خاص راستے جن پر چلنے سے قربِ حق نصیب ہوتا ہے اور دُوری کے حجاب اُٹھا دیئے جاتے ہیں۔ جو اپنے دل سے تمام خواہشات کو باہر نکال پھینکتا ہے اور اخلاصِ نیّت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصُول کے لیے شب و روز تڑپتا رہتا ہے تو آفتابِ محمدیؐ کی شعاعیں اس کے لیے ان راہوں کو منوّر و روشن کر دیتی ہیں جن پر چلنے سے اسے قربِ حق نصیب ہوتا ہے اور دُوری کے حجاب اُٹھا دیئے جاتے ہیں۔ اولیاء کاملین جن کو اس کا ذاتی تجربہ ہے اُن سے پوچھو وُہ تمھیں بتائیں گے کہ مصطفٰے کی رہنمائی کے بغیر اللہ تک پہنچانے والی راہ کا سراغ نہیں ملتا۔ لفظ السّلام سے مقصُود اگر وُہی ہو جو حسن بصریؒ کا خیال ہے تو پھر سبل السلام اگرچہ سالک کی آخری منزل ہے لیکن اسے سب سے پہلے اس لیے ذکر کیا تاکہ سالک کی آرزوؤں کا کعبہ اور اُمیدوں کا قبلہ ہر وقت اس کی نگاہوں کے سامنے رہے اور اس سے کم درجہ پر قناعت نہ اختیار کرے۔

۴۹ے تاریکیاں اور اندھیرے کئی قسم کے ہیں۔ شرک و کُفر کا اندھیرا، گناہ و سرکشی کا اندھیرا، نفس پرستی اور بدعت کی تاریکی غفلت اور سُستی کی ظُلمت اس لیے ظلمات جمع کا لفظ ذکر کیا۔ لیکن نُور صرف ایک ہی ہے اِس لیے واحد کا لفظ ہی استعمال فرمایا۔ صراطِ مستقیم یعنی شریعتِ محمدیؐ کی اطاعت کی برکت سے اِنسان مختلف قسم کے اندھیروں سے نکل کر ہدایت کی روشنی میں آتا ہے۔

مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ

مریم ہی ہے ۵۰ (اے حبیب!) آپ فرمائیے کون قدرت رکھتا ہے ۵۱ اللہ کے حکم میں سے کوئی چیز روک دے (یعنی) اگر وہ ارادہ فرمائے کہ ہلاک

الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ

کردے مسیح بن مریم کو اور اس کی ماں کو اور جو کوئی بھی زمین میں ہے سب کو (تو اسے کون روک سکتا ہے) اور اللہ

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ

ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے ۵۲ اور اللہ تعالیٰ

عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۷ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ

ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے اور کہا یہود اور نصاریٰ نے کہ ہم

۵۰ عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث پر مفصل بحث سورہ النساء میں گزر چکی ہے۔ تثلیث کے عنوان پر انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی یہ عبارت مختصر بھی ہے اور جامع بھی۔

"THE CHRISTIAN DOCTRINE OF THE TRINITY CAN BE BEST EXPRESSED IN THE WORDS, THE FATHER IS GOD, THE SON IS GOD AND THE HOLY GHOST IS GOD, AND YET THEY ARE NOT THREE GODS BUT ONE GOD"

ENCY: BRITTANICA 479 VOLUME 22

"مسیحیت کے عقیدۂ تثلیث کو نہایت عمدگی سے اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے: باپ بھی خدا ہے بیٹا بھی خدا ہے اور روح القدس بھی خدا ہے۔ بایں ہمہ وہ تین خدا نہیں بلکہ ایک خدا ہے۔" یہ معمہ نہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔

۵۱ یہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الٰہ (خدا) ہونے کے عقیدہ کا بطلان کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو وہ ہے کہ اگر وہ حضرت مسیح علیہ السلام، ان کی والدہ بلکہ سب مخلوق کو آنِ واحد میں موت کی نیند سُلانا چاہے تو کوئی دم نہ مار سکے۔ حضرت مسیح تو اپنی والدہ کی جان نہ بچا سکے اور جب ان کا مقررہ وقت آئے گا تو وہ سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے موت کے پیغام کو قبول کرلیں گے۔ جب ان کی یہ حالت ہے تو وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ یملک کا معنی قدرت رکھنا ہے یملك بمعنى يقدر من قولهم ملكت على فلان امره اى اقتدرت عليه (قرطبی)

۵۲ ماں باپ کے ذریعے، ماں باپ دونوں کے بغیر اور باپ کے بغیر۔ یہ سب اُسی کی قدرتِ بے پایاں کی

اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ وَ اَحِبَّآؤُہٗ ؕ قُلۡ فَلِمَ یُعَذِّبُکُمۡ بِذُنُوۡبِکُمۡ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ

اللہ کے بیٹے ہیں ۵۳ اور اس کے پیارے ہیں آپ فرمائیے (اگر تم سچے ہو) تو پھر کیوں عذاب دیتا ہے تمھیں تمھارے گناہوں پر بلکہ ۵۴ تم

بَشَرٌ مِّمَّنۡ خَلَقَ ؕ یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ لِلّٰہِ

بشر ہو اس کی مخلوق سے بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ ہی کے لیے

مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَہُمَا ۫ وَ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۸﴾

ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف (سب نے) لوٹ کر جانا ہے

یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ قَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمۡ عَلٰی فَتۡرَۃٍ

اے اہل کتاب! بے شک آگیا ہے تمھارے پاس ہمارا رسول صاف بیان کرتا ہے تمھارے لیے (احکام الٰہی) بعد

اعجاز نمایاں ہیں۔ کوئی چیز اس کے لیے مشکل نہیں۔ کوئی صورت اس کے لیے دشوار نہیں۔

۵۳ ؎ عربی میں بیٹے کے لیے عام طور پر دو لفظ استعمال ہوتے ہیں ولد اور ابن لیکن ان میں فرق یہ ہے کہ ولد تو صرف اس لڑکے کو کہتے ہیں جو صلب سے پیدا ہوا ہو اور ابن صلبی بیٹے کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے اور جس چیز کا کسی کے ساتھ خصوصی تعلق ہو اس کو بھی ابن کہہ دیتے ہیں جیسے مسافر کو ابن السبیل اور جنگجو کو ابن الحرب وغیرہ۔ یہود اور عیسائی اس معنی میں اپنے آپ کو اللہ کے بیٹے نہیں کہا کرتے تھے کہ وہ اس کی صلبی اولاد ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ وہ اس کے مقرب اور لاڈلے ہیں اور ان پر اللہ کی رحمت و شفقت اس طرح ہے جیسے باپ کی بچوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں ان لفظ الابن کما یطلق علی ابن الصلب فقد یطلق ایضا علی من یتخذ ابنا بمعنی تخصیصہ بمزید الشفقۃ والمحبۃ فالقوم ادّعوا ان عنایۃ اللہ بھم اشد واکمل من عنایۃ بکل ماسواھم (کبیر) یہود و نصاریٰ کو جب اسلام کی دعوت دی جاتی تو وہ ازراہ غرور کہا کرتے ہمیں اس دین کو قبول کرنے اور اس کے نبی پر ایمان لانے کی کیا ضرورت ہم تو اللہ کے چہیتے اور محبوب ہیں۔ ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ یہ کہہ کر فرما دیا کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو تم پر عذاب الٰہی کے بادل کیوں ہر وقت منڈلایا کرتے ہیں۔ کبھی دوستوں اور پیاروں کو بھی یوں ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے جیسے تمھیں کیا جا رہا ہے۔

۵۴ ؎ فرما دیا کہ تم بھی دوسرے انسانوں کی طرح انسان ہو۔ رحمت اور عذاب کا جو قاعدہ ان کے لیے مقرر ہے وہی تم پر بھی کار فرما ہے۔ جو ایمان و اخلاص سے اپنے آپ کو اس کی مغفرت کا اہل ثابت کرے گا وہ بخشا جائے گا۔ اور جو اپنی

مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫

اس کے کہ ۵۵؎ رسولوں کا آنا بند رہا تھا تاکہ تم یہ نہ کہو کہ نہیں آیا ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور نہ کوئی ڈرانے والا

فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

اب تو آگیا ہے تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے

قَدِيْرٌ ۟ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ

والا ہے اور جب کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے ۵۶؎ اپنی قوم سے اے میری قوم! یاد کرو اللہ کا احسان

عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ

جو تم پر ہوا جب بنائے اس نے تم میں سے انبیاء اور بنایا تمہیں حکمران ۵۷؎ اور عطا فرمایا تمہیں

برتری کے نشہ میں مست رہا اور خاتم الانبیاء کی اطاعت اختیار نہ کی وہ پکڑا جائے گا۔

۵۵؎ جب کوئی چیز چلتے چلتے رُک جاتے تو کہتے ہیں فتر الشیئ اور اگر کوئی کام پہلے بڑی سرگرمی سے ہو رہا ہو اور پھر وہ بند ہو جائے تو اس کے لیے بھی فتر کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ دو نبیوں کے درمیانی زمانہ کو فترۃ کہا جاتا ہے اور یہاں یہی معنی مُراد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا ظہورِ قدسی ۵۷۰ء اور اعلانِ نبوت ۶۱۰ء میں ہوا۔ گویا حضور کی تشریف آوری اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا درمیانی عرصہ چھ سو سال کے قریب ہوا۔ اہل کتاب کو بتایا جا رہا ہے کہ وہ نبی تشریف فرما ہو گیا جس کا تمہیں انتظار تھا۔ اب اگر اس کی اطاعت نہ کرو اور اس پر ایمان لا کر اپنی نجات کا سامان نہ کرو تو تمہاری مرضی۔ کل تمہارا یہ عذر نہ سُنا جائے گا کہ اے ربّ! ہم کیا کرتے ہمیں تو راہ دکھانے والا کوئی آیا ہی نہیں۔

۵۶؎ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبؐ کو بتا رہے ہیں کہ ان کی یہ ضد اور ہٹ دھرمی اور کج بحثی صرف آپ کے ساتھ مخصوص نہیں یہ اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السّلام کے ساتھ بھی یونہی پیش آیا کرتے تھے۔ چنانچہ مثال کے طور پر ان کی تاریخ قدیم کا ایک اہم واقعہ بیان فرمایا۔

۵۷؎ یہاں مُلک کا لفظ بادشاہ کے معنی میں مستعمل نہیں ہوا بلکہ آزاد اور خود مختار کے معنی میں مذکور ہوا ہے مقصد انھیں یہ جتانا ہے کہ پہلے تم فرعون کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اب وہ کاٹ دی گئیں اور تمہیں آزادی اور حریت کی نعمت سے سرفراز فرما دیا گیا۔ مفسرین کرام ابن جریر، رازی، قرطبی وغیرہم نے اسی معنی کو پسند فرمایا ہے۔ قرطبی کے الفاظ ہیں۔ وجعلکم ملوکا ای تملکون امرکم لا یغلبکم علیہ غالب بعد ان کنتم مملوکین لفرعون مقھورین

مَا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۰﴾ یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ

جو نہیں عطا فرمایا تھا کسی کو سارے جہانوں میں ۵۸ اے میری قوم! داخل ہو جاؤ اس پاک

الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ

زمین میں ۵۹ جسے لکھ دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے اور نہ پیچھے ہٹو پیٹھ پھیرتے ہوئے

حضرت زید بن اسلم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا یہ ارشاد بھی روایت فرمایا ہے جس کے پاس رہنے کے لیے گھر اور خدمت کے لیے خادم ہو وہ ملک ہے۔ (ابن جریر)

۵۸ عقیدۂ توحید، نبوّت، حرّیت و آزادی، حکومت، یہ ساری نعمتیں ایسی تھیں جو اس زمانہ میں بنی اسرائیل کے سوا کسی اور قوم کو نصیب نہیں تھیں۔

۵۹ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے ہجرت کی اور سمندر کو بخیریت عبور کر لیا اور فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔ تو آپ وادیٔ سینا میں فروکش ہو گئے۔ ایک سال وہیں قیام فرمایا اسی اثنا میں آپ کو تورات عطا ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے اپنی قوم کو اپنے آبائی وطن شام کی طرف جانے کے لیے آمادہ کیا۔ چنانچہ وہاں کے لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے بارہ نقیب روانہ کیے جو چالیس روز تک وہاں کے حالات کا مشاہدہ کرتے رہے۔ جب واپس آتے تو موسیٰ علیہ السّلام نے انھیں فرمایا کہ قوم کے سامنے برملا ایسی کوئی بات نہ کہنا جس سے اُن کے حوصلے پست ہوں لیکن بارہ میں سے دس نے تو وہاں کے لوگوں کی قوّت و جبروت، ان کے قد و قامت، ان کے قلعوں کی مضبوطی کا ایسا نقشہ کھینچا کہ بنی اسرائیل چلّا اُٹھے۔ اور انتہائی بے باکی سے اپنے پیغمبر کو کہہ دیا کہ ہم ایسی جابر قوم سے ٹکّر لے کر اپنے بچّوں کو یتیم اور اپنی بیویوں کو بیوہ کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ آپ اور آپ کا خُدا پہلے ان سے جا کر لڑیں۔ ان سے ملک کو پاک کریں تو پھر ہم اپنے آبائی وطن کا رُخ کریں گے۔ اُنھوں نے کہا ہم شام کی زرخیز زمینوں، ٹھنڈے پانی کے اُبلتے ہوئے چشموں اور پھلوں سے لدے ہوئے باغات اور وہاں کی عزّت کی زندگی سے باز آئے۔ ہم تو واپس مصر جاتے ہیں۔ وہاں اگرچہ غلامی کی ذلّت ہے لیکن موت کا تو اندیشہ نہیں۔ دوسرے دو نقیبوں حضرت یوشع بن نون اور کالب نے بہت سمجھایا کہ نامرد نہ بنو، ذرا ہمّت کر کے دُشمن پر حملہ تو کرو پھر دیکھو نصرتِ الٰہی کس طرح تمھارے دُشمنوں کو کچل کر رکھ دیتی ہے لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ چنانچہ ان کی اس بُزدلی اور پیغمبر کی نافرمانی کی وجہ سے اس ملک کا داخلہ ان پر بند کر دیا گیا۔ چالیس برس تک مختلف بیابانوں اور صحراؤں کی خاک چھانتے پھرے جب اس مدّت میں غلامی کی گود میں پلے ہوئے اسرائیلی لقمۂ اجل بن گئے اور آزادی کی فضا میں پیدا ہونے والے بچّے پروان چڑھے تو انھوں نے شام پر حملہ کر کے اُسے فتح کیا۔ اس سے ہمیں بھی یہ حقیقت بتا دی گئی کہ آزادی کی نعمت

فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٢١﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ

ورنہ تم لوٹو گے نقصان اُٹھاتے ہوئے   کہنے لگے اے مُوسیٰؑ!   اس زمین میں تو بڑی جابر قوم (آباد) ہے

وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا

اور ہم ہرگز داخل نہ ہوں گے اس میں جب تک وُہ نکل نہ جائیں وہاں سے   اور اگر وُہ نکل جائیں   اس سے

فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿٢٢﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ

تو پھر ہم ضرور داخل ہوں گے (اس وقت) کہا دو آدمیوں نے جو (اللہ سے) ڈرنے والوں سے تھے انعام فرمایا تھا اللہ نے

عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ

جن پر کہ (بے دھڑک) داخل ہو جاؤ ان پر دروازہ سے   اور جب تم داخل ہو گے دروازہ سے تو یقیناً   تم

غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالُوْا

غالب آجاؤ گے   اور اللہ پر   بھروسہ کرو   اگر ہو   تم   ایمان دار   کہنے لگے

يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ

اے مُوسیٰؑ! ہم تو ہرگز داخل نہ ہوں گے اس میں قیامت تک جب تک وُہ وہاں ہیں   پس جاؤ   تم

وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ

اور تمہارا رب اور دونوں لڑو (ان سے) ہم تو یہاں ہی بیٹھیں گے   مُوسیٰؑ نے عرض کی اے میرے ربّ! میں مالک نہیں ہوں

اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٥﴾

بجز اپنی ذات کے اور اپنے بھائی کے پس جُدائی ڈال دے ہمارے درمیان اور اس نافرمان قوم کے درمیان

اُسی قوم کو عطا فرمائی جاتی ہے جو اس کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے کے لیے تیار ہو۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي

اللہ نے فرمایا تو یہ سرزمین حرام کردی گئی ہے ان پر چالیس سال تک سرگرداں پھریں گے زمین

الْاَرْضِ ۗ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ

میں سو نہ غمگین ہوں آپ اِس نافرمان قوم (کے انجام) پر اور آپ پڑھ سنائیے انھیں ٦٠ے

نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا

خبر دو فرزندان آدم کی ٹھیک ٹھیک جب دونوں نے قربانی دی ٦١ے تو قبول کی گئی ایک سے

وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۗ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۗ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ

اور نہ قبول کی گئی دُوسرے سے (اس دوسرے نے) کہا قسم ہے میں تمھیں قتل کرڈالوں گا۔ (پہلے نے کہا (تو بلاوجہ ناراض ہوتا ہے)

٦٠ے نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی واضح دلیلیں اور روشن معجزات دیکھ کر بھی یہود ہدایت قبول کرنے سے انکار کر دیا کرتے جس سے حضورؐ کو رنج ہوتا۔ اللہ تعالیٰ آدم علیہ السّلام کے دو بیٹوں کا قصّہ سُنا کر اپنے حبیبؐ کو بتاتے ہیں کہ جیسے قابیل نے محض حسد کی بنا پر اپنے بے گناہ اور پاکباز بھائی کو قتل کر دیا تھا۔ یہ بھی اسی حسد کے شکار ہیں۔ انھیں رنج یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد سے کسی کو کیوں نبی بنا کر بھیجا گیا صرف اِس لیے یہ لوگ آپ کی اور آپ کے لائے ہوئے دین کی مخالفت پر کمربستہ ہیں۔ قابیل اپنے بھائی ہابیل سے کیوں حسد کرتا تھا۔ اس کے جواب میں مفسّرین نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن کوئی یقینی چیز نہیں جسے پیش کرتے وقت دِل میں خلش محسُوس نہ ہو۔ اس لیے اس سے قطع نظر کر کے صرف وُہی کچھ عرض کرنا عبرت پذیری کے لیے کافی ہے جو قرآنِ حکیم نے بتایا ہے۔ بالحق کے لفظ نے یہ واضح کر دیا کہ یہ قصّہ محض تفریحِ طبع اور دِل بہلانے کے لیے نہیں سُنایا جا رہا ہے بلکہ سچ سچ بے کم و کاست سُنایا جا رہا ہے۔ تاکہ حق واضح ہو اور نصیحت حاصل ہو۔

٦١ے قربان سے مُراد کوئی جانور نہیں جو ذبح کیا گیا ہو بلکہ محض نذرِ خداوندی مُراد ہے۔ خواہ وُہ جنس کی شکل میں ہو یا کسی جانور کی قربانی کی صُورت میں۔ بتایا یہ جا رہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السّلام کے دونوں بیٹوں (قابیل اور ہابیل) نے بارگاہِ ربّ العزّت میں نذرانۂ عبودیّت پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک (ہابیل) کی قربانی کو شرفِ قبول بخشا اور دُوسرے (قابیل) کا نذرانہ نامنظور فرمایا۔ قابیل حسد کے مارے تڑپ اُٹھا اور اس میں اپنی تحقیر اور تذلیل سمجھی کہ اس کی قربانی منظور ہو گئی اور میری مسترد کر دی گئی۔ چنانچہ اس نے کہا کہ ہابیل! میں اس ذِلّت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اب تیری جان لیے بغیر
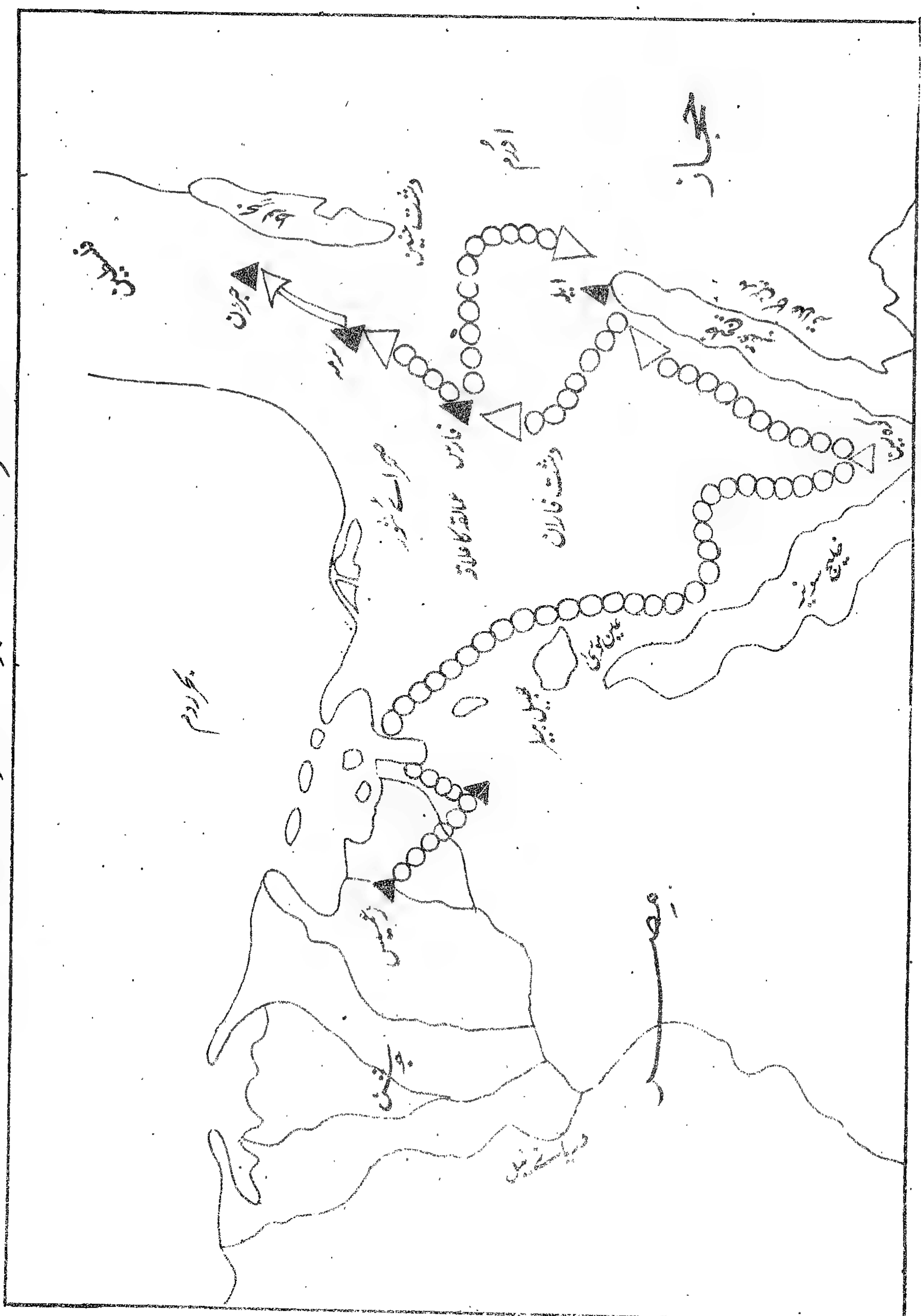
اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝٢٧ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ

قبول فرماتا ہے اللہ صرف پرہیزگاروں سے ۶۲ تو اگر تو بڑھائے ۶۳ میری طرف اپنا ہاتھ تاکہ تو قتل کرے مجھے (جب بھی)

اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ

میں نہیں بڑھانے والا اپنا ہاتھ تیری طرف تاکہ میں قتل کروں تجھے میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو مالک ہے

الْعٰلَمِيْنَ ۝٢٨ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ

سارے جہانوں کا میں تو یہی چاہتا ہوں کہ تو اٹھالے میرا گناہ ۶۴ اور اپنا گناہ تاکہ تو ہو جائے

مجھے تسکین نہیں ہو سکتی۔

۶۲؎ ہابیل نے قابیل کی دھمکی کا جواب دیا کہ بھائی اس میں میری کیا خطا ہے۔ اللہ کے ہاں تو اسی کا نذرانہ قبول کیا جاتا ہے جو متقی اور پرہیزگار ہو۔ گویا ہابیل نے اُسے بتا دیا کہ اگر تم اپنی سابقہ زندگی میں اپنے رب کے نافرمان اور سرکش بنے رہے ہو جس کے باعث تمھیں یہ دن دیکھنا پڑا تو اب گزشتہ کرتوتوں پر اشکِ ندامت بہاؤ اور سچے دل سے توبہ کرلو اور آئندہ تقویٰ کی راہ پر گامزن رہو۔ رحمتِ خداوندی تمھاری قربانی بھی قبول کرلے گی۔ لیکن انسان کی یہ دیرینہ عادت ہے کہ وُہ ایک غلطی پر دُوسری شدید غلطی سے پردہ ڈالنا چاہتا ہے۔ ایک گناہ کو چھپانے کے لیے اس سے بھی سنگین گناہ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ قابیل کے لیے آسان اور سلامتی کا راستہ تو وُہی تھا جس کی طرف اس کے بھائی نے اس کی رہنمائی کی تھی لیکن وُہ اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوا۔

۶۳؎ ہابیل نے جب دیکھا کہ قابیل میرے قتل کا عزم کر چکا ہے اور کسی طرح باز نہیں آتا تو اس نے کہا قابیل! اگر تم مجھے قتل کرنے کے لیے دست درازی کرو گے تو بھی میں تمھیں قتل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ قابیل جب قتل کرنے آیا ہابیل مظلوم اور بے بس بھیڑ کی طرح سر جھکا کر کھڑے ہو گئے اور اپنی حفاظت کے لیے کچھ نہ کیا۔ نہیں بلکہ ہابیل کا یہ مقصد ہے کہ اگرچہ مجھے یقین ہے کہ تم میرے قتل کرنے پر تلے ہوئے ہو پھر بھی میں پہل نہیں کروں گا۔ حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہ سے یہی معنی مروی ہے۔ قال ابن عباس ان المعنی فی الآیۃ لئن بسطت الی یدك علی سبیل الظلم والابتداء لتقتلنی ما انا بباسط یدی الیك علی وجه الظلم والابتداء (رُوح المعانی) شریعت میں اپنے بچاؤ کے لیے حملہ آور کا مقابلہ کرنا واجب ہے۔ والاصح وجوب ذلك لمافیه من النهی عن المنکر۔ (قرطبی) یعنی صحیح بات یہ ہے کہ اپنا بچاؤ اور دفاع فرض ہے کیونکہ نہی عن المنکر کے حکم کی تعمیل کی یہی صُورت ہے۔

۶۴؎ باثمی کا معنی ہے باثم قتلی یعنی جو گناہ تو نے پہلے کیے ہیں ان کا بار تو تیرے سر پر ہے ہی اب میرے خُونِ ناحق

اَصۡحٰبِ النَّارِ ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيۡنَ ۚ‏ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتۡ لَهٗ نَفۡسُهٗ

دوزخیوں سے اور یہی سزا ہے ظلم کرنے والوں کی پس آسان بنا دیا اس کے لیے ٦٥ے

قَتۡلَ اَخِيۡهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصۡبَحَ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ‏ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ

اُس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل سو قتل کر دیا اُسے اور ہو گیا سخت نقصان اُٹھانے والوں سے پھر بھیجا اللہ نے

غُرَابًا يَّبۡحَثُ فِى الۡاَرۡضِ لِيُرِيَهٗ كَيۡفَ يُوَارِىۡ سَوۡءَةَ اَخِيۡهِ‌ ؕ

ایک کوّا کھودتا تھا زمین کو تاکہ دکھائے اُسے کہ کس طرح چھپائے لاش اپنے بھائی کی

قَالَ يٰوَيۡلَتٰٓى اَعَجَزۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ مِثۡلَ هٰذَا الۡغُرَابِ فَاُوَارِىَ

کہنے لگا ہائے افسوس! ٦٦ے کیا قاصر رہا ہیں کہ ہوتا اِس کوّے کی مانند تو چھپا دیتا

کا گناہ بھی تیرے سر پر لادا جائے گا۔ اس کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ قیامت کے دن ظالم اور مظلوم جب بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ مظلوم کی دادرسی کے لیے ظالم کی نیکیاں مظلوم کو عطا فرمائیں گے اور اگر اس سے بھی دادرسی میں کسر رہ جائے گی تو مظلوم کے گناہ ظالم پر لاد دیئے جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ باثمی سے اِس بات کی طرف اشارہ ہو۔

٦٥ے طوّع کا معنی ہے آسان بنا دینا (قرطبی)۔ سگے بھائی کا قتل کوئی آسان بات نہ تھی۔ جب قابیل کو اس کا پہلے خیال آیا ہوگا تو بھائی کی محبت، اس کی نیکی اور پاکیزگی، باپ کی ناراضگی اور اللہ کا غضب یہ سب چیزیں راستہ میں پہاڑ بن کر کھڑی ہو گئی ہوں گی۔ نہ معلوم قتل کرنے کی خواہش میں اور ان عوامل میں کتنی دیر کشمکش جاری رہی ہو گی۔ لیکن آخر حسد کا جذبہ غالب آگیا اور اس نے بھائی کے قتل کو عین مصلحت بنا کر پیش کیا۔ اور قابیل اس کو خوشی سے کرنے پر آمادہ ہو گیا پہلے جس کے تصوّر سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہوں گے۔ ہر مجرم جرم کرنے سے پہلے ایسی کشمکش سے دوچار ہوتا ہے۔ اگر نیکی کی قوت غالب آگئی تو جرم کرنے سے باز آگیا اور گناہ سے بچ گیا۔ اور اگر خدا نخواستہ شر کو غلبہ حاصل ہو گیا تو پھر حضرتِ انسان بایں جُبّہ و دستار بہمہ علم و فراست چاروں شانے چت زمین پر آگرتا ہے اور کچھ بعید نہیں کہ اس موقع پر شیطان زوردار قہقہہ لگا کر نعرہ بلند کرتا ہو مسجُودِ ملائک زندہ باد!

٦٦ے اصل میں یاویلتی ہے لیکن ندا کے وقت یا کو الف سے بدل دیا اور اس کے ماقبل کو فتح دے دیا۔ ویل کا معنی ہلاکت ہے۔ جب انسان ہلاک ہونے لگے تو اس وقت کہا جاتا ہے یاویلتی ہائے میں برباد ہو گیا۔

سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿٣١﴾ ۚۛ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚۛ

لاش اپنے بھائی کی ٦٧ غرض وُہ ہو گیا سخت پچھتانے والوں سے اسی وجہ سے ٦٨

كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ

(حکم) لکھ دیا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جس نے قتل کیا کسی انسان کو ٦٩ سوائے قصاص کے

اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا

اور زمین میں فساد برپا کرنے کے تو گویا اس نے قتل کر دیا تمام انسانوں کو اور جس نے بچا لیا

فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۫

کسی جان کو تو گویا بچایا اس نے تمام لوگوں کو اور بے شک آئے ٧٠ ان کے پاس ہمارے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ

٦٧ سوأۃ۔ شرمگاہ چھپانے کی چیز یعنی لاش۔ کہتے ہیں کہ ہابیل پہلا شخص ہے جس نے موت کا جام پیا۔ اس لیے قابیل حیران ہو گیا کہ میں اب اس کی لاش کو کدھر کروں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ایک کوّے کے ذریعے اس کو دفن کرنے کا طریقہ سکھایا۔

٦٨ یعنی جب قابیل نے اپنے بے گناہ بھائی کو جان سے مار کر قتل کا بند دروازہ کھول دیا اور ایک خطرناک رسم کی ابتدا کر دی اور اب دُوسرے لوگ بھی قتل کرنے لگے اور فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو گیا تو بنی اسرائیل پر جو کتاب نازل ہوئی اس میں اس کی صراحۃً ممانعت کر دی گئی۔

٦٩ یہ تو ظاہر ہے کہ ایک شخص کے قتل سے زیادہ آدمیوں کا قتل زیادہ سنگین ہے اور اس کا گناہ بہت زیادہ ہے تو پھر اس کا مطلب کیا کہ جس نے ایک آدمی کو قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو تہ تیغ کر دیا۔ علامہ بیضاوی رح اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ جس نے ایک بے گناہ کو مار ڈالا اُس نے خونِ انسانی کی بے حُرمتی اور توہین کی نیز اس نے قتل کی رسم کا از سرِ نو آغاز کیا اور دُوسرے لوگوں کو بھی اس جُرم کے ارتکاب کی جرأت دلائی۔ من حيث انه هتك حرمة الدماء وسن القتل وجرأ الناس عليه (بیضاوی رح)

٧٠ تورات میں انھیں قتل ناحق سے باز رکھنے کے لیے احکام قطعیّہ نازل ہوئے۔ ان کو یہ احکام یاد دلانے کے لیے ایسے رسُولوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا جن کے معجزات دیکھ کر ان کی صداقت کا انھیں اعتراف کرنا پڑا۔ لیکن ان کی مسخ شدہ فطرت اور بگڑے ہُوئے مزاج کی اصلاح نہ ہوئی۔ یہ برابر آمادۂ قتل و فساد رہے۔ جن پیغمبروں پر وُہ ایمان لا چکے تھے ان کو بھی تختۂ دار پر لٹکانے اور ان کے سر پر آرہ چلانے سے باز نہ آئے۔ تو اُن سے یہ توقع کیونکر ہو سکتی ہے کہ وُہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِى الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿٣٢﴾ اِنَّمَا

پھر بھی بہت سے لوگ ان میں سے اس کے بعد بھی زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہیں بلا شبہ

جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ

سزا ان لوگوں کی جو جنگ کرتے ہیں لـ۱ـہ اللہ سے اور اس کے رسُول سے اور کوشش کرتے ہیں لـ۲ـہ زمین میں

فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ

فساد برپا کرنے کی یہ ہے کہ انھیں (چُن چُن کر) قتل کیا جائے یا سُولی دیا جائے یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور اُن کے پاؤں

مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِى الدُّنْيَا

مخلف طرفوں سے یا جلاوطن کر دیئے جائیں لـ۳ـہ یہ تو ان کے لیے رُسوائی ہے دُنیا میں

کی اذیّت رسانی اور آپ کے خلاف ناپاک سازشیں کرنے سے باز آئیں گے۔

لـ۱ـہ مملکتِ اسلامیہ کے گوشہ گوشہ میں امن قائم کرنے، راستوں کو محفُوظ بنانے اور فتنہ وفساد کی جڑ کاٹنے کا حکم اللہ تعالےٰ اور اس کے رسُولِ معظّم نے دیا ہے۔ جو اس حکم کی خلاف ورزی کر کے قتل وغارت اور لُوٹ مار کا بازار گرم کرتا ہے وُہ گویا اللہ اور اس کے رسُول کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کر رہا ہے اس لیے قرآن کریم نے مملکتِ اسلامیہ کے کسی باشندے پر خواہ وُہ مُسلمان ہو یا ذمّی دست درازی کرنے کو اللہ اور اس کے رسُول کے خلاف جنگ کرنے سے تعبیر کیا ہے۔

لـ۲ـہ واو تفسیریہ ہے۔ پہلے جملہ میں جس محاربہ کا ذکر ہوا اس کی وضاحت فرمادی۔

لـ۳ـہ محاربین جن کی سزائیں یہاں بیان کی گئی ہیں وُہ کون ہیں؟ ان کے متعلق فقہاء کرام نے کہا ہے کہ جن میں یہ تین شرطیں پائی جائیں وُہ محارب ہیں۔ (۱) وُہ بندُوق، تلوار، نیزہ وغیرہ ہتھیاروں سے مسلّح ہوں۔ (۲) آبادی سے باہر راستہ یا صحرا میں وُہ رہزنی اور ڈاکہ کا ارتکاب کریں لیکن امام شافعی، اوزاعی اور لیث رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہر میں ڈاکہ ڈالنے والے بھی محارب کہلائیں گے اور انھیں سزاؤں کے مستحق ہوں گے (۳) وُہ چھُپ کر نہیں بلکہ برملا حملہ آور ہو کر لُوٹ مار کریں۔ ایسے لوگوں کے لیے قرآن نے چار سزائیں مقرر کی ہیں۔ (۱) انھیں قتل کر دیا جائے باب تفعیل تقتیل تشدید اور مبالغہ کے لیے ہے یعنی مقتول کے وارث اگر معاف بھی کر دیں تو بھی انھیں قتل کیا جائے گا کیونکہ مدعی حکومت ہے جو عوام کی نمائندہ ہے۔ یہ مقتول کے وارثوں کا نجی معاملہ نہیں رہا (۲) انھیں سُولی دے دیا جائے۔ (۳) اُن کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے۔ (۴) یا اُنھیں قید کر دیا جائے۔ بعض عُلماء کا یہ خیال ہے کہ ان فقروں کے درمیان او (یا) کا کلمہ تخییر

وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ

اور ان کے لیے آخرت میں (اس سے بھی) بڑی سزا ہے ۷۴ مگر وہ جنھوں نے توبہ کر لی ۷۵ اس سے پہلے

اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

کہ تم قابو پا لو ان پر (ان کو معاف کر دیا جائے گا) اور خوب جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے اے ایمان والو!

کے لیے ہے یعنی امامِ وقت کو اختیار ہے کہ ان سزاؤں میں سے جو سزا مناسب سمجھے دے۔ وھو قول سعید ابن المسیب وعمر بن عبد العزیز ومالك والنخعی کلھو قال الامام مخیر فی الحکم علی المحاربین وھو مروی عن ابن عباس (قرطبی) لیکن جمہور علماء کا یہ خیال ہے کہ سزا جرم کے مطابق ہوگی۔ جتنا جرم سنگین ہوگا اتنی ہی سزا سخت ہوگی چنانچہ احناف نے اس کی تفصیل یوں بیان کی ہے کہ اگر انھوں نے قتل کیا تو انھیں قتل کیا جائے گا اور مقتول کے وارثوں کے بخش دینے سے بھی معاف نہ ہوگا۔ اور اگر قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا تو پھر اُنھیں سُولی دے دیا جائے گا اور لوگوں کی عبرت پذیری کے لیے شارعِ عام پر سُولی دے دی جائے اور ان کی لاشیں لٹکی رہیں اور اگر انھوں نے قتل نہ کیا صرف مال لُوٹا تو اُن کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے گا۔ اور اگر انھوں نے نہ قتل کیا نہ مال لُوٹا صرف لوگوں کو دہشت زدہ اور ہراساں کیا تو پھر اُنھیں قید کیا جائے گا۔ (روح المعانی)

۷۴؎ کون نہیں جانتا کہ ملک کی ترقی اور خوشحالی کا تمام تر انحصار اس پر ہے کہ وہاں امن و امان ہو۔ راستے محفوظ ہوں۔ تجارتی قافلوں اور سامان کے لُٹ جانے کا خطرہ نہ ہو۔ لوگ طلب معاش اور اپنی دُوسری ضروریات کے لیے بے دھڑک جہاں چاہیں جاسکیں اور جو فسادی عنصر ملک کے امن کو برباد کر رہا ہو۔ عام شاہراہوں پر بسوں اور موٹروں کو لُوٹنا، ریل گاڑی کی پٹڑی کو اکھیڑ دینا، بجلی یا ٹیلیگراف کی تاروں کو کاٹ دینا، راہ چلتے نہتّے مسافروں کو مار ڈالنا اپنا مشغلہ بنا لے وُہ کسی رحم اور نرم دِلی کا مستحق نہیں اس کو جتنی عبرت ناک سزا دی جائے اتنا ہی مفید ہے۔ ایسے ہی فتنہ پرداز لوگوں کے لیے یہ سزائیں قرآن نے مقرر کی ہیں۔ اگر کوئی چیں بجبیں ہوتا ہے تو اس کی مرضی لیکن کسی سے آفرین لینے کے لیے اسلام ایسے افراد کو اپنی سوسائٹی میں برداشت نہیں کر سکتا اور ان کو ان کے ظلم و تشدّد کی سزا دینے کا اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے۔ ممکن ہے سفّاکوں اور رہزنوں کے ساتھ نرمی کرنا ہی کسی کے نزدیک رحم ہو لیکن اسلام کے نزدیک ظالم کے ہاتھ سے ظلم کی تلوار چھین لینا اور اس کے ظالم ہاتھ کو کاٹ پھینکنا رحمت ہے۔ نظریات کے اتنے بیّن تفاوت کی موجودگی میں عمل اور طریق کار میں تفاوت حیرت انگیز چیز نہیں۔

۷۵؎ اگر وُہ گروہ گرفتار ہونے سے پہلے تائب ہو جائے اور اپنے آپ کو حکومت کے حوالہ کر دے پھر حقوق اللہ معاف ہو جائیں گے لیکن اگر اُنھوں نے کسی کا مال لُوٹا ہے تو وُہ واپس کرنا ہوگا۔ اگر کسی کو قتل کیا ہے تو اُس کا قصاص یا دیت

اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ

ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ [76] اور جدوجہد کرو اس کی راہ میں [77] تاکہ تم

ادا کرنی ہوگی کسی کو زخمی کیا ہے تو اس کی سزا بھگتنی ہوگی۔

[76] ابن منظور لفظ وسیلہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ الوسیلة فی الاصل ما یتوصل به الی الشیئ و یتقرب به الیه (لسان العرب) یعنی جس چیز کے ذریعہ کسی تک پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل ہو اُسے وسیلہ کہتے ہیں۔ والوسیلة کل ما یتقرب به (کشاف)۔ ایمان، نیک اعمال، عبادات، پیرویٔ سنّت اور گناہوں سے بچنا یہ سب اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں اور مرشدِ کامل جو اپنی رُوحانی توجّہ سے اپنے مُرید کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی اتار دے۔ دل میں یادِ الٰہی کی تڑپ پیدا کر دے اس کے وسیلہ ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے۔ کاملینِ اُمّت نے ایسے مُرشد کی تلاش میں سینکڑوں، ہزاروں کوس کی مُسافت کو پاپیادہ طے کیا ہے۔ اور ان کی رہنمائی اور دستگیری سے آسمانِ معرفت وحکمت پر مہر وماہ بن کر چمکے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اس آیت میں وسیلہ سے مُراد بیعتِ مُرشد ہے (قول جمیل) اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے شاہ اسمٰعیل صاحب دہلوی کو بھی لکھنا پڑا "اہلِ سلوک ایں آیت را اشارت بسلوک مے فہمند و وسیلہ مرشد را مے دانند پس تلاش مُرشد بنا بر فلاحِ حقیقی و فوزِ تحقیقی پیش از مجاہدہ ضروری ست و سُنّت اللہ برہمیں منوال جاریست لہٰذا بدُون مُرشد راہ یابی نادر است" (صراطِ مستقیم) یعنی سالکانِ راہِ حقیقت نے وسیلہ سے مُراد مُرشد لیا ہے پس حقیقی کامیابی اور کامرانی حاصل کرنے کے لیے مجاہدہ و ریاضت سے پہلے تلاشِ مُرشد ازبس ضرُوری ہے اور اللہ تعالیٰ نے سالکانِ راہِ حقیقت کے لیے یہی قاعدہ مقرر فرمایا ہے۔ اسی لیے مُرشد کی رہنمائی کے بغیر اس کا ملنا شاذ و نادر ہے۔

مولوی ہرگز نشُد مولائے رُوم   تا غُلامِ شمسِ تبریزی نشُد   (رُومیؒ)

دمِ عارف نسیمِ صُبحدم ہے   اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیبؑ آئے میسّر   شبانی سے کلیمی دو قدم ہے   (اقبالؒ)

[77] اللہ تعالیٰ کا قرُب حاصل کرنے کے لیے تقویٰ اختیار کرنے، وسیلہ تلاش کرنے کے علاوہ ہر دم مصروفِ جہاد رہنا بھی ضرُوری ہے جہادِ اصغر بھی اور جہادِ اکبر بھی۔ کفّار سے بھی اور نفسِ امّارہ سے بھی۔ اور ان تمام نظریات اور افکار سے بھی جو کسی حیثیّت سے اسلامی عقائد اور مسلّمات سے ٹکراتے ہیں۔ تب جا کر فلاح وکامرانی نصیب ہوگی ؎

چو می گویم مُسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را   (اقبالؒ)

تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

فلاح پاؤ بے شک وُہ جنھوں نے ۷۸ کفر اختیار کیا اگر انہی کی ملکیت میں ہو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب

وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ

اور اتنا اور بھی اس کے ساتھ تاکہ بطور فدیہ دیں اسے (اور نجات پائیں) عذاب سے روزِ قیامت نہ قبول کیا جائے گا

مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ

اُن سے اور ان کے لیے عذاب دردناک ہو گا بہت چاہیں گے کہ نکلیں اس آگ سے

وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾ وَالسَّارِقُ

اور وُہ نہیں نکل سکیں گے اس سے اور ان کے لیے عذاب ہو گا ہمیشہ رہنے والا اور چوری کرنے والے ۷۹

۷۸ یعنی کفّار کا یہ خیال غلط ہے کہ ہم وہاں بھی روپیہ وغیرہ سے کام چلالیں گے۔ وہاں تو نجات کا ذریعہ ایمان ہے دُنیا بھر کی دولت بھی اگر وُہ دے کر جان چھوڑانا چاہیں گے تو ان کے منہ پر مار دی جائے گی۔

۷۹ اس سے پہلے ہتھیار بند ڈاکوؤں اور رہزنوں کی سزائیں بتائی گئیں۔ اب چوروں کی سزا بیان کی جارہی ہے پہلے یہ سمجھنا چاہیئے کہ اہلِ عرب کے نزدیک جن کی زبان اور محاورات کے مُطابق قرآنِ حکیم نازل ہؤا۔ سارق (چور) کس کو کہتے ہیں۔ السارق عند العرب هو من جاء مستترا الى حرزٍ فاخذ منه ماليس له (قرطبی) یعنی اہلِ عرب سارق اس کو کہتے ہیں جو پوشیدہ طور پر کسی محفوظ جگہ میں آئے اور وہاں سے ایسا مال لے جائے جو اس کا اپنا نہیں۔ اس وضاحت کے بعد پتہ چل جاتا ہے کہ فقہاء اسلام نے چور کا ہاتھ کاٹنے کے لیے جن شرائط کا پایا جانا ضروری قرار دیا ہے وُہ ان کا اپنا اضافہ نہیں بلکہ لفظ سارق کے لغوی مفہوم سے ماخوذ ہیں۔ مختصراً ان شرائط کا ذکر کرتا ہُوں قطع ید کے لیے جن کا پایا جانا چور، چوری شدہ مال اور چوری ہونے کی جگہ میں ضروری ہے۔ چور کے متعلق تو یہ شرطیں ہیں:-

(۱) بالغ ہو نابالغ نہ ہو۔ (۲) عاقل ہو پاگل اور دیوانہ نہ ہو۔ (۳) مالِ مسروقہ کا مالک نہ ہو سارے کا نہ اُس کے کسی حصّہ کا۔ مالِ مسروقہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم سے کم نہ ہو۔ اور جہاں سے چوری کی گئی ہے وُہ محفوظ جگہ ہو گھر ہو، دُکان ہو کوئی اور مکان ہو۔ یا اس مال کی حفاظت کے لیے کوئی پہرے دار مقرر ہو۔ اس کے علاوہ اور بہت سی تفصیلات ہیں جن کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ

اور چوری کرنے والی (کی سزا یہ ہے) کہ کاٹو ان کے ہاتھ بدلہ دینے کے لیے جو انھوں نے کیا ٨٠ (اور) عبرتناک سزا

اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝٣٨ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ

اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے ٨١ پھر جس نے توبہ کرلی اپنے (اس ظلم کے بعد اور اپنے آپ کو سنوار لیا

٨٠؎ چوری کی یہ سزا مقرر کرنے کی دو وجہیں بتائیں۔ ایک تو یہ کہ جزاء بما کسبا یہ اس کے اپنے کیے کی سزا ہے اب وہ اسے بھگتے۔ دوسری وجہ نکالاً من اللہ نکال اس سزا کو کہتے ہیں جو دوسروں کے لیے عبرت کا باعث ہو اور یہ دونوں مقصد اسی طرح پورے ہو سکتے ہیں جیسے قرآن نے حکم دیا۔ آج کئی لوگ ان سزاؤں کو بہت شدید اور سخت خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اس غیر مہذب اور غیر متمدن سوسائٹی کے لیے تھیں جن میں قرآن نازل ہوا۔ اس زمانہ کے بعض مترجمین اور حاشیہ نویسوں نے اس پر بڑا زور قلم صرف کیا ہے کہ یہ سزا صرف عادی مجرموں کے لیے ہے جنھیں قید و بند کی سختیاں بھی درست نہ کر سکیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے جس پاکیزہ معاشرہ کا سنگ بنیاد رکھا ہے جس طرح قوم کے تمام افراد کے حقوق و فرائض کا توازن قائم کیا ہے۔ رعایا کے ہر فرد کی جان۔ مال اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری حکومت اسلامیہ پر عائد کی ہے ان تمام امور کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ سزائیں سخت اور شدید سہی لیکن عین حکمت ہیں۔ آپ خود انصاف کیجئے کہ آپ کی شفقت کا زیادہ مستحق کون ہے۔ وہ بیوہ، وہ یتیم، وہ پرامن شہری جس کی عمر بھر کا اندوختہ راتوں رات لوٹ لیا گیا یا ہٹا کٹا چور۔ جب سے مظلوم سے زیادہ ظالم، لٹنے والے سے زیادہ لوٹنے والا شفقت و عنایت کا مستحق سمجھا جانے لگا ہے اس وقت سے جرموں اور مجرموں میں ہوش ربا اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ ہم اپنے ہاں ہی دیکھیں۔ پولیس ہے مجسٹریٹ ہیں جیل خانے کھچا کھچ بھرے ہوتے ہیں لیکن جرائم میں زیادتی ہی ہورہی ہے۔ جس علاج سے بیماری گھٹنے کے بجائے بڑھتی چلی جارہی ہو وہ علاج ناکام ہے۔ اگر ہم مریض کو واصل بحق کرنے کا ہی عزم مصمم کر چکے ہیں تو یہ اور بات ہے۔ ورنہ مریض اور اس کے سارے کنبہ کی خیرخواہی کا تقاضا تو یہی ہے کہ دوسرا علاج کیا جائے۔ بنی امیہ کے ایک خلیفہ ہشام کو بھی تہذیب و شائستگی کا دورہ پڑا تھا اور اس نے بھی ہاتھ کاٹنے کی سزا منسوخ کر دی تھی۔ لیکن جب چوری کی وارداتیں آئے دن بڑھنے لگیں اور کوئی دوسرا حیلہ کارگر نہ ہوسکا تو دو سال کے عرصہ کے بعد پھر اسے قرآنی سزا نافذ کرنا پڑی۔ اس نے تو پھر اپنی غلطی کو بھانپ لیا اور دو سال کے بعد ہی اس کا ازالہ کر دیا لیکن ہم تو حالات کی انتہائی نزاکت کے باوجود ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ اگر ملک بھر میں دس بیس چلو پچاس ہی چوروں کے ہاتھ کٹ جائیں اور آپ کا ملک چوری کی لعنت سے نجات حاصل کرلے اور آپ کی نئی پود میں یہ مجرمانہ خیالات سر ہی نہ اٹھائیں تو میرے ناقص خیال میں تہذیب و شائستگی کا یہ مظاہرہ اس مظاہرہ سے بدرجہا بہتر ہوگا کہ ہمارے ملک میں کسی کا مال محفوظ نہ ہو۔ ہماری جیلوں میں سوسائٹی کے ان کرم فرماؤں (چوروں) کے لیے

فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٣٩ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ

تو بے شک اللہ تعالیٰ توجہ فرمائے گا ۸۲ اس پر بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے کیا تو نہیں جانتا کہ بلا شبہ

اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ

اللہ تعالیٰ کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور بخش دیتا ہے

لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝٤٠ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ

جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے اے رسول ۸۳

لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا

نہ غمگین کریں آپ کو وہ جو تیز رفتار ہیں کفر میں ان لوگوں سے جنہوں نے کہا

اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ

ہم ایمان لائے (صرف) اپنے منہ سے حالانکہ نہیں ایمان لائے تھے ان کے دل اور ان لوگوں سے جو یہودی ہیں

قورمہ اور پلاؤ پک رہا ہو۔

۸۱ یعنی جس خدا نے چور کی یہ سزا تجویز کی ہے وہ عزیز بھی ہے یعنی سب پر غالب ہے اور حکیم بھی ہے یعنی اس کا حکم سینکڑوں حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہوا کرتا ہے۔ ان دو صفات کے ذکر کرنے سے معترضین کے تمام شکوک کا جواب بھی آگیا۔

۸۲ امام شافعیؒ اور چند اور علماء کا خیال ہے کہ اگر چور بھی گرفتار ہونے سے پہلے تائب ہو جائے تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی لیکن جمہور علماء اور احناف کا یہی مذہب ہے کہ چوری کے بعد حد تو ضرور لگے گی لیکن اگر اس نے توبہ کی تو قیامت کا عذاب معاف کر دیا جائے گا۔ اور توبہ کی صورت یہ ہے کہ اگر اس کے پاس چوری کا مال موجود ہو تو اس کے مالک کو واپس کر دے نہیں تو اس کی قیمت ادا کرے اور اگر یہ دونوں نہیں کر سکتا تو پھر مالک سے معاف کرالے۔

۸۳ یہود کی خباثتوں سے حضور کریمؐ کا دل آزردہ ہوتا تھا۔ حضورؐ ان کو قدم قدم پر اسلام کی حقانیت کے ثبوت مہیا فرماتے لیکن وہ برابر کفر سے چمٹے رہنے پر مصر رہتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبؐ کو تسلی دے رہے ہیں کہ آپ افسردہ نہ ہوں۔ یہ نہ آپ کو کوئی گزند پہنچا سکتے ہیں اور نہ اسلام کی ترقی کو روکنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ یہ صرف زبان سے ایمان کا اقرار کر رہے ہیں ان کے دل اسی پرانے کفر میں مبتلا ہیں۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ يُحَرِّفُوْنَ

جاسُوسی ۸۴ے کرنے والے ہیں جھوٹ بولنے کے لیے وُہ جاسُوس ہیں دُوسری ۸۵ے قوم کے جو نہیں آتی آپ کے پاس بدل دیتے ہیں

الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ

اللہ کی باتوں کو اس کے صحیح موقعوں سے کہتے ہیں اگر تمھیں دیا جائے یہ حکم تو مان لو اُسے

وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ

اور اگر نہ دیا جائے تمھیں یہ حکم تو بچو ۸۶ے اور جس کو ارادہ فرمالے اللہ تعالیٰ فتنہ میں ڈالنے کا تو نہیں طاقت

۸۴ے سمع کے دو معنی ہیں (۱) سُننا (۲) قبول کرنا۔ سمّاع مبالغہ کا صیغہ ہے۔ علّامہ زمخشری اور بیضاوی نے دُوسرا معنی پسند کیا ہے قابلون لما یفتریه الاحبار ومنه سمع الله لمن حمده (کشاف) یعنی اپنی باطنی خباثت کی وجہ سے انھیں اپنے پادریوں کی جھوٹی باتیں بڑی پسند ہیں اُنھیں وُہ فوراً قبول کر لیتے ہیں۔

۸۵ے یہاں بھی سماع کے دونوں معنے مُراد ہو سکتے ہیں یعنی وُہ آپ کی مجلس میں محض جاسُوسی کے لیے آتے ہیں کہ کوئی راز کی بات سنیں اور اُسے اپنی قوم کے سرداروں کو جا کر بتائیں۔ دُوسرا یہ کہ آپ کی سچّی باتوں کو تو قبول نہیں کرتے لیکن فریب کار احبار و علماء کی جھُوٹی باتوں کو دِل میں جما لیتے ہیں۔

۸۶ے یہاں ایک خاص واقعہ کی طرف اِشارہ فرمایا جا رہا ہے جس کو تفسیر کشاف سے نقل کرتا ہُوں۔ خیبر کے ایک شادی شُدہ یہُودی مرد اور عورت نے زنا کیا۔ دونوں اعلیٰ خاندان کے افراد تھے اِس لیے علماء یہُود نے ان کو رجم کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اُنھوں نے ان دونوں کو ایک وفد کے ہمراہ بنی قریظہ کے پاس مدینہ طیّبہ روانہ کیا تاکہ رسُول اللّٰہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم سے مسئلہ دریافت کریں نیز انھوں نے یہ ہدایت کی کہ اگر دُرّے لگانے اور منہ کالا کرنے کا حکم دیں تو مان لینا اور اگر رجم کا حکم دیں تو انکار کر دینا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے رجم کا ہی حکم فرمایا۔ اُنھوں نے اِنکار کر دیا۔ حضرت جبریلؑ کے کہنے پر حضورؐ نے انھیں فرمایا کہ کیا تم نوجوان ابنِ صوریا کو پہچانتے ہو؟ کہنے لگے جی ہاں رُوئے زمین پر یہُود میں اس کا ہم پلّہ کوئی عالم نہیں۔ چنانچہ اسے حَکَم مقرر کیا گیا۔ جب وُہ آیا تو حضورؐ نے فرمایا تمھیں اس خدا کا واسطہ دے کر پُوچھتا ہُوں جس نے مُوسیٰ علیہ السّلام کے لیے دریا کو شق کیا اور تمھیں نجات دی اور فرعون کو غرق کیا اور جس نے تم پر تورات نازل فرمائی تم یہ بتاؤ کہ شادی شدہ زانی کے لیے تورات میں رجم کا حکم ہے یا نہیں؟ وُہ اِنکار نہ کر سکا اور صاف کہہ دیا کہ بے شک ایسا ہی ہے۔ یہُود اس پر اُچھل پڑے لیکن اس نے کہا کہ اگر میں اس نبیِ برحق کے سامنے جھُوٹ بولتا تو مجھے عذابِ الٰہی کے نازل ہونے کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ مسجد کے دروازہ کے سامنے انھیں رجم کیا گیا۔ (کشاف)

تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ

رکھتا تو اس کے لیے اللہ سے کسی چیز کی یہ وُہی لوگ ہیں ٨٧ کہ نہیں ارادہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ پاک کرے

قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ

ان کے دِلوں کو ان کے لیے دُنیا میں ذِلّت ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب

عَظِيْمٌ ﴿٤١﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ جَاۗءُوْكَ

ہے قبول کرنے والے ہیں جھوٹ کو بڑے حرام خور ہیں ٨٨ تو اگر وُہ آئیں آپ کے پاس

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ

تو چاہیے فیصلہ فرمائیے ان کے درمیان یا منہ پھیر لیجئے اُن سے (آپ کو اختیار ہے) اور اگر آپ منہ پھیر لیں اُن سے تو نہ

٨٧ اس کی وجہ ان کی اپنی عاقبت نااندیشی تھی۔ جس قوم کی ہدایت کے لیے ایسا مکرّم رسول مبعوث کیا جائے، قرآن جیسی روشن اور مدلّل کتاب نازل کی جائے۔ ہر لمحہ ان کو اسلام کی حقانیت کے معجزات کا مشاہدہ کرایا جائے اور ان کی اصلاح کی انتہائی کوشش کی جائے لیکن وُہ قوم پھر بھی پستی سے نکل کر بلندی کی طرف، گمراہی سے ہدایت کی طرف، باطل سے حق کی طرف آنے سے انکار کرتی رہے تو اس قوم کا بجز اس کے کیا علاج ہے کہ اُسے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وُہ باطل عقائد کی غلاظت اور غلط اعمال کی عفونت سے آلودہ رہے اور اسی حالت میں دم توڑ دے۔ اللہ تعالیٰ جس طرح کسی کو بُرائی پر مجبور نہیں کرتا اسی طرح وُہ کسی سے جبراً نیکی بھی نہیں کراتا۔ یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ اور انسان کو جو شرف تمام کائنات پر عطا فرمایا گیا ہے اُس کے بھی منافی ہے۔

٨٨ "سُحت" کا لغوی معنی ہلاکت و بربادی ہے۔ مال حرام کو اس لیے سحت کہا جاتا ہے کہ وُہ نیکیوں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔ مسلمانوں کو بھی حرام کھانے سے بارہا منع کیا گیا۔ چنانچہ حضور کریم علیہ الصلوٰة والتسلیم نے فرمایا کل لحم نبت بالسحت فالنار اولی بہ قالوا یا رسول اللّٰہ وما السحت؟ قال الرشوة فی الحکم: جو گوشت سُحت سے پیدا ہو اُسے آگ ہی جلائے گی۔ عرض کی گئی اے اللہ کے رسُول! سُحت کسے کہتے ہیں؟ فرمایا فیصلہ کرتے وقت رشوت لینا۔ امام اَبُوحنیفہ فرماتے ہیں اذا ارتشی الحاکم انعزل فی الوقت وان لم یعزل کہ حاکم رشوت لیتے ہی معزُول ہو جاتا ہے خواہ اسے بظاہر معزُول نہ بھی کیا جائے۔ رشوت اس مال کو کہتے ہیں جو کسی کا حق ضائع کرنے کے لیے اور ناحق کوئی چیز خود لینے کے لیے کسی حاکم کو دیا جائے۔ فاما ان ترشی لتدفع عن دینك ودمك ومالك فلیس بحرام۔ الیکن اپنے

يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ

نقصان پہنچا سکیں گے آپ کو کچھ بھی ۸۹ اور اگر آپ فیصلہ کریں تو فیصلہ فرمائیے ان میں انصاف سے ۹۰ بے شک

اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ

اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے اور کیسے منصف بناتے ہیں آپ کو حالانکہ ان کے پاس

التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ

تورات ہے اس میں اللہ کا حکم ہے ۹۱ پھر وہ منہ پھیرتے ہیں (اس سے) اس کے بعد بھی اور نہیں ہیں

دین، جان اور مال کی حفاظت کے لیے دی جاتے تو حرام نہیں۔ یہاں لینے والا گنہگار ہوگا)

۸۹ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ پہلے حضورؐ کو اختیار دیا گیا تھا کہ چاہیں تو اہلِ کتاب کے تنازعات کا فیصلہ فرما دیں اور چاہیں تو انکار کر دیں۔ لیکن بعد میں جب یہ آیت نازل ہوئی "ان احکم بینھم بما انزل الخ تو یہ اختیار نہ رہا۔ اور ان کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرنا حضورؐ پر لازمی ہوگیا۔ لیکن دوسرے علماء نے اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر جھگڑا مسلم اور ذمی (یعنی مسلمانوں کی غیر مسلم رعایا) کے درمیان ہو تو مسلمان قاضی فیصلہ کرے گا۔ اور اگر ذمیوں کا آپس میں تنازع ہو تو پھر دیکھیں گے کہ امورِ متنازعہ کا تعلق ان کی شخصی اور مذہبی زندگی سے ہے مثلاً نکاح، طلاق، زنا وغیرہ تو ہم ان کو مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ ہماری شریعت کے مطابق فیصلہ کرائیں۔ وہ ان معاملات میں اپنے علماء کی طرف رجوع کریں۔ واما الحکم فیما یختص بہ دینھم من الطلاق والزنی وغیرھا فلیس یلزمھم ان یتدینوا بدیننا وفی الحکم بینھم اضرار بحکامھم وتغییر ملتھم (قرطبی) لیکن ایسے امور جن کا تعلق ملک کے داخلی امن وامان یا خارجی سلامتی کے ساتھ ہے تو ایسے معاملات میں مسلمان قاضی فیصلہ کرے گا کیونکہ اگر معاملات میں تساہل اور غفلت روا رکھی جائے تو فتنہ وفساد کے پھیلنے کا اندیشہ ہے (قرطبی)

۹۰ یعنی جب فیصلہ کیا جائے تو عدل وانصاف کو پیشِ نظر رکھا جائے کسی کا یہودی یا منافق اور دشمنِ دین ہونا اس پر ظلم کرنے اور اس کا حق ضائع کرنے کے لیے وجہِ جواز نہیں بن سکتا۔

۹۱ اظہارِ تعجب کیا جا رہا ہے کہ یہ لوگ آپ کے پاس دوڑ کر کیوں آتے ہیں۔ اگر آپ سے فرمانِ خداوندی کے مطابق ہی فیصلہ کرانا مقصود ہے تو پھر یہاں آنے کی زحمت کیوں اٹھاتے ہیں ان کے پاس تورات ہے۔ اس میں احکامِ الٰہی موجود ہیں۔ اس کے مطابق فیصلہ کر لیا کریں۔

أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٣﴾ إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ

وُہ ایمان دار ۹۲ بے شک اُتاری ہم نے تورات اس میں ہدایت اور نور ہے ۹۳

يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ

حکم دیتے رہے اس کے مطابق انبیاء ۹۴ جو (ہمارے) فرماں بردار تھے یہودیوں کو اور (اسی کے مطابق حکم دیتے رہے) اللہ والے

وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِن كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ

اور علماء اس واسطے کہ محافظ ٹھیرائے گئے تھے اللہ کی کتاب کے اور وُہ تھے اس پر گواہ

۹۲ اِس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جیسے وُہ قرآن کو نہیں مانتے ایسے ہی تورات پر بھی ان کا ایمان نہیں۔ صرف اپنی قوم کو دھوکہ دینے کے لیے وُہ تورات کا سہارا لیے ہُوتے ہیں۔

۹۳ اس رکوع میں دو چیزوں کو بڑی وضاحت سے بیان فرمایا گیا ہے۔ ایک یہ کہ تورات، انجیل اور قرآن مختلف اور متضاد اور ایک دُوسرے کی تردید اور تکذیب کرنے والی کتابیں نہیں اور نہ یہ کہ جب تک دو کا انکار نہ کیا جائے تیسری پر ایمان دُرست نہیں ہو سکتا بلکہ یہ سب ایک سرچشمۂ فیض کی نہریں ہیں۔ ہر ایک میں نُور ہے جو گمراہی کے اندھیروں کے لیے پیغامِ موت ہے۔ ہر ایک میں ہدایت ہے جو طالبانِ مولا کی دستگیری کر کے شاہدِ مقصود تک پہنچا دینے والی ہے۔ دُوسری چیز یہ کہ یہود نے تورات اور نصاریٰ نے انجیل سے فائدہ نہ اُٹھایا اور احکامِ الٰہی کی جگہ اپنی ہوا وہوس کے پرستار بن کر رہ گئے۔ اے حاملانِ قرآن! وُہ ایڑی چوٹی کا زور صرف کریں گے کہ تمھیں بھی اپنی کتاب سے دُور کر دیں۔ خبردار! کہیں تم بھی ان کے دامِ فریب میں پھنس کر اِس سُنہری موقع کو ضائع نہ کر دینا۔

۹۴ یہود کو تورات جس میں نُور وہدایت تھی عطا کی گئی تھی۔ مدّت دراز تک ان کے انبیاء، ان کے اولیاء اور ان کے عُلماء اس کے مُطابق فیصلے کرتے رہے اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری جو ان پر عائد کی گئی تھی اس کو ادا کرتے رہے لیکن بعد میں جب یہ ہدایت و نُور کا صحیفہ دُنیا پرست علماء اور نفس پرور زاہدوں کے قبضہ میں آگیا تو اُنھوں نے نہ اس پر عمل کیا اور نہ اُس کی حفاظت کی۔ استحفظوا کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ تورات کی حفاظت کی ذمّہ داری اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے اولیاء اور عُلماء کے سپرد کی تھی۔ جب تک وُہ اِس ذمہ داری کو بجا لاتے رہے تورات ہر تحریف اور ردّ و بدل سے محفوظ رہی۔ جب عبادت گزاروں اور علم والوں میں اخلاص اور للّٰہیت نہ رہی بلکہ جاہ طلبی اور دُنیا طلبی کا غلبہ ہو گیا تو یہ ہدایت و نُور کا صحیفہ رہبان واحبار کی جاہ طلبی اور دُنیا پرستی کی نذر ہو کر رہ گیا۔ اُنھوں نے اپنی مطلب برآری کے لیے اس میں ردّ و بدل کر دیا۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا

پس نہ ڈرا کرو لوگوں سے اور ڈرا کرو مجھ سے اور نہ بیچا کرو میری آیتوں کو تھوڑی سی

قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ

قیمت سے ۹۵ے اور جو فیصلہ نہ کرے اس (کتاب) کے مطابق جسے نازل فرمایا اللہ نے تو وُہی لوگ

الْكٰفِرُوْنَ ۝ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَ

کافر ہیں ۹۶ے اور ہم نے لکھ دیا تھا یہود کے لیے تورات میں (یہ حکم) کہ جان کے بدلے جان

۹۵ے اس میں مسلمانوں کو بھی تنبیہ ہو رہی ہے کہ علماء یہود کی طرح بادشاہوں اور امیروں سے ڈر کر تم بھی قرآن کے معانی میں ہیر پھیر نہ شروع کر دینا بلکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا جس نے اگر پکڑ لیا تو کوئی چھوڑا نہ سکے گا۔ اگر اس کی نگاہِ لطف وکرم سے محروم کر دیئے گئے تو دُنیا تنگ ہو جائے گی اور کہیں گوشۂ عافیت نہ ملے گا۔

۹۶ے یہاں فرمایا کہ جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وُہ کافر ہیں۔ اسی رکوع کی آیت نمبر ۴۵ میں ایسے لوگوں کو ظالم کہا گیا اور آیت نمبر ۴۷ میں ایسے لوگوں کو فاسق کہا گیا۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ آیات صرف یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔ لیکن یہ درست نہیں۔ کیونکہ کسی خاص شخص کے متعلق کسی آیت کے نازل ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وُہ آیت بس اسی سے مخصوص ہو کر رہ گئی۔ اس کا حکم اب کسی دُوسرے شخص پر نافذ نہیں ہوگا۔ اس لیے صحیح یہی ہے کہ اسے یہود کے ساتھ مخصوص نہ کیا جائے بلکہ اس کا مفہوم عام رکھا جائے۔ چنانچہ علماء اہلِ سنّت نے من لم یحکم بما انزل اللہ مستھینا بہ منکرا لہ یعنی جو شخص اللہ کے حکم کی توہین اور تحقیر کرتے ہُوئے اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے گا وُہ کافر ہوگا۔ کیونکہ احکامِ شرعیہ کی توہین اور تحقیر کی صرف وہی جرأت کر سکتا ہے جس کا دِل ایمان و یقین کے نور سے خالی ہو۔ علامہ بیضاوی نے ایسے شخص کو کافر، ظالم اور فاسق کہنے کی بڑی لطیف وجہ بیان کی ہے فرماتے ہیں فکفرھم لانکارہ وظلمھم بالحکم بخلافہ وفسقھم بالخروج عنہ یعنی اس وجہ سے کہ انھوں نے احکامِ الٰہیہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا وُہ کافر ٹھیرے۔ اور اس وجہ سے کہ انھوں نے اس قانون کو چھوڑ دیا جو عین عدل و انصاف تھا وُہ ظلم کے مرتکب ہُوئے اور اس لیے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حدوں کو توڑا وُہ فاسق کہلائے۔ اس کے بعد بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ بھی جائز ہے کہ یہ تینوں لفظ کفر، ظلم اور فسق احکامِ الٰہیہ سے سرتابی کرنے والوں کے مختلف حالات کے پیشِ نظر کہے گئے ہوں یعنی اگر اس نے یہ سرتابی ازراہِ تمرد و تحقیر کی تو وُہ کافر ہے اور اگر دِل میں انکار تو نہیں بلکہ ویسے حکم عدولی ہو گئی تو وُہ ظالم و فاسق ہوگا۔ ویجوز ان یکون کل واحدۃ من الصفات الثلاث باعتبار حال

الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَ

آنکھ کے بدلے آنکھ ٩٧ ، ناک کے بدلے ناک ، کان کے بدلے کان اور

السِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ

دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے لیے قصاص تو جو شخص ٩٨ معاف کر دے بدلا تو یہ معافی کفارہ

كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ

بن جائے گی اس کے گناہوں کا۔ اور جو فیصلہ نہ کرے اس (کتاب) کے مطابق جسے اتارا اللہ نے تو وُہی لوگ ظالم

الظّٰلِمُوْنَ ۝٤٥ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ

ہیں اور ہم نے پیچھے بھیجا ان کے نقش قدم پر عیسٰی بن مریم کو ٩٩

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ

تصدیق کرنے والا جو اس کے سامنے موجود تھا یعنی تورات اور ہم نے دی اسے انجیل

انضمت الی الامتناع عن الحکم بہ ملائمۃ لھا (بیضاوی) سچ تو یہ ہے کہ ان آیات کے بعد کسی مسلمان کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ وُہ اپنے لیے، اپنی قوم اور اپنی رعایا کے لیے ایسے قوانین تجویز کرے جو احکامِ خداوندی کے خلاف ہوں۔

٩٧ تورات میں طرح طرح کے ردّ و بدل کے باوجود آج بھی یہ حکم موجود ہے جو قرآن کی حقانیت کی تصدیق کرتا ہے "اگر وُہ اِس صدمہ سے ہلاک ہو جائے تو تُو جان کے بدلہ میں جان لے اور آنکھ کے بدلہ آنکھ، دانت کے بدلہ دانت اور ہاتھ کے بدلہ ہاتھ، پاؤں کے بدلہ پاؤں، جلانے کے بدلہ جلانا، زخم کے بدلہ زخم اور چوٹ کے بدلہ چوٹ (خروج ٢١: ٢٣-٢٥)

٩٨ ظالم کے لیے عبرت ناک سزا تجویز فرمائی۔ اس کے ساتھ ساتھ مظلوم کو عفو و درگزر کی تلقین کی۔ عدل و انصاف اور رحم و کرم کا کتنا حسین امتزاج ہے۔

٩٩ حضرت موسٰی علیہ السّلام کے بعد سلسلہ نبوّت جاری رہا۔ مختلف مقامات پر مختلف اوقات میں انبیاء مبعوث ہوتے رہے۔ ان کے پیچھے اور ان کے نقشِ قدم پر حضرت عیسٰیؑ تشریف لے آئے۔ انھوں نے تورات کی تصدیق کی۔ انھیں انجیل دی گئی۔ وُہ بھی تورات کی طرح سراپا ہدایت و نُور تھی۔

فِيهِ هُدًى وَّنُورٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ

اس میں ہدایت اور نور تھا اور تصدیق کرنے والی تھی جو اس سے پہلے تھا یعنی تورات

وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٤٦﴾ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنجِيلِ

اور (یہ انجیل) ہدایت اور نصیحت تھی پرہیزگاروں کے لیے اور ضرور فیصلہ کیا کریں انجیل والے اس کے مطابق

بِمَآ أَنزَلَ اللّٰهُ فِيهِ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ

جو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس میں۔ اور جو فیصلہ نہ کریں اس کے مطابق جسے اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے تو وہی لوگ

هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿٤٧﴾ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا

فاسق ہیں اور (اے حبیب!) اتاری ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب (قرآن) سچائی کے ساتھ تصدیق کرنے والی ہے

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ۖ فَاحْكُم بَيْنَهُم

جو اس سے پہلے (آسمانی) کتاب ہے [۱] اور (یہ قرآن) محافظ ہے اس پر تو آپ فیصلہ فرماویں ان کے درمیان

[۱] تورات وانجیل کے بعد قرآن اور اس کی چند خصوصیات کا ذکر فرمایا۔ پہلی خصوصیت تو یہ ہے کہ اس کا نزول حق کے ساتھ ہوا ہے۔ لفظ حق کی پوری تشریح آل عمران کے حاشیہ نمبر۳ میں گزر چکی ہے۔ علاّمہ راغب کے اس قول کا اعادہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ کوئی فعل یا قول اس وقت حق کہلاتا ہے جب کہ وہ اس طرح پایا جائے جیسے چاہیئے۔ اس اندازے سے پایا جائے جتنا مناسب اور موزوں ہو اور اس وقت پایا جائے جب اس کی ضرورت ہو (مفردات) اس مفہوم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اب آپ بالحق کے لفظ کو پڑھیں تو قرآن کی جلالتِ شان واضح ہوگی۔ اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور تیسری خصوصیت یہ ہے کہ قرآن ان کتب پر مہیمن بن کر آیا ہے مہیمن متعدد معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ محافظ، نگہبان، نگران، شاہد اور امین۔ یہاں مہیمن کے یہ سارے معانی لیے جا سکتے ہیں یعنی دین کے وہ عقائد اور اصول جو سابقہ آسمانی کتب میں بیان کیے گئے تھے جن میں سے بعض فراموش کر دیئے گئے اور بعض میں ردّ و بدل کر کے انھیں کچھ کا کچھ بنا دیا گیا قرآن اُن کا محافظ ہے ان کو صحیح رنگ میں پیش کرتا ہے۔ اور اپنے صفحات میں ان کی ایسی حفاظت و نگہبانی کر رہا ہے کہ اب وہاں کسی محرّف کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا قرآن آسمانی کتب کا رقیب و نگران بھی ہے۔ کیونکہ قرآن ہی ایک ایسی کسوٹی ہے جس سے ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ موجودہ تحریف شدہ

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ

اس سے جو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے۱۰۱ اور آپ نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی ۱۰۲ اس حق کو چھوڑ کر جو آپ کے پاس آیا ہے

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ

ہر ایک کے لیے بنائی ہے ہم نے تم میں سے ایک شریعت اور عمل کی راہ ۱۰۳ اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو بنا دیتا تم (سب کو)

آسمانی کتابوں میں حق کی کتنی مقدار جُوں کی تُوں موجُود ہے۔ قرآن اِس بات پر گواہ بھی ہے کہ یہ کتابیں اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا و رُسل پر نازل فرمائی تھیں۔ قرآن امین بھی ہے۔ گزشتہ انبیاء کی تعلیمات کو جُوں کا تُوں پیش کرتا ہے۔ اِن میں کسی قسم کا تصرف اور کمی بیشی نہیں کرتا۔

۱۰۱ے تورات کے نزُول کی غرض و غایت بیان کرتے ہُوئے فرمایا کہ یحکم بھا النبیون اور انجیل کے نزول کا مقصد بیان کرتے ہُوئے فرمایا ولیحکم اھل الانجیل اور قرآن حکیم کے نازل کرنے کا مدّعا بھی یہی بتایا فاحکم بما انزل الخ اِن تمام الفاظ سے یہ بتانا مطلوب ہے کہ ان کتابوں کے نازل کرنے کا مقصدِ اعلیٰ یہ ہے کہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اپنے تمدنی اور معاشرتی مسائل میں اپنی سیاسی اور اقتصادی مشکلات میں ان کی روشنی سے ہدایت حاصل کی جائے اور ان کے بتائے ہُوئے راستہ پر چلا جائے۔ تب ہی تو وُہ فرق معلوم ہو سکتا ہے جو قانونِ الٰہی اور انسان کے بنائے ہُوئے ناقص قانون میں ہے۔ اور اگر اس پر عمل نہ کیا جائے اور اس کی واضح ہدایات اور احکام کے ہوتے ہُوتے اپنی خواہشات کی ہی پیروی کی جائے تو پھر ان کے نزول کا اصلی مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے اور انسان ان برکتوں سے محرُوم ہو جاتا ہے جو ان احکام میں مضمر ہیں۔

۱۰۲ے کسی بات سے اگر منع کیا جائے تو اس کا ہمیشہ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ مُخاطب اس کا ارتکاب کرنے والا تھا اور اسے روک دیا گیا بلکہ کبھی منع اس لیے بھی کیا جاتا ہے کہ مخاطب جیسے پہلے اِس کام سے مجتنب اور محترز چلا آرہا ہے اُسی طرح آئندہ بھی مجتنب رہے۔ یہاں حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی سے روکنے کا مقصد یہ نہیں کہ معاذ اللہ آپ ان کی پیروی کا خیال کرنے لگے تھے اِس لیے روکنا پڑا۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ جیسے پہلے آپ احکامِ الٰہیہ کی پیروی کرتے چلے جارہے ہیں اور ان کی نفسانی خواہشات کی اِتّباع کا واہمہ تک بھی خاطرِ عاطر میں نہیں گزرتا اسی طرح آئندہ بھی ہمت و استقلال سے احکامِ ربّانی کی اطاعت کرتے جائیے۔

۱۰۳ے شرعۃ اور شریعۃ ہم معنی ہیں شریعت لغت میں اس راستے کو کہا جاتا ہے جو پانی کی طرف لے جاتا ہو الشریعۃ فی اللغۃ: الطریق الذی یتوصل منه الی الماء۔ اسی مناسبت سے شرعہ اور شریعۃ اس راستہ کو کہا جاتا ہے جو نجاتِ دارین کی طرف رہنمائی کرتا ہو۔ والشریعۃ: ماشرع اللہ لعبادہ من الدین اور منہاج کہتے ہیں واضح اور

أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ

ایک ہی اُمّت ۱۰۴ لیکن آزمانا چاہتا ہے تمھیں اس چیز میں جو اس نے دی ہے تم کو۔ تو آگے بڑھنے کی کوشش کرو نیکیوں میں ۱۰۵

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۴۸

اللہ کی طرف ہی لوٹ کر آنا ہے تم سب نے ۱۰۶ پھر وُہ آگاہ کرے گا تمھیں جن باتوں میں تم جھگڑا کرتے تھے۔

روشن راستہ کو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وُہ عقائد اور کلّیات جن پر انسان کی نجات کا انحصار ہے وُہ تو تمام آسمانی کتابوں میں یکساں ہیں لیکن شریعت کے احکام اور ان کی تفصیلات، عبادات اور ان کی شکل وصورت، حلّت وحرمت کے قواعد ان میں اختلاف ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف انبیاء کی اُمتوں کی ذہنی سطح، اُن کا مخصوص ماحول، ان کے معاشرہ کے تقاضے، ان کی سیاسی اور اقتصادی ضروریات کیونکہ مختلف تھیں اس لیے ان فروعات میں اختلاف ناگزیر تھا۔

۱۰۴ یہاں اس شبہ کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ اگر اصول وکلیات کی طرح فروعات میں بھی اختلاف نہ ہوتا تو کیا اچھا ہوتا۔ دین کے نام پر یہ مختلف قسم کی گروہ بندیاں ختم ہو جاتیں۔ اس کا ایک جواب تو وُہی ہے جو لکل جعلنا کے ضمن میں دیا جا چکا ہے کہ بُنیادی عقائد وکلیات میں یکسانیت کے باوجود فروعات میں یہ اختلاف عین حکمت ہے۔ اور اس کا دُوسرا جواب یہ دیا کہ ان کا امتحان بھی مقصود تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مقصد تو یہ ہے کہ اس کے ہر حکم کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا جائے۔ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم ہو تو کعبہ کو چھوڑ کر ادھر رُخ کر لیا جائے۔ اور اگر اسے چھوڑ کر کعبہ کی سمت منہ کرنے کا فرمان صادر ہو تو وُہ نماز پڑھتے ہُوئے ہی کعبہ کی طرف منہ کر لے اور دل میں کسی قسم کا تردّد نہ ہو۔ علامہ بیضاویؒ نے اس کا یہ مفہوم بھی بیان کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو جبراً ہر ایک کو اسلام کا پابند کر دیتا اور کسی کے لیے مجال انکار ہی نہ رہتی۔ لیکن یُوں اس لیے نہیں کیا گیا تاکہ لوگوں کی آزمائش ہو جائے کہ کون اپنے اختیار سے اس دین حق کو قبول کرتا ہے اور کون جان بوجھ کر اعتراض کرتا ہے۔

۱۰۵ اس مقام پر یہ جملہ کتنا معنی خیز ہے کہ ان جھگڑوں میں پڑ کر اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کرو بلکہ اللہ کے اس آخری دین، آخری کتاب اور آخری رسُول پر ایمان لے آؤ اور دُوسرے لوگوں سے نیکی کے میدان میں بازی لے جانے کی سر توڑ کوشش کرو۔ اہل کتاب کو غیرت دلائی جا رہی ہے کہ عرب کے مُشرک اور جاہل لوگ تو دھڑا دھڑ اس دین کو قبول کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا کی جستجو میں راہ راست پر تیزی سے قدم بڑھائے چلے جا رہے ہیں اور تم صاحب علم و دانش اور اہل کتاب ہو کر فضول بحثوں اور بے کار حجّت بازیوں میں اپنی عمریں برباد کر رہے ہو۔ چھوڑو ان لایعنی باتوں کو اور ایمان وعمل کی سیدھی راہ پر چل پڑو۔

۱۰۶ یہ دُنیا جس کی دلچسپیوں میں تم کھو کر رہ گئے ہو، یہ تمھاری عارضی قیام گاہ ہے۔ تمھیں ایک دن یہاں سے رختِ سفر

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ

اور یہ کہ فیصلہ فرمائیں آپ ان کے درمیان اس کے مطابق جو نازل فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اور نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی اور

احْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ

آپ ہوشیار رہیں ان سے کہ کہیں برگشتہ نہ کر دیں آپ کو اس کے کچھ حصہ سے جو اُتارا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف ٹ۱؎ اور اگر وُہ

باندھتا ہے اور اپنے علیم و خبیر ربّ کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ اپنی بدعملی اور گمراہی پر اب تو تم طرح طرح کے خوبصورت پردے ڈال کر لوگوں کی آنکھوں میں خاک ڈال سکتے ہو لیکن اس روز کیا کرو گے جب سب پردے اُٹھا دیئے جائیں گے۔ اور حقیقت بے نقاب ہو جائے گی۔

۱۰۷؎ مسلمانوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اہلِ کتاب خود تو احکامِ الٰہیہ سے مُنہ موڑ چکے تھے اور اپنی کتابوں سے رشتہ توڑ چکے تھے لیکن اب وُہ یہ بھی گوارا نہیں کر سکتے کہ تم ہدایت کی راہ پر چلو اس لیے وُہ طرح طرح کے شبہات، قسم قسم کے اعتراضات اور گوناگوں وسوسوں سے تمہیں بھی اپنے دین سے برگشتہ کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ خبردار! ان کے جال میں پھنس کر اللہ کے دینِ قیم کی رسّی چھوڑ نہ دینا۔ آج بھی گم کردہ راہ لوگ متاعِ ایمان لُوٹنے کے لیے اپنی تمام کوششیں صرف کر رہے ہیں۔ پانی کی طرح روپیہ بہایا جا رہا ہے۔ فتنوں اور سازشوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سیلاب اسلامی اقدار کو بہالے جانے کے لیے بڑھا چلا آ رہا ہے۔ کاش ہم قرآن کی اس تنبیہ پر کان دھریں اور ہوشیار ہو جائیں۔ چور نہیں بلکہ وُہ مالک قابلِ ملامت ہے جو اپنے قیمتی سامان کی حفاظت نہیں کرتا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کا شانِ نزول یہ بیان فرمایا ہے کہ چند یہود علماء نے جن میں ابن صوریا، کعب بن اسد اور ابنِ صلوبا ان کے اکابر بھی تھے یہ مشورہ کیا کہ آؤ چلیں محمد (فداہ امی و ابی صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس اور انھیں کسی حیلہ سے اپنے دین سے برگشتہ کریں فانما ھو بشر وُہ بشر ہی تو ہے اسے دھوکا دینا کیا مشکل ہے۔ بڑی سوچ بچار سے ایک منصوبہ تجویز کیا اور حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ جانتے ہیں کہ ہم یہود کے احبار (علماء) ہیں اور اگر ہم آپ کا دین قبول کر لیں تو سب یہودی مسلمان ہو جائیں گے۔ ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہمارا بعض لوگوں کے ساتھ کچھ تنازعہ ہے۔ ہم اس کے تصفیہ کے لیے آپ کے پاس آئیں گے۔ اگر آپ نے اس کا فیصلہ ہمارے حق میں کیا تو ہم سب مسلمان ہو جائیں گے اور ہمارے ایمان لانے سے سارے یہودی اسلام قبول کر لیں گے۔ بہت ہی خطرناک تھی یہ سازش! اُنھیں اچھی طرح علم تھا کہ کسی کے اسلام قبول کرنے سے جو مسرت حضور کو ہوتی ہے وُہ اور کسی چیز سے نہیں ہوتی۔ وُہ عقل کے اندھے سمجھ رہے تھے کہ بشر ہی تو ہے ہمارے جال میں پھنس جائے گا لیکن حقائقِ عالم کو بے حجاب دیکھنے والا، اسرارِ کائنات کے رُخ سے ہر نقاب اُلٹ دینے والا، دینِ اسلام کا سچا داعی یہ رشوت کب قبول کر سکتا تھا جس کی فراست نورِ خداوندی

تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّصِيۡبَهُمۡ بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِهِمۡ‌ؕ

مُنہ پھیرلیں تو جان لو کہ بے شک ارادہ کرلیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ سزا دے انھیں ان کے بعض گناہوں کی ۱۰۸

وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوۡنَ ۝۴۹ اَفَحُكۡمَ الۡجَـاهِلِيَّةِ يَبۡغُوۡنَ‌ؕ

اور بے شک بہت سے لوگ نافرمان ہیں تو کیا وُہ جاہلیت کے زمانہ کے فیصلے چاہتے ہیں ۱۰۹

وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكۡمًا لِّقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ ۝۵۰ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ

اور اللہ تعالیٰ سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے اس قوم کے نزدیک جو یقین رکھتی ہے اے ایمان

اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡيَهُوۡدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوۡلِيَآءَ‌ ؕ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ

والو نہ بناؤ یہود اور نصاریٰ کو (اپنا) دوست (و مددگار) وُہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست

سے روشن تھی اس سے ان کی چال کیوں کر مخفی رہ سکتی تھی۔ فابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (قرطبی) حضورؐ نے صاف انکار کر دیا۔ فنزلت ھذہ الایۃ (قرطبی) تو یہ آیت نازل ہوئی۔ وُہ بیچارے ساری عمر اسی غلط فہمی کا شکار رہے کہ یہ بھی ہماری طرح بشر ہیں۔ اور ان کی نگاہیں مقامِ محمدیؐ کی رفعتوں کو نہ دیکھ سکیں۔ آفتابِ مصطفوی کی جلوہ سامانیوں کو نہ پا سکیں۔ آج بھی توحید کی آڑ لے کر شانِ رسالت کی عظمتوں کا انکار کرنے والے بعینہٖ یہی الفاظ دہراتے سُنائی دیتے ہیں۔ اس یہودی ذہنیت کو مسلمان کہلانے والوں نے کیوں اور کیسے قبول کر لیا بڑی حیرت اور افسوس کا مقام ہے۔

۱۰۸ بار بار فہمائش کے باوجود وُہ اپنی اصلاح پر آمادہ نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس سزا کے لیے بہت بیتاب ہیں جو ایسے سرکش مجرموں کے لیے مقرر ہے۔ چنانچہ وہ وقت آیا جب مدینے کی پاک سرزمین سے ان کو جلاوطن کر دیا گیا۔ کئی قتل کر دیئے گئے۔ باقی جزیہ دینے پر مجبور ہو گئے۔

۱۰۹ جاہلیت اس نظامِ حیات کو کہتے ہیں جہاں قانون سازی کا کامل اختیار خالقِ کائنات کو نہ ہو بلکہ انسانی اغراض اور خواہشات کے ہاتھ میں ہو۔ جہاں اقتدار و حکومت کی مسند پر وحیِ الٰہی کے بجائے انسان کا ناقص اور نا تمام علم قابض ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تم ان آسمانی کتابوں کی اطاعت کو گراں سمجھ رہے ہو۔ جن میں ہدایت ہی ہدایت، نور ہی نور ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم دورِ جہالت کے اس ظالمانہ نظام کو اپنانا چاہتے ہو جس میں غریب و امیر، کمزور اور طاقتور، حاکم اور محکوم کے لیے الگ الگ قانون تھے۔ ذرا سوچو! اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے احکام جو عین عدل و

بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي

ہیں اور جس نے دوست بنایا انھیں تم میں سے سو وُہ انھیں میں سے ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ

ظالم قوم کو سو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے کہ وُہ دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں

فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ

یہُود و نصاریٰ کی طرف۔ کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہم پر کوئی گردش نہ آ جائے ۱۵۱ سو وقت دُور نہیں جب اللہ تعالیٰ انھیں دیدے

انصاف اور مجسّم رحم و کرم ہیں وُہ بہتر ہیں یا تمہارا یہ ظالمانہ نظام جہاں خواہشاتِ نفسانی کی سروری ہے۔

۱۵۰ دُشمنانِ دین کو اپنا ہم راز اور صلاح کار بنانے اور ان پر کامل اعتماد کرنے کی ممانعت ہو رہی ہے جس کی توضیح کئی مرتبہ پہلے گزر چکی ہے۔ مسلمانوں کی صفوں میں ابھی کئی منافق تھے جو مسلمانوں سے بھی روابط قائم رکھنا چاہتے تھے اور اس کے ساتھ یہُود کی طرف بھی دلی میلان رکھتے تھے۔ اور مُسلمانوں کے راز وقتاً فوقتاً ان کو بتایا کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کی سرگرمیاں کیونکہ بہت خطرناک تھیں اس لیے مسلمانوں کو بتا دیا گیا کہ یہُود و نصاریٰ کے ساتھ جو ایسے دلی تعلّقات قائم کرے وُہ زمرۂ مُسلمین سے نہیں۔

۱۵۱ پہلے تو یہ عام حکم دیا کہ یہُود و نصاریٰ کے ساتھ ایسے گہرے یارانے نہ گانٹھو ورنہ تمہارا شمار انھیں میں سے ہوگا۔ اب مُنافقین کے ایک خاص گروہ کی روش کو بے نقاب کیا جا رہا ہے جو دونوں کشتیوں میں بیک وقت سوار رہنے کے لیے کوشاں تھے۔ اللہ اور اس کے رسُولؐ پر وُہ دِل سے تو ایمان لائے ہُوئے نہ تھے تاکہ وُہ اپنی قسمت کو کلیۃً اسلام کے ساتھ وابستہ کر دیتے اور مشکلات اور نتائج کی پرواہ کیے بغیر اسلام کو غالب و منصُور کرنے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دیتے۔ وُہ تو مصلحت کے پرستار تھے۔ وُہ یہ دیکھ رہے تھے کہ اسلام اور کُفر میں کشمکش شروع ہے ہو سکتا ہے مسلمانوں کا پلّہ بھاری رہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کفر کو غلبہ حاصل ہو جائے۔ ان غیر یقینی حالات میں ان کی عقلِ مصلحت بین کا فیصلہ یہی تھا کہ کسی ایک فریق کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ کر دینا نادانی بلکہ دیوانگی ہے۔ اس لیے تم مسلمانوں سے بھی راہ و رسم رکھو اور کفار کے ساتھ بھی تمہارے تعلّقات دوستانہ رہیں۔ اگر مسلمانوں کو شکست ہو (جس کے وُہ دِل سے خواہاں تھے) تو اس وقت تم بے یار و مددگار ہو کر نہ رہ جاؤ۔ ان کی اس غلط اندیشی پر اُنھیں سرزنش ہو رہی ہے کہ تم کس اُدھیڑ بُن میں ہو۔ اللہ تعالیٰ تو عنقریب اپنے دین کو فتحِ مُبین عطا فرمانے والا ہے اور مُسلمانوں کی تقویت اور دین کی اشاعت کے دُوسرے وسائل بہم پہنچانے والا ہے۔ اس وقت تمہاری

بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ

فتح کامل یا (ظاہر کردے کامیابی کی) کوئی بات اپنی طرف سے تو پھر ہو جائیں گے اس پر جو اُنھوں نے چھپا رکھا تھا اپنے دلوں میں

نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا

نادم اور (اُس وقت) کہیں گے ایمان والے ۱۱۲ے کہ کیا یہی وُہ لوگ ہیں جنھوں نے قسمیں اٹھائی تھیں

بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا

اللہ کی سخت سے سخت کہ وُہ یقیناً تمھارے ساتھ ہیں اکارت گئے ان کے اعمال اور ہو گئے وُہ (سراسر)

خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ

نقصان اُٹھانے والے ۱۱۳ے اے ایمان والو! جو پھر گیا تم میں سے ۱۱۴ے اپنے دین سے

یہ دوغلی پالیسی تمھارے کام نہیں آئے گی۔ دائرۃ گردشِ زمانہ کو کہتے ہیں۔ نخشٰی ان تصیبنا دائرۃ کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب مسلمان ان کو ٹوکتے کہ اللہ تعالیٰ کے بار بار منع فرمانے کے باوجود تم یہود سے قطع تعلق کیوں نہیں کرتے تو وُہ منافق ان کو جواب دیتے کہ یہود بڑے متموّل اور سرمایہ دار ہیں۔ ہم تو فقط اس لیے ان کے ساتھ راہ و رسم رکھتے ہیں کہ مبادا کہیں قحط پڑ جائے یا کوئی اور ناگہانی مصیبت آجائے تو اُس وقت ہم اُن سے روپیہ پیسہ یا غلّہ وغیرہ کی امداد لے سکیں۔ ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ فرما دیا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو غلبہ دے گا۔ دولت و ثروت مسلمانوں کی لونڈی بنے گی۔ یہ یہودی مہاجن اور ساہو کار یہاں سے جلاوطن کر دیئے جائیں گے۔ اس وقت حسرت و ندامت کے بغیر تمھارے لیے کوئی چارہ کار نہ رہے گا۔ اس لیے بہتر ہے کہ ابھی سے اسلام کا دامن مضبوطی سے تھام لو۔ اور اس کے دشمنوں سے اپنے تعلقات منقطع کر لو۔

۱۱۲ے مسلمان آپس میں کہا کرتے کہ کیا یہ وُہ لوگ ہیں جو بڑے جوش و خروش سے قسمیں کھا کر ہمیں اپنی اعانت کا یقین دلایا کرتے اور اُن کا حال یہ ہے کہ جب دیکھو کسی دُشمنِ دین کی گود میں بیٹھے اس سے سرگوشیاں کر رہے ہیں۔ یہ عجیب لوگ ہیں۔

۱۱۳ے ان کی کافر دوستی اور مسلم دشمنی کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو نیکیاں بظاہر اُنھوں نے کی تھیں وُہ اکارت ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے نفاق کا پردہ چاک کر کے اُنھیں رُسوا کر دیا اور قیامت کے روز اُنھیں اپنی بدنصیبی کا صحیح احساس ہو گا۔

۱۱۴ے اس آیت کریمہ میں مخلص مسلمانوں کو اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ تمھاری صفوں میں چھپے ہوئے منافق اگر اعلانیہ کفر اختیار کر لیں تو بھی اسلام کا چراغ روشن رہے گا۔ اُن کی جگہ اُن سے بہتر، ذہین، فہیم اور مخلص لوگ اسلام کو قبول کریں گے اور

فَسَوۡفَ یَاۡتِی اللّٰہُ بِقَوۡمٍ یُّحِبُّہُمۡ وَ یُحِبُّوۡنَہٗۤ ۙ اَذِلَّۃٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ

(تو اس کی بدنصیبی) سو عنقریب لے آئے گا ۱۱۵ اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم محبت کرتا ہے اللہ ان سے ۱۱۶ اور وہ محبت کرتے ہیں اس سے جو نرم ہوں گے ایمانداروں کیلئے

اس کی عظمت کو چار چاند لگا دینگے۔ نیز اس آیت میں ایک بہت بڑے واقعہ کے متعلق پیشین گوئی بھی کی گئی ہے کہ بعض بدنصیب اس دین سے برگشتہ ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ اسلام کو ایسے جانباز سپاہی اور جواں ہمت مجاہد عطا فرمائے گا جو ان مرتدین کا قلع قمع کر کے مملکتِ اسلامیہ کی بنیادوں کو ایسا مضبوط اور مستحکم بنا دیں گے کہ پھر صدیوں تک اس میں لچک پیدا نہ ہوگی۔ چنانچہ قرآن نے جو فرمایا وہ ہو کر رہا۔ حضور سرورِ کائنات علیہ اجمل التحیات و احسن التسلیمات کے آخری ایام میں اسود عنسی نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کر دیا لیکن فیروز دیلمی نے اس رات اس کا کام تمام کر دیا جس کی صبح کو حضورؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی وقت صحابہؓ کو اس کی اطلاع بھی دے دی جس سے صحابہؓ کو بڑی فرحت ہوئی (بیضاوی) قبیلہ بنی حنیفہ میں مسیلمہ کذاب نے، بنو اسد میں طلیحہ نے اپنے اپنے نبی ہونے کا اعلان کر دیا۔ حضور پُرنورؐ کے انتقال کے بعد حالات اور نازک ہو گئے۔ کئی قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ غرضیکہ ارتداد کی آندھی اس زور سے چلی کہ عرب کے بادیہ نشین قبائل میں سے شاذونادر ہی کوئی اپنے ایمان کی شمع روشن رکھ سکا۔ لیکن صد آفرین حضرت صدیق کے ایمان و یقین پر، ان کے عزم و استقلال اور ان کے تدبر و فراست پر اور ان جانباز اور سرفروش مسلمان مجاہدین پر جنھوں نے اس تند و تیز طوفان کا منہ پھیر دیا اور دو سال سے کم عرصہ میں سارے جزیرۂ عرب پر پھر توحید کا پرچم لہرانے لگ گیا۔

۱۱۵ وہ قوم کون تھی؟ حضرت صدیق، ان کے رفقاء کار، ان کے لشکروں کے جانباز سپاہی، یمن کے قبائل، عرب کے دوسرے لوگ جنھوں نے بڑی بے جگری سے اس فتنہ کا مقابلہ کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

۱۱۶ ہر فتو اور نتھو کا کام نہیں کہ وہ حوادثات کے منہ زور ریلے کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جائے اور فتنہ و فساد کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں کود کر انھیں گلزارِ خلیل بنا دے۔ اس لیے فرمایا کہ اس نازک وقت میں اسلام کی امداد کے لیے سربکف نکلنے والے صرف وہی لوگ ہوں گے جو ان صفات سے متصف ہوں گے وہ اللہ کے پیارے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کا محبوب ہوگا۔ اہلِ ایمان کے لیے وہ نرم مشفق اور سراپا لطف و عنایت ہوں گے اور کافروں کے لیے فولاد کی چٹان کی طرح سخت ؎

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

ان کی تیسری صفت یہ ہے کہ اس والہانہ سرفروشی اور تن فراموشی کے پس پردہ کوئی مادی منفعت کارفرما نہیں ہوتی بلکہ ان کا ہر قدم اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے اٹھتا ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے متاثر نہیں ہوتے۔

آپ نے غور فرمایا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ان کے جانباز مجاہدوں کو قرآن کریم کن الفاظ سے خراجِ تحسین

اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ

بہت سخت ہوں گے کافروں پر جہاد کریں گے اللہ کی راہ میں اور نہ ڈریں گے

لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے۔ یہ (محض) ۱۱۷ اللہ کا فضل (وکرم) ہے نوازتا ہے اس سے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی کشادہ رحمت

عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ

والا سب کچھ جاننے والا ہے تمہارا مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول (پاک) ہے ۱۱۸ اور ایمان والے ہیں جو صحیح صحیح نماز ادا

پیش کر رہا ہے۔ جس کے سپاہیوں کی یہ شان ہو، جس کے لشکری ان اوصافِ حمیدہ سے متّصف ہوں، جنھیں زبانِ قدرت ان پاکیزہ جملوں سے سرفراز فرما رہی ہو اُس خلیفہ برحق کی شان کتنی رفیع اور اُس کا مقام کتنا بلند ہوگا۔ ایسے خلیفہ کی خلافت کی حقانیت کے بارے میں کسی ایسے شخص کو تو کوئی شبہ نہیں ہو سکتا جو قرآن کو خدا کا کلام اور اپنے خدا کو علیم بذات الصدور یقین کرتا ہو۔

۱۱۷ مالکِ حقیقی جسے چاہتا ہے اُسے اپنے انعامات سے سرفراز فرماتا ہے۔ اس کا فضل وکرم بے پایاں ہے۔ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ وُہ خوب جانتا ہے کہ کس ذرّہ ناچیز کو اپنی رحمت سے رشکِ مہرِ درخشاں بناتا ہے۔

۱۱۸ پہلے دُشمنانِ اسلام سے دوستی اور محبت کرنے سے روکا گیا۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ مسلمان کس سے محبت و پیار کریں کسے اپنا ناصر اور مددگار بنائیں۔ فرمایا تمہارا دوست اور مددگار اللہ تعالیٰ، اُس کا رسولؐ اور وُہ مومن ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں لیکن دُنیا کو دِکھانے کے لیے نہیں بلکہ وھم راکعون یعنی نہایت خشوع وخضوع سے عبادتِ الٰہی میں مشغول ومنہمک رہتے ہیں۔ رکع بمعنی خشع کثیر الاستعمال ہے مثلاً ؎

لا تُھِنِ الفقیر علّك ان ۔ ترکع یوما والدھر قد رفعه

یعنی کسی فقیر کو حقارت کی نظر سے مت دیکھ۔ ہو سکتا ہے کہ تُو ذلیل ہو جائے اور زمانہ اُس کو سر بلند کر دے۔ اسی طرح وارکعی مع الراکعین میں بھی رکوع سے عاجزی اور انکساری ہی مُراد ہے۔ کیونکہ یہ رکوع جو ہم نمازیں کرتے ہیں وُہ پہلی اُمتوں میں نہیں تھا۔ اس صُورت میں یہ جُملہ حال ہوگا۔ اور نماز پڑھنے والے، زکاۃ دینے والے ایماندار ذوالحال ہوں گے۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ یہ آیت حضرت سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حق میں نازل ہوئی ہے یوں کہ ایک سائل نے آکر سوال کیا۔ آپ اُس وقت حالتِ رکوع میں تھے آپ نے اپنی انگوٹھی اُتار کر اُسے دے دی۔ بعض صاحبان نے اس آیت سے حضرت سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت بلا فصل پر استدلال کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ

الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝٥٥ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ

کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور (ہر حال میں) وُہ بارگاہِ الٰہی میں جھکنے والے ہیں اور (یاد رکھو) جس نے مددگار بنایا

وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝٥٦ ع

اللہ کو اور اس کے رسول کریم کو اور ایمان والوں کو (تو وُہ اللہ کے گروہ سے ہیں اور) بلاشبہ اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے

لفظ ولی سے مُراد یہاں متصرّف فی الامُور یعنی اِمام اور خلیفہ ہے اور انما حصر کا کلمہ ہے تو آیت کا مطلب ہُوا کہ تمھارے اُمور میں تصرّف کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ، اس کا رسُول پاک اور وُہ مومن ہیں جنھوں نے رکوع کی حالت میں خیرات دی ہو۔ اور یہ کام کیونکہ صرف حضرت سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ نے کیا اس حصر کے پیشِ نظر صرف آپ ہی خلیفہ ہو سکتے ہیں اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان کا یہ اِستدلال کئی وجُوہ سے توجّہ کے لائق نہیں۔ ایک تو اس لیے کہ ولی کا معنی یہاں متصرّف فی الامُور (خلیفہ اور امام) نہیں بلکہ ناصر اور مددگار ہے۔ کیونکہ بعینہٖ یہی لفظ اس آیت میں مذکور ہے۔ یاایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء (اے ایمان والو! یہُود و نصاریٰ کو ولی نہ بناؤ) اور یہ واضح ہے کہ کوئی بھی انھیں خلیفہ نہیں بناتا تھا بلکہ بعض مُنافق انھیں اپنا ناصر اور مددگار سمجھتے تھے۔ اِس آیت کے بعد والی آیت میں بھی ولی بمعنی ناصر ہے تو جس چیز کی نفی ہو رہی ہے اسی کا ہی اثبات ہو رہا ہے یعنی یہُودی وغیرہ تمھارے دوست نہیں بلکہ اللہ اور اس کا رسول اور مومن تمھارے دوست ہیں۔ دُوسری عرض یہ ہے کہ ولایتِ عامہ اور خلافتِ کبریٰ اگر صرف ان لوگوں میں ہی محصُور ہو جن میں وھو راکعون کی صفت پائی جاتی ہو تو پھر حضرت اِمام حسن رضؓ اور امام حسین رضؓ بلکہ جُملہ گیارہ ائمّہ اہلِ بیت کی اِمامت کا ان صاحبان کو بھی اِنکار کرنا پڑے گا کیونکہ ان میں سے کسی نے حالتِ رکوُع میں زکوٰۃ نہیں دی۔ اور اِمام صِرف وُہی ہو سکتا ہے جو حالتِ رکوُع میں زکوٰۃ دے اِس لیے ان کے اپنے قائم کردہ قاعدہ کے مُطابق ان حضرات میں سے کوئی بھی اِمام نہیں ہوگا اور شاید اِس بات کے لیے تو وُہ بھی تیار نہ ہوں تیسری کھُلی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ آیت حضرت سیّدنا علی رضؓ کی اِمامت بلا فصل کی دلیل ہوتی تو آنحضرت صلعم اسے ضرور پیش فرماتے۔ اور ان وجُوہات کے پیشِ نظر ان صاحبان کا اِستدلال قابلِ التفات نہیں۔

نیز یہ روایت بھی توجہ طلب ہے۔ نماز میں سائل کے سوال کی طرف توجّہ کرنا، پھر ایک ہاتھ کی اُنگلی میں جو انگوٹھی ہے اُس کو دُوسرے ہاتھ سے اُتارنا، پھر ہاتھ بڑھا کر سائل کو دینا یہ عملِ کثیر اور توجّہ الی الغیر حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کی شان سے بہت بعید ہے جن کی حالتِ اِستغراق کا یہ عالم ہوتا تھا کہ نماز ادا کرتے ہوئے دُنیا و مافیہا بلکہ اپنے جسم تک کی خبر نہ رہتی تھی۔ ایک بار جناب کے جسم کو چیر کر تیر نکالا گیا لیکن نہ آپ کو درد ہوا اور نہ تیر نکالنے کا علم ہوا۔ ایسی محویّت سے نماز ادا کرنے والا حالتِ نماز میں کسی غیر کی طرف متوجہ ہو یہ کیسے ممکن ہے۔

نیز یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ وُہ انگوٹھی سونے کی تو ہرگز نہ تھی کیونکہ سونا مردوں پر حرام ہے یقیناً چاندی کی ہوگی زیادہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ

اے ایمان والو! ۱۱۹ مت بناؤ اُن لوگوں کو جنھوں نے بنا رکھا ہے تمھارے دین کو ہنسی اور

لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ

کھیل اُن سے جنھیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور کفّار سے (اپنے) دوست

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ

اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اگر ہو تم ایمان دار اور جب تم بلاتے ہو نماز کی طرف (یعنی اذان دیتے ہو)

اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿٥٨﴾ قُلْ

تو وُہ بناتے ہیں اسے مذاق اور تماشہ ۱۲۰ یہ (حماقت) اِس لیے ہے کہ وُہ ایسی قوم ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے آپ فرمایئے

سے زیادہ اس کا وزن ایک تولہ ہوگا جس کی قیمت اس وقت ایک روپیہ سے بھی کم تھی۔ اگر ایک روپیہ صدقہ کرنے سے خلافت کا حق ثابت ہوجاتا ہے تو جنھوں نے ہزاروں اشرفیاں ایک بار ہی نہیں کئی کئی بار بارگاہِ رسالت ؐ میں پیش کیں اور جب بھی اِسلام کے لیے ضرورت پڑی سونے اور چاندی کے سکّوں سے بھری ہوئی جھولیاں قدموں میں لاکر ڈھیر کر دیں اُن کی خلافت کا کیسے اِنکار کیا جاسکتا ہے۔

۱۱۹ یہود اِسلامی عبادات کا مذاق اُڑایا کرتے تھے اور کفّار کا تو مشغلہ ہی یہ تھا کہ اِسلام کی ہر چیز سے تمسخر کیا کرتے اللہ تعالےٰ مُسلمانوں کو ایسے لوگوں سے محبّت و دوستی کے تعلّقات قائم کرنے سے منع فرماتے ہیں کہ وُہ دین کا مذاق اُڑائیں اور آپ اُن سے دوستی رکھیں۔ ایسے کُفر نواز اِسلام کی اللہ کو ضرورت نہیں۔

۱۲۰ اذان کے متعلق یہود کہا کرتے کہ یہ کیا نئی رسم نکالی ہے جس کا پہلے دینوں میں نام ونشان تک نہیں۔ یہ شور وغُل نا قابِل برداشت ہے۔ بجائے اِس کے کہ اپنے گھنٹوں اور ناقوسوں کی بے معنی چیخ و پکار کے مقابلہ میں اذان کے پیارے پیارے اور معنی خیز جملوں کی قدر کرتے وُہ اُلٹا تمسخر اُڑاتے۔ یہ اُن کی حماقت اور نادانی نہیں تو اور کیا ہے۔ علاّمہ قرطبی لکھتے ہیں کہ مدینہ میں ایک عیسائی تھا جب مؤذّن اشھد ان محمدًا رسول اللّٰہ کے دلنواز الفاظ کہتا تو وُہ بدبخت کہا کرتا حرق الکاذب کہ جھوٹا جلایا جائے۔ چنانچہ ایک رات وُہ سو رہا تھا کہ اس کے گھر میں آگ لگ گئی جس میں وُہ اور سارا کُنبہ جل کر راکھ ہوگیا۔ گویا اس کو جلا کر اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ جھوٹا کون ہے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ

اے اہل کتاب! تم کیا ناپسند کرتے ہو ۱۲۱؎ ہم سے بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے اللہ کے ساتھ اور جو اُتارا گیا

اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٥٩﴾ قُلْ هَلْ

ہماری طرف اور جو اُتارا گیا اس سے پہلے اور بلاشبہ بہت سے تم میں سے فاسق ہیں آپ (انھیں) فرمائیے کیا

اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ

میں آگاہ کروں تمھیں کہ کون بُرا ہے ان سے ۱۲۲؎ باعتبار جزاء کے اللہ کے نزدیک وُہ لوگ (بُرے ہیں) جن پر لعنت کی اللہ نے اور

غَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ

غضب فرمایا ان پر اور بنایا ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو سؤر اور (وُہ بُرے ہیں) جنھوں نے پُوجا کی شیطان کی

۱۲۱؎ نقم کہتے ہیں ناپسند کرنے مکروہ و معیوب سمجھنے کو اور انتقم کا معنی بدلہ لینا، انتقام لینا ہے۔ یقال نقم منہ کذا اذا انکرہ وانتقم اذا کافاہ (بیضاوی) حکم ہو رہا ہے کہ یہود سے دریافت کرو کہ تم ہم سے ناراض اور کھچے کھچے کیوں رہتے ہو۔ چور ہم نہیں۔ جھوٹ ہم نہیں بولتے کسی پر ظلم و تعدّی ہم نہیں کرتے۔ کسی کے دین کی توہین کرنا ہمارا شیوہ نہیں۔ پھر اس غصّہ و غضب کی آخر کیا وجہ ہے؟ ہاں ہم میں ایک چیز ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو واحد و یکتا سمجھتے ہیں، اس کی جو کتاب ہم پر نازل ہوئی یا جو کتابیں ہم سے پہلے انبیاء سابقین پر نازل ہوئیں ان سب پر ایمان لائے ہوئے ہیں شاید اس وجہ سے تم ہمیں بُرا سمجھتے ہو۔ اگر یہی وجہ ہے اس بغض و عناد کی تو پھر خود ہی انصاف کرو خطا کس کی ہے ہماری یا تمھاری؟

۱۲۲؎ چند یہودی جن میں ابُو یاسر بن اخطب اور رافع بن ابی رافع بھی تھے بارگاہِ نبوّت میں حاضر ہوئے اور پوچھنے لگے کہ آپ کن کن رسُولوں کو مانتے ہیں۔ حضور ؐ نے جواب میں یہ آیت مبارک پڑھی نؤمن باللہ وما انزل الینا الی قولہ تعالیٰ ونحن لہ مسلمون ان انبیاء کے اسماء میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا نام لیا گیا تو یہودیوں نے ان کی نبوّت کا انکار کرتے ہوئے کہا واللہ لانعلم دینا شرا من دینکم۔ بخدا ہم تمھارے دین سے بُرا کوئی اور دین نہیں جانتے۔ ان کے جواب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں اور انھیں بتا دیا گیا کہ بُرے اور شریر وُہ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی درگاہِ رحمت سے دُور کر دیا۔ جن پر اس کا غضب ہوا اور جن کو ان کی بدکرداریوں کی پاداش میں مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔ اور جنھوں نے شیطان کی بندگی کا پھندا اپنے گلے میں ڈال رکھا ہے۔ اے یہود! اگر اپنے اعمال کے آئینے میں غور سے دیکھنے کی تم نے زحمت اُٹھائی تو تم پر عیاں ہو جائے گا کہ چشم بد دُور! وُہ آپ ہی ہیں۔

أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿٦٠﴾ وَإِذَا جَاءُوكُمْ

وُہی لوگ بدترین ہیں بلحاظ درجہ کے اور دُوسروں سے زیادہ بھٹکنے والے ہیں راہِ راست سے اور جب آتے ہیں تمھارے

قَالُوا آمَنَّا وَقَد دَّخَلُوا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

پاس تو کہتے ہیں ہم ایمان لا چکے حالانکہ وُہ (یہاں) داخل بھی ہوئے کفر کے ساتھ اور وُہ نکلے بھی کفر کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ خوب

بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾ وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ

جانتا ہے جسے وُہ چھپا رہے تھے اور آپ دیکھتے ہیں بہتوں کو ان میں سے کہ بڑے تیز رفتار ہیں گناہ

وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا

اور زیادتی کرنے میں ۱۲۳ اور حرام خوری میں بے شک یہ بہت ہی بُرے کام کرتے رہے ہیں کیوں نہیں

يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ

منع کرتے انھیں ۱۲۴ ان کے مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے

۱۲۳ یہ آیت مُنافقینِ یہُود کے بارے میں نازل ہُوئی۔ اثم: گناہ۔ عدوان: سرکشی بعض عُلماء نے اِن دونوں میں یہ فرق کیا ہے کہ اثم اس گناہ کو کہتے ہیں جو انسان کی اپنی ذات تک محدُود ہو اور عدوان اس کو جس کا ضرر دُوسروں تک پہنچے (بیضاوی)

۱۲۴ علامہ بیضاویؒ لکھتے ہیں کہ لولا اگر ماضی پر داخل ہو تو زجر و توبیخ کے لیے ہوتا ہے یعنی اُنھوں نے کیوں ایسا نہ کیا۔ کیوں اپنے فرض کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی کی۔ اور اگر مضارع پر داخل ہو تو کسی کام پر برانگیخت کرنے اور اُکسانے کے لیے ہوتا ہے۔ یہاں مضارع پر داخل ہے اور مقصد یہ ہے کہ اہلِ کتاب کے عُلماء۔ اپنا فرض منصبی ادا کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں۔ لوگوں کو حرام کاری اور حرام خوری سے منع کرنے کے لیے کمربستہ ہو جائیں۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ھی اشد آیۃ فی القرآن (کشاف) یہ قرآنِ کریم کی سخت ترین آیت ہے۔ اور ضحاک کہتے ہیں ما فی القرآن اخوف عندی منھا (کشاف) میرے نزدیک قرآن میں اس سے زیادہ خوف دلانے والی کوئی آیت نہیں اس میں علماءِ اسلام کو بھی امر بالمعرُوف اور نہی عن المنکر کی تاکید بلیغ ہے۔ علامہ قرطبی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک فرشتہ کو حکم دیا گیا کہ فلاں گاؤں کو برباد کردو۔ اس نے عرض کی کہ اس میں تو فلاں عبادت گزار رہتا ہے۔ حکم ہُوا کہ ہلاکت کی

السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ

سے ۔ بے شک بہت بُرے ہیں وُہ کرتوت جو وُہ کیا کرتے تھے ۔ اور کہا ۱۲۵؎ یہود نے کہ اللہ کا ہاتھ

مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ

جکڑا ہوا ہے ۔ جکڑے جائیں ان کے ہاتھ اور پھٹکار ہو ان پر بوجہ اِس گستاخانہ قول کے ۱۲۶؎ بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ کھلے

يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

ہوئے ہیں خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے ۱۲۷؎ اور ضرور بڑھاوے گا اکثر کو ان میں سے جو نازل کیا گیا آپ کی طرف

ابتدا اسی سے کرو۔ کیونکہ اس کی آنکھوں کے سامنے شریعت کے احکام کی خلاف ورزیاں ہوتی رہیں اور کبھی اس کے چہرے کا رنگ تک بھی میلا نہ ہوا۔

۱۲۵؎ پہلے تو یہ بتایا کہ یہود اسلامی عبادات، اذان وغیرہ کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ اس آیت میں یہ بتایا کہ اب ان کی بیباکی اور جسارت کا یہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عزّت وجلال میں بھی گستاخانہ کلمات زبان پر لانے سے نہیں شرماتے۔ جب یہود نے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم اور حضور کے غلاموں کو دیکھا کہ زندگی فقر وفاقہ سے کٹ رہی ہے افلاس وتنگدستی کا دور دورہ ہے اور قرآن کی یہ آیت بھی اُنھوں نے سُنی من یقرض اللہ قرضا حسنا تو بڑی بے حیائی سے کہنے لگے کہ محمّد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کا خدا فقیر ہے اور بخیل ہے۔ اسی لیے تو مسلمان بھوکے مر رہے ہیں اگر اس کے پاس کچھ ہوتا یا وُہ سخی ہوتا تو مسلمانوں کا افلاس اور غربت کے مارے یہ حال ہوتا!

۱۲۶؎ شدّتِ غضب وناراضگی سے بطور بددُعا انھیں کہا جا رہا ہے کہ تمھارے ہاتھوں میں بیڑیاں لگیں اور اس گستاخی اور بدزبانی کی پھٹکار تم پر پڑے۔ زمین وآسمان کے مالک کے خزانے بھی کبھی ختم ہو سکتے ہیں اور اس کا دستِ جُود وسخا بھی کبھی بند ہو سکتا ہے۔ معاذ اللہ۔

۱۲۷؎ بلکہ اس کے ہاتھ تو کُشادہ ہیں اور مصروفِ جُود وسخا ہیں۔ جب چاہتا ہے، جتنا چاہتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ وُہ کسی کی اجازت کا محتاج نہیں۔ یہود نے اور ساری دُنیا نے دیکھا کہ اس کا ابرِ کرم اُس کے محبوب پر اور اس کے طفیل اُس کے غلاموں پر جب برسا تو ساری کائنات میں فصلِ بہار آگئی۔ جہاں جہالت ووحشت کے اندھیرے خیمہ زن تھے وہاں علم وعرفان کے چراغ روشن ہو گئے۔ چند سال بھی نہ گزرنے پاتے تھے کہ قیصر وکسریٰ کے خزانے ان فقیروں کی مسجدوں میں بانٹے جانے لگے۔ یہ کس کی ذرّہ پروری تھی۔ یہ کس کی بےکس نوازی تھی؟ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان عرش وفرش کے خالق ومالک کی۔ اور کس کے طفیل؟ اس کے طفیل جس کو ردائے رحمۃ للعٰلمین اوڑھائی گئی تھی۔ جس کے

مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ

آپ کے ربّ سے سرکشی اور انکار میں ۔ اور ہم نے ڈال دی ہے ان میں ۱۲۸ دشمنی اور بغض

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ

روزِ قیامت تک جب کبھی وہ بھڑکاتے ہیں آگ لڑائی کی بجھا دیتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ ۱۲۹

وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾

اور یہ کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد برپا کرنے کی ۔ اور اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا فسادیوں کو

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ

اور اگر اہلِ کتاب ایمان لاتے اور پرہیزگار بنتے تو ہم ضرور دُور کر دیتے ان سے ان کی بُرائیاں

ہر وقت سجدۂ نیاز و بندگی میں جھکے ہوئے سر پر محبوبیت کا تاج رکھا گیا تھا۔ اور جس کے قلبِ منوّر کو اس کتابِ مبین کا حامل بنا دیا گیا جس کے ہر لفظ میں علم و حکمت کے سمندر موجیں مار رہے ہیں ؎

اُمّیئے بُود کہ ما از اثرِ حکمتِ اُو واقف از سرِّ نہاں خانہ تقدیر شدیم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم کما یحب ربنا ویرضی۔

عربی محاورہ میں بخیل کو مغلول الید اور سخی کو باسط الید کہا جاتا ہے۔ اور اسی معنی میں یہ الفاظ یہاں مستعمل ہوئے ہیں۔

۱۲۸ ہدایت قبول کرنے سے انکار اور گمراہی سے چمٹے رہنے پر اصرار کا یہ طبعی نتیجہ تھا کہ ان میں اتفاق و محبت کی جگہ چاقی اور عداوت رُونما ہو جائے۔ چنانچہ مذہبی طور پر بھی وہ ان گنت فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور ایک دُوسرے کی تکفیر اور تضلیل میں لگ گئے۔ اور سیاسی طور پر بھی ایک دُوسرے کے دُشمن اور ایک دُوسرے کے خُون کے پیاسے بن گئے۔

۱۲۹ اور جب کبھی بھی انھوں نے اسلام اور نبی اسلام کے خلاف فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی ناکام ہوئے اور ہمیشہ اسلام کو ہی غلبہ نصیب ہوا۔ بعض مفسرین نے کُلَّمَا (ہر بار) کو زمانۂ نبوت کے ساتھ مخصوص نہیں کیا۔ بلکہ اس کو ان کی ساری تاریخ سے متعلق کیا ہے۔ جب کبھی انھوں نے کچھ ہوش سنبھالا اور آمادۂ فساد ہوتے تو ہر بار اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا جابر اور قاہر دُشمن مسلّط کیا جس نے ان کو پیس کر رکھ دیا۔ چنانچہ پہلے بخت نصر نے ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ پھر جب کچھ سنبھلے اور شرارتیں شروع کیں تو فطرس (پطرس) رُومی نے آکر ان کی سرکوبی کی۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد جب کچھ شوکت و قوت حاصل کی اور دنگا فساد شروع کر دیا تو مجوس نے آکر کچومر نکال دیا۔ یہاں تک کہ اسلام نے آکر ہمیشہ کے لیے

وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ

اور ہم ضرور داخل کرتے انھیں نعمت کے باغوں میں ۔ اور اگر وہ ۱۳۰ے قائم کرتے تورات

وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ

اور انجیل کو (اپنے عمل سے) اور جو نازل کیا گیا ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے (تو فراخ رزق دیا جاتا انھیں حتیٰ کہ) وہ کھاتے

وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ وَكَثِيْرٌ

اُوپر سے بھی اور نیچے سے بھی ۱۳۱ے ان میں ایک جماعت اعتدال پسند بھی ہے ۱۳۲ے اور اکثر

ان کی خوابوں کی دُنیا پریشان کر دی اور اُن کی جھوٹی اُمیدوں کے چراغ گُل کر دیئے (قرطبی و بیضاوی)

۱۳۰ے تورات اور انجیل کو قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے احکام کے مُطابق عمل کیا جائے اور اپنی خواہشات کے مُطابق ان میں ردّوبدل کر کے ان کو بگاڑ نہ دیا جائے۔ اقامة التوراة والانجیل العمل بمقتضاهما وعدم تحریفهما۔

۱۳۱ے اظہارِ مبالغہ کے لیے ہے یعنی تورات و انجیل کی اتباع کی برکت سے انھیں کشادہ، حلال اور پاکیزہ روزی دی جاتی اسی طرح دُوسری آیت ہے۔ ولو ان اهل القرى آمنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركات من السماء والارض۔ اگر ان گاؤں کے رہنے والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ اور اس کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ ہم آسمان سے ان کے قلب و رُوح کے لیے رحمتوں اور برکتوں کی غذا نازل کرتے اور ان کے جسم کے لیے زمین میں چھپے ہُوئے رزق کے خزانوں کے منہ کھول دیتے۔ کیونکہ انسان کو جس طرح جسمانی خوراک کی ضرورت ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ رُوحانی غذا کی ضرورت ہے۔ اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی سے فقر و تنگ دستی نہیں بلکہ فراخی اور وُسعت ہوتی ہے ومن يتق الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لا يحتسب۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ بنا دیتا ہے اور اسے ایسے ذرائع سے رزق دیتا ہے جن کا اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

۱۳۲ے سب ایک جیسے نہیں۔ بلکہ ان میں ایک ایسی جماعت بھی ہے جو اعتدال و انصاف سے کام لیتی ہے اور قرآن کو اللہ تعالیٰ کی کتاب سمجھ کر اس پر ایمان بھی لے آتی ہے۔

مِنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

ان میں سے بہت بُرا ہے جو کر رہے ہیں ۔ اے رسول! ۱۳۳ پہنچا دیجئے جو اُتارا گیا ہے آپ کی طرف

۱۳۳ے جس قوم کی اِصلاح اور ہدایت کے لیے سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو مبعوث فرمایا گیا ان کی کوئی بات بھی تو درست نہ تھی۔ سیاسی طور پر وُہ بدنظمی اور اِنتشار کا شکار تھے۔ معاشی طور پر ان کی بدحالی کی مثال نہ تھی۔ اِخلاقی لحاظ سے ان کے ہاں گنگا ہی اُلٹی بہہ رہی تھی۔ شراب نوشی، جوّا بازی اور بدکاری، سرداری اور دولت مندی کی علامات تھیں۔ ظلم و قتل کو شجاعت، معصوم بچّیوں کو زندہ درگور کرنے کو تقاضائے حمیّت و غیرت اور اسراف و فضول خرچی کو سخاوت کہا نہیں جاتا تھا بلکہ یقین کیا جاتا تھا۔ دینی لحاظ سے تو اِتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ وُہ گھر جو اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا تھا وہاں تین سو ساٹھ بتوں کی پُوجا ہو رہی تھی۔ اور یہ ان کا دین تھا۔ ان کا عقیدہ تھا۔ انھیں اس پر کامل یقین بھی تھا اور اس سے والہانہ محبّت بھی تھی۔ اب جو ہستی ایک ہمہ گیر اِنقلاب کی داعی بن کر آئی تھی اور جسے زندگی کے ہر شعبہ میں ہر خرابی کی اِصلاح کے لیے مقرر فرمایا گیا تھا۔ اس کا فرض تھا کہ سیاسی اِنتشار کے جو محرّکات تھے ان پر بھی ضربِ کاری لگائے۔ وُہ عناصر جن کی دھاندلیاں وہاں کی معاشی زندگی کو درہم برہم کر رہی تھیں ان کے منہ میں بھی لگام دے۔ وُہ خبیث عادتیں اور وحشیانہ افعال جن پر اخلاقِ عالیہ کے دِلکش غلاف چڑھے ہوئے تھے ان کو بھی بے نقاب کرے اور اخلاقِ فاضلہ کا صحیح مفہوم بھی ان کے ذہن نشین کرائے اور ان کی عقیدت کے صنم کدوں میں جتنے بُت تھے پتھر کے، تانبے کے، پیتل کے، اپنی خواہشات کے، اپنے نفس کے، ذاتی اور قبائلی عصبیتوں کے ان سارے بُتوں کو اِلَّا اللّٰہ کی ضرب سے ریزہ ریزہ کرے۔ اِس کارِ عظیم کے لیے قدرت کی نظرِ اِنتخاب پڑی تو اس پر جس کا کوئی بھائی نہیں، جس کے سر پر باپ اور دادا کا سایہ نہیں۔ دولت نہیں۔ خُدّام نہیں۔ اس کے پاس صرف اللہ کا نام ہے۔ یہی اس کی ساری قوتوں کا سرچشمہ ہے اور یہی اس کی ساری توانائیوں کا منبع ہے۔ اِس نازک اور مشکل ترین خدمت کے لیے اسے متعیّن فرما کر اس کا رب اسے فرماتا ہے کہ آپ رسُول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور رسُول کا کام یہ ہے کہ اپنے بھیجنے والے کا پیغام بے خوف و خطر کسی ردّ و بدل کے بغیر پہنچا دے۔ اِس لیے اپنے منصبِ رسالت کا پاس رکھتے ہوئے اپنے ربِ کریم کا جو حکم آپ کو ملے اس کو اس کی مخلوق تک پہنچا دو۔ اور اگر کسی حکم کے پہنچانے میں پس و پیش کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے اپنا فرضِ منصبی پُورا کرنے میں غفلت برتی ہے اور اس کا ذرا حق ادا نہیں کیا۔ باقی رہی دُشمنوں کی قوّت، کفّار کے حملے، منافقین کی سازشیں اور یہود وغیرہ کی ریشہ دوانیاں تو سُن لو اللہ تعالیٰ خود آپ کا نگہبان ہے۔ کوئی آپ کو گزند نہیں پہنچا سکتا۔ اب آپ خود غور کیجئے کہ اِس صریح اور پُرجلال حکم کے بعد کوئی یہ باور کر سکتا ہے کہ حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو کسی کی پاسداری کے لیے یا کسی کے خوف سے چھپایا ہو۔ مولانا عثمانی کے یہ الفاظ بڑے معنی خیز ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

"نوعِ اِنسانی کے عوام و خواص میں سے جو بات جس طبقہ کے لائق اور جس کی اِستعداد کے مُطابق تھی آپؐ نے

مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ

آپ کے پروردگار کی جانب سے۔ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو نہیں پہنچایا آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو

مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ

لوگوں (کے شر) سے یقیناً اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کافروں کی قوم کو آپ فرمائیے اے

الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰي شَيْءٍ حَتّٰي تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَ

اہل کتاب! نہیں ہو تم کسی چیز پر (ہدایت سے) یہاں تک کہ (عمل سے) قائم کرو تورات اور انجیل کو اور

مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

جو اُتارا گیا تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اور ضرور بڑھا دے گا ١٣٤ اکثر کو ان میں سے جو نازل کیا گیا آپ کی

مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾ اِنَّ

طرف آپ کے رب کی جانب سے سرکشی اور انکار میں پس آپ نہ افسوس کریں ١٣٥ قوم کفار پر بے شک

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ

جو لوگ ایمان لائے ١٣٦ اور جو یہودی بنے اور صابی اور نصرانی جو بھی (ان میں سے)

بلا کم و کاست اور بے خوف و خطر پہنچا کر خدا کی حجت بندوں پر تمام کر دی۔"

١٣٤ یعنی جوں جوں آیاتِ قرآنی کا نزول ہوتا ہے ان کا غیظ و غضب بڑھتا جاتا ہے اور ان کے کفر و سرکشی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

١٣٥ اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ اے میرے حبیب! آپ کا دل کیوں رنجیدہ ہو۔ اگر یہ گمراہی پر جمے ہوئے ہیں تو جمے رہیں اپنے کیے کی سزا پائیں گے۔ اسی یاسی اسیً اذا حزن (قرطبی)

١٣٦ اس آیت کی وضاحت سورہ بقرہ کی آیت نمبر ٦٢ میں گزر چکی ہے۔ اور ایمان باللہ سے مراد اس کی ذات، اس کی صفاتِ کمال، اس کی نازل کی ہوئی کتابوں اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں پر ایمان لانا ہے۔ کیونکہ جو کوئی کسی رسول پر ایمان نہیں لاتا وہ گویا اس کے بھیجنے والے کا انکار کر رہا ہے۔ جو شخص کسی بادشاہ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتا ہے لیکن اس کے

آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ

ایمان لایا اللہ پر اور روزِ قیامت پر اور نیک عمل کیے تو نہ کوئی خوف ہے ان پر اور

لَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٩﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِيٓ اِسْرَآءِيلَ وَاَرْسَلْنَآ

نہ وُہ غمگین ہوں گے بے شک ہم نے لیا تھا پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے اور ہم نے بھیجے تھے

اِلَيْهِمْ رُسُلًا ط كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُولٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ فَرِيقًا

ان کی طرف رسول جب کبھی آیا اُن کے پاس کوئی رسول وُہ حکم لے کر جسے ناپسند کیا ان کے نفسوں نے ۱۳۷

كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَّقْتُلُونَ ﴿٧٠﴾ وَحَسِبُوٓا اَلَّا تَكُونَ فِتْنَةٌ فَعَمُوا

تو (انبیائ کے) ایک گروہ کو تو انھوں نے جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کر دیا اور یہ فرض کر لیا کہ نہیں ہوگا (انھیں) عذاب ۱۳۸ تو اندھے

وَصَمُّوا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوا وَصَمُّوا كَثِيرٌ مِّنْهُمْ ط

بن گئے اور بہرے بن گئے ۱۳۹ پھر نظرِ رحمت فرمائی اللہ تعالیٰ نے ان پر ۱۴۰ پھر وُہ اندھے بن گئے اور بہرے بن گئے بہت ان میں سے ۱۴۱

مقرر کیے ہوئے حکام کا انکار کرتا ہے وُہ یقیناً اس بادشاہ کے حکم کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کر رہا ہے۔ اِس لیے کوئی اِس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے کہ رسُولوں پر ایمان لائے بغیر بھی نجات ممکن ہے۔

۱۳۷؎ جب کسی اللہ کے نبی نے بنی اسرائیل کو ان کی عہد شکنیوں اور غلط کاریوں پر ملامت کی اور انھیں کوئی ایسی بات کہی جو اُن کی طبیعتوں پر ناگوار گزری تو وُہ بپھر گئے۔ نبوّت کے احترام کو بالائے طاق رکھ دیا اور انبیاء کی برملا تکذیب شروع کر دی اور زبانی انکار پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ بعض انبیاء کو قتل کر دیا۔ (اِن تمام امُور کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے)

۱۳۸؎ فتنہ سے مُراد آزمائش اور ابتلاء ہے یعنی وُہ یہ گمان کیے ہُوئے تھے کہ ہم انبیاء کی جو ہتک کر رہے ہیں اور بعض کو شہید کر دیا ہے اِس کے متعلق ہم سے باز پُرس نہ ہوگی اور ہمیں آزمائش میں مبتلاء نہ کیا جائے گا۔ چنانچہ علّامہ قرطبیؒ نے یہی لکھا ہے۔ ابتلاء واختبار بالشدائد لیکن علّامہ زمخشری اور بیضاوی نے فِتنہ کا معنی عذاب کیا ہے یعنی وُہ اِس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ کیونکہ وُہ اللہ تعالیٰ کے فرزند اور چہیتے ہیں اِس لیے وُہ خواہ کچھ کرتے رہیں انھیں عذاب ہرگز نہیں ہوگا۔ فتنہ بمعنی عذاب قرآن میں اَور جگہ بھی آیا ہے مثلاً ذوقوا فتنتکم ای عذابکم۔

۱۳۹؎ یعنی ہر طرح کی گرفت اور باز پُرس سے بالکل مطمئن ہو کر ہدایت کا نُور دیکھنے سے اور حق کا پیغام سننے سے اپنی آنکھیں

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٧١﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ

اور اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو وُہ کرتے ہیں ۔ بے شک کافر ہو گئے وُہ جنھوں نے (یہ) کہا کہ اللہ ۱۴۲ ہی

الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا

مسیح بن مریم ہی تو ہے ۔ حالانکہ کہا تھا خود مسیح نے اے بنی اسرائیل! عبادت کرو

اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ

اللہ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے یقیناً جو بھی شریک بنائے گا اللہ کے ساتھ تو حرام کر دی ہے اللہ تعالیٰ نے

اور کان بند کر کے اندھے اور بہرے بن کر رہ گئے ۔

۱۴۰ ۔ اس سے مُراد حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی بعثت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی سے اِن مدہوشوں کو ہوشیار کرنے کے لیے اپنا رسُول بھیجا پھر بھی گنتی کے چند لوگوں کے سوا یہ اندھے اور بہرے ہی بنے رہے ۔

۱۴۱ ۔ یہاں ایک چیز حل طلب ہے ۔ نحو کا قاعدہ ہے کہ فاعل ظاہر ہو تو خواہ وُہ جمع ہی کیوں نہ ہو فعل واحد ذکر کیا جاتا ہے یہاں "کثیر" فاعل ظاہر ہے ۔ اس کے باوجود عموا اور صموا فعل جمع کیوں ذکر کیا گیا اس کا ایک جواب یہ ہے کہ "کثیر" فاعل نہیں بلکہ "واو" علامتِ جمع اور ضمیر فاعل ہے اور کثیر اس کا بدل ہے ۔ فارتفع کثیر علی البدل من الواو (قرطبی) دُوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ عرب کی ایک لغت میں ایسے موقع پر بھی فعل کا جمع کا صیغہ مستعمل ہوتا رہتا ہے جیسے اکلونی البراغیث یا جیسے فرزدق کا شعر ہے ۔

ولکن دیافیٌّ ابوہ و امہ ۔ بحوران یعصرن السلیط اقاربہ (قرطبی)

یہاں اقاربہ فاعل ہے پھر بھی یعصرن جمع مؤنّث ذکر ہوا ۔

۱۴۲ ۔ عیسائی حضرت مسیح علیہ السّلام کو "اِلٰہ" مانتے ہیں جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے ۔ ان کے دعویٰ کا بطلان حضرت مسیح علیہ السّلام کی زبان سے کرایا جا رہا ہے ۔ آپ فرماتے ہیں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو ۔ کون اللہ جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے ۔ رب کا معنی ہے آہستہ آہستہ کسی چیز کو اس کی استعداد کے مطابق نقص سے کمال کی طرف، کمزوری سے قوّت کی طرف پہنچانے والا ۔ تو جب وُہ مجھے مرتبۂ کمال تک پہنچانے والا ہے تو پھر میں خدا کیسے ہو سکتا ہوں ۔ خدا تو وُہ ہے جو ہر نقص اور کمی سے پہلے ہی پاک اور منزّہ ہو ۔ وُہ کسی کے پاک کرنے اور منزّہ کرنے کا محتاج نہیں ہوتا ۔

عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾

اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا آگ ہے اور نہیں ظالموں کا کوئی مددگار ۱۴۳

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ

بے شک کافر ہو گئے وُہ جنھوں نے (یہ) کہا کہ اللہ تیسرا ہے ۱۴۴ تین (خداؤں) سے۔ اور نہیں ہے کوئی خدا

۱۴۳ یعنی اگر تم مجھے خدا سمجھو گے تو شرک کا ارتکاب کرو گے اور جو شرک کرتا ہے وُہ ظلم عظیم کرتا ہے اور اس روز ظالم کی امداد نہیں کی جائے گی۔ اور میں بھی تم سے دست بردار ہو جاؤں گا۔

۱۴۴ عقیدۂ تثلیث کی حقیقت کیا ہے؟ عیسائیوں نے اسے کب اور کیوں اختیار کیا؟ کیا حضرت عیسٰی علیہ السلام کے کسی قول سے اس کی تائید ہوتی ہے؟ کیا پہلی تین انجیلوں میں یہ عقیدہ موجود ہے؟ جب تک ان سوالات کا تحقیقی جواب نہ دیا جائے نہ ہم قرآن حکیم کی ان آیات کو پوری طرح سمجھ سکتے ہیں اور نہ علیٰ وجہ البصیرت مسیحی عقائد کے متعلق گفتگو کر سکتے ہیں۔ آئیے نہایت صبر و سکون اور متانت و سنجیدگی سے ان امور کی تحقیق کریں۔

اس وقت میرے پیش نظر بائیبل کے علاوہ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا (مطبوعہ ۱۹۶۲ء) ہے۔ جو دُنیا بھر کے فضلاء اور محققین کی کاوشوں کا مجموعہ ہے۔ اور جسے تمام علمی حلقوں میں مستند ترین کتاب تسلیم کیا جاتا ہے۔ مسیحیت کے متعلق میں نے اس میں عیسائی علماء کے مضامین کا مطالعہ کیا ہے ان کے مطالعہ سے میں جن نتائج پر پہنچا ہوں وُہ ہدیۂ ناظرین ہیں:

مسیحیت (CHRISTIANITY) کے موضوع پر جارج ولیم ناکس (G.W.KNOX) اور سڈنی ہربرٹ میلون (S.H.MELLONE) نے مل کر جو محققانہ مقالہ لکھا ہے اس میں وُہ رقمطراز ہیں:-

"مسیح نے خود بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ان کی اصل کوئی مافوق الفطرت چیز ہے بلکہ وُہ اس پر مطمئن تھے کہ انھیں مریم اور جوزف کے بیٹے کی حیثیت سے پہچانا جائے"۔ (انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا جلد ۵، صفحہ ۶۳۲)

اس خیال کی تائید میں انھوں نے مرقس کی انجیل باب ششم کی آیات نمبر ۳، ۴ کا حوالہ دیا ہے "کیا یہ وُہی بڑھئی نہیں جو مریم کا بیٹا اور یعقوب اور یوسیس اور یہوداہ اور شمعون کا بھائی ہے؟ اور کیا اس کی بہنیں یہاں ہمارے ہاں نہیں؟ پس اُنھوں نے اس کے سبب ٹھوکر کھائی۔ یسوع نے ان سے کہا نبی اپنے وطن اور اپنے رشتہ داروں اور اپنے گھر کے سوا اور کہیں بے عزت نہیں ہوتا۔

یوحنا کی یہ آیت بھی زیر نظر رہے "پھر ان دو دنوں کے بعد وُہ وہاں سے روانہ ہو کر گلیل کو گیا کیونکہ یسوع نے خود گواہی دی کہ نبی اپنے وطن میں عزت نہیں پاتا (۴: ۴۳، ۴۴) لوقا کی یہ آیت بھی توجہ طلب ہے

"مگر مجھے آج اور کل اور پرسوں اپنی راہ پر چلنا ضرور ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ نبی یروشلم سے باہر ہلاک ہو"۔ (۱۳: ۳۳)

اناجیل کی اِن آیات اور سابقہ تصریح سے یہ امر واضح ہوگیا کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے ہمیشہ اپنے آپ کو مریم کا بیٹا کہلوایا اور اپنے نبی ہونے کا بار بار اعلان کیا اور کبھی بھی اپنے آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا نہیں کہا۔
(ان تصریحات سے اِسی سُورہ کی آیت نمبر ۱۱٦ کی تصدیق بھی ہوگئی)
جب حقیقت یہ ہے تو پھر تثلیث (تین خدا) اور ابنیت کا نظریہ اس دین میں کیونکر گھُس آیا۔ اس کے متعلق بھی مذکورہ بالا فاضلوں کی یہ عبارت مُلاحظہ فرمائیے :۔
"باپ، بیٹا اور رُوح القدس کی اصطلاحات کو یہُودی ذرائع نے مہیّا کیا۔ یسُوع نے شاذ و نادر ہی آخری اِصطلاح اِستعمال کی ہو۔ (سینٹ) پال کے متعلق بھی یہ واضح نہیں کہ اس نے اسے اِستعمال کیا۔ چنانچہ تثلیث کا مواد یہُودی ہے جسے یُونانی (فلسفہ کے) اثر و رسُوخ نے اِس قالب میں ڈھالا ہے"۔ اِنسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا جلد ۵ صفحہ ٦۳۳
دینِ مسیحی کی تاریخ کا مطالعہ کرتے وقت جو چیز بڑی عجیب وغریب اور انوکھی معلوم ہوتی ہے وُہ یہ ہے کہ اِس دین کے بُنیادی عقائد وُہ نہیں جو اِس دین کے بانی حضرت مسیح علیہ السّلام نے بتائے ہیں یا جو انجیلوں میں مذکور ہیں بلکہ اس کے بنیادی عقائد وُہ ہیں جو پادریوں کی کونسلیں مختلف حالات میں مقرر کرتی رہی ہیں۔ اور یہ کونسلیں اِس امر کی مجاز ہیں کہ حضرت مسیح پر اِیمان رکھنے والے اگر ان کے منظور کردہ عقائد سے اِنحراف کریں تو وُہ انھیں مُرتد قرار دے کر اس دین سے خارج کر دیں۔ ان کونسلوں کی داستان بڑی دلچسپ اور معلُومات افزا ہے۔
مجھے اب آپ سے یہ عرض کرنا ہے کہ جب تثلیث کا کوئی سراغ ہمیں یسُوع مسیح کے کلام میں نہیں ملتا اور انجیلوں کی آیات بھی مسیح کی ابنیت (بیٹا ہونا) کی بجائے ان کی نبوّت ثابت کر رہی ہیں تو پھر یہ مشرکانہ نظریہ کیسے اور کب نمودار ہوا۔ اس کے متعلق بھی اِنسائیکلوپیڈیا کے حوالہ سے حقیقتِ حال پیش کرتا ہوں۔
قسطنطین کے تخت نشین ہونے سے پہلے عیسائیوں پر طرح طرح کے مظالم کیے جاتے تھے اور حکومتِ روم کی نگاہوں میں بھی یہ معتُوب تھے لیکن یہ مذہب آہستہ آہستہ پھیلتا رہا اور تقویّت پکڑتا رہا۔ قسطنطین جب رومن امپائر کا فرمانروا بنا تو اس نے ۳۱۳ء میں میلان کے فرمانِ شاہی کے ذریعہ مذہبی آزادی کا اعلان کیا۔ اپنی سیاسی اغراض کی وجہ سے عیسائیوں پر عنایاتِ خسروانہ کی بارش شروع کر دی تاکہ ان کی کثیر آبادی کی ہمدردیاں اور وفاداریاں حاصل کرکے اپنی حکومت کو مستحکم کرلے۔ اور ۳۳۷ء میں جب وُہ بسترِ مرگ پر دم توڑ رہا تھا تو اس نے عیسائی مذہب قبول کیا اور اُسے بپتسمہ دیا گیا۔
یہ تو ان کے سیاسی حالات تھے لیکن اس سے پہلے تین صدیوں میں ان کے عقائد میں کیا کیا تبدیلیاں رُونما ہو چکی تھیں۔ اور قسطنطین کی سرپرستی میں ان میں کیا قطع وبُرید کی گئی۔ اس کے متعلق تاریخ کلیسا (CHURCH HISTORY) کے عنوان پر چار مسیحی فضلاء نے جو لکھا ہے اس کا اِقتباس پیشِ خدمت ہے :۔
"تیسری صدی کے ختم ہونے سے پہلے یسُوع کو کلامِ الٰہی (LOGOS) کا مجسمہ تسلیم کرلیا گیا تھا لیکن اس کی اُلوہیت کا عام طور پر اِنکار کیا جاتا تھا۔ اِس اثناء میں ایریس (ARIUS) کے تنازعہ نے چوتھی صدی کے کلیسا کو جس اضطراب و حیرت میں مبتلا

کر دیا تھا اُس نے لوگوں کی توجّہ کو اِس مسئلہ کی طرف مبذول کیا۔ نیقیا (NICAEA) کی کونسل جو ۳۲۳ء میں منعقد ہُوئی اس میں سرکاری طور پر یسُوع کی اُلوہیّت کو تسلیم کر لیا گیا جسے باضابطہ طور پر مرتّب کرنے کے بعد (NICENE CREED) کا نام دیا گیا۔ تنازعہ کچھ عرصہ جاری رہا لیکن آخر کار مشرق و مغرب کے عیسائیوں نے اِسی عقیدہ کو صحیح مسیحی عقیدہ مان لیا۔ بیٹے کی اُلوہیّت کے ساتھ رُوح القدس کی اُلوہیّت بھی تسلیم کر لی گئی۔ نیقیا کے عقیدہ کی فتح نے تثلیث کو عیسائی مذہب کے صحیح عقائد کا جزوِ لاینفک بنا دیا۔ بیٹے کی اُلوہیّت کا مظہر یسُوع کو قرار دے دینے سے ایک نئی پیچیدگی پیدا ہو گئی جو چوتھی صدی اور اس کے بعد عرصہ تک ما بہ النزاع بنی رہی۔ وُہ یہ کہ یسُوع میں اُلوہیّت اور انسانیت کا باہمی تعلق کیا ہے؟ کالسیڈن (CHALCEDON) کی کونسل جو ۴۵۱ء میں منعقد ہُوئی اس میں یہ قرار پایا کہ مسیح کی ذات میں اُلوہیّت اور انسانیت دونوں یکساں طور پر مجتمع ہیں اور باہمی امتزاج کے باوجُود دونوں کی خصُوصیات جُوں کی تُوں قائم ہیں قسطنطنیہ کی تیسری کونسل جو ۶۸۰ء میں منعقد ہوئی اس میں اس پر مزید اضافہ کیا گیا کہ اِن دو ماہیّتوں کی الگ الگ مرضی اور مشیّت ہے۔ یسوع دونوں مشیّتوں کا مالک ہے مغربی کلیسا نے نیقیا، کالسیڈن اور قسطنطنیہ کے فیصلوں کو قبول کر لیا اور اِس طرح تثلیث اور مسیح کے اندر دو مشیّتوں (خُدائی اور انسانی) کے وجُود کے نظریات کو مشرق و مغرب کے کلیساؤں نے بحیثیت پختہ اور صحیح عقیدہ کے مان لیا" (انسائیکلوپیڈیا جلد ۵ صفحہ ۶۷۸-۶۷۷)

اس طویل اقتباس سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ تثلیث و ابنیّت کے عقائد خُدا اور اس کے نبی کے بتائے ہُوئے عقائد نہیں ہیں بلکہ سینکڑوں سال بعد انعقاد پذیر ہونے والی کونسلوں نے انھیں گھڑا اور عیسائیوں کے لیے ان پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔ قرآن کریم نے بارہا علماء اہلِ کتاب کے متعلق جو یہ اعلان فرمایا کہ وُہ اپنی طرف سے باتیں گھڑتے ہیں اور پھر اسے خُدا کی طرف اور اس کے پیغمبروں کی طرف منسُوب کر دیتے ہیں اس کا کتنا واضح ثبُوت ان کی اپنی تاریخ نے فراہم کر دیا۔

لیکن یہ بحث تشنۂ تکمیل رہے گی اگر یہ نہ بتایا جائے کہ نیقیا کی کونسل میں مسیح کی اُلوہیّت کا جو افتراء باندھا گیا اس کے محرّکات کیا تھے؟ اور کیا اس کونسل میں شرکت کرنے والے سارے بشپ اس عقیدہ کو دِل و جان سے تسلیم کرتے تھے یا نہیں؟

یہ بات سمجھنے کے لیے اس کے پس منظر کا سمجھنا لازمی ہے۔ قسطنطین کی حمایت و سرپرستی میں عیسائیت کو امن و سکُون نصیب ہوا تو ان میں نظریاتی خانہ جنگی شروع ہو گئی جس کے باعث ان کی وحدت پارہ پارہ ہو گئی اور ان کی سیاسی قوّت زوال پذیر ہونے لگی۔ اس طرح قسطنطین نے جس خیال سے ان کی حمایت شروع کی تھی وُہ خواب پریشان ثابت ہونے لگا۔ چنانچہ اس داخلی انتشار کو دُور کرنے کے لیے اس نے نیقیا میں تمام عیسائی علماء کی کونسل طلب کی جس کے اجلاس ۲۰ مئی سے ۲۵ جولائی ۳۲۳ء تک جاری رہے۔ سب سے اہم مسئلہ جو زیرِ بحث آیا وُہ یہ تھا کہ یسُوع کا تعلق خدا سے کس نوعیت کا ہے؟

یہ بھی یاد رہے کہ اس کونسل کا داعی بھی قسطنطین تھا۔ اس کے جملہ مصارف بھی اس نے اپنی گرہ سے ادا کیے اور اس کے کئی اجلاسوں میں شرکت بھی کی اور ان کے فیصلوں کو اپنے شاہی اختیارات سے نافذ کیا اور جس نے ماننے سے انکار کیا اس کو سزائیں دیں۔ (انسائیکلو پیڈیا جلد ۶ صفحہ ۵۸۸)

اس کونسل کے انعقاد کے محرکات اور پس منظر کو سمجھ لینے کے بعد مسیح کی الوہیت کے متعلق جو قرارداد پاس کی گئی اب اس کے متعلق مسیحی فاضلوں کی آراء سنیئے :-

"یہ درست ہے کہ کثرت آراء سے نیقیا کی کونسل میں اسکندریہ کے عقیدہ کو منظور کیا گیا لیکن یہ اتفاق قلبی یقین و ایمان سے رونپذیر نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ شرکت کرنے والے پادریوں کی اکثریت غیر جانب دار تھی۔ انھیں اس سے کوئی ذاتی دلچسپی نہ تھی۔ دوسری وجہ شاہی اختیارات اور ان کا دباؤ تھا۔ اس کے ثبوت کے لیے ہمارے پاس تاریخی شہادت موجود ہے وہ یہ کہ ایریس (ARIUS) کے خلاف یہ فیصلہ اگر پورے غور و فکر کے بعد کامل ایمان و یقین سے کیا گیا ہوتا تو پھر اس عقیدہ کے حق میں رائے دینے والے ایریس سے کبھی نرم برتاؤ نہ کرتے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ عقیدہ فقط ان لوگوں کی طرف سے مسلط کیا گیا تھا جو اس کونسل کے بانی تھے (یعنی قسطنطین اور اس کے اعیان حکومت) ان حالات میں ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ کثرت آراء قطعاً اس بات کا معیار نہیں کہ مسیح کی الوہیت کا جو عقیدہ اس کونسل میں منظور ہوا اس میں کونسل کے ارکان کا قلبی یقین بھی کارفرما تھا"

فاضل مقالہ نگار مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ نیقیا کی کونسل کے متعلق اپنی نگارشات کا اختتام کرتا ہے :-

"اس مصنوعی اور بناوٹی اتحاد سے جو عقیدہ گھڑا گیا تھا وہ امن برقرار رکھنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ اس نے ایسے جھگڑوں کے لیے راہ ہموار کر دی جن کے باعث مملکت کی بنیادیں لرز گئیں۔ نیقیا کے اس عقیدہ کے اعلان کے بعد لوگوں نے اس پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا۔ اور یہ عقیدہ جو کلیسا نے فکر و تدبر کے بغیر اپنے اوپر مسلط کر لیا تھا اس کی تشریح و توضیح کرتے وقت کلیسا کو ایسی مذہبی بحثوں میں الجھنا پڑا جن کا راستہ بڑا دشوار اور پرخار تھا۔ (انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا جلد ۶ صفحہ ۴۱۰)

ان تاریخی حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے اب ان آیات لقد کفر الذین قالوا الخ کو غور سے پڑھو۔ آفتاب حقانیت کی تابانیاں آپ کی چشم خرد کو روشن کر دیں گی اور اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ کی آیت نمبر ۴۸ میں قرآن کو سابقہ آسمانی کتب کے نگہبان (مھیمنا علیہ) کا جو لقب عطا فرمایا ہے۔ اس کی صداقت آشکارا ہو جائے گی۔

خدارا بتائیے کیا اس دین کو دین الٰہی کہنا بجا ہے جس کے بنیادی عقائد چند آدمیوں نے سیاسی دباؤ اور سیاسی اغراض کی خاطر صدہا سال بعد خود وضع کیے ہوں اور ان میں اپنے پیغمبر کے ارشادات سے واضح انحراف کیا گیا ہو۔ مسیحیت کو اس کی اپنی تاریخ کے آئینہ میں آپ نے دیکھ لیا۔ اس کے بعد کسی مزید تبصرہ کی گنجائش نہیں۔

إِلَّآ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَإِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ

مگر ایک اللہ ۱۴۵ اور اگر باز نہ آئے اس (قول باطل) سے جو وُہ کہہ رہے ہیں تو ضرور پہنچے گا جنھوں نے

كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۷۳ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ إِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ

کفر کیا ان میں سے عذاب دردناک تو کیا نہیں رجوع کرتے اللہ کی طرف اور کیا نہیں بخشش طلب کرتے

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۷۴ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ

اس سے اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے نہیں مسیح بن مریم ۱۴۶ مگر ایک رسُول ۔ گزر چکے ہیں

مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ

اس سے پہلے بھی کئی رسُول اور ان کی ماں بڑی راست باز تھیں دونوں کھایا کرتے تھے کھانا دیکھو!

كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۷۵ قُلْ

کیسے ہم کھول کر بیان کرتے ہیں ان کے لیے دلیلیں پھر دیکھو وُہ کیسے اُلٹے پھر رہے ہیں ۱۴۷ آپ فرمائیے

۱۴۵ یعنی اور کوئی خُدا ہے ہی نہیں سوائے اس کے جو صفتِ وحدانیت سے متّصف ہے ۔ اس جملہ میں "ما" استغراق نفی کا فائدہ دیتا ہے یعنی کسی قسم کا تعدّد نہیں نہ ذات میں نہ اعتبار میں ۔ صرف وُہی خدا ہے جو ہر طرح کی کامل وحدانیت اور یکتائی سے متّصف ہے ۔

۱۴۶ حضرت مسیح کی الُوہیّت کی نفی کرنے کے بعد بتایا کہ وُہ ہیں کون ؟ فرمایا وُہ اللہ کے رسُول ہیں اور ان سے پہلے بھی رسُول آچکے ہیں ۔ وُہ سب اللہ تعالیٰ کے بندے اور انسان تھے ۔ نہ پہلے رسُولوں میں سے کوئی خدا تھا نہ مسیح خُدا ہیں اور اُن کی والدہ محترمہ مریم اللہ تعالیٰ کی ایک راست باز بندی ہیں ۔ وُہ دونوں ماں بیٹا اپنی زندگی کی بقا کے لیے دُوسرے انسانوں کی طرح طعام کھایا کرتے تھے ۔ جب اُنھیں کھانے کی ضرورت محسُوس ہوتی تھی تو وُہ بندے ہُوتے خُدا تو نہ ہوئے ۔ اس آیت میں یہودیوں کی بھی تردید ہوگئی اور عیسائیوں کا بھی رد آگیا ۔

۱۴۷ اے ناظر منصف ! ان کے عقیدہ کے بطلان پر کتنے زبردست دلائل پیش کیے گئے ہیں لیکن وُہ پھر بھی اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید سے باز نہیں آتے ۔ اب اس ہٹ دھرمی کا کیا علاج !

اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا ؕ وَ اللّٰهُ

کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا اس کی جو نہیں مالک تمہارے نقصان کا اور نہ نفع کا ۱۴۸ اور اللہ تعالیٰ

هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۷۶ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ

ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے آپ فرمائیے اے اہل کتاب! نہ حد سے بڑھو اپنے دین میں

غَيْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ

ناحق اور نہ پیروی کرو ۱۴۹ اس قوم کی خواہشوں کی جو گمراہ ہو چکی ہے پہلے سے اور

اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝۷۷ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

گمراہ کر چکے ہیں بہت سے لوگوں کو اور بھٹک چکے ہیں راہ راست سے لعنت کیے گئے وہ جنھوں نے کفر کیا

مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا

بنی اسرائیل سے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ پسر مریم کی زبان پر یہ بوجہ اس کے کہ

۱۴۸ے حضرت صدر الافاضل مُرادآبادیؒ رقمطراز ہیں۔ "یہ ابطال شرک کی ایک اور دلیل ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ مستحق عبادت وہی ہو سکتا ہے جو نفع وضرر وغیرہ ہر چیز پر ذاتی قدرت و اختیار رکھتا ہو جو ایسا نہ ہو وہ اللہ مستحق عبادت نہیں ہو سکتا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نفع وضرر کے بالذات مالک نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کے مالک کرنے سے مالک ہوتے۔ تو ان کی نسبت الوہیت کا اعتقاد باطل ہے۔" (خزائن العرفان)

۱۴۹ے اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ عیسائیوں کو فرماتے ہیں کہ افراط و تفریط سے کام لینا چھوڑ دو اور حضرت مسیح علیہ السلام کی صحیح تعلیمات پر اپنے عقائد کی بُنیاد رکھو۔ تمہارے عقیدۂ تثلیث کو حضرت مسیح کی تعلیمات سے دُور کا واسطہ بھی نہیں۔ بلکہ تم نے دُوسری گم کردہ راہ قوموں کے مشرکانہ نظریات کو اپنانا شروع کر دیا ہے اپنے صاف سادہ عقیدۂ توحید کو یونانی اور رُومی فلسفہ کی بھینٹ چڑھا کر اس کو بالکل مسخ کر کے رکھ دیا چھوڑو اس خود ساختہ عقیدہ کو۔ اور حضرت مسیح کے سچّے دین کو مضبُوطی سے پکڑ لو۔

عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝۷۸ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ

وُہ نافرمانی کیا کرتے اور زیادتیاں کیا کرتے تھے نہیں منع کیا کرتے تھے ایک دُوسرے کو اس بُرائی سے جو وُہ کرتے تھے ۱۵۰؎

لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۷۹ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ

بہت بُرا تھا جو وُہ کیا کرتے تھے آپ دیکھیں گے بہتوں کو ان میں سے ۱۵۱؎ کہ وُہ دوستی رکھتے ہیں کافروں سے

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ فِى

بہت ہی بُرا ہے جو آگے بھیجا ان کے لیے ان کے نفسوں نے یہ کہ ناراض ہو گیا اللہ تعالیٰ ان پر اور عذاب

الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝۸۰ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِىِّ وَمَآ

میں وُہ ہمیشہ رہیں گے اور اگر وُہ ۱۵۲؎ ایمان لائے ہوتے اللہ پر اور نبی پر اور جو

۱۵۰؎ تناہی کے دو معنی ہوسکتے ہیں۔ ا۔ تناہی بمعنی انتہی باز آجانا۔ رُک جانا یعنی جو اعمالِ بد وُہ کیا کرتے تھے اس سے باز نہیں آتے تھے۔ لاکھ سمجھاؤ سرکش گھوڑے کی طرح نافرمانی کی راہ پر سرپٹ دوڑے چلے جاتے تھے۔ ۲۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ وُہ ایک دُوسرے کو بُرائی سے نہیں روکتے تھے۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا یہ ارشادِ گرامی بھی سُن لیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہُودیوں میں بے دینی کی ابتداء یُوں ہُوئی کہ جب کوئی آدمی کسی بدکار سے ملتا تو پہلے اُسے اللہ سے ڈراتا اور اس گناہ سے باز آجانے کی ترغیب دیتا۔ پھر دُوسرے روز اسی کے ساتھ بلا تامّل کھاتا پیتا بیٹھتا اُٹھتا جب انھوں نے ایسا کرنا شروع کیا تو اُن کے دِلوں کو اللہ تعالیٰ نے آپس میں ٹکرا دیا۔ پھر حضورؐ نے یہ آیت پڑھی۔ لعن الذین الخ اس کے بعد فرمایا کلا واللہ لتامرن بالمعروف ولتنھون عن المنکر ولتاخذن علی یدی الظالم ولتاطرنّه علی الحق اطرا ولتقصرنه علی الحق قصرا اولیضربن اللہ بقلوب بعضکم علی بعض ولیلعنتکم کما لعنھم (ترمذی، ابوداوٗد)

ترجمہ۔ بخدا یا تو تم نیکی کا حکم دو گے، بُرائی سے منع کرو گے اور ظالم کے ہاتھ پکڑ لو گے اسے حق و انصاف کی طرف زبردستی لوٹا دو گے اور اسے عدل کا جبراً پابند کرو گے ورنہ تمھارے دِلوں کو بھی اللہ تعالیٰ آپس میں ٹکرا دے گا۔ اور تم پر بھی ایسی پھٹکار ڈالے گا جیسے پہلے ان لوگوں پر ڈالی گئی۔

۱۵۱؎ یعنی عجیب و غریب ہیں یہ لوگ۔ خدا کی توحید کے مدعی اور انبیاء و رُسل کے پیروکار اور دوستی اُن سے جو کھُلے بُت پرست ہیں۔

۱۵۲؎ اگر وُہ اپنے دعویٔ ایمان میں سچّے ہوتے تو بھلا یہ ممکن تھا کہ وُہ مخلص اہلِ توحید کے خلاف مُشرکوں اور بُت پرستوں

أُنزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَٰكِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٨١﴾

اتارا گیا اس پر تو نہ بناتے ان کو (اپنا) دوست لیکن اکثر ان میں سے فاسق ہیں

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۖ

ضرور پائیں گے آپ سب لوگوں سے زیادہ دُشمنی رکھنے والے مومنوں سے یہُود کو اور مشرکوں کو

وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ۚ

اور پائیں گے آپ ١٥٣؎ سب سے زیادہ قریب دوستی میں ایمان والوں سے انھیں جنھوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں

ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٨٢﴾

یہ اس لیے کہ ان میں عالم ١٥٤؎ اور درویش ہیں اور وُہ غرور نہیں کرتے

سے یارانے گانٹھتے۔

١٥٣؎ یہُود و مشرکین کی اذیّت رسانیوں اور اسلام دُشمنیوں کے مقابلہ میں نصاریٰ کا رویّہ بہتر ہے۔ امام ابنِ جریرؒ فرماتے ہیں کہ ان عیسائیوں سے مُراد عام عیسائی نہیں بلکہ اُن کا وُہ مختصر گروہ مُراد ہے جو ان عقائد کا پابند تھا جو حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے انھیں سکھائے تھے۔ أُنَاسٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ كَانُوا عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْحَقِّ مِمَّا جَاءَ عِيسَىٰ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَنْتَهُونَ إِلَيْهِ۔ (تفسیر ابنِ جریر) انھیں میں حق قبول کرنے کی صلاحیّت موجُود تھی۔ ان کی نگاہوں میں ہی نُورِ ہدایت کو دیکھنے کی قوّت تھی۔

١٥٤؎ قسیسین کا واحد قسّ اور قسیس ہے وَأَصْلُهُ مِنْ قَسَّ إِذَا تَتَبَّعَ الشَّيْءَ فَطَلَبَهُ۔ جب کوئی کسی چیز کا متلاشی ہو اور اس کے پیچھے پیچھے چلا جا رہا ہو تو کہتے ہیں قس الشی۔ یہاں قسیسین سے مُراد ان کے علما ہیں ممکن ہے کہ یہ لفظ رُومی زبان کا ہو اور تعریب کے بعد لغتِ عرب میں استعمال کیا جانے لگا ہو۔ رھبان راھب کی جمع ہے۔ راہب اس عبادت گزار کو کہتے ہیں جو دُنیا کے ہنگاموں سے الگ تھلگ خانقاہوں اور حجرُوں میں مصروفِ ذِکر و فکر رہتا ہو۔ الرُّهْبَانِيَّةُ وَالتَّرَهُّبُ التَّعَبُّدُ فِي صَوْمَعَةٍ۔ (قرطبیؒ)

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ

اور جب سنتے ہیں (قرآن) جو اتارا گیا رسول کی طرف تو تُو دیکھے گا ان کی آنکھوں کو کہ چھلک رہی ہوتی ہیں

مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا

آنسوؤں سے ۱۵۵ اس لیے کہ پہچان لیا انھوں نے حق کو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے ۱۵۶ پس

مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَ مَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَا جَآءَنَا مِنَ

تو لکھ لے ہمیں (اسلام کی صداقت کی) گواہی دینے والوں میں اور کیا وجہ ہے کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ پر اور جو آچکا ہے ہمارے پاس

الْحَقِّ ۙ وَ نَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾

حق حالانکہ ہم امید کرتے ہیں کہ داخل فرمائے ہمیں ہمارا رب نیک گروہ میں ۱۵۷

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

تو عطا فرمائے انھیں اللہ تعالیٰ نے بعوض اس قول کے باغات رواں ہیں ان کے نیچے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں اور یہی معاوضہ ہے نیکی کرنے والوں کا اور جنھوں نے کفر کیا

وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۧ ﴿۸۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو تو وہی دوزخی ہیں اے ایمان والو

ع ۱۱ / ۹

۱۵۵ جب آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو کر چھلک پڑیں تو عرب کہتے ہیں فَاضَتِ الْعَيْنُ۔ اسی سے تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ ماخوذ ہے۔

۱۵۶ شاہدین سے مراد اُمت مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے اس آیت سے ابن جریر کے قول کی مزید تائید ہوئی ہے کہ یہاں نصاریٰ سے مراد وہ مخصوص گروہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کا پابند تھا۔ اور عبادت اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتا تھا۔ اور جب حق اور ہدایت کی روشنی حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں دیکھی تو فوراً ایمان لے آیا۔

لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

نہ حرام کرو ۱۵۸؎ پاکیزہ چیزوں کو جنھیں حلال فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اور نہ حد سے بڑھو بے شک اللہ تعالیٰ

لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ص

نہیں دوست رکھتا حد سے تجاوز کرنے والوں کو اور کھاؤ اس سے جو ۱۵۹؎ رزق دیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے حلال (اور) پاکیزہ

۱۵۷؎ معلوم ہوا کہ نیک اور صالح لوگوں کی سنگت بھی بہت بڑی نعمت ہے۔

۱۵۸؎ چند جلیل القدر صحابہ جن میں حضرت صدیق و علی رضی اللہ عنہم بھی شریک تھے حضرت عثمان بن مظعون کے گھر میں جمع ہوئے اور یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ وہ ہمیشہ روزہ رکھا کریں گے، ساری رات عبادت میں گزاریں گے۔ بستروں پر نہیں سوئیں گے۔ گوشت، گھی وغیرہ نہیں کھائیں گے۔ عورتوں اور خوشبو سے بالکل اجتناب کریں گے۔ اونی لباس پہنیں گے اور دنیا سے قطع تعلق کر لیں گے۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اطلاع ملی تو حضورؐ نے انھیں بلا کر حقیقت افروز ارشاد فرمایا۔ مجھے ان باتوں کا حکم نہیں دیا گیا۔ اِنَّ لِاَنْفُسِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا فَصُوْمُوْا وَاَفْطِرُوْا وَقُوْمُوْا وَنَامُوْا فَاِنِّيْ اَقُوْمُ وَاَنَامُ وَاَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاٰكُلُ اللَّحْمَ وَالدَّسَمَ وَاٰتِي النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔ (کشاف وغیرہ)

اے میرے صحابہ! تمہارے نفسوں کا بھی تم پر حق ہے اس لیے روزے بھی رکھو اور افطار بھی کرو۔ راتوں میں جاگ کر عبادت بھی کرو اور آرام سے سوؤ بھی۔ کیونکہ میں رات کو جاگتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ گوشت اور گھی بھی کھاتا ہوں۔ اور اپنی ازواج سے بھی مقاربت کرتا ہوں (یہ میرا طریق کار اور سنت ہے) جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ میری جماعت سے نہیں۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ نہ تو یہودیوں کی طرح لذات دنیا میں کھو جاؤ اور نہ مسیحی راہبوں کی طرح دنیا کی حلال لذتوں کو اپنے اوپر حرام کر دو بلکہ اعتدال اور میانہ روی اختیار کرو۔ یہی دین اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس آیت میں لاتحرموا کا معنی یہ ہے کہ نہ تو یہ اعتقاد رکھو کہ یہ چیزیں حرام ہیں اور نہ زبان سے ایسا کہو اور نہ ان کے استعمال کو اس طرح ترک کرو جیسے حرام چیز کو ترک کیا جاتا ہے۔ اولیاء کرام نفس سرکش کی سرکوبی کے لیے بعض حلال چیزوں کو استعمال نہیں کرتے تو وہ ان کی حرمت کے قائل نہیں ہوتے۔ بلکہ جس طرح جسمانی طبیب بعض اشیاء کو صحت جسمانی کے لیے مضر خیال کر کے مریض کو ان کے استعمال سے روک دیتا ہے اسی طرح یہ روحانی معالج بعض روحانی مفاسد کے پیش نظر بعض چیزوں سے وقتی طور پر اجتناب کرتے ہیں لیکن اگر کوئی جاہل اللہ تعالیٰ کی کسی حلال کردہ چیز کو اعتقادی یا قولی طور پر حرام جانے تو یہ باطل ہے اور گمراہی ہے۔

۱۵۹؎ اکل سے مراد کھانا ہی نہیں بلکہ اکل بمعنی تمتع ہے یعنی فائدہ اٹھانا، استعمال کرنا خواہ کھانے پینے، پہننے کی صورت

وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ

اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر تم ایمان لاتے ہو نہ باز پُرس کرے گا تم سے اللہ تعالیٰ

بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ ۚ

تمھاری فضول قسموں پر ۱۶۰؎ لیکن باز پُرس کرے گا تم سے اُن قسموں پر جن کو تم پختہ کر چکے ہو

فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ

تو اس (کے توڑنے) کا ۱۶۱؎ کفّارہ یہ ہے کہ کھلایا جائے دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا جو تم کھلاتے ہو اپنے

اَهْلِیْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ

گھر والوں کو یا کپڑے پہنائے جائیں انھیں یا آزاد کیا جائے غلام اور جو نہ پائے (ان میں سے کوئی چیز) تو وہ روزے

ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَیْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَ احْفَظُوْٓا

رکھے تین دن یہ کفّارہ ہے تمھاری قسموں کا جب تم قسم اُٹھاؤ اور حفاظت کیا کرو

یں ہو یا سواری وغیرہ کرنے کی شکل میں۔ اَلْاَكْلُ فِیْ هٰذِهِ الْاٰیَةِ عِبَارَةٌ عَنِ التَّمَتُّعِ بِالْاَكْلِ وَ الشُّرْبِ وَاللِّبَاسِ وَالرُّكُوْبِ وَغَیْرِ ذٰلِكَ۔

۱۶۰؎ ایمان جمع ہے یمین کی۔ اور یہ یمن بمعنی برکت سے ماخوذ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کیونکہ قسم سے بھی حقوق محفوظ ہوتے ہیں معاہدے پُورے کیے جاتے ہیں اس لیے اسے یمین (برکت والی چیز) کہہ دیا گیا یمین لغو وہ ہے جس میں قسم اٹھانے کی نیّت نہیں ہوتی بلکہ اثنار کلام میں واللہ باللہ کے الفاظ بلا سوچے سمجھے منہ سے نکل جاتے ہیں۔ ایسی قسم کا کوئی کفّارہ نہیں لیکن وہ قسمیں جو نیّت اور ارادہ سے اُٹھائی گئی ہوں اور پھر اُنھیں پُورا نہ کیا جائے تو اس قسم کو توڑنے پر باز پُرس ہوگی اور کفّارہ دینا پڑے گا۔

۱۶۱؎ کفّارہ کی تین صُورتیں ہیں۔ (۱) دس آدمیوں کو کھانا کھلادے (۲) یا اُنھیں کپڑے پہنادے جن سے ان کے جسم کا اکثر حصّہ ڈھک جائے مثلاً چادر اور کرتہ یا چادر اور صافہ (۳) یا غلام آزاد کرے۔ اور اگر ان تینوں صُورتوں میں سے کسی ایک پر بھی قدرت نہیں رکھتا تو پھر تین دن لگاتار روزہ رکھے۔

اَيْمَانِكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

اپنی قسموں کی ۱۶۲؎ اسی طرح کھول کر بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم شکریہ ادا کرو ۱۶۳؎

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ

اے ایمان والو! ۱۶۴؎ یہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر ۱۶۵؎

۱۶۲؎ یعنی اپنی قسموں کو مذاق نہ بنالو کہ ادھر قسم اٹھائی اُدھر توڑ دی۔ بلکہ جب قسم اٹھاؤ تو اُس کی پوری طرح پابندی کرو۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ زیادہ قسمیں نہ اٹھایا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم ان کی پابندی نہ کرسکو اور ان کو توڑنے پر مجبور ہو جاؤ۔

۱۶۳؎ پاک اور حلال لذتوں سے لطف اندوز ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ قسم توڑنے کی صورت میں کفارہ کا آسان طریقہ بتایا۔ ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ظاہری اور باطنی انعامات اور احسانات کا غیر منقطع سلسلہ جاری ہے جس پر شکر بجالانا ہم پر واجب ہے۔

۱۶۴؎ عرب میں شراب کا عام رواج تھا۔ گنتی کے چند آدمیوں کے علاوہ سب اس کے متوالے تھے شراب جو ان گنت جسمانی اور روحانی بیماریوں کا سبب، اخلاقی اور معاشی خرابیوں کی جڑ اور فتنہ و فساد کی علت ہے اسلام کے پاکیزہ نظامِ حیات میں اس کی کیونکر گنجائش ہو سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قطعی حرام کر دیا لیکن حرمت کا حکم آہستہ آہستہ اور تدریجاً نازل ہوا تاکہ لوگوں کو اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ چنانچہ سورۃ بقرہ میں تو اتنا کہنے پر اکتفا کیا گیا کہ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ اس کے کچھ عرصہ بعد یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى۔ کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھا کرو۔ یہ آیات اس آخری حکم کا پیش خیمہ تھیں۔ اگرچہ شراب کی حرمت کا صراحۃً ان میں ذکر نہ تھا لیکن کئی سلیم طبیعتوں نے اُس وقت ہی شراب چھوڑ دی تھی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بارگاہِ الٰہی میں اس کی قطعی حرمت کے لیے التجائیں کیا کرتے۔ عرض کرتے۔ اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَنَا بَيَانًا شَافِيًا۔ اس اثناء میں چند ایسے واقعات بھی رونما ہوئے جس سے شراب پینے کے مفاسد اور نقصانات کا صحابہ کرام کو زیادہ سے زیادہ احساس ہونے لگا۔ جب ایمان پختہ ہو گئے تعلیماتِ اسلامیہ قلب و روح کی گہرائیوں میں بس گئیں اور اللہ اور اس کے رسول کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی عادت فطرت بن گئی تو یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ حضور رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک خادم کو حکم دیا کہ مدینہ کے گلی کوچوں میں پھر کر بلند آواز سے ان آیات کا اعلان کرے۔ جب وہ منادی کرنے والا اعلان کرنے نکلا تو کئی جگہ شراب کی محفلیں آراستہ تھیں مے خوار جمع تھے۔ پیمانے گردش میں تھے۔ جونہی کان میں هَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ کی آواز پہنچی ہاتھوں پر رکھے ہوئے پیالے زمین پر پٹخ دیئے گئے۔ ہونٹوں سے لگے ہوئے جام خود بخود

الگ ہوگئے۔ جام وسبو توڑ دیئے گئے مشکوں اور مٹکوں میں بھری ہوئی مئے ناب اُنڈیل دی گئی۔ وُہ چیز جو انھیں از حد عزیز تھی اب گندے پانی کی طرح گلیوں میں بہہ رہی تھی۔ حیرت یہ ہے کہ اس کے بعد کسی صحابی نے شراب پینے کی خواہش کا اظہار تک نہ کیا۔ قرآن کی اثر آفرینی، حضورؐ کے فیضِ تربیت، صحابہ کرام کی کامل ترین اطاعت و فرمانبرداری اور اسلام کی انقلاب آفرین قوت کا یہ وُہ عدیم النظیر مظاہرہ ہے جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں۔ شراب کے زہریلے اثرات دیکھ کر یورپ وامریکہ کے ڈاکٹر اور دانشور لرزہ براندام ہیں۔ اِس مصیبت سے اپنی قوم کو چھٹکارا دلانے کے لیے بڑی بڑی مخلصانہ اور حکیمانہ کوششیں کی جارہی ہیں۔ حکومتِ امریکہ نے پُورے چودہ سال تک شراب کے خلاف زور شور سے جہاد جاری رکھا۔ اور اس جہاد میں نشر و اشاعت اور پروپیگنڈے کے جدید ترین اور قوی ترین وسائل اختیار کیے۔ اخبارات، رسالے، لیکچرز، تصاویر اور فلمیں سبھی شراب سے نفرت دلانے کے لیے برسرِ پیکار رہے۔ اِس عظیم مہم پر حکومت نے تقریباً چھ کروڑ ڈالر (ساٹھ کروڑ روپیہ) خرچ کیا۔ پچیس کروڑ پونڈ کا خسارہ برداشت کیا۔ تین سو افراد کو تختۂ دار پر لٹکایا گیا۔ پانچ لاکھ سے زیادہ اشخاص کو قید و بند کی سزائیں دیں۔ بھاری جرمانے کیے۔ بڑی بڑی جائدادیں ضبط کی گئیں لیکن یہ ساری چیزیں بیکار ثابت ہوئیں۔ آخر کار حکومت کو اپنی شکست فاش کا اعتراف کرنا پڑا اور اس نے شراب نوشی جس کے خلاف عرصہ دراز تک وُہ معرکہ آرا رہی تھی کو ۱۹۳۳ء میں قانوناً جائز قرار دے دیا"۔ (ماخوذ از ماذا خسر العالم)

والمیسر الخ۔ اسی طرح برطانیہ میں جو اس پر برائے نام پابندی تھی اسے بھی ۱۹۶۱ء میں واپس لے لیا گیا۔ اور اس کی بیخ کنی کے لیے ساری مساعی کے ناکام ہو جانے کے بعد اسے بھی قانونی طور پر سندِ جواز مل گئی۔ (ریڈرز ڈائجسٹ مئی ۱۹۶۴ء)

لیکن سب بے فائدہ، سب بے اثر، یہ اسلام کی قوتِ قاہرہ تھی جس نے اپنے ایک فرمان سے ساری قوم کو اِس بلائے بے درماں سے رہائی دلا دی۔

۱۶۵؎ یہاں چار چیزوں کا ذکر کیا جارہا ہے۔ خمر، میسر، انصاب اور ازلام۔ اگرچہ ان کے متعلق توضیحی نوٹ گزر چکے ہیں لیکن مختصراً یہاں بھی کچھ عرض کرنا مناسب ہے۔ خمر: كُلُّ شَرَابٍ مُسْكِرٍ وَهٰذِهِ التَّسْمِيَةُ لُغَوِيَّةٌ وَّشَرْعِيَّةٌ ہر مدہوش کر دینے والی شراب کو خمر کہتے ہیں۔ عصیر عنب سے اس کی تخصیص تعسف ہے کیونکہ مدینہ طیبہ میں جو شراب استعمال ہوتی تھی وُہ انگور، گندم، جَو، کھجور اور شہد سے کشید ہوا کرتی تھی۔ اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو کسی صحابی نے بھی یہ نہیں سمجھا کہ صرف انگوری شراب ہی حرام ہے حالانکہ وُہ اہلِ زبان تھے۔ میسر: مطلقاً جُوا کو کہتے ہیں خواہ اس کی صُورت کیسی ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ اَلشَّطْرَنْجُ مِنَ الْمَيْسِرِ کہ شطرنج بھی جُوا ہے۔ انصاب: ان پتھروں کو انصاب کہا جاتا تھا جو حرم میں کعبہ کے ارد گرد نصب تھے اور کفار ان کے لیے جانور ذبح کرتے اور ان کا خون ان پتھروں پر مل دیتے۔ ازلام: وُہ تیر جن کے ذریعہ فالیں نکالی جاتی تھیں نیز وُہ تیر جن کے ساتھ جُوا

رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّيۡطٰنِ فَاجۡتَنِبُوۡهُ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۝ اِنَّمَا

سب ناپاک ہیں ۱۶۶؎ شیطان کی کارستانیاں ہیں سو بچو ان سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ یہی تو

يُرِيۡدُ الشَّيۡطٰنُ اَنۡ يُّوۡقِعَ بَيۡنَكُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ فِى الۡخَمۡرِ

چاہتا ہے شیطان ۱۶۷؎ کہ ڈال دے تمھارے درمیان عداوت اور بغض شراب

کھیلا جاتا تھا۔ اس آیت میں مقصود تو شراب اور جوا کی حرمت قطعی بیان کرنا ہے لیکن انصاب اور ازلام کو ان کے ساتھ ذکر کر کے ان کی قباحت کو اور زیادہ عیاں کر دیا۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے شراب! تیرا ذکر تو جوئے اور انصاب و ازلام کے ساتھ ملا کر کیا گیا ہے بُعۡدًا لَّكِ وَسُحۡقًا! تیرا ستیاناس ہو۔ تیرا خانہ خراب ہو۔

۱۶۶؎ بدبودار، غلیظ اور گندی چیز کو رجس کہتے ہیں۔ يُقَالُ لِلنَّتۡنِ وَالۡعَذِرَةِ وَالۡاَقۡذَارِ رِجۡسٌ (قرطبی) مِنۡ عَمَلِ الشَّيۡطٰنِ کہہ کر یہ بتایا کہ یہ چیزیں اتنی غلیظ اور ناپاک ہیں کہ کوئی سلیم الفطرت انسان از خود ان کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ صرف شیطان کی وسوسہ اندازی ہی اسے ان قبیح حرکات کے ارتکاب کی رغبت دلا سکتی ہے۔

۱۶۷؎ شراب اور جوا کو حرام کرنے کی حکمت بیان فرمائی جا رہی ہے۔ اگرچہ ان کی خرابیاں بے حد و بے شمار ہیں اور وہ قومیں جو اس کو شیر مادر سمجھ کر پیا کرتی ہیں وہ بھی اگرچہ اس کو چھوڑ دینے سے عاجز ہیں لیکن ان خرابیوں اور نقصانات کا برملا اعتراف کرتی ہیں۔ قرآن کریم نے مختصر سے الفاظ میں ان کی دو مضر ترین خرابیوں کا ذکر کر کے ان کی قباحت کو روز روشن کی طرح واضح کر دیا۔ بتایا کہ شراب اور جوا کی حرمت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس سے عداوت اور دشمنی کی تخم ریزی ہوتی ہے۔ گہرے دوست ایک دوسرے کے خون کے پیاسے، سگے بھائی ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان نماز اور یاد الٰہی سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور بدنصیبی اور محرومی کیا ہو سکتی ہے کہ مؤذن اللہ کے حضور میں شرف باریابی حاصل کرنے کی دعوت دے رہا ہو اور کوئی اس وقت شراب کے نشہ میں مدہوش پڑا ہو یا جوا کی بازی جیتنے میں یوں کھویا ہوا ہو کہ اسے خبر تک نہ ہو کہ رحمت کی گھڑی آئی بھی اور گزر بھی گئی۔ اور جب شراب اور جوا کی حرمت کی یہ وجہ ہے کہ وہ یاد خدا سے غفلت کا سبب بنتے ہیں تو شطرنج اور تاش وغیرہ جب اپنے کھیلنے والوں کو اتنا منہمک کر دیں کہ نماز کی ہوش تک نہ رہے تو یہ کیوں حرام نہ ہوں گے فَاِنۡ كَانَتِ الۡخَمۡرُ اِنَّمَا حُرِّمَتۡ لِاَنَّهَا تُسۡكِرُ فَتَصُدُّ بِالۡاِسۡكَارِ عَنِ الصَّلٰوةِ فَلۡيُحَرَّمِ النَّرۡدُ وَالشَّطۡرَنۡجُ لِاَنَّهٗ يُغۡفِلُ وَيُلۡهِىۡ فَيَصُدُّ بِذٰلِكَ عَنِ الصَّلٰوةِ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ۔ (قرطبی)

وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾

اور جُوئے کے ذریعہ اور روک دے تمھیں یادِ الٰہی سے اور نماز سے تو کیا تم باز آنے والے ہو؟

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا

اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسُول (کریم) کی ۱۶۸؎ اور محتاط رہو اور اگر تم نے رُوگردانی کی تو خوب جان لو

اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

کہ ہمارے رسُول کا فرض تو بس پہنچا دینا ہے کھول کر (ہمارے احکام کو)۔ نہیں ان لوگوں پر ۱۶۹؎ جو ایمان لاتے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَ

نیک عمل کیے کوئی گناہ جو (اس حکم سے پہلے) وُہ کھا پی چکے جب کہ وُہ پہلے بھی ڈرتے تھے اور ایمان رکھتے تھے اور

۱۶۸؎ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُولِ مکرّم کی اطاعت کی پھر تاکید کر دی گئی اور نافرمانی سے روک دیا گیا تاکہ کوئی شخص کسی تاویل سے اس کی نافرمانی کی جرأت نہ کر سکے۔

۱۶۹؎ جب شراب وجوا کی حُرمت کے احکام نازل ہُوتے تو بعض صحابہ نے عرض کی۔ یارسُول اللہ! ہمارے وُہ مُسلمان بھائی جو اِس حکم سے پہلے اِنتقال کر گئے اور مختلف جنگوں میں شہادت پائی حالانکہ وُہ شراب پیا کرتے تھے ان کا کیا بنے گا؟ تو یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ اِس آیت میں اِتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا۔ اِتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا۔ اور اِتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا کے الفاظ کا تکرار بہت غور طلب اور معنی خیز ہے۔ علامہ بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ ان مکرّر الفاظ سے صحابہ کرام کی تین حالتوں یا ان کے تین مقامات کا ذِکر کیا جا رہا ہے۔ پہلے اِتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا سے ان کے تقویٰ و ایمان کی اس حالت کا بیان ہے جس کا تعلق ان کے اپنے قلب و رُوح کے ساتھ ہے۔ دُوسرے وَّاتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا سے اُن کے تقویٰ و ایمان کی اُس کیفیّت کا ذِکر ہے جو اُن کے اور دُوسرے لوگوں کے درمیان تھی۔ اور آخری اِتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا سے تقویٰ و اِحسان کی اُس حالت کی طرف اِشارہ ہے جو اُن کے اور ان کے رب کے درمیان تھی۔ یا پہلے ان کے اِبتدائی مقام کی طرف اِشارہ ہے۔ پھر ان کی درمیانی حالت کی طرف اور آخر میں ان کی اعلیٰ ترین کیفیّت کی طرف جب کہ عابد و معبُود، ساجد و مسجُود میں دُوری کے پردے اُٹھ جاتے ہیں اور نعمتِ مشاہدہ سے دِل کی آنکھیں روشن ہوتی ہیں۔ اِسی لیے آخر میں وَّاتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا فرمایا جب کہ اِنسان مقامِ اِحسان پر فائز ہوتا ہے۔ اور اِحسان کا مفہُوم حضُور نے فرمایا۔ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ۔ یعنی اِحسان اس کیفیّت کو کہتے ہیں جب کہ تو

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ

نیک عمل کیا کرتے تھے پھر (ان احکام کے بعد بھی) ڈرتے ہیں اور (جو اترا) اس پر ایمان رکھتے ہیں پھر بھی ڈرتے ہیں اور اچھے کام کرتے

الْمُحْسِنِيْنَ ۹۳ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ

ہیں اور اللہ محبت کرتا ہے ۱۷۰ اچھے کام کرنے والوں سے۔ اے ایمان والو! ضرور آزمائے گا تمھیں اللہ تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ

الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ

شکار سے ۱۷۱ پہنچ سکتے ہیں جس تک تمھارے ہاتھ اور تمھارے نیزے ۱۷۲ تاکہ پہچان کرا دے اللہ تعالیٰ اس کی جو ڈرتا ہے اس سے

فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۹۴ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

بن دیکھے پس جو شخص حد سے بڑھے گا اس (تنبیہ) کے بعد تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے اے ایمان والو!

لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا

نہ مارو شکار کو جب کہ تم احرام باندھے ہوئے ہو اور جو قتل کرے شکار کو تم میں سے جان بوجھ کر ۱۷۳

اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے یا حالتِ عبادت میں تم یہ سمجھ رہے ہو کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔

۱۷۰ یعنی وہ صحابہ کرام تقویٰ اور ایمان کی منزلیں طے کرتے کرتے جب مقامِ احسان پر فائز ہو گئے تو وہ خداوندِ عالم کے محبوب بن گئے۔ اب اُن سے ایسی چیزوں کی پرسش نہ ہوگی جن کی حرمت کا حکم اس وقت تک نازل نہ ہوا تھا۔

۱۷۱ عرب کے بادیہ نشین جانوروں اور پرندوں کا شکار کر کے گزر اوقات کیا کرتے تھے احرام کی حالت میں ان کا شکار سے باز رہنا کچھ کم صبر آزما نہ تھا۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ قدم قدم پر ہرنوں کی ٹولیاں اور پرندوں کے جھرمٹ دلوں کو للچا رہے ہوں۔ اس کی حقیقت کسی شکاری سے پوچھئے جس کے سامنے سے ہرنوں اور نیل گاؤں کا غول گزر رہا ہو اور وہ انھیں آسانی سے نشانہ بھی بنا سکتا ہو اور اس وقت اسے شکار کرنے سے روک دیا جائے تو اس کی کیا حالت ہوتی ہے۔ اس حکم سے مسلمانوں کا امتحان لیا جا رہا ہے کہ جب تم احرام باندھ لو تو کسی جانور یا پرندے کو شکار نہ کرو۔

۱۷۲ اس میں رسیاں، جال، تیر، بندوق، شکاری کتے غرضیکہ شکار کا ہر ذریعہ داخل ہے۔

۱۷۳ اگر کسی نے شکار پکڑ لیا تو اسے چھوڑ دے اور اگر اُسے مار ڈالا تو پھر اس کی سزا یہ ہے کہ اس طرح کا ایک جانور جس کی قیمت دو معتبر آدمیوں کے فیصلہ کے مطابق اس شکار کردہ جانور کے برابر ہو خریدے اور مکہ میں لا کر اسے ذبح کرے

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ

تو اُس کی جزا یہ ہے کہ اسی قسم کا جانور دے جو اس نے قتل کیا ہے فیصلہ کریں اس کا دو معتبر آدمی تم میں سے

هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا

درآں حالیکہ یہ قربانی کعبہ میں پہنچنے والی ہو یا کفارہ ادا کرے وُہ یہ کہ چند مسکینوں کو کھانا دے یا اس کے برابر روزے رکھے

لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ

تاکہ چکھے سزا اپنے کام کی۔ معاف فرمادیا اللہ تعالیٰ نے جو گزر چکا اور جو (اب) پھر گیا تو انتقام لے گا

اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ

اللہ تعالیٰ اس سے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے بدلہ لینے والا ہے حلال کیا گیا ہے تمھارے لیے دریائی شکار اور اس کا کھانا

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ

فائدہ اُٹھاؤ تم اور دُوسرے قافلے اور حرام کیا گیا ہے تم پر خشکی کا شکار جب تک تم

حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ

احرام باندھے ہوئے ہو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے پاس تم اکٹھے کیے جاؤ گے بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو ۱۷۴ے

یا اس جانور کی قیمت کا غلّہ لے کر غریبوں میں تقسیم کر دے یا جتنے غریبوں میں صدقۂ فطر کی مقدار سے وُہ غلّہ تقسیم ہو سکتا ہے اتنے روزے رکھے۔ احناف کے نزدیک قیمت میں مماثلت کافی ہے اور امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک شکل و صورت اور قد و قامت میں بھی مماثلت ضروری ہے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے سانپ، بچھو، چوہا، کوّا اور حداۃ کو مارنے کی اجازت فرمائی ہے۔

۱۷۴ے مکعب نما ہونے کی وجہ سے اس گھر کو کعبہ کہا گیا۔ حدُودِ حرم میں شکار کی ممانعت کرنے کے بعد اب بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح کعبہ اور اس کی حدُود جانوروں کے لیے امن گاہ ہیں اسی طرح کعبہ انسانوں کے حفظ و بقا کا بھی سبب ہے۔ قیام اصل میں قِوام تھا واؤ کا ماقبل مکسور تھا اس لیے اسے یاء سے بدل دیا گیا۔ وَالْمُرَادُ بِهٖ مَا يَقُوْمُ بِهٖ اَمْرُ النَّاسِ (المنار) کعبۂ مقدسہ تکوینی اور تشریعی دونوں لحاظ سے لوگوں کے حفظ و بقا کا ذریعہ ہے۔ تکوینی لحاظ سے تو اس طرح کہ

الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ

جو عزّت والا گھر ہے بقا کا باعث لوگوں کے لیے نیز حُرمت والے مہینوں کو ۱۷۵ اور حرم کی قربانی اور گلے میں پٹے پڑے

ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ

ہوئے جانوروں کو تاکہ تم خوب جان لو ۱۷۶ کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور یقیناً

اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ

اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا (بھی) ہے اور

اللہ تعالیٰ نے اس گھر کی عزّت وعظمت لوگوں کے دلوں میں ایسی مستحکم کردی ہے کہ اُس زمانہ میں جب کہ جزیرۂ عرب میں کوئی حکومت نہ تھی، کوئی قانون نہ تھا، کوئی دین نہ تھا اور قتل وغارت کی گرم بازاری تھی اُس وقت بھی یہاں کوئی کسی کو چھیڑتا نہیں تھا۔ باپ کا قاتل بھی اگر وہاں آجاتا تو اس کی طرف بھی بُری نظر سے نہ دیکھا جاتا۔ باوجود اِس کے کہ گرد ونواح کا علاقہ سب صحرا اور ریگستان تھا لیکن تجارتی قافلوں کی یہی منڈی تھی۔ عرب کے گوشہ گوشہ سے لوگ یہاں ہی جمع ہوتے اور کاروبار کرتے۔ یہ گویا حضرت ابراہیمؑ کی اس دُعا کی برکت تھی۔ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ۔ اور تشریعی طور پر اس طرح کہ حج وعمرہ کی عبادات یہاں ہی ادا کی جاتی ہیں۔ ہر مسلمان دُنیا کے کسی گوشہ میں ہو نماز کے وقت کعبہ کی طرف ہی رُخ کرکے کھڑا ہوتا ہے۔ حج کے موقع پر دُنیا کے کونہ کونہ سے کلمہ گو کھچے چلے آتے ہیں۔ علاّمہ عثمانی نے یہاں خوب لکھا ہے فرماتے ہیں "سب سے بڑی بات یہ ہے کہ علمِ الٰہی میں پہلے ہی مقدّر ہوچکا تھا کہ نوعِ انسانی کے لیے اِسی جگہ سے عالم گیر اور ابدی ہدایت کا چشمہ پھوٹے گا اور مصلحِ اعظم اور سیّدِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مولد ومسکنِ مبارک بننے کا شرف بھی سارے جہان میں سے اِسی خاکِ پاک کو حاصل ہوگا۔"

۱۷۵ حرمت والے مہینے بھی لوگوں کے حفظ وبقا کا سبب تھے۔ کیوں کہ انھیں چار مہینوں میں تجارتی قافلے بے خوف وخطر اِدھر اُدھر جاسکتے تھے۔ لوگ مطمئن ہوکر اپنے مقاصد کے لیے دُور دراز کے سفر کرسکتے تھے۔ خوف وہراس کے بادل جو ہر وقت اُفق پر منڈلاتے رہتے تھے وُہ بھی اِن مہینوں میں چھٹ جاتے تھے۔ اِنھیں دنوں میں لوگ حج وعمرہ کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوسکتے تھے۔ اِنھی وجوہ کے پیشِ نظر اِن حرمت والے مہینوں کو بھی قِيٰمًا لِّلنَّاسِ فرمایا گیا۔

۱۷۶ اِن چیزوں کو لوگوں کی حفظ وبقا کا باعث بنا دینا اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط کی دلیل ہے۔ کیونکہ عرب لُوٹ مار کے عادی تھے۔ حکومت اور قانون وہاں موجود نہ تھا۔ اگر کعبہ اور حُرمت والے مہینے بھی نہ ہوتے تو وہاں کی حالت اور خستہ ہوتی

اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ

اللہ تعالیٰ غفور رحیم (بھی) ہے نہیں (ہمارے) رسُول پر ۱۷۷؎ کوئی ذمہ داری سوائے پیغام پہنچانے کے اور اللہ جانتا ہے

وَ مَا تَکْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَ الطَّیِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَکَ کَثْرَۃُ

جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو چھپا رہے ہو۔ آپ فرما دیجئے نہیں برابر ہو سکتا ناپاک اور پاک ۱۷۸؎ اگرچہ حیرت میں ڈال دے تجھے

الْخَبِیْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ یٰۤاَیُّھَا

ناپاک کی کثرت سو ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اے عقل والو! تاکہ تم نجات پا جاؤ اے

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ ۚ وَ اِنْ

ایمان والو! ۱۷۹؎ مت پوچھا کرو ایسی باتیں کہ اگر ظاہر کی جائیں تمہارے لیے تو بُری لگیں تمہیں اور اگر

۱۷۷؎ یعنی میرے رسُول کا کام یہ ہے کہ تمہیں میرے احکام پہنچا دے اور خوب کھول کر سمجھا دے اور وُہ فرض اُس نے بہ ہزار حسن وخوبی انجام دے دیا۔ اب اگر تم ان کی تعمیل میں کوتاہی کرو گے تو اس کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔

۱۷۸؎ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبؐ کریم کو ارشاد فرماتا ہے کہ آپ اپنی اُمّت کو بتا دیجئے کہ کفّار کی جاہ وحشمت، مال و دولت اور تعداد کی کثرت اور اپنی غربت اور کمزوری کو دیکھ کر پریشان نہ ہوا کریں کیونکہ خبیث اور طیّب ایک ایسے نہیں ہو سکتے وُہ پلید ہیں تم پاک ہو خبیث اور طیّب سے مُراد حرام اور حلال، کافر اور مومن، عاصی اور مطیع سب ہو سکتے ہیں۔

۱۷۹؎ بعض لوگ حضور کریمؐ سے عجیب وغریب قسم کے سوالات پوچھا کرتے تھے۔ جن میں کوئی دینی اور دُنیوی فائدہ نہیں ہوا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ حضور ان سوالات سے کبیدہ خاطر ہوتے اور ایک روز منبر پر تشریف فرما ہو کر ارشاد فرمایا۔ لَا تَسْاَلُوْنِیَ الْیَوْمَ عَنْ شَیْءٍ اِلَّا بَیَّنْتُہٗ لَکُمْ۔ آج تم جس چیز کے متعلق مجھ سے دریافت کرو گے وُہ میں تمہیں بتاؤں گا۔ سب صحابہ کرام کے سر جھکے ہُوئے تھے اور زار وقطار رو رہے تھے اور کسی میں ہمّت نہ تھی کہ کوئی بات کر سکے اس وقت حضرت عبد اللہ بن حذافہ جن کی نسب کے متعلق لوگ طرح طرح کی چہ میگوئیاں کیا کرتے تھے اُٹھے اور عرض کی مَنْ اَبِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ۔ میرا باپ کون ہے۔ حضورؐ نے یہ نہیں کہا کہ مجھے کیا پتہ۔ مجھ سے تو کوئی فقہ کا مسئلہ دریافت کرو بلکہ اپنے خُداداد وسیع علم کا اظہار فرماتے ہُوئے جواب دیا کہ اَبُوْکَ حُذَافَۃُ۔ تیرا باپ حذافہ ہے۔ ان کی والدہ اپنے لڑکے کے اس سوال پر کانپ اُٹھیں اور کہنے لگیں۔ اے عبد اللہ! تجھ سے زیادہ نافرمان بھی کسی کا بیٹا ہو سکتا ہے۔ تُو تو مجھے برسرِ مجلس رُسوا کرنا چاہتا تھا۔ حضرت عبد اللہ کو اپنے محبوب نبیؐ کے علمِ خُداداد پر اتنا اعتماد تھا کہ فرمایا۔ اگر حضورؐ مجھے

تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ

پوچھوگے ان کے متعلق جب کہ اُتر رہا ہے قرآن تو ظاہر کر دی جائیں گی تمہارے لیے معاف کر دیا ہے اللہ نے ان کو۔ اور اللہ

غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا

بہت بخشنے والا بڑے حلم والا ہے تحقیق پوچھا تھا ان کے متعلق ایک قوم نے تم سے پہلے پھر وہ ہو گئے ان احکام کا

كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّ

اِنکار کرنے والے نہیں مقرر کیا اللہ تعالیٰ نے ۱۸۰؎ بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور

کسی حبشی غلام کا بیٹا کہہ دیتے تو مجھے انکار نہ ہوتا۔ اسی طرح بعض لوگ بال کی کھال نکالنے کے عادی تھے۔ حج کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تو ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا ہر سال حضورؐ خاموش رہے۔ اس نے مکرّر سہ کرر اپنا سوال دُہرایا۔ حضورؐ نے فرمایا، نہیں۔ اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر ہر سال حج فرض ہو جاتا۔ کیونکہ اس قسم کے سوالات مفید ہونے کے بجائے تکلیف اور مشقّت کا باعث بن سکتے تھے اس لیے ان سے منع فرما دیا۔ حضورؐ کا یہ ارشادِ گرامی بھی پیشِ نظر رہے۔ اِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوْهَا وَحَرَّمَ حُرُمَاتٍ فَلَا تَنْتَهِكُوْهَا وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَسَكَتَ عَنْ اَشْيَاءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْهَا۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرض مقرر کیے ہیں ان کو ضائع نہ کرو۔ بعض چیزوں کو حرام کر دیا ہے ان کی پردہ دری نہ کرو۔ اور بعض حدیں مقرر کر دی ہیں اُن کو مت توڑو۔ اور بعض چیزوں کے متعلق دانستہ سکوت فرمایا ہے ان کے متعلق بحث نہ کرو۔

۱۸۰؎ کسی چیز کو حلال یا حرام کرنے کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے یا اس کے اذن سے اس کے رسولؐ کو۔ اگر کوئی شخص اللہ اور رسولؐ کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام اور حرام کی ہوئی چیز کو حلال کرتا ہے تو وہ تشریع اور قانون سازی کا حق اپنے ہاتھ میں لے رہا ہے اور حقوقِ ربّانی میں مداخلت کرنے کا مجرم بن رہا ہے۔ اس آیت میں کفّار کی ایسی مداخلت کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ کہ جن جانوروں کا گوشت اور دُودھ اللہ تعالیٰ نے حلال کیا، اُن سے خدمت لینے، ان پر سواری کرنے، بوجھ لادنے کی اجازت بخشی، یہ کفّار اپنی من گھڑت تجویزوں سے ان کو اپنے اُوپر حرام کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے۔ حالانکہ یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہوتا ہے۔ جن جانوروں کو مشرکین اپنے اُوپر مختلف طریقوں سے حرام کر دیا کرتے تھے اُن کے نام مع تشریح درج ذیل ہیں:۔

۱۔ **بحیرہ**۔ اس کا لغوی معنی ہے کان چرا۔ وہ اُونٹنی جو پانچ بچے جنتی اور آخری بچہ نر ہوتا تو کان چیر کر اُسے چھوڑ دیتے۔ اس پر سواری کرنا، اس کا گوشت سب اپنے اُوپر حرام خیال کر لیتے۔

لَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ

نہ حام لیکن جنھوں نے کفر کیا وُہ تہمت لگاتے ہیں ۱۸۱ اللہ تعالیٰ پر جھوٹی اور اکثر ان میں سے

لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۱۰۳ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ

کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں اور جب کہا جاتا ہے انھیں کہ آؤ اس کی طرف جو نازل کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اور آؤ اس کے رسول

قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

کی طرف کہتے ہیں کافی ہے ہمیں جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو ۱۸۲ اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں ۱۸۳

۲۔ سائبة۔ اگر کوئی آدمی سفر پر جاتا یا بیمار ہوتا تو وُہ نذر مانتا کہ اگر میں خیریت سے گھر پہنچ گیا یا اِس بیماری سے صحتیاب ہوگیا تو میری یہ اُونٹنی سائبہ ہوگی۔ اور اس کا دُودھ، گوشت اور اس پر سواری بھی بحیرہ کی طرح حرام تصوّر کرتے۔

۳۔ وصیلة۔ ان کی بکری اگر بچی جنتی تو اُسے اپنے لیے رکھ لیتے اور بچہ جنتی تو وُہ ان کے بتوں کا ہوتا۔ اور اگر ایک شکم سے بچی بچہ دونوں جنتی تو پھر بھی بچی کو بچہ کے ساتھ مِلا کر بُتوں کی نذر کر دیتے۔ یہ بچی جو اپنے بھائی کے ساتھ مل کر بُتوں کی نذر ہوتی اس کو وصیلة کہتے۔ وَصَلَتِ الْاُنْثٰى اَخَاهَا۔

۴۔ حام۔ وُہ اُونٹ جس کی جفتی سے دس بچے پیدا ہوتے اس کی سواری وغیرہ بھی اپنے اُوپر حرام کر دیتے اور اُسے حام کہا جاتا۔ (بیضاوی) یہ سارے جانور وُہ اپنے بتوں کے لیے نذر کرتے اور ان سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا اپنے اُوپر حرام کر دیتے۔

۱۸۱ یہ رسُومِ بد تو ان کی من گھڑت ہیں لیکن نسبت ان کی اللہ تعالیٰ کی طرف کر دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہرگز یہ حکم نہیں دیا۔ بلکہ اس نے تو ان جانوروں کو پیدا ہی اِس لیے فرمایا ہے کہ اِنسان انھیں کھائے۔ اُن کا دُودھ پیئے۔ اُن پر سواری کرے اور اُن پر اپنا سامان وغیرہ لادے۔

۱۸۲ اگر ان لوگوں کو ان بیہودہ رسموں سے باز آنے اور قرآن و سُنّت کی اطاعت کے لیے کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہمیں تمھاری رہنمائی کی ضرورت نہیں ہم تو صرف اسی راہ پر گامزن رہیں گے جس پر ہمارے باپ دادا چلا کرتے تھے۔

۱۸۳ اگرچہ ان کے باپ دادا جاہل اور گمراہ ہی کیوں نہ ہوں یہ ان کی ہی تقلید کریں گے۔ معلوم ہوا کہ ایسے باپ دادا کی پیروی سے رد کا جا رہا ہے جو جاہل اور گمراہ ہوں۔ اِس آیت سے ائمہ مجتہدین اور اولیاء کاملین کی تقلید کی ممانعت نہیں۔ اور اس کی کھلی وجہ یہ ہے کہ ان کی تقلید عین اللہ اور اس کے رسُول ﷺ کی اطاعت ہے کیونکہ ان کی زندگیاں اسی اطاعتِ کاملہ کی زندہ تصویر ہوا کرتی ہیں۔

شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿١٠٤﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ

اور نہ ہدایت یافتہ ہوں (کیا پھر بھی وُہ انھیں کی پیروی کریں گے) اے ایمان والو! تم پر ۱۸۴؎ اپنی جانوں کا فکر لازمی ہے۔ نہیں نقصان پہنچا سکے گا

مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ

تمھیں جو گمراہ ہوا جب کہ تم ہدایت یافتہ ہو اللہ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے تم سب نے پھر وُہ آگاہ کرے گا

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ

تمھیں جو تم (اس دُنیا میں) کیا کرتے تھے اے ایمان والو! آپس میں تمھاری گواہی ۱۸۵؎ جب آ جائے

۱۸۴؎ کفّار کا عناد اور کفر پر ان کا اصرار دیکھ کر صحابہ کرام بہت رنجیدہ خاطر رہا کرتے تھے۔ ان کی تسلّی کے لیے یہ آیت نازل ہوئی کہ تم اپنی اصلاح اور سلامت روی کے ذمہ دار ہو۔ اگر تم راہِ راست پر ثابت قدم رہے تو کسی کی گمراہی تمھیں ضرر نہیں پہنچائے گی۔ ہر شخص اپنے اعمال کی جزا و سزا بھگتے گا لیکن اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ جب ہم خود نیکوکار اور صالح ہیں تو کسی کو نیکی کا حکم کرنا اور بُرائی سے روکنا ہم پر لازم نہیں۔ یہ خیال سراسر غلط ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس غلط فہمی کا پہلے ہی ازالہ فرما دیا تھا۔ آپ ایک روز خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے۔ حمد و ثنا کے بعد فرمایا: تم یہ آیت عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ الخ پڑھتے ہو اور اس کا غلط مفہوم ذہن میں رکھتے ہو۔ میں نے حضور کریم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا: اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوُا الْمُنْكَرَ وَلَمْ يُغَيِّرُوْهُ يُوْشِكُ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَنْ يَعُمَّهُمْ بِعِقَابِهٖ (سُنن اربعہ): لوگ جس وقت بُرائی کو دیکھیں اور پھر اس کو درست نہ کریں تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے۔

۱۸۵؎ ان تین آیتوں کو اعراب معنی اور حکم کے اعتبار سے مشکل ترین آیات شمار کیا گیا ہے۔ ان کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان سفر میں ہو اور اس کی موت کا وقت قریب آجائے تو دو معتبر مسلمانوں کو بُلا کر اپنے مال کی وصیّت کرے اور اگر اس وقت مسلمان نہ مل سکیں تو دو غیر مسلموں کو بُلا کر ہی اس کی وصیّت کر دے۔ اور جب وُہ وصی اس کے گھر پہنچیں اور وارثوں کو شک پڑ جائے کہ اُنھوں نے صحیح حالات نہیں بتائے تو نمازِ عصر کے بعد جب لوگ نماز سے فارغ ہو جائیں تو ان وصیوں کو بُلا کر قسم لی جائے کہ اُنھوں نے کسی قسم کی خیانت نہیں کی اور وصیّت کو صحیح طور پر بیان کر دیا ہے۔ کیونکہ وارث اس صُورت میں مدعی تھے لیکن ان کے پاس اِن وصیوں کے خلاف گواہ موجُود نہ تھے۔ اس لیے وصی جو منکر تھے ان سے قسم لی گئی لیکن اگر بعد میں ان کی خیانت پکڑی جائے اور ان کا جھُوٹ ظاہر ہو جائے تو پھر وارثوں میں سے دو آدمی قسم اُٹھائیں کہ پہلے وصیوں کا بیان غلط تھا اور جو ہم کہہ رہے ہیں وُہ زیادہ صحیح ہے۔ پھر ان وارثوں کی قسم کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ وُہ خاص واقعہ جس کے بارے میں یہ احکام نازل ہوئے اس کے ذکر سے مزید وضاحت ہو جائے گی اس لیے

أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ أَوْ اٰخَرٰنِ

کسی کو تم سے موت وصیّت کرتے وقت (یہ ہے کہ) دو معتبر شخص تم میں سے ہوں یا دو اور ۱۸۶

مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ

غیروں میں سے اگر تم سفر کر رہے ہو زمین میں پھر پہنچے تمھیں موت کی مصیبت

الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ إِنِ

روکو ان دو گواہوں کو ۱۸۷ نماز پڑھنے کے بعد تو وُہ قسم کھائیں اللہ کی اگر تمھیں

اس کا ذکر کرنا بھی مناسب ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بدیل نامی ایک مُسلمان دو عیسائیوں تمیم الداری اور عدی کے ہمراہ ملک شام میں تجارت کی غرض سے گئے۔ جب بدیل شام پہنچے تو اچانک بیمار ہو گئے۔ اور انھوں نے اپنے سامان کی فہرست لکھ کر سامان میں رکھ دی اور اپنے ساتھیوں کو اس کی اطلاع نہ دی جب ان کی حالت نازک ہو گئی تو انھوں نے اپنے دونوں ساتھیوں کو بُلا کر وصیّت کی کہ میرا سامان میرے گھر پہنچا دینا۔ چنانچہ ان کا انتقال ہو گیا۔ تمیم اور عدی نے ان کا سامان سنبھالا۔ اس میں ایک چاندی کا پیالہ تھا۔ جس پر سنہری نقش و نگار تھے۔ وُہ ان کو پسند آیا اور اسے نکال لیا۔ مدینہ واپس پہنچ کر بدیل کا سامان ان کے گھر پہنچا دیا۔ گھر والوں کو سامان کی وُہ فہرست مل گئی۔ جب سامان کو اس فہرست کے مطابق کیا گیا تو پیالہ مفقود تھا۔ ان سے دریافت کیا انھوں نے بے خبری کا اظہار کیا۔ چنانچہ بارگاہِ رسالت میں عرض کی گئی۔ حضوؐر نے عصر کی نماز کے بعد ان دونوں کو بلایا اور ان سے قسم لی۔ وہاں بھی انھوں نے قسم اُٹھالی۔ کچھ عرصہ بعد وُہ پیالہ مکّہ کے ایک سُنار کے پاس پایا گیا۔ اس نے بتایا کہ میں نے تو یہ پیالہ تمیم اور عدی سے ایک ہزار درہم میں خریدا ہے۔ چنانچہ پھر مقدمہ بارگاہِ رسالت میں پیش ہوا۔ اس آیت کے مطابق اس دفعہ بدیل کے وارثوں سے قسم لی گئی کہ یہ پیالہ بدیل کا ہے اُس نے فروخت نہیں کیا بلکہ عدی اور تمیم نے خیانت کی ہے۔ چنانچہ ان دونوں کے خلاف فیصلہ صادر ہوا۔ اور ان سے ہزار درہم لے کر بدیل کے وارثوں کو دیا گیا۔

۱۸۶ اس سے بعض فقہاء نے بوقتِ ضرورت غیر مُسلم کی شہادت مسلمان کے لیے جائز رکھی ہے۔ امام صاحبؒ کے نزدیک ذمی ذمی کے لیے شہادت دے سکتا ہے لیکن مسلمان کے لیے نہیں دے سکتا۔ آیت سے یہ مفہوم واضح طور پر مستفاد نہیں ہوتا۔

۱۸۷ ویسے تو ہر نماز کے بعد جائز ہے لیکن ظہر اور عصر کی نماز کے بعد بہتر ہے۔ کیونکہ اس وقت لوگوں کا اجتماع زیادہ ہوتا ہے۔

ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِیْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ

شک پڑ جائے (ان الفاظ سے) ۱۸۸ کہ ہم نہ خریدیں گے اس قسم کے عوض کوئی مال اور اگرچہ قریبی رشتہ دار ہی ہو اور ہم نہیں چھپائیں گے اللہ

اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤی اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا

کی گواہی (اگر ہم ایسا کریں) تو یقیناً ہم اس وقت گنہگاروں میں (شمار) ہوں گے۔ پھر اگر پتہ چلے کہ وہ دونوں گواہ سزاوار ہوئے ہیں کسی گناہ کے

فَاٰخَرٰنِ یَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِیْنَ اسْتَحَقَّ عَلَیْهِمُ الْاَوْلَیٰنِ

تو دو اور کھڑے ہو جائیں ان کی جگہ ان میں سے جن کا حق ضائع کیا ہے پہلے گواہوں نے اور (یہ نئے

فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَیْنَاۤ ۖ

دو گواہ) قسم اٹھائیں اللہ کی کہ ہماری گواہی زیادہ ٹھیک ہے ان دو کی گواہی سے اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا

اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ یَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰی

(اگر ہم ایسا کریں تو) بے شک اُس وقت ہم ظالموں میں شمار ہوں گے۔ یہ طریقہ زیادہ قریب ہے کہ گواہ دیا کریں گواہی ۱۸۹ جیسا کہ

وَجْهِهَاۤ اَوْ یَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَیْمَانٌۢ بَعْدَ اَیْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

چاہیئے یا خوف کریں اس بات کا کہ لوٹائی جائیں گی قسمیں (میت کے وارثوں کی طرف) ان کی قسموں کے بعد اور ڈرتے رہو

وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ

اللہ سے اور سنو اس کا حکم اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا فاسق قوم کو جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ

۱۸۸ شہادت لینے کی ضرورت تب ہوگی جب وارثوں کو شک ہو۔ ورنہ نہ مقدمہ ہوگا نہ شہادت و قسم کی ضرورت ہوگی۔

۱۸۹ یوں نماز کے بعد مجمع عام میں جب قسم لینے کا قانون ہوگا تو وصی بھی جھوٹ بولنے سے اجتناب کریں گے اور وارث بھی اللہ کے گھر میں اللہ کی مخلوق کے سامنے ناجائز مطالبہ نہیں کریں گے۔ دونوں کو علم ہوگا کہ ہمیں قسم اٹھانا ہے۔

الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ

تمام رسولوں کو پھر پوچھے گا (ان سے) کیا جواب ملا تھیں؟ ۱۹۰ عرض کریں گے کوئی علم نہیں ہمیں۔ بے شک تو ہی خوب

الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَ

جاننے والا ہے سب غیبوں کا۔ جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بن مریم! ۱۹۱ یاد کرو میرا انعام اپنے پر اور

عَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۫ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي

اپنی والدہ پر جب میں نے مدد فرمائی تمہاری روح القدس سے ۱۹۲ باتیں کرتا تھا تو لوگوں سے (جبکہ

الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ

تو ابھی) پنگوڑے میں تھا اور جب پکی عمر کو پہنچا۔ اور جب سکھائی میں نے تجھیں کتاب اور حکمت اور تورات

۱۹۰ بظاہر یہ شبہ گزرتا ہے کہ انبیاء نے جب دینِ حق کی دعوت دی تو بعض لوگوں نے اُسے قبول کیا بعض نے اُسے ردّ کر دیا اور اس کی مخالفت پر کمر باندھی۔ ان تمام واقعات کا انبیاء نے بچشمِ خود مشاہدہ کیا تھا۔ پھر ان کے اس جواب کا کیا مطلب کہ انھیں تو کچھ خبر نہیں کہ اُن کی اُمتوں نے اُنھیں کیا جواب دیا۔ امام المفسرین ابن جریرؒ نے اسی توجیہ کو صحیح اور بہترین فرمایا ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انبیاء نے اللہ تعالیٰ کے علم محیط اور کامل کے سامنے اپنے علم کو ہیچ سمجھتے ہوئے ازراہِ ادب و تعظیم اپنے علم کی سرے سے نفی کر دی۔ وَاَوْلَى الْاَقْوَالِ بِالصَّوَابِ قَوْلُ مَنْ قَالَ مَعْنَاهُ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا عِلْمٌ اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنَّا لَا اَنَّهُمْ نَفَوْا اَنْ يَكُوْنُوْا عَلِمُوْا مَا شَاهَدُوْا كَيْفَ يَجُوْزُ ذٰلِكَ وَهُوَ تَعَالٰى ذِكْرُهٗ يُخْبِرُ اَنَّهُمْ سَيَشْهَدُوْنَ عَلٰى تَبْلِيْغِهِمُ الرِّسَالَةَ۔ (ابن جریر صفحہ ۸۲ جلد ۷)

۱۹۱ پہلی آیت میں یہ بتایا گیا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ رسولوں سے دریافت فرمائے گا کہ ان کی امتوں نے انھیں کیا جواب دیا۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خاص ذکر کر کے ان کی اُمت کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اس دن کے طلوع ہونے سے پہلے تم اپنی اصلاح کر لو اور اس گستاخی سے تائب ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ کے لیے جورُو اور بیٹا مان کر تم نے کی۔

۱۹۲ اللہ تعالیٰ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ پر اپنے خاص احسانات اور انعامات کا ذکر فرما رہے ہیں۔ خطاب ابن مریم کے لفظ سے کیا تاکہ عیسائیوں کے اس عقیدہ کی جڑ کٹے جو آپ کو ابن اللہ مانتے ہیں۔ ان کی والدہ پر تو احسان یہ ہے کہ بچپن میں ہی حضرت زکریا علیہ السلام کی نگرانی اور تربیت کی نعمت سے سرفراز ہوئیں

وقف لازم

وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ

اور انجیل اور جب تو بناتا تھا ۱۹۳ کیچڑ سے پرندے کی سی صورت میرے اذن سے پھر پھونک مارتا تھا

فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ

اس میں تو وُہ (مٹی کا بے جان پتلہ) بن جاتا تھا پرندہ میرے اذن سے اور (جب) تو تندرست کر دیا کرتا تھا مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو

وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ

میرے اذن سے اور جب تو (زندہ کر کے) نکالا کرتا تھا مُردوں کو میرے اذن سے اور جب میں نے روک دیا تھا ۱۹۴ بنی اسرائیل کو تجھ سے جب

جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا

تو آیا تھا ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تو کہا جنھوں نے کفر کیا تھا ان سے کہ یہ سب (معجزات) نہیں ہیں مگر

سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَ

کھُلا ہُوا جادُو ۱۹۵ اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا ۱۹۶ کہ ایمان لاؤ میرے ساتھ اور

عبادت کے لیے وقف ہوگئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے انھیں عیسٰی جیسا فرزند عطا فرمایا۔ ان کے علاوہ اور بے شمار عنایات سے حضرت مریم کو ممتاز کیا گیا۔

۱۹۳ یہاں سے اُن احسانات اور انعامات کا ذکر شروع ہو رہا ہے جو حضرت عیسٰی علیہ السلام پر فرمائے گئے۔ ان تمام کے متعلق حواشی سورہ آلِ عمران میں گزر چکے ہیں (ملاحظہ ہو آیت ۴۹ آلِ عمران)

۱۹۴ بارہا یہود نے کوشش کی کہ حضرت مسیح کو قتل کر ڈالیں لیکن ہر بار اللہ تعالیٰ نے ان کی کوششوں کو ناکام بنا دیا۔ آخری مرتبہ جب اُنھوں نے رُومی حاکم سے آپ کو سُولی دے دینے کے احکام بھی لے لیے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو بچا لیا اور اپنی طرف آسمان پر اُٹھا لیا۔ جس کی تفصیلات سورہ النساء میں گزر چکی ہیں۔ (ملاحظہ ہوں آیات نمبر ۱۵۷ تا ۱۵۹۔ النساء)

۱۹۵ یہودی آپ کے روشن معجزات دیکھ کر ایمان لانے کے بجائے اُلٹا آپ کو جادوگر اور شعبدہ باز کہنے لگے۔

۱۹۶ وحی کے مختلف معانی کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔ اگر یہ حواری انبیاء تھے جیسے بعض علماء کا خیال ہے تو وحی سے مراد وُہ وحی ہوگی جو اللہ تعالیٰ انبیاء پر نازل فرماتا ہے اور اگر یہ نبی نہ ہوں تو وحی سے مُراد الہام اور القاء ہوگا۔ حواریون

بِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ

میرے رسول کے ساتھ انھوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (اے مولا!) تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں ۱۹۷ جب کہا تھا

الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ

حواریوں نے اے عیسیٰ بن مریم کیا یہ کر سکتا ہے ۱۹۸ تیرا رب کہ اُتارے

عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾

ہم پر ایک خوان آسمان سے (ان کی اس تجویز پر) عیسیٰ نے کہا ڈرو اللہ سے اگر تم مومن ہو ۱۹۹

قَالُوْا نُرِیْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ

حواریوں نے کہا ہم تو (بس) یہ چاہتے ہیں کہ ہم کھائیں اس سے اور مطمئن ہو جائیں ہمارے دل اور ہم جان لیں کہ آپ نے

جمع حواری کی۔ اس کا لغوی معنی سفید و براق رنگ والا ہے۔ ظاہر اور باطن میں جو مخلص دوست ہو اُس کو بھی حواری کہتے ہیں۔ خصوصاً انبیاء کے ممتاز اور جاں نثار دوستوں اور اطاعت گزاروں کو حواری کہا جاتا ہے۔ اَلْحَوَارِیُّ مَعْنَاہُ فِی اللُّغَةِ اَلْاَبْیَضُ النَّقِیُّ اللَّوْنِ وَیُقَالُ مَنْ اَخْلَصَ سِرًّا وَّجَهْرًا فِیْ مَوَدَّتِكَ قَالَ الزَّجَّاجُ اَلْحَوَارِیُّوْنَ خُلْصَانُ الْاَنْبِیَآءِ وَصَفْوَتُهُمْ۔

۱۹۷ اس سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کا دین جس کی وہ دعوت دیا کرتے تھے وہ اسلام ہی تھا۔ یہ کوئی نیا دین نہیں ہے جو پہلے دینوں سے الگ ہو بلکہ انھیں کی ایک کامل، توانا اور حسین صورت ہے۔

۱۹۸ کیونکہ وہ مسلمان تھے اِس لیے انھیں اِس میں تو شک نہ تھا کہ مائدہ نازل کرنے کی اللہ تعالیٰ قدرت رکھتا ہے یا نہیں۔ بلکہ وہ دریافت یہ کر رہے تھے کہ کیا اللہ تعالیٰ کی حکمت اور ارادہ اِس بات کا متقاضی ہے کہ وہ ہم پر مائدہ اُتارے۔ یعنی کوئی حکمت مائدہ کے نزول میں مانع تو نہیں۔ بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ یَسْتَطِیْعُ بمعنی یُطِیْعُ ہے۔ یعنی اگر آپ مائدہ کے نزول کی دعا کریں تو کیا اللہ تعالیٰ آپ کی یہ دعا قبول فرمائے گا۔

۱۹۹ عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے بنی اسرائیل کے چشم و چراغ تھے۔ نئی نئی تجویزیں پیش کرنا اور انھیں منوانا ان کا آبائی شعار تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو فرماتے ہیں کہ چھوڑو ان حجت بازیوں کو اور اپنے آپ کو امتحان میں نہ ڈالو۔ ایسا نہ ہو کہ اپنے بڑوں کی طرح تم بھی شکرِ نعمت سے قاصر رہو اور اس سزا کے مستحق ٹھہرو جو ناشکروں کے لیے مقرر ہے۔

صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

ہم سے سچ کہا تھا اور ہم ہو جائیں اس پر ۲۰۰ گواہی دینے والوں سے عرض کی عیسیٰ بن مریم نے

اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا

اے اللہ ہم سب کے پالنے والے اُتار ہم پر خوان ۲۰۱ آسمان سے بن جائے ہم سب کے لیے خوشی کا دن

لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

(یعنی) ہمارے اگلوں کے لیے بھی اور پچھلوں کے لیے بھی اور (ہو جائے) ایک نشانی تیری طرف سے ۲۰۲ اور رزق دے ہمیں اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے

۲۰۰ اپنے اس مطالبہ کی تائید میں جو وجوہات اُنھوں نے بیان کیں ان کا ذکر اس آیت میں فرمایا جا رہا ہے۔ وہ وجوہات یہ ہیں: (۱) تاکہ ہم اس سے اپنی بھوک کا علاج کریں۔ (۲) اس معجزہ کے مشاہدہ کے بعد ہمارے دلوں کو اطمینان نصیب ہوگا (۳) نیز ہمیں آپ کی صداقت کی بھی قوی دلیل مل جائے گی (۴) جب ہم ایسا معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو ہم اور لوگوں کو بھی بتائیں گے شاید ان سے بھی کوئی ہدایت قبول کرے۔

۲۰۱ اَللّٰھُمَّ اصل میں یَا اَللہ ہے۔ حرفِ ندا کی جگہ دو میم آخر میں بڑھا دیئے۔ دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے ایک اسمِ ذاتی اور دُوسرا اسمِ صفاتی ذِکر کیا۔ کیونکہ لفظ اللہ تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے۔ رحمت، بخشش، مغفرت سب اس کے ضمن میں آگئے۔ اور رَبَّنَا سے صفتِ ربُوبیّت کو مؤکّد کیا گیا کیونکہ جس چیز کے متعلّق سوال کیا جا رہا ہے اُس کا اِس صفت سے خصوصی تعلّق ہے۔ مَآئِدَۃ اس دسترخوان کو کہتے ہیں جس پر کھانا چنا ہوا ہو۔ اَلْمَآئِدَۃُ اَلْخِوَانُ الَّذِیْ عَلَیْہِ الطَّعَامُ (قرطبی) عید مطلق خوشی اور سرُور کے دِن کو کہتے ہیں۔ لِاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا سے مُراد یہ ہے کہ جو اس مائدہ کے نازل ہونے سے پہلے ایمان لا چکے اور جو بعد میں ایمان لائیں گے یہ سب کے لیے فرحت و شادمانی کا دن ہوگا۔ حضرت صدرالافاضل مُراد آبادی قدس سرہٗ نے یہاں خوب لکھا ہے فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ جس روز اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہو اس روز کو عید بنانا اور خوشیاں منانا، عبادتیں کرنا، شکرِ الٰہی بجا لانا طریقہ صالحین ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بزرگ ترین رحمت ہے۔ اِس لیے حضورؐ کی ولادتِ مبارکہ کے دن عید منانا اور میلاد شریف پڑھ کر شکرِ الٰہی بجا لانا اور اظہارِ فرح و سرُور کرنا مستحسن و محمود اور اللہ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔ (خزائن العرفان)

۲۰۲ تیری قدرت کی اور میری نبوّت کی۔

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ

فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ بلاشبہ میں اتارنے والا ہوں اسے تم پر ٢٠٣ پھر جس نے کفر اختیار کیا اس کے بعد تم سے تو بے شک میں عذاب

عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۱۵ وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ

دوں گا اسے ایسا عذاب کہ نہیں دوں گا کسی کو بھی اہل جہان سے ۔ اور جب پوچھے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بن

ع ١٥ ٧ ٥

مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ

مریم ٢٠٤ کیا تو نے کہا تھا لوگوں سے ٢٠٥ کہ بنالو مجھے اور میری ماں کو ٢٠٦ دو خدا اللہ کے

اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

سوا۔ وہ عرض کریں گے پاک ہے تو ہر شریک سے ٢٠٧ کیا مجال تھی میری کہ میں کہوں ایسی بات جس کا نہیں ہے مجھے کوئی حق۔ اگر میں نے

٢٠٣ بعض جلیل القدر تابعین، مجاہد اور حسن کی رائے تو یہ ہے کہ جب انھوں نے ناشکری پر سخت ترین عذاب کی دھمکی سنی تو اپنا مطالبہ واپس لے لیا لیکن جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ مائدہ بالفعل نازل ہوا۔ اس میں کون کون سے کھانے تھے؟ اس کی تفصیل کا نہ یقینی علم ہے اور نہ اس کے جاننے کی ضرورت۔ وَالْمَقْطُوْعُ بِهٖ اَنَّهَا نَزَلَتْ وَكَانَ عَلَیْهَا الطَّعَامُ یُؤْكَلُ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِتَعْیِیْنِهٖ۔ (قرطبی)

٢٠٤ جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ سوال جواب قیامت کے دن ہوگا۔ اس سے پہلی آیت یوم یجمع الخ اور بعد کی آیت یوم ینفع الخ اس کی مؤید ہیں۔

٢٠٥ سوال ہمیشہ اسی لیے نہیں کیا جاتا کہ سائل کو اس چیز کا علم نہیں اور وہ اس سوال سے غیر معلوم چیز کو جاننا چاہتا ہے بلکہ سوال دوسرے فوائد کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ یہاں اس استفسار سے مقصود یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے ان کروڑوں آدمیوں کو اپنی فحش غلطی پر آگاہ کیا جائے جس میں وہ مبتلا ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا شریکِ خدا یا فرزندِ خدا بنائے ہوئے ہیں۔

٢٠٦ مسیحی دنیا میں حضرت مریمؑ کی پرستش کوئی پوشیدہ امر نہیں۔ وہ ان کے قدِ آدم مجسمے بنا کر اپنے گرجاؤں کی محرابوں میں رکھتے ہیں اور تمام رسومِ پرستش بجا لاتے ہیں۔

٢٠٧ حضرت مسیحؑ کا جواب قابلِ غور ہے الزام آپ پر لگ رہا ہے کہ کیا آپ نے ایسا کہا۔ اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ اپنی صفائی میں لب کشائی نہیں کرتا بلکہ اپنے رب کی عظمت و پاکی کا اعلان کرتا ہے اور اپنی صفائی اپنے سب کچھ جاننے والے

قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ

کہی ہوتی ایسی بات تو تو ضرور جانتا اس کو۔ تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ

بے شک تو ہی خوب جاننے والا ہے تمام غیبوں کا نہیں کہا میں نے انھیں ۲۰۸ مگر وہی کچھ جس کا تو نے حکم دیا مجھے کہ

اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ ۚ وَ كُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ

عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے اور تھا میں ان پر ۲۰۹ گواہ جب تک میں رہا ان میں

خدا کے سپرد کر دیتا ہے یعنی اے میرے رب! تجھ سے کوئی بات مخفی نہیں۔ زمین و آسمان کے سب چھپے ہوئے اسرار تجھے معلوم ہیں میں کیا اپنی صفائی پیش کروں۔ تو جانتا ہے کہ میں نے یہ الفاظ ہرگز نہیں کہے۔ اور تیرا یہ بندہ جس پر ہر لحظہ تیرے کرم کی بارش ہو رہی ہے کیا اتنا ناشکر گزار بن سکتا ہے اور یہ جرأت کر سکتا ہے کہ ایسی بات کا مدّعی بنے جس کا اسے کوئی حق نہیں سبحان اللہ! کیا شان ہے بارگاہ خداوندی میں ادب و تعظیم کی۔

۲۰۸ یعنی میں نے تو انھیں وہی کچھ کہا جس کے کہنے کا تو نے مجھے حکم فرمایا۔ میں نے تو انھیں صاف صاف اور بار بار کہا تھا کہ تم صرف اس ربّ العزت کی عبادت کرنا جو میرا بھی مالک اور پروردگار ہے اور تمہارا بھی۔

۲۰۹ جب تک میں ان میں رہا اس وقت تک میں ان کی نگہبانی کرتا رہا اور جب تو نے مجھے آسمان پر اٹھا لیا تو تو ہی ان کا نگہبان تھا۔ یہاں بعض لوگوں نے تَوَفَّیْتَنِیْ کے لفظ سے حضرت عیسیٰؑ کی موت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ توفی کا حقیقی معنی مارنا نہیں بلکہ کسی چیز کو پوری طرح اپنے قبضہ میں لے لینا ہے۔ اَلتَّوَفِّیْ اَخْذُ الشَّیْءِ وَافِیًا: کسی چیز کو کامل طور پر اپنے قبضہ میں لے لینا۔ (بیضاوی) وَتَوَفَّاہُ اَیْ لَمْ یَدَعْ مِنْهُ شَیْئًا (تاج العروس) اور یہ لفظ موت کے معنی میں بطریق مجاز استعمال ہوتا ہے وَمِنَ الْمَجَازِ اَدْرَكَتْهُ الْوَفَاةُ اَیِ الْمَوْتُ (تاج العروس) چنانچہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ لفظ وفات قرآن میں تین طرح استعمال ہوا ہے۔ ۱۔ وفاتِ موت۔ ۲۔ وفاتِ نوم ۳۔ وفاتِ رفع پہلی وجہ کی مثال اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا یعنی اللہ تعالیٰ موت کے وقت نفسوں کو اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے۔ دوسری وجہ کی مثال وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ۔ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جو رات کو نیند کے وقت تمہارے نفسوں کو اپنے قبضہ میں لے لیتی ہے۔ تیسری وجہ کی مثال یٰعِیْسٰۤى اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ۔ اے عیسیٰ میں تمھیں زمین سے اٹھا کر اپنے قبضہ اور حفاظت میں لے لوں گا۔ قَالَ الْحَسَنُ اَلْوَفَاةُ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى ثَلٰثَةِ اَوْجُهٍ وَفَاةُ الْمَوْتِ وَوَفَاةُ النَّوْمِ وَوَفَاةُ الرَّفْعِ وَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى اَللّٰهُ یَتَوَفَّى

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

پھر جب تو نے مجھے اُٹھا لیا تو تو ہی نگران تھا ان پر اور تو ہر چیز کا مشاہدہ کرنے والا ہے اگر تو عذاب دے انھیں تو وہ ۲۱ بندے ہیں تیرے اور اگر تو بخش دے ان کو تو بلاشبہ تو ہی سب پر غالب ہے (اور) بڑا دانا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ ہے وہ دن جس میں فائدہ پہنچائے گا سچوں کو اُن کا سچ ان کے لیے باغات ہیں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں

اَلْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِاللَّيْلِ ۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يٰعِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ (قرطبی)

اب جب یہ لفظ ان متعدّد معانی میں مستعمل ہوتا ہے تو اس بات کا یقین کرنے کے لیے کہ کسی موقع پر ان متعدّد معانی سے کونسا معنی مُراد ہے دُوسرے قرائن کو دیکھنا ہوگا۔ اور اگر حدیث صحیح سے کوئی معنی متعیّن ہو جائے تو پھر دوسرے معانی کا احتمال ختم ہو جائے گا اور صرف وُہی معنی لیا جائے گا جو حضورؐ نے مقرر فرما دیا ہے۔ کیونکہ کتاب کے بیان کا حق اللہ تعالے نے اپنے رسُولؐ کو تفویض فرمایا ہے اس کے بعد کسی قیل وقال کی گنجائش نہیں رہتی۔ جب احادیث نبویہ میں یہ صراحت موجُود ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کو زندہ آسمان پر اُٹھا لیا گیا تو اب آیاتِ قرآنی کو اپنے اغراض واہواء کا لباس پہنانا سراسر بے دینی اور بے باکی ہے۔

نا۲۱ے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریمؐ نے یہ آیت پڑھی۔ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (اے میرے رب! جس نے میری فرمانبرداری کی وہ میرے گروہ سے ہوگا اور جس نے نافرمانی کی تو تو ہی عزّت وحکمت والا ہے) اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ الخ پھر حضورؐ زار و قطار رو پڑے اور عرض کی اَللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ۔ اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ کو حکم دیا کہ میرے محبوبؐ کے پاس جاؤ اور اس سے رونے کی وجہ پُوچھو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔ جبریلؑ حاضر ہوئے دریافت کیا تو رحمتِ عالمؐ نے اپنی اُمّت کی بخشش کے متعلق اندیشہ ظاہر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر جبریلؑ کو یہ پیغام دے کر اپنے محبوبؐ کے پاس بھیجا فَقَالَ اللّٰهُ يَا

اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ ؕ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰہِ

رہیں گے راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اللہ تعالیٰ سے۔ یہی ہے بڑی کامیابی ۲۱۱ اللہ ہی کے لیے ہے

مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا فِیۡہِنَّ ؕ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۲۰﴾

بادشاہی سب آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان میں ہے اور وہ ہر چیز پر ۲۱۲ پوری قدرت رکھنے والا ہے

ع ۱۶

جِبْرِیْلُ اِذْھَبْ اِلٰی مُحَمَّدٍ فَقُلْ اِنَّا سَنُرْضِیْکَ فِیْ اُمَّتِکَ وَلَا نَسُوْءُکَ (صحیح مسلم) کہ اے مصطفےٰ آپ رنجیدہ نہ ہوں، یقیناً ہم آپ کی اُمّت سے ایسا رحمت کا سلوک کریں گے جس سے آپ خوش ہو جائیں گے اور ان سے ایسا معاملہ نہ ہو گا جو آپ کو ناگوار گزرے۔ الحمد للہ جس نے ہم سیاہ کاروں کو ایسے کریم اور بےکس پرور نبی کی اُمّت ہونے کا شرف بخشا۔ صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم۔

۲۱۱ ابن حیان فرماتے ہیں کہ اللہ کی رضا ہی سب سے بڑی کامیابی ہے کیونکہ اس نعمتِ عظمٰی کے سامنے جنّت اور نعیمِ جنّت کی کیا وقعت ہے لِاَنَّ الْجَنَّۃَ بِمَا فِیْھَا کَالْعَدَمِ بِالنِّسْبَۃِ اِلٰی رِضْوَانِ اللّٰہِ۔ (بحر)

۲۱۲ یہ آخری آیت گویا اس سورۂ کریمہ کے سر پر زرّیں تاج ہے۔ سب شبہات کا ازالہ، سب گمراہیوں کا رد اور سب حقائق کا حاصل اور نچوڑ اس میں بیان فرما دیا۔ فرمایا زمین اور آسمان اور ان میں خاکی، ناری اور نوری، بےجان اور جاندار، بےشعور اور باشعور جو کچھ بھی ہے سب اللہ وحدہٗ لاشریک کی ملکیّت ہے۔ اس کے سوا اور کوئی خدا نہیں کوئی خدائی میں شریک نہیں۔ کوئی اس کا بیٹا نہیں۔ سب اس کے بندے اور اس کے حکم کے پابند ہیں۔ ہر چیز اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہ اگر کسی کو کوئی چیز نہ دے یا دے کر چھین لے تو کوئی دم نہیں مار سکتا۔ اور اپنے محبوبوں کو خصوصاً اپنے محبوب ترین بندے سیّد المرسلین کو جو دینا چاہے وہ دے دیتا ہے کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔

تعارف سُورۃ الانعام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِس سُورۃ پاک کا نام الاَنعام ہے۔ اِس کی آیتوں کی تعداد ایک سو پینسٹھ ١٦٥ اَور رکُوعوں کی تعداد بیس ٢٠ ہے کیونکہ اس میں انعام (مویشیوں) کی حِلّت و حُرمت کے متعلّق کفّار کے خیالاتِ فاسدہ کی تردید کی گئی ہے۔ اِس لیے سُورۃ کا نام الاَنعام رکھا گیا۔ اس کے کلمات کی تعداد تین ہزار ایک سو اَور حرُوف بارہ ہزار نو سو پینتیس ہیں۔

حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہما اَور دیگر صحابہ سے بسندِ صحیح ثابت ہے کہ یہ سُورۃ باستثناء چند آیات بیک وقت مکّہ مکرّمہ میں نازل ہُوئی۔

اِس کے سالِ نزُول کا تعیّن مشکل ہے لیکن مختلف قرائن اَور شواہد کے پیشِ نظر بعض محقّقین کا یہ خیال ہے کہ حضُور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی مکّی زندگی کے آخری حِصّہ میں ہجرت سے کچھ عرصہ پہلے یہ سُورت نازل ہوئی۔ مدینہ طیّبہ میں اِسلام کو یہُودیّت اَور عیسائیت سے واسطہ پڑا تھا۔ اِس لیے مدنی سُورتوں میں ان کے عقائد کی تردید، ان کے اطوار کا محاسبہ اور ان کی اِصلاح پر زیادہ توجّہ دی گئی لیکن مکّہ کا ماحول بالکل انوکھا تھا۔ یہاں کے لوگ نظریاتی اور اعتقادی لحاظ سے یکسر جُدا تھے۔ یہاں کی زندگی کی مشکلات اور مسائل نرالی قسم کے تھے۔ اِن حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی پر جو وحی نازل ہوئی اس میں اُنھیں مشکلات کا حل اور انھیں مسائل کا جواب پیش کیا گیا ہے۔ اِس لیے اِس سورۃ کریمہ کے مطالعہ سے پہلے اِس سورۃ کریمہ کی مندرجہ ذیل خصُوصیات کا ذہن نشین کر لینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

١۔ مکّہ کی تقریباً تمام تر آبادی مُشرک اَور بُت پرست تھی۔ اِن پتھر کے بُتوں اَور مٹی کی مُورتیوں کے متعلّق ان کا عقیدہ یہ تھا کہ وُہ بھی اِلٰہ (خُدا) ہیں۔ اِس بے سرو پا بات کے اظہار میں انھیں ذرا تامّل نہ تھا۔ بلکہ جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے انھیں بتایا کہ یہ بے جان اَور بے زبان مجسّمے خدا نہیں۔ خدا تو وُہ ذاتِ والاصفات ہے جو زمین و آسمان کا خالق ہے۔ ہر چیز پر قادر ہے اَور اس کے علم سے کائنات کا کوئی ذرّہ بھی مخفی نہیں۔ تاریک غار میں اندھیری رات میں ننھی سی چیونٹی کے رینگنے کی آواز کو بھی سُنتا ہے۔ تو یہ سُن کر وُہ حیران و ششدر ہو گئے اَور مارے حیرت کے کہہ اُٹھے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ۔ یہ تو بڑی عجیب و

غریب بات ہے۔ جب وُہ ان کو خُدا مانتے تھے تو ان کی عبادت بھی کیا کرتے تھے۔ خُدا سمجھتے ہُوئے اپنی مشکلات اور تکالیف میں انھیں کی طرف رجُوع بھی کیا کرتے۔ اپنی ضرُوریات اور حاجات کے لیے انھیں کے سامنے دستِ سوال بھی دراز کیا کرتے۔ وُہی ان کے مینہ برسانے والے، وُہی ان کو صحت دینے والے، وُہی اُن کو دُشمنوں پر غالب کرنے والے تھے۔ اس سُورۃ پاک میں ان کے اِس مُشرکانہ عقیدہ کی تردید کی گئی ہے۔ انھیں بتایا گیا کہ پتھر کے یہ بُت جو شکل وصُورت میں کسی سنگ تراش کے مرہُونِ مِنّت ہیں وُہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ خدُا تو وُہ ذات ہے جس نے کُنْ (ہوجا) فرمایا تو یہ عالمِ رنگ وبُو اپنی تمام دلآویزیوں اور عظمتوں کے ساتھ موجُود ہو گیا۔ جس کا عِلم اتنا ہمہ گیر ہے کہ ظاہر و باطن سب اس پر عیاں ہے۔ جس کے اختیارات غیر محدُود ہیں۔ وُہ جو چاہے، جتنا چاہے، جسے چاہے عطا فرمادے کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ اور جو چاہے جس وقت چاہے جس سے چاہے چھین لے کوئی دم نہیں مار سکتا۔ ساری کائنات نوُری و ناری، آبی اور خاکی سب کی سب بلا استثنا، اپنے وجُود، اپنی بقا، اپنی نشو و نما، اپنے تمام شئوُنِ حیات میں ہر لحظہ، ہر لمحہ اس کی نظرِ رحمت کی محتاج ہے اور اسے کسی کی حاجت نہیں۔ اس طرح اس سُورۃ میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ کمال کا ذکر کرکے ان کے مشرکانہ عقیدہ کی بے سروپائی کو طشت از بام کر دیا اور اس کی بُنیادوں کو اس طرح لرزا دیا کہ اگر بے جا ضد، بانیٔ اسلام سے بلا وجہ حسد اور عناد کے جذبات اس عمارت کو کچھ وقت تک سہارا نہ دیتے رہتے تو وُہ اُسی وقت پیوندِ خاک ہو جاتی۔

۲۔ **دلائلِ توحید**۔ قرآن اپنے پڑھنے اور سُننے والے کو فلسفہ کی بھُول بھلیّوں میں حواس باختہ اور اس کی ثقیل اور غیر مانوس اصطلاحوں سے مرعُوب نہیں کرتا بلکہ کائنات کی اس کھُلی ہُوئی کتاب میں غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ یہ سُورج، یہ چاند کس کی کبریائی کے شاہکار ہیں۔ زمین کی سطح پر لہلہاتے ہُوئے شاداب کھیت، رنگارنگ پھُول، قسم قسم کے پھل کس کی قدرت کی شہادت دے رہے ہیں۔ یہ گھنگھور گھٹائیں اور ان سے ٹپکنے والے حیات بخش قطرے کس کی رحمت کا مظہر ہیں؟ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کے۔ کون انکار کر سکتا ہے ان حقائق کا۔ یہی وُہ نورِ تاباں تھا جس کی تجلّیوں کے سامنے کُفرو شرک کی ظلمتوں کو کہیں پناہ نہ ملی۔

۳۔ **مُشرکین کا رویّہ**۔ اسلام، قرآن اور صاحبِ قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم سے مشرکین کی مخالفت کسی سنجیدگی اور متانت پر مبنی نہ تھی اور نہ قرآنی دلائل کے جواب میں ان کے پاس کوئی ایسی قوی دلیل تھی جس سے وُہ اپنے باطل عقائد کی حفاظت کر سکتے۔ ان کا سارا سرمایہ مذاق، تمسخر اور طرح طرح کی حجّت بازیاں تھیں۔ فرشتہ جو وحی لاتا ہے وُہ ہمیں نظر کیوں نہیں آتا۔ قرآن ایک مرتّب کتاب کی صوُرت میں کیوں نازل نہیں ہوا۔ اس یتیم اور بے یار و مددگار کو رسالت و نبوّت کے لیے کیوں منتخب کیا گیا۔ لو اور سُنو موت کے بعد نئی زندگی کا پرچار ہو رہا ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی ماننے کی بات ہے۔ بس اس قسم کے اُن کے اعتراضات تھے جنھیں وُہ بڑی شدّ و مد

سے پیش کیا کرتے۔ اِس سُورۃ میں ان کا ردّ کیا گیا ہے۔

۴۔ تسلّی و اطمینان۔ ایک طرف انتہائی خلوص، للّہیّت اور خیر اندیشی کے جذبات کے ساتھ نورِ حق کی طرف رہنمائی کی جارہی ہے۔ دُوسری طرف سے ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ اِس سے ہادیِ برحق کا دلِ رحیم بہت رنجیدہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو بار بار تسلّی دیتے ہیں کہ آپ رنجیدہ نہ ہوں۔ آپ سے پہلے بھی انبیاء آئے۔ اُنھیں ستایا گیا۔ اذیّتیں پہنچائی گئیں لیکن اُنھوں نے صبر کیا۔ یہی سُنّتِ الٰہی ہے۔ آپ کو بھی صبر سے اِس سرد مہری اور دِل آزاری کا سامنا کرنا ہوگا۔ حق و باطل کی آویزش، نور و ظلمت کی کشمکش کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی قُدرت سے بعید نہیں کہ وُہ چشم زدن میں سب کو اِسلام لانے پر مجبُور کر دے لیکن یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ ورنہ ابراہیمؑ اور نمرُود کی پہچان کیسے ہو۔ حسینؓ و یزید کا امتیاز کیونکر ہو۔

۵۔ مُشرکانہ رسُوم۔ سُورۃ کے آخری حصّہ میں مُشرکین کی اِن جاہلانہ رسموں کی تردید کی گئی ہے جو اُنھوں نے جانوروں کی حِلّت و حُرمت وغیرہ کے متعلّق مقرر کر رکھی تھیں۔ اور واضح طور پر بتا دیا کہ یہ تمہاری من گھڑت باتیں ہیں اللہ تعالےٰ کا یہ حکم نہیں۔

۶۔ رکوُع ۱۵ میں مکارمِ اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے اور اخلاقِ رذیلہ سے اپنے حکیمانہ انداز میں منع کیا گیا ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے اِس سُورۃ کے آخری رکوع میں اپنے محبُوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو حکم فرمایا ہے کہ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ تا وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ کا اعلان کریں۔ اِن دونوں آیتوں کا ترجمہ آپ بار بار پڑھیں اور غور کریں۔ آپ کا دِل پُکار اُٹھے گا کہ بخُدا یہی حاصِلِ اِسلام ہے، یہی رُوحِ توحید ہے۔

سورة الانعام مكية وهي مائة وخمس وستون آية وعشرون ركوعا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الانعام مکی ہے اس کی آیتیں ۱۶۵ اور رکوع ۲۰ ہیں — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں [1] جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور بنایا اندھیروں کو

وَ النُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ① هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ

اور نور کو پھر بھی [2] جنھوں نے کفر کیا وہ اپنے رب کے ساتھ (اَوروں کو) برابر ٹھیرا رہے ہیں [3] اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا

[1] ہر طرف گمراہی کا بھیانک اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اِنسان کا رشتہ اپنے خالق و پروردگار سے بالکل کٹ چکا تھا۔ کوئی سورج کا پجاری، کوئی ستاروں کا پرستار، کوئی پہاڑوں کی بلند چوٹیوں، بڑے بڑے دریاؤں اور اُونچے اُونچے درختوں کا عبادت گزار تھا۔ ہندوستان میں تینتیس کروڑ خداؤں کی خدائی کا ڈنکا بج رہا تھا۔ اِیران کے لالہ زاروں میں آتش کدے روشن تھے۔ رُستم و سُہراب کی سرزمین کے بہادر اور نڈر فرزند آگ کے شعلوں کی جناب میں سجدہ ریز تھے۔ مسیحی دُنیا میں ایک خدائے برتر و دانا کی جگہ باپ، بیٹا اور رُوح القدس تین خداؤں کی پرستش ہو رہی تھی۔ اور جزیرہ نمائے عرب کی تو حالت ہی نہ پُوچھیے۔ راہ چلتے کوئی پتھر پسند آگیا۔ اس کی تراش خراش کی اور اسے اپنی محرابِ عبادت کی زینت بنا دیا۔ اِس وقت اللہ تعالیٰ کے رسُول ؐ نے اعلان کیا کہ آسمان (عالمِ علوی) اور زمین (عالمِ سفلی) اندھیرا اور نور یہ سب مخلوق ہیں۔ اور اپنے وجُود، اپنی حیات، اپنی نشو و نما اور اپنی بقا میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ اَے شرفِ انسانیّت کے پاسبانو! اَے بحرِ علم و دانش کے غوّاصو اتم خود ہی بتاؤ کیا تمھیں یہ زیب دیتا ہے کہ اپنے خالق سے مُنہ موڑ کر مخلوق کے بندے بن جاؤ۔ غنی اور صمد کی جگہ محتاج اَور بے بس کی عبادت کرنے لگو۔ یہ ہر چیز حسین و جمیل سہی، پُرہیبت و پُرجلال سہی، مُفید اور نفع بخش سہی لیکن یہ حُسن و جمال، یہ ہیبت و جلال، یہ افادیّت اَور نفع رسانی اِن میں آئی کہاں سے؟ یہ اسی ذاتِ برتر و اعلیٰ کے فضل و کرم کی جلوہ طرازی ہے جس نے اُنھیں نیست سے ہست کیا۔ عدم سے موجُود کیا تو حمد و ستائش اسی کی ہونی چاہیے۔ ہر تعریف و توصیف کا وُہی مستحق ہے۔ اِس حقیقت کے پیشِ نظر اس سُورۃ پاک کا آغاز اِس آیتِ کریمہ سے فرمایا گیا۔ ذرا غور کیجیے اندازِ بیان کتنا ناصحانہ اَور مشفقانہ ہے کسی کی کج رَوی کا ذِکر کیے بغیر کسی کا نام تک لیے بغیر۔ اس مختصر سے جُملے سے شرک کی لاتعداد قسموں کا بطلان کر کے رکھ دیا جو مختلف اقوام میں رائج تھیں۔

[2] "ثم" حرفِ عطف ہے لیکن کوئی دُوسرا حرفِ عطف اِس کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ معنیٔ عطف پر دلالت کرنے کے ساتھ ساتھ کفّار کی نادانی اور ان کے عقیدہ کی قباحت کو بھی عیاں کر رہا ہے "ثم" دالة على قبح فعل الكافرين

مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۭ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ

تمھیں مٹی سے پھر مقرر کی ایک میعاد ۴ اور ایک میعاد مقرر ہے اللہ کے نزدیک ۵ پھر بھی تم

تَمْتَرُوْنَ ۝ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ

شک کر رہے ہو ٦ اور وُہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں ۷ وُہ جانتا ہے تمہارے بھید بھی اور

(قرطبی) مقصد یہ ہے کہ یہ جاننے کے باوجود کہ کائنات کی ہر بڑی اور چھوٹی چیز اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہُوئی ہے۔ پھر بھی یہ مخلوق اور محتاج چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھ رہے ہیں۔ کتنے نادان اور کتنے زیاں کار ہیں یہ لوگ۔

۳ اس کا معنی ہے اَیْ یَجْعَلُوْنَ لَهٗ عَدِیْلًا (مفردات) یعنی اپنے معبودانِ باطل کو خداوند تعالیٰ کا ہمسر اور اس کے برابر بنائے ہُوتے ہیں۔ وُہ کس طرح اُنھیں برابر و ہمسر بناتے تھے۔ اس کی وضاحت امام ابن جریرؒ نے ان الفاظ میں کی ہے۔ یعدلون: یجعلون له شریکا فی عبادتهم ایاه فیعبدون معه الالهة والانداد یعنی وُہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ اپنے باطل خداؤں کی بھی عبادت کیا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی غیر اللہ کی عبادت کرنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے برابر اور ہمسر یقین کیا جا رہا ہے۔

۴ یعنی جس کی قدرت نے ان خاک کے ذرّوں کو زندہ کیا اس کی حکمت جب متقاضی ہو گی تو عناصر کی یہ ہم آہنگی ختم ہو جائے گی اور یہ اعتدال درہم برہم ہو جائے گا اور موت کی بادِ سموم اس چراغِ زیست کو بجھا دے گی۔ اور اس کے علمِ ازلی میں یہ وقت مقرر ہو چکا ہے۔

۵ موت کا وقت مقرر کرنے کے علاوہ اس نے ایک اور میعاد بھی متعیّن فرما دی ہے یعنی قیامت کا دن۔ اور اس کا یقینی علم اسی کے پاس ہے کوئی دُوسرا اس کے بتائے بغیر اپنی عقل و فراست سے یا قیاس آرائیوں سے اس کو نہیں جان سکتا۔

٦ لفظ "ثُمَّ" یہاں بھی بعینہٖ اسی مفہوم کو ادا کرتا ہے جو پہلی آیت میں ادا کیا گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بے شمار دلائل دیکھنے کے بعد بھی تمھیں قیامت کا یقین نہیں۔ انسان اپنی غذا ہی کو دیکھے کس طرح وُہ زمین سے پیدا ہوتی ہے۔ کس طرح وُہ معدہ میں پہنچ کر ہضم کی مختلف کیفیات سے گزر کر جزوِ بدن بنتی ہے۔ اسی کا ایک حصّہ آنکھ کا نور، کانوں کی سماعت، زبان کی گویائی اور ایک حصّہ ہڈیوں کی سختی، اعصاب کی نرمی، دماغ کا ادراک، ہاتھوں کی گرفت وغیرہ بن جاتا ہے۔ جو ہستی اس باریک نظام کو چلا رہی ہے اس کے لیے خاک کے منتشر ذرّوں کو جمع کرنا کوئی مشکل نہیں۔ اس کی قدرت کے بے شمار دلائل کا مشاہدہ کرنے کے بعد پھر قیامت کا انکار کرنا کتنی نادانی اور کتنی قباحت ہے۔

۷ اس کی ترکیب غور طلب ہے۔ ابوعلی نے اس کی ترکیب یہ کی ہے کہ ھو ضمیر شان اللّٰہ مبتداء اور فی السموات والارض اپنے متعلق کے ساتھ مل کر خبر ہے (بحر)

جَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ

تمھاری کھلی باتیں بھی اور جانتا ہے جو تم کما رہے ہو ۷ اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی اپنے رب کی نشانیوں سے

رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ④ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۭ

مگر وُہ ہو جاتے ہیں اس سے مُنہ پھیرنے والے ۸ بے شک انھوں نے جھٹلایا حق کو جب وُہ آیا اُن کے پاس

اور زجاج کی رائے یہ ہے کہ ھو مبتدا۔ اللہ خبر اور فِی السَّمٰوٰتِ الخ اللہ سے متعلق ہے۔ یہاں بتلانا یہ مقصود ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز کا خالق، مالک، زندہ کرنے والا، مارنے والا، رزق دینے والا، تمام شؤون حیات اور امُورِ کائنات کی تدبیر کرنے والا صرف اللہ تعالےٰ ہے۔ اگر کوئی ایک صفت ذِکر کی جاتی تو دُوسری صفات نگاہوں سے اوجھل رہتیں۔ اِس لیے کسی اِسم صفت کے ذِکر کی بجائے اللہ جو علم ذاتی ہے اور تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے ذِکر کیا تاکہ قاری جب یہ آیت پڑھے تو لفظ اللہ جب اس کی زبان سے نِکلے تو تمام صفات الٰہیہ اس کی آنکھوں کے سامنے آجائیں۔ اور ہر صِفت کو ملحُوظ رکھتے ہُوئے وُہ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہے لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا عَلَم (اللہ) ظرف اور مجرور کا متعلق بن سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عَلَم جن معانی کو متضمن ہے ان کو پیشِ نظر رکھتے ہُوئے وُہ متعلق بن سکتا ہے۔ وان کان لفظ اللہ علما لان الظرف والمجرور قد یعمل فیھما العلم بما تضمنه من المعنی (بحر)

ابن عطیہ نے اِس توجیہ کو بہت پسند کیا ہے۔ قال ابن عطیہ وھذا عندی افضل الاقوال واکثرھا احرازا لفصاحة اللفظ وجزالة المعنی (بحر) یعنی ابنِ عطیہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ بہترین قول ہے لفظ کی فصاحت اور معنی کی عمدگی دونوں کا جامع ہے۔

ے ۷ پہلی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا بیان تھا۔ اِس آیت میں اس کے علمِ محیط کا ذِکر ہو رہا ہے یعنی وُہ اتنا ہمہ دان اور ہمہ بین ہے کہ کوئی چیز اس کے عِلم سے پنہاں نہیں۔ ہمارے دِلوں کے پوشیدہ اِحساسات ہماری زبانوں سے نِکلے ہُوئے کلمات اور ہمارے سب چھوٹے بڑے نیک و بد عمل اس کے احاطۂ علم میں ہیں۔ مشرک اقوام کو بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تو وُہ ہے جس کی قدرت بے پایاں اور جس کا علم محیط ہو۔ تمھارے معبُود نہ تو قادر و توانا ہیں نہ علیم و دانا۔ تو اے عقل کے دُشمنو! وُہ معبُود اور خُدا کیونکر ہو سکتے ہیں۔

ے ۸ ہر قسم کے حسّی اور معنوی معجزات جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم اسلام کی صداقت کے لیے ظاہر فرماتے ان میں وُہ غور و فکر نہیں کیا کرتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ وُہ ان معجزات کی اثر آفرین قوت سے ہراساں تھے۔ انھیں یہ پسند نہ تھا کہ جس تاریکی سے اُن کی آنکھیں مانوس ہو چکی ہیں وُہ اُجالے سے بدل جائے۔ ان میں یہ سکت بھی نہ تھی کہ ان دلائل کا

فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنْبَٰٓؤُا مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝٥ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ

سو اب آیا چاہتی ہیں ان کے پاس خبریں اس چیز کی جس کے ساتھ وُہ مذاق کیا کرتے تھے ۹ کیا نہیں دیکھا ۱۰

أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ مَّكَّنَّٰهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّن

اُنھوں نے کہ کتنی ہلاک کر دیں ہم نے ان سے پہلے قومیں جنھیں ہم نے (ایسا) تسلط دیا تھا زمین میں جو ہم نے تمھیں نہیں

لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا ٱلسَّمَآءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا وَجَعَلْنَا ٱلْأَنْهَٰرَ تَجْرِى

دیا اور ہم نے بھیجے بادل ان پر موسلا دھار برسنے والے اور ہم نے بنا دیں نہریں جو بہتی تھیں

مِن تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَٰهُم بِذُنُوبِهِمْ وَأَنشَأْنَا مِنۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا

ان کے (گھروں اور باغوں کے) نیچے سے پھر ہم نے ہلاک کر دیا انھیں بوجہ ان کے گناہوں کے اور پیدا کر دی ہم نے ان کے بعد ایک

جواب پیش کر سکیں اب ان کے پاس باطل سے چمٹے رہنے کا اس کے بغیر اور کوئی ذریعہ نہ تھا کہ وُہ غور و تامّل سے پہلو تہی کیا کریں۔

۹ے حق سے مُراد قرآن حکیم یا ذاتِ پاک مُصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء ہے یعنی القرآن وقیل محمّد علیہ السّلام (قرطبی) انباء جمع ہے نبأ کی۔ اس کا معنی ہے اہم اور اثر انگیز خبر النبأ الخبر الذی یعظم وقعہ (بحر) یہاں اس سے مُراد عذاب ہے۔ وُہ عذاب جو پے در پے شکستوں اور ناکامیوں کی صُورت میں دیا گیا اور وُہ عذاب جو آخرت میں انھیں دیا جائے گا۔ علّامہ ابی حیان الاُندلسی نے خوب لکھّا ہے۔ فرماتے ہیں یہاں کفّار کے تین مدارج کا ذکر ہے۔ جب آیات پیش کی گئیں تو اُنھوں نے منہ پھیر لیا۔ اِسی پر اکتفا نہ کی بلکہ ان کو جھٹلانا شروع کر دیا اور اس پر بھی بس نہ کی بلکہ ان کا مذاق اڑانے لگ گئے۔

۱۰ے مکّہ کے باشندے تجارت پیشہ تھے۔ ان کے تجارتی کارواں دُور دراز ملکوں میں جایا کرتے تھے۔ راستہ میں ان کا گزر کئی اُجڑی ہُوئی بستیوں، ویران کھنڈروں اور غیر آباد کنوؤں اور نہروں پر ہوتا تھا۔ جب اُنھوں نے دلائل توحید میں غور و فکر کرنے کے بجائے اُن کا مذاق اڑانا شروع کر دیا تو پہلی گمراہ قوموں کے ہولناک انجام کا ذِکر کر کے انھیں متنبّہ کیا جا رہا ہے کہ یہ عاد و ثمود کی ویران بستیاں جن کو تم بارہا دیکھ چکے ہو یہاں کے بسنے والے تم سے زیادہ خوشحال تھے۔ مال و دولت کی فراوانی تھی۔ وسیع و عریض خطّۂ زمین ان کے زیرِ نگیں تھا۔ ان کے مُلک میں ٹھنڈے اور میٹھے پانی کی نہروں کا جال بچھا ہوا تھا۔ ان کے کھیت سونا اُگل رہے تھے اور ان کے گھر رشکِ اِرم بنے ہُوئے تھے۔ لیکن جب انھوں نے بے راہ روی

اٰخَرِيْنَ ۞ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ

اور قوم ۱۱؎ اور اگر ہم اُتارتے ۱۲؎ آپ پر کتاب (لکھی ہوئی) کاغذ پر اور وُہ چھو بھی لیتے اس کو اپنے ہاتھوں سے

لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ

تب بھی کہتے جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے کہ نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا ہوا اور بولے کیوں نہ اتارا گیا ۱۳؎

عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۞ وَ

ان پر فرشتہ اور اگر ہم اُتارتے فرشتہ تو فیصلہ ہو گیا ہوتا ہر بات کا پھر نہ مہلت دی جاتی انھیں اور

اختیار کی اور اللہ تعالیٰ کی حدوں کو توڑنا شروع کر دیا تو قانون مکافات حرکت میں آیا اور وُہ اپنے گناہوں کی پاداش میں ایسے عذاب میں مُبتلا کر دیئے گئے جس نے ان کو نیست و نابُود کر دیا۔

۱۱؎ لیکن ان کی تباہی و بربادی سے بزمِ کائنات کی رونق میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ ان کا جانشین ہم نے دُوسری قوم کو بنا دیا جس نے اپنی راست بازی اور محنت و خلوص سے بازارِ ہستی کی رونق میں کئی گنا اضافہ کر دیا۔ اس میں ہمارے لیے بھی درسِ عبرت ہے۔ جب تک ہم احکامِ الٰہیہ کے پابند رہیں گے۔ جب تک ہماری تعمیری صلاحیتیں خدمتِ خلق میں مصرُوف رہیں گی۔ عزّت و اقتدار کی مسند کے ہم مالک ہوں گے اور جب ہم بھی طاؤس و رباب کے دلدادہ بن گئے تو پژمردہ پھولوں کی طرح ہمیں بھی باغ سے باہر پھینک دیا جائے گا۔

۱۲؎ کفّار کی ہٹ دھرمی اور عناد کا بیان ہو رہا ہے کہ اگر وُہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں کہ قرآن کاغذ میں لکھا لکھایا آسمان سے اُتر رہا ہے اور پھر وُہ اسے اپنے ہاتھوں سے ٹٹول کر تسلّی بھی کر لیں تب بھی وُہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ بلکہ اپنے انکار کے لیے اگر اُنھیں کوئی اور بہانہ نہ مل سکا تو یہی کہنے لگیں گے کہ یہ تو جادُو ہے۔ اللہ تعالیٰ دل کی آنکھ کو بے نُور نہ کر دے۔ ورنہ کوئی دلیل، کوئی معجزہ اور کوئی فہمائش اثر نہیں کرتی۔ خُوئے بدرا بہانہ ہا بسیار۔

۱۳؎ کفّار کی ایک اور فرمائش ملاحظہ ہو۔ کہنے لگے کہ ہم اس شرط پر ایمان لانے کے لیے تیار ہیں کہ آسمان سے ایک فرشتہ اُترے اور وُہ ہمیں بتائے کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسُول ہیں۔ اس کا جواب فرمایا کہ اگر تمہاری یہ شرط پُوری کر دی جائے تو تمہاری ہلاکت یقینی ہے۔ فرشتہ اگر اپنی اصلی صُورت میں نمودار ہو تو اس کی ہیبت و جلال سے تمہارا دم نکل جائے۔ نیز اگر تمہاری یہ فرمائش پُوری کر دی گئی۔ اور یہ کھلی دلیل دیکھ کر بھی تم نے ایمان لانے میں پس و پیش کی تو تم پر ایسا عذاب مسلّط کیا جائے گا جو تمہاری جڑوں کو بھی اُکھیڑ کر رکھ دے گا۔ اس لیے تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ تمہاری اس فرمائش کو پُورا نہ کیا جائے تاکہ مہلت کی ان گھڑیوں میں تمھیں غور و فکر کا بیش از بیش موقع مل سکے۔

لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝۹

اگر ہم بناتے نبی کسی فرشتہ کو تو بناتے اس کو انسان (کی شکل میں) تو (یوں) ہم مشتبہ کر دیتے ان پر جس شبہ میں وُہ اب ہیں ۱۴

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ

اور بلاشبہ مذاق اُڑایا گیا رسُولوں کا آپ سے پہلے ۱۵ پھر گھیر لیا اُنھیں جو مذاق اُڑاتے تھے رسُولوں کا

مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا

اس چیز نے جس کے ساتھ مذاق اڑایا کرتے تھے آپ فرمائیے سیر کرو زمین میں ۱۶ پھر دیکھو

ع ۱ / ۷

۱۴ مُنکرینِ حق کی نگاہیں فقط حضُور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی بشریّت تک ہی محدُود تھیں۔ وُہ نبوّت کے اِس آفتاب کو دیکھنے سے قاصر تھے جو دلِ انور کے مطلع پر ضوفشاں تھا۔ اِس لیے اُنھوں نے اپنے جیسا بشر سمجھ کر حضُورؐ کی نبوّت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر فرشتہ کو نبی بنا کر تمھاری ہدایت کے لیے بھیجا جاتا تو اس کی دو صُورتیں تھیں۔ یا تو وُہ اپنی مَلکی شکل میں مبعوث ہوتا یا انسانی لباس میں۔ پہلی صُورت میں اس کی ہیبت وجلال کی وجہ سے اس سے استفادہ ناممکن ہوتا۔ دُوسری صُورت میں پھر وہ انھیں شبہات میں مبتلا ہو جاتے جن میں اب مُبتلا ہیں۔

۱۵ اللہ تعالیٰ اپنے محبُوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو تسلّی دے رہے ہیں کہ یہ عناد، یہ انکار اور یہ مذاق وتمسخر جس سے آپ کو واسطہ پڑ رہا ہے کوئی نئی چیز نہیں۔ آپ سے پہلے بھی انبیا کے ساتھ منکرینِ حق کا یہی سلوک رہا ہے۔ وُہ بھی اِن گُستاخیوں اور بے ادبیوں کے باعث برباد کر دیئے گئے اور ان کا انجام بھی سُنّتِ الٰہیہ کے مطابق یہی ہو گا کہ نیست و نابُود کر دیئے جائیں گے۔

۱۶ قرآن حکیم نے بارہا زمین میں سیر وسیاحت کا حکم دیا ہے لیکن صرف تفریحِ طبع کے لیے نہیں بلکہ عبرت پذیری کے لیے۔ لہو ولعب کے لیے نہیں بلکہ علمی مقاصد اور تاریخی نتائج اخذ کرنے کے لیے تاکہ گزری ہوئی قوموں کے مسمار شدہ محلّات، باغات، قلعوں اور شہروں کو دیکھ کر ہم اپنی اصلاح کریں اور ہمیں وُہ روزِ بد نہ دیکھنا پڑے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی سزا میں اُنھیں دیکھنا پڑا تھا۔ اس نیت سے سیر وسیاحت کرنا باعثِ ثواب اور مُوجبِ رضاءِ الٰہی ہے۔ چنانچہ علامہ قرطبی نے صراحت کی ہے کہ ایسا سفر مستحب ہے جو گزری ہُوئی اُمّتوں اور اُجڑے ہُوئے شہروں کے آثار اور کھنڈرات دیکھ کر عبرت حاصل کرنے کے لیے کیا جاتے۔ هذا السفر مندوب اليه اذا كان على سبيل الاعتبار بآثار من خلا من الامم واهل الديار (القرطبی) یہاں بھی کفّار کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تم حق کو قبول کرنے سے انکار کر رہے ہو اور روشن دلائل کے باوجُود تم باطل سے چمٹے رہنے پر مُصر ہو ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ ان قوموں کا کتنا دردناک انجام

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١١﴾ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

کیسا ہُوا انجام (رسُولوں کو) جھٹلانے والوں کا آپ (ان سے) پُوچھئے کس کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے ١٧

قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

آپ (ہی انھیں) بتائیے (سب کچھ) اللہ ہی کا ہے اس نے لازم کرلیا ہے اپنے آپ پر رحمت فرمانا ١٨ یقیناً جمع کرے گا تمھیں قیامت کے دن

لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢﴾ وَلَهٗ

ذرا شک نہیں اس میں (مگر) جنھوں نے نقصان میں ڈال دیا ہے اپنے آپ کو تو وُہ نہیں ایمان لائیں گے ١٩ اور اسی کا ہے

ہُوا جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے رسُولوں کو جھٹلایا۔

١٧ قاعدہ یہ ہے کہ جب سوال کا جواب ایک ہی ہو اور جس سے سوال کیا جارہا ہے اُس کو بھی اس سے انکار نہ ہو تو سائل خود ہی جواب دے دیا کرتا ہے۔ اس سوال کے جواب میں کفّار کو بھی اختلاف نہ تھا اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی زبانِ مبارک سے جواب دلا دیا گیا۔

١٨ یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ ایسے نابکار لوگوں کو زندہ کیوں رہنے دیا جاتا ہے اُنھیں فوراً نیست و نابود کیوں نہیں کر دیا جاتا۔ اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مجبوری یا کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اپنے فضل و کرم سے رحمت کو اپنے اُوپر لازم کرلیا ہے۔ لوگ کتنی ہی نافرمانیاں کریں۔ اس کے ساتھ شریک ٹھیرائیں، اس کی ہستی کا ہی انکار کر دیں اُس کی رحمت کا وسیع دامن ان پر سایہ فگن رہتا ہے اور ان کی زندگی کی جو میعاد مقرر کی گئی ہے اُس وقت تک انھیں زندہ رہنے کے وسائل بہم پہنچاتے جاتے ہیں۔ سُورج، بارش، ہوا وغیرہ مومن و کافر، متقی و فاسق سب کے لیے ایک ہی حیات آفرین تاثیر رکھتے ہیں۔ ان الفاظ سے کفّار کو ایمان لانے کی ترغیب دلانا بھی مقصود ہے یعنی اپنی سابقہ بداعمالیوں کی وجہ سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ اگر اب بھی تم سچّے دل سے توبہ کرلو تو تمھیں دامنِ رحمت میں پناہ مل جائے گی۔

١٩ یہاں خسارہ سے مُراد اس قیمتی استعداد کو ضائع کرنا ہے جو حق اور باطل میں فرق کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ کفّار جاننے بُوجھنے کے باوجود حق کو قبول کرنے سے گریزاں تھے جس سے ان کی وُہ استعداد ضائع ہوگئی۔ اس کے بعد ان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وُہ ایمان لے آئیں گے۔

مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ

جو بس رہا ہے رات میں اور دن میں ۲۰؎ اور وُہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ آپ فرمایئے کیا ۲۱؎ بغیر

اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ

اللہ تعالیٰ کے کسی کو (اپنا) معبود بناؤں (وُہ اللہ جو) پیدا فرمانے والا ہے آسمانوں کو اور زمین کو اور وُہ (سب کو) کھلاتا ہے اور خود نہیں کھلایا جاتا ۲۲؎

قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

فرمایئے بے شک ۲۳؎ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ہو جاؤں سب سے پہلے سر جھکانے والا ۲۴؎ (نیز یہ حکم دیا گیا ہے کہ) ہرگز نہ بننا

۲۰؎ زمین اور آسمان ظرفِ مکان ہیں اور رات اور دن ظرفِ زمان۔ پہلے بتایا کہ بلندی اور پستی میں جو کچھ ہے وُہ سب اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اب بتایا کہ زمانے کے پیمانے میں جو کچھ ہے وُہ بھی اسی کی ملکیّت ہے۔ تو جب سب زمانیات اور مکانیات اسی کی پیدا کردہ ہیں اور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں تو پھر ان میں سے کوئی انسان، کوئی پتھر یا کوئی اور چیز کیونکر معبود بن سکتی ہے۔

۲۱؎ کفّار حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور کہنے لگے کہ آپ ہیں نادار اور تنگ دست مال و دولت جمع کرنے کے لیے آپ نے نبوّت کا سلسلہ چلا رکھا ہے جس سے ہر گھر میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اُٹھی ہے۔ اس لیے آپ جتنی دولت مانگیں ہم آپ کے قدموں میں ڈھیر کرنے کے لیے تیار ہیں۔ آپ اپنے نئے دین کی تبلیغ بند کر دیجیے اور جس طرح ہمارے اسلاف ان بتوں کی پوجا کرتے چلے آئے ہیں آپ بھی انھیں کی پرستش کیا کریں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ لغتِ عرب میں "ولی" کے بے شمار معنی ہیں۔ یہاں اس سے مُراد معبُود ہے۔ والمراد بالولی المعبود (بیضاوی) ولی سے مُراد یہاں معبُود ہے۔ جس کی عبادت کی جائے۔ والمراد بالولی المعبود لانه رد لمن دعاه صلی اللہ علیہ وسلم (رُوح المعانی)

۲۲؎ یعنی معبود تو وُہ ہو سکتا ہے جو کسی کا محتاج نہ ہو اور ہر چیز اس کی محتاج ہو۔ تمھارے یہ بنائے ہُوئے معبود اور خدا تو سراپا احتیاج ہی احتیاج ہیں۔ ہاں میرا معبود جو زمین و آسمان کا خالق ہے وُہی وُہ معبُودِ برحق ہے جو ہر محتاج کی حاجت روائی فرماتا ہے ہر چیز کو رزق پہنچاتا ہے۔ اور خود کسی چیز کا محتاج نہیں۔ نہ کھانے کا نہ پینے کا۔ نہ کسی اور چیز کا۔ اب تم خود انصاف کرو کہ معبُودِ حقیقی کون ہے؟

۲۳؎ اے کفّار! تم مجھے کیا لالچ دینے آئے ہو۔ مجھے تو اپنے رب کا یہ حکم ہے کہ میں سب سے پہلے اُس کی اُلوہیّت، اُس کی کبریائی اور اُس کی عظمت و جلال کے سامنے سرِ تسلیم خم کروں اور شرک کی آلودگیوں سے اپنا دامن بچانے کی مجھے تاکید

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ

شرک کرنے والوں سے آپ فرمائیے میں ڈرتا ہوں ۲۵ اگر میں نافرمانی کروں اپنے رب کی بڑے دن کے

عَظِیْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ

عذاب سے وہ شخص ٹال دیا گیا عذاب ۲۶ جس سے اس روز تو یقیناً رحم فرمایا اللہ نے اس پر اور یہی کھلی کامیابی

کی گئی ہے۔ اس لیے میں اپنے رب کے حکم سے سرتابی کر کے کیونکر تمہارے کہنے سے ان باطل خداؤں کی پرستش شروع کر سکتا ہوں۔

۲۴ جس دین کی دعوت دینے کے لیے حضور مبعوث ہوئے تھے اس کو سب سے پہلے قبول کرنے والے بھی حضورؐ ہی تھے اس لیے فرمایا کہ تمام اُمت سے پہلے مجھے اپنے رب کی وحدانیت اور الوہیت پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں صاحب روح المعانی کا ایک روح پرور اور ایمان افروز اقتباس بمعہ ترجمہ ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں:-

فاول روح ركضت فى ميدان الخضوع والانقياد والمحبة روح نبينا صلى الله عليه وسلم وقد اسلم نفسه لمولاه بلا واسطة وكل اخوانه الانبياء عليهم الصلوٰة والسلام فى عالم الارواح انما اسلموا انفسهم بواسطته عليه الصلوٰة والسلام فهو صلى الله عليه وسلم المرسل الى الانبياء والمرسلين عليهم الصلوٰة والسلام فى عالم الارواح وكلهم امته (روح المعانی)

ترجمہ:- عاجزی، فرماں برداری اور محبت کے میدان میں سب سے پہلے جو روح سجدہ ریز ہوئی وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی روح مبارک تھی۔ اور حضورؐ نے بلاواسطہ اپنے مولائے کریم کے سامنے سرِ عبودیت جھکایا۔ اور تمام نبیوں اور رسولوں نے حضورؐ کے واسطہ سے۔ پس حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم تمام انبیاء و رسل کے بھی رسول ہیں اور سب حضورؐ کے اُمتی ہیں۔

۲۵ اگر میں سرِ مو بھی حکم خداوندی سے انحراف کروں تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤں۔

۲۶ یعنی مجھے دولت کی آرزو نہیں اور نہ دولت و عزت میرے نزدیک کامیابی کا کوئی معیار ہے۔ کامیاب و کامران تو وہ ہے جس کو قیامت کے دن عذابِ الٰہی سے نجات مل گئی۔ حضورؐ کی اُمت کو بھی یہ حقیقت ہر لمحہ پیشِ نظر رکھنی چاہیے اور قیامت کی کامیابی کے لیے کوشاں رہنا چاہیے۔

الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ

اور اگر پہنچائے تجھے اللہ تعالیٰ کوئی دُکھ تو نہیں کوئی دُور کرنے والا اس دُکھ کو سوائے اس کے ۲۷ اور

اِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ

اگر پہنچائے تجھے کوئی بھلائی (اس کو کوئی روک نہیں سکتا) وُہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور وُہ غالب ہے

فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ

اپنے بندوں پر ۲۸ اور وُہ بڑا دانا، ہر چیز سے خبردار ہے آپ پُوچھئے کون سی چیز بڑی معتبر ہے گواہی کے لحاظ سے ۲۹

۲۷ تکلیف اور راحت، بیماری اور صحت، ناکامی اور کامیابی، ذلّت اور عزت سب اللہ تعالیٰ وحدہٗ کے دستِ قدرت میں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو فقر، مرض یا قرض میں مُبتلا کر دے تو کسی کے بس میں نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور مرضی کے بغیر ان مصائب سے اسے نجات دے دے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کسی پر اپنا فضل وکرم فرمائے اور اسے اپنے انعامات سے سرفراز فرمادے تو کسی کی طاقت نہیں کہ اس سے چھین لے۔ وُہی مالکِ حقیقی ہے۔ وُہی قادرِ مطلق ہے۔ اُس کے اذن کے بغیر کوئی پتّہ، کوئی ذرّہ اور کوئی قطرہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر سکتا۔ مشرک قوموں نے نیکی، بدی، بارش، فتح، دولت اور علم وغیرہ کے لیے الگ الگ خُدا بنائے ہُوئے تھے ان سب کے خیالاتِ فاسدہ کی تردید فرمادی۔

۲۸ قہر کا معنی غلبہ ہے یعنی وُہ اپنے تمام بندوں پر غالب ہے۔ کوئی ایسا نہیں جو اس پر غالب ہو اور اُس کی مرضی کے خلاف جو چاہے کرتا پھرے۔ سب بندے اس کے حکم کے سامنے سرافگندہ ہیں۔ ای هم تحت تسخيره لا فوقية مكان (القرطبی) فوقیت سے فوقیت مکانی مُراد نہیں بلکہ کسی پر غالب آنا، غلبہ پانا۔

۲۹ کفّارِ مکّہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم سے دریافت کیا کہ آپ جو نبوّت کا دعویٰ کر رہے ہیں اسے کیونکر تسلیم کیا جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو نبی بنانا ہی تھا تو اسے آپ کے بغیر کوئی دُوسرا نہ مل سکا۔ آپ اپنے دعوے کی صداقت پر کوئی گواہ پیش کیجئے۔ ہم نے تو یہود و نصاریٰ سے بھی آپ کی نبوّت کے متعلق دریافت کیا ہے اور اُنھوں نے واضح الفاظ میں ہمیں بتایا ہے کہ ان کی آسمانی کتابوں میں آپ کی نبوّت کا ذکر تک نہیں۔ ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہُوئی۔ جس میں آپ کو فرمایا گیا کہ آپ اُنھیں کہیئے کہ میری نبوّت کا گواہ خود رب العالمین ہے۔ کیا اس سے سچّا اور زیادہ معتبر کوئی اور گواہ بھی ہو سکتا ہے جب خود اللہ تعالیٰ میری نبوّت اور صداقت کا گواہ ہے تو مجھے کسی اور گواہ کی ضرورت کیا ہے؟

قُلِ اللّٰهُ ۚ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ وَأُوحِيَ إِلَيَّ هٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ

آپ ہی بتائیے اللہ وہی گواہ ہے میرے درمیان اور تمہارے درمیان اور وحی کیا گیا ہے میری طرف یہ قرآن ۳۰ تاکہ میں ڈراؤں تمہیں

بِهِ وَمَنْ بَلَغَ ۚ أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ أَنَّ مَعَ اللّٰهِ آلِهَةً أُخْرَىٰ ۚ قُلْ

اس کے ساتھ اور (ڈراؤں) اسے جس تک یہ پہنچے۔ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خدا اور بھی ہیں؟ ۳۱ آپ فرمائیے

لَا أَشْهَدُ ۚ قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلٰهٌ وَاحِدٌ وَإِنَّنِي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ ﴿١٩﴾

میں تو (ایسی جھوٹی) گواہی نہیں دیتا آپ فرمائیے وہ تو صرف ایک خدا ہی ہے اور بے شک میں بیزار ہوں ان (بتوں) سے جنھیں تم شریک ٹھیراتے ہو

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمُ ۘ الَّذِينَ

جنھیں ہم نے دی ہے کتاب وہ پہچانتے ہیں اس نبی کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو ۳۲ جنھوں نے

۳۰ے اصل میں ہے مَنْ بَلَغَهُ الْقُرْآن۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کی نبوّت و رسالت صرف اس زمانہ کے لوگوں تک محدود نہ تھی بلکہ جب تک اور جہاں تک قرآن کی آواز پہنچے گی حضورؐ سب کے نبی ہیں۔ سب پر فرض ہے کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم پر ایمان لائیں۔

۳۱ے اگر تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کے خدا اور معبود بننے کی گواہی دو تو میں ایسی لچر اور بے ہودہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں۔ خدا تو وہی ایک ذات ہے جس کی قدرت، علم، کبریائی، بے نیازی اور غلبہ کا ذکر تم اتنی دیر سے سن رہے ہو۔ میں تو صرف اسی ایک خدا کو اپنا معبود اور الٰہ یقین کرتا ہوں۔ باقی رہے تمہارے بے بس، محتاج اور بے مصرف دیوی دیوتا۔ تو میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ کان کھول کر سن لو میں ان سے بری ہوں۔

۳۲ے اوپر گزرا ہے کہ اہلِ مکّہ نے اہلِ کتاب سے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے آپ کے متعلق اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس آیت میں ان کا ردّ ہے کہ ان کا انکار لاعلمی کی وجہ سے نہیں بلکہ محض ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے ہے ورنہ وہ ہمارے نبی کو یوں پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں۔ ہجرت کے بعد حضرت عمرؓ نے اس آیت کے متعلق حضرت عبداللہ بن سلام سے پوچھا کہ تم حضورؐ کو کیسے پہچانتے تھے تو انھوں نے جواب دیا کہ حضورؐ کے اوصاف و کمالات اور علامات و نشانات اتنی وضاحت سے ہماری کتابوں میں مرقوم ہیں کہ جب ہم نے حضورؐ کو دیکھا تو یوں پہچان لیا جیسے ہم اپنے بچوں کو پہچان لیتے ہیں۔ آخر میں حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ بخدا میں تو اپنے بچے سے بھی زیادہ حضورؐ کو پہچانتا ہوں۔ کیونکہ مجھے اپنے بچے کی ماں پر اتنا اعتماد نہیں جتنا اللہ کی بتائی ہوئی علامات پر ہے۔

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى

نقصان میں ڈال دیا ہے اپنے آپ کو تو وہ نہیں ایمان لائیں گے — اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے بہتان

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَيَوْمَ

لگایا اللہ پر جھوٹا یا جھٹلایا اس کی آیتوں کو ۳۳ بے شک فلاح نہیں پائیں گے ظلم کرنے والے اور (یاد کرو) وہ

نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ

دن ۳۴ جب ہم جمع کریں گے سب کو پھر ہم کہیں گے اُنھیں جو شرک کیا کرتے تھے کہ کہاں ہیں تمھارے شریک جن کے (خدا

كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا

ہونے کا) تم دعویٰ کیا کرتے تھے — پھر نہیں ہوگا کوئی عذر ان کا بجز اس کے کہ — کہیں گے کہ اُس اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے

مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ

نہ تھے ہم شرک کرنے والے ۳۵ دیکھو کیسا جھوٹ باندھا اُنھوں نے اپنے نفسوں پر اور گم ہوگئیں ان سے

وایو اللہ انا بمحمد اشد معرفۃ منی بابنی لانی لا ادری ما احدثت امہ (روح المعانی)

۳۳؎ یہاں کفّار کی دوہری غلطی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ وہ بے سرو پا باتیں جن کے متعلق ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ان پر تو انھیں محکم یقین ہے مثلاً اپنے بتوں اور معبودوں کو خدا کا شریک ماننا۔ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں تسلیم کرنا۔ مادہ رُوح کو قدیم یقین کرنا۔ زندگی کے مختلف کاموں کے لیے الگ الگ دیوی دیوتا تصوّر کرنا اور جن چیزوں کے متعلّق قطعی اور یقینی روشن دلائل موجود ہیں ان کا انکار اور اس انکار پر اصرار۔ مثلاً توحید، قرآنِ کریم، رحمتِ عالم، قیامت وغیرہ۔

۳۴؎ قیامت کے دن ان کی ذِلّت اور رُسوائی کی کوئی حد نہ رہے گی۔ ان سب منکروں، مشرکوں اور سرکشوں کو ہم اپنے دربار میں لا کھڑا کریں گے اور ان سے پوچھیں گے کہ کہاں ہیں وہ تمھارے معبود جن کو تم خدا کا شریک بنایا کرتے تھے۔ آج ان کو بلاؤ تاکہ وہ ہمارے عذاب سے تمھیں نجات دلائیں۔

۳۵؎ فتنہ کا لغوی معنی پرکھنا اور آزمائش کرنا ہے۔ قتادہ نے کہا کہ یہاں فتنہ سے مراد عذر اور بہانہ ہے مقصد یہ ہے کہ جب میدانِ حشر میں اس مالکِ حقیقی کے دربار میں اُنھیں پیش کیا جائے گا اور وہ غضبِ خداوندی کا مشاہدہ کریں گے

مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى

جو افترا بازیاں کیا کرتے تھے ۳۶ اور کچھ ان میں سے ۳۷ ایسے ہیں جو کان لگاتے ہیں آپ کی طرف اور ہم نے ڈال

قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ

دیئے ہیں ان کے دلوں پر پردے تاکہ نہ سمجھیں وُہ اسے اور اُن کے کانوں میں گرانی ہے اور اگر وُہ دیکھ لیں ۳۸ ہر ایک

اور ان کے بُتوں معبُودوں اور دیوی دیوتاؤں کا کہیں نام تک نہ ہوگا۔ تو جب ان سے سابقہ سوال پُوچھا جائے گا تو مارے حیرت و درماندگی کے کوئی جواب نہ بن آئے گا۔ اس وقت وُہ انکار اور جھُوٹ کا سہارا لیں گے اور صاف صاف کہہ دیں گے کہ اَے ہمارے معبُودِ برحق! اَے ہمارے پالنہار! ہمیں تیری کبریائی کی قسم ہم نے تو کبھی شرک کیا ہی نہیں۔ ہم تو تیرے بغیر کسی اور خدا کو جانتے ہی نہیں۔

۳۶ اَے میرے رسُولﷺ! ملاحظہ ہو ان کی بےبسی کا عالم! ساری عُمر جن کو پُوجتے رہے، جن کی جے بولتے رہے جن کی وجہ سے آپ کو ستایا۔ اذیتیں پہنچائیں آج اُن سے دست بردار ہو رہے ہیں۔ اُن کی خدائی کا انکار کر رہے ہیں۔ قیامت میں پیش آنے والے واقعات اور ان کے حسرتناک انجام کے ذکر سے مطلوب یہ ہے کہ کفار آج ہی ان کمینہ حرکات سے باز آجائیں۔ آج ہی شرک سے تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کی توحید کا دل وجان سے اعتراف کر لیں۔ ورنہ قیامت کے دن پشیمان ہُوئے تو اس کا کیا فائدہ ہوگا۔

۳۷ جیسے پہلے کئی بار مذکور ہُوا کہ جب انسان کسی چیز کو حق سمجھنے کے باوجُود اس کو تسلیم نہیں کرتا اور دانستہ اس سے اعراض کرتا رہتا ہے تو اس کا طبعی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ (بطورِ سزا) نورِ حق کو دیکھنے والی آنکھ بے نور ہو جاتی ہے۔ آوازِ حق کو سُننے والے کان بہرے ہو جاتے ہیں۔ اور حق کو سمجھنے کی قوت سے دِل محروم ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر اس کی تصریح کی ہے۔ یہاں فرمایا کہ ہم نے ان کے کانوں کو بہرہ کر دیا اور ان کے دِلوں پر پردے ڈال دیئے ان چیزوں کو اپنی طرف منسُوب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس محرُومی کا سبب تو ان کا اعراض اور انکار ہے لیکن سبب پر مسبّب کا مُوثر پر اثر کا مترتب کرنا اللہ تعالیٰ کی شان ہے اور اسی کا فعل ہے۔ اِس لیے سبب اور مؤثر کی بجائے ان کو خود ذاتِ باری کی طرف منسُوب کر دیا اور کیونکہ دُوسرے متعدد مقامات پر اس کی تصریح ہے اِس لیے التباس کا شبہ نہیں۔

۳۸ یہ پہلی بات کی توضیح ہے کہ اَے حبیبؐ! آپ انھیں لاکھ معجزے دکھائیں۔ روزِ روشن کی طرح حق نمایاں کر دیں یہ ایمان لانے کے نہیں۔ انھوں نے تو اس صلاحیت کو ہی ضائع کر دیا۔ وُہ اِستعداد ہی کھو دی جو حق کو قبُول کرنے والی ہوتی ہے۔

اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ

نشانی بھی تو نہیں ایمان لائیں گے ان کے ساتھ۔ یہاں تک کہ جب حاضر ہوں ۳۹ آپ کے پاس جھگڑتے ہوئے آپ سے تو کہتے ہیں وہ لوگ

كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ

جنھوں نے کفر کیا کہ نہیں یہ (قرآن) مگر جھوٹے قصّے پہلے لوگوں کے اور وہ روکتے ہیں ۴۰ اس سے اور

يَنْئَوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ

دُور بھاگتے ہیں اس سے اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے نفسوں کو اور وہ (اتنا بھی) نہیں سمجھتے اور اگر

تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ

آپ دیکھیں جب وہ کھڑے کیے جائیں گے آگ پر تو کہیں گے اے کاش! (کسی طرح) ہم لوٹا دیئے جائیں تو (پھر) نہیں جھٹلائیں گے

۳۹؎ نضر نامی ایک شخص نے ایران کی سیاحت کی۔ وہاں سے رُستم و اسفندیار کے افسانوں اور قصّوں کی کتابیں اپنے ہمراہ لایا اور قریش کی مجلسوں میں بیٹھ کر بڑے مزے لے لے کر انھیں پڑھ کر سُنایا کرتا تھا۔ اسے بڑا جہاندیدہ خیال کرتے ہوئے ابُوجہل اور ابُوسفیان اس کو لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور قرآن سُننے کی خواہش کی۔ حضور سرورِ عالم نے پڑھ کر سُنایا۔ ابُوسفیان اور ابوجہل نے نضر سے پُوچھا کیسا پایا؟ وُہ ناسمجھ کہنے لگا کہ بس یُونہی ہونٹ ہلاتے رہتے ہیں۔ یہ ایسے ہی افسانے ہیں جیسے میں تمھیں سُنایا کرتا تھا۔ چند الفاظ:۔ اَكِنَّةً اِس کا واحد کنان ہے اس کا معنی پردہ ہے وقر بمعنی ثِقل یعنی سماعت کی گرانی۔ اساطیر جمع ہے لیکن اس میں بہت اختلاف ہے کہ اس کا واحد کیا ہے زجاج نے اِس کا واحد اَسطار۔ ابوعبیدہ نے اِسطار، اخفش نے اسطورہ بتایا ہے۔ اور بعض ائمہ لغت کی رائے یہ ہے کہ یہ ایسی جمع ہے جس کا واحد نہیں۔ جیسے مذاکیر۔ ابابیل وغیرہ (قرطبی)

۴۰؎ نہی کا معنی ہے روکنا اور نأی کا معنی ہے دُور کرنا۔ النھی الزجر والنأی البعد یعنی کفّار کی یہ حالت ہے کہ خود بھی دعوتِ حق قبول نہیں کرتے اور دُوسروں کو بھی منع کرتے ہیں۔ اِس طریقِ کار سے وُہ اپنی دُنیا و آخرت ہی برباد کر رہے ہیں دین کی ترقی کو نہیں روک سکتے۔

رَبِّنَا وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوا يُخْفُونَ

اپنے ربّ کی نشانیوں کو اور ہم ہو جائیں گے ایمانداروں سے بلکہ عیاں ہو گیا ان پر ۴۱ جسے چھپایا کرتے تھے

مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٢٨﴾

پہلے اور اگر انھیں واپس بھیجا جائے (جیسے اُن کی خواہش ہے) تو پھر بھی وہی کریں جس سے روکے گئے تھے اور بے شک وہ

وَقَالُوا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ

جھوٹے ہیں اور کہتے ہیں ۴۲ نہیں کوئی زندگی بجز ہماری اس دنیاوی زندگی کے اور ہم نہیں اٹھائے جائیں گے (قبروں سے) اور اگر

تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ قَالَ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَ

آپ ۴۳ دیکھیں جب وُہ کھڑے کیے جائیں گے اللہ کے حضور میں اللہ فرمائے گا کیا یہ (قبروں سے اُٹھنا) حق نہیں؟ کہیں گے بے شک (حق ہے)

۴۱ پہلی آیت میں بتایا کہ کفّار کو جب جہنّم کے کنارے کھڑا کیا جائے گا اور اس کے دہکتے ہُوئے انگاروں اور لپکتے ہُوئے شعلوں پر ان کی نظر پڑے گی تو اوسان خطا ہو جائیں گے اور ساری نخوت اور غرور کافور ہو جائے گا تو انتہائی حسرت سے یہ آرزُو کریں گے کہ کاش! اُنھیں دُنیا میں جانے کا ایک بار موقع ملے تو پھر اللہ کے رسُول کی ہرگز تکذیب نہ کریں بلکہ سچے دل سے اُس پر ایمان لے آئیں۔ اِس آیت میں دلوں کے اسرارِ نہاں جاننے والا خدا فرماتا ہے کہ یہ سب جھُوٹ اور فریب کاری کی باتیں ہیں۔ ان کی فطرت ایسی مسخ ہو چکی ہے کہ اگر انھیں بفرضِ محال پھر دُنیا میں بھیجا جائے تب بھی وُہی کرتوت کریں گے جو وُہ پہلے کرتے رہے۔ اب یہ جو اتنے بھلے مانس بنے ہُوئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اب اُن کے راز افشا کر دیئے گئے۔ ان کی جھُوٹی قسموں کی حقیقت بھی کھل گئی اب اس کے علاوہ انھیں کوئی چارۂ کار نظر نہیں آتا۔

۴۲ ان کی کجروی اور غلط کاری کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ انھیں قیامت، جزاء و سزا اور جنّت و دوزخ پر ایمان نہ تھا۔ ان کا یہی عقیدہ تھا کہ زندگی بس یہی دُنیوی زندگی ہے۔ اس کے بعد اور کوئی زندگی نہیں جس میں اپنے اعمال کے نتائج سے دوچار ہونا پڑے اس لیے وُہ بالکل بے فکر ہو کر اپنی گمراہیوں میں منہمک تھے۔

۴۳ آج تو بے شمار دلائل سُننے اور سمجھنے کے باوجود یہ کافر قیامت کا انکار کر رہے ہیں۔ غور کیجئے وُہ منظر ان کے لیے کتنا ہولناک ہو گا جب وُہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرمائے گا کہ اب بتاؤ قیامت کے برپا ہونے کی جو خبر میرے رسُولوں نے تمھیں دی تھی سچی تھی یا نہیں۔ اس وقت تسلیم کریں گے لیکن اس روز کا تسلیم کرنا کچھ مفید نہ ہو گا۔ اس وقت ان کا کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا اور جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے۔

رَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ

ہمارے رب کی قسم اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اب چکھو عذاب بسبب اس کفر کے جو تم کیا کرتے تھے بے شک خسارہ میں رہے ۴۴

كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا

وہ جنھوں نے جھٹلایا اللہ سے ملاقات (کی خبر) کو۔ یہاں تک کہ جب آگئی ان پر قیامت اچانک بولے ہائے افسوس ۴۵

عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا

اس کوتاہی پر جو ہم سے ہوئی اس زندگی میں ۴۶ اور وہ اُٹھائے ہوئے ہیں اپنے بوجھ اپنی پشتوں پر ۴۷ ارے

۴۴؎ ایک فرض ناشناس طالب علم جو اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ اس کا امتحان نہیں لیا جائے گا۔ اور اپنا سارا تعلیمی سال کھیل کود اور عیش و عشرت کی نذر کر دے۔ اچانک جب اسے بتایا جائے کہ میاں صاحبزادے! کل آپ کا امتحان ہے تیار ہو جاؤ۔ تو یہ خبر اس کے خرمنِ ہوش پر بجلی بن کر کوندے گی۔ اور وہ سال بھر کی غفلتوں پر اپنے آپ کو کوسنے لگے گا۔ اسی سے آپ اندازہ کر لیجئے اس سراسیمگی اور پریشانی کا جس سے ایسا شخص دوچار ہو گا۔ جو یہ سمجھتے ہوئے ساری عمر دادِ عیش دیتا رہے کہ قیامت کا دن آنے کا ہی نہیں اور پھر اُسے اچانک پکڑ کر اپنے گزشتہ اعمال کی حساب دہی کے لیے بارگاہِ ربّ العزت میں کھڑا کر دیا جائے۔

۴۵؎ حسرت منادیٰ حقیقی نہیں۔ صرف کثرتِ حسرت کے اظہار کے لیے اسے منادیٰ بنایا گیا جیسے یا للعجب یا للرخاء (قرطبی)

۴۶؎ عرب کہتے ہیں فرط فلان الی الماء: فلاں شخص پانی کے گھاٹ یا چشمے کی طرف سب سے پہلے چلا گیا۔ اسی سے ہے اَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ: میں تم سے پہلے حوضِ کوثر پر پہنچ جاؤں گا۔ (حدیثِ نبوی) فَرَّطَ اسی سے بابِ تفعیل اور متعدی ہے۔ اس کا معنی ہے دوسرے کو آگے کر دینا اور خود پیچھے رہ جانا۔ اسی مناسبت سے فَرَّطْنَا کا مفہوم یہ ہو گا کہ رضاء الٰہی کے حصول میں ہم نے دوسروں کو آگے بڑھنے دیا اور خود پیچھے رہ گئے۔ اسی لیے یہ لفظ تقصیر اور کوتاہی کرنے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

۴۷؎ گناہوں کا بوجھ ان کی پیٹھ پر لادنے کا یا تو یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن گناہ مختلف شکلوں میں ظاہر ہوں گے اور انھیں گنہگاروں کی پیٹھ پر لاد دیا جائے گا۔ یا یہ بطور مجاز و تشبیہ کہا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ احساسِ گناہ اور ندامت ان پر مسلط ہو گا اور فرطِ ندامت سے ان کی یہ حالت ہو گی جیسے کوئی بھاری بھرکم بوجھ ان پر لاد دیا گیا ہو اور وہ اس کی گرانی کے نیچے دبے چلے جا رہے ہوں۔

سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿٣١﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ

کتنا بُرا بوجھ ہے جسے وُہ اُٹھائے ہوئے ہیں۔ اور نہیں ہے دُنیا کی زندگی ۴۸؎ مگر کھیل اور تماشا اور بے شک آخرت

الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٣٢﴾ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ

کا گھر بہتر ہے اُن کے لیے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں تو کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے (اے حبیب!) ہم جانتے ہیں کہ رنجیدہ کرتی

الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

ہے آپ کو وُہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو وُہ نہیں جھٹلاتے آپ کو بلکہ یہ ظالم (دراصل) اللہ کی آیتوں کا انکار

يَجْحَدُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا

کرتے ہیں ۴۹؎ اور بے شک جھٹلائے گئے رسُول آپ سے پہلے ۵۰؎ تو اُنھوں نے صبر کیا اس

۴۸؎ زندہ دونوں رہتے ہیں مومن بھی اور کافر بھی لیکن ان کی زندگیوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور اسے بڑی عمدگی سے حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہے: ھذہ حیاۃ الکافر لانہ یزجیھا فی غرور و باطل فاما حیاۃ المومن فتنطوی علی اعمال صالحۃ فلا تکون لھوا ولعبا: "لہو ولعب کافر کی زندگی کا نچوڑ ہے کیونکہ وُہ یہ قیمتی لمحے غرور و نخوت اور باطل میں ضائع کر دیتا ہے لیکن مومن کی زندگی اعمالِ صالحہ سے لبریز ہوتی ہے۔ اس لیے وُہ لہو ولعب نہیں"۔ یہ اور بات ہے کہ آج ایمان کے بیشتر دعوے داروں کو اِس فرق کا احساس ہی نہ ہو۔

۴۹؎ اس کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں۔ حضُور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم بذاتِ خود کچھ نہیں کہا کرتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے رسُول اور نبی ہونے کی حیثیت سے ہی ان کو تبلیغ کرتے تھے۔ اِس لیے حضُورؐ کی رسالت کا انکار اور تکذیب گویا آیاتِ الٰہی کا انکار اور تکذیب ہی تھی۔ دُوسرا مطلب یہ ہے کہ وُہ حضُورؐ کو تو صادق اور راست گفتار یقین کرتے تھے۔ جیسے ابُوجہل نے ایک دفعہ حضُورؐ سے کہا کہ ہم آپ کو تو نہیں جھٹلاتے کیونکہ آپ کی صداقت ہمارے نزدیک مُسلّم ہے لیکن یہ پیغام جو لے کر آپ آتے ہیں ہم اسے سچّا تسلیم نہیں کرتے۔ وکان ابوجھل یقول: ما نکذبك لانك عندنا صادق وانما نکذب ما جئتنا بہ (کشاف)

۵۰؎ سُنّتِ الٰہی یہی ہے کہ حق و باطل کی کشمکش جاری رہے۔ مصائب کے پہاڑ حق کے علمبرداروں پر ٹوٹتے رہیں اور وُہ صبر و اُولو العزمی سے ان کو برداشت کرتے رہیں۔ حوادثات کے طوفانوں میں بھی شمعِ توحید کو ہر قیمت پر وُہ روشن رکھیں۔ حضُور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو کفّار کے کفر و عناد سے بڑی تکلیف ہوتی تھی اور آپ کے رحیم و شفیق دل کو

كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتّٰى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ

جھٹلائے جانے پر اور ستائے جانے پر یہاں تک کہ آپہنچی انھیں ہماری مدد ۵۱؎ اور نہیں کوئی بدلنے والا اللہ کی باتوں کو

وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ

اور آہی چکی ہیں آپ کے پاس رسُولوں کی کچھ خبریں اور اگر گراں ہے آپ پر ان کا (حق سے)

اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا

رُوگردانی کرنا ۵۲؎ تو اگر آپ سے ہو سکے تو تلاش کر لو کوئی سرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی

فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَی الْهُدٰی

آسمان میں (تو اس پر چڑھ جاؤ) پھر لے آؤ ان کے پاس کوئی معجزہ (تو بھی وُہ ایمان نہیں لائیں گے) اور اگر چاہتا اللہ تعالےٰ تو جمع کر دیتا انھیں ہدایت پر

گوارا نہ تھا کہ کوئی بھی کفر و گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکتا پھرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ سے پہلے بھی انبیاء مبعُوث کیے گئے۔ کفّار نے اُن کو بھی ستایا اور اُنھوں نے صبر و تحمّل سے کام لیا۔ آپ بھی کفّار کی اذیّت رسانیوں پر صبر و تحمّل سے کام لیا کریں۔

۵۱؎ جب انبیاء کرام نے تبلیغ اور صبر کا حق ادا کر دیا اور کفّار کی اذیّت رسانیوں اور تعصّب کی حد ہو گئی تو اللہ تعالےٰ کی تائید و نصرت آئی جس نے باطل کو سرنگوں اور ذلیل کر دیا اور حق کا بول بالا ہو گیا۔ اور کفر کا سارا تزک و احتشام خدا کی نصرت کے وعدہ کو پُورا ہونے سے نہ روک سکا۔ اسی طرح اے میرے حبیب! میں نے آپ سے اسلام کو سربلند کرنے کا جو وعدہ فرمایا ہے وُہ پُورا ہو کر رہے گا۔

۵۲؎ اس آیت میں دو اہم باتوں کا ذکر ہے۔ ایک تو یہ کہ میرا محبوب ان گم کردہ راہوں کے ہدایت پانے پر اتنا حریص ہے کہ وُہ ہر کوشش کے لیے تیار ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس کا بس چلے تو جس معجزہ کا وُہ مطالبہ کریں وُہ پیش کر دے۔ خواہ اس کے لیے زمین میں سُرنگ لگانی پڑے یا آسمان پر زینہ لگا کر چڑھنا پڑے۔ والمراد بیان حرصه علی اسلام قومه وانه لو استطاع ان یاتی بآیة من تحت الارض او من فوق السماء لاتی بها رجاء ایمانهم (نیشاپوری کشاف وغیرہ)

دُوسری بات یہ بتائی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ تقاضا نہیں کہ کسی کو اتنا مجبُور و مقہُور کر دیا جائے کہ اسلام کو تسلیم کیے بغیر اس کے لیے کوئی چارۂ کار نہ رہے۔ کیونکہ دین صرف چند رسُوم کی ادائیگی اور چند کلمات کے تلفّظ

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ

تو آپ نہ ہو جائیں ان سے جو (حقیقت کا) علم نہیں رکھتے ۵۳ صرف وہی قبول کرتے ہیں ۵۴ جو سنتے ہیں

وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ

اور اُن مُردہ (دلوں) کو اُٹھائے گا اللہ تعالیٰ پھر وہ اُسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ۵۵ اور بولے کیوں نہیں اُتاری گئی

عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّ

ان پر کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے ۵۶ آپ فرمائیے بے شک اللہ تعالیٰ قادر ہے اس بات پر کہ اتارے کوئی نشانی

کا نام نہیں بلکہ یہ وہ ہمہ گیر انقلاب ہے جو روح، قلب اور شعور و احساس کی پرانی دنیا کو زیر و زبر کر کے نئی دنیا تعمیر کرتا ہے اور یہ انقلاب فقط اُسی وقت رُو پذیر ہو سکتا ہے جب کہ کوئی شخص اپنی مرضی سے خوب سوچ سمجھ کر اس نظریۂ حیات کو قبول کرے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کو کوئی خاص دین اختیار کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ؐ کو فرماتے ہیں کہ ہماری قدرت تو اتنی وسیع ہے کہ اگر ہم چاہیں تو سب بوذر رضؓ و بلال رضؓ بن جائیں لیکن ایسا کیا نہیں جاتا۔

۵۳ بعض کے نزدیک اس آیت کے مخاطب حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ لیکن نہی کا مدعی یہ نہیں کہ حضورؐ ایسا کر رہے تھے اور آپ کو منع کر دیا گیا۔ بلکہ کسی چیز سے اجتناب اور پرہیز کی تاکید کے لیے یہ اسلوبِ کلام اختیار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ نظام الدین نیشاپوری رقم طراز ہیں۔ فهذا النهي لايقتضى اقدامه على مثل هذه الحالة لكنه يفيد التغليظ (نیشاپوری) اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہاں خطاب اُمت کے ہر فرد کو ہے اور علامہ ابوحیانؒ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔ والذى اختاره ان هذا الخطاب ليس للرسول فانما ذلك للسامع فالخطاب والنهي فى فلا تكونن للسامع دون الرسول (بحرِ محیط) یعنی میرے نزدیک پسندیدہ قول یہ ہے کہ یہاں خطاب حضور علیہ السلام کو نہیں بلکہ ہر سننے والا مخاطب ہے۔

۵۴ اب ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ وہ حق کو قبول تو اس وقت کریں جب وہ حق کی آواز کو سُنیں لیکن اُنھوں نے لگاتار انکار سے ان کانوں کو ہی بہرہ کر دیا ہے جو حق کی آواز سُن سکتے ہیں تو وہ اس حالت میں ایمان کیونکر لائیں۔

۵۵ کیونکہ ان کے دِل مُردہ تھے اس لیے اُن کو مُردہ کہا گیا۔

۵۶ کفّار طرح طرح کی فرمائشیں کیا کرتے تھے یعنی اس ریگ زار میں دریا بہنے لگیں چشم زدن میں یہاں سرسبز و شاداب باغات

لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ

لیکن اکثر ان میں سے کچھ نہیں جانتے اور نہیں کوئی (جانور) چلنے والا زمین پر اور نہ کوئی پرندہ

يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ

جو اُڑتا ہے اپنے دو پروں سے مگر وُہ اُمتیں ہیں تمھاری مانند ۵۷ نہیں نظر انداز کیا ہم نے کتاب میں کسی چیز کو

ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ

پھر اپنے رب کی طرف اُٹھائے جائیں گے اور جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو (تو وُہ) بہرے اور گونگے ہیں

فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ

اندھیروں میں (سرگرداں ہیں) جسے چاہے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اسے اور جسے چاہے لگا دے اُسے سیدھے

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٩﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ

راستہ پر آپ فرمائیے بھلا بتاؤ تو ۵۸ اگر آئے تم پر اللہ کا عذاب یا آجائے تم پر قیامت کیا اس وقت

لہلہانے لگیں اور ان میں ندیاں رواں ہوں۔ آپ سچے نبی ہیں تو آپ ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دیں وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ مطالبے قبولِ حق کے لیے نہ تھے۔ اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تو کچھ بعید نہیں کہ جو تمھارا مطالبہ ہو اسے پورا کر دیا جائے۔ لیکن اس کی حکمت کے خلاف ہے۔

۵۷ اے منکرینِ حق! تم اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم وسیع کا کیا اندازہ کر سکتے ہو۔ اُس کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ اُس نے تمام جانوروں اور پرندوں کو مختلف اُمّتوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی پیدائش اور موت کے لیے الگ الگ قانون بنا دیئے ہیں۔ ان کے مزاج کے موافق ان کی غذا کا انتظام فرما دیا ہے۔ ان کی ضروریات کے مطابق انھیں مختلف قسم کے اعضاء مرحمت فرما دیئے ہیں جس خطّہ زمین میں اور جس آب و ہوا میں انھیں زندگی بسر کرنا ہے ان کی کھال، ان کے بال، ان کے جسم کی ساخت میں ان کی کمال رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ پھر ہر ایک کے فرائض کے مطابق اسے شعور اور سمجھ عطا کی گئی ہے۔

۵۸ ارایتکم کا لفظ تحقیق طلب ہے۔ جمہور علماء لغت کے نزدیک اس کا معنی ہے اخبرونی (مجھے بتا دو) اور اس کی ترکیب میں متعدد اقوال منقول ہیں۔ میں ان میں سے صرف ایک قول ہی نقل کروں گا جو واضح ترین ہے اور اکثر علمائے لغت

اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ

اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو بلکہ اسی کو پکارو گے

فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَقَدْ

تو دُور کر دے گا وُہ تکلیف پکارا تھا تم نے جس کے لیے اگر وُہ چاہے گا اور تم بھلا دو گے انہیں جنھیں تم نے شریک بنا رکھا تھا اور بے شک

نے اسے پسند فرمایا ہے۔ تَ ضمیر فاعل ہے اس کے بعد جو كَ ہے وُہ حرفِ خطاب ہے اور محض ضمیر فاعل کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔ فاعل کے واحد، تثنیہ اور جمع ہونے کی صُورت میں كَ کی شکل بدلتی رہے گی یعنی واحد کے لیے صرف "كَ" تثنیہ کے لیے "كما" اور جمع کے لیے "كم" ہو جائے گا۔ اور تَ جو ضمیر فاعل ہے وُہ تینوں حالتوں میں مفتوح رہے گی اس میں تغیّر نہ ہو گا۔

یہ ترکیب ذہن نشین کر لینے کے بعد اب آیت کے مفہوم میں غور فرمائیے۔ ارشاد ہے کہ جن بتوں اور دیوی دیوتاؤں کی تم پُوجا کیا کرتے ہو اور جنھیں تم نے خدا یقین کیا ہوا ہے اگر یہ واقعی نفع رساں ہیں اور مصیبتوں کو ٹالنے والے ہیں تو ذرا اس وقت بھی ان کو پکارا کرو جب اللہ تعالیٰ کا عذاب تمھیں اپنی گرفت میں لے لے، مایُوسی کا گھُپ اندھیرا چھا جائے۔ اور نجات کے تمام ظاہری راستے بند ہو جائیں۔ اُس وقت تو تمھاری آنکھوں سے غفلت کی پٹی کھُل جاتی ہے اور جہالت کی تاریکی دُور ہو جاتی ہے۔ اور تم بھی اسی مولائے حقیقی کو پکارتے ہو اور اسی کی بارگاہ میں نجات کے لیے عرض کرتے ہو۔ تو جب مُصیبت کے ان سنگین لمحوں میں باطل خداؤں کی خدائی کا طلسم ٹوٹ کر رہ جاتا ہے اور دل بے ساختہ اسی قبلۂ حاجات کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور فقط اسی کے دامنِ کرم میں پناہ ڈھونڈتا ہے تو پھر اس سچے اور حقیقی خداوند تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی غیر کی عبادت کرنا اور اس کو خدا تسلیم کرنا کہاں کا انصاف اور کہاں کی عقلمندی ہے۔ چنانچہ امام المفسّرین ابن جریرؒ فرماتے ہیں:-

وتاويل الكلام قل يا محمدؐ لهولاء العادلين بالله الاوثان والاصنام اخبرونى ان جاءكم ايها القوم عذاب الله - او جاءتكم الساعة اغير الله هناك تدعون اوالى غيره من الهتكم تضرّعون -

ترجمہ:- آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے مصطفیٰ! آپ ان لوگوں سے پُوچھئے جو بُتوں کو اللہ کے برابر یقین کرتے ہیں کہ اے قوم مجھے بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آ جائے یا اچانک قیامت قائم ہو جائے تو کیا اللہ کے سوا کسی کو پکارو گے اور اپنے خداؤں کی طرف گھبرا کر نجات کے لیے دوڑو گے؟

علّامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں یہ آیت مشرکین کو لاجواب کرنے کے لیے نازل ہُوئی جو ویسے تو بُتوں کی عبادت کیا کرتے اور جب عذاب چاروں طرف سے گھیر لیتا تو پھر اللہ تعالیٰ کے حضور میں عذاب ٹالنے کے لیے دُعائیں کرنے لگتے۔ (القرطبی)

اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

بھیجے ہم نے رسُول ۵۹ اُمتوں کی طرف آپ سے پہلے (جب اُنھوں نے سرکشی کی) تو ہم نے پکڑ لیا انھیں سختی اور تکلیف سے

يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿٤٢﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ

تاکہ وُہ گڑگڑائیں تو کیوں ایسا نہ ہُوا کہ جب آیا ان پر ہمارا عذاب تو وُہ (توبہ کرتے اور) گڑگڑاتے لیکن سخت ہو گئے ان کے دل

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٤٣﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ

اور آراستہ کر دیا ان کے لیے شیطان نے جو وُہ کیا کرتے تھے پھر جب انھوں نے بُھلا دیں وُہ نصیحتیں جو انھیں

فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا

کی گئی تھیں کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے یہاں تک کہ جب وُہ خوشیاں منانے لگے اس پر جو انھیں

۵۹ ان تین آیات میں قوموں کی تربیت اور ان کو گمراہی کی دلدل سے نکال کر صراطِ مستقیم پر لا کھڑا کرنے کے مختلف طریقوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے اور ساتھ ہی بتایا گیا کہ جو قوم کسی طرح قبولِ حق کے لیے آمادہ نہ ہو اس کا کیا انجام ہوتا ہے۔ ہدایت کا سب سے پہلا طریقہ تو یہ ہے کہ انھیں آیاتِ الٰہی سُنائی جائیں اور دلائل و براہین سے ان کو راہِ راست پر لایا جائے سلیم الطبع لوگوں کے لیے اِتنا ہی کافی ہوتا ہے اور جو لوگ اس سے ہدایت پذیر نہیں ہوتے انھیں مصائب اور تکالیف سے دوچار کر دیا جاتا ہے تاکہ اِس طرح ان کے دِل نرم ہو جائیں اور نافرمانی اور سرکشی سے تائب ہو جائیں۔ اور اگر اِس طرح بھی وُہ باز نہ آئیں تو ان کے لیے رزق کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ ہر چیز کی فراوانی ہو جاتی ہے اور وُہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ عیش و عشرت کا یہ دَور کبھی ختم نہ ہو گا۔ بجائے اس کے کہ وُہ اپنے مالکِ حقیقی کے شکر گزار بندے بن جائیں جس نے ان کی تنگی کو فراخی سے بدل دیا اور ان بے آب و گیاہ ریگزاروں کو سبزہ زاروں میں تبدیل کر دیا وُہ اُلٹا اکڑنے لگتے ہیں۔ اور اس ناپائیدار سرُور و نشاط میں وُہ سب کچھ بھُول جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غضبِ خداوندی کی بجلی گرتی ہے جو اُنھیں اور اُن کے سارے متاعِ حیات کو دم بھر میں جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے۔

أَخَذْنٰهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ ﴿٤٤﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ

دیا گیا تو ہم نے پکڑ لیا اُنھیں اچانک ۔ اب وُہ نا اُمید ہو کر رہ گئے تو کاٹ کر رکھ دی گئی جڑ اس قوم کی ٦٠ جس نے

ظَلَمُوا ۚ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿٤٥﴾ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ

ظلم کیا تھا اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو پروردگار ہے سارے جہان والوں کا ۔ آپ فرمائیے بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر ٦١ لے لے اللہ تعالیٰ

سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوبِكُم مَّنْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ

تمھارے کان اور تمھاری آنکھیں اور مُہر لگا دے تمھارے دِلوں پر تو کوئی خدا ہے اللہ کے سوا

يَأْتِيكُم بِهِ ۗ انظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُونَ ﴿٤٦﴾

جو لا دے تمھیں یہ چیزیں ؟ مُلاحظہ ہو کس کس رنگ سے ٦٢ ہم بیان کرتے ہیں (توحید کی) دلیلیں پھر بھی وُہ مُنہ پھیرے ہوئے ہیں ٦٣

٦٠ ؎ ظالم قومیں جن کی چیرہ دستیوں سے اللہ کی مخلوق تنگ آچکی ہوتی ہے جب تباہ و برباد کر دی جاتی ہیں تو ہر طرف اطمینان اور آرام کا سانس لیا جاتا ہے ۔ اور واقعی وُہ لمحہ اِس قابل ہے کہ مظلوم اور ستم رسیدہ لوگ اپنے ربّ کریم کی حمد و ثنا کے گیت گائیں جس نے ان کی بےکسی اور بےبسی پر ترس کھا کر ان کو ان جابر ظالموں کی قیدِ غلامی سے نجات بخشی ۔

٦١ ؎ اللہ تعالیٰ مُشرکین کے عقیدہ کی بے سروپائی کو ایک اور طریقہ سے واضح فرما رہے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسُول ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ اِن بے وقوفوں سے دریافت فرمائیے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمھیں اندھا اور بہرہ کر دے اور تمھارے دلوں پر غفلت کے پردے ڈال دے اور سمجھنے اور سوچنے کی قوّت سلب کر لے تو بھلا بتاؤ تمھارے یہ خُدا جن کی تم پُوجا کیا کرتے ہو ان میں سے کسی میں ہمّت ہے کہ وُہ تمھیں یہ چیزیں عطا کر دے ۔ اور اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر معبُودِ حقیقی کو چھوڑ کر ان باطل اور عاجز چیزوں کی عبادت کرنا کہاں کی عقلمندی ہے کتنی واضح اور مضبُوط دلیل ہے جس سے ہر ادنیٰ اور اعلیٰ ، عامی اور عارف یکساں طور پر ہدایت کی روشنی حاصل کر سکتا ہے ۔

٦٢ ؎ قرآن کا اسلوبِ استدلال اُکتا دینے والا نہیں بلکہ اِس میں وُہ رنگینی اور تنوّع ہے کہ طبیعت ہر بار ایک نیا لُطف محسُوس کرتی ہے اور ایک نئی لذّت سے سرشار ہوتی ہے کبھی عقلی دلائل پیش کیے جاتے ہیں کبھی تاریخی شواہد مذکور ہوتے ہیں کبھی اپنی رحمت کا مژدہ سُنایا جاتا ہے اور کبھی اپنی ناراضگی اور غضب کے انجام سے ڈرایا جاتا ہے ۔ وتصریف الآیات الاتیان بھا علی جھات من اعذار وانذار وترغیب وترھیب ونحو ذلك (قرطبی)

٦٣ ؎ صدف کا معنی ہے اعراض کرنا مُنہ پھیر لینا ۔ ثُمّ یہاں بھی استبعاد کے لیے ہے یعنی چاہیئے تو یہ تھا کہ اس طرح کے

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ

آپ فرمائیے یہ تو بتاؤ اگر آ جائے تم پر اللہ کا عذاب اچانک یا کھلم کھلاّ تو کون

يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا

ہلاک کیا جائے گا بغیر ظالم لوگوں کے اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو ۶۴ مگر

مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

خوش خبری سُنانے کے لیے اور (عذابِ جہنم سے) ڈرانے کے لیے۔ تو جو ایمان ۶۵ لائے اور اپنے آپ کو سنوار لیا تو کوئی خوف نہیں ہو گا

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ

اُنھیں اور نہ وُہ غمگین ہوں گے اور جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو تو پہنچے گا اُنھیں عذاب

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ

بوجہ اس کے کہ وُہ حکم عدُولی کیا کرتے تھے آپ فرمائیے۔ کہ میں ۶۶ نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں

روشن دلائل سے متاثر ہو کر وُہ دینِ حق قبول کر تے مگر یہ تو اُلٹا اُس سے مُنہ پھیر رہے ہیں اور رُوگردانی کر رہے ہیں۔ کیا اُلٹی سمجھ کے ہیں یہ لوگ۔

۶۴ انبیاء کرام کی تشریف آوری کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ وُہ نت نئے عجائبات کا مظاہرہ کرتے رہیں اور جیسی کچھ کسی نے فرمائش کی اس کی بجا آوری میں لگے رہیں۔ بلکہ ان کی آمد کا اصلی مقصد یہ ہے کہ نیکوکاروں کو رحمتِ الٰہی کا مژدہ سنائیں اور بدکاروں اور رُوسیاہوں کو اس کے عذابِ الیم سے ڈرائیں۔ تاکہ نیک اور نیک ہو جائیں اور بدکار اپنی بدی اور گمراہی سے باز آجائیں۔

۶۵ ایمان کا تعلق دِل سے ہے اور اصلاح کا تعلق اعمال سے یعنی جس کا عقیدہ بھی صحیح ہے اور اعمال بھی نیک ہیں۔ ان کو اندیشہ ہائے سُود و زیاں سے نجات دے دی گئی ہے۔ نہ گزرے ہُوئے وقت پر وُہ ملول و غمگین ہوں گے اور نہ آنے والے حالات کے بارے میں اُنھیں کچھ تشویش ہو گی۔

۶۶ کفارِ مکّہ کے نزدیک زندگی فقط یہی دُنیوی زندگی تھی۔ ان کی ساری کدو کاوش اور دوڑ دھوپ کا مدّعا دولت، عزّت اور وقار کا حصُول تھا۔ وُہ اسی اُدھیڑ بُن میں اپنے دِن گزارتے کہ وُہ زیادہ سے زیادہ دولت مند کیسے بن جائیں۔

وَلَآ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ وَلَآ اَقُوۡلُ لَكُمۡ اِنِّىۡ مَلَكٌ ۚ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوۡحٰٓى

اور نہ یہ کہوں کہ خود جان لیتا ہوں غیب کو اور نہ یہ کہتا ہوں تم سے کہ میں فرشتہ ہوں نہیں پیروی کرتا میں مگر وحی کی جو بھیجی جاتی ہے

ان کی راتیں اسی پیچ و تاب کی نذر ہوتیں کہ وُہ کس طرح اپنے حریف کی عزّت کو خاک میں ملا کر اپنے جاہ وجلال کا پرچم لہرائیں علاوہ ازیں شرفِ انسانی کا کوئی تصوّر ان کے ذہن میں موجود نہ تھا۔ وُہ خود اور ان کے ارد گرد بسنے والے انسان جن سے ان کو عمر بھر کا واسطہ پڑا تھا کسی طرح بھی وحشی درندوں سے بہتر نہ تھے۔ بھلا وُہ انسان جس کے ہاتھ غریبوں اور مسکینوں کو لُوٹتے وقت نہ لرزیں اپنے قریبی رشتہ داروں کو قتل کرتے وقت نہ کانپیں۔ جن کے کان زندہ درگور ہونے والی بچیّوں کی جگر دوز آہ وفغاں سُن رہے ہوں اور ان کے دل ٹس سے مس نہ ہوں۔ رہزنی اور غارت گری جن کا پیشہ ہو اور جوا بازی اور شراب خوری جن کی تفریحِ طبع کا سامان ہو۔ بدکاری اور بدمعاشی جن کا روز کا مشغلہ ہو وُہ کوئی شریف چیز نہیں ہوسکتا۔ انسان کے متعلق ایسا تصوّر قائم کرنے میں وُہ معذور بھی تھے۔ کیونکہ انسان نام کا جو جانور انھیں ادھر اُدھر دکھائی دے رہا تھا وُہ انھیں لغویات اور خرافات کا مجسّمہ تھا۔ اس لیے ان کو یہ بات سمجھانا آسان نہ تھا کہ انسان بھی منصبِ رسالت پر فائز ہوسکتا ہے۔ یہ ان کی ذہنیت تھی۔ اور اس سے بلند تر فضا میں پرواز کرنے کی اُن کے مُرغِ فکر میں ہمّت ہی نہ تھی۔ جب رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم تشریف فرما ہوئے اور دعوتِ اسلام کا آغاز کیا تو یہ لوگ نادان بچّوں کی طرح اپنے ایمان لانے کے لیے ایسی شرطیں لگانے لگے جس سے ان کی مالی حالت بہتر ہوجائے۔ کہا کرتے، یہ ہمارے تپتے ہُوئے صحرا گلشن وگلزار بنا دیجئے۔ ان میں ندّیاں بہنے لگیں اور چشمے اُبلنے لگیں اور سرسبز وشاداب کھیت لہلہانے لگیں تو ہم جانیں کہ آپ سچّے نبی ہیں اور آپ پر ایمان لانے سے ہمیں فائدہ ہوا اور اگر ہماری معاشی بدحالی جُوں کی توں ہی رہے تو پھر آپ کو نبی ماننے سے ہمیں کیا فائدہ؟ اور اگر یہ نہیں کرتے تو اتنا ضرور کیجئے کہ ہمیں بتا دیا کرو کہ اس سال فلاں جنس کا بھاؤ چڑھ جائے گا تاکہ ہم اس کا ذخیرہ کرلیا کریں اور جب نرخ تیز ہوجائے تو اس کو بیچ کر نفع کمائیں۔ یا ہماری چوری ہوجائے تو چور کا سُراغ بتائیں۔ لیکن یہ چیزیں بھی آپ نہیں کرتے تو پھر ہم خواہ مخواہ اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر کیوں اپنے آپ کو بدنام اور بے آرام کریں۔ جب وُہ دیکھتے کہ یہ کھاتے پیتے بھی ہیں۔ کاروبار بھی کرتے ہیں۔ بال بچےّ دار بھی ہیں۔ تو وُہ کہتے کہ یہ انسان ہیں۔ اور انسان (جس قسم کے انسان سے وُہ واقف تھے) نبی کیسے ہوسکتا ہے۔ کفّار کی اس بگڑی ہوئی اور پست ذہنیت کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی زبانِ پاک سے یہ اعلان کرایا کہ میں اس بات کا مدّعی بن کر نہیں آیا کہ میں تمھارے ان ریتلے ٹیلوں کو ہموار کرکے رشکِ ارم بنا دُوں گا۔ خشک زمینوں میں دریا بہا دُوں گا۔ اور ہر چٹان سے چشمے اُبلنے لگیں گے۔ میں تمھاری مادی خواہشات کی تکمیل کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ میں تو تمھیں اللہ سے ملانے آیا ہُوں۔ تمھارے ویران دِلوں کو بسانے آیا ہُوں۔ میں تو تمھارے گلستانِ حیات میں نیکی، تقویٰ، پاکیزگی اور خُوش اخلاقی کے سدا بہار پھُول کھلانے آیا ہوں۔ مجھے اس لیے تو مبعوث نہیں کیا گیا کہ میں تمھیں چنے اور جو، کھجور اور

إِلَيَّ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ﴿٥٠﴾ وَ

میری طرف۔ آپ فرمائیے کیا (کبھی) برابر ہو سکتا ہے اندھا اور ٦٧ دیکھنے والا۔ تو کیا تم غور و فکر نہیں کرتے   اور

انگور کے بھاؤ بتاؤں بلکہ مجھے تو اعمالِ حسنہ کی جنس سے تمہیں آشنا کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ جن کی قدر و قیمت بازارِ محشر میں اتنی زیادہ ہوگی جس کا تم اب تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ یہ افکار کی لطافت، ارادوں کی پختگی اور حوصلوں کی بلندی، یہ اعمال کا حُسن کردار کی رعنائی اور اخلاق کی پاکیزگی، یہ علمی کمالات اور دُوسرے معجزات جن کا تم مجھ میں مشاہدہ کر رہے ہو ان سب کے باوجود میں انسان ہُوں فرشتہ نہیں۔ فرشتہ تو انسانِ کامل کی گردِ راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ تمہارے ذِہنوں میں انسان کا جو گھٹیا تصوّر ہے وُہ انسانِ کامل کا نہیں بلکہ بھٹکے ہُوئے انسان کا تصوّر ہے جو نفس اور شیطان کے دامِ فریب میں گرفتار ہو کر اور مدّت دراز تک اس کا گرفتار رہ کر اپنی مسندِ شرف و عزّت سے محرُوم کر دیا گیا ہے۔ اس لیے تم انسان کو اتنا حقیر نہ جانو۔ اپنی قدر پہچانو۔ اور اپنے شرفِ خُداداد کا احترام کرتے ہُوئے شیطان کے جال سے رُستگاری حاصل کرنے کے لیے کوشش کرو۔ نیز اس آیت سے اِس شبہ کا ازالہ بھی کر دیا جس میں اکثر ضعیف العقل لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ذرا کسی میں کمال دیکھا جھٹ اس کے خُدا ہونے کا یقین کر لیا۔ وُہ ذاتِ پاک اعلان فرما رہی ہے جس کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہوا۔ اور ڈوبا ہوا سُورج پھر لوٹ آیا کہ میں خدا ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سارے خزانے میرے قبضہ میں ہیں۔ خود بخود جیسے چاہُوں ان میں تصرف کرُوں یا مجھے غیب کا خُود بخود علم ہو جاتا ہے اور بغیر اللہ کے بتلائے اور سکھلائے میں ہر غیب کو جانتا ہُوں۔ میرا یہ دعویٰ نہیں۔ میرا اگر کوئی دعویٰ ہے تو فقط یہ کہ ان اتبع الا ما یوحی الی: جو کچھ میری طرف وحی کیا جاتا ہے میں اس کی پیروی کرتا ہُوں۔ قول اور فعل میں، علم اور عمل میں۔ والمعنی لا ادعی ان هاتیك الخزائن مفوضة الی اتصرف فیها کیف اشاء استقلالا و استدعاء (رُوح المعانی) ولست اقول انی الرب الذی له خزائن السموات والارض (ابن جریر) علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ یہ سارے خزانے میرے تصرّف میں ہیں اور میں خود مُستقلاً ان میں جیسے چاہُوں تصرّف کر سکتا ہُوں خط کشیدہ دو لفظ خصُوصی توجّہ کے مستحق ہیں۔ (رُوح المعانی) یعنی میں یہ نہیں کہتا کہ میں خُدا ہُوں جس کے قبضہ میں آسمانوں اور زمین کے سارے خزانے ہیں۔ (ابن جریر)

اِس آیت میں ایک اور نہایت اہم اور بُنیادی چیز کی طرف بھی رہنمائی کی گئی ہے کہ اسلام کی اشاعت کا انحصار لالچ اور شعبدہ بازی پر نہیں بلکہ معرفتِ حق اور قبولِ حق پر ہے یعنی کوئی اس لالچ میں ایمان نہ لائے کہ اسے فلاں جاگیر مل جائے گی زمین میں چھپا ہوا کوئی خزانہ اس کے ہاتھ لگ جائے گا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فقط وہی ایمان مقبُول ہو گا جو حق کو حق سمجھ کر صرف اس لیے کہ وُہ حق ہے قبُول کیا جائے۔

٦٧ بعض پریشان خیال لوگ اِس آیتِ کریمہ میں غور کیے بغیر اس وہم میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ حضورِ فخرِ موجودات علیہ

اَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ

ڈرائیے ۶۸ اس (قرآن) سے انھیں جو ڈرتے ہوں اس سے کہ اُٹھایا جائے گا انھیں ان کے رب کی طرف اس حالت میں کہ نہیں

مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ

ہوگا ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی سفارشی ۶۹ (انھیں ڈرائیے) تاکہ یہ (کامل) پرہیزگار ہو جائیں اور نہ دُور ہٹاؤ انھیں جو

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَيْكَ

جو پکارتے رہتے ہیں اپنے ربّ کو صبح اور شام ۷۰ طلبگار ہیں (فقط) اس کی رضا کے۔ نہیں آپ پر

افضل التحیات والتسلیمات علم میں، اختیار میں، بشری کمزوریوں میں عام انسانوں کی طرح ہیں۔ کاش! وُہ اس آیت کے ان مختصر الفاظ میں بھی تدبّر کرتے۔ قدرت نے پہلے ہی ان کا ازالہ فرما دیا ہے اور بتا دیا کہ تم میں اور میرے محبوب میں اتنا فرق ہے جتنا اندھے اور بینا میں ہوتا ہے۔ اب خود سمجھ لو کہ جس کی آنکھیں اللہ تعالیٰ کے نُور سے روشن ہوں اور جو تہ در تہ اندھیروں میں بھٹک رہا ہو کیا برابر ہو سکتے ہیں جس کی چشمِ مازاغ مقامِ دنیٰ پر محوِ مشاہدہ ہو۔ کیا اس کی ہمسری وُہ لوگ کر سکتے ہیں جو دُوری کے حجابوں کے پیچھے سر پٹخ رہے ہوں۔ افلا تتفکرون کے الفاظ سے یہ بتایا کہ اس آیت میں جتنا کوئی زیادہ غور و فکر کرے گا اتنی ہی اس کو سمجھ دی جائے گی اور جو غور و تامّل نہیں کرے گا وُہ محروم رہے گا۔

۶۸ وُہ لوگ جو محض تعصب و ہٹ دھرمی سے آپ کی مخالفت کر رہے ہیں اور انھیں قیامت کے قائم ہونے کا خیال تک نہیں۔ انھیں اپنے حال پر چھوڑیئے اور آپ ان لوگوں کی طرف اپنی توجہ زیادہ مبذول کیجیے جو قیامت کے آنے پر یقین رکھتے ہیں۔ بہٖ کا مرجع قرآنِ حکیم ہے۔ اگر وُہ پہلے سے مسلمان ہے تو اس کے ڈرانے کا یہ فائدہ ہوگا کہ وُہ اپنے باطل عقیدوں کو چھوڑ کر اسلام قبول کر لے گا۔ فان کان مسلما انذ رلیترك المعاصی وان کان من اهل الکتب انذ رلیتبع الحق۔

۶۹ شفاعت کا بہت غلط تصوّر لوگوں میں رائج تھا بُت پرست یہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ بھی ہو تو اُن کے بُت انھیں چھوڑا لیں گے اور جس کو چاہیں گے بخشوا لیں گے اور یہود و نصاریٰ اس زعم میں مبتلا تھے نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ہم تو اللہ کے فرزند اور اس کے لاڈلے ہیں۔ ہمارے اعمال کیسے ہی ہوں ہم بخشے جائیں گے۔ تو اس غلط تصوّر کی نفی کر دی۔ اس سے انبیاء کرام کی شفاعت کی نفی نہیں کیونکہ وُہ اِذنِ الٰہی سے ہوگی۔ تو گویا حقیقۃً اللہ تعالیٰ ہی شفیع ہوگا۔ شفاعة الرسول لهم تكون باذن الله فهو الشفيع حقيقة اذن (قرطبی)

۷۰ حضرات بلال، یاسر، خبیب وغیرہ غریب و مسکین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہر وقت شمعِ رسالت پر پروانہ وار نثار

مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ

ان کے حساب سے کوئی چیز اور نہ آپ کے حساب سے ان پر کوئی چیز ہے

فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظّٰلِمِينَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ

تو پھر بھی اگر آپ دُور ہٹائیں انھیں تو ہو جائیں گے آپ بے انصافی کرنے والوں سے اور اسی طرح ہم نے لے آزمائش میں ڈال دیا

لِّيَقُولُوا أَهٰؤُلَاءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا ۗ أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَعْلَمَ

بعض کو بعض سے تاکہ کہیں (مالدار کافر نادار مسلمانوں کو دیکھ کر) کیا یہ ہیں احسان کیا ہے اللہ نے جن پر ہم میں سے کیا نہیں جانتا اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ ۲۷

ہوتے رہتے تھے۔ کفار جو نسلی برتری کے قائل تھے انھیں ہرگز یہ گوارا نہ تھا کہ وُہ ان غریبوں کے پاس بیٹھیں۔ چنانچہ اُنھوں نے ایک دفعہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں کہلا بھیجا کہ ہم آپ کے پاس حاضر ہونا تو چاہتے ہیں لیکن آپ کے گرد گنواروں اور ناداروں کا ہجوم ہوتا ہے اور ان کے ساتھ بیٹھنے میں ہماری ہتک ہوتی ہے۔ اگر آپ ان کو اپنی مجلس سے اُٹھا دیں تو ہم حاضر ہو سکتے ہیں۔ حضور کے خاطرِ مُبارک میں خیال گزرا ہی تھا کہ فوراً جبریل ؑ یہ حکم لے کر حاضر ہو گئے۔ اور ساری دُنیا کو یہ بتا دیا کہ یہی وُہ بارگاہ بے کس پناہ ہے جہاں حاضر ہونے والوں کی قدر و قیمت کا اندازہ ان کے زرق برق لباس اور ان کی دولت و ثروت کی بناء پر نہیں لگایا جاتا بلکہ ایمان و تقویٰ کی بناء پر لگایا جاتا ہے۔ فتکون من الظالمین کے الفاظ سے قیامت تک آنے والی اُمت کو بھی اس طرزِ عمل پر ثابت قدم رہنے کی تاکید کر دی گئی۔ فان فعلت کنت ظالما وحاشا من وقوع ذلك منه وانما هذا بیان للاحکام ولئلا یقع مثل ذلك من غیره من اهل الاسلام (القرطبی) اگر آپ ایسا کریں تو آپ ظلم کا ارتکاب کریں گے۔ پناہ بخدا! کہ ایسا فعل حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے صادر ہو۔ یہ تو محض احکامِ الٰہی کا بیان ہے تاکہ حضورؐ کے علاوہ کسی فرزندِ اسلام سے بھی ایسی حرکت صادر نہ ہو۔

۲۷ ابتداء میں حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم پر ایمان لانے والوں میں غریبوں اور فقیروں کی کثرت تھی دولتمند کفار دِل میں یہ سوچنے لگے کہ اگر اسلام واقعی کوئی نعمتِ عظمےٰ ہے تو کیا اس کے لیے نظرِ انتخاب انھیں بدحالوں اور فاقہ مستوں پر ہی پڑی۔ کیا ہم موجود نہ تھے۔ شکل و صُورت، حسب و نسب، مال و جاہ غرضیکہ ہم ہر لحاظ سے ان لوگوں سے بہتر تھے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ یہ شرف ہمیں بخشا جاتا۔ اِس لیے یہ کوئی شرف کی چیز نہیں ورنہ اِن ناداروں کو عطا نہ کی جاتی۔

۲۷ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے شکر گزار بندوں کو خُوب جانتا ہُوں اور مجھے خُوب معلُوم ہے کہ نعمتِ ایمان سے کِس کو سرفراز کرنا ہے۔

بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ

اپنے شکر گزار (بندوں کو) اور جب آئیں ۷۳؎ آپ کی خدمت میں وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں ہماری آیتوں پر تو (ان سے) فرمایئے سلام ہو

عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ

تم پر لازم کر لیا ہے تمھارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے آپ پر رحمت فرمانا تو جو کوئی کر بیٹھے تم میں سے

سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾

برائی نادانی سے پھر توبہ کر لے اس کے بعد اور سنوار لے (اپنے آپ کو) تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ ع

نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ اور اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں آیتوں کو تاکہ ظاہر ہو جائے راستہ گنہگاروں کا

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قُلْ

آپ فرمایئے مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں پوجوں انھیں جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا ۷۴؎ آپ فرمایئے میں

۷۳؎ وہ مقدّس گروہ جن کے شب و روز کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں صرف ہوتا ہے اور ان کے دل نورِ ایمان سے لبریز ہیں ان کی مزید عزّت افزائی کا سامان ہو رہا ہے یعنی کیا ہوا کہ وہ پھٹے پرانے لباس میں ملبوس ہیں اور نانِ جویں کے علاوہ اور کوئی چیز کھانے کو میسّر نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی شان یہ ہے کہ اے محبوبؐ! جب وہ تیری خدمت میں حاضر ہوں تو آپ پہلے انھیں سلام فرمایئے اور انھیں یہ دعا دیجئے کہ تمھارا دین، تمھاری دنیا ہر قسم کے مصائب و آلام سے محفوظ رہے۔ چنانچہ حضورؐ کا ارشاد ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِيْ اُمَّتِيْ مَنْ اَمَرَنِيْ اَنْ اَبْدَاَهُمْ بِالسَّلَامِ (قرطبی) اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میری امّت میں ایسے لوگ بھی پیدا فرمائے ہیں جنھیں پہلے سلام کہنے کا مجھے حکم فرمایا گیا ہے۔ نیز یہ وہ خوش نصیب ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا دامن پھیلا دیا ہے۔ ان میں سے اگر کوئی بھولے سے غلطی کر بیٹھتا ہے اور پھر نادم ہو کر توبہ کرتا ہے اور اپنے کردار کو درست کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دیتا ہے اور اس پر رحمت فرماتا ہے۔

۷۴؎ نادان کفّار اس کوشش میں سرگرداں رہا کرتے کہ دینِ توحید کا علم بردار اللہ تعالیٰ کا رسول برحق بھی ان معبودانِ باطل کی پرستش کرنے لگے جن کے سامنے یہ سجدہ ریز رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبؐ کو حکم دیا کہ آپ کھلے الفاظ میں اعلان

لَآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝٥٦

نہیں پیروی کرتا تمھاری خواہشوں کی ایسا کروں تو گمراہ ہوگیا میں اور نہ رہا میں ہدایت پانے والوں سے

قُلْ اِنِّىْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِىْ مَا

آپ فرمائیے بے شک میں قائم ہوں ایک روشن دلیل پر اپنے رب کی طرف سے اور جھٹلا دیا تم نے اسے نہیں ہے میرے پاس ۵۷ جس

تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ

کی تم جلدی مچا رہے ہو نہیں ہے حکم ۵۷ (کسی کا) سوائے اللہ کے وہی بتاتا ہے حق اور وہ سب سے بہتر

کردیں کہ میں تمھارے جھوٹے خداؤں کی عبادت ہرگز نہیں کروں گا اس خیال خام کو ہمیشہ کے لیے اپنے ذہنوں سے نکال دو۔ کیونکہ نہ عقل سلیم اس کی اجازت دیتی ہے کہ خالق دوجہان کو چھوڑ کر کسی غیر کی عبادت کی جائے اور نہ توحید کی روشن دلیلوں نے اس لغویت کے لیے کوئی گنجائش چھوڑی ہے۔ اس لیے عقل ونقل کے خلاف ایک صریح باطل کو کیوں کر اختیار کیا جا سکتا ہے۔ آیت میں تدعون کا معنی حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے ترجمہ میں یہ فرمایا ہے تدعون من دون اللہ شما پرستید بجز خدا یعنی خدا کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ آپ کے علاوہ قرطبی، روح المعانی، کشاف، نیشاپوری وغیرہم نے تدعون کا معنی تعبدون کیا ہے۔ دعا کی حقیقت کیا ہے؟ کونسی دعا عبادت اور شرک ہے؟ اور کونسی دعا عبادت نہیں۔ اس کی تحقیق کسی مناسب مقام پر کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۵۷ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور انھیں ڈرایا کرتے کہ اگر تم نے شرک کو نہ چھوڑا تو عذاب الٰہی آئے گا اور تمھیں نیست و نابود کردے گا۔ وہ بطور مذاق کہتے کہ ہم آپ کا دین قبول نہیں کرتے پھر اتار دیجئے ہم پر عذاب۔ جلدی کیجیے دیر کیوں لگا رہے ہیں۔ بلکہ وہ تو یہ دعا بھی مانگا کرتے کہ اے خدا! اگر یہ دین سچا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر۔ اللہ تعالیٰ ان کی ہرزہ سرائی کے رد میں اپنے محبوب کو یہ جواب دینے کی ہدایت فرما رہے ہیں کہ اے کفار جس عذاب کے لیے تم جلد بازی کر رہے ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ جب چاہے گا اُتارے گا اور اُس وقت اس کے غضب سے تمھیں کوئی نہ بچا سکے گا۔

۵۷ ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہے ہر کام کے لیے اس نے اپنے علم ازلی میں وقت مقرر کر رکھا ہے جو وقت تم پر عذاب نازل کرنے کا اس نے متعین کر دیا ہے۔ اس سے پہلے یا پیچھے کوئی نہیں کر سکتا۔

الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ

فیصلہ کرنے والا ہے آپ فرمائیے اگر میرے پاس ہوتی وُہ چیز جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو کبھی کا فیصلہ ہو گیا ہوتا

بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ

اس بات کا میرے درمیان اور تمہارے درمیان اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔ اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی

لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ

نہیں جانتا انہیں سوائے اس کے ۷۷ے اور جانتا ہے جو کچھ خشکی میں اور سمندر میں ہے ۷۸ے اور نہیں گرتا کوئی پتّہ

۷۷ے مَفْتَحٌ کا معنی خزانہ ہے اور مِفْتَحٌ کا معنی کنجی ہے۔ اگر مفاتح کو مَفْتَحٌ کی جمع تسلیم کیا جائے تو آیت کا معنی ہو گا اللہ تعالیٰ کے پاس ہی غیب کے خزانے ہیں اور اگر مِفتح کی جمع کہا جاوے تو پھر آیت کا مفہوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہی غیب (کے خزانوں) کی کنجیاں ہیں پہلی آیت میں بتایا کہ ہر قسم کا اختیار اسی کو حاصل ہے۔ اس آیت میں تصریح فرمائی کہ علم کامل اور محیط سے بھی فقط وُہی متصف ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ خدا صرف وُہی ہو سکتا ہے جو بے پایاں قدرت اور بیکراں علم کا مالک ہو۔ لیکن اس آیت سے یہ سمجھنا کسی طرح درست نہیں کہ وُہ کسی کو علم غیب سکھاتا بھی نہیں بلکہ وُہ جس کو چاہتا ہے جتنا چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ کوئی بخیل اس کی بخشش وعطا کا ہاتھ نہیں روک سکتا۔ اور جو کچھ اس نے سیّد الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو عنایت فرمایا ہے اس کا اندازہ لگانا کسی کے بس کی بات نہیں۔ علاّمہ قرطبیؒ لکھتے ہیں۔ فالله تعالیٰ عنده علوم الغيب وبيده الطرق الموصلة اليه لايملكها الا هو فمن شاء اطلاعه عليها اطلعه ومن شاء حجبه عنها حجبه ولا يكون ذلك من افاضة الاعلى رسله: یعنی غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور علم غیب تک پہنچنے کے ذریعے بھی اسی کے دست قدرت میں ہیں کوئی ان کا مالک نہیں پس اللہ تعالیٰ جس کو غیب کا علم دینا چاہتا ہے دے دیتا ہے اور جس کو محرُوم رکھنا چاہتا ہے اسے محروم کر دیتا ہے۔ اور امُور غیب پر آگاہی صرف رسُولوں کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتی ہے جن پر علوم غیب کا فیضان فرمایا جاتا ہے۔

۷۸ے پہلے تو مطلقاً فرمایا کہ غیب کے خزانوں کی کنجیاں اسی کے قبضہ میں ہیں۔ اس کے بعد مزید وضاحت سے اپنے علمِ وسیع و محیط کو بیان فرمایا کہ یہ کائنات جس کے کروڑویں حصّے کا بھی تمہیں علم نہیں لیکن جتنا کچھ بھی تم جانتے ہو اس میں سب سے بڑی چیزیں خشکی اور تری ہیں۔ ان میں رنگا رنگ اَن گنت مخلوق چھوٹی اور بڑی سانس لے رہی ہے ان سب کو بھی وُہ جانتا ہے۔ اس کے علم کی ہمہ گیری کی یہ کیفیت ہے کہ رُوئے زمین پر بے شمار جنگلات کے بے حساب درختوں کے اَن گنت پتّوں میں سے اگر کوئی پتّہ بھی گرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا بھی علم ہے۔ اور سنو! شکم زمین کے اندھیروں میں جہاں تمہارے

اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ

مگر وُہ جانتا ہے اس کو اور نہیں کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز ۷۹ مگر وُہ

كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ

لکھی ہوئی ہے روشن کتاب ۸۰ میں۔ اور وُہ وہی ہے جو قبضہ میں لے لیتا ہے تمھیں رات کو اور جانتا ہے جو کمایا تم نے

بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ

دن کو پھر اُٹھاتا ہے تمھیں (نیند سے) دن میں تاکہ پُوری کر دی جائے (تمھاری عمر کی) میعاد مقرر ۸۱ پھر اسی کی طرف تمھیں لَوٹنا ہے

تیز بین برقی آلات بھاری بھرکم اشیاء کا سراغ لگانے سے بھی عاجز ہیں۔ ان اندھیروں میں سرسوں کے بیج سے بھی باریک دانہ جہاں کہیں جس حالت میں پڑا ہے اللہ تعالیٰ اُس کو بھی جانتا ہے۔ تو جس کی ہمہ دانی کی یہ کیفیت ہو اُس کے احاطہ علم سے بھی کوئی چیز خارج ہوسکتی ہے؟

۷۹؎ اِن جزئیات کا ذکر کرکے اب پھر عمومی رنگ میں اللہ تعالیٰ کے علم کی ہمہ گیری کا ذکر ہو رہا ہے۔

۸۰؎ اس سے مُراد لوحِ محفوظ ہے۔ جس میں علمِ الٰہی متشکل صُورت میں موجود ہے۔ جس پر ملائکہ آگاہ ہوتے رہتے ہیں ای فی اللوح المحفوظ لتعتبر الملائکۃ بذلك (القرطبی)

۸۱؎ نیند اور بیداری کا یہ تسلسل جاری رہتا ہے یہاں تک کہ زندگی کا سفینہ وقت کے سمندر میں موجوں سے کھیلتا، طُوفانوں سے اُلجھتا، بھنوروں سے بچتا موت کے ساحل پر لنگر انداز ہو جاتا ہے۔ اس کے پیچھے ایک آہنی دیوار کھڑی کر دی جاتی ہے۔ حال کے ہنگامے ماضی کی گود میں دم توڑ دیتے ہیں۔ ساری وابستگیاں اور دلبستگیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ ایک اور زندگی کی صبح طلوع ہوتی ہے۔ اِنسان اپنے مالک وخالق کے حضُور میں جواب دہی کے لیے کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ یہاں "توفی" کا لفظ نیند کے معنی میں اِستعمال ہوا ہے۔ اس کا حقیقی معنی ہے کسی چیز کو پُورا پُورا لے لینا۔ استیفاء الشیئ (قرطبی) کیونکہ نیند کے وقت اِنسان کا عقل وشعور معطّل ہو جاتا ہے۔ چلنے پھرنے، دیکھنے سننے وغیرہ کی قوتیں بے کار ہو جاتی ہیں۔ اِس لیے اس کے لِیے توفّی کا لفظ اِستعمال ہوا۔ اور موت کے وقت بھی مرنے والا کیونکہ اپنے مقررہ رات دِن پورے گزار چکا ہوتا ہے اِس لِیے وہاں بھی توفی کا لفظ اِستعمال ہوتا ہے۔ توفی المیت استوفی عدد ایام عمرہ والذی ینام کانہ استوفی حرکاتہ (قرطبی) توفی کا یہ مفہُوم خُوب ذہن نشین رہے۔ تاکہ کوئی یہ بتا کر کہ توفی کا معنی موت ہے آپ کو حیاتِ حضرت مسیح علیہ السّلام سے منحرف نہ کر دے۔

ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٦٠﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَ

پھر وُہ بتائے گا تمھیں جو تم کیا کرتے تھے اور وُہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور

يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ

بھیجتا ہے تم پر نگہبان ۸۲؎ یہاں تک کہ جب آجائے تم میں سے کسی کی موت تو قبض کر لیتے ہیں

رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ أَلَا

اُس کی رُوح ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اور وُہ کوتاہی نہیں کرتے ۔ پھر لوٹائے جائیں گے اللہ تعالےٰ کی طرف جو اُن کا حقیقی مالک ہے سنتے ہو

لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ ﴿٦٢﴾ قُلْ مَن يُنَجِّيكُم مِّن

اسی کا حکم ہے اور وُہ سب سے تیز حساب کرنے والا ہے آپ فرمائیے ۸۳؎ کون نجات دیتا ہے تمھیں

۸۲؎ حفظۃ جمع ہے حافظ کی مقصد یہ ہے کہ انسان یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اعمال سے بے خبر ہے۔ بلکہ اللہ تعالےٰ نے تو ایسے فرشتے مقرر فرما دیئے ہیں کہ ہر لفظ جو اس کی زبان سے نکلتا ہے اور ہر حرکت جو اس سے سرزد ہوتی ہے وُہ اس کو ریکارڈ کر رہے ہیں۔ اور قیامت کے دن مجرم جب اپنے جرموں کو تسلیم کرنے سے انکار کرے گا تو اُس کی زندگی کا صحیفہ اُس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ گراموفون کے ریکارڈ کی طرح اُسی کی زبان ہوگی اور اعتراف جرم ہوگا۔

۸۳؎ اپنے مولائے برحق کی نافرمانی میں سرکش گھوڑے کی طرح سرپٹ دوڑے چلے جانے والے انسان سے پُوچھا جا رہا ہے کہ حضرت جی! یہ تو فرماؤ کہ جب تمھیں خشکی یا تری میں مصائب کے بادل گھیر لیتے ہیں۔ نجات کے راستے مسدُود ہو جاتے ہیں۔ اندھیری رات ہے۔ کالی گھٹا چھا رہی ہے۔ طُوفان اُمڈ کر آ رہا ہے۔ کشتی ہچکولے کھا رہی ہے اور گمان یہ ہے کہ ابھی ٹوٹی ابھی ڈُوبی، اُس وقت تم کس کی بارگاہ میں فریاد کرتے ہو۔ کس کے دامنِ رحمت میں پناہ تلاش کرتے ہو۔ دِل کی گہرائیوں سے کس سے پختہ عہد باندھتے ہو کہ اب معاف کر دے پھر نافرمانی نہیں کریں گے اور عمر بھر تیرے اس احسان کے مرہُون رہیں گے۔ اور وُہ مولائے کریم جب اس وقت بھی تم پر اپنا فضل و کرم فرما کر تمھیں اِن مصائب اور مایُوسی کے اندھیروں سے نکال دیتا ہے تو تم پھر اس کو بھُول جاتے ہو۔ اور اس وحدہٗ لاشریک کے ساتھ بُتوں کو شریک ٹھیرانے لگتے ہو۔ کیا یہی تمھاری انسانیت ہے اور یہی تمھاری شرافت؟ کچھ سوچو تو۔ کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو ظلمات سے مُراد مصائب اور مشکلات ہیں۔ اہلِ عرب تکلیف کے دِن کو یومِ مظلم کہتے ہیں۔ کرب کا معنی ہے شدید غم۔

ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ

خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں جسے تم پکارتے ہو گڑگڑاتے ہوئے اور آہستہ آہستہ (اور کہتے ہو) اگر نجات دی اللہ نے ہمیں

هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٣﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ

اس (مصیبت) سے تو ہم ضرور ہو جائیں گے اس کے شکر گزار (بندے) فرمائیے اللہ ہی نجات دیتا ہے تمھیں اس سے اور ہر

كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٦٤﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ

مصیبت سے پھر تم شریک ٹھیراتے ہو فرمائیے وُہ قادر ہے اس پر کہ ٨٤ے بھیجے تم

عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ

پر عذاب تمھارے اُوپر سے یا تمھارے پاؤں کے نیچے سے اور خلط ملط کر دے

شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ

تمھیں مختلف گروہوں میں اور چکھائے تم میں سے بعض کو شدّت دُوسروں کی دیکھو کیونکر ہم طرح طرح سے بیان کرتے ہیں (توحید کی)

٨٤ے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے احکام سے سرتابی کر کے انسان امن وعافیت کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ کبھی اُوپر سے بجلی کڑک رہی ہے۔ مُوسلا دھار بارشیں سیلاب کی صورت اختیار کر کے قیامت ڈھا رہی ہیں۔ توپیں آگ اُگل رہی ہیں بلند پرواز طیارے اور راکٹ، بم اور ایٹم بم برسا رہے ہیں۔ کبھی نیچے سے بارُودی سُرنگیں پھٹ رہی ہیں۔ آبدوز کشتیاں سمندر کی گہرائیوں سے اُبھر کر بھاری بھر کم جہازوں کو اُڑا رہی ہیں۔ کہیں زلزلے آباد شہروں کو کھنڈرات میں بدل رہے ہیں۔ اس کے علاوہ سخت تر عذاب یہ ہے کہ آپس میں انتشار اور بے اتفاقی کی وبا پھُوٹ پڑتی ہے۔ ایک قوم کے فرزند، ایک مِلّت کے افراد مختلف ٹولیوں اور فرقوں میں بٹ جاتے ہیں۔ کہیں مذہب وجہِ فساد بن جاتا ہے اور کہیں سیاست باعثِ انتشار۔ اپنوں کی عزّت کو اپنے ہاتھوں خاک میں مِلا دینا بڑا کارنامہ تصوّر کیا جاتا ہے۔ اَوروں کو رہنے دیجئے۔ اپنے گھر کا حال دیکھئے جب سے ہم نے صراطِ مستقیم سے انحراف کیا ہے ہم کن پستیوں میں دھکیل دیئے گئے ہیں۔ ایک خدا۔ ایک رسُول۔ ایک کتاب اور ایک کعبہ پر ایمان رکھنے والے کس نفاق اور انتشار کا شکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حالِ زار پر رحم فرمادے آمین بجاہِ طٰہٰ ویٰسٓ علیہ الصلوٰۃ والسّلام۔ فوق اور تحت کے جو لفظ آیت میں ہیں ان کی ایک اور تفسیر بھی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ فوق سے مُراد ظالم حکمران اور تحت سے مُراد کمینے اور بدکار اہل کار ہیں۔ من فوقکم یعنی

الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ

دلیلوں کو تاکہ یہ لوگ (حقیقت کو) سمجھ لیں اور جھٹلایا اسے آپ کی قوم نے حالانکہ یہ حق ہے فرمائیے

لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦٦﴾ ؕ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ؗ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٧﴾

نہیں ہوں میں تمہارا ذمہ دار ہر ایک خبر (کے ظہور) کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب جان لوگے ۸۵ ے

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى

اور (اے سننے والے!) ۸۶ ے جب تو دیکھے انہیں کہ بیہودہ بحثیں کر رہے ہیں ہماری آیتوں میں تو منہ پھیر لے اُن سے یہاں تک کہ

يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ

وہ اُلجھنے لگیں کسی اور بات میں اور اگر (کبھی) بھلا دے تجھے شیطان تو مت بیٹھو

بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ

یاد آنے کے بعد ظالم قوم کے پاس اور نہیں ہے ان پر جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے

الامراء الظلمة ومن بحث يعني السفلة وعبيد السوء (القرطبی)

۸۵ ے کفار خیال کیا کرتے کہ عذاب کی جو دھمکیاں ہمیں دی جا رہی ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ محض ڈراوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تم یونہی جلدی کر رہے ہو میرے علم ازلی میں ہر چیز کے لیے وقت مقرر ہے اور ہر چیز اپنے وقت پر ظہور پذیر ہو جائے گی اور تم اُس وقت خود بخود جان لوگے۔

۸۶ ے صحبت کا اثر مسلّم ہے۔ انسان اپنے ہم نشین کی عادات، اخلاق اور عقائد سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان لوگوں کے پاس بیٹھنے سے سختی سے منع کیا ہے جن کا رات دن کا مشغلہ اسلام، پیغمبر اسلام اور قرآن حکیم پر طعن و تشنیع کرنا ہے۔ ایسے لوگوں کی صحبت سے پرہیز ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا دل بھی ان کی باتوں سے متاثر ہونے لگے۔ آج کل کی عام گمراہی کی بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگ اس حکم پر عمل نہیں کرتے اور ان بدعقیدہ لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے میں کوئی ضرر نہیں سمجھتے۔ نتیجہ وہی نکلتا ہے کہ متعدی مرض کے مریض کے پاس بیٹھنے والا بھی اس مرض کا شکار ہو جاتا ہے۔

مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰی لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَذَرِ

ان کافروں کے حساب سے کچھ بوجھ ۸۷؎ البتّہ پرہیزگاروں پر نصیحت کرنا فرض ہے شاید وُہ باز آجائیں اور چھوڑ

الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ

دے جنھوں نے ۸۸؎ بنا لیا ہے اپنا دین کھیل اور دِل لگی اور دھوکہ میں ڈال دیا ہے اُنھیں دُنیوی زندگی نے اور

ذَكِّرْ بِهٖۤ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖۗ لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

نصیحت کرو ۸۹؎ قرآن سے تاکہ ہلاک نہ ہو جائے کوئی آدمی اپنے عملوں کی وجہ سے۔ نہیں ہے اس کے لیے اللہ کے سوا کوئی

وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا یُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓىِٕكَ

حمایتی اور نہ سفارشی اور اگر وُہ معاوضہ میں دے ہر بدلہ تو نہ قبول کیا جائے گا اس سے یہی وُہ لوگ

الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ

ہیں جو ہلاک کیے گئے ہیں بوجہ اپنے کرتوتوں کے اُن کے لیے پینے کو کھولتا ہوا پانی ہے اور دردناک عذاب ہے

۸۷؎ پہلے دُشمنانِ دین کی صُحبت وہم نشینی سے روکا گیا۔ اب فرمایا جاتا ہے کہ اگر مجبُوراً تمھیں ان کے پاس بیٹھنا پڑے تو ان کے بکواسات اور لغو گوئی کا محاسبہ تم سے نہیں ہوگا وُہ خود ہی اس کے ذمہ دار اور اس کے لیے جوابدہ ہوں گے۔ ہاں تمھیں چاہیئے کہ شائستگی اور سلیقہ سے اُنھیں دعوتِ اسلام دیتے رہو۔ ممکن ہے ان کی راہ یابی کی صُورت نکل آئے۔

۸۸؎ وُہ بدنصیب لوگ جنھوں نے دین کو کھیل اور دِل لگی بنا رکھا ہے اور سنجیدگی اور متانت سے اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے طلبِ حق کا شوق ہی دِل میں نہیں رکھتے بلکہ اُلٹا مذاق کرتے ہیں اُنھیں اپنے حال پر رہنے دو۔ زندگی کی عیش وعشرت اور ساز وسامان نے اُنھیں بدمست ومدہوش کر دیا ہے۔ اُن سے یہ توقع نہیں کہ یہ دعوتِ اسلام قبول کریں گے۔

۸۹؎ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انھیں سمجھانا اور نصیحت کرنا ہی ترک کر دیا جائے بلکہ انھیں قرآن حکیم کی آیات پڑھ پڑھ کر سُنائیے۔ شاید عذابِ الٰہی سے بچنے کی کوئی صُورت نکل آئے۔ اور جس نے چشمِ ہوش نہ کھولی اور باطل کی حمایت میں سرگرم رہا تو قیامت کے دِن اس کی نجات کی کوئی شکل نہ ہوگی۔ نہ تو اسے کوئی ایسا حمایتی مِلے گا جو زبردستی اسے اللہ تعالٰی کی گرفت سے بچالے اور نہ سفارشی۔ اور نہ اس سے فِدیہ قبول کیا جائے گا۔ الابسال تسلیم المرء للھلاك (قرطبی) اپنے آپ کو ہلاکت کے حوالے کر دینے کو ابسال کہتے ہیں۔

بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝٧٠ قُلْ اَنَدْعُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَ

بوجہ اس کفر کے جو وُہ کرتے رہے تھے ۔ آپ فرمائیے کیا ہم پُوجیں ٩٠ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے ہمیں اور

لَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ

نہ ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے اور (کیا) ہم پھر جائیں اُلٹے پاؤں اس کے بعد کہ ہدایت دی ہے ہمیں اللہ نے؟ مثل اس شخص کے کہ

الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۠ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى

بھٹکا دیا ہو اُسے جنّوں نے زمین میں اور وُہ حیران و پریشان ہو ۔ اُس کے ساتھی ہوں جو اُسے بُلا رہے ہوں ہدایت کی

الْهُدَى ائْتِنَا ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ

طرف کہ ہمارے پاس آجا ۔ آپ فرمائیے اللہ کی رہنمائی ہی حقیقی رہنمائی ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم گردن

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٧١ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۭ وَهُوَ الَّذِىٓ اِلَيْهِ

جھکا دیں سارے جہانوں کے رب کے سامنے اور یہ کہ صحیح صحیح ادا کرو نماز اور ڈرو اس سے ۔ اور وُہی ہے جس کی طرف

٩٠ کفّار اس بات میں بڑے کوشاں رہا کرتے تھے کہ مسلمان اسلام کو چھوڑ کر اپنے باپ دادا کا مذہب پھر اختیار کرلیں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو حکم فرماتے ہیں کہ آپ اُنھیں فرمائیے کہ یہ خیالِ خام اپنے دل سے نکال دیں کیا یہ ممکن ہے کہ وُہ شاہراہِ ہدایت پالینے کے بعد جس پر نُور ہی نُور ہے ہم شرک و کفر، فسق و فجور کے بھیانک اندھیروں کی طرف لوٹ جائیں۔ ہرگز نہیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو پھر ہماری حالت اُس شخص سے مختلف نہ ہوگی جو اپنی منزلِ مقصود کی طرف ایسے ساتھیوں کی رفاقت میں بڑھا چلا جارہا ہے۔ جو راہ کے پیچ و خم اور نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اور پھر راستہ میں کوئی شیطان اسے بہکادے اور وُہ اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر اس کے پیچھے ہولے۔ اس کے ہمراہی اس کو پیچھے سے آواز دیں کہ کدھر بھٹک کر جارہے ہو۔ سیدھی راہ تو اِدھر ہے۔ اور وُہ ششدر و درماندہ تصویرِ حیرت بنا کھڑا ہو اور کچھ فیصلہ نہ کر سکے کہ اُسے کدھر جانا ہے۔ اے کفّار تمھاری یہ توقع عبث ہے کہ ہم دولتِ یقین سے مالا مال ہونے کے بعد شک و گمان کے بھنوروں میں کُود پڑیں گے۔ آیت میں استھوتہ کا لفظ ہے اس کا مفہوم ہے زین له الشیطان هواه (قرطبی) یعنی شیطان نے جس کی نفسانی خواہش کو مزیّن و آراستہ کر دیا ہو اور وُہ اس پر فریفتہ ہو چکا ہو اور حق کا دامن چھوڑ کر باطل کی پیروی میں مگن ہو گیا ہو۔

تُحْشَرُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ط وَيَوْمَ

تم جمع کیے جاؤ گے اور وُہ وُہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ ۹۱ے اور جس روز

۹۱ے عبادت کے لائق تمہارے بے بس اور بے کس معبُودانِ باطل نہیں بلکہ وُہ ذاتِ یکتا و بے ہمتا عبادت کے لائق ہے جو ان صفات کی مالک ہے جن کا ذکر ان آیات میں موجُود ہے۔ اس کا کوئی کام عبث و فضول نہیں۔ اس کی کوئی تخلیق بے مقصد نہیں۔ اِس وسیع وعریض کائنات کی کسی حقیر سی حقیر چیز پر غور کرو، اس کی افادیّت کا آپ کو احساس ہونے لگے گا۔ یہ بے ڈھنگا اور بد وضع پرند جسے ہم گِدھ کہتے ہیں نوعِ انسانی کا کتنا بڑا خدمت گزار ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو دُنیا بھر کی میونسپل کمیٹیاں اور صحت کے ادارے ان مُردہ جانوروں کو ٹھکانے لگانے سے عاجز آ جاتے۔ اور ان کی گلی سڑی بدبُودار لاشوں سے زندگی تلخ ہو جاتی۔ غرضیکہ چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک، مَمولے سے لے کر عقاب تک جدھر بھی آپ فکر کی نگاہ ڈالیں آپ کو حکمتِ ربّانی کے جلوے نظر آئیں گے۔ یہاں میں نیویارک سائنس اکیڈیمی کے پریذیڈنٹ اے۔سی۔ موریسن کے مضمون کا ایک مختصر اقتباس پیش کرتا ہُوں جس سے بالحق کا مفہوم نہایت واضح ہو جائے گا۔

”زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چکّر کاٹ رہی ہے۔ اگر اس کی رفتار ایک ہزار میل کی بجائے ایک سو میل ہوتی تو دِن اتنے لمبے ہوتے کہ سُورج کی تپش تمام کھیتوں کو بھُون کر رکھ دیتی۔ اور راتیں اتنی لمبی اور سرد ہوتیں کہ زندگی کی اگر کچھ رمق سُورج کی تپش سے بچ جاتی تو رات کی سردی اسے منجمد کر کے رکھ دیتی۔ سُورج کا درجۂ حرارت بارہ ہزار ڈگری فارن ہیٹ ہے۔ لیکن زمین کو اس سے اتنی مناسب دُوری پر رکھ دیا گیا ہے کہ وہاں سُورج کی حرارت اتنا قدر ہی پہنچتی ہے جو حیات بخش ہے۔ لیکن اگر سُورج کا درجۂ حرارت بارہ ہزار ڈگری کے بجائے چھ ہزار ڈگری ہوتا تو کرّہ زمین برف کے نیچے دب جاتا۔ اور اگر اٹھارہ ہزار ڈگری ہوتا تو ساری زمین اس کی تمازت سے جل کر راکھ ہو جاتی زمین کا جُھکاؤ ۲۳ درجہ کا زاویہ بناتا ہے اور اسی جھکاؤ سے ہمارے موجُودہ موسم مناسب وقفوں کے بعد باری باری آتے ہیں۔ اگر اس میں یہ جُھکاؤ نہ ہوتا تو سمندر سے اُٹھنے والے بُخارات جنوب اور شمال میں حرکت کرتے اور اتنی زور سے برف باری ہوتی کہ ساری زمین ڈھک جاتی۔ اگر چاند کی دُوری زمین سے اتنی نہ ہوتی جتنی اب ہے بلکہ صرف پچاس ہزار میل ہوتی تو سمندروں میں مدّوجزر اس شدّت سے آتا کہ پہاڑوں تک کو بھی بہا کر لے جاتا۔ اگر زمین کی سطح موجُودہ سطح سے صرف دس فٹ زیادہ موٹی ہوتی تو یہاں آکسیجن ہی نہ ہوتی اور کوئی جانور زندہ نہ رہتا۔ اور اگر سمندر چند فٹ اور گہرے ہوتے تو ساری کاربن ڈائی آکسائڈ اور آکسیجن صرف ہو جاتی اور رُوئے زمین پر کوئی سبز پتّہ نظر نہ آتا۔ اِس حکیمانہ نظام پر غور کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کارخانہ ہستی اتفاقاً معرضِ وجُود میں نہیں آ گیا بلکہ ایک حکیم و دانا خالق نے اس کی تخلیق فرمائی ہے ورنہ زندگی کا کوئی امکان نہ تھا (READER'S. DIGEST OCT, 1960) یہ اقتباس پڑھ لینے کے بعد اب اِس آیت کو دوبارہ پڑھیئے اور اس کے نازل کرنے والے مولائے برحق کے حضور میں سربسجُود ہو جایئے۔ اور جس

يَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ ۝٧٣ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۚ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ ۚ

وُہ کہے گا کہ تو ہو جا تو بس وُہ ہو جاتے گا اُسی کا فرمان حق ہے اور اسی کی حکومت ہوگی جس دن پھُونکا جائے گا صُور ۹۲

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ۝٧٤ وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ

جاننے والا ہے ہر چھپی چیز کا اور ہر ظاہر چیز کا اور وُہی ہے حکمت والا سب کچھ جاننے والا اور یاد کرو جب کہا ۹۳ ابراہیمؑ

لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً ۖ إِنِّي أَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلٰلٍ

نے اپنے باپ ۹۴ آزر سے کیا تم بناتے ہو بُتوں کو خدا بے شک میں دیکھتا ہُوں تمھیں اور تمھاری قوم کو کھُلی گمراہی

ذاتِ قُدس صفات نے اُمّی ہوتے ہُوئے اس حقیقتِ پنہاں کے رُخ سے نقاب اُلٹا ہے اس پر زبانِ دل و رُوح سے صلوٰۃ و سلام عرض کیجئے ؎ اُمّتے بُود کہ ما از اثرِ حکمت او واقف از سرِّ نہاں خانۂ تقدیر شدیم (اقبالؒ)

۹۲ بعض لوگوں نے صُوَر کو صورۃ کی جمع تصوّر کیا ہے اور معنی یہ کیا ہے کہ صُورتوں میں جب پھُونکا جائے گا تو وُہ حقائق میں تبدیل ہو جائیں گی یا بے جان مجسّموں میں پھُونک مارنے سے وُہ زندہ ہو جائیں گے لیکن یہ معنی دُوسری آیتوں اور احادیثِ نبویہ سے تطبیق نہیں کھاتا۔ حدیث شریف میں یہی ہے کہ حضرت اسرافیلؑ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہلی بار صُور پھُونکیں گے تو سب زندہ اشیاء موت کی نیند سو جائیں گی۔ اور جب دُوسری بار پھُونکیں گے تو ہر چیز زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہو جائے گی۔ اس صُور کی حقیقت کیا ہے۔ اس کی شکل و صُورت اور طول و عرض کتنا ہے۔ اس کے متعلّق نہ قرآن نے بتایا نہ صاحبِ قرآن نے اور نہ اس کے جاننے کی کوئی ضرورت ہے۔ اِس لیے اِس بارے میں سکُوت ہی اولیٰ ہے۔

۹۳ عرب کے مُشرک یہُودی اور عیسائی سب حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی عظمت و جلالتِ شان اور رسالت کے معترف تھے اور اہلِ عرب کو اس پر ناز تھا کہ وُہ اس مقدّس ہستی کی اولاد ہیں اِس لیے حضرت خلیل علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے حالات پیش کر کے انھیں بتایا جا رہا ہے کہ تم عجب ستم ظریف ہو کہ جس کے نام سے تمھیں یہ ساری عزّت اور سرداری نصیب ہے۔ جس کی نسل سے ہونے کو تم اپنے لیے وجہِ عزّت و افتخار سمجھتے ہو۔ اس کے دین اور اس کے مقصدِ حیات سے تم بالکل بیگانگی اختیار کر چکے ہو بلکہ اس گمراہی کو تم اپنا دین بنا چکے ہو جس کو مٹانے کے لیے اُنھوں نے عُمر بھر جہاد کیا۔ جن بُتوں کو ریزہ ریزہ کر کے اُنھوں نے بھڑکتے ہُوئے آتش کدہ میں کُودنا گوارا کیا تم پھر اُنھیں بُتوں کی پُوجا میں سرگرم ہو اور ان کے دینِ حنیف کی طرف تمھیں دعوت دی جاتی ہے تو خشمگین اور غضب ناک ہو کر رسُولِ برحق سے لڑنے کے لیے کمربستہ ہو جاتے ہو عجیب اُلٹی کھوپڑی کے لوگ ہو تم۔

۹۴ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے والد کا نام آزر تھا یا چچا کا؟ حضرت خلیلؑ کے والد مُسلمان تھے یا کافر؟ اس مقام

مُّبِيْنٍ ﴿٧٥﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ

میں ۔ اور اسی طرح ہم نے دکھادی ۹۵ ابراہیمؑ کو ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی ۹۶ تاکہ وُہ ہوجائیں

پر علاّمہ آلوسی بغدادیؒ نے اپنی تفسیر رُوح المعانی میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں اور اس نزاع کا فیصلہ انھیں پر چھوڑتا ہوں۔ علاّمہ مذکور رقم طراز ہیں۔ علماء اہل سنّت میں سے ایک جمّ غفیر کی رائے یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کے والد نہ تھے۔ کیوں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے آباؤ اجداد میں کوئی بھی کافر نہ تھا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔ " لَمْ اَزَلْ اَنْقُلُ مِنْ اَصْلَابِ الطَّاهِرِيْنَ اِلٰى اَرْحَامِ الطَّاهِرَاتِ وَالْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ"۔ کہ میں ابتداء سے آخر تک پاک لوگوں کی پُشتوں سے پاک خواتین کے رحموں میں منتقل ہوتا چلا آیا ہوں اور مشرک نجس ہیں۔ اس کے بعد آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ امام رازیؒ کا یہ کہنا کہ یہ شیعہ کا مذہب ہے درست نہیں۔ امام رازیؒ نے اچھی طرح چھان بین نہیں کی اس لیے یہ غلطی ہوگئی۔ علماء اہل سُنّت کی اکثریّت کا یہ قول ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے چچا کا نام ہے اور اَبْ کا لفظ چچا کے معنی میں عام استعمال ہوتا ہے۔ اپنے اس مسلک کی تائید میں علاّمہ مذکور نے کئی آثار نقل کیے ہیں لیکن یہاں صرف ایک چیز پیش کی جاتی ہے۔ یہ تو ایک واضح امر ہے کہ جس کی موت کفر و شرک پر ہو اس کے لیے مغفرت نہیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام اپنے والد کی وفات کے سالہا سال بعد جب بابل سے ہجرت کر کے مصر گئے۔ وہاں سے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کر کے شام آئے اور مدت دراز کے بعد اسمٰعیل علیہ السّلام کی ولادت ہوئی اور حکم ربّانی سے آپ ننھے اسمٰعیلؑ اور اُن کی والدہ ہاجرہؓ کو اس لق و دق صحراء میں چھوڑ آئے جہاں کعبہ کی تعمیر ہونی تھی۔ اس واقعہ کے برسوں بعد جب اسمٰعیل علیہ السّلام جوان ہوئے اور کعبہ کی تعمیر مکمّل ہوگئی تو اُس وقت یہ دُعا آپ نے مانگی۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ۔ اے ربّ! مجھے بھی بخش دے اور میرے والدین اور مسلمانوں کو بھی بخش دے۔ اگر حضرت کے والدین کافر ہوتے تو ایک پیغمبر یہ جانتے ہوئے کہ کافر کی بخشش نہیں ہوسکتی کبھی اُن کی مغفرت کے لیے دُعا نہ کرتے۔ (رُوح المعانی) لیکن وُہ علماء جن کی تحقیق یہ ہے کہ آزر حضرت کے والد ہی تھے وُہ بھی اِس بات سے سختی سے منع کرتے ہیں کہ عام مجالس میں ان کے متعلق باتیں کی جائیں۔

حضرت صدرُ الافاضلؒ یہاں لکھتے ہیں۔ " قاموس میں ہے کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کے چچا کا نام ہے۔ علاّمہ جلال الدینؒ سیوطی نے مسالک الحنفاء میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ چچا کو باپ کہنا تمام ممالک میں معمول ہے بالخصوص عرب میں۔ قرآن کریم میں بھی ہے۔ نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا۔ اس میں حضرت اسمٰعیلؑ کو حضرت یعقوبؑ کے آباء میں ذکر کیا گیا ہے باوجودیکہ آپ عم ہیں۔ حدیث شریف میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عباسؓ کو اَبْ (باپ) فرمایا۔ چنانچہ ارشاد کیا رُدُّوْا عَلَيَّ اَبِيْ۔ یہاں ابی سے حضرت عبّاسؓ مُراد ہیں۔ (خزائن العرفان)

۹۵ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ جلال خداوندی کے انوار و تجلّیات ہر لمحہ ضوفشاں ہیں لیکن انسانی رُوح کسی نہ کسی حجاب

مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿٧٦﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ

کامل یقین کرنے والوں میں پھر جب چھا گئی ان پر رات ٩٧ (تو) دیکھا اُنھوں نے ایک ستارا۔ بولے (کیا) یہ میرا رب ہے؟

کے باعث ان کے مشاہدہ سے محرُوم رہتی ہے۔ جیسے جیسے حجاب ہٹتا اَور سرکتا جاتا ہے ویسے ہی انوار کا مشاہدہ شروع ہو جاتا ہے حضرت خلیل عٰ نے جب تمام حجابات کو تار تار کر دیا اَور انوارِ الٰہی کے مشاہدہ میں کوئی آڑ باقی نہ رہی تو زمین و آسمان کی بے کراں وُسعتوں میں قدرتِ خداوندی کے جو اسرار تھے سب ظاہر ہو گئے اَور نگاہِ ابراہیمی پہ ہر چیز منکشف کر دی گئی فلما زال ذلك الحجاب لاجرم تجلی له ملکوت السموات بالتمام (تفسیر کبیر)

٩٦ ملکوت میں رحموت اَور رہبوت کی طرح ت مبالغہ کے لیے ہے یعنی ملکِ عظیم اور سلطنت وسیع۔ نری معناہ اریناہ (قرطبی) ہم نے دِکھا دی۔ یہ رؤیت بصر سے تھی یا بصیرت سے؟ یعنی صرف آنکھوں نے دیکھا تھا یا دِل کو بھی اس کا عِلم وعِرفان نصیب ہوا تھا؟ بعض کا خیال ہے کہ پردہ اُٹھ گیا تھا اَور عرش سے تحت الثّریٰ تک ہر چیز نظر آنے لگی تھی۔ اَور بعض نے فرمایا کہ آسمان اَور زمین کی تمام اشیاء کی حقیقت پر آگاہی بخش دی گئی تھی تاکہ کائنات کی ان مختلف چیزوں پر مطلع ہو کر وُہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیّت، عِلم، قدرت اَور حکمت کے بارے میں عین الیقین کے مرتبۂ عُلیا پر فائز ہو جائیں۔ امام رازی ؒ لکھتے ہیں کہ اگرچہ عام انسان بھی کائنات کے بعض اسرار پر آگاہ ہوتے ہیں لیکن اس عالمِ خلق کی ہر چیز میں خواہ وُہ جنس ہو یا نوع یا صنف ہو یا شخص حکمتِ الٰہی کے جو آثار پائے جاتے ہیں ان سے جس طرح اکابر انبیاء آگاہ ہوتے ہیں وُہ آگاہی کسی اَور کو نصیب نہیں ہوتی۔ وان کان جمیع الموحدین) یعرفون اصل هذا الدلیل الا ان الاطلاع علی آثار حکمة الله فی کل واحد من مخلوقات هذا العالم بحسب اجناسها وانواعها واصنافها واشخاصها واحوالها لا یحصل الا لاکابر من الانبیاء علیهم السلام (کبیر) جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو حقائقِ اشیاء کا اتنا عِلم ارزانی فرما دیا گیا تھا تو تعجّب ہے ان لوگوں کی کم نگاہی پر جو نبی الانبیاء کے متعلق یہ خیال کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ آپ کو یہ خبر بھی نہ تھی کہ نر کھجور سے مادہ کھجور کس طرح باردار ہوتی ہے۔

٩٧ جس شہر میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی ولادت ہُوئی اُس کا نام اُر تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں آثارِ قدیمہ کے ماہرین نے کھدائی کر کے اس کو دریافت کر لیا ہے۔ اَور اس سے جو تحریریں اَور دُوسری اشیاء دستیاب ہوئی ہیں ان سے آپ کے زمانہ کے لوگوں کے مذہبی، تمدّنی اور معاشی حالات پر روشنی پڑتی ہے سر لیونارڈ وولی (SIR LEONARD WOOLLY) نے اپنی کتاب (ABRAHAM) میں جو لندن میں سنہ ١٩٣٢ء میں شائع ہُوئی ہے ماہرینِ آثارِ قدیمہ کے جو تاثّرات قلم بند کیے ہیں ذیل میں اُن کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے:۔

" اندازہ کیا گیا ہے کہ سنہ ٢١٠٠ قبل مسیح کے لگ بھگ زمانہ میں جسے اب عام طور پر محقّقین حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے ظہُور کا زمانہ تسلیم کرتے ہیں شہر "اُر" کی آبادی ڈھائی لاکھ کے قریب تھی اَور بعید نہیں کہ پانچ لاکھ ہو۔ بڑا صنعتی اَور

فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿٧٧﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا

پھر جب وُہ ڈُوب گیا (تو) بولے میں نہیں پسند کرتا ڈُوب جانے والوں کو۔ پھر جب دیکھا چاند کو چمکتے ہُوئے تو کہا (کیا) یہ

تجارتی مرکز تھا جس ریاست کا یہ صدر مقام تھا اس کے حدُود موجُودہ حکومتِ عراق سے شمال میں کچھ کم اور مغرب میں کچھ زیادہ تھے۔ ملک کی بیشتر آبادی صنعت و تجارت پیشہ تھی۔ اِس عہد کی جو تحریرات آثارِ قدیمہ کے کھنڈروں سے دستیاب ہوئی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی میں ان لوگوں کا نقطۂ نظر خالص مادہ پرستانہ تھا۔ دولت کمانا اور زیادہ سے زیادہ آسائش فراہم کرنا اُن کا سب سے بڑا مقصدِ حیات تھا۔ سُود خوری کثرت سے پھیلی ہُوئی تھی۔ آپس میں بہت مقدّمہ بازیاں ہوا کرتی تھیں۔ آبادی تین طبقوں پر مشتمل تھی۔ (۱) عمیلو: یہ اُونچے طبقہ کے لوگ تھے۔ جن میں پجاری، حکومت کے عہدہ دار اور فوجی افسر وغیرہ شامل تھے۔ اِس طبقہ کو خاص اِمتیازات حاصل تھے۔ ان کے فوجداری اور دیوانی حقُوق دُوسروں سے مختلف تھے۔ اور ان کے جان و مال کی قیمت دُوسروں سے بڑھ کر تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کے خاندان کا اِسی طبقہ میں شمار ہوتا تھا۔ (۲) مشکینو: یہ تجّار، اہلِ صنعت اور زراعت پیشہ لوگ تھے۔ (۳) آرْدو: یعنی غلام، مزدُور پیشہ۔

اُر کے کتبات میں تقریباً پانچ ہزار خُداؤں کے نام مِلتے ہیں۔ مُلک کے مختلف شہروں کے الگ الگ خُدا تھے ہر شہر کا ایک خاص محافظ خُدا ہوتا تھا جو ربّ البلد یا مہا دیو سمجھا جاتا تھا۔ اُر کا ربّ البلد "ننّار" (چاند دیوتا) تھا۔ دُوسرا بڑا شہر "لرسہ" تھا۔ اس کا ربّ البلد "شماش" (سُورج دیوتا) تھا۔ اِن بڑے خُداؤں کے ماتحت بہت سے چھوٹے خُدا بھی تھے جو زیادہ تر آسمانی تاروں اور سیّاروں میں سے تھے۔ ان دیوتاؤں اور دیویوں کی شبیہیں بُتوں کی شکل میں بنائی گئی تھیں اور تمام مراسمِ عبادت انہی کے آگے بجا لائے جاتے تھے۔

ننّار کا بُت اُر میں سب سے اُونچی پہاڑی پر ایک عالی شان عمارت میں نصب تھا۔ مندر میں بکثرت عورتیں دیوتا کے نام پر وقف تھیں اور ان کی حیثیّت دیوداسیوں (RELIGIOUS PROSTITUTES) کی تھی۔ وُہ عورت بڑی معزّز خیال کی جاتی تھی جو خُدا کے نام پر اپنی بکارت قربان کر دے۔ کم از کم ایک مرتبہ اپنے آپ کو "راہِ خُدا" میں کسی اجنبی کے حوالہ کرنا عورت کے لیے ذریعۂ نجات خیال کیا جاتا تھا۔

ننّار محض دیوتا ہی نہ تھا بکثرت باغ، مکانات اور زمینیں اس کے مندر کے لیے وقف تھیں۔ بہت سے کارخانے مندر کے ماتحت قائم تھے۔

اُر کا شاہی خاندان جو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے زمانہ میں حُکمران تھا اس کے بانیٔ اوّل کا نام اُرنمّو تھا جس نے ۲۳۰۰ برس قبل مسیح میں ایک وسیع سلطنت قائم کر لی تھی۔ اسی سے اس خاندان کو نمّو کا نام مِلا جو عربی میں جا کر نمرُود ہو گیا۔ حضرت اِبراہیم علیہ السلام کی ہجرت کے بعد اِس خاندان اور اس قوم پر مسلسل تباہی نازل ہونی شروع ہوئی۔ پہلے عیلامیوں نے اُر کو تباہ کیا اور نمرُود کو ننّار کے بُت سمیت پکڑ کر لے گئے۔ پھر لرسہ میں ایک عیلامی حکومت قائم ہوئی جس کے تحت اُر

رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ

میرا رب ۹۸ ہے (؟) پھر جب وُہ (بھی) غروب ہوگیا تو آپ نے کہا اگر نہ ہدایت دیتا مجھے میرا رب تو ضرور ہو جاتا میں بھی اس گمراہ

الضَّآلِّیْنَ ۝۷۸ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ

قوم سے پھر جب دیکھا سورج کو جگمگاتے ہوئے (تو بولے (کیا) یہ میرا رب ہے، (؟) یہ تو ان سب سے بڑا ہے۔ لیکن جب وُہ بھی

اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝۷۹ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ

ڈوب گیا (تو) آپ نے فرمایا۔ اے میری قوم! میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنھیں تم شریک ٹھیراتے ہو بے شک میں نے پھیر لیا ہے اپنا رُخ

کا علاقہ غلام کی حیثیت سے رہا۔ ان تباہیوں نے تنّار کے ساتھ اُر کے لوگوں کا عقیدہ متزلزل کر دیا۔ (ماخوذ از تفہیم القرآن)

مندرجہ بالا اقتباس سے معلوم ہوا کہ آپ کے ہم وطن ستاروں، چاند اور سورج کے پرستار تھے۔ اس لیے حضرت ابراہیمؑ ان کے معبودوں کے حالات سے ہی ان کی خُدائی پر ضرب کاری لگا رہے ہیں کہ جن کے یہ حالات ہوں۔ جن کو ایک جگہ قرار نصیب نہ ہو۔ جو کبھی طلوع ہو رہے ہیں اور کبھی غروب ہو رہے ہیں۔ جن کے طلوع و غروب کا وقت بھی ان کے اختیار میں نہ ہو۔ اور اُن کی گردش کا جو راستہ مقرر ہے اس سے بھی بال برابر اِدھر اُدھر نہ ہو سکتے ہوں۔ جو ایک بے اختیار غلام کی طرح انقیاد و اطاعت کا پٹہ گلے میں ڈالے صُبح و شام تعمیل حکم میں سرگرداں نظر آتے ہوں اُنھیں معبود بنانا، ان کو خدا سمجھنا کتنی نادانی اور بے سمجھی ہے۔

۹۸ یہ اصل میں اھذا ربّی استفہام انکاریہ ہے۔ یعنی اے میری قوم کیا یہ میرا رب ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ خیال کرنا کہ اُس وقت حضرت ابراہیمؑ کو عرفانِ توحید حاصل نہ تھا اس لیے وُہ ایک ٹمٹماتے ہوئے تارے کو اپنا رب سمجھنے لگے سخت غلطی ہے۔ پیغمبر کا دامن نبوّت سے پہلے بھی کفر و شرک سے پاک ہوتا ہے۔ چاند کے متعلق بھی آپ نے یہی فرمایا تھا کہ ھٰذا ربّی اور جب وُہ بھی ڈوب گیا تو آپ فرماتے ہیں لئن لم یھدنی ربّی اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ فرماتا تو جس گمراہی میں میری ساری قوم گرفتار تھی میں بھی اس سے نہ بچ سکتا۔ ان الفاظ سے اِس امر کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے کہ آپ کا دِل "ربّی" (میرا ربّ) کے یقین اور ایمان سے منوّر اور روشن تھا۔ ورنہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ابھی تک حقیقی ربّ کا کوئی تصوّر ان کے ذہن میں نہ تھا اور چاند کو آپ نے رب مان لیا تھا تو جب اس کے ڈوب جانے سے اس کی خدائی کا طلسم بھی ٹوٹ گیا تو آپ کو حیرت کا اظہار کرنا چاہیئے تھا کہ لو جسے خدا سمجھ رہے تھے وُہ تو فانی نکلا۔ اب کسے خُدا مانا جائے۔ آپ نے اظہارِ حیرت نہیں کیا بلکہ چاند کے غروب ہونے پر آپ نے اپنی قوم کے باطل عقیدہ کو غلط ثابت کرنے کے بعد فوراً فرمایا۔ لئن لم یھدنی ربّی۔ یعنی وُہ رب نہیں جسے تم نے رب سمجھ رکھا ہے بلکہ حقیقی رب تو وُہ ہے جو میرا

لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۸۰﴾ وَ

اس ذات کی طرف جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو ، یک سُو ہو کر ۹۹ اور نہیں ہوں میں مشرکوں میں سے اور

حَآجَّهٗ قَوۡمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوۡٓنِّیۡ فِی اللّٰهِ وَ قَدۡ هَدٰىنِ ؕ وَ لَاۤ اَخَافُ

جھگڑنے لگی ان سے ان کی قوم ۱۰۰ آپ نے کہا کیا تم جھگڑتے ہو مجھ سے اللہ کے بارے میں حالانکہ اس نے ہدایت دے دی ہے مجھے اور نہیں ڈرتا

مَا تُشۡرِکُوۡنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ رَبِّیۡ شَیۡئًا ؕ وَسِعَ رَبِّیۡ کُلَّ شَیۡءٍ عِلۡمًا ؕ

میں ان سے جنھیں تم شریک بناتے ہو اس کا مگر یہ کہ چاہے میرا ہی پروردگار کوئی تکلیف پہنچانا گھیرے ہوئے ہے میرا رب ہر چیز کو (اپنے) علم سے۔

اَفَلَا تَتَذَکَّرُوۡنَ ﴿۸۱﴾ وَ کَیۡفَ اَخَافُ مَاۤ اَشۡرَکۡتُمۡ وَ لَا تَخَافُوۡنَ اَنَّکُمۡ

تو کیا تم نصیحت قبول نہیں کرو گے اور کیسے ڈروں میں ۱۰۱ (ان سے) جنھیں تم نے شریک ٹھیرا رکھا ہے حالانکہ تم نہیں ڈرتے (اس سے) کہ

اَشۡرَکۡتُمۡ بِاللّٰهِ مَا لَمۡ یُنَزِّلۡ بِهٖ عَلَیۡکُمۡ سُلۡطٰنًا ؕ فَاَیُّ الۡفَرِیۡقَیۡنِ

تم نے شریک بنایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسے کہ نہیں اتاری اللہ نے اس کے متعلق تم پر کوئی دلیل تو (تم ہی بتاؤ) دونوں فریقوں سے

پروردگار ہے جو مجھے ہر باطل سے بچا کر راہِ حق پر چلا رہا ہے۔

۹۹ے سُورج، چاند، تارے خدا نہیں تو پھر کون خدا ہے؟ اس کا جواب دیا کہ خدا وُہ قُدرت والا اور حکمت والا ہے جو ہر چیز پر غالب ہے کسی سے مغلوب نہیں جو ہر کا داتا ہے کسی کا محتاج نہیں۔ وُہ قدرت والا جس نے آسمانوں کو بھی پیدا فرمایا اور زمین کو بھی میں تو ہر باطل سے مُنہ موڑ کر یکسُوئی سے اسی کی طرف دِل وجان سے متوجّہ ہُوں اور کسی بڑی سے بڑی چیز کو بھی اس کا شریک خیال نہیں کرتا۔

۱۰۰ے ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے دلائل کے سامنے وُہ لاجواب ہو گئے تو پھر آپ سے جھگڑنے لگے اور کہنے لگے۔ اے ابراہیم تم خداؤں کی ہتک سے باز آجاؤ ورنہ ان کے غضب کا شکار ہو جاؤ گے اور پھر رہائی کی کوئی صورت نظر نہ آئے گی۔ آپ فرماتے ہیں مجھے ایسی دھمکیاں کیوں دیتے ہو اپنے خداؤں کو کہہ دو کہ میرا جو بگاڑ سکتے ہیں بگاڑ لیں۔ مجھے ان سے ذرا اندیشہ نہیں۔ ہاں اگر میرا رب مجھے کسی آزمائش میں مبتلا کر دے تو مجھے مجال دم زدن نہیں۔

۱۰۱ے سلسلہ تقریر شروع ہے کہ ڈرنا تو تمھیں چاہیئے جو معبُودِ برحق سے مُنہ موڑ کر باطل خداؤں کی چوکھٹ پر سرافگندہ ہو، میں کیوں ڈروں جو سیدھے راستہ پر چل رہا ہُوں۔

أَحَقُّ بِالْأَمْنِ ۚ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۱﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا

کون زیادہ حقدار ہے امن (وسلامتی) کا؟ اگر تم (کچھ) جانتے ہو ۔ وہ جو ایمان لائے اور نہ ملایا[۱۰۲] انھوں نے

إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿۸۲﴾ وَتِلْكَ

اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے اُنھیں کے لیے ہی امن ہے اور وُہی ہدایت یافتہ ہیں ۔ اور یہ

حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ۚ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ ۗ إِنَّ

ہماری دلیل تھی[۱۰۳] جو ہم نے دی تھی ابراہیم ؑ کو اس کی قوم کے مقابلہ میں ہم بلند کرتے ہیں[۱۰۴] درجے جس کے چاہتے ہیں بے شک

رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ

آپ کا رب بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے ۔ اور ہم نے عطا فرمائے اُنھیں اسحاق اور یعقوب ؑ[۱۰۵] ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی

۱۰۲۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام بہت پریشان ہوئے ۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں عرض کی ۔ ایّنا لم یظلم نفسہ ؟ ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے آپ پر ظلم نہ کیا ہو ۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ یہاں ظلم سے مُراد گناہ نہیں بلکہ شرک ہے ۔ لیس ھو کما تظنون انما ھو کما قال لقمان لابنه یا بنی لا تشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم (قرطبی)

۱۰۳۔ کیا لطف ہے اِس آیت میں ۔ ہماری دلیل تھی اور ہم ہی نے ابراہیم کو عطا فرمائی تھی ۔ وُہ دلیل جسے اللہ تعالیٰ اپنی فرما رہے ہیں اس کی عظمت وجلالت کا کیا کہنا ! کفر وشرک کی اِس اندھیر نگری میں جس ہستی کو اِس دلیل سے سرفراز فرمایا گیا اس کی رفعتِ شان کی کیا حد ! اِس مقام پر رب کو کافِ خطاب کی طرف مضاف کرنے میں جو لُطف ہے اس سے اہلِ دِل ہی لُطف اندوز ہو سکتے ہیں ۔ اے مصطفیٰ ! تیرا ربّ ہے تو وُہ سارے جہان کا ربّ لیکن اس کی ربوبیّت کا جو تعلّق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء سے ہے وُہ کسی سے نہیں ۔

۱۰۴۔ یعنی ان کفّار کی بستی سے جو ہزارہا ہزار خداؤں کے پُجاری تھے وُہ گمراہی کی پستیوں میں گرے پڑے تھے ۔ ان میں سے حضرت ابراہیم ؑ کو توحید کا علمبردار بنا دینا اور اس کے سینے کو علم وفہم اور دلیل کی روشنی سے منوّر کرکے دُنیا وآخرت میں اس کا نام اور اس کی شان بلند کر دینا یہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہی قدرت اور طاقت ہے ای بالعلم والفھم والامامۃ والملک (القرطبی)

۱۰۵۔ ہم نے ابراہیم ؑ پر مزید کرم یہ فرمایا کہ اُنھیں اسحاق جیسا بیٹا اور یعقوب ؑ جیسا پوتا مرحمت فرمایا جس کی نسل سے ہزاروں انبیاء اور لاکھوں صلحاء پیدا ہوئے ۔ معلوم ہوا کہ نیک اولاد بھی اللہ تعالیٰ کی خاص نوازشات میں سے ہے ۔

وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ

اور نوحؑ کو ہدایت دی تھی ان سے پہلے اور اس کی اولاد میں ١٠٦ سے داؤدؑ اور سلیمانؑ اور ایوبؑ

وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝٨٥ وَزَكَرِيَّا

اور یوسفؑ اور موسیٰؑ اور ہارونؑ کو (راہِ راست دکھائی) اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو اور (ہم نے

وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝٨٦ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ

ہدایت دی) زکریاؑ اور یحییٰؑ اور عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو (یہ) سب صالحین میں سے تھے اور (ہدایت دی) اسمٰعیلؑ اور الیسعؑ

وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝٨٧ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ

اور یونسؑ اور لوطؑ کو اور ان سب کو ہم نے ١٠٧ فضیلت دی سارے جہان والوں پر اور ہدایت دی ان کے کچھ باپ دادوں اور

ذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝٨٨

ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں کو اور ہم نے چُن لیا ان (سب) کو اور ہدایت دی ان (سب) کو راہِ راست کی

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا

یہ ١٠٨ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے رہنمائی کرتا ہے اس کے ساتھ جس کی چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور اگر وہ شرک کرتے

لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝٨٩ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

توضرور ضائع ہو جاتا ان سے وہ (عمل) جو وہ کیا کرتے تھے یہ وہ لوگ تھے ہم نے عطا کی تھی جنھیں کتاب

١٠٦ بعض نے کہا ہے کہ ضمیر کا مرجع حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور بعض کی رائے ہے کہ حضرت نوح ای من ذریة ابراهيم وقيل ومن ذرية نوح (القرطبی)

١٠٧ کلا هدينا، کل من الصالحین اور کلا فضلنا کے پیارے پیارے جملے پڑھ کر احساس ہونے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں اور برگزیدہ رسولوں کا ذکر آتے ہی رحمتِ الٰہی کے سمندر میں جوش آ رہا ہے۔

١٠٨ یہ ہدایت محض فضلِ ایزدی کی جلوہ طرازی ہے اور جس پر اس کی نگاہِ لطف و کرم پڑ گئی وہ ہدایت یافتہ ہو گیا۔

وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَإِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا

اور حکمت اور نبوّت تو اگر انکار کریں ۹۰؎ اِس کا یہ (مکہ والے) تو ہم نے مقرر کر دیئے ہیں اس کو ماننے کے لیے

لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿٩٠﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ

ایسے لوگ جو اس کے ساتھ کفر کرنے والے نہیں یہی وُہ لوگ ہیں جنھیں ہدایت دی تھی اللہ نے تو انھیں کے ۱۰۰؎

اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩١﴾

طریقہ کی پیروی کرو آپ فرمائیے ۱۱۱؎ میں نہیں مانگتا تم سے اس (تبلیغ قرآن) پر کوئی اُجرت نہیں ہے وُہ ۱۱۲؎ (قرآن) مگر نصیحت سارے جہانوں کے لیے

۹۰؎ اگر کفارِ مکہ ہماری آیات کو نہ مانیں اور دعوتِ اسلام کو قبول نہ کریں تو وُہ اپنا ہی زیان کریں گے اِسلام کو تو کوئی نقصان نہ پہنچے گا کیوں کہ اِس دینِ حق کو قبول کرنے کے لیے اس کا پیغام دُنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچانے کے لیے اور اس کے پرچم کو ہر قیمت پر سربلند رکھنے کے لیے ہم نے ایک قوم (یعنی انصار، مہاجرین اور دُوسرے لوگ جنھیں توفیقِ ایمان نصیب ہوئی) مقرر کر دی ہے۔

۱۰۰؎ اِقتدا کا معنی ہے کسی کے کام کے موافق کوئی کام کرنا۔ علامہ قطبُ الدّین رازیؒ کشاف کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ یہاں اِقتدا سے مقصُود صرف اخلاقِ فاضلہ اور صفاتِ کمال میں ان جلیل القدر انبیاء کی موافقت کرنا ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر وُہ خوبی اور کمال جو دُوسرے انبیاء میں متفرّق طور پر پایا جاتا تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام ان سب کمالات کے جامع ہیں۔ اِس لیے سب سے افضل و اکمل ہیں۔ (رُوح المعانی) ؎

حسنِ یُوسفؑ، دمِ عیسٰیؑ، یدِ بیضا داری آنچہ خُوباں ہمہ دارند تُو تنہا داری

۱۱۱؎ بعض کفار اِس غلط فہمی میں مُبتلا تھے کہ نبوّت کا دعویٰ صرف مال و دولت اکٹھا کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبُوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو حکم فرماتے ہیں کہ آپ اعلان کر دیجئے کہ دعوتِ اسلام میرا پیشہ نہیں بلکہ مقصدِ حیات ہے۔ میں اِس کے ذریعہ سے دولت جمع نہیں کرنا چاہتا بلکہ میرا مدعا تو فقط یہ ہے کہ تم گمراہی کی دلدل سے نِکل کر شاہراہِ ہدایت پر آجاؤ۔ تمھارے رب سے تمھارا ٹوٹا ہوا رِشتہ پھر جوڑ دیا جائے۔

۱۱۲؎ جو کتاب میں تمھیں پڑھ کر سُناتا اور سمجھاتا ہُوں اس سے میری ذاتی اغراض وابستہ نہیں۔ یہ تو ہر قسم کی اغراض سے بالاتر ہے یہ تو ایک آفاقی دعوتِ رُشد اور ایک عالمی پیغامِ ہدایت ہے۔ اس کے پیشِ نظر کسی شخص، کسی قوم اور کسی مُلک کی برتری دُوسروں پر قائم کرنا نہیں بلکہ سب کو ایک سطح پر ایک صف میں کھڑا کرنا اور امن و سلامتی کی راہ پر گامزن کرنا ہے۔ عرب اپنی قومی اور لِسانی برتری پر محکم یقین رکھتے تھے۔ ان کی عرب قومیّت کے جذبات کو مُشتعل کر کے اور اُن کے

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ

اور نہ قدر پہچانی ۱۱۳ اُنھوں نے اللہ کی جیسے حق تھا اس کی قدر ۱۱۴ پہچاننے کا جب کہا اُنھوں نے کہ نہیں اُتاری اللہ نے کسی آدمی پر

دِلوں میں دُوسرے ممالک پر عربی غلبہ و اقتدار کی ہوس بیدار کر کے اپنی طرف مائل کرنا بہت آسان تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اتنی مشکلات سے بھی دوچار نہ ہونا پڑتا۔ لیکن یہ کامیابی عارضی اور وقتی ہوتی۔ اگر ایسا کیا جاتا تو ایک عالمی دین قوم و وطن کی تنگ حدُود میں بند ہو کر رہ جاتا۔ اِس لیے جہاں کہیں بھی قرآن کا ذِکر کیا گیا ہے کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ یہ عرب کے لیے ہے بلکہ فرمایا ان ھو الا ذکری للعلمین سب جہانوں کے لیے ہے۔ سب شرقی و غربی، رُومی و حبشی، عربی اور عجمی کے لیے اس کا پیغام ہدایت ہے۔

۱۱۳ے قدر کا کیا معنی ہے؟ صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں کہ قدر کا اصلی معنی تو کسی چیز کی مقدار کو جاننا ہے لیکن اب اس کا اطلاق کسی چیز کو اس کے تمام پہلوؤں سے پہچاننے پر ہوتا ہے۔ اب کثرتِ استعمال سے یہی اس کا معنی حقیقی ہو گیا ہے۔

واصل القدر معرفة المقدار بالسبر ثم استعمل فی معرفة الشیٔ علی اتم الوجوہ حتی صار حقیقة فیه (روح)

اخفش کہتے ہیں کہ وُہ لوگ جن کی زبان سے اگلا جملہ نکل رہا ہے اُنھوں نے گویا اللہ تعالیٰ کو صحیح طور پر پہچانا ہی نہیں اس کی حکمت اور رحمت کا صحیح اندازہ نہیں لگایا۔

۱۱۴ے یہ کہنے والے کون تھے؟ بعض نے کہا ہے کہ مشرکینِ مکّہ نے یہ بات کہی تھی۔ کیونکہ وُہ سرے سے ہندوستان کے برہمنوں کی طرح وحی اور نبوّت کے ہی قائل نہ تھے لیکن اِس پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ ان کے نظریہ کی تردید حضرت موسیٰؑ پر نزولِ تورات سے درست نہیں۔ کیوں کہ وُہ تو موسیٰؑ کی نبوّت کے بھی قائل نہ تھے۔ اور جمہور کا یہ خیال ہے کہ یہ بات یہود نے کہی تھی لیکن اس پر شبہ یہ وارد ہوتا ہے کہ یہود یہ کیوں کر کہہ سکتے تھے کہ کوئی انسان نبی نہیں ہو سکتا۔ حالاں کہ وُہ حضرت موسیٰؑ اور صدہا دُوسرے انبیاء کی نبوّت کو تسلیم کرتے تھے۔ نیز یہ سُورۃ مکّی ہے اور مکّہ میں یہود موجود ہی نہ تھے۔ تو ان سے یہ مکالمہ کیسے ہوا۔ اِس لیے اس آیت کی وضاحت ضروری ہے۔ بحقیقت یُوں معلوم ہوتی ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوّت اور نزُولِ وحی کا دعویٰ کیا تو اہلِ مکّہ کے لیے یہ بالکل انوکھی چیز تھی۔ وُہ اِس بات کے قائل ہی نہ تھے کہ کوئی نبی بھی خُدا کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے اور اس پر خدا کی طرف سے وحی بھی آتی ہے۔ پہلے پہل تو اُنھوں نے صاف انکار ہی کر دیا۔ لیکن جب آیاتِ قرآنی کا جمال ان کے دِلوں کو بھانے لگا اور حضورؐ کی رُوح پرور سیرت انھیں اپنی طرف مائل کرنے لگی تو وُہ اب مسئلہ کو سوچنے پر مجبور ہو گئے اور اِس مشکل کو حل کرنے کے لیے اُنھوں نے یہودِ یثرب کی طرف رجُوع کیا۔ ان کوتاہ اندیشوں کو حضورؐ کی نبوت میں اپنی محرومی اور ذِلّت نظر آ رہی تھی۔ اُنھیں اپنے ہاتھوں اپنا تاج اُتار کر دُوسرے کے سر پر رکھنا کب گوارا تھا۔ چنانچہ اُنھوں نے ازراہِ عناد و حسد اپنے مسلّمات اور نظریات کے خلاف اُنھیں کہلا بھیجا کہ اَے اہلِ حرم! تم اس شخص کو ہرگز نبی نہ ماننا۔ ہم اپنے علم کی بنا پر تمھیں بتاتے ہیں کہ خُدا نے آج تک کسی انسان پر وحی نہیں بھیجی تو یہ انسان ہو کر کیسے اِس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وُہ نبی ہیں اور وحی

شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰی نُوْرًا وَّ

کوئی چیز (یعنی وحی) آپ پوچھیے کس نے اُتاری تھی وُہ کتاب جسے لے آئے تھے مُوسٰیؑ (جو سراسر) نُور تھی اور (سراپا)

هُدًی لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ

ہدایت تھی لوگوں کے لیے تم نے بنا لیا ہے اسے الگ الگ کاغذ ۱۵ ظاہر کرتے ہو اسے اور چھپا لیتے ہو (اس کا) بہت سا (حصّہ)

وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَ لَاۤ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ

اور تمھیں سکھایا گیا جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمھارے باپ دادا آپ فرما دیجیے اللہ! پھر چھوڑ دیجیے انھیں ۱۶

خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ۹۱ وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ

(تاکہ وُہ) اپنی بیہودہ باتوں میں کھیلتے رہیں اور یہ (قرآن) کتاب ہے ہم نے اُتارا ہے اس کو ۱۷ بابرکت ہے تصدیق کرنے والی ہے

سے مشرف ہیں۔ ان یہود کے ردّ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تمہارا یہ قول درست ہے تو پھر مُوسٰی علیہ السّلام بھی تو انسان تھے ان پر وحی کیسے نازل ہوئی۔ اور تورات کون لایا؟ جب مُوسٰی علیہ السّلام پر تورات نازل ہُوئی حالانکہ وُہ انسان تھے تو حضور پُرنور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم پر قرآن کے نازل ہونے میں کیا شک ہے۔

۱۵ یہود کے اِس قول کی تکذیب کرنے کے بعد ان کی مزید مذمت کی جا رہی ہے کہ تم تو وُہ ناشکرے اور احسان فراموش ہو کہ تورات جیسی سراپا نُور و ہدایت کتاب کو تم نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جس حصّہ کو اپنی خواہشات اور اغراض کے مطابق پایا اسے اپنا لیا اور جس حصّہ کو اپنے دُنیاوی مقاصد سے متصادم محسُوس کیا اسے چھپا دیا۔ کیا وحی الٰہی کے امینوں اور رسالتِ مُوسوی کے وارثوں کو یہ بات زیب دیتی ہے؟

۱۶ اے حبیبؐ! ان سے زیادہ بحث مباحثہ کی ضرورت نہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمائی ہے۔ تمہارے انکار سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ یہ کہہ کر انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیجیے اللہ تعالیٰ ان کو کیفرِ کردار تک پہنچائے گا۔

۱۷ اِس کتاب کی متعدّد صفات اور خصُوصیات بیان ہو رہی ہیں جس کے بارے میں اہلِ مکّہ اِس کشمکش میں مبتلا تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے بھی یا نہیں۔ فرمایا یہ مبارک ہے یعنی برکت والی ہے۔ برکت کا معنی ہے الزیادۃ والنماء کسی تھوڑی چیز کا زیادہ ہو جانا۔ کسی چھوٹی چیز کا بڑا ہو جانا۔ اُمّتِ اسلامیہ کی ساری تاریخ قرآن کی اِس ایک صفت کی جلوہ گاہ ہے۔ عرب کے اَن پڑھ ساربان وسیع ملکوں اور عظیم قوموں کی زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں اور ساری دُنیا عدل و انصاف اور پاکیزگی اور تقوٰی کے نُور سے جگمگا اُٹھتی ہے۔ وُہ ایک ایک کوڑی کے لیے انسانی جان ضائع کرنے والا

بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

اس (وحی) کی جو اس سے پہلے (نازل ہوئی) اور اس لیے تاکہ ڈرائیں آپ مکّہ (والوں) کو اور جو اس کے اردگرد ہیں اور جو ایمان لاتے ہیں

بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَمَنْ

آخرت کے ساتھ وُہ ایمان رکھتے ہیں اس پر (بھی) اور وُہ اپنی نماز کی پابندی کرتے ہیں اور کون

اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ

زیادہ ظالم ہے ۹۸ اس سے جو بہتان باندھے اللہ پر جھوٹا یا کہے کہ وحی کی گئی ہے میری طرف حالانکہ نہیں وحی

اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ

کی گئی اُس کی طرف کچھ بھی اور (کون زیادہ ظالم ہے اس سے) جو کہے کہ میں (بھی) نازل کروں گا ایسا ہی (کلام) جیسے نازل کیا ہے اللہ نے کاش تم دیکھو جب

بھوکا بدّو اتنا سیر چشم اور دل کا غنی ہو جاتا ہے کہ کسریٰ کے محلات کی ثروت اور بیش قیمت ساز و سامان اس کی حفاظت میں مدینہ طیبہ بھیجا جاتا ہے اور اس میں ایک سُوئی کی خیانت بھی نہیں ہوتی۔ سنگدل اعرابی اِس کتاب کے اثر سے اتنا رحیم و کریم ہو جاتا ہے کہ وُہ اس خیمہ کو اُکھاڑنا بھی گوارا نہیں کرتا جس میں ایک فاختہ نے انڈے دے رکھے ہیں۔ اس کتاب کی دُوسری خصُوصیّت یہ ہے کہ یہ سابقہ کتابوں اور انبیاء کی تصدیق کرتی ہے اور ان کتابوں کے ماننے والوں اور مخالفین کے ہاتھوں ان میں جو ردّوبدل ہو گیا ہے اس کا پتہ بتاتی ہے۔ اور اِس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیّت یہ ہے کہ یہ اہلِ مکّہ اور اس کے شرق و غرب اور جنوب و شمال میں پھیلی ہوئی ساری انسانی دُنیا کو خدا کے عذاب سے اور بدکاریوں کے طبعی نتائج سے ڈراتی ہے۔ اَے مکّہ کے دانشورو! تم خود سوچو جو کتاب اِن خُوبیوں کی حامل ہو۔ اور جس کے پیشِ نظر سارے عالمِ انسانیّت کی اِصلاح ہو اور جس کے اثر سے ان وحشیوں اور درندہ صفت بدّوؤں سے ایک ایسی جماعت بھی تیار ہو چکی ہو جو اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی تعمیل میں سرگرم ہو کیا یہ کسی اِنسان کی بنائی ہوئی کتاب ہو سکتی ہے۔ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو اس نے اپنی ساری مخلوق کی ہدایت کے لیے اپنے مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء پر نازل فرمائی ہے۔

۹۸ واقعی اس شخص سے بڑھ کر اور کون ظالم اور نوعِ اِنسانی کا دُشمن ہو سکتا ہے جو اپنی من گھڑت باتوں کو وحی الٰہی کہہ کر لوگوں کے سامنے پیش کرے اور ان پر ایمان لانے کی دعوت دے یا یہ دعوٰے کرے کہ کلامِ الٰہی کی طرح میں کلام نازل کر سکتا ہوں۔ جو بدنصیب ایسے گستاخوں کے جال میں پھنس جاتے ہیں وُہ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں اور بعض دُوسرے لوگ ان کے کلام کی لغویّت اور بے ہُودگی سے متنفّر ہو کر وحی الٰہی سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ یہ کتنا بڑا نقصان اور خسارہ ہے۔

الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا

ظالم ۱۱۹ موت کی سختیوں میں (گرفتار) ہوں اور فرشتے بڑھائے ہوئے ہوں (ان کی طرف) اپنے ہاتھ (اور انھیں کہیں کہ) ۱۲۰

اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى

نکالو اپنی جانوں کو۔ آج تمھیں دیا جائے گا ذلّت کا عذاب اس وجہ سے کہ تم بہتان لگاتے تھے اللہ تعالیٰ

اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا

پر ناحق اور تم اس کی آیتوں (کے ماننے) سے تکبر کیا کرتے تھے اور بے شک آ گئے ہو تم ہمارے پاس ۱۲۱

فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ

اکیلے اکیلے جیسے ہم نے پیدا کیا تھا تمھیں پہلی دفعہ اور تم چھوڑ آئے ہو جو ہم نے عطا فرمایا تھا تمھیں اپنے پیچھے

وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰۗؤُا ۭ

اور ہم نہیں دیکھتے تمھارے ساتھ ان سفارشیوں کو جن کے متعلق تم خیال کرتے تھے کہ وہ تمھارے معاملہ میں (ہمارے) شریک ہیں

۱۱۹ ان گستاخوں اور بیباکوں کے حسرت ناک انجام کا ذکر ہو رہا ہے۔ غمرات کا واحد غمرۃ ہے۔ غمرۃ اس کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو ڈبو دے اور اس کو ڈھانپ لے ومنہ غمرۃ الماء۔ یہاں غمرات سے مقصود موت کی سختیاں اور تکلیفیں ہیں۔
۱۲۰ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مرتے وقت کافر کی روح کو کہا جائے گا اس کے بدن سے نکلو اس حال میں کہ تم خود بھی اس مفارقت پر ناراض ہو اور خدا بھی تم پر ناراض ہے۔ نکلو عذاب الٰہی کی سختیوں کی طرف۔ ایتها النفس الخبیثة اخرجی ساخطة مسخوطة علیک الی عذاب اللہ۔ اگرچہ جسم سے روح کو ملک الموت نکالے گا لیکن زجر و توبیخ کے لیے انھیں یہ کہا جائے گا۔

۱۲۱ فرادی کا واحد فردان ہے جیسے سکاری کا سکران۔ اور بعض اہل لغت کا خیال ہے کہ اس کا واحد فرد ہے۔ اس کا معنی ہے اکیلے اکیلے (قرطبی) خوّلنا ای اعطینا۔ وہ ظالم جو خود نبوّت کا جھوٹا دعویٰ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ایسی وحی تو ہم بھی اتار سکتے ہیں ان کی حالت ذرا قیامت کے دن دیکھنے کے قابل ہوگی۔ تن تنہا بے یار و مددگار بارگاہ ربّ ذو الجلال میں پیش کیے جائیں گے۔ اور وہ جھوٹے خدا جن کی وہ عمر بھر پرستش کرتے رہے ان کا وہاں نام و نشان تک نہ ہوگا وہ گہرے تعلقات اور بڑی بڑی توقعات سب ختم ہو کر رہ جائیں گی۔ شفعاءکم سے مراد

لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ

بے شک ٹوٹ گئے تمہارے سارے رشتے اور کھو گئے تم سے جو تم دعوے کیا کرتے تھے بے شک اللہ تعالیٰ ہی ۱۲۲

الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۭ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۭ

پھاڑنے والا ہے دانے اور گٹھلی کو نکالتا ہے زندہ کو مُردہ سے اور نکالنے والا ہے مُردہ کو زندہ سے ۱۲۳

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۶﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا

یہ ہے اللہ ۱۲۴ پس کدھر تم بھٹکے چلے جا رہے ہو وُہ نکالنے والا ہے صبح کو رات کی تاریکی سے ۱۲۵ اور بنایا ہے اُس نے رات کو آرام کے لیے

وُہ بُت ہیں جن کی وُہ عبادت کیا کرتے تھے اور اُنھیں خُدا کا شریک بناتے تھے۔ یرید الاصنام وکان المشرکون یقولون الاصنام شرکاء اللّٰہ وشفعاء ناعندہ (القرطبی) مُراد بُت ہیں۔ مشرک کہا کرتے کہ ان کے بُت اللہ کے شریک اور ان کے شفیع ہیں۔

۱۲۲؎ الفلق: الشق فلق کا معنی ہے چیرنا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے وُہ کرشمے جن کا ہم ہر وقت مشاہدہ کرتے ہیں ان کا ذکر کر کے ان میں غور وفکر کی دعوت دی جا رہی ہے اور پُوچھا جا رہا ہے کہ اے عقل کے دُشمنو! یہ بتاؤ کہ عبادت کے لائق وُہ ذاتِ والاصفات ہے جس کی قدرت کے یہ کرشمے ہیں کہ وُہ خشک دانے اور سخت گٹھلی کو چیر کر اس سے سرسبز پودے اور بلند و بالا درخت اُگاتا ہے۔ یا وُہ بےبس اور بے جان پتھر وغیرہ کے بُت جنھیں اپنی بھی خبر نہیں۔ گندم کے دانے کا دل چیر کر کس طرح گندم کا پودا نکلتا ہے جس کی کئی بالیں ہوتی ہیں اور ہر بال پر الگ الگ خوشہ ہوتا ہے جس میں سینکڑوں دانے مضبوط غلافوں میں لپٹے ہُوئے ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس چھوٹے سے دانے میں سے کیونکر نکلا۔ اور اب تک اس میں کیونکر سمٹا رہا۔ آم کی چھوٹی سی گٹھلی سے اتنا بڑا درخت کیسے پیدا ہو گیا۔ اگر انسان اسی میں تامّل کرے تو حقیقت روشن ہو جاتی ہے۔

۱۲۳؎ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا دُوسرا اعجاز۔ بے جان انڈے سے جاندار مُرغی اور قطرۂ آب سے زندہ انسان۔ یا بد سے نیک اور نیک سے بد۔

۱۲۴؎ ذٰلکم مبتدا۔ اللّٰہ خبر ہے یعنی اللہ اور معبودِ برحق تو وُہ ذات ہے جس کی قدرت کے یہ کرشمے ہیں تعجّب ہے تم پر اگر اس کے بعد بھی تم دُوسروں کو خُدا سمجھتے رہو۔

۱۲۵؎ صبح، صباح اور اصباح تینوں ہم معنی ہیں (قرطبی) سکناً کا معنی ہے آرام اور راحت کا وقت۔ ای محلا للسکون (قرطبی) حسبانا ای بحساب یتعلق بہ مصالح العباد (قرطبی) یعنی اس حساب اور اندازے سے سُورج اور چاند کی حرکت مقرر فرما دی ہے جس سے دن، مہینے اور سال بنتے ہیں۔ جس سے گرمی، سردی، بہار اور خزاں کے موسم

وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٩٧﴾ وَهُوَ

اور (بنایا ہے) سورج اور چاند کو حساب کے لیے یہ اندازہ ہے (مقرر کیا ہوا) سب سے زبردست، سب کچھ جاننے والے کا اور وہی ہے

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ

جس نے بنایا ہے تمھارے لیے ستاروں کو تاکہ سیدھی راہ معلوم کر سکو اُن سے خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٩٨﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ

بے شک ١٢٦ ہم نے کھول کر بیان کر دیئے ہیں دلائل ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں اور وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو ایک

نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

جان سے ١٢٧ پھر (تمھارے لیے) ایک ٹھیرنے کی جگہ ہے اور ایک امانت رکھے جانے کی بے شک ہم نے تفصیل سے بیان کر

ظہور پذیر ہوتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہر طرح مستفید ہوتی ہے۔ پہلی آیت میں دانہ اور گٹھلی جو بظاہر معمولی چیزیں ہیں ان کا ذکر فرمایا تھا۔ اِس آیت میں نظامِ شمسی کے دو اہم ستاروں سُورج اور چاند کا ذکر ہو رہا ہے۔ بتانا یہ ہے کہ کارخانۂ ہستی کی ہر چھوٹی بڑی چیز اسی کی قدرتِ کاملہ کا کرشمہ ہے۔ اسی کی حکمت اور علم نے ان کے لیے ایسے اندازے اور ضابطے مقرر کر دیئے ہیں جن کے وُہ پابند ہیں اور سب اُس کے حکم کی تعمیل اور اس کے فرمان کی بجا آوری میں سرگرمِ عمل ہیں۔ اور زندگی کی یہ ہما ہمی موجود ہے۔

١٢٦ یعنی اہلِ علم و دانش کے لیے کائناتِ ہستی کی ہر چیز میں توحید کی دلیلیں موجود ہیں۔ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی آپ کوئی چیز لیں اس کی وضع و قطع کی موزونیت، اس کی خصوصیات، اس کے اَن گنت فوائد اور پھر سارے نظامِ عالم کے ساتھ اس کی وابستگی کو دیکھ کر انسان مجبوراً کہہ اُٹھتا ہے کہ اس کے بنانے والی ذات بڑی قدرت، علم اور حکمت کی مالک ہے۔ جتنا علم زیادہ ہوگا اسی مناسبت سے عرفانِ توحید زیادہ ہوگا۔

١٢٧ زمین و آسمان کی مختلف اشیاء کے ذکر کے بعد قدرت اپنے شاہکار حضرتِ انسان کا ذکر کر رہی ہے کہ ان سب کا اصل الاصول اور جدِّ امجد ایک آدم ہے علیہ السّلام۔ مستقر کا معنی ہے قرار پکڑنے کی جگہ۔ مستودع کہتے ہیں اُس جگہ کو جہاں کوئی چیز بطور امانت رکھی جاتی ہے۔ آیت میں ان الفاظ سے کیا مُراد ہے۔ اس کے متعلق علما کے متعدد اقوال ہیں بعض نے کہا کہ مستقر سے مُراد ماں کا شکم ہے اور مستودع سے باپ کی پیٹھ۔ بعض نے کہا کہ مستقر سے مراد زمین ہے جہاں انسان دُنیوی زندگی بسر کرتا ہے اور مستودع سے مُراد قبر ہے جہاں مرنے کے بعد حشر تک کا درمیانی عرصہ گزارنا ہوتا ہے۔

يَفْقَهُونَ ﴿٩٩﴾ وَهُوَ الَّذِىٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ

دی ہیں دلیلیں ان لوگوں کے لیے جو (حقیقت کو) سمجھتے ہیں اور وہی ہے ۱۲۸ے جس نے اتارا بادل سے پانی تو ہم نے نکالی اُس کے ذریعے سے اُگنے

كُلِّ شَىْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَ

والی ہر چیز پھر ہم نے نکال لیں اُس سے ہری ہری بالیں نکالتے ہیں اس سے (خوشے جس میں) دانے ایک دوسرے پر چڑھے ہوتے ہیں اور

مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ

(نکالتے ہیں) کھجور سے یعنی اس کے گابھے سے گچھے نیچے جھکے ہوئے اور (ہم نے پیدا کیے) باغات انگور اور

وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ

زیتون اور انار کے بعض (شکل و ذائقہ میں) ایک جیسے ہیں اور بعض الگ الگ دیکھو ہر درخت کے پھل کی طرف

اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۗ اِنَّ فِىْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٠﴾ وَجَعَلُوْا

جب وُہ پھل دار ہو اور (دیکھو) اس کے پکنے کو ۱۲۹ے بے شک ان میں ۱۳۰ے نشانیاں ہیں (اس کی قدرتِ کاملہ کی) اس قوم کے لیے جو ایمان لاتے ہیں اور بنایا

۱۲۸ے اللہ تعالیٰ کی قُدرتِ کاملہ کی اعجاز آفرینیوں کے ذِکر کا سِلسلہ جاری ہے ۔ یہاں اِنسانی بقا کے لیے اس کی خوراک کا جو انتظام فرمایا گیا ہے اس کا بیان ہو رہا ہے ۔ خضر بمعنی اخضر یعنی سرسبز ہے ۔ حضرت ابنِ عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد گندم، جو، مکّی اور چاول کے پودے ہیں جن پر خوشے لگتے ہیں ۔ قال ابن عبّاس يريد القمح والشعير والسلت والذرة والارز وسائر الحبوب (قرطبی) قِنْوَان جمع ہے قِنْوٌ یا قُنْوٌ کی اِس کا معنی ہے گچھّہ۔

۱۲۹ے یہاں دیکھنے سے مُراد سرسری دیکھنا نہیں بلکہ غور و تدبّر سے دیکھنا ہے تا کہ قدرت کی کرشمہ سازی اور اس کی حِکمت کی پُختہ کاری کے جلوے نظر آنے لگیں ۔ يَنْعِهٖ مصدر مضاف ہے ضمیر کی طرف اس کا معنی ہے پھل کا پکنا ۔ قال الجوهری ينع الثمر يَيْنَعُ وَيَيْنِعُ يَنْعًا ويُنْعًا ويُنوعًا اى نضج (القرطبی)

۱۳۰ے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا پہچاننا مشکل نہیں ۔ تمھارے اُوپر اور نیچے ، تمھارے دائیں اور بائیں میری مصنوعات اور تخلیقات کا جو بازار سجا ہوا ہے اسی میں غور کرو ۔ ہر چیز یہ پکارتی ہوئی سنائی دے گی کہ وُہ اپنی نیرنگیوں اور بوقلمونیوں سمیت خود بخود موجود نہیں ہو گئی بلکہ اس کا ایک بنانے والا ہے جو سب کچھ جاننے والا ہر چیز پر قدرت والا ہے ۔ ذرا دیکھو بیج کا دانہ شق ہو رہا ہے ۔ اِس میں سے ایک نرم و نازک بال نکل آئی ہے ۔ اسے آپ کمزور نہ سمجھئے یہ تو مٹّی کی کئی

لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ

اُنھوں نے ۱۳۱؎ اللہ کا شریک جنّوں کو حالانکہ اللہ نے پیدا کیا ہے انھیں اور گھڑ لیے ہیں اُنھوں نے اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں محض جہالت سے

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى

پاک ہے وُہ اور برتر ہے اس سے جو وُہ بیان کرتے ہیں موُجد ہے آسمانوں ۱۳۲؎ اور زمین کا کیوں کر

اِنچ موٹی تہ کو چیر کر نکلی ہے۔ یہ بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ وُہ بال اَب ایک ننھّے سے تنے میں تبدیل ہو رہی ہے۔ ہوا کے تھپیڑوں کو برداشت کرنے کے لیے مناسب فاصلوں پر اس میں گرہیں ڈالی جا رہی ہیں۔ اب اس کے سر پر ایک خوشہ سا نمُودار ہو گیا ہے۔ اس کی جیبیں اَب دانوں سے بھر گئی ہیں۔ یہ پودا جو پہلے ہرا بھرا اَور نرم و نازک تھا اب اپنا رنگ تبدیل کر رہا ہے۔ غور کرنے والی آنکھ خود فیصلہ کرلے کہ کیا یہ اندھے مادے کی کاریگری ہے یا علیم و حکیم پروردگار کی صنعت کا اعجاز ہے۔ پھل لگنے سے لے کر پکنے تک اس کی مِقدار، اس کی بُو اَور اس کے ذائقہ میں آہستہ آہستہ موقع بموقع جو تبدیلیاں رُونما ہوتی رہتی ہیں اسی پر اِنسان غور کرے تو حقیقت واضح ہو جائے گی۔ اِس آیت میں "انظر" کے معنی سرسری دیکھنے کے نہیں بلکہ غور و فکر سے دیکھنے کے ہیں۔ ای نظر اعتبار لا نظر الابصار المجرد عن التفکر (قرطبی) میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ جس قوم کی آسمانی کتاب نے اُسے کائنات کی ہر چیز میں فکر و تدبّر کرنے کی ترغیب دِلائی وُہی قوم اِس میدان میں سب سے پیچھے نظر آ رہی ہے۔ کیا ملّتِ اِسلامیہ کے نوجوان اپنا مقام پہچانیں گے۔ اپنا فریضہ ادا کرنے کے لیے کمرِ ہمّت باندھیں گے۔ اپنے اولوالعزم اسلاف کی طرح لگاتار محنت مسلسل جدوجہد کو اپنا شعار بنائیں گے۔ اِس طرح صرف وُہ خود ہی شہرت کے آسمان پر مہر و ماہ بن کر نہیں چمکیں گے بلکہ اپنی مِلّت کا نام بھی روشن کر دیں گے۔ اَور اِنسانیت کی قیادت ایک بار پھر ان ہاتھوں میں آ جائے گی جنھیں کنتم خیر امۃ کا اعزاز بخشا گیا ہے۔

۱۳۱؎ اِن مشرکین کی حماقت کی کوئی حد ہے کہ اُنھوں نے جِنّوں کو جو اُن جیسی مخلوق ہیں خُدا کا شریک بنایا ہوا ہے۔ مزید برآں اس کے لیے بیٹے اَور بیٹیاں گھڑلی ہیں۔ یہ ایسی خرافات تھیں جن میں اہلِ عرب کے علاوہ اَور قومیں بھی مبتلا تھیں۔ عیسائی حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو اور بعض یہُود حضرت عزیر علیہ السّلام کو خدا کا بیٹا اور مشرکینِ عرب فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں یقین کرتے تھے۔ نعُوذ باللہ۔

۱۳۲؎ بدیع اُس پیدا کرنے والے کو کہا جاتا ہے جس نے کوئی نمُونہ سامنے رکھے بغیر کسی چیز کو پیدا کیا ہو۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کیونکہ اسی نے آسمان اَور زمین کو بغیر کسی سابقہ مثال اَور نمونہ کے تخلیق فرمایا۔ وُہ ہر چیز کا خالق ہے اَور ہر چیز اس کی مخلوق ہے۔ خالق اَور مخلُوق کے درمیان صرف عبُودیّت اَور بندگی کا ہی رشتہ ہے۔ فرزندی یا قرابت کا کوئی رشتہ نہیں۔ کیوں کہ جس نے محض اپنی قدرت سے زمین اور آسمان کو پیدا کر دیا اسے اب بیٹوں اَور دُوسرے رِشتہ داروں اَور سہاروں کی

يَكُونُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ وَهُوَ

ہو سکتا ہے اس کا کوئی لڑکا حالانکہ نہیں ہے اس کی کوئی بیوی ۔ اور پیدا فرمایا ہے اس نے ہر چیز کو اور وہ

بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ

ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے یہ اللہ ہے (جو) تمہارا پروردگار ہے نہیں کوئی خدا سوائے اس کے ۔ پیدا کرنے والا ہے ہر

شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۳﴾ لَا تُدْرِكُهُ

چیز کا پس عبادت کرو اس کی اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے نہیں گھیر سکتیں اسے ۱۳۳

ضرورت نہیں ۔ اور اگر تم اپنے اُجڈ پنے سے اُس کی اولاد بنانے پر مُصر ہو تو پہلے یہ بتاؤ کہ اس کی بیوی کون ہے جس کے بطن سے اس کی یہ اولاد ہوئی ۔ اور جب اس کی بیوی ہی نہیں تو اولاد کہاں سے آگئی ۔

۱۳۳ ادراک کا معنی ہے کسی چیز کو گھیر لینا اس کا احاطہ کر لینا ۔ الادراك بمعنی الاحاطة والتحديد (قرطبی) اور یہ ظاہر ہے کہ احاطہ صرف اس چیز کا کیا جا سکتا ہے جو محدود ہو اور کسی خاص سمت میں پائی جاتی ہو ۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات نہ تو محدود ہے اور نہ کسی خاص جہت میں موجود ۔ اس لیے اس کا احاطہ کرنا ناممکن ہے ۔ ہاں دُنیا کی اور ہر چیز کتنی بڑی سے بڑی کیوں نہ ہو اس کا کوئی گوشہ اللہ تعالیٰ کے علم محیط سے باہر نہیں ہو سکتا ۔ معتزلہ اور خوارج نے اِس آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اس دُنیا میں اور آخرت میں ناممکن ہے ۔ لیکن ان کا یہ استنباط غلط ہے ۔ کیونکہ قرآن کی دُوسری آیات صاف بتا رہی ہیں کہ قیامت کے دن مومنین کو دیدارِ الٰہی ہوگا ۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (بعض چہرے اس روز شگفتہ ہوں گے اور اپنے ربّ کی طرف دیکھ رہے ہوں گے) اور اگر یہ محال عقلی ہو تو حضرت مُوسٰی علیہ السلام کبھی دیدار کا سوال نہ کرتے ۔ کیونکہ نبی کی شان سے یہ بعید ہے کہ ایسی بات کا سوال کرے جو محال ہو ۔ نیز احادیثِ صحیحہ اور جلیل القدر صحابہؓ اور علماء اُمت کے اقوال سے ثابت ہے کہ معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو اپنے دیدار سے مشرف فرمایا ۔ مروان نے حضرت ابُوہریرہؓ سے پُوچھا هل رای محمد ربه ؟ کیا مصطفےٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا فقال نعم ۔ تو حضرت ابُوہریرہؓ نے جواب دیا ہاں ۔ حضرت ابنِ عباسؓ کا بھی یہی قول ہے ۔ حضرت احمدؒ بن حنبل سے اس کے متعلق پُوچھا گیا تو فرمایا ۔ انا اقول بحديث ابن عباس ؛ بعينه راٰه راٰه حتی انقطع نفسه : میرا تو وُہی قول ہے جو ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا اپنی آنکھوں سے دیکھا ۔ یہ لفظ امام احمدؒ نے اتنی بار دُہرایا کہ آپ کا سانس ٹوٹ گیا ۔ وكان الحسن يحلف بالله الذی لا اله الا هو لقد رای محمد ربه : حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے مجھے اس خدا کی قسم جس کے بغیر کوئی خدا نہیں حضور علیہ السلام نے اپنے ربّ

الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿١٠٤﴾ قَدْ

نظریں اور وہ گھیرے ہوئے ہے سب نظروں کو اور وہ بڑا باریک بین (اور) پوری طرح باخبر ہے بے شک

جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ

آگئیں تمھارے پاس آنکھیں کھولنے والی دلیلیں اپنے رب کی طرف سے ۱۳۴ تو جس نے آنکھوں سے دیکھا تو اس نے اپنا فائدہ کیا اور جو اندھا بنا رہا

فَعَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿١٠٥﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَ

تو اس نے اپنا نقصان کیا اور نہیں ہوں میں تم پر نگہبان اور اسی طرح ہم طرح طرح سے بیان کرتے ہیں (توحید کی) دلیلوں کو

لِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿١٠٦﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ

اور تاکہ بول اٹھیں یہ لوگ کہ آپ نے خوب پڑھ سنایا ہے ۱۳۵ اور تاکہ ہم واضح کر دیں اس کو اس قوم کیلئے جو علم رکھتی ہے پیروی کیجئے آپ اس کی جو وحی کی جاتی ہے

کا دیدار کیا ہے۔ اگر کوئی شخص مصر ہو کہ آیت میں ادراک کا معنی دیکھنا ہی ہے تو اس کا جواب بھی علماء کرام نے دیا ہے کہ عام نگاہیں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتیں۔ ہاں جب اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے شرفِ دیدار سے مشرف کرنا چاہتا ہے تو اس میں ایسی قوت پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ دیدار کر سکتا ہے۔ جیسے حضور کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المعنی لا تدركه الابصار المخلوقة فی الدنیا لکنه یخلق لمن یرید کرامته بصراوادرا کا یراہ به کمحمد علیہ السلام (القرطبی)

موسیٰ ز ہوش رفت زیک جلوہ صفات ۔ تو عین ذات می نگری در تبسمی

۱۳۴ بصائر بصیرت کی جمع ہے جس طرح جسم کے لیے بصر (بینائی) ہے اسی طرح نفس و روح کے لیے بصیرت ہے۔ وھی للنفس کالبصر للبدن (بیضاوی) اور یہاں اس سے مراد روشن دلیلیں ہیں یعنی بالبصیرة الحجة البینة الظاهرة (القرطبی) اس آیت کا مقصد یہ ہوا کہ تمھاری ہدایت اور رہنمائی کے لیے روشن دلیلیں آگئی ہیں۔ اگر تم ان کی روشنی میں چلو گے تو اس میں تمھارا ذاتی فائدہ ہے کیوں کہ اس طرح دین اور دنیا کی عزتوں سے سرفراز کیے جاؤ گے۔ اور اگر آنکھیں بند رکھو گے تو خود ہی ہلاکت کے گڑھے میں گرو گے کسی کا کیا بگڑے گا۔

۱۳۵ درس درس دراسة سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے کسی کو پڑھ کر سنانا (القراۃ علی الغیر) مقصد یہ ہے کہ اگر ہم اپنی توحید کی دلیلوں کو صرف ایک ہی بار بیان کرتے تو کوئی سنتا کوئی نہ سنتا، کوئی سمجھتا اور کوئی نہ سمجھتا۔ اور اگر ایک ہی آیت کا بار بار تکرار ہوتا تو شاید کوئی اکتا جاتا۔ اس لیے ہم ان دلائل کو مختلف رنگوں اور متعدد اسلوبوں سے بیان کرتے ہیں تاکہ آپ کے مخاطب یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائیں کہ واقعی آپ نے پوری طرح دلیلیں ہمیں پڑھ کر سنائی ہیں اور سمجھانے کا حق ادا کر

اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٧﴾ وَ

آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے۔ نہیں کوئی معبود بجز اس کے ١٣٦ اور منہ پھیر لو مشرکوں کی طرف سے اور

لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ

اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو وُہ شرک نہ کرتے اور نہیں بنایا ہم نے آپ کو ان پر نگہبان اور نہیں ہیں

عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٨﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

آپ ان کے ذمہ دار اور تم نہ بُرا بھلا کہو ١٣٧ انھیں جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا

اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ص

(ایسا نہ ہو) کہ وُہ بھی بُرا بھلا کہنے لگیں اللہ کو زیادتی کرتے ہوئے جہالت سے۔ یُونہی آراستہ کر دیا ہے ہم نے ہر اُمّت کے لیے ان کا عمل

ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٩﴾ وَ

پھر اپنے رب کی طرف ہی لوٹ کر آنا ہے اُنھوں نے پھر وُہ اُنھیں بتائے گا جو وُہ کیا کرتے تھے اور

دیا ہے۔ آیت کے اَور مطالب بھی بیان کیے گئے ہیں لیکن یہ قول سب سے عُمدہ ہے۔ قال النحاس قول حسن (قرطبی)

١٣٦ آپ کفّار کی گمراہی پر ملول اور غمگین نہ ہوں۔ آپ نے فہمائش کا حق ادا کر دیا۔ آپ زیادہ توجہ احکامِ الٰہی کی بجا آوری کی طرف دیا کریں۔ ای لاتشغل قلبك وخاطرك بهم بل اشتغل بعبادة الله (قرطبی)

١٣٧ مبلغ اگر صحیح تربیت یافتہ نہ ہو تو اپنے نظریات اور عقائد کی تبلیغ اور اشاعت کے جوش میں وُہ حدِّ اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے اور معقولیّت کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے نظریات اور عقائد کے متعلق اس کے سامعین کے دِلوں میں نفرت اور تعصّب پیدا ہو جاتا ہے اور بسا اوقات نوبت گالی گلوچ تک پہنچ جاتی ہے۔ اِس آیت سے مبلّغینِ اسلام کی تربیت مقصُود ہے تاکہ وُہ اِسلام کی دعوت کو پُوری شائستگی اور متانت سے پہنچانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اُنھیں حکم دیا کہ مشرکین کے باطل خداؤں کو بُرا بھلا نہ کہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وُہ مشتعل ہو کر تمھارے معبُودِ برحق کی جناب میں گُستاخی کرنے لگیں۔ اِس انداز سے اُنھیں اِسلام کا پیغام پہنچاؤ اور اُن کے عقائدِ باطلہ کی تردید کرو کہ اُنھیں تمھاری دعوت قبول کرنے کے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہ رہے۔ عدوا ای جهلا و اعتداء جہالت اور زیادتی سے۔ علماء اصُول نے اِس آیت سے سدِّ ذرائع کا قاعدہ اخذ کیا ہے جس کا مختصراً مطلب یہ ہے کہ ہر مباح کام جب کسی معصیت کا سبب بن جائے تو اس کو ترک کر دیا جائے گا۔

اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ

وُہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی ۱۳۸ پُوری کوشش سے کہ اگر آگئی ان کے پاس کوئی نشانی تو ضرور ایمان لائیں گے

بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ

اس کے ساتھ۔ آپ فرمائیے کہ نشانیاں تو صرف اللہ ہی کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو!) تمھیں کیا خبر کہ جب یہ نشانی آجائے گی تو

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ

(تب بھی) یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور ہم پھیر دیں گے ۱۳۹ ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو جس طرح وُہ نہیں

يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ع

ایمان لاتے تھے اس کے ساتھ پہلی مرتبہ اور ہم چھوڑ دیں گے انھیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

۱۳ع ۱۹

۱۳۸ے کفارِ قریش نے ایک بار حضور نبی کریم ؐ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ ہمیں بتاتے ہیں کہ موسیٰ ؑ اپنا عصا مار کر پتھر سے پانی کے چشمے جاری کر دیا کرتے تھے۔ عیسیٰ ؑ مُردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔ اور ثمود کے پاس ایک اُونٹنی تھی۔ آپ بھی ہمیں کوئی نشانی دکھائیے تاکہ ہم آپ کی تصدیق کریں۔ حضور ؐ نے فرمایا کون سی نشانی چاہتے ہو۔ کہنے لگے کہ اگر یہ صفا کی پہاڑی سونا بن جائے تو ہم ایمان لائیں گے۔ حضور ؐ نے دُعا کی تو جبریل ؑ حاضر ہوئے اور آکر کہا کہ اگر آپ چاہیں تو صفا کی پہاڑی ابھی سونا بن جائے۔ لیکن جس نے اس کے بعد بھی انکار کیا اُسے اللہ تعالیٰ ہلاک کر دے گا۔ یا آپ انھیں اپنے حال پر رہنے دیں تاکہ جس وقت کوئی چاہے تائب ہو جائے اور اسلام قبول کرے تو حضور ؐ نے فرمایا بل یتوب تائبھم یعنی مجھے دُوسری صُورت پسند ہے۔

۱۳۹ے یعنی ان کا یہ کہنا دُرست نہیں کہ آج تک ہمیں کوئی نشانی اور معجزہ نہیں دکھایا گیا اس لیے ہم ایمان نہیں لائے بلکہ بیش ازیں بھی اُنھوں نے قُدرتِ خُداوندی کی نشانیاں اور معجزات دیکھے لیکن محض ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے اُنھوں نے اسلام کو قبُول نہیں کیا۔ اب بھی اگر کوئی معجزہ انھیں دکھایا جائے گا تو یہ اپنے سابقہ دستور کے مُطابق قبُولِ حق کے لیے آمادہ نہیں ہوں گے۔ اور ہم بطورِ سزا ان کے دِلوں کو حق کی طرف سے پھیر دیں گے اور ان کی آنکھوں سے دیکھنے کی قوّت چھین لی جائے گی۔ پھر وُہ گمراہی اور ضلالت کی تاریکیوں میں بھٹکتے پھریں گے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا

اور اگر ہم ۱۴۰ے اُتارتے اُن کی طرف فرشتے اور باتیں کرنے لگتے اُن سے مُردے (قبروں سے اُٹھ کر) اور ہم جمع کر دیتے

عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ

ہر چیز کو ان کے رُوبرو تب بھی وُہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ چاہتا اللہ تعالیٰ ۱۴۱ے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا

لیکن اکثر ان میں سے (بالکل) جاہل ہیں اور اسی طرح بنا دیئے ۱۴۲ے ہم نے ہر نبی کے لیے دُشمن

۱۴۰ے کفّارِ نت نئے معجزہ کی فرمائش کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ان سب کی فرمائشیں پُوری کر بھی دی جائیں فرشتے آسمان سے اُتر کر ان کے پاس آکھڑے ہوں۔ مُردے قبروں سے نکل کر ان سے باتیں کرنے لگیں۔ اور ہر چیز ان کے سامنے آموجود ہو تو پھر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ ان کے دِلوں میں تلاشِ حق کا جذبہ ہی نہیں۔ ہدایت کی طلب ہی نہیں ایسے لوگوں کا راہِ راست پر آنا ممکن نہیں۔

۱۴۱ے ہاں ان کے ایمان لانے کی ایک صُورت ہے کہ اُن سے اختیار اور ارادہ کی قوّت سلب کر لی جائے اور انھیں مجبورِ محض بنا کر ایمان لانے کا حکم دیا جائے۔ لیکن ایسا کرنا منظور نہیں کیونکہ حکمتِ الٰہی کا یہ منشا نہیں کہ انسان بھی دُوسرے حیوانوں کی طرح عقل و خِرد، سوچ بچار، اِرادہ و اِختیار سے یکسر محرُوم ہو کر پابندِ احکام بن جائے۔ لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ انھیں کوئی ایسا معجزہ دِکھایا جائے جس کو دیکھنے کے بعد وُہ بے اختیار ہو کر اسلام کو قبُول کر لیں۔

۱۴۲ے شیاطین سے مُراد ہر سرکش اور نافرمان خواہ انسان ہو یا جنّ۔ والشیطان کل عات متمرد من الانس والجن وھذا قول ابن عبّاسؓ (کبیر) سرکش انسانوں اور جنّوں کی باہمی وسوسہ اندازی کو وحی کے لفظ سے اِس لیے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ یہ سب باتیں بڑی رازداری سے ہوتی ہیں وسمی وحیا لانه انما یکون خفیة (قرطبی) زخرف القول کا معنی ہے ملمّع شدہ باتیں جن کی حقیقت کچھ نہ ہو۔ لیکن ظاہر اِتنا دِلکش اور نظر فریب ہو کہ انسان خود بخود اس کی طرف کھچا چلا جائے۔ عدوّ (واحد) اعداء (جمع) کے معنی میں ہے۔ اس کی متعدّد نظیریں قرآنِ کریم میں نیز فصحاء عرب کے کلام میں ملتی ہیں۔ قرآنِ کریم میں ہے۔ او الطفل الذین لم یظھروا علی عورات النساء یہاں طفل جمع کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ اسی طرح ابن الانباری نے ایک شعر پڑھا ؎

اذا انا لم انفع صدیقی بوده　　فان عدوی لن یضرھم ابغضی　　(رازی)

شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ

(یعنی) سرکش انسان اور جنّ جو چپکے چپکے سکھاتے تھے ایک دُوسرے کو خوش نما باتیں

الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا

(لوگوں کو) دھوکہ دینے کے لیے اور اگر چاہتا آپ کا رب تو وُہ یہ نہ کرتے سو چھوڑ دیجئے انھیں اور جو وُہ بُہتان

يَفْتَرُوْنَ ۝۱۱۳ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـــِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

باندھتے ہیں اور (چھوڑ دیجئے) تاکہ مائل ہو جائیں اس کی طرف ان کے دل جو نہیں ایمان لاتے

بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ۝۱۱۴ اَفَغَيْرَ

آخرت پر ۱۴۳ اور تاکہ پسند کریں اسے اور کرتے رہیں جو گناہ وُہ اب کر رہے ہیں (آپ ان سے پوچھئے) کیا

اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ

اللہ کے سوا ۱۴۴ میں تلاش کروں کوئی اَور منصف حالانکہ وہی ہے جس نے اُتاری ہے تمھاری طرف کتاب مفصّل

یہاں عدوّ بمعنی اعداء استعمال ہوا ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ عدوا شیاطین الانس والجن کی ترکیب کیا ہے بعض نے عدوا کو مبدل منہ بنایا ہے شیاطین الخ کو بدل۔ اور بعض علماء کے نزدیک شیاطین الخ جعلنا کا مفعول اوّل ہے اور عدوا مفعول ثانی ہے۔ آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے۔ اے حبیب! یہ نابکار جو آپ کو تنگ کرتے ہیں بات بات پر اعتراض۔ قدم قدم پر شرارت اور اسلام کو زک پہنچانے کے لیے ہر وقت آپس میں صلاح مشورے کرتے رہتے ہیں اور آپ کی مخالفت پر ایک دُوسرے کو اُکساتے رہتے ہیں یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ قدیم سے یہی دستور چلا آ رہا ہے اس لیے آپ ان سازشوں کو خاطر میں نہ لائیے اور ان سازشوں کے متعلق فکر نہ کیجئے۔

۱۴۳ یہ جُملہ یُوحی کے ساتھ متعلق ہے یعنی باطل کے سربراہ باطل نظریات کو جس دلفریب اور پُرکشش انداز میں پیش کرتے ہیں۔ اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ وُہ لوگ جنھیں قیامت پر ایمان نہیں وُہ ان کے دامِ فریب میں پھنس جائیں اور وہ غلط راستہ جو اُنھوں نے اپنے لیے پسند کر لیا ہے اس پر دوڑتے چلے جائیں۔

۱۴۴ کفّار مطالبہ کرتے تھے کہ ہمیں ایسی نشانیاں دکھاؤ جس سے ہم فیصلہ کر سکیں کہ آپ سچّے نبی ہیں۔ حضور کریمؐ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ ان سے پُوچھئے کہ کیا اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بھی کوئی سچّا فیصلہ کرنے والا ہے جس کی طرف رُجوع کیا جائے اور اگر

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ

اور جن کو ہم نے دی ہے کتاب وُہ (اچھی طرح) جانتے ہیں کہ یہ (قرآن) اُتارا گیا ہے آپ کے رب کی طرف سے

بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿١١٥﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا

حق کے ساتھ۔ تو (اے سُننے والے) ہرگز نہ ہو جانا شک کرنے والوں سے اور مکمّل ہو گئی آپ کے رب کی بات سچائی

وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١١٦﴾ وَاِنْ

اور عدل سے ۱۴۵ نہیں کوئی بدلنے والا اس کی باتوں کا اور وُہی ہے سب کچھ سُننے والا جاننے والا اور (اے سننے والے) ۱۴۶

تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ

اگر تو اُطاعت کرے اکثر لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو وُہ تجھے بہکا دیں گے اللہ کی راہ سے وُہ نہیں

يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿١١٧﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ

پیروی کرتے سوائے گمان کے اور نہیں ہیں وُہ مگر محض تخمینے لگاتے ہیں بے شک آپ کا رب خُوب

اللہ کا فیصلہ صحیح تسلیم کرتے ہو تو اُس نے تو قرآن جیسی معجز نما کتاب نازل کر کے میری صداقت کا فیصلہ فرما دیا ہے۔ مزید اطمینان کی ضرورت ہو تو یہود و نصاریٰ سے دریافت کر لو۔ ان کے پاس جو آسمانی کتابیں ہیں اُن میں جگہ جگہ میری نبوّت اور قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کی شہادتیں موجود ہیں حَکَمٌ اور حاکم کا ایک ہی معنی ہے فیصلہ کرنے والا۔ لیکن فرق یہ ہے کہ حاکم ہر فیصلہ کرنے والے کو کہتے ہیں صحیح کرے یا غلط۔ لیکن حکم صرف صحیح فیصلہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔

۱۴۵ کلمہ سے مُراد یہاں قرآنِ حکیم ہے۔ کیونکہ اہلِ لغت نے تصریح کی ہے کہ وُہ کلماتِ کثیرہ جو ایک مقصد سے متعلق ہوں ان کو بسا اوقات کلمہ (واحد) کہہ دیا جاتا ہے جس طرح زہیر کا قصیدہ جو کثیر اشعار کا مجموعہ ہے اسے کلمہ زہیر بھی کہہ دیتے ہیں۔ یہاں قرآنِ حکیم کی چند صفات بیان کی گئی ہیں وُہ تام یعنی مکمّل ہے۔ اپنے لانے والے کی نبوّت کی مکمّل دلیل ہے جو زندگی کا ضابطہ اس نے پیش کیا ہے اس کا کوئی پہلو نا تمام نہیں۔ دُوسری صفت یہ ہے کہ وُہ سراپا حق و صداقت ہے جو کچھ اس نے بتایا ہے وُہ سچ ہے۔ تیسری صفت یہ ہے کہ جو شرعی احکام اوامر و نواہی قرآن میں ہیں وُہ سرتاپا عدل و انصاف ہیں۔ اور آخری صفت یہ بیان فرمائی کہ اس میں ردّ و بدل نہیں ہو سکتا۔

۱۴۶ باطل نظریات کے علمبردار خود نورِ یقین سے محرُوم ہیں۔ ان کا سارا دار و مدار قیاس و گمان پر ہے۔ ان کے پاس

أَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَكُلُوْا

جانتا ہے کہ کون بھٹکتا ہے اس کی راہ سے اور وُہ خُوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو ۔ تو کھاؤ

مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَمَا

اس میں سے لیا گیا ہے نام خُدا جس پر اگر تم اس کی آیتوں پر اِیمان لانے والے ہو ۱۴۷؎ اور کیا ہوا

لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ

تمھیں کہ نہیں کھاتے ہو تم اس جانور کو لیا گیا ہے اللہ کا نام جس پر ۱۴۸؎ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مفصّل بیان کر دیا ہے

مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ

تمھارے لیے جو اُس نے حرام کیا تم پر مگر وُہ چیز کہ تم مجبور ہو جاؤ اس کی طرف اور بے شک بہت سے لوگ گمراہ کرتے ہیں

بِأَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

اپنی خواہشوں سے بے علمی کے باعث بے شک آپ کا رب خُوب جانتا ہے حد سے بڑھنے والوں کو ۱۴۹؎

کوئی ٹھوس اور علمی دلیل نہیں ۔ اگر تم ان کے بہکانے سے بہک گئے اور قرآن کی ان لقینی براہین و دلائل کو نظر انداز کر دیا تو تم گمراہ ہو جاؤ گے ۔

۱۴۷؎ کفّار مسلمانوں پر اعتراض کیا کرتے تھے کہ یہ عجیب لوگ ہیں جس چیز کو اللہ مار دے اسے تو حرام سمجھتے ہیں اور جسے یہ خود ذبح کریں اُسے حلال جانتے ہیں اس کے متعلق فرمایا کہ یہ شیطانی وسوسے ہیں ۔ ان کا یہ کہنا ہی سرے سے غلط ہے کہ جو چیز خود مرے اُس کو خدا نے مارا اور جس کو ذبح کیا جائے اس کو ذبح کرنے والے نے مارا ۔ ہر چیز کا مارنے والا اللہ تعالےٰ ہی ہے ۔ اِس طرح تو پھر کوئی چیز بھی حرام نہ ہونی چاہیئے اِیسا نہیں بلکہ حلال و حرام کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی لازمی ہے ۔ اپنے ڈھکوسلوں اور قیاس آرائیوں سے کام لینا اِیمان کے خلاف ہے ۔ جس حلال جانور کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا جائے وُہ حلال ہے اُسے بلا تامّل کھاؤ ۔

۱۴۸؎ جو چیزیں حرام تھیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آگاہ کر دیا ۔ اب یہ کتنی جہالت اور حماقت ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا اسے حرام سمجھا جائے اور جس جانور کو کلمہ گو اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کرے اس کو نہ کھایا جائے ۔

۱۴۹؎ اِس آیت میں وُہ لوگ غور کریں جو اس جانور کو حرام کہتے ہیں جسے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جاتا ہے اور اس وقت

وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ

اور ترک کردو ظاہری گناہ کو اور چھپے ہوئے کو ۱۵۰؎ بے شک وہ لوگ جو کماتے ہیں گناہ (تو) جلدی ہی

سَیُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَ لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْكَرِ

سزا دی جائے گی انہیں (اس گناہ کی) جس کا وہ ارتکاب کیا کرتے تھے ۱۵۱؎ اور مت کھاؤ اس جانور سے کہ نہیں لیا گیا

اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَ اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰۤی

اللہ کا نام اس پر ۱۵۲؎ اور اس کا کھانا نافرمانی ہے اور بے شک شیطان ڈالتے ہیں اپنے

کسی غیر کا نام نہیں لیا جاتا اور اس سے مقصد محض کسی بزرگ کو ایصال ثواب ہوتا ہے وہ غور کریں کہ کہیں وہ تو اس آیت کا مصداق نہیں؟

۱۵۰؎ ہر قسم کے گناہوں سے باز آنے کا حکم دیا جا رہا ہے خواہ اُن کا تعلق اعضاءِ جسمانی سے ہو یا دل سے، خواہ اُن کا ارتکاب مجمع عام میں کیا جائے یا لوگوں سے چھپ کر۔ کیونکہ گناہ اپنی ذات یا سوسائٹی کے حقوق کو پامال کرنے کا نام ہے۔ اور اسلام کسی صورت میں بھی نہ اس کی اجازت دے سکتا ہے اور نہ اسے برداشت کر سکتا ہے۔ ایک پاک معاشرہ تب ہی معرضِ وجود میں آسکتا ہے جب اس کے افراد کے ظاہری اعضاء بھی کسی پر زیادتی نہ کریں اور اُن کے دل بھی بُرے خیالات سے پاک ہوں۔ اُن کی جلوت اور خلوت دونوں یکساں طور پر پاکیزہ ہوں۔ زمانۂ جاہلیت کے عرب چھپ کر زنا کرنے کو حلال سمجھتے تھے۔ آج بھی یورپ کا جاہلی تمدّن گناہ کی اس تفریق کا قانونی طور پر معترف ہے۔ اسلام جس معاشرہ کی تشکیل کے لیے کوشاں ہے وہاں گناہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ جلوت و خلوت یکساں طاہر، ظاہر و باطن دونوں پاک۔

۱۵۱؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان جمادات کی طرح بے اختیار و بے ارادہ نہیں۔ بلکہ اس کے افعال اس کے اختیار و ارادہ سے صادر ہوتے ہیں۔ اسی لیے اس کے اعمال کے متعلق اس سے باز پرس ہو گی۔ لیکن اس کا یہ اختیار اور ارادہ اسے اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت سے باہر نہیں کر دیتا۔ یہ ارادہ اسی کا عطا فرمودہ ہے۔

۱۵۲؎ پہلی آیت میں یہ حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام مت کہو۔ اس آیت میں حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال مت سمجھو۔ وہ جانور جو خود مر گیا وہ بھی حرام ہے اور جسے ذبح کیا گیا لیکن دانستہ اس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا یا اللہ کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام بھی لے دیا گیا تو وہ بھی حرام ہے۔

اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

دوستوں کے دلوں میں (اعتراضات) تاکہ وہ تم سے جھگڑیں۔ اور اگر تم نے ان کا کہنا مانا تو تم مشرک ہو جاؤ گے ۱۵۳

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي

کیا وہ جو (پہلے) مردہ تھا ۱۵۴ پھر زندہ کیا ہم نے اسے اور بنا دیا اس کے لیے نور چلتا ہے جس کے اجالے میں لوگوں

النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ

کے درمیان وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہو نہیں نکلنے والا ان سے۔ یونہی

زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ

آراستہ کر دیئے گئے کافروں کے لیے وہ اعمال جو وہ کیا کرتے تھے اور اسی طرح ہم نے بنایا ۱۵۵ ہر بستی

قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ

میں اس کے بڑے لوگوں کو وہاں کے مجرم تاکہ وہ مکر و فریب کیا کریں اس میں۔ اور نہیں فریب دیتے مگر اپنے آپ کو

۱۵۳ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال یقین کرتا ہے وہ مشرک ہو جاتا ہے فدلت الآیۃ علیٰ ان من استحل شیئا مما حرم اللہ تعالیٰ صار بہ مشرکا (قرطبی) حضرت صدر الافاضل رقم طراز ہیں "کیونکہ دین الٰہی میں حکم الٰہی کو چھوڑنا اور دوسرے کے حکم کو ماننا اور اللہ کے سوا دوسرے کو حاکم قرار دینا شرک ہے۔" (خزائن العرفان)

۱۵۴ اس آیت میں موت سے مراد کفر و جہالت ہے اور زندگی سے مراد ہدایت اور علم ہے اور نور سے مراد قرآن حکیم ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ انسان جو پہلے کفر و جہالت کی موت مر چکا ہو اسے اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل و کرم سے ہدایت اور علم کی زندگی مرحمت فرمائے اور دنیا کے اس ظلمت کدہ میں اس کے پاس قرآن کی روشن شمع ہو جس کی روشنی میں وہ اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھا چلا جا رہا ہو۔ کیا اس خوش نصیب کے ساتھ وہ بدنصیب برابری کا دعویٰ کر سکتا ہے جو گمراہی کی تہ در تہ ظلمتوں میں حیران و سرگرداں ہو اور ان سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ اسے نہ مل رہا ہو۔

۱۵۵ مجرمیھا مفعول اوّل ہے جعلنا کا اور اکابر مفعول ثانی ہے۔ مکہ کے رئیس اور سردار حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف نت نئی شرارت اٹھاتے۔ کبھی کوئی الزام کبھی کوئی بہتان۔ مقصد یہ ہوتا کہ لوگ آپ سے متنفر رہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کو فرماتے ہیں کہ ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ شہر کے چودھری اور رئیس اپنے اثر و رسوخ کو

وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿١٢٤﴾ وَإِذَا جَاءَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ حَتَّىٰ

اور وہ (اس بات کو) نہیں سمجھتے اور جب آئے ان کے پاس ۱۵۶ے کوئی نشانی کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک

نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ ۘ اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ

ہمیں بھی ویسا ہی نہ دیا جائے جیسے دیا گیا اللہ کے رسولوں کو۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے (اس دل کو) جہاں وہ رکھتا ہے

رِسَالَتَهُ ۗ سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعَذَابٌ

اپنی رسالت کو عنقریب پہنچے گی جنھوں نے جرم کیے ذلت ۱۵۷ے اللہ کے ہاں اور عذاب

شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ ﴿١٢٥﴾ فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ

سخت بوجہ ان مکروں کے جو وہ کیا کرتے تھے اور جس (خوش نصیب) کے لیے ارادہ فرماتا ہے اللہ کہ ہدایت دے اسے تو کشادہ کردیتا ہے

بحال رکھنے کے لیے پیغمبروں کے خلاف الزامات لگاتے چلے آتے ہیں اور لوگوں کو انبیا سے دور رکھنے کے لیے سارے جتن کرتے رہے ہیں۔ اور وہ اپنی نادانی کے باعث اس چیز کو نہ سمجھ سکے کہ وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں اور اپنے ہاتھوں اپنی عاقبت برباد کر رہے ہیں۔

۱۵۶ے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوت کا دعویٰ فرمایا تو مکہ کا رئیس ولید بن مغیرہ کہنے لگا۔ لَوْ كَانَتِ النُّبُوَّةُ حَقًّا لَكُنْتُ أَوْلَىٰ بِهَا مِنْكَ لِأَنِّي أَكْبَرُ مِنْكَ سِنًّا وَأَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا (قرطبی) یعنی اگر نبوت کی کچھ حقیقت ہوتی تو میں آپ سے نبوت کا زیادہ مستحق تھا۔ میں عمر میں آپ سے بڑا ہوں اور مالدار بھی آپ سے زیادہ ہوں اور ابوجہل وغیرہ متکبر کہتے کہ ہم سنی سنائی بات پر ایمان لانے والے نہیں ہم تو تب مانیں گے کہ جس طرح ان پر وحی نازل ہوتی ہے اسی طرح وحی ہم پر بھی نازل ہو۔ اللہ تعالیٰ ان کے رد میں فرماتا ہے کہ میں ہی بہتر جانتا ہوں کہ کونسا دل اس نورِ نبوت کو برداشت کرسکتا ہے اور کس میں اس بارِ گراں کے اٹھانے کی ہمت ہے۔ مال و دولت اور جاہ و منزلت اور کبرسنی نبی بننے کا کوئی معیار نہیں۔

۱۵۷ے تاریخ شاہد ہے کہ جن مغروروں نے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت سے توبہ نہ کی ان کی ساری عظمت خاک میں مل گئی اور وہ ذلیل و خوار ہوگئے۔ اور قیامت کے دن جو عذاب انھیں دیا جائے گا اس کا تو ابھی وہ تصور بھی نہیں کرسکتے۔

صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا

اس کا سینہ اسلام کے لیے ۱۵۸ اور جس (بدنصیب) کے لیے ارادہ فرماتا ہے کہ اسے گمراہ کر دے تو بنا دیتا ہے اس کے سینہ کو

حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ ۗ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ

تنگ بہت تنگ ۱۵۹ گویا وُہ زبردستی چڑھ رہا ہے آسمان کی طرف اسی طرح ڈال دیتا ہے اللہ تعالیٰ ناپاکی

عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۗ قَدْ

ان پر جو ایمان نہیں لاتے ۱۶۰ اور یہ ہے راستہ آپ کے رب کا (بالکل) سیدھا ہم نے

۱۵۸ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ کسی کو ہدایت عطا فرمادے تو اس کے سینہ کو قبولِ حق کے لیے کشادہ کر دیتا ہے وُہ اپنے دل میں حق کی طرف رغبت اور آمادگی محسوس کرتا ہے۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے کسی نے دریافت کیا کیف الشرح یارسُول اللہ! شرحِ صدر کی کیا کیفیت ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا اَلْاِنَابَةُ اِلٰى دَارِ الْخُلُوْدِ وَالتَّجَافِىْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ لِقَاءِ الْمَوْتِ۔ انسان آخرت کی طرف مائل ہوجاتا ہے۔ اس دُنیا سے اُس کا دِل متنفّر ہوجاتا ہے اور موت کے آنے سے پہلے وُہ موت کے لیے مکمّل تیّاری کر لیتا ہے۔ (روح)

۱۵۹ حضرت فارُوقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے لفظ "حرج" کی تحقیق کے لیے بنی کنانہ کے ایک شخص کو بلایا اور اُس سے پُوچھا اے جوان حَرَجَة کِس کو کہتے ہیں۔ قَالَ اَلْحَرَجَةُ فِيْنَا الشَّجَرَةُ تَكُوْنُ بَيْنَ الْاَشْجَارِ الَّتِىْ لَا تَصِلُ اِلَيْهَا رَاعِيَةٌ وَّلَا وَحْشِيَةٌ وَّلَا شَيْءٌ۔ اس نے کہا حرجة ہمارے ہاں اُس درخت کو کہتے ہیں جو گھنے درختوں کے جھنڈ میں ہوتا ہے جہاں کوئی چیز نہیں پہنچ سکتی۔ یہ سُن کر حضرت فارُوقؓ نے فرمایا۔ كَذٰلِكَ قَلْبُ الْمُنَافِقِ لَا يَصِلُ اِلَيْهِ شَيْءٌ مِّنَ الْخَيْرِ۔ مُنافق کا دِل بھی ایسا ہی ہوتا ہے وہاں کوئی بھلائی نہیں پہنچ سکتی (رُوح) "حَرَجًا" کا معنی ہے بہت تنگ قال الزجاج اضیق الضیق مقصد یہ ہے کہ جب کسی کی پیہم سرکشیوں کے باعث اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت اس کی طرف سے پھر جاتی ہے تو قبولِ حق سے اس کا دِل بہت تنگ ہوجاتا ہے۔ حق کو تسلیم کرنے کا تصوّر کرتے ہی اس کی حالت ایسی ناگفتہ بہ ہوجاتی ہے جیسے کسی انسان کو آسمان کی طرف چڑھنے پر مجبُور کیا جائے جس طرح اُس کا سانس پھُول جاتا ہے۔ اوسان خطا ہوجاتے ہیں اور ایک بے بسی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اسی طرح اس بدنصیب کا حال ہوتا ہے۔

۱۶۰ رجس۔ پلیدی اور ناپاکی۔ جو لوگ ایمان نہیں لاتے بطورِ سزا ان پر ناپاکی مسلّط کر دی جاتی ہے۔

فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ

کھول کر بیان کر دی ہیں دلیلیں ان لوگوں کے لیے جو نصیحت قبول کرتے ہیں اُن کے لیے سلامتی کا گھر ہے ان کے ربّ کے ہاں

وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ

اور وہی ان کا دوست ہے بسبب ان نیک اعمال کے جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ ان سب کو (اور فرمائے گا)

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ

اے جنّوں کے گروہ! بہت گمراہ کیا تم نے انسانوں کو اور کہیں گے ان کے دوست

مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ

انسانوں میں سے اے ہمارے ربّ! ۱۶۱ فائدہ اُٹھایا ہم نے ایک دُوسرے سے اور پہنچ گئے ہم اپنی اس میعاد کو جو

اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ

تُو نے ہمارے لیے مقرر کی تھی اللہ فرمائے گا ۱۶۲ آگ تمہارا ٹھکانا ہے ہمیشہ رہو گے اس میں مگر جسے اللہ تعالیٰ ۱۶۳ (نجات دینا) چاہے

۱۶۱ جب مجرموں کو اپنے جرائم کے انکار کی مجال نہ رہے گی تو وُہ اعترافِ جرم کرتے ہُوئے کہیں گے کہ ہم (جنّ وانس) ایک دُوسرے سے خُوب لُطف اندوز ہُوئے اور ساری عمر غفلت و نافرمانی میں برباد کر کے اب تیری جناب میں حاضر ہُوتے ہیں۔ جنّوں نے تو انسانوں سے یہ لُطف اُٹھایا کہ یہ اُنھیں بہکاتے گئے اور اِنسان بھٹکتے گئے۔ وُہ دام بچھاتے گئے یہ اس میں پھنستے گئے۔ اور انسانوں نے جنّوں سے یہ لُطف اُٹھایا کہ زنا، شراب، قتل و غارت وغیرہ سب گھناؤنے گناہ ان کی نگاہ میں بہت دلکش بن گئے اور اُنھوں نے متاعِ عقل و خرد کو طاقِ نسیاں پر رکھ دیا۔ ہر پند و موعظت سے کان بہرے کر دیئے اور خُوب دادِ عیش دی۔

۱۶۲ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم نے مُہلت کے قیمتی لمحے میری نافرمانی میں ضائع کر دیئے۔ اب دوزخ تمھارے لیے تیار ہے تمھیں اس میں ہمیشہ رہنا ہو گا۔

۱۶۳ حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ اِستثناء اہلِ ایمان کے لیے ہے اور ما بمعنی مَن ہے وقال ابن عباس الاستثناء لاھل الایمان فما علی ھذا بمعنیٰ "مَن"۔ (قرطبی)

اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ

بے شک آپ کا رب بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے اور یونہی ۱۶۴؎ ہم مسلّط کرتے ہیں بعض ظالموں کو

بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ

بعض پر بوجہ ان (کرتوتوں) کے جو وہ کرتے رہتے تھے اے گروہ جنوں اور انسانوں کے! کیا نہیں

يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ

آئے تمہارے پاس رسول تم ہی میں سے سناتے تھے تمھیں ہماری آیتیں اور ڈراتے تھے تمھیں تمھاری

لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ

اس دن کی ملاقات سے ۱۶۵؎ کہیں گے ہم گواہی دیتے ہیں اپنے خلاف اور دھوکہ میں بتلا کیا تھا انھیں دنیوی

۱۶۴؎ بعض نے "نُوَلِّیْ" کا یہ معنی کیا ہے کہ دوزخ میں ظالموں کو اپنے اپنے گناہوں کی مناسبت سے دوزخ کے ایک درجہ میں اکٹھا کر دیں گے۔ لیکن علامہ قرطبی نے "نولی" کا معنی "نسلّط" کیا ہے۔ یہاں دھمکی دی جارہی ہے کہ اگر ظالم تائب نہ ہوئے اور ظلم و تعدّی سے باز نہ آئے تو ان پر اور ظالم مسلّط کر دیئے جائیں گے جو ان کو ذلیل و خوار اور تباہ و برباد کر دیں گے۔ نسلّط بعض الظلمة علی بعض فیهلکه ویذله۔ (قرطبی)

حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ جب تو ایک ظالم کو دوسرے ظالم سے انتقام لیتا ہوا دیکھے تو پھر ٹھیر جا اور تعجب سے یہ تماشا دیکھ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اِذَا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْ قَوْمٍ وَلّٰی اَمْرَهُمْ خِیَارَهُمْ وَاِذَا سَخِطَ اللّٰهُ عَلٰی قَوْمٍ وَلّٰی اَمْرَهُمْ شِرَارَهُمْ۔ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر خوش ہوتا ہے تو نیک آدمیوں کو ان کا حاکم بنا دیتا ہے۔ اور جب کسی قوم پر ناراض ہوتا ہے تو برے لوگوں کو ان کا حاکم بنا دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو ظالم کی اعانت کرے گا اللہ تعالیٰ اسی ظالم کو اس پر مسلّط کر دے گا۔ مَنْ اَعَانَ ظَالِمًا سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔

۱۶۵؎ قیامت کا دن بہت طویل ہوگا اور اس میں مختلف حالات پیش آئیں گے۔ جب کفار مومنین کے انعام و اکرام اور عزّت و منزلت دیکھیں گے تو اپنے کفر و شرک سے منکر ہو جائیں گے۔ اور اس خیال سے کہ شاید مکر جانے سے کچھ کام بنے یہ کہیں گے واللہ ربنا ما کنا مشرکین یعنی خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے۔ اس وقت ان کے مونہوں پر مہریں لگا دی جائیں گی اور ان کے اعضاء ان کے کفر و شرک کی گواہی دیں گے۔ اسی کی نسبت اس آیت میں ارشاد ہوا وشهدوا علی انفسهم انهم کانوا کافرین (خزائن العرفان)

الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿١٣١﴾ ذٰلِكَ

زندگی نے اور گواہی دیں گے اپنے خلاف کہ وُہ کفر کرتے رہے تھے یہ اس لیے

اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿١٣٢﴾

کہ نہیں ہے آپ کا ربّ ہلاک کرنے والا بستیوں کو ظلم سے[١٦٦] اس حال میں کہ ان کے باشندے بے خبر ہوں

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٣﴾

اور ہر ایک کے لیے درجے ہیں اُن کے عمل کے مطابق اور نہیں ہے آپ کا رب بے خبر اس سے جو وُہ کرتے ہیں

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ

اور آپ کا پروردگار غنی ہے رحمت والا ہے[١٦٧] اگر چاہے تو لے جائے (تباہ کر دے) تمھیں اور تمھاری جگہ لے آئے

[١٦٦] جب کوئی بستی گمراہ ہو جاتی ہے اور فسق و فجور میں منہمک ہو جاتی ہے تو اچانک اس پر عذاب نازل نہیں کیا جاتا بلکہ سُنّتِ الٰہی یہ ہے پہلے ان کی طرف اللہ تعالیٰ کا پیغام سُنانے والے بھیجے جاتے ہیں جو ان کو سمجھاتے ہیں۔ اور اس گمراہی اور بدکاری سے باز آجانے کی نصیحت کرتے ہیں۔ اگر پھر بھی وُہ گمراہی اور کجروی پر بضد رہیں تو عذاب نازل ہوتا ہے جو اُنھیں نیست و نابود کر دیتا ہے۔

[١٦٧] شاید کوئی کم فہم اِس غلطی میں مُبتلا ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ جو ہمیں اپنی طرف اِتنی کوشش سے بُلا رہا ہے رسُول بھیجے جا رہے ہیں۔ کتابیں نازل کی جا رہی ہیں معجزات کا سلسلہ جاری ہے تو شاید اس کی کبریائی کا دار و مدار اور اس کی خُدائی اور بادشاہی کا انحصار ہم پر ہے۔ اگر ہم نے اسے اپنا رب تسلیم کر لیا تو اُس کی خدائی قائم رہے گی۔ اور اگر اس کو ماننے سے اِنکار کر دیا تو اس کی عظمت و کبریائی میں فرق آجائے گا چنانچہ اس کا ازالہ کر دیا کہ وُہ غنی ہے۔ اسے کسی کی حاجت نہیں۔ ہر چیز اُس کی محتاج ہے۔ ہاں اُس کی رحمت بے پایاں اور اس کی شفقت بے نہایت ہے اس کا تقاضا ہے کہ تمھیں ہلاکت کے گڑھے سے بچایا جائے اور تم میں جو صلاحیتیں ہیں اُن کی نشو و نما کے لیے ایسی شریعت عطا کی جائے جس پر عمل پیرا ہونے سے اِنسان اپنا اصلی مقام پہچان سکے۔

بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا

تمہارے بعد جسے چاہے ۱۶۸؎ جیسے پیدا کیا تمہیں دُوسری قوم کی اولاد سے بے شک جس کا

تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا

تم سے وعدہ کیا گیا ہے ۱۶۹؎ ضرور آنے والا ہے اور نہیں ہو تم (اللہ کو) عاجز کرنے والے۔ آپ فرمایئے اے میری قوم! تم عمل کیے جاؤ

عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ

اپنی جگہ پر میں اپنا کام کرنے والا ہوں ۱۷۰؎ تو تم جان لوگے کہ کس کے لیے ہوتا ہے اچھا انجام اس

عَاقِبَةُ الدَّارِ ۗ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ

دُنیا کے گھر کا بے شک فلاح نہیں پاتے ظلم کرنے والے اور انھوں نے بنا رکھا ہے ۱۷۱؎ اللہ کے لیے اس سے

۱۶۸؎ اور اگر وُہ چاہے تو تمھیں مٹا ڈالے اور تمھارا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔ اور جس طرح تمہارے باپ دادا کے یہاں سے رُخصت ہونے کے بعد تمھیں ان کا قائم مقام کر دیا اور دُنیا کے سارے کاروبار جُوں کے توں چلتے رہے اسی طرح وُہ قادرِ مطلق تمھارا جانشین کسی اور قوم کو بنا دے گا اور دُنیا کی رونق میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

۱۶۹؎ یعنی قیامت آکر رہے گی۔

۱۷۰؎ آپ فرمایئے اے کفّار! اگر تم دینِ اسلام قبول نہیں کرتے اور اپنے شرک و کفر سے چمٹے رہنے پر بضد ہو تو تمھاری مرضی۔ تم اپنا کام کرتے رہو میں اپنا فرض ادا کرتا رہوں گا اور موت کے تلخ گھونٹ سے جب تمھارا یہ خمار اُترے گا تو تمھیں خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ کس کی دُنیوی زندگی کا اچھا نتیجہ برآمد ہُوا اور کس کا بُرا۔ "عاقبة الدار" کی وضاحت کرتے ہُوئے علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ تقدیرِ کلام یُوں ہے العاقبة الحسنى التي خلق الله تعالى هذه الدار لها۔ (کشاف) اور لفظ دار سے مُراد دارِ دُنیا ہے نہ دارِ آخرت۔ والمراد بالدار الدنيا لا دار السلام۔ (روح)

۱۷۱؎ یہاں مُشرکینِ عرب کی حماقت اور جہالت کا ایک اور بیّن ثبوت پیش کیا جا رہا ہے کہ وُہ کھیت جن کو اللہ تعالےٰ نے اُگایا ہے اور وُہ مویشی جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے ان میں سے کچھ حصّہ اللہ کے نام پر نکالتے۔ اور اسے غریبوں، مسکینوں اور مہمانوں کے لیے خرچ کرتے اور کچھ بُتوں کے نام کا حصّہ نکالتے تھے اور اسے ان کے پجاریوں پر صرف کرتے تھے۔ یہ بھی کچھ کم حماقت نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے حصّہ کی طرح جو ہر چیز کا خالق ہے ان بے جان بُتوں کا بھی حصّہ نکالا جائے لیکن اس سے بھی بڑھ کر حماقت یہ تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حصّہ کا پھل زیادہ ہوتا یا جانور موٹا تازہ ہوتا تو اُسے بُتوں

مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ

جو پیدا فرماتا ہے فصلوں اور مویشیوں سے مقررہ حصّہ اور کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ان کے خیال میں اور

هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ

یہ ہمارے شریکوں کے لیے۔ تو وُہ (حصّہ) جو ہو ان کے شریکوں کے لیے تو وُہ نہیں پہنچتا اللہ تعالیٰ کو اور

مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿١٣٦﴾

جو (حصّہ) ہو اللہ تعالیٰ کے لیے تو وُہ پہنچ جاتا ہے ان کے شریکوں کو۔ کیا ہی بُرا فیصلہ کرتے ہیں

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ

اور یونہی خوش نما بنا دیا ہے بہت سے مشرکوں کے لیے اپنی اولاد کے قتل کرنے کو ان کے شریکوں نے

لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا

تاکہ ہلاک کر دیں انھیں اور مشتبہ کر دیں اُن پر اُن کا دین ۱۷۲ اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو ایسا

کے نام منتقل کر دیتے۔ اور اگر بُتوں کا حصّہ اچھا ہوتا تو اُسے اللہ تعالیٰ کے نام منتقل نہ کرتے۔ ساء ما یحکمون سے یہ بتایا کہ ان کی جہالت اور حماقت کا کیا ٹھکانا کہ جو مالک اور خالق ہے اس کے حصّہ میں تو آئے ردّی چیز اور جن کا کوئی عمل دخل نہیں اُن کو ملے عمدہ اور بہترین چیز۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی نادانی ہے۔

۱۷۲ یہاں شریکوں سے مُراد وُہ شیاطین (جنّ و انس) ہیں جن کی اطاعت کے شوق میں مشرکین اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی معصیت گوارا کرتے تھے اور ایسے قبیح افعال اور جاہلانہ اعمال کے مُرتکب ہوتے تھے جن کو عقلِ صحیح کبھی گوارا نہ کر سکے اور جن کی قباحت میں ادنیٰ درجہ کے آدمی کو بھی تردّد نہ ہو۔ بُت پرستی کی شامت سے وُہ ایسے فسادِ عقل میں مُبتلا ہُوئے کہ حیوانوں سے بدتر ہو گئے۔ اور اولاد جس کے ساتھ ہر جاندار کو فطرۃً محبّت ہوتی ہے۔ شیاطین کے اتباع میں اس کا بے گناہ خُون کرنا اُنھوں نے گوارا کیا اور اس کو اچھا سمجھنے لگے۔ (خزائن العرفان حضرت صدر الافاضل)

فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣٨﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّ

نہ کرتے ۱۷۳ے تو چھوڑ دیجئے انھیں اور جو وُہ بہتان باندھتے ہیں اور بولے ۱۷۴ے یہ مویشی اور

حَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ

کھیتی رُکی ہوئی ہے کوئی نہیں کھا سکتا انھیں سوائے اس کے جسے ہم چاہیں (یہ بات) اپنے گمان سے (کہتے ہیں) اور بعض مویشی

ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ

ہیں، حرام ہیں جن کی پشتیں (سواری کے لیے) اور بعض مویشی ہیں کہ نہیں ذکر کرتے نام خدا ان (کی ذبح) پر (یہ سب محض) افترا ہے اللہ پر

سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣٩﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ

عنقریب سزا دے گا انھیں جو وُہ بہتان باندھا کرتے تھے اور بولے ۱۷۵ے جو ان مویشیوں کے شکموں

الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ

میں ہے وُہ نرا ہمارے مردوں کے لیے ہے اور حرام ہے ہماری بیویوں پر اور اگر وُہ

۱۷۳ے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو راہِ راست پر چلنے کے لیے مجبور کر دیتا۔ لیکن حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے اختیار اور ارادہ سے حق کو قبول کرے یا اسے رد کرے۔ اسے مجبورِ محض بنا کر انسانیت کی مسندِ رفیع سے جمادات کی پستی میں پھینک نہ دیا جائے۔

۱۷۴ے مشرکین اپنی طرف سے باتیں گھڑتے اور پھر انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے اور ان من گھڑت باتوں پر عمل اس طرح کرتے جیسے یہ کوئی بڑا کارِ ثواب ہو۔ مثلاً وُہ کہتے کہ یہ حصّہ جو بُتوں کے لیے مخصوص ہے اس کا عام استعمال حرام ہے۔ اسے صرف وُہی استعمال کر سکتا ہے جسے ہم اجازت دیں۔ مثلاً یہ کہ بُت خانہ کے پجاری یا مرد ہی اسے کھا سکتے ہیں اور دوں پر اس کا کھانا حرام ہے۔ اور جو جانور انھوں نے بُتوں کے نام پر چھوڑ رکھے تھے ان پر سوار ہونے کو حرام سمجھتے۔ اور جن جانوروں کو وُہ بُتوں کے نام پر ذبح کرتے ان پر اللہ تعالیٰ کا نام لینا جائز نہ سمجھتے۔ اور ان من گھڑت خرافات کے متعلق دعویٰ یہ کرتے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اسی طرح ہے۔

۱۷۵ے کفار کی منجملہ جہالتوں میں سے ایک مروّجہ جہالت یہ بھی تھی کہ بعض جانوروں (سائبہ اور بحیرہ) کے متعلق ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کے پیٹ میں (دُودھ یا بچہ) جو کچھ ہے اس کا استعمال مردوں کے لیے حلال ہے اور عورتوں کے لیے

مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ

مرا ہوا (پیدا) ہو تو پھر وہ سب (مرد و زن) اس میں حصّہ دار ہیں۔ اللہ جلدی بدلہ دے گا انھیں ان کے اس بیان کا۔ بے شک وہ حکمت والا

عَلِيْمٌ ﴿١٤٠﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ

علم والا ہے یقیناً نقصان اُٹھایا جنھوں نے قتل کیا اپنی اولاد کو حماقت سے بغیر جانے[٤٧١]

وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا

اور حرام کر دیا جو رزق دیا تھا انھیں اللہ نے بہتان باندھ کر اللہ تعالیٰ پر بے شک وہ گمراہ ہو گئے اور نہ تھے وہ

مُهْتَدِيْنَ ﴿١٤١﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ

ہدایت پانے والے اور وہ وہی ہے جس نے پیدا کیے ہیں[٤٧٢] باغات کچھ چھپروں پر چڑھائے ہوئے اور کچھ بغیر اس کے

وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا

اور کھجور اور کھیتی الگ الگ ہیں کھانے کی چیزیں ان کی اور زیتون اور انار (جو شکل میں) ایک جیسے

ع ١٦ | ٣

حرام اور اگر اسی جانور کے شکم سے مُردہ بچّہ پیدا ہو تو وہ مردوں اور عورتوں سب کے لیے حلال ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عنقریب انھیں ان خرافات کی سزا دی جائے گی۔

[٤٧١] اس آیت سے صاف واضح ہو گیا کہ اپنے وہم و گمان سے قانون بنانا اور اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھنا انسان کے لیے تباہی و بربادی کا باعث ہے۔

[٤٧٢] اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور قدرتِ کاملہ کا اندازہ لگانا چاہو تو عالمِ نباتات میں ہی غور کرو۔ یہ مختلف قسم کے لذیذ پھل، یہ اُونچے اُونچے کھجور کے درخت، یہ لہلہاتے ہوئے کھیت جن کی اقسام کا شمار نہیں ہو سکتا جو کہیں رنگ اور شکل میں ایک دُوسرے سے ملتے جُلتے ہیں تو بُو اور ذائقہ میں الگ الگ ہیں۔ ایک انار کو لیجئے۔ غلاف کے اندر متعدّد خانے ہیں جنھیں ابریشم سے بھی نرم پردوں سے الگ الگ کر دیا گیا ہے۔ ہر خانہ میں عقیق سے بھی زیادہ چمک دار دانے بڑی احتیاط سے لپیٹ کر رکھ دیئے گئے ہیں۔ ہر دانہ اپنے رنگ، ذائقہ میں ایک مکمل وحدت ہے۔ یہ سب کچھ غیر مبہم انداز میں بیان کر رہا ہے کہ ان کو رنگ و بُو اور ذائقہ اور لذّت عطا فرمانے والا بہت بڑا حکیم اور قادرِ مطلق ہے۔

وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ

اور (ذائقہ میں) مختلف۔ کھاؤ اس کے پھل سے جب وہ پھلدار ہو اور ادا کرو اس کا حق ۱۷۸ اس دن

حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٤١﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ

وہ کٹے اور فضول خرچی نہ کرو ۱۷۹ بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا فضول خرچی کرنے والوں کو۔ اور (پیدا فرمائے) بعض مویشی ۱۸۰

حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ

بوجھ اٹھانے والے اور بعض زمین پر لٹا کر ذبح کرنے کے لیے۔ کھاؤ اس میں سے جو رزق دیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے اور نہ پیروی کرو

۱۷۸ اے بعض علماء کا خیال ہے کہ اس سے مراد عشر ہے۔ یعنی جو کھیتی وغیرہ بارش سے سیراب ہو اس کا دسواں حصہ اور جس کی نہر یا کنوئیں وغیرہ سے آبپاشی ہو اس کا بیسواں حصہ (جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے) اور بعض نے یہ فرمایا کہ یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس لیے اس آیت سے نفلی صدقہ مراد ہے۔ ویرید به ما کان یتصدق به یوم الحصاد لا الزکوٰة المقدرة لانها فرضت بالمدینه والایة مکیة وقبل الزکاة والایة مدنیة (بیضاوی)

۱۷۹ اے اسراف اور فضول خرچی ہر طرح کی ممنوع ہے۔ چنانچہ علماء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ فقراء اور مساکین کو دیتے وقت بھی میانہ روی کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور ایسا نہ کرے کہ ہر چیز لٹا کر خود دوسروں کا دست نگر ہو جائے۔ تو جب اسلام نے کار خیر میں فضول خرچی سے منع کیا ہے تو دوسرے کاموں میں فضول خرچی کو کب برداشت کیا جائے گا۔

۱۸۰ اے عالم نباتات میں اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی آیات بینات کا ملاحظہ کرانے کے بعد اب حق کے متلاشی کی توجہ مختلف حیوانات کی طرف مبذول کرائی جا رہی ہے۔ حمولة سے مراد وہ بڑے بڑے جانور ہیں جو سواری اور بوجھ لادنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ ہاتھی، گھوڑے، اونٹ وغیرہ اور فرش سے مراد وہ جانور ہیں جنہیں فرش پر لٹا کر ذبح کیا جاتا ہے اور ان کا گوشت کھایا جاتا ہے یا دودھ دوہا جاتا ہے۔ وقال ابن زید الحمولة مایرکب والفرش مایؤکل لحمه ویحلب (قرطبی) ہر جانور کی شکل و صورت، قدوقامت، خوراک اور عادات بالکل جدا جدا ہیں۔ اپنی بے پناہ قوت اور اجڈپن کے باوجود انہیں انسان کا مطیع بنا دیا گیا ہے تاکہ وہ اس کا سامان اٹھا کر دور دراز کی مسافتوں تک لے جائیں۔ اور اس کی ہر طرح کی خدمت بجا لائیں۔

الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ

شیطان کے قدموں کی بے شک وُہ تمہارا کھلا دُشمن ہے (پیدا فرمائے) ۱۸۱ے آٹھ جوڑے بھیڑ سے

اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ

دو (نر و مادہ) اور بکری سے دو (نر و مادہ) آپ پُوچھئے کیا دونوں نر ۱۸۲ے حرام کیے ہیں یا دونوں مادائیں

اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ نَبِّــــُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ

یا جسے لیے ہوتے ہیں (اپنے اندر) دو ماداؤں کے رِحم بتاؤ مجھے علم کے ساتھ اگر ہو تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ

سچے اور اُونٹ سے دو (نر و مادہ) اور گائے سے دو (نر و مادہ) آپ پُوچھئے

ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ

کیا دونوں نر حرام کیے ہیں یا دونوں مادہ یا جسے لیے ہُوئے ہیں (اپنے اندر) دو ماداؤں

۱۸۱ے یہ فعل مُضمر انشا کا مفعول ہے اور اخفش کے نزدیک یہ حمولة کا بدل ہے اور اِس لیے منصوب ہے اور بعض نے "کلوا" مُضمر کا اسے مفعول بنایا ہے (قرطبی) ضان بھیڑ کو کہتے ہیں جن پر اُون ہوتی ہے۔ ذوات الصوف من الغنم یہ جمع ہے اور اس کا واحد ضائن ہے اور مؤنث ضائنة ہے اور بعض کے نزدیک الضان ایسی جمع ہے جس کا کوئی واحد نہیں اور معز بکری وھی ذوات الاشعار من الغنم۔ یہ جمع ہے اور اس کا واحد ماعز ہے۔ اور اس کا مؤنّث ماعزة ہے۔ (قرطبی)

۱۸۲ے جانوروں کی حِلّت و حُرمت کے متعلّق کفّارِ عرب میں جو جاہلانہ طریقہ رائج تھا اس کا بطلان کیا جا رہا ہے اور ان سے دریافت کیا جا رہا ہے کہ جن جانوروں کو تم نے حرام سمجھ رکھا ہے ان میں حُرمت آئی کہاں سے؟ کیا اِس لیے انھیں حرام سمجھتے ہو کہ وُہ نر ہیں یا اِس لیے کہ وُہ مادہ ہیں۔ اگر یہ وجہ ہے تو پھر تمام نر یا تمام مادائیں حرام ہونی چاہئیں۔ بعض نروں کو حلال اور بعض کو حرام، بعض ماداؤں کو حلال اور بعض کو حرام قرار دینا کہاں کی عقل مندی ہے اور یا ان کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ وُہ ماؤں کے شکموں میں ہیں۔ اگر ایسا ہے تو پھر نر اور مادہ کی تخصیص بھی بیکار ہوئی۔ پھر تو ہر جانور حرام ہونا چاہیئے خواہ نر ہو یا مادہ۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک شکمِ مادر میں رہا ہے۔ اور اگر ان کو حرام کرنے کی کوئی دلیل تمھارے

الْاُنْثَیَیْنِؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَاۚ فَمَنْ اَظْلَمُ

کے رحم - کیا تم تھے موجود جب وصیت کی تمھیں اللہ نے اس بات کی تو اس شخص سے زیادہ ظالم

مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّیُضِلَّ النَّاسَ بِغَیْرِ عِلْمٍؕ اِنَّ اللّٰهَ

کون ہے جو بہتان باندھے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا تاکہ گمراہ کرے لوگوں کو اپنی جہالت سے بے شک اللہ تعالیٰ

لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۠ ﴿۱۴۵﴾ قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ

ع ۱۷/۴

ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو ظالم ہے آپ فرمائیے میں نہیں پاتا ۱۸۳؎ اس (کتاب) میں جو وحی کی گئی

مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا

ہے میری طرف کوئی چیز حرام کھانے والے پر جو کھاتا ہے اسے مگر یہ کہ مُردار ہو یا (رگوں کا) بہتا ہوا خون

پاس نہیں تو پھر یہ کتنا ظلم ہے کہ جن جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے حلال بنایا ہے تم بغیر کسی دلیل کے ان کو حرام بناتے ہو۔

۱۸۳؎ اس آیت کا مضمون بارہا پہلے گزر چکا۔ اس لیے قارئین مزید وضاحت کے لیے سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۷۳ کے حاشیہ کی طرف رجُوع کریں۔ البتہ یہاں ایک چیز وضاحت طلب ہے۔ وُہ یہ کہ ظاہر آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ان چار چیزوں کو حرام فرمایا ہے۔ ان کے علاوہ اور کوئی چیز حرام نہیں۔ حالانکہ ان کے علاوہ کثیر التعداد ایسی چیزیں ہیں جو حرام ہیں مثلاً شراب، درندے وغیرہ۔ اس ضمن میں مفسّرین کرام نے بڑی طویل بحثیں کی ہیں۔ ان کا حاصل یہ ہے کہ یہ آیت جمہور کے نزدیک مکّی ہے اور دُوسری اشیاء کی حرمت مدینہ طیّبہ میں نازل ہُوئی۔ تو اس آیت کا مطلب یہ ہُوا کہ اس وقت تک جو وحی ہُوئی ہے اس میں صرف ان چار چیزوں کی حرمت کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے بعد وحی کا سلسلہ جاری رہا اور مُناسب اوقات پر حکمِ الٰہی سے اور چیزیں حرام ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ہر داڑھ سے چیر کر کھانے والے جانور اور پنجوں سے نوچ کر کھانے والے پرندے کو حرام کر دیا۔ واکل کل ذی ناب من السباع حرام (حدیث) ونھی عن اکل کل ذی مخلب من الطیر۔ (مُسلم) چنانچہ علّامہ قرطبی اس آیت کی وضاحت کرتے ہُوئے منجملہ دُوسرے اقوال کے یہ بھی لکھتے ہیں:۔ ای لا اجد فی ما اوحی ای فی ھذہ الحال حال الوحی و وقت نزولہ ثم لا یمتنع حدوث وحی بعد ذلک بتحریم اشیاء اخر۔ (قرطبی)

اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ

یا سؤر کا گوشت کیونکہ وُہ سخت گندہ ہے یا جو نافرمانی کا باعث ہو (یعنی) وُہ جانور جس پر ذبح کے وقت بلند کیا جائے غیر خدا کا نام ۱۸۴ پھر جو

اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۶﴾ وَعَلَى

شخص لاچار ہو جائے نہ نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو (حدِ ضرورت سے) تو بے شک آپ کا رب بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے اور

الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ

ان لوگوں پر جو یہودی بنے تھے ہم نے حرام کر دیا ہر ناخن والا جانور اور گائے اور بکری سے ہم نے

حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ

حرام کی ان پر دونوں (گائے بکری) کی چربی مگر جو اُٹھا رکھی ہو اُن کی پشتوں یا آنتوں نے

اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

یا جو ملی ہُوئی ہو ہڈی کے ساتھ یہ ہم نے سزا دی تھی انھیں بسبب ان کی سرکشی کے ۱۸۵ اور یقیناً ہم سچے ہیں

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ

پھر اگر وُہ جھٹلائیں آپ کو ۱۸۶ تو آپ فرمائیے تمھارا پروردگار کشادہ رحمت والا ہے اور نہیں ٹالا جا سکتا اس کا عذاب

۱۸۴ آیت کے اس حصّہ کی مکمّل تشریح کے لیے مُلاحظہ فرمائیے ضیاء القرآن سُورہ النحل کی آیت ۱۱۵۔

۱۸۵ کسی چیز کو حرام کرنے کی دو وجہیں ہوتی ہیں۔ یا تو یہ کہ وُہ چیز جسمانی یا رُوحانی طور پر مُضر ہوتی ہے اور لوگوں کو اس کے اثراتِ بد سے بچانے کے لیے اس کا استعمال ممنوع قرار دے دیا جاتا ہے جس طرح وُہ چیزیں جن کا ذکر پہلی آیت میں گزرا یا بطور سزا کسی شخص یا قوم کو ایک چیز کے استعمال سے روک دیا جاتا ہے یہاں اسی قسم کی چیزوں کا ذِکر ہو رہا ہے جو یہود پر بطور سزا حرام کر دی گئی تھیں۔ چنانچہ آیت کے یہ کلمات "ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ" صراحۃً بتا رہے ہیں۔

۱۸۶ جب نبی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور متعدد معجزات اور آیاتِ بیّنات سے اپنی صداقت کو روزِ روشن کی طرح ان پر عیاں کر دیا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اس کے بعد جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے محبُوب پر ایمان نہ لاتا اسے فوراً ہلاک کر دیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمتِ بے پایاں کے طفیل یہ اب تک محفوظ چلے آتے ہیں اگر انھوں

عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٤٨﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ

اس قوم سے جو جرائم پیشہ ہو اب کہیں گے جنھوں نے شرک کیا اگر چاہتا اللہ تعالےٰ

مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ

تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم حرام کرتے کسی چیز کو ۱۸۷ ایسا ہی جھٹلایا تھا

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ

اُنھوں نے جو اُن سے پہلے تھے۔ یہاں تک کہ چکھا اُنھوں نے ہمارا عذاب۔ آپ فرمایئے کیا تمھارے پاس کوئی

نے ان مُہلت کے لمحوں سے بھی فائدہ نہ اُٹھایا اور کجروی سے باز نہ آئے تو انجام کار اللہ تعالیٰ کی گرفت ان کو ہلاک کرکے رکھ دے گی۔ اس وقت کوئی ان کو عذاب خُداوندی سے بچا نہ سکے گا۔

۱۸۷ے سابقہ آیات میں کفّار کے عقائدِ باطلہ کی تردید کی گئی۔ نیز اشیاء کی حِلّت وحُرمت کے متعلق ان کی جاہلانہ رسموں کی خرابیوں کو ظاہر فرمایا گیا۔ اَب اِن آیات میں ان کے ایک شبہ کا ازالہ کیا جا رہا ہے۔ وُہ شبہ یہ تھا کہ ہم اور ہمارے آباؤ اجداد مدّت ہائے دراز سے شرک کرتے چلے آئے ہیں۔ اور جانوروں کی حِلّت وحُرمت کے متعلق اس قانون کے پابند رہے ہیں۔ اگر یہ باتیں اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوتیں تو وُہ کبھی ایسا نہ کرسکتے۔ ان کا یُوں کرتے رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شرک وغیرہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ چنانچہ دُوسری آیت میں ان کا یہ شبہ بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے واذا فعلوا فاحشۃ قالوا وجدنا علیہ اٰباءنا واللہ امرنا بھا قل ان اللہ لا یامر بالفحشاء تقولون علی اللہ مالا تعلمون (۷ : ۲۷) اللہ تعالیٰ شبہ کا ازالہ بُرہانِ فعلی سے کرتے ہیں کہ اگر تمھاری یہ بات درست ہوتی کہ تمھارے شرک اور تحلیل وتحریم کے اِس رواج کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی سند حاصل ہے تو چاہیئے یہ تھا کہ ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا پیہم لطف وکرم ہوتا۔ حالانکہ تم سے پہلے جنھوں نے اس گمراہی کو اپنایا ان پر غضب الٰہی ہُوا اور صفحۂ ہستی سے ان کا نام ونشان مٹا دیا گیا۔ تم خود غور کرو۔ ایسی سنگین سزا مجرموں اور نافرمانوں کو دی جاتی ہے یا اطاعت شعاروں اور فرماں برداروں کو۔ بعض علماء نے کفّار کے اِس شبہ کی تقریر دُوسری طرح کی ہے یعنی کفّار کہیں گے کہ ہم تو بے اختیار اور مجبُور تھے۔ اللہ کی مشیّت ہی یہی تھی کہ ہم کفر وشرک کے مرتکب ہوں۔ ہماری کیا مجال تھی کہ اس کی مشیّت کی خلاف ورزی کرتے۔ چنانچہ سُورہ النحل میں اُنھوں نے اپنے مجبورِ محض ہونے کا صراحۃً اعتراف بھی کیا ہے۔ وقال الذین اشرکوا لوشاء اللہ ماعبدنا من دونہ من شیءٍ (۱۶ : ۳۵) اور سورۃ الزخرف میں ہے وقالوا لوشاء الرحمٰن ماعبدناھم۔

عِلۡمٍ فَتُخۡرِجُوۡهُ لَنَا ؕ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا

علم ہے تو نکالو اسے ہمارے لیے ۱۸۸ تم نہیں پیروی کرتے مگر نرے گمان کی اور نہیں ہو تم مگر

تَخۡرُصُوۡنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلۡ فَلِلّٰهِ الۡحُجَّةُ الۡبَالِغَةُ ۚ فَلَوۡ شَآءَ لَهَدٰىكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۱۵۰﴾

اٹکلیں مارتے ہو آپ فرمائیے اللہ ہی کے لیے کامل دلیل ہے ۱۸۹ سو اگر وہ چاہتا تو ہدایت فرماتا تم سب کو ۱۹۰

قُلۡ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيۡنَ يَشۡهَدُوۡنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ

آپ فرمائیے لاؤ اپنے گواہ جو گواہی دیں ۱۹۱ کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا اسے

۱۸۸ اے میرے رسول! آپ ان سے پوچھئے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو اس کے متعلق اگر تمہارے پاس کوئی علمی دلیل یا قابلِ اعتماد سند ہے تو پیش کرو۔ باری تعالیٰ خود ہی فرماتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی دلیل اور سند نہیں جو ان کے خرافات کی اساس ہو۔ ان کے عقائد کا یہ ڈھانچہ صرف وہم و گمان اور ظن و تخمین کی پیداوار ہے۔

۱۸۹ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں قبولِ حق کے لیے مجبور نہیں کرتا بلکہ دلیل و حجت سے تمہیں دعوت دیتا ہے کہ تم حق اور صداقت کو قبول کرو اور اس نے تمہیں اختیار دیا ہے کہ تم اپنی مرضی سے چاہے تو حق کو قبول کرو چاہے باطل کو اپنا لو۔

۱۹۰ یعنی اس کی قدرت سے کیا بعید تھا کہ وہ تم میں برائی اور گمراہی کی استعداد ہی نہ رکھتا تم اپنی سرشت کے لحاظ سے فرشتوں کی طرح صرف عبادت اور اطاعت ہی کرتے۔ یا تم ارادہ اور شعور سے محروم پیدا کیے جاتے اور بلا ارادہ اور غیر شعوری طور پر تم سے نیکیاں سرزد ہوتیں لیکن حکمتِ الٰہی کا تقاضا یہ تھا کہ انسان شجر و حجر کی طرح مجبورِ محض بھی نہ ہو اور فرشتوں کی طرح فطری اعتبار سے فقط نیک اور پاکباز ہی نہ ہو بلکہ تمام سابقہ تخلیقات سے ایک انوکھی چیز ہو۔ استعداد اور صلاحیت کے لحاظ سے نیکی اور برائی دونوں اس سے سرزد ہو سکتی ہوں اور شعور و ارادہ کے اعتبار سے اسے مکمل آزادی ہو کہ جو راستہ چاہے اسے منتخب کر لے۔

۱۹۱ اے حبیب! انہیں فرماؤ کہ اگر تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کرنے کا کوئی گواہ ہے تو اسے میدان میں لے آؤ۔ جب تمہارے پاس کوئی گواہ ہی نہیں ہے تو پھر ان بے سروپا خرافات سے چمٹے رہنے پر کیوں بے جا ضد کر رہے ہو۔ ہلم کا لفظ اہلِ حجاز کے نزدیک واحد، جمع، مذکر اور مؤنث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ويستوى فيه الواحد والجماعة والذكر والانثىٰ عند اهل الحجاز (قرطبی)

فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

پھر اگر وُہ (جھوٹی) گواہی دے بھی دیں ۱۹۲ تو آپ گواہی دیجئے ان کے ساتھ اور نہ تم پیروی کرنا اُن کی خواہشوں کی جنھوں نے جھٹلایا

بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

ہماری آیتوں کو اور جو نہیں ایمان لاتے آخرت پر اور وُہ اپنے رب کے ساتھ (دُوسروں کو) برابر ٹھیراتے ہیں۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْــًٔا وَّ

آپ فرمائیے آؤ ۱۹۳ میں پڑھ سناؤں جو کچھ حرام کیا ہے تمھارے ربّ نے تم پر (وُہ یہ) کہ نہ شریک بناؤ اُس کے ساتھ کسی چیز کو اور

بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ

ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی (کے خوف) سے۔ ہم

نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا

رزق دیتے ہیں تمھیں بھی اور انھیں بھی اور مت نزدیک جاؤ بے حیائی کی باتوں کے ۱۹۴ جو ظاہر ہوں ان سے اور جو

۱۹۲ یعنی اُن سے شہادت اس لیے طلب نہیں کی جارہی کہ اگر وُہ شہادت دے دیں تو اُس کو تسلیم کر لیا جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کے دانش منداور دیانت دار طبقہ کو ان کی جاہلانہ رسموں کی بے ہُودگی پر آگاہ کیا جائے۔ کیونکہ جب ان سے ان رسوم کی صداقت کے لیے شہادت طلب کی جائے گی تو شہادت دینے سے پہلے احساسِ ذمّہ داری کا ثبوت دیتے ہُوئے وُہ ان اُمور میں بڑی سنجیدگی سے غور وفکر کریں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان پر ان چیزوں کی بے ہُودگی آشکارہو جائے گی اور وُہ ان سے خود بخود باز آجائیں گے۔ لیکن اگر انھوں نے شرافت و دیانت سے اپنا رشتہ توڑ ہی لیا ہے اور ایک غلط اور باطل چیز کی جان بوجھ کر شہادت دینے پر تُلے ہُوتے ہیں تو اُن کی شہادت آپ کے لیے حجّت نہیں۔

۱۹۳ اِن آیات کے متعلق حضرت ابنِ عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیات محکمات ہیں اور ان میں آسمانی ہدایت کے وُہ اصُول بیان کیے گئے ہیں جو تمام شریعتوں میں مشترک ہیں۔ تمام انبیاء نے اِن احکام پر عمل پیرا ہونے کا اپنی اُمتوں کو حکم دیا۔ اس آیت میں مندرجہ ذیل اُمور کو حرام کیا گیا:۔ (۱) شرک (۲) ماں باپ سے بدسلوکی (۳) فقر و تنگدستی کی وجہ سے اولاد کو قتل کر دینا (۴) ہر قسم کی بے حیائی کے کام خواہ لوگوں کے سامنے کیے جائیں یا چُھپ کر (۵) کسی کو ناحق قتل کرنا۔

۱۹۴ فواحش اُن اعمال اور اقوال کو کہتے ہیں جو حد درجہ قبیح ہوں۔ الفاحشة ما عظم قبحه من الافعال والاقوال (مفردات)

بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكُمْ

چھپی ہوئی ہوں اور نہ قتل کرو اس جان کو جسے حرام کر دیا ہے اللہ نے سوائے حق کے یہ ہیں وہ باتیں

وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٥٢﴾ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا

حکم دیا ہے تمھیں ۱۹۵؎ اللہ نے جن کا۔ تاکہ تم (حقیقت کو) سمجھو۔ اور مت قریب جاؤ ۱۹۶؎ یتیم کے مال کے مگر

بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ

اس طریقہ سے جو بہت اچھا ہو۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور پورا کرو ۱۹۷؎ ناپ اور تول

بِالْقِسْطِ ۖ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَ

انصاف کے ساتھ ہم نہیں تکلیف دیتے کسی کو مگر اس کی طاقت کے برابر۔ اور جب کبھی بات کہو تو انصاف کی کہو

یہاں کسی ایک برائی سے منع نہیں کیا گیا بلکہ فواحش جمع کا لفظ ذکر کر کے ہر قسم کی قولی اور فعلی برائیوں کے ارتکاب سے نہیں بلکہ ان کے قریب تک بھٹکنے سے منع کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام وہ چیزیں جو دل میں گناہوں کی تحریک پیدا کرتی ہیں مثلاً فحش گانے، ننگی تصویریں اور غلیظ لٹریچر سب سے دور رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور ماظھر منھا وما بطن کے کلمات سے اس حکم کو اور وسیع کر دیا کہ فواحش کا ارتکاب ظاہر اور باطن، جلوت اور خلوت میں ممنوع ہے۔

۱۹۵؎ مذکورہ بالا احکام کی اہمیت کو جتانے کے لیے فرمایا کہ یہ وہ مہتم بالشان قوانین ہیں جن پر عمل پیرا ہونے کا حکم ہمہ دان اور ہمہ بین رب نے تمھیں دیا ہے۔

۱۹۶؎ ابھی احکامات کا سلسلہ شروع ہے۔ اس آیت میں یتیموں کے مال خرد برد کرنے سے منع کیا اور حکم دیا کہ ان کو اس طرح کاروبار میں لگاؤ جس سے یتیم کو فائدہ ہو اور ان کا اس طرح نظم و نسق کرو کہ وہ ضائع نہ ہو جائیں۔ اور جب وہ صاحب عقل و فہم ہو جائیں تو ان کے اموال ان کے حوالہ کر دو۔ "اشد" سے مراد صرف بلوغ نہیں بلکہ بلوغ اور مال کو صحیح استعمال کرنے کی سوجھ بوجھ دونوں مراد ہیں۔ کیونکہ اگر بالغ ہوتے ہی اس کا مال اس کے حوالہ کر دیا تو وہ اپنی ناسمجھی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے اس کو برباد کر دے گا۔ فلو مکن الیتیم من ماله قبل حصول المعرفة وبعد حصول القوة لاذهبه فی شهواته وبقی صعلوکا لا مال له (قرطبی) اور حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک اس کی حد پچیس سال ہے۔

۱۹۷؎ کاروبار میں انتہائی دیانت داری اور راست بازی کا حکم دیا جا رہا ہے۔

لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

اگرچہ ہو (معاملہ) رشتہ دار کا ۱۹۸ اور اللہ سے کیے ہوئے وعدہ کو پورا کرو ۱۹۹ یہ ہیں وہ باتیں جن کا اللہ نے حکم دیا ہے تمھیں تاکہ

تَذَكَّرُوْنَ ۝۱۵۲ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا

تم نصیحت قبول کرو اور بے شک یہ ہے میرا راستہ سیدھا ۲۰۰ سو اس کی پیروی کرو اور نہ پیروی کرو

السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

اور راستوں کی (ورنہ) وہ جدا کر دیں گے تمھیں اللہ کے راستہ سے۔ یہ ہیں وہ باتیں حکم دیا ہے تمھیں جن کا تاکہ تم

تَتَّقُوْنَ ۝۱۵۳ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ

متقی بن جاؤ پھر ۲۰۱ عطا فرمائی ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب تاکہ پوری کر دیں نعمت ان پر جو نیک عمل کرتے ہیں

۱۹۸ عدل و انصاف کی تاکید بلیغ کی جا رہی ہے کہ خواہ تمھارے قریبی رشتہ داروں کا معاملہ ہی کیوں نہ ہو میزانِ عدل میں جھکاؤ رونما نہ ہو۔

۱۹۹ اسلام قبول کرتے وقت انسان جس کامل اطاعتِ خداوندی کا پختہ وعدہ کرتا ہے اس کو پوری طرح نباہنے کا ارشاد ہو رہا ہے۔ مذکورہ بالا دو آیتوں میں زندگی بسر کرنے کے جو لازوال اصول بیان ہوئے ہیں مسلمانوں نے جب تک ان اصولوں کو اپنی عملی زندگی میں اپنایا اور سچے دل سے ان پر کاربند رہے تو ان کی سروری کا ڈنکہ چار دانگِ عالم میں بجتا رہا۔ اور جب سے ہم نے ان حیات بخش اصولوں سے بے اعتنائی برتنی شروع کی اس وقت سے زوال و ادبار کا چکر شروع ہوا۔ خدا معلوم کب ہماری چشمِ ہوش کھلے گی۔ اور وہ روزِ سعید کب طلوع ہوگا جب ہم قرآنی ہدایت پر عمل پیرا ہو کر شاہراہِ ترقی پر گامزن ہوں گے۔

۲۰۰ حضور کریم کا راستہ ہی اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم کی فرماں برداری ہی وہ اساسِ محکم ہے جس پر اتحادِ ملت کا ایوان تعمیر ہو سکتا ہے اور جب بھی یہ اساس متزلزل ہو گئی۔ اس کے بعد ملت کے انتشار کو دور کرنے کی کوئی امید باقی نہیں رہے گی۔ ذرا غور فرمائیے ملت کے وہ بہی خواہ اور خیر اندیش جن کی ساری علمی قوتیں اور عملی کاوشیں سنتِ نبوی کو مٹانے پر صرف ہو رہی ہیں وہ دانستہ یا نادانستہ طور پر ملت کی کتنی بڑی بدخواہی کر رہے ہیں۔

۲۰۱ ثم عاطفہ ہے اور اس کا عطف وصاکم پر ہے کیونکہ ان امور کی وصیت ہر امت کو اس کے نبی کے ذریعہ کی گئی ہے اس لیے یہاں یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ وصیت تو اب کی جا رہی ہے۔ اور تورات کو نازل ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں۔ حالانکہ ثم تراخی کے لیے ہوتا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے اولادِ آدم! پہلے تمھیں ان ہدایات پر عمل پیرا ہونے

وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُم بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ

اور تاکہ تفصیل ہو جائے ہر چیز کی اور (یہ کتاب) باعثِ ہدایت و رحمت ہے تاکہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے

يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٥﴾ وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ

پر ایمان لائیں ۲۰۲؎ اور یہ (قرآن) کتاب ہے ۲۰۳؎ ہم نے اتارا ہے اِسے، بابرکت ہے سو پیروی کرو اس کی اور ڈرو (اللہ سے) تاکہ

ع ۱۹

تُرْحَمُونَ ﴿١٥٦﴾ أَن تَقُولُوا إِنَّمَا أُنزِلَ الْكِتَابُ عَلَىٰ طَائِفَتَيْنِ مِن

تم پر رحم کیا جائے (ہم نے اسے اُتارا ہے) تاکہ یہ نہ کہو کہ اُتاری گئی تھی کتاب تو صرف دو گروہوں پر ہم سے

قَبْلِنَا وَإِن كُنَّا عَن دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ ﴿١٥٧﴾ أَوْ تَقُولُوا لَوْ أَنَّا

پہلے ۲۰۴؎ اور ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے بالکل بے خبر تھے یا یہ نہ کہو ۲۰۵؎ کہ اگر

کی نصیحت کی گئی اور اس پر مزید کرم یہ فرمایا کہ تورات جیسی مفصّل کتاب نازل کی تاکہ جادۂ حق پر چلنے کا شوق رکھنے والوں پر اپنی نعمت کا اتمام کریں۔

۲۰۲؎ تورات نازل کرنے کا مقصدِ اعلیٰ یہ تھا کہ لوگوں کا یہ عقیدہ اور پختہ ہو جائے کہ ہمیں ایک روز اس سارے ساز و سامان کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہونا ہے جہاں ہم سے ہمارے تمام اعمال کا محاسبہ کیا جائے گا۔

۲۰۳؎ اس سے مُراد قرآنِ حکیم ہے۔

۲۰۴؎ یہاں خطاب مشرکینِ عرب سے ہے۔ اُنھیں فرمایا جا رہا ہے کہ تمھاری ہدایت کے لیے یہ بے نظیر کتاب نازل کی گئی ہے تاکہ قیامت کے روز تم اپنی گمراہی اور ضلالت کے لیے یہ عُذر نہ پیش کرو کہ ہمارے لیے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی کتاب نازل ہی نہیں کی گئی تھی جسے پڑھ کر ہم شرک و کفر سے تائب ہوتے اور توحید کو قبول کرتے۔ اور یہود و نصاریٰ پر بے شک کتابیں نازل ہوئیں لیکن ہم ان کو پڑھنے سے قاصر تھے اس لیے اگر ہم ایمان نہیں لائے تو ہم معذور تھے۔ طائفتین سے مُراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

۲۰۵؎ اس کا عطف سابقہ جُملہ پر ہے یعنی اگر قرآنِ حکیم تمھاری طرف نازل نہ کیا جاتا تو تم بڑی شیخی بگھارتے اور کہتے جس طرح یہود و نصاریٰ کو کتابیں دی گئیں اُسی طرح اگر ہمیں بھی کوئی کتاب دی جاتی تو دُنیا دیکھتی کہ ہم اس کو کس طرح سینہ سے لگاتے۔ کس طرح اس کی ہدایت کے مُطابق عمل کرتے۔ لو اب وُہ کتاب آگئی ہے جو روشن دلائل پر مشتمل ہے۔ جو سراپا ہدایت اور مجسّم رحمت ہے۔ اب اس پر عمل کر دکھاؤ۔

أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ

اُتاری گئی ہوتی ہم پر کتاب تو ہوتے ہم زیادہ ہدایت پانے والے ان سے بے شک آگئی ہے تمھارے پاس روشن

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ

دلیل اپنے رب کی طرف سے اور سراسر ہدایت اور رحمت تو کون زیادہ ظالم ہے اس سے ۲۰۶؎ جس نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ

اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا

کی آیتوں کو اور منہ پھیرا ان سے عنقریب ہم سزا دیں گے انھیں جو منہ موڑتے ہیں ہماری آیتوں سے

سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ

بُرے عذاب سے اس وجہ سے کہ وہ منہ پھیرا کرتے تھے کس کی انتظار کر رہے ہیں ۲۰۷؎ بجز اس کے کہ

تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِىَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِىَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ

آئیں ان کے پاس فرشتے یا خود آئے آپ کا رب یا آئے کوئی نشانی آپ کے رب کی (لیکن) جس روز

۲۰۶؎ تمھاری صرف یہی کوتاہی نہیں کہ تم خود اس کتاب پر ایمان نہیں لائے بلکہ اُلٹا تم دُوسروں کو بھی ایمان لانے سے روکتے ہو۔ تم خود ہی بتاؤ تم سے بڑا ظالم اور زیاں کار اور کون ہے ؟

۲۰۷؎ ان کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے اور گمراہی کے ظلمت کدہ سے باہر نکالنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنا جلیل القدر رسولؐ مبعوث فرمایا۔ اس پر قرآن جیسی بے مثل کتاب نازل کی۔ طرح طرح کے معجزات سے اس کی صداقت کو آشکارا کیا۔ اس کے باوجود اگر وہ اسلام نہیں لاتے اور حق کو قبول نہیں کرتے تو کیا وہ اِس انتظار میں ہیں کہ موت کا فرشتہ آئے اور ان کی رُوح قبض کرلے۔ یا قیامت قائم ہو جائے اور خود اللہ تعالیٰ کرسیِ عدالت پر تشریف فرما ہو یا کوئی ایسی نشانی ظاہر ہو جس کے بعد وُہ ایمان لانے پر مجبُور ہو جائیں۔ اگر واقعی اِن چیزوں میں سے کسی کا انتظار کر رہے ہیں تو ان کا یہ انتظار لغو ہے۔ کیونکہ ان چیزوں کے ظہُور کے بعد وُہ ایمان لے بھی آئے تو وُہ قابلِ قبول نہیں ہو گا۔ پھر اگر اُنھوں نے توبہ کی بھی تو وُہ منظور نہ ہو گی۔ کیونکہ ایمان تو وُہ مقبُول ہے جو اللہ تعالیٰ کے رسُولؐ کی زبان پر یقین کرتے ہوئے لایا جائے۔ جب سب پردے اُٹھ جائیں گے اور غیب شہادت میں بدل جائے گا تو اُس وقت کا ایمان معتبر نہ ہو گا۔ کیونکہ اُس نے اپنی آنکھ اور کان پر تو اعتماد کیا اور اللہ کے رسُولؐ کا ارشاد نہ مانا۔

يَأْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ

آئے گی کوئی نشانی آپ کے ربّ کی تو نہ نفع دے گا کسی کو اس کا ایمان لانا جو نہیں ایمان لا

اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ

چکا تھا اس سے پہلے یا نہ کی تھی اپنے ایمان کے ساتھ کوئی نیکی۔ آپ (انھیں)

انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ

فرمائیے تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کر رہے ہیں بے شک وہ جنھوں نے تفرقہ ڈالا اپنے دین میں ۲۰۸ اور

كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى

ہو گئے کئی گروہ (اے محبوب!) نہیں ہے آپ کا ان سے کوئی علاقہ۔ ان کا معاملہ صرف اللہ ہی کے

اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ

حوالے ہے پھر وہ بتائے گا انھیں جو کچھ وہ کیا کرتے تھے جو کوئی لائے گا ایک نیکی ۲۰۹

فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا

تو اس کے لیے دس ہوں گی اس کی مانند اور جو کوئی کرے گا ایک برائی تو نہ بدلہ ملے گا اسے مگر اس (ایک برائی)

۲۰۸ اس سے پہلے دین کے غیر متبدل اصولوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ وان هذا صراطی مستقیما فاتبعوه کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ اس کی پیروی کرو۔ اور اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ورنہ تمھاری یکجہتی ختم ہو جائے گی تمھارا شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔ اب اس آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ کی جارہی ہے جو اپنی خود پسندی کے باعث دین کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے میں کوشاں ہیں۔ انھیں صاف صاف بتا دیا کہ ان سے اللہ کا رسولؐ بری ہے اور اس کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اور جن کے ساتھ اللہ کے رسولؐ کا کوئی تعلق نہ ہو ان کا اسلام سے کیا تعلق باقی رہے گا۔

۲۰۹ کیا شانِ بندہ پروری ہے!

مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦١﴾ قُلْ إِنَّنِي هَدٰىنِي رَبِّي إِلَى

کے برابر اور اُن پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ آپ فرمائیے بے شک مجھے پہنچا دیا ہے میرے رب نے

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۚ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَ

سیدھی راہ تک ؎٢١٠ یعنی دین مستحکم (جو) ملّتِ ابراہیم ہے جو باطل سے ہٹ کر صرف حق کی طرف مائل تھے

مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٦٢﴾ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَ

اور نہیں تھے وُہ مشرکوں سے آپ فرمائیے بے شک میری نماز اور میری قربانیاں ؎٢١١ اور

مَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿١٦٣﴾ لَا شَرِيكَ لَهٗ ۚ وَ

میرا جینا اور میرا مرنا (سب) اللہ کے لیے ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا۔ نہیں کوئی شریک اس کا اور

بِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٤﴾ قُلْ أَغَيْرَ اللّٰهِ

مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں ؎٢١٢ آپ فرمائیے کیا اللہ کے سوا

؎٢١٠ اے عرب کے بُت پرستو! تم چاہو کسی کو اپنا معبود بناؤ۔ اللہ کی زمین میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاؤ اور فسق و فجور کا بازار گرم کرو۔ میرا تم سے کوئی سروکار نہیں۔ میں تو ثابت قدمی سے توحید اور پاکبازی کی اُسی راہ پر گامزن رہوں گا جو مجھے میرے مالک نے دکھا دی ہے۔ اور یہ کوئی نئی راہ نہیں ہے بلکہ اسی موحّدِ اعظم حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی راہ ہے جس کی اولاد ہونے پر تم فخر کرتے ہو جس کے بنائے ہُوئے کعبہ کی خدمت گذاری سے تمہاری ساری عظمتیں وابستہ ہیں۔ وُہ شرک سے بیزار اور توحید کے پرستار تھے۔ تو میں توحید کو چھوڑ کر شرک کیسے اختیار کر سکتا ہوں۔

؎٢١١ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا حاصل اور توحید کا سب سے اُونچا مرتبہ یہ ہے جہاں انسان کھڑا ہو کر یہ اعلان کرتا ہے کہ میری سجدہ ریزیوں کا مقصد اور میری ہر طرح کی نیاز مندیوں اور عبادتوں کا مدعا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ میری زندگی اور میری موت صرف اسی کی رضا جوئی کے لیے ہے۔ میں اس کے ہر حکم کے سامنے سرافگندہ ہوں اور اس کے ہر فیصلہ پر راضی۔ اس کا کوئی شریک نہیں نہ اس کی ذات میں اور نہ اس کی صفات میں۔ النسك فی هذه الآية جميع اعمال الطاعات (قرطبی) آیت میں لفظ نسك سے مراد ہر قسم کے نیک اعمال ہیں۔ قربانی بھی اس میں داخل ہے۔

؎٢١٢ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا سب سے پہلے مسلم ہونے کا یا تو یہ مطلب ہے کہ اپنی اُمّت میں سب سے پہلے

اَبۡغِیۡ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیۡءٍ ؕ وَلَا تَكۡسِبُ كُلُّ نَفۡسٍ

میں تلاش کروں کوئی اور رب ۔ حالانکہ وہ رب ہے ہر چیز کا ۲۱۳ اور نہیں کماتا کوئی شخص (کوئی چیز) مگر وہ اسی

اِلَّا عَلَیۡهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی ۚ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمۡ

کے ذمہ ہوتی ہے اور نہ اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ پھر اپنے رب کی طرف ہی تمہیں

مَّرۡجِعُكُمۡ فَیُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ فِیۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۶۵﴾ وَهُوَ

لوٹ کر جانا ہے تو وہ بتائے گا تمہیں جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے اور وہی ہے

آپ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لائے اور آپ کے بعد آپ کی امت آپ کی دعوت سے اس شرف سے مشرف ہوئی اور یا اوّلیت سے مراد اوّلیت حقیقیہ ہے کہ سب مخلوقات سے پہلے اللہ تعالیٰ کی توحید کا عرفان اتم ہمارے آقا و مولا محمد رسول اللہ کو ہوا۔ کیونکہ ہر چیز سے پہلے حضورؐ کے نور کی تخلیق ہوئی اور سب سے پہلے حضورؐ نے ہی اپنے رب کی توحید کی شہادت دی۔ قال قتادہ: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کنت اول الانبیاء فی الخلق وآخرهم فی البعث (قرطبی) یعنی قتادہ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ میری تخلیق تمام انبیاء سے پہلے ہوئی اور بعثت سب کے بعد۔ انہ اول الخلق اجمع (قرطبی) یعنی حضورؐ کی پیدائش سب مخلوق سے پہلے ہوئی۔ اور مولانا عثمانی نے بھی اسی قول کو پسند فرمایا ہے۔ آپ لکھتے ہیں: "عموماً مفسرین وانا اول المسلمین کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اس امتِ محمدیہ کے اعتبار سے آپ اوّل المسلمین ہیں لیکن جب جامع ترمذی کی حدیث کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد (میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم ابھی روح و جسد کی درمیانی منزلیں طے کر رہے تھے) کے موافق آپ اوّل الانبیاء ہیں تو اوّل المسلمین ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے (حاشیہ)

۲۱۳ کفارِ مکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بارہا کہا کرتے کہ آپ ہمارا دین قبول کر لیجئے اور ہمارے خداؤں کی پرستش شروع کر دیجئے۔ اور اگر دنیا و آخرت میں آپ کو کوئی گزند پہنچے تو ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ ان احمقوں سے کہیئے تم کتنے بے وقوف ہو۔ کیا میں اس پروردگار کو چھوڑ کر جو میرا بھی رب ہے اور کائنات کی ہر چیز کا بھی خالق و مالک ہے کسی اور کو اپنا رب بنا لوں۔ تمہارا یہ خیال کتنا احمقانہ ہے اور تمہارا یہ کہنا بھی لغو ہے کہ تم میرا بوجھ اٹھا لو گے۔ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ ہر ایک کو اپنا بوجھ خود اٹھانا پڑے گا۔ کسی کے بدلے دوسرا نہیں پکڑا جائے گا۔

الَّذِیۡ جَعَلَکُمۡ خَلٰٓئِفَ الۡاَرۡضِ وَ رَفَعَ بَعۡضَکُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ

جس نے ۲۱۴ے بنایا تمھیں (اپنا) خلیفہ زمین میں اور بلند کیا ہے تم میں سے بعض کو بعض پر

دَرَجٰتٍ لِّیَبۡلُوَکُمۡ فِیۡ مَاۤ اٰتٰىکُمۡ ؕ اِنَّ رَبَّکَ سَرِیۡعُ الۡعِقَابِ ۚ ۖ

درجوں میں تاکہ آزمائے تمھیں اس چیز میں جو اُس نے تمھیں عطا فرمائی ہے بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے

وَ اِنَّهٗ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۶۶﴾ ع

اور بے شک وُہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

۲۱۴ے جس ربّ کے حضُور میں سجدہ ریز ہوں وُہی وُہ مولائے برحق ہے جس نے تمھیں گزُری ہُوئی اُمّتوں کا قائم مقام بنایا۔ قوّت، علم، دولت اور دُوسری باتوں میں بعض کو بعض پر فوقیت دی۔ اور اِن ساری سرفرازیوں کا مقصد یہ ہے کہ تمھاری آزمائش کی جائے کہ تم اپنے منعمِ حقیقی کی کس طرح شکر گزاری کرتے ہو۔ اور جو قوت، عزّت، دولت اور صحت و جوانی اس نے تمھیں عطا فرمائی ہے اس کو کس طرح استعمال کرتے ہو۔ اگر وُہ چاہے تو چشم زدن میں تم کو عذاب میں گرفتار کر دے لیکن اس کی رحمت اور مغفرت بھی بے اندازہ ہے۔ اگر تم عمر بھر نافرمانی اور سرکشی کرنے کے بعد پشیمان اور نادم ہو کر اس کے درِ رحمت پر حاضر ہو جاؤ تو وُہ تمھارے عمر بھر کے قصور بخش دے گا اور اپنی رحمت سے تمھیں مالا مال کر دے گا۔